www.KitaboSunnat.com

العواصم من القواصم اور المنتقی سے اہم ترین حواشی اور تخریج حدیث کے ساتھ

مختصر منہاج السنۃ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

6-5

اختصار و ترجمہ و تعلیقات و حواشی

پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدراوی حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

فصل دوم......امامتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ ---- 11
❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت ---- 11
❖ خارجی فرقے اوران کے متعلق فتوی ---- 15
فصل:......چادر میں چھپانے کا قصہ ---- 16
تیسری فصل:......اداء صدقہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انفرادیت ---- 19
فصل:......کعب قرظی کی روایت اورشیعہ کا شبہ ---- 21
پانچویں فصل......حضرت علی رضی اللہ عنہ کووصی کہنا ابن سبا کی اختراع ---- 24
چھٹی فصل......بیت اللہ سے بت توڑنے کی روایت ---- 25
ساتویں فصل......ابن ابی لیلہ کی روایت تین صدیق ---- 26
آٹھویں فصل:......''علی رضی اللہ عنہ تم مجھ سے ہو''......الحدیث ---- 27
نوویں فصل......حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل عشرہ ---- 28
دسویں فصل......شیعہ کی وضع کردہ احادیث؛ خطیب خوارزمی کی روایت ---- 32
❖ واقعہ مباہلہ/اورحدیث کساء ---- 38
گیارھویں فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصوصی اوصاف ---- 41
❖ شیعہ کے دلائل پر تنقید وتبصرہ ---- 46
فصل:......واقعہ معراج کی من گھڑت حکایت ---- 50
فصل......روایت لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ ---- 53
فصل:......روایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ---- 54
فصل......محبت علی رضی اللہ عنہ اورگناہ کی چھوٹ ---- 55
❖ محبت اہل بیت اورسال کی عبادت...... ---- 57
❖ محبت علی رضی اللہ عنہ کا دعوی اورایک اورجھوٹی روایت ---- 58
فصل......حضرت علی رضی اللہ عنہ اوراللہ تعالیٰ کا عہد ---- 60
فصل......کلبی کے مطاعن اوران کا جواب ---- 61

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

❖ قاعدہ جامعہ ---------- 64
❖ ظلم وجور سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ---------- 76
❖ ظلم کے امکان اور امتناع کا مسئلہ ---------- 78
❖ مختلف چیزیں برابر نہیں ہوسکتیں ---------- 80
فصل:......خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر صحابہ پر تنقید کی مذمت ---------- 95
❖ شریعت کے فیصلوں کی پابندی واجب ہے ---------- 100
❖ منقبت صحابہ اور روافض کا دوغلا پن ---------- 102
❖ مسلمان پر ظلم کی حرمت ---------- 103
❖ شیعہ میں معتزلی اثرات ---------- 127
❖ اثبات شریعت میں شیعہ کے اصول ---------- 128
❖ روافض کے ہاں حجیت اجماع کے مقدمات ---------- 129
❖ حق اہل سنت سے باہر نہیں ---------- 129
❖ اجماع صحابہ کی موجودگی میں کسی بھی دیگر اجماع سے بے نیازی ---------- 130
❖ اہل کتاب کے پاس حق اور باطل ---------- 131
❖ دین اسلام کا توسط ---------- 132
❖ اہل سنت والجماعت کا توسط ---------- 134
فصل:......رافضی یہودی مشابہت ---------- 136
❖ مختلف اسلامی فرقوں کا انفراد ---------- 139
❖ حق ہمیشہ سنت اور صحیح احادیث کے ساتھ ---------- 141
❖ خطاء اور نسیان کا حکم ---------- 143
❖ ادائے واجب سے مقصود ---------- 150
❖ ترک واجب کا مسئلہ ---------- 152
❖ ایمان کی تقسیم کا مسئلہ ---------- 155
❖ نمازوں میں تاخیر ---------- 160
❖ فرق کی اصل بنیاد ---------- 164
❖ معذور اور غیر معذور کا فرق ---------- 171

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❖ بعض فاسد اعتقادات اوران کے اسباب ---------- 173
فصل:......اصحاب محمد ﷺ کی منزلت اوران کے لیے استغفار کا حکم ---------- 176
❖ تکفیر کے اصول ---------- 180
❖ کیا خوارج مشرک یا منافق تھے؟ ---------- 181
❖ حضرات صحابہ کرام f کا مؤقف خوارج کے متعلق ---------- 185
❖ مرتکب کبیرہ اور بدعتی کی توبہ ---------- 189
❖ دین اور اختلاف کا وقوع ---------- 193
❖ علم کلام اور علماء کی بیزاری ---------- 207
❖ اعمال کی قبولیت کی بحث ---------- 216
❖ متقی کون ہے؟ مفسرین کا اختلاف ---------- 218
❖ مرتکب کبیرہ کے متعلق بحث ---------- 224
❖ ہدایت وگمراہی اور رب کی مشیئت ---------- 237
❖ دوبارہ متکلمین پر رد ---------- 251
❖ محبت الٰہی کا معیار ---------- 252
❖ دین میں غلو اور جہالت گمراہی کا سبب ---------- 254
❖ اتحاد، حلول اور وحدت الوجود کے قائل بعض صوفیہ کے کلام پر ایک تبصرہ ---------- 255
❖ قرآن اور توحید کا بیان ---------- 265
❖ خواص کی توحید اور فنا پر بحث ---------- 270
❖ توحید کی تیسری قسم ---------- 282
❖ وحی اللہ تعالیٰ کا کلام ---------- 284
❖ کیا اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل میں ہے؟ ---------- 287
❖ مشار الیہ اور حدث کا قول ---------- 290
❖ رؤیت باری تعالیٰ ---------- 290
فصل......رب تعالیٰ کی محبت ---------- 293
❖ نماز اور سورت فاتحہ کی تقسیم ---------- 304
❖ قرآن اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے ---------- 312

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❖ حلولیہ اوراتحادیہ پرردّ ---------- 320

❖ علم دین حاصل کرنے طرق ---------- 322

❖ اہل نظراوراہل ریاضت کا ردّ ---------- 323

❖ معتزلہ اوران کے امثال کا فاسد قیاس ---------- 329

❖ دلیل کی اقسام ---------- 339

❖ مرکب اوراس کی صفات لازمہ ---------- 340

❖ اجتہادی مسائل میں غلطی ---------- 343

فصل ......حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر رافضی کی عیب جوئی اوراعتراضات ---------- 344

❖ خلیفہ کی شرعی حیثیت ---------- 345

فصل ......قولِ ابوبکر رضی اللہ عنہ میری بیعت واپس کردو ---------- 348

فصل ......کیا بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ عاجلانہ اقدام تھا؟ ---------- 349

فصل :......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کی تمنا ---------- 355

فصل :......حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اورموت کے وقت تمنا کا الزام ---------- 356

فصل :......کلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پرتنقید؛ اوراس پرردّ ---------- 358

فصل :......جیش اسامہ رضی اللہ عنہ اوررافضی کا جھوٹا دعوی ---------- 358

فصل :......نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اورمنصبِ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ---------- 361

فصل :......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جہالت کا الزام؛ اوراس کا ردّ ---------- 365

فصل :......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اورآگ سے جلانے کا واقعہ ---------- 365

فصل ......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جہالت کا بہتان اوراس کا ردّ ---------- 366

❖ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اورمسئلہ کلالہ ---------- 369

فصل :......حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ ---------- 373

فصل :......فضائلِ حضرت علی رضی اللہ عنہ پررافضی کے کلام پرتبصرہ ---------- 376

فصل :......علم علی رضی اللہ عنہ اورمن گھڑت روایت ---------- 376

فصل ......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اورخالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے قصاص؟ ---------- 378

فصل ......میراثِ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پراعتراض ---------- 383

فصل :......خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ---------- 385

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فصل ......حضرت عمر رضی اللہ عنہا کا آخری کلام اور شیعہ کا اعتراض ---------- 388

فصل: ......وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف ---------- 397

❖ واقعۂ قرطاس ---------- 399

❖ حدیث قرطاس کی مزید توضیح ---------- 401

فصل: ......فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور فدک کے متعلق موقف ---------- 404

❖ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور شرعی حدود میں سہل انگاری کا الزام ---------- 406

فصل: ......حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ازواج مطہرات F کے عطیات ---------- 408

❖ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ملک بدری کی سزا پر عمل ---------- 409

فصل: ......حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حاملہ کو سنگسار کرنے کا حکم؛ اعتراض اور ردّ ---------- 410

❖ پاگل لڑکی کو سنگسار کرنے کا حکم ---------- 412

❖ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے فضائل ---------- 416

❖ علمائے کرام اور مناقب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ---------- 418

❖ مناقب عمر رضی اللہ عنہ صحابہ وتابعین کی نظر میں ---------- 421

❖ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست وبصیرت اور حکمت ---------- 428

فصل: ......حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر زیادہ مہر سے روکنے کا الزام ---------- 431

فصل: ......شراب کی حد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر الزام ---------- 434

فصل: ......فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر اجتہادی غلطیوں کا الزام ---------- 438

فصل: ...... بچے کے بارے میں دو عورتوں کا جھگڑا ---------- 441

فصل: ......غیر شادی شدہ حامل کا حکم رجم ---------- 442

فصل: ......دادا کی میراث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ---------- 444

فصل: ......حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اقرباء پروری کا الزام ---------- 447

فصل: ...... قیاس کا اعتراض ---------- 456

فصل: ......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شوریٰ اور رافضی اعتراض ---------- 461

❖ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت؟ ---------- 463

❖ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خطبہ ---------- 477

❖ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی متعین کردہ شوریٰ ---------- 478

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❖ استخلافِ عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ---------- 482
❖ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تناقض کا الزام ---------- 486
❖ ارکان شوری میں کمی ؟ ---------- 487
❖ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر محبتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا غلط الزام ---------- 490
❖ بنو ہاشم و بنو امیہ کے باہمی روابط ---------- 494
❖ اکرام اہل بیت اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ---------- 499
❖ رافضی مذہب کو کہاں پذیرائی ہو سکتی ہے؟ ---------- 500
فصل:...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر الزامات ---------- 502
❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ کی شان میں شیعہ کا غلو ---------- 509
❖ شیعہ کا نص اور عصمت کا دعوی اور اس پر رد ---------- 510
فصل:...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد معصوم ہونے کا اعتقاد؟ ---------- 517
❖ گناہ اور اسبابِ مغفرت ---------- 523
❖ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ---------- 540
❖ معائب صحابہ حسد یا کذب پر مبنی ---------- 544
❖ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ولایت سے متعلق اعتراضات ---------- 545
❖ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی گورنری اور اس پر الزام ---------- 547
❖ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور کوفہ کی ولایت ---------- 547
❖ عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے نام خط کا مسئلہ ---------- 548
❖ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا حکم ---------- 549
❖ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور شام کی ولایت ---------- 550
❖ عبداللہ بن عامر اور مروان سے متعلق اعتراض اور جواب ---------- 551
❖ اُقرباء پروری کی حقیقت کیا ہے؟ ---------- 552
❖ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور جناب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ---------- 554
❖ حضرت عمار اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما ---------- 556
❖ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی پٹائی کا واقعہ ---------- 557
❖ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور رافضی کی پیش کردہ حدیث ---------- 559

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❖ حدود و تعزیر اور مصائب گناہوں کا کفارہ ہیں ---------- 561
❖ حکم بن العاص کی جلاوطنی کی حقیقت ---------- 563
❖ جلاوطنی کے مستحق کون؟ ---------- 565
❖ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی مدینہ بدری کی حقیقت ---------- 569
❖ حدود الٰہی کی پامالی کا الزام اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ---------- 572
❖ حکمران کے قاتل کی سزا ---------- 574
❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ہرمزان کا قصاص ---------- 577
❖ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر حد ---------- 579
❖ عہد عثمانی اور اذان کا اضافہ ---------- 581
❖ کیا مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے؟ ---------- 586
فصل:......مسلمانوں کے مابین اختلافات ---------- 589
❖ رافضی کا دعوی شہرستانی کا تعصب ---------- 592
❖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلا اختلاف اور رافضی دعوی ---------- 593
❖ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کا من گھڑت قصہ ---------- 602
❖ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میں اختلاف ---------- 605
❖ امامت میں اختلاف ---------- 606
❖ جنگ جمل کی وجہ ---------- 617
❖ فتنوں کی جنگیں ---------- 619
❖ وراثتِ فدک میں اختلاف ---------- 621
❖ منکرین زکوٰۃ سے جنگ اور شیعہ کا اعتراض ---------- 622
❖ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعین بطور خلیفہ ---------- 624
❖ شورائے عمر رضی اللہ عنہ ---------- 625
❖ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں اختلافات ---------- 626
❖ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی مدینہ بدری ---------- 628
❖ عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کا واقعہ ---------- 630
❖ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمال پر اعتراض ---------- 631

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اختلاف ---------- 632
❖ شہرستانی پر اعتراض ---------- 634
❖ اختلافِ امت کا وقوع اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ---------- 636
❖ عداوتِ صحابہ اور راہِ حق ---------- 638
❖ شیعہ کی کفار اور مرتدین سے موالات ---------- 639
❖ اہل ایمان پر صحابہ کی فضیلت ---------- 642
❖ شیعہ کے تین اصول ---------- 646
تیسری فصل: ......امامتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دلائل ---------- 647
❖ اپنے آپ سے سوال ---------- 651
❖ عارفین کے ہاں لطف کی حقیقت ---------- 652
❖ روافض ونصاریٰ کی مشابہت ---------- 659
❖ معصومیت ائمہ کا مسئلہ ---------- 659
❖ اللہ تعالیٰ کی ظلم وقباحت سے تنزیہ ---------- 661
❖ رافضی اور تقیہ ---------- 675
❖ رافضیت کا بانی کون؟ ---------- 679
❖ دوسرے مقدمہ پر رد/حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ معصومین ---------- 681
❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت اور دعوی تواتر ---------- 685
❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نص امامت؟ ---------- 686
فصل: ......امام کا تقرر کیسے ہوگا؟ ---------- 690
❖ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ---------- 691
❖ تعین امام کا طریقہ ---------- 694
❖ جزئیات کی تنصیص ممکن نہیں ---------- 695
فصل: ......امام معصوم کا تصور اور فہم کتاب وسنت ---------- 699
فصل: ......امام معصوم کا تعین قدرت الٰہی کی دلیل ---------- 704
❖ عصمت امام کی ایک اور اندھی بہری دلیل ---------- 710

❀❀❀❀

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل دوم:

امامتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت:

[اشکال]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: چھٹی بات: ''امامیہ نے جب دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لا تعداد اوصاف و کمالات سے بہرہ ور ہیں جن کے روایت کرنے والے موافق و مخالف سبھی قسم کے لوگ ہیں۔ علاوہ ازیں جمہور علماء دیگر خلفاء پر مطاعن و اعتراضات کا ذکر کرتے ہیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی طرح کا بھی کوئی طعن ہرگز منقول نہیں۔ نظر بریں امامیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا امام مقرر کر دیا؛ اس لیے کہ موافق اور مخالف سبھی لوگ آپ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اور باقی لوگوں کو انہوں نے چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ ان لوگوں کے بارے میں ایسی روایات منقول ہیں جن سے ان کی امامت میں طعن واقعہ ہوتا ہے۔ اب ہم چند وہ دلائل ذکر کریں گے جو ان [اہل سنت] کے ہاں صحیح ہیں' اور انہوں نے ان دلائل کو اپنی معتمد کتابوں کے معتمد اقوال میں نقل کیا ہے۔ بروز قیامت اتمام حجت کے نقطہ خیال سے ہم یہ چند دلائل ذکر کرتے ہیں۔

ان دلائل و براہین میں سے ایک وہ روایت بھی ہے جسے ابو الحسن اندلسی نے اپنی کتاب ''الجمع بین الصحاح الستۃ'' موطأ امام مالک' بخاری' مسلم' سنن ابی داؤد' صحیح ترمذی' اور سنن نسائی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آیت کریمہ: ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا﴾

''بیشک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کر دے اے اہل بیت؛ اور تمہیں بالکل پاک کر دے۔''

ان کے گھر میں نازل ہوئی جب کہ میں دروازہ کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اہل بیت میں شامل نہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیشک تم خیر پر قائم ہو' بیشک تم ازواج النبی میں شمار ہوتی ہو۔'' سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''[اس وقت] گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے۔ آپ نے ان سب کو ایک چادر سے ڈھانپ لیا اور فرمایا:

''یا اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان سے نجاست کو دور کر کے ان کو پاک کر دے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: ہم کہتے ہیں کہ: حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل و مناقب کی احادیث، فضائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی احادیث سے بہت زیادہ ہیں۔ شیعہ مصنف نے اس ضمن میں بعض احادیث نقل کر کے کہا ہے کہ: جمہور ان پر اعتماد کرتے ہیں؛ اور انہوں نے یہ روایات معتمد اقوال اور معتمد کتابوں سے نقل کی ہیں؛ یہ صریح کذب ہے۔ کیونکہ اس نے جو احادیث نقل کی ہیں' ان میں سے اکثر من گھڑت ہیں یا پھر ان کے ضعیف ہونے پر اہل علم محدثین کا اتفاق ہے۔ ان میں سے جو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

احادیث صحیح ہیں ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت ثابت نہیں ہوتی اور یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ اور نہ ہی ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی دیگر خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ ان فضائل و مناقب میں دیگر خلفاء حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ برابر کے سہیم و شریک ہیں۔ البتہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فضائل ان کے ساتھ مختص ہیں اور دوسرا کوئی شخص اس ضمن میں ان کے ساتھ شریک نہیں، خصوصاً ابوبکر رضی اللہ عنہ فضائل میں منفرد ہیں۔

جہاں تک خلفاء ثلاثہ کو ہدف طعن بنانے کا تعلق ہے تو شیعہ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جو اعتراضات وہ اصحاب ثلاثہ پر کرتے ہیں؛ ناصبی ان ہی اعتراضات کا نشانہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بناتے ہیں؛ بلکہ آپ پر اس سے بڑے اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ ہم ان شاء اللہ یہ ثابت کریں گے کہ جو کچھ اس بارے میں شیعہ مصنف نے بیان کیا ہے وہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

[شبہ]: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''موافق ومخالف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام مانتے ہیں؛ اور آپ کو عیب وخطاء سے منزہ سمجھتے ہیں۔ اور باقی لوگوں کو انہوں نے چھوڑ دیا کیونکہ ان لوگوں کے بارے میں ایسی روایات منقول ہیں جن سے ان کی امامت میں طعن واقع ہوتا ہے۔''

[جواب]: یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ مخالفین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پاک وصاف قرار نہیں دیتے، بلکہ متعدد فرقے آپ کو جرح وقدح کا نشانہ بناتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مورد طعن بنانے والے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے مخالفین سے افضل ہیں۔ اور وہ ان لوگوں کی نسبت بھی اولیٰ وافضل ہیں جو حضرت کی شان میں غلو کرتے ہیں۔ مثلاً خوارج جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کفر پر یک زبان ہیں سب مسلمانوں کے نزدیک ان غالی شیعہ سے بہتر ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الٰہ یا نبی تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ بالفاظ صحیح تر خوارج اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ آزما ہونے والے صحابہ ان اثنا عشری شیعہ سے افضل ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام معصوم قرار دیتے ہیں۔ [1]

روافض کے سوا مسلمانوں کا کوئی فرقہ حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو ہدف طعن نہیں بناتا۔ [2]

---

[1] خوارج کی شیعہ سے افضل ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ غیر انبیاء کو معصوم قرار دینے کی ضلالت سے پاک ہیں۔ دوسری وجہ فضیلت یہ ہے کہ سیدنا علی کی رفاقت میں سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں خوارج کا جو عقیدہ تھا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے برگشتہ خاطر ہونے کے بعد بھی اس میں تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ پہلے بھی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں اور بعد ازاں بھی اسی نظریہ پر قائم رہے۔ خوارج کے گمراہ ہونے کے دو اسباب تھے۔ (۱) اس کی ایک وجہ خوارج کی وہ میراث تھی جو انھوں نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے حاصل کی۔ (۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ انھوں نے تحکیم کی بنا پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کی۔ بہرکیف جو شخص خوارج وروافض کی ضلالت میں بحیثیت مجموعی موازنہ کرنا چاہتا ہے، وہ مقابلتاً خوارج کو کم گمراہ پائے گا۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ سیدنا علی کو من جانب اللہ جو عظیم تر اجر وثواب دیا جائے گا وہ اس بات پر ملے گا کہ مدینہ سے عازم عراق ہونے سے لے کر شہادت پانے تک آپ نے خوارج وشیعہ جیسے مسرف غالی فرقہ کے ہاتھوں عظیم مصائب جھیلے اور ان پر صبر وتحمل سے کام لیا۔

[2] وہ فرقے جو شیعہ کے شاگرد ہیں اور ان سے متفرع ہوئے ہیں مثلاً اسمعیلیہ، نصیریہ، شیخیہ، بابیہ اور بہائیہ یہ سب اس ضمن میں شیعہ کے ہم نوا ہیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرنے والے خوارج حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے دوستی رکھتے اور اظہارِ خوشنودی کرتے ہیں۔ فرقہ مروانیہ والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ظالم قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ آپ خلیفہ نہ تھے۔ دوسری جانب وہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے دوستی رکھتے ہیں حالانکہ وہ ان کے اقارب میں سے نہیں۔ پھر یہ بات کہاں تک قرین صدق وثواب ہے کہ موافق ومخالف سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منزہ قرار دیتے ہیں اور اصحاب ثلاثہ کو نہیں ۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو منزہ قرار دینے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مدّاحین کی نسبت اکثر وافضل اور اعظم ہیں۔

بخلاف ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فسق اور عصیان سے متہم کرنے والے فرقے مسلمانوں میں بڑے معروف ہیں۔ وہ روافض کی نسبت زیادہ عالم اور دین دار بھی ہیں جب کہ روافض ان کے مقابلہ میں کیا بلحاظ علم اور کیا باعتبار قوت وشوکت ضعیف وناتواں ہیں۔ روافض نہ ہی اپنے حریفوں کے خلاف حجت قائم کرکے ان کا منہ بند کر سکتے ہیں نہ قوت بازو کو کام میں لا کر انھیں شکست دے سکتے ہیں۔ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں قدح وارد کرتے ہیں اور ان کو کافر وظالم تک قرار دینے سے احتراز نہیں کرتے، ان میں کوئی گروہ ایسا نہیں جو اسلام سے منحرف وبرگشتہ ہو گیا ہو۔

اس کے عین برخلاف جو لوگ اصحاب ثلاثہ کو مورد طعن بناتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ مثلاً فرقہ غالیہ نصیریہ والے الوہیت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اسماعیلیہ ملحدین ان نصیریہ سے بھی گئے گزرے ہیں۔ اور غالی شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی قرار دیتے ہیں۔[1] بیشک یہ سب کافر اور مرتد ہیں۔ اللہ ورسول کے ساتھ ان کا کفر کسی عالم دین سے مخفی نہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی انسان کی الوہیت کا قائل ہو یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی سمجھتا ہو اس کا کافر ہونا ہر اس شخص پر واضح ہے جو دینی علم سے تھوڑی سی واقفیت بھی رکھتا ہو۔[2]

---

[1] مشہور شیعہ عالم المامقانی کا قول ہے کہ جن عقائد وافکار کی بنا پر قدیم شیعہ کو غالی کہا جاتا تھا وہ اب ضروریات دین میں شمار ہوتے ہیں۔ دورِ حاضر میں تقیہ کیے بغیر جو شیعہ واشگاف الفاظ میں اپنے عقیدے کا اظہار کرے گا۔ تو اس میں اور متقدمین غالی شیعہ میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اسے ضروریاتِ مذہب سے منحرف تصور کیا جائے گا۔

[2] کسی شخص کو نبی قرار دینے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اسے نبی کہہ کر پکارا جائے بلکہ اسے صفات انبیاء سے متصف کرنا بھی اسے نبی قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ علامہ کلینی نے جو شیعہ کا امام بخاری سمجھا جاتا ہے۔ شیعہ کی عظیم ترین کتاب ''الکافی'' میں جس طرح عنوانات قائم کیے ہیں اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ ائمہ امورِ الٰہی کے مالک اور اس کے علم کا خزانہ ہیں۔

۲۔ باب: ائمہ زمین کا ستون ہیں۔

۳۔ اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ ائمہ کے یہاں سب کتابیں ہوتی ہیں اور اختلاف الألسنہ (زبانوں کے اختلاف) کے باوجود وہ ان کے مضامین سے آگاہ ہوتے ہیں۔

۴۔ اس بات کا باب کہ قرآن کو ائمہ نے جمع کیا ہے۔

۵۔ اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ائمہ سب علوم سے واقف ہوتے ہیں۔

۶۔ اس بات کا باب کہ اماموں کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا ہے اور وہ اپنی مرضی سے فوت ہوتے ہیں۔ ⇦⇦⇦

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوارج جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے اور آپ پر لعنت بھیجتے ہیں ان کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجتے تھے اور آپ کے خلاف صف آراء بھی ہوئے؛ ان میں سے اصحاب معاویہ اور بنی مروان بھی تھے۔ یہ سب لوگ مقربہ الاسلام تھے اور دینی شرائع و احکام پر عمل پیرا تھے۔ یہ نماز کی پابندی کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے، روزے رکھتے، زیارت بیت اللہ سے مشرف ہوتے۔ اللہ اور اس کے رسول کے حلال کردہ کو حلال سمجھتے اور محرمات کو حرام سمجھتے تھے۔ ان میں ظاہری کفر کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا تھا۔ بخلاف ازیں ان میں اسلامی شعائر وشرائع برملا پائے جاتے تھے اور وہ ان کی تعظیم بجالاتے تھے ان باتوں سے ہر وہ شخص آگاہ ہے جو اسلامی حالات سے باخبر ہے۔ ان حالات کے باوصف یہ دعویٰ کیسے درست ہوسکتا ہے کہ سب مخالفین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منزہ سمجھتے ہیں اور اصحاب ثلاثہ کو نہیں۔

بخلاف ازیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اعوان و انصار جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ناپسند کرتے تھے؛ شیعان علی رضی اللہ عنہ سے بوجوہ افضل ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منزہ سمجھنے والے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں قدح کرنے والے؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر قدح کرنے والوں سے بڑھ کر دین دار اور افضل ہیں۔ اگر اہل سنت کو معاونین و محبین علی رضی اللہ عنہ کی فہرست سے الگ کرلیا جائے تو ان کو چاہنے والوں میں ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو آپ کے مخالف فرقوں یعنی خوارج، امویہ اور مروانیہ کا مقابلہ کر سکے۔ اس لیے کہ اعداء علی رضی اللہ عنہ کے متعدد فرقے ہیں۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ اعداء علی رضی اللہ عنہ میں سب سے بڑے خوارج ہیں؛ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کافر و مرتد تھے؛ اور تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے ان کو قتل کرنا حلال تھا۔ ایک خارجی شاعر عمران بن حطان کہتا ہے:

۱......يَا ضَرْبَةً مِّنْ تَقِيٍّ مَّا أَرَادَ بِهَا ۔۔۔ إِلَّا لِيَبْلُغَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ رِضْوَانًا

۲......إِنِّي لَأَذْكُرُهُ يَوْمًا فَأَحْسِبُهُ ۔۔۔ أَوْفَى الْبَرِيَّةِ عِنْدَ اللّٰهِ مِيزَانًا

⇦⇦⇦ ۷۔ اس باب میں بیان کیا جائے گا کہ امام ''ما کان و ما یکون'' کا علم رکھتے ہیں اور کوئی بات ان سے پوشیدہ نہیں ہوتی۔
۸۔ اس بات کا باب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ علم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے۔
۹۔ اس بات کا باب کہ اگر ائمہ سے کوئی بات پوشیدہ رکھی جائے تو وہ اسے ظاہر کر دیتے ہیں۔
۱۰۔ ہر امام جانتا ہے کہ اس کے بعد کون شخص منصب امامت پر فائز ہوگا۔
۱۱۔ اس بات کا باب کہ ائمہ کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ حق ہوتی ہے نیز جو بات ان کے ہاں سے نہیں آئی وہ باطل ہے۔
۱۲۔ اس بات کا باب کہ یہ کائنات ائمہ کی ملک ہے۔

یہ اس کتاب کے عنوانات ہیں جو شیعہ کی نہایت ہی قابل اعتماد کتاب ہے۔ یہ عقائد و افکار شیعہ میں اس وقت رائج تھے جب غلو کو ضروریات دین میں شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ جہاں تک ضروریات دین میں شمار کیے جانے والے غلو کا تعلق ہے تو اسے ان تراجم میں تلاش کرنا چاہیے جو اعداء دین روافض نے اپنے قلم سے تحریر کیے۔ مثلاً تحفہ اثنا عشریہ میں ص:۱۰۰ پر دیکھیے شیعہ کا یہ عقیدہ کہ سیدنا علی اولوالعزم نبیوں کو چھوڑ کر سب انبیاء و رسل سے افضل تھے۔ آگے چل کر صفحہ:۱۰۲، پر لکھا ہے کہ ائمہ انبیاء سے بڑے عالم ہوتے ہیں اس لیے ان کا مرتبہ بھی بلند تر ہوتا ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ:۱۰۳، پر شیعہ کا یہ عقیدہ تحریر کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اوّلین و آخرین سب سے افضل تھے۔ کتاب مذکور کے صفحہ:۱۱۴ پر لکھا ہے کہ شیعہ کے نزدیک سیدنا علی کی جانب وحی کی جاتی تھی اور آپ اس کی آواز سنتے تھے۔ (تحفہ اثنا عشریہ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۱)......اے متقی (قاتل علی) کی وہ ضرب جو قابل تحسین تھی جس سے اس کا مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول تھا۔

(۲)...... میں کبھی کبھی اسے یاد کرتا ہوں تو یوں خیال کرتا ہوں کہ سب مخلوقات سے اللہ کے نزدیک اس کا اعمال نامہ زیادہ بھرپور تھا۔

ایک سنی شاعر نے اس کے مقابلہ میں یہ اشعار کہے:

۱ ......یَا ضَرْبَةً مِّنْ شَقِيٍّ مَا اَرَادَ بِهَا   اِلَّا لِيَبْلُغَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ خُسْرَانًا

۲ ......اِنِّیْ لَاَذْكُرُهٗ يَوْمًا فَاَلْعَنُهٗ   لَعْنًا وَّاَلْعَنُ عِمْرَانَ ابْنَ حِطَّانًا

(۱) ہائے اس بدبخت کی وہ ضرب جس سے اس کا مقصد اللہ سے خسارہ پانے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ (۲) میں بعض اوقات یاد کر کے اس پر لعنت بھیجتا ہوں اور عمران بن حطان پر بھی لعنت بھیجتا ہوں۔ (جس نے مذکورہ بالا اشعار کہے)۔

[خارجی فرقے اور ان کے متعلق فتویٰ]

یہ خوارج تقریباً اٹھارہ فرقے تھے۔ جیسے ازارقہ ❶: نافع بن ازرق کے اتباع کار۔

نجدات: ❷ نجدۃ الحروری کے اتباع کار۔

❶ ازارقہ؛ ابو راشد نافع بن الازرق بن قیس الحنفی البکری الوائلی ؛اہل بصرہ میں سے تھا۔ شروع شروع میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی صحبت میں رہا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بلوائیوں میں شامل ہوگیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اور دوستی کا اظہار کرنے لگا۔ حتی کہ جب آپ نے حروراء کی طرف خروج کیا۔ یہ ایک بہادر اور لڑاکا اور انتہائی سرکش خارجی تھا۔ پھر سن ۶۵ ہجری میں قتل ہوا۔ فرقہ ازارقہ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما دونوں کو اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو کافر کہتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو بھی کافر کہتے ہیں جو ان جنگوں میں شریک نہیں ہوئے۔ اور مزید ان کا عقیدہ ہے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب لوگ کافر اور دائمی جہنمی ہیں۔ اور ان کے مخالفین کے مقبوضہ علاقے دار الکفر ہیں۔ مزید دیکھیں: لِسان المِیزانِ:٦/ ١٤٤، تارِیخ الطبرِي:٥/ ٥٢٨، الأعلام:٨/ ٣١٥، مقالاتِ الإِسلامِیین:١/ ١٥٧، المِلل والنِحل:١/ ١٠٩، الفرق بین الفِرقِ، ص:٥٠، ٥٢؛ التبصِیر فِی الدِینِ، ص: الخطط لِلمقرِیزِی: ٢/ ٣٥٤.

❷ انہیں نجدیہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نجدہ بن عامر حنفی کے اتباع کار ہیں۔ یہ انسان ۳۶ ہجری میں پیدا ہوا؛ اور ۶۱ ہجری میں وفات ہوئی۔ بظاہر یہ بھی نافع بن ازرق کا پیروکار تھا۔ پھر اس کی مخالفت میں علیحدہ سے ایک مذہب کی بنیاد رکھ لی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کے ایام میں بحرین میں اس کی مستقل حکومت تھی؛ اور اسے امیر المؤمنین کہا جاتا تھا۔ پانچ سال تک اس کی حکومت رہی؛ پھر اسے قتل کر دیا گیا۔ علامہ اشعری کہتے ہیں: نجدات بھی دوسرے تمام خوارج کی طرح ہیں۔ ان کا کہنا ہے: ہر کبیرہ گناہ کفر ہے۔ اور کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو دائمی عذاب دیں گے۔ اور ان کا خیال ہے کہ جو کوئی صغیرہ گناہ پر اصرار کرتا ہے؛ وہ مشرک ہے۔ اور جس نے کبیرہ گناہ کیا؛ اور وہ اس پر مصر نہ ہو؛ تو وہ مسلمان ہے۔ نجدات کہتے ہیں: لوگوں کے لیے کسی کو حاکم بنانا ضروری نہیں ہے۔ بس ان کے باہمی معاملات عدل و انصاف اور حق پر مبنی ہونے چاہییں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں:

لِسان المِیزانِ٦/ ١٤٨، شذراتِ الذهبِ:١/ ٧٦، الكامِل لِابنِ الأثِیرِ:٤/ ٧٨، الأعلام:٨/ ٣٢٤، مقالاتِ الإِسلامِیین: ١/ ١٥٦، الفرق بین الفِرقِ ص:٥٤، المِلل والنِحل:١/ ١١٠، التبصر فِی الدِینِ ص ٣١، الفِصل فِی المِللِ والنِحلِ:٥/ ٥٣، الخطط لِلمقرِیزِي: ٢/ ٣٥٤.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الاباضیہ [1]: عبداللہ بن اباض کے اتباع کار۔

اس کے عقائد اور احوال عقائد؛ حدیث؛ اور احوال و تراجم کی کتابوں میں بڑے ہی مشہور ہیں۔ یہ لوگ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے عہد مسعود میں موجود تھے۔ ان سے مناظرے بھی کرتے تھے؛ اور لڑتے بھی تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ان سے قتال کے واجب ہونے پر اتفاق ہے۔ مگر اس کے باوجود ان لوگوں کو کافر نہ صحابہ نے کہا اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے۔

جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کرنے والے شیعہ کے کفر پر تمام صحابہ کرام اور مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے انہیں کافر قرار دیکر آگ میں جلایا تھا؛ ان غالی شیعہ میں سے جس پر قدرت حاصل ہو؛ اسے قتل کر دیا جائے۔ جہاں تک خوارج کا تعلق ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے خلاف اس وقت جنگ آزما ہوئے جب انھوں نے کسی مسلمان کو قتل کیا۔ اور لوگوں پر حملہ کرکے ان کا مال لوٹنے کا بیڑا اٹھایا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات میں غلو کرنے والوں کو صحابہ بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتد قرار دیا۔ اور ان سے مرتدین کا سا سلوک کیا۔ مگر خوارج سے کسی نے بھی مرتدین جیسا سلوک روا نہ رکھا۔ یہ حقائق اس بات کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ اصحاب ثلاثہ سے بغض رکھنے والے جو حبِ علی رضی اللہ عنہ کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں ان میں بالاتفاق علی و جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق جو شرّ و کفر پایا جاتا ہے وہ ان لوگوں میں موجود نہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھتے اور آپ کی تکفیر کرتے تھے۔ نیز یہ بات بھی نکھر کر سامنے آئی کہ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بغض رکھنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ و جمیع صحابہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والوں سے بدتر تھے۔

فصل:...... چادر میں چھپانے کا قصہ

جس حدیث میں حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو چادر تلے چھپانے کا ذکر کیا گیا ہے' امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [2] امام مسلم نے یہ حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے: آپ فرماتی ہیں:

---

[1] اباضیہ: عبداللہ بن اباض المقاعسی المری اور التمیمی کے اتباع کار ہیں۔ مؤرخین کا اس کے حالات زندگی اور تاریخ وفات کے متعلق اختلاف ہے۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاصر تھا۔ اور مروان بن عبدالملک کے آخری عہد تک زندہ رہا۔ اور راجح تاریخ کے مطابق ۸۶ ہجری میں فوت ہوا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے مخالفین اہل قبلہ کافر ہیں؛ مشرک نہیں۔ اور ان کے مخالفین اہل اسلام کا دار دار التوحید ہے۔ سوائے حکمرانوں کے معسکر کے۔ وہ دار بغاوت ہے۔ اور ان کا اجماع ہے کہ: کبیرہ گناہ مرتکب کفر نعمت کا ارتکاب کرتا ہے؛ اس وجہ سے وہ ملت اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اور ان کی بھی تین اقسام ہیں؛ حفصیہ؛ حارثیہ اور یزیدیہ۔ دیکھو:

لِسان المِیزانِ: ۳/ ۲۴۸، الأعلام: ٤/ ١٨٤، مقالاتِ الإسلامِیین: ١/ ١٧٠، المِلل والنِحل: ١/ ١٢١، الفرق بین الفِرقِ ص: ٦١، التبصِیر فِی الدِینِ، ص: ٣٤، ٣٥، الفِصل فِی المِللِ والنِحلِ: ٥/ ٥١، الخطط لِلمقرِیزِی: ٢/ ٣٥٥، الإباضِیة فِی موکبِ التارِیخِ لِعلِی یحی معمر ط. مکتبة وهب: ١٣٨٤، ١٩٦٤.

[2] سنن ترمذی۔ کتاب المناقب۔ باب ما جاء فی فضل فاطمة رضی اللہ عنہا (حدیث: ٣٨٧١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''سرکار دو عالم ﷺ سیاہ بالوں کی بنی ہوئی ایک منقوش چادر اوڑھے علی الصبح گھر سے نکلے۔ اتنے میں حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما آ گئے تو آپ نے دونوں کو چادر کے نیچے چھپا لیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ آ ئے تو ان کو بھی چادر میں چھپا لیا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَهِّرَکُمۡ تَطۡهِیۡرًا﴾ [1]

''بیشک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کر دے اے اہل بیت ؛ اور تمہیں بالکل پاک کر دے۔''

ظاہر ہے کہ حدیث میں بیان کردہ وصف صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت نہیں ؛ بلکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی اس میں آپ کے ساتھ شریک تھے۔ ظاہر ہے کہ عورت امامت و خلافت کی اہل نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث میں بیان کردہ فضیلت خلفاء و ائمہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ دوسرے لوگ بھی اس ضمن میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ حدیث میں صرف دعا کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی آلودگی دور کر کے ان کو پاک وصاف فرما دے۔ اس میں حد سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے پاکیزگی اور تقوی کی دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان سے گناہ کی آلودگی کو دور کر دے' اور نہیں پاک صاف کر دے۔ گناہ کی آلودگی سے محفوظ رہنا مومن پر واجب ہے' اور طہارت حاصل کرنے کا حکم ہر مؤمن کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیَجۡعَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّ لٰکِنۡ یُّرِیۡدُ لِیُطَهِّرَکُمۡ وَ لِیُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡکُمۡ﴾ [المائدہ]

''اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَکِّیۡهِمۡ بِهَا﴾ [التوبہ ۱۰۳]

''آپ ان کے اموال سے صدقہ وصول کریں؛ اور اس سے ان کو پاک کیجئے اور ان کا تزکیہ کیجئے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِیۡنَ﴾ [البقرۃ ۲۲۲]

''اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

بس زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ ان لوگوں کے لیے امر بجالانے اور نواہی سے اجتناب کی توفیق کی دعا ہے۔ اس سے بڑھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ''أتقی'' کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے؛ قرآن مجید میں ہے:

﴿اَلۡاَتۡقَی o الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی o وَ مَا لِاَحَدٍ عِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰۤی o اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰی o وَ لَسَوۡفَ یَرۡضٰی o﴾ [اللیل ۱۷۔۲۱]

''وہ صاحب تقویٰ جو پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہے۔ حالانکہ اس کے ہاں کسی کا کوئی

[1] صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل اهل بيت النبی۔ (حدیث: ٢٤٢٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جائے۔ مگر (وہ تو صرف) اپنے اس رب کی رضا طلب کرنے کے لیے (دیتا ہے) جو سب سے بلند ہے۔ اور یقیناً عنقریب وہ راضی ہو جائے گا۔'' ❶

ایسے ہی مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین اور احسان کے ساتھ اتباع کرنے والے جن پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا؛ اور ان کو یہ بشارت سنائی:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ [التوبۃ ۱۰۰]

''وہ مہاجر اور انصار جنھوں نے سب سے پہلے ایمان لانے میں سبقت کی اور وہ لوگ جنھوں نے احسن طریق پر ان کی اتباع کی، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

اس لیے ضروری ہے کہ وہ واجب امور بجالاتے ہوں اور ممنوعات سے پرہیز کرتے ہوں تب یہ رضا مندی اور اس عمل پر یہ بدلہ ملے گا۔ اس وقت ان سے گناہوں کی آلودگی کا دور کیا جانا اور انہیں پاک وصاف کرنا ان کی بعض صفات میں سے ایک صفت ہوگی۔ تو کملی کے نیچے چھپائے ہوئے لوگوں کے لیے نبی کریم ﷺ کی دعا بھی اسی کی ایک قسم ہے جو اللہ تعالیٰ نے سابقین اولین کی صفات بیان کی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے صرف ان چادر کے نیچے چھپائے ہوئے لوگوں کے لیے ہی دعا نہیں فرمائی' بلکہ ان کے علاوہ کئی ایک دوسرے لوگوں کے لیے بھی آپ ﷺ نے رحمت کی دعا فرمائی ہے؛ اور بہت سارے لوگوں کے لیے جنت اور مغفرت کی دعا فرمائی ہے؛ جو کہ صرف طہارت اور آلودگی دور ہونے کی دعا سے کئی درجہ بڑھ کر ہے۔ اس سے یہ کہیں بھی لازم نہیں آتا کہ جن کے لیے آپ نے دعا فرمائی ہو وہ سابقین اولین سے افضل ہو جائے۔

مگر کملی کے نیچے چھپائے گئے لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ جب طہارت حاصل کرنا اور گناہوں کی آلودگی سے دور رہنا ان پر واجب تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس فعل کے بجالانے پر ان کی مدد فرمائے' تاکہ وہ [اس فعل کے ترک کی وجہ سے] عقاب اور مذمت کے مستحق نہ ٹھہریں؛ اور ان اوامر کے بجالانے کی مدح وثواب کو پالیں۔

❶ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت ''أَتْقٰی'' کے اس زمرہ میں اس لیے شامل نہ تھے کہ آپ ان دنوں مال دار نہ تھے۔ آپ اس وصف سے اس وقت متصف ہوئے جب غزوہ خیبر کے بعد آپ مال ودولت سے سرفراز ہوئے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

تیسری فصل:......اداء صدقہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انفرادیت

[شبہ]: شیعہ مصنف لکھتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ: ﴿اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰكُمْ صَدَقَةً﴾ (المجادلہ: ۱۲) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم پیغمبر سے سرگوشی (کرنے کا ارادہ) کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دو۔'' کے بارے میں فرمایا کہ ''اس آیت پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا۔ اور اس آیت میں وارد حکم سے اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے اس امت پر تخفیف کر دی۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: عرض ہے کہ صدقہ مسلمانوں پر واجب نہ تھا، جس کو ترک کرنے سے وہ گنہگار کہلاتے۔ البتہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی راز کی بات بیان کرنا چاہتا ہو اسے صدقہ دینے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت صرف علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرنا چاہا اور حکم الٰہی کی تعمیل میں صدقہ ادا کیا۔[1] صدقہ کی یہ ادائیگی بعینہ یوں ہے جیسے حج تمتع کرنے والے پر یا جس شخص کو اداء حج سے روک دیا جائے اس پر قربانی واجب ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی تکلیف کی بنا پر حالت احرام میں سر منڈوانے پر مجبور ہو جائے اس پر فدیہ؛ یا روزہ؛ یا صدقہ کرنا واجب ہے۔ یہ آیت حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر آپ کے پاس سے ہوا' تو آپ اپنی ہانڈی کے نیچے آگ جلانے کے لیے پھونکیں مار رہے تھے؛ اور آپ کے سر میں جوؤں کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہو رہی تھی [تو آپ کو حکم دیا گیا کہ سر کے بال منڈوا دیں اور اس کی جگہ صدقہ کر دیں]۔

* جیسے مریض یا مسافر کو بعد کے ایام میں روزے رکھنے کا حکم ہے؛ اور جس طرح قسم توڑنے والے پر کفارہ واجب ہے کہ وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے' یا انہیں کپڑا پہنائے یا پھر ایک غلام کو آزاد کرے۔ اور جس طرح یہ حکم ہے کہ جو

---

[1] مستدرک حاکم (۲/ ۴۸۲)۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خود بھی یہ واقعہ بہ تفصیل مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اس آیت پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا نہ میرے بعد کوئی عمل کر سکا، میرے پاس ایک دینار تھا جسے بھنا کر میں نے دس درہم لے لیے ایک درہم اللہ کے نام پر کسی مسکین کو دیدیا پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے سرگوشی کی پھر تو یہ حکم اٹھ گیا تو مجھ سے پہلے بھی کسی نے اس پر عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد کوئی اس پر عمل کر سکتا ہے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے پوچھا کیا صدقہ کی مقدار ایک دینار مقرر کرنی چاہیے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تو بہت ہوئی۔'' فرمایا: ''پھر آدھا دینار کہا ہر شخص کو اس کی بھی طاقت نہیں آپ نے فرمایا اچھا تم ہی بتاؤ کس قدر؟ فرمایا: ''ایک جو برابر سونا آپ نے فرمایا واہ واہ تم تو بڑے ہی زاہد ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پس میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف کر دی، ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور اسے حسن غریب کہا ہے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مسلمان برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راز داری کرنے سے پہلے صدقہ نکالا کرتے تھے لیکن زکوۃ کے حکم نے اسے اٹھا دیا، آپ فرماتے ہیں صحابہ نے کثرت سے سوالات کرنے شروع کر دیئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دے کر آپ پر تخفیف کر دی کیونکہ اب لوگوں نے سوالات چھوڑ دیئے، پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کشادگی کر دی اور اس حکم کو منسوخ کر دیا، عکرمہ اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے، حضرت قتادہ اور حضرت مقاتل بھی یہی فرماتے ہیں، حضرت قتادہ کا قول ہے کہ صرف دن کی چند ساعتوں تک یہ حکم رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ صرف میں ہی عمل کر سکا تھا اور دن کا تھوڑا ہی حصہ اس حکم کو نازل ہوئے تھا کہ منسوخ ہو گیا۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کوئی نماز کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ وضو کرلے؛ اور جس طرح یہ حکم ہے کہ جو کوئی قرآن پڑھنا چاہتا ہو' اسے چاہیے کہ سب سے پہلے شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لے۔ اس طرح کی مثال بہت زیادہ ہیں۔

* ان آیات میں حکم شرط کے ساتھ معلق ہے۔ جب یہ شرط صرف ایک ہی آدمی میں پائی جائے تو اس کے علاوہ کسی اور انسان پر اس حکم کو بجالانا واجب نہیں ہوگا۔ یہی عالم اس آیت کا بھی ہے۔ اس لیے کہ اس کے منسوخ ہونے سے قبل کسی ایک نے بھی نبی کریم ﷺ سے کوئی راز دارانہ بات نہیں کی سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے؛ اس لیے اس آیت پر عمل نہ کرنے پر کسی مؤمن پر کوئی حرج باقی نہ رہا۔ پس اس طرح کی چیزیں ائمہ کی خصوصیات میں سے نہیں ہوسکتیں۔ اور نہ ہی یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی خاصیت ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی لوگوں نے بخل کی وجہ سے راز داری کی بات نہ کی؛ اس لیے کہ ایسا کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا۔ اس پر مزید یہ کہ مشورہ سے پہلے صدقہ دینے کا حکم تادیر باقی نہ رہا۔ اور اس مدت میں کسی کو سرگوشی کرنے کی کوئی ضرورت پیش نہ آئی۔ [اور اتفاقاً حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی نے وہ درہم یا اس سے کم وبیش خرچ کرکے اس پر عمل کیا]۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ یہ حکم بعض لوگوں کے لیے خاص تھا' تو اس سے لازم نہیں آتا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے ہوں۔ اور یہ ممکن بھی کیسے ہوسکتا ہے جب کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے جذبہ جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے [غزوہ تبوک کے موقع پر] انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو آپ نے سارا مال اللہ کی راہِ میں دیدیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا آدھا مال اللہ کی راہ میں خرچ کردیا؛ انہیں کسی سرگوشی کی کوئی ضرورت ہی نہ پڑی تو پھر ان میں سے کسی ایک سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ کوئی سرگوشی کرنے سے پہلے دو یا تین درہم صدقہ کرنے سے بخل کرتا؟

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں؛ وہ کہتے ہیں: میں نے سنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمارہے تھے:

''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ پس اتفاق سے اس وقت میرے پاس کافی مال تھا؛ میں نے کہا: اگر کوئی موقع جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جانے کا ہے تو وہ آج کا دن ہے۔ تو میں اپنے گھر کا آدھا مال لے کر آگیا۔

رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''اے عمر! اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟''

میں نے عرض کیا: ''اتنا ہی مال اپنے گھر والوں کے لیے بھی چھوڑ آیا ہوں۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا مال لے کر آگئے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے آپ سے دریافت کیا کہ اے ابوبکر! گھر میں کیا چھوڑا؟

تو حضرت صدیق نے جواباً فرمایا: ''اللہ اور اس کے رسول کو گھر والوں کے لیے باقی چھوڑ دیا ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تو میں نے کہا: میں کبھی بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بازی نہیں لے سکتا۔''❶

[پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس صدیق کے لیے ہے اللہ کا رسول بس]

فصل:......کعب قرظی کی روایت اور شیعہ کا شبہ

[شبہ]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''محمد بن کعب القرظی روایت کرتے ہیں کہ طلحہ بن شیبہ اور حضرت عباس و علی رضی اللہ عنہم اجمعین باہم فخر کرنے لگے۔

طلحہ نے کہا: میں کعبہ کا کنجی بردار ہوں، اگر چاہوں تو کعبہ ہی میں رات بسر کرلوں۔

عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں اگر چاہوں تو مسجد ہی میں رات بسر کرلوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے پتہ نہیں تم لوگ کیا کہتے ہو؛ میں نے لوگوں سے چھ ماہ پہلے قبلہ رو ہوکر نماز ادا کی ہے اور میں صاحب جہاد بھی ہوں۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (التوبة:۱۹)

''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر بنا دیا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرے؟ اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں ہوسکتے؛ بیشک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: ہم کہتے ہیں: یہ روایت حدیث کی قابل اعتماد کتب میں موجود نہیں، بلکہ بوجوہ اس کا کاذب ہونا ظاہر ہوتا ہے:

۱۔ اس کے جھوٹ ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ طلحہ بن شیبہ نامی کوئی شخص نہیں۔ خادم کعبہ کا نام شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ ❷ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

---

❶ البخاری ۲/ ۱۲۔سنن ابی داؤد۔ کتاب الزکاة، باب الرخصة فی ذلک (ح:۱۶۷۸)، سنن الترمذی۔ کتاب المناقب (ح:۳۶۷۵)۔

❷ یہ عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کے چچا زاد بھائی تھے جو مکہ سے سیدنا خالد بن ولید کی معیت میں عازم مدینہ ہوئے مقام ''الھدءة'' میں مکہ و عسفان کے درمیان سیدنا عمرو بن العاص سے ملاقات ہوئی۔ یہ تینوں حضرات بہ یک وقت دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔(سیرة ابن ہشام:۴۸۴)، مستدرک حاکم:۳/ ۲۹۷۔۲۹۸) شیبہ غزوۂ حنین تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ حنین میں دھوکہ دے کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک شیبہ کے سینے پر رکھا اور فرمایا:''شیطان دفع ہو'' نتیجہ کے طور پر شیبہ مسلمان ہوگئے۔(سیرة ابن ہشام:۵۶۵) اور آپ سے مل کر کفار سے لڑے اور حوادث و آلام میں صبر و تحمل کا ثبوت دیا، جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے کعبہ کی کنجی عثمان بن طلحہ اور ان کے چچا زاد بھائی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کو دے کر فرمایا:''ابوطلحہ کے بیٹو! ہمیشہ کے لیے یہ کنجی لے لو، کوئی ظالم شخص ہی تم سے یہ کنجی واپس لے گا۔'' سیرة ابن ہشام (ص: ۵۴۹) اسد الغابہ:(۳/ ۵۹۹۔۶۰۰) کعبہ کی کنجی آج تک قبیلہ بن عبدالدار کے اسی کنبہ کے قبضہ میں چلی آتی ہے۔ ان کو ''الشیبیین'' کہا جاتا ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

۲۔ دوسری دلیل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ ''اگر میں چاہوں تو مسجد میں رات بسر کروں'' مسجد میں رات بسر کرنا کون سی بڑی بات ہے کہ اس پر خوشی کا اظہار کیا جائے۔

۳۔ تیسری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ ''میں نے لوگوں سے چھ ماہ پیشتر کعبہ رو ہو کر نمازیں پڑھیں۔'' اس قول کا باطل ہونا ضرورت کے تحت معلوم ہے۔ وجہ بطلان یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے اور حضرت ابوبکر و خدیجہ و زید رضی اللہ عنہم اجمعین کے اسلام میں صرف ایک دن یا اس کے لگ بھگ کا فرق پایا جاتا ہے۔ پھر یہ بات کیونکر درست ہوئی کہ آپ نے لوگوں سے چھ ماہ پہلے نمازیں ادا کی تھیں۔

۴۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو ''صاحب الجہاد'' کہا ہے، حالانکہ اس خصوصیت میں کثیر تعداد میں دوسرے صحابہ بھی آپ کے ساتھ برابر کے سہیم و شریک تھے۔

ان دلائل کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ یہ حدیث موضوع [من گھڑت] ہے۔ جب کہ صحیح مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر سے جو حدیث مروی ہے وہ اس کی تردید کرتی ہے۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں منبر نبوی کے پاس بیٹھا تھا۔ اسی دوران ایک شخص نے کہا: ''میں اسلام لانے کے بعد کوئی کام نہ بھی کروں تب بھی مجھے کوئی پرواہ نہیں سوائے حاجیوں کو پانی پلانے کے۔''

دوسرے نے کہا: میں مسجد حرام کو آباد کرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں کرنا چاہتا۔''

تیسرے نے جہاد کا ذکر کیا اور کہا کہ: یہ ان دونوں سے افضل ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر انھیں ڈانٹا اور فرمایا کہ جمعہ کے دن منبر نبوی کے نزدیک یہ شور وغل موزوں نہیں۔ البتہ میں جمعہ سے فارغ ہو کر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے اختلافی مسائل کا حل دریافت کروں گا۔ تب مندرجہ ذیل آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ: ۱۹)

''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر بنا دیا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرے؟''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں نہ ہی ائمہ کی کوئی خصوصیت ہے اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت۔ کیونکہ جو اصحاب اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مہاجرین اور انصار صحابہ کرام اس وصف میں آپ کے شریک ہیں۔ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان سب سے ایمان و جہاد میں بڑھ کر ہیں۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ۔ باب فضل الشہادۃ فی سبیل اللہ (حدیث: ۱۸۷۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ [التوبة ۲۰]

''جو لوگ ایمان لائے، ہجرت سے مشرف ہوئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا، تو یہ لوگ بلاشبہ اللہ کے نزدیک عالی مرتبت ہیں۔''

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مال و جان سے جہاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بڑھ کر تھا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے احسانات باقی سب لوگوں سے زیادہ ہیں۔''❶

آپ نے یہ بھی فرمایا:

''کسی شخص کے مال سے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے پہنچا ہے۔''❷

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سیف و سنان و زور بیان دونوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرتے تھے۔ آپ نے سب سے پہلے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اوّلین شخص تھے، جن کو اللہ کی راہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لاتعداد حوادث و آلام سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ پہلے شخص تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے سلسلہ میں اعداء دین کے سامنے سینہ سپر ہوئے۔ ہجرت و جہاد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق رہے، اس کی حد یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں سائبان کے نیچے آپ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔❸

ابوسفیان نے غزوۂ احد کے دن صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ ابوسفیان نے جب پوچھا کہ کیا محمد موجود ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اسے جواب نہ دو۔

پھر اس نے پوچھا کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں؟ آپ نے جواب دینے سے منع کیا۔

ابوسفیان پھر بولا: کیا عمر رضی اللہ عنہ ہیں؟ آپ نے پھر بھی جواب دینے کی اجازت نہ دی۔

ابوسفیان کہنے لگا۔ ان سب کا خاتمہ ہو چکا ہے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا تو بولے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ کہتا ہے یہ سب زندہ ہیں❹ اور اللہ تعالیٰ نے

---

❶ صحیح بخاری ـ کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم "سدوا الابواب ......" (ح:۳٦٥٤) صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل ابی بکر الصدیق، (حدیث:۲۳۸۲)

❷ سنن ترمذی۔ کتاب المناقب۔ باب (۱٥/ ۳٤)، (حدیث:۳٦٦۱)۔: سنن ابنِ ماجه:۱/ ۳٦، المقدمِة، باب فِی فضائِلِ أصحابِ رسولِ اللہِ صلی الله علیہِ وسلم، باب فضلِ أبِی بکرِ الصِدیقِ رضِی الله عنه، ونصه: ما نفعنِی مال قط ما نفعنِی مال أبِی بکر. قال: فبکی أبو بکر، وقال: یا رسول اللہِ، هل أنا ومالِی إلا لك یا رسول اللہِ؟ فِی المسندِ ط. المعارِفِ: ۱۳/ ۱۸۳، وصحح الشیخ أحمد شاکِر رحِمه الله الحدِیث وخالف تضعِیف البوصیرِیِ له فِی زوائِدِهِ، وصححه الألبانِی أیضا فِی صحِیحِ الجامِعِ الصغِیرِ:٥/ ۱۹۰.

❸ سیرۃ ابن هشام (ص:۳۰۰) ❹ صحیح بخاری، کتاب المغازی۔ باب غزوۃ احد، (حدیث:٤٠٤۳۔۳۰۳۹)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

تیرے لیے ایسے لوگ باقی رکھے ہیں جو تجھے رسوا کریں گے۔ یہ واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

پانچویں فصل : ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی کہنا ابن سبا کی اختراع

[اشکال] : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''ان دلائل میں سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ذکر کردہ یہ روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سلمان سے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیجیے کہ آپ کا وصّی کون ہے؟ جب سلمان نے یہ سوال کیا تو آپ نے جواباً فرمایا: ''اے سلمان! حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصّی کون تھا؟'' کہا ''یوشع بن نون'' فرمایا: ''میرا وصی اور وارث علی بن ابی طالب [1] ہے؛ جو میرا قرض ادا کرے گا اور میرے وعدے پورے کرے گا۔'' [انتھی کلام الرافضی]

[جواب] : ہم کہتے ہیں: یہ روایت باتفاق محدثین کذب و دروغ اور موضوع ہے [2] اور مسند احمد بن حنبل میں موجود نہیں۔ امام احمد نے فضائل صحابہ میں ایک کتاب تصنیف کی تھی اس میں خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ کے فضائل و مناقب بیان کیے ہیں۔ اس کتاب میں صحیح وضعیف روایات سب جمع کردی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کتاب میں جو حدیث بھی ہو وہ صحیح ہو۔ مزید برآں اس کتاب میں امام احمد رحمہ اللہ کے بیٹے عبداللہ رحمہ اللہ نے اپنی روایات کا اضافہ بھی کیا ہے۔

---

[1] مشہور شیعہ المامقانی نے اپنی کتاب ''تنقیح المقال''(۲/ ۱۸۴) پر جرح وتعدیل کے ماہر شیعہ عالم محمد بن عمر الکشی سے روایت کیا جس نے سب سے پہلے اس فن میں کتاب تصنیف کی۔ محمد بن عمر کی تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ بقول اہل علم عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ اسلام ظاہر کرکے اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے دوستانہ مراسم قائم کیے۔ ابن سبا جب یہودی تھا تو کہا کرتا تھا کہ یوشع بن نون سیدنا موسیٰ کے وصی تھے۔ اسلام لانے کے بعد وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصّی بتایا کرتا تھا۔'' مشہور شیعہ عالم کا یہ بیان اس باب میں نص صریح کا حکم رکھتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے وصی کا لقب ابن سبا نے اختراع کیا۔ چونکہ سابقاً ذکر کردہ سیدنا انس کی روایت بے بنیاد ہے اس لیے اس باب میں یقینی بات یہی ہے جو المامقانی نے الکشی سے نقل کی کہ اس لقب کا واضع ابن سبا یہودی تھا۔ اس روایت کے راوی جب شیعہ خود ہوئے تو اب یا تو وہ اپنے علماء کو جھوٹا کہیں یا یہ کہیں کہ الکشی نے علماء سے یہ روایت نقل کرنے میں دروغ گوئی سے کام لیا ہے۔ ہمیں اس ضمن میں مزید کسی دلیل کی حاجت نہیں اور یہی بات کافی ہے کہ یہ روایت شیعہ علماء کی زبانی نقل ہوتے ہوتے ابن سبا سے الکشی تک پہنچی اور پھر المامقانی کے ذریعہ شیعہ جرح وتعدیل کی عظیم وجدید ترین کتاب میں مندرج ہوئی۔ یہ اسی روایت کا ثمرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ انس وسلمان کا دامن اس تہمت سے پاک کردیا۔ بلکہ یوں کہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام کو ایسے عیب سے داغ دار ہونے سے بچالیا جس کی وجہ سے امت بنی نوع آدم میں سے ہونے والے اوصیاء کے زیر اثر سب تصرفات سے محروم ہوجاتی، اس پر طرہ یہ کہ ان میں سے آخری وصی ہنوز ''لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ'' کا مصداق ہے، حالانکہ پیام اسلام دنیائے انسانیت کو حریت فکر ونظر کا عطیہ دینے کے لیے آیا تھا اور اس کا اوّلین مقصد یہ تھا کہ عقل انسانی اسلام کے اس چشمۂ صافی سے بکمال آزادی اور بدوں جبر واکراہ ہدایت عظمیٰ کا آب حیات پیئے جس پر اس عالمی شریعت کے سوا کسی کو نگران یا وصی مقرر نہیں کیا گیا۔

[2] ذکر الحدیث ابن الجوزی فی الموضوعات: ۱/ ۳۷۴، من أربعة طرق، کلها غیر صحیح و موضوع، وتابعه السیوطی فی اللآلیء المصنوعة: ۱/ ۳۵۸.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

❀ قَطِیعی ❶ نے اپنے شیوخ کی روایات سے بھی امام احمد کی کتاب فضائل صحابہ پر اضافہ کیا ہے۔ قطیعی کا اضافہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔جیسا کہ آگے اس کا بیان آئے گا۔قطیعی کے شیوخ زیادہ تر امام احمد کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔شیعہ کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ اس کتاب میں جب بھی کوئی حدیث دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ:''یہ امام احمد کی روایت کردہ ہے' حالانکہ اس کا قائل قطیعی ہوتا ہے جس کے اساتذہ امام موصوف کے ہم طبقہ لوگوں سے روایات اخذ کرتے ہیں۔ مسند امام احمد میں بھی آپ کے بیٹے عبد اللہ نے زیادات کی ہیں۔ مسند احمد میں جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرویات ذکر کی گئی ہیں، وہاں عبد اللہ نے خصوصی طور پر اضافہ کیا ہے۔ ❷ خلاصہ یہ کہ یہ حدیث کسی دجال کا کذب و دروغ ہے اور اللہ کی قسم یہ امام احمد کی بیان کردہ نہیں، انھوں نے یہ حدیث اپنی مسند میں ذکر کی نہ فضائل صحابہ میں۔

چھٹی فصل: ...... بیت اللہ سے بت توڑنے کی روایت

[اشـــکـــال]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''یزید بن ابی مریم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں آئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کندھے پر سوار ہوئے۔ میں نے اٹھنا چاہا مگر نہ اٹھ سکا۔آپ میری کمزوری دیکھ کر اتر آئے پھر آپ بیٹھے اور میں آپ کے کندھے پر سوار ہو گیا۔آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور میں خانہ کعبہ پر چڑھ گیا۔کعبہ پر تانبہ کی ایک مورتی تھی۔ میں نے اسے اکھاڑ کر پھینک دیا اور وہ ٹوٹ گئی۔ پھر ہم بھاگنے لگے: یہاں تک کہ ہم گھروں میں نظروں سے اوجھل ہو گئے؛ ہمیں خوف تھا کہ کہیں لوگ ہمیں پکڑ نہ لیں۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: ہم کہتے ہیں کہ بشرط صحت ❸ اس واقعہ میں ایسی کوئی بات نہیں پائی جاتی جو ائمہ وخلفاء کے خصائص میں شمار ہونے کے قابل ہو۔احادیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حالت نماز میں امامہ بنت ابی العاص کو اٹھائے ہوئے ہوتے

---

❶ بغداد کے گرد و نواح میں اراضی کے کچھ قطعات بے آباد پڑے تھے۔عباسی امراء و حکام نے زمین کے وہ ٹکڑے بعض لوگوں کو جاگیر کے طور پر دے دیے تھے۔ زمین کے ہر ٹکڑے کو قطیعہ کہتے تھے اور اہل علم جن کو وہ جاگیریں ملی تھیں قطیعی کہلاتے تھے۔امام احمد کی کتاب فضائل صحابہ پر جس نے اضافہ کیا ہے ممکن ہے وہ احمد بن جعفر بن حمدان القطیعی المتوفی (۲۷۳۔۳۶۸) ہو۔ احمد بن جعفر نواح بغداد کی آبادی قطیعة الرقیق میں بود و باش رکھتے تھے۔

❷ حافظ ابن کثیر مقدمہ ابن الصلاح کے خلاصہ میں جس کا نام ''الباعث الحثیث فی اختصار علوم الحدیث'' ہے لکھتے ہیں:''حافظ ابوموسیٰ محمد بن ابی بکر مدینی کا مسند امام احمد کے بارے میں یہ ارشاد کہ ''اَنَّہٗ صَحِیْحٌ'' ضعیف قول ہے اس لیے کہ مسند احمد میں نہ صرف ضعاف بلکہ موضوعات بھی ہیں، مثلاً وہ احادیث جن میں مرو عسقلان نیز حمص کے نواحی شہر ''البرث الاحمر'' کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ محدثین نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔'' میں کہتا ہوں فضائل پر مشتمل احادیث اگرچہ بخاری و مسلم کی روایت کردہ احادیث کی طرح صحیح نہ بھی ہوں تاہم لوگ از راہ تساہل ان کو قبول کر لیتے ہیں جس طرح ترغیب و ترہیب پر مشتمل ضعیف احادیث کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے۔''

❸ مسند احمد(۱/ ۸۴)۔ مستدرك حاكم(۲/ ۳٦٦۔۳٦۷، ۳/ ۵) من طريق ابی مريم عن علیؓ۔ و ابو مريم الثقفی هو مجهول۔ وقال الذهبی۔ اسناده نظيف والمتن منكر۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ ❶ جب آپ سجدہ کرتے تو اسے نیچے چھوڑ دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے۔

* ایک دفعہ حالت سجدہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ آ کر آپ پر سوار ہو گئے ❷ تو آپ نے سجدہ لمبا کر دیا۔ پھر بعد میں آپ نے فرمایا: ''میرے بیٹے کی وجہ سے مجھے سجدہ لمبا کرنا پڑا۔ ❸

* آپ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا کرتے تھے۔

* جب آپ ایک لڑکے اور لڑکی کو اٹھا سکتے ہیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اٹھانے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ آپ کی کوئی خصوصیت ہے۔ بلکہ اس معاملہ میں دوسرے لوگ بھی آپ کے شریک ہیں۔ جبکہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے اٹھایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھانے سے قاصر تھے۔

* بنابریں اس واقعہ کو مناقب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس پر مزید یہ کہ جو شخص نبی کو اٹھاتا ہے وہ اس سے افضل ہے جو نبی پر سوار ہو۔ جیسے طلحہ بن عبید اللہ نے غزوہ احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا تھا۔ ❹ ظاہر ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا اس نے نبی کو فائدہ پہنچایا اور جو نبی پر سوار ہوا اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فائدہ حاصل کیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ نبی کو فائدہ پہنچانے والا نفع حاصل کرنے والے کی نسبت بہت زیادہ افضل ہے۔

ساتویں فصل:......ابن ابی لیلہ کی روایت: تین صدیق

[شبہ] : شیعہ معترض کہتا ہے: ''ابن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدیق تین ہیں: (۱) حبیب نجار؛ آل یاسین کا مؤمن۔ (۲) حزقیل؛ مومن آل فرعون (۳) اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ؛ آپ ان تینوں میں سب سے افضل ہیں۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب] : ہم کہتے ہیں کہ: یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑا ہوا ہے۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کے لقب سے ملقب کیا۔ ❺

❶ صحیح بخاری۔ کتاب الصلاۃ باب اذا حمل جاریة صغیرة علی عنقه" (حدیث: ٥١٦)، صحیح مسلم، کتاب المساجد۔ باب جواز حمل الصبیان فی الصلوة (حدیث: ٥٤٣)۔

❷ سنن نسائی، کتاب التطبیق۔ باب هل یجوز ان تکون سجدة أطول من سجدة (ح:١١٤٢)

❸ رواه النسائي ٢/ ١٨٢؛ أحمد ٣/ ٤٩٣۔

❹ سنن ترمذی۔ کتاب المناقب، باب مناقب ابی محمد طلحه بن عبید الله، (حدیث:٣٧٣٨)
قال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح غريب، والحديث في المسند ط. المعارف:٣/ ٢١ وصححه أحمد شاكر رحمه الله، سيرة ابن هشام:٣/ ٩١.

❺ مستدرك حاكم(٣/ ٦٢) عن النبي ﷺ:" اثبت حراء، إنه ليس عليك إلا نبي و صديق و شهيد۔" و ورد الحديث في: سنن أبي داود والترمذي وابن ماجه والمسند، وقد سم الصحابة والتابعون أبا بكر الصديق. انظر سنن أبي داود:٣/ ٩٤، كتاب الجهاد باب في السلب يعطى للقاتل، والحديث فيه: عن أبي قتادة رضي الله عنه، وانظر أيضا: المسند ط. الحلبي:٤/ ٤، والأثر عن عبد الله بن الزبير رضي الله عنه.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

''تم پر سچ بولنا لازم ہے؛ بیشک سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے' اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ اور کوئی آدمی سچ بولتا اور سچ کا قصد کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ درگاہ ایزدی میں صدیق لکھا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بچ کر رہو۔ بیشک جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔ اور گناہ جہنم کی طرف لے جانے والا ہے اور کوئی انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کا قصد کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔'' ❶

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ صدیق صرف کوئی ایک ہی نہیں بلکہ بہت سارے صدیق ہیں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو صدیقہ کے لقب سے نوازا ہے' ارشاد ربانی ہے: ﴿وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ﴾ (المائدۃ: ۷۵) (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ صدیقہ تھیں) حالانکہ آپ عورت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مردوں میں بہت سارے لوگ کامل ہوئے ہیں' اور عورتوں میں سے صرف چار کامل ہوئی ہیں۔'' ❷

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ صدیق ہو سکتے ہیں۔

آٹھویں فصل: ......''علی رضی اللہ عنہ تم مجھ سے ہو'' ......الحدیث

[شبہ]: رافضی کہتا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ((اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْكَ .))

[جواب]: بخاری و مسلم نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی و جعفر اور زید رضی اللہ عنہم اجمعین سید شہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی کفالت کے بارے میں جھگڑنے لگے تو آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ صادر کیا، کیونکہ وہ لڑکی کے خالو تھے۔ تاہم آپ نے فرداً فرداً تینوں کو مطمئن کرنے کے لیے ان کے حق میں تعریفی کلمات ارشاد فرمائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ((اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْكَ)) ❸ تم میرے ہو اور میں آپ کا ہوں)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا: ''آپ کی صورت و سیرت مجھ سے ملتی جلتی ہے۔''

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''آپ ہمارے بھائی اور مولیٰ ہیں۔''

دلچسپ بات یہ ہے کہ جو کلمات آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں فرمائے، وہ متعدد صحابہ کی شان میں فرما چکے تھے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبیلہ کے حق میں فرمایا:

---

❶ صحیح بخاری۔ کتاب الأدب ، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿ یایها الذین اٰمنوا اتقوا اللہ﴾ (ح:٦٠٩٤) صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلة ، باب قبح الکذب و حسن الصدق: (ح:١٠٥/ ٣٦٠٧)

❷ البخاري مع الفتح ٦/ ٤٤٦۔ ومسلم٤/ ١٨٨٦۔

❸ صحیح بخاری ، کتاب المغازی ، باب عمرة القضاء ، (حدیث:٤٢٥١)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''اشعر قبیلہ کے لوگ جہاد میں محتاج ہو جاتے ہیں یا مدینہ میں ان کے بچوں کا کھانا کم ہو جاتا ہے، تو جو کچھ ان لوگوں کے پاس ہوتا ہے اس کو ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں، پھر آپس میں ایک برتن سے برابر تقسیم کر لیتے ہیں[اور فرمایا:

''هُمْ مِنِّیْ و اَنَا مِنْهُمْ''❶

''وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔''

ایسے ہی رسول اللہ ﷺ نے حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:''هُوَ مِنِّیْ و اَنَا مِنْهُ۔''

''وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔''

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

((نبی ﷺ ایک جہاد میں تھے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو مال عطا کیا۔تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: ''کیا تمہیں کوئی ایک غائب معلوم ہوتا ہے۔'' انہوں نے عرض کیا: جی ہاں فلاں فلاں اور فلاں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی گم نہیں ہے؟

انہوں نے عرض کیا: جی ہاں فلاں فلاں اور فلاں غائب ہیں۔

آپ ﷺ نے پھر فرمایا: کیا تم میں سے کوئی گم نہیں ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن میں تو جلیبیب کو گم پاتا ہوں؛ اسے تلاش کرو۔''

پس انہیں شہداء میں سات آدمیوں کے پہلو میں پایا؛ جنہیں انہوں نے قتل کیا تھا۔ پھر کافروں نے انہیں شہید کر دیا۔ نبی ﷺ ان کے پاس آ کر کھڑے ہوئے پھر فرمایا: ''اس نے سات کو قتل کیا؛ پھر انہوں نے ان کو شہید کر دیا؛ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں؛ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔''

پھر آپ ﷺ نے اپنے بازوؤں پر اٹھا لیا؛ اس طرح کہ نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور نے انہیں نہیں اٹھایا ہوا تھا۔ پھر ان کے لیے قبر کھودی گئی اور انہیں قبر میں دفن کر دیا گیا اور غسل کا ذکر نہیں کیا۔''❷

نوویں فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل عشرہ

[شبہات و اعتراضات] : شیعہ مصنف لکھتا ہے: عمرو بن میمون روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں دس اوصاف پائے جاتے ہیں جو کسی اور میں موجود نہیں:

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں فرمایا: ''میں ایک ایسے شخص کو بھیجوں

❶ صحیح بخاری، کتاب الشرکۃ، باب الشرکۃ فی الطعام والنھد، (حدیث: ۲٤٨٦)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ: باب من فضائل الاشعریین، (حدیث:۲٤٩٩)

❷ مسلم ٤/ ۱۹۱۸۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

گا، جسے اللہ تعالیٰ ہر گز رسوا نہیں کرے گا وہ اللہ و رسول کو چاہتا ہے اور اللہ و رسول اسے چاہتے ہیں۔ آپ نے ادھر ادھر دیکھا، پھر فرمایا، علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟

لوگوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے' اور آرام کررہے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے' آپ کی آنکھوں میں تکلیف کی وجہ سے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ پھر آپ نے ان کی آنکھوں میں پھونک ماری' پھر تین بار جھنڈے کو ہلایا اور آپ کو عطا کردیا؛ آپ صفیہ بنت حیي بن اخطب کو گرفتار کر کے لائے۔

۲۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سورۂ توبہ دے کر بھیجا، بعد ازاں ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا اور فرمایا: ''اس سورت کو لے کر وہ شخص جائے گا جو میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔''

۳۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائیوں سے پوچھا: ''کون شخص دنیا و آخرت میں مجھ سے دوستی لگانا چاہتا ہے؟'' سب نے انکار کردیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں آپ سے دنیا و آخرت میں دوستی لگاؤں گا۔''

فرمایا: '' آپ نے اسے چھوڑ دیا؛ پھر ان آدمیوں میں سے ایک آدمی کے پاس آئے؛ آپ نے پوچھا: ''کون شخص دنیا و آخرت میں مجھ سے دوستی لگانا چاہتا ہے؟'' سب نے انکار کردیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں آپ سے دنیا و آخرت میں دوستی لگاؤں گا۔'' تو آپ نے فرمایا: تو دنیا و آخرت میں میرا دوست ہے۔''

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اوّلین شخص تھے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام لائے۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب خمسہ [حضرت علی' حضرت حسن حضرت حسین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو چادر تلے چھپایا اور آیت کی تلاوت فرمائی:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا﴾ [الأحزاب ۳۳]

''اے اہل بیت نبی اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کرکے اچھی طرح پاک صاف بنادے۔''

۶۔ چھٹی خصوصیت: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جان کی بازی لگائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص پہن کر مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوئے رہے؛ اس وقت مشرکین آپ پر سنگ باری کررہے تھے۔

۷۔ ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لیے مدینہ سے نکلے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ جانے کی اجازت نہ دی تو آپ رو پڑے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی؛ سوائے اس کے کہ آپ نبی نہیں ہیں۔ اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں چلا جاؤں مگر آپ کو اپنا خلیفہ بنا کر۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۸۔ آٹھویں خصوصیت کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں فرمایا: ''میرے بعد آپ ہر مومن کے دوست ہیں۔''

۹۔ نویں خصوصیت کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''علی رضی اللہ عنہ کے سوا باقی سب لوگوں کے وہ دروازے بند کر دیے جائیں۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ بحالت جنابت مسجد نبوی میں سے گزرا کرتے تھے۔ اسکے علاوہ آپ کا دوسرا کوئی راستہ ہی نہ تھا۔

۱۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دسویں خصوصیت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں فرمایا:

((مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ .))

''جس کا میں دوست ہوں' علی بھی اس کا دوست ہے۔''

نبی ﷺ سے مرفوعاً روایت کیا گیا ہے کہ: آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سورۂ توبہ دے کر مکہ روانہ کیا۔ چنانچہ آپ تین شب و روز چلتے رہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو واپس بلوایا اور علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ سورۂ توبہ مکہ پہنچائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں پہنچ کر رو پڑے۔ اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے بارے میں کوئی نئی بات پیش آئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں البتہ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ یہ سورت خود مکہ پہنچاؤں یا میرا کوئی اپنا آدمی یہ فریضہ انجام دے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جوابات]: یہ کسی مستند حدیث میں ثابت نہیں ہے۔ عمرو بن میمون کی روایت کردہ یہ روایت مرسل ہے (اس لیے کہ عمرو بن میمون نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی اور نبی کریم ﷺ سے نہ مل سکے) مزید براں اس حدیث کے بعض الفاظ ایسے ہیں جو نبی کریم ﷺ پر اپنی طرف سے گھڑ کر منسوب کئے گئے ہیں۔ مثلاً یہ فقرہ:

((لَا یَنْبَغِیْ اَنْ اَذْھَبَ اِلَّا وَ اَنْتَ خَلِیْفَتِیْ .))

''میں اس صورت میں مدینہ سے باہر جا سکتا ہوں جب آپ میرے خلیفہ ہوں۔''

حالانکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ متعدد مرتبہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا نائب بنایا تھا۔ جب آپ نے حدیبیہ والا عمرہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے' اور مدینہ پر آپ کا خلیفہ کوئی اور تھا۔ اس کے بعد آپ نے غزوہ خیبر کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے؛ اور مدینہ میں خلیفہ کوئی اور تھا۔ غزوہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے اور مدینہ پر خلیفہ کوئی دوسرا آدمی تھا۔ ایسے ہی غزوہ حنین اور غزوہ طائف کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے اور مدینہ میں خلیفہ رسول کوئی اور تھا۔ آپ نے حجۃ الوداع کیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ حج پر تھے' اور مدینہ پر حاکم کوئی اور تھا اور ایسے ہی غزوہ بدر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے' مدینہ میں کوئی دوسرا خلیفہ رسول تھا۔

یہ تمام باتیں صحیح اسناد کے ساتھ معلوم شدہ ہیں۔ اور ان پر اہل علم محدثین کا اتفاق ہے۔ اکثر غزوات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوا کرتے تھے؛ خواہ ان غزوات میں قتال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

اگر کوئی یہ کہے کہ: آپ کے خلیفہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ وہی افضل ہیں۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ اتنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سارے غزوات [و واقعات] میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مفضول ہوں اور ایسے ہی حج و عمرہ کے موقع پر بھی۔ پھر باقی غزوات کے موقع پر خلیفہ مردوں پر بنایا جاتا تھا؛ جب کہ غزوہ تبوک کے موقع پر معذوروں ؛عورتوں اور بچوں پر خلیفہ بنایا گیا۔اس وقت مدینہ میں[صحیح سالم اور تندرست] اہل ایمان میں سے صرف وہی تین مرد پیچھے رہ گئے تھے[جن کی معافی کا اعلان اللہ تعالیٰ نے کیا ہے] یا پھر وہ انسان باقی تھا جس پر منافق ہونے کی تہمت ہو۔اس وقت مدینہ میں ہر لحاظ سے امن و امان تھا۔اہل مدینہ کو کسی طرف سے کوئی خوف نہیں تھا اور پیچھے رہ جانے والوں کو جہاد کی ضرورت نہیں تھی۔جس طرح کہ باقی اکثر مواقع پر ہوا کرتا تھا۔اسی طرح شیعہ کی پیش کردہ حدیث ((سُدُّوا الْاَبْوَابَ اِلَّا بَابَ عَلِيٍّ)) ❶ روافض کی طرف سے بطور مقابلہ اپنی گھڑی ہوئی ہے۔

جبکہ بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا:

''میں سب لوگوں سے زیادہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال اور رفاقت کا ممنون ہوں۔'' اگر میں کسی کو گہرا دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔ البتہ اسلامی اخوت و مودّت کسی شخص کے ساتھ مختص نہیں۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی شخص کی کھڑکی مسجد کی جانب کھلی نہ رہے۔'' ❷

شیعہ کی پیش کردہ حضرت ابن عباس کی روایت ''اَنْتَ وَلِيِّيْ فِيْ كُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِي'' باتفاق محدثین موضوع ہے۔ ❸

صحیح حدیث میں جن دیگر امور کا ذکر کیا گیا ہے اس میں نہ تو ائمہ کی کوئی خصوصیات ہیں اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیات؛ بلکہ ان میں دوسرے لوگ بھی آپ کے شریک ہیں؛ مثلاً:

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ و رسول کو چاہتے ہیں؛ اور اللہ اور اس کا رسول حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چاہتے تھے۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاکم مدینہ مقرر کرنا۔ ❹

---

❶ أورد ابن الجوزي هذا الجزء مِن حدِيثِ عمرِو بنِ ميمون فِي الموضوعاتِ:۱/ ۳٦٤وحكم عليهِ بِالوضعِ:۱/ ۳٦٦، وذكر أن هـذا الـحـدِيـث مِن هذا الطرِيقِ وغيرِهِ حدِيث موضوع ثم قال: فهذِهِ الأحادِيث كلها مِن وضعِ الرافِضةِ قابلوا بِها الحدِيث المتفق على صِحتِهِ فِي: سدوا الأبواب إلا باب أبِي بكر .

❷ بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ح:۳٦٥٤)مسلم، (ح:۲۳۸۲)۔

❸ جـاء هـذا الـحـدِيـث فِي كِتابِ فضائِلِ الـصـحـابةِ:۱/ ۵۰۳، رقم:۵۲۱، ۱/ ۵۲٤، رقم:۸٦۸ وقال المحقِق:۱/ ۵۰۳، مـوضـوع وفِيهِ متـروكـانِ متهمانِ بِالوضعِ: طلحة وعبيدة. وجـاء الـحـدِيـث فِـي حـقِ عثمان بنِ عفان رضِي الله عنه فِي الموضوعاتِ:۱/ ۳۳٤، البِداية والنِهاية:۷/ ۲۱۳ وغيرِها مِن المراجِعِ، وذكر المحقِق أن هذا الحدِيث أيضاً موضوع .

❹ ہم قبل ازیں تحریر کر چکے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو صرف ایک ہی مرتبہ حاکم مدینہ مقرر کیا گیا تھا۔جب کہ دیگر صحابہ کو متعدد مرتبہ یہ خدمت تفویض ہوئی تھی جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اگر حاکم مدینہ کا سب لوگوں سے افضل ہونا ضروری ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی دوسرا حاکم مقرر کیا گیا سیدنا علی اس وقت مفضول تھے۔مزید براں دوسرے صحابہ کی حاکمیت مدینہ کے زمانہ میں وہاں سب مومن موجود ہوا کرتے تھے،مگر جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حاکم مدینہ مقرر کیا گیا تو عورتوں اور بچوں کے سوا وہاں کوئی نہ تھا۔یہی وجہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس سے افسردہ خاطر ہوئے اور اسے اپنی توہین پر محمول کیا۔اس وقت مدینہ مامون تھا، اسے کوئی خطرہ لاحق تھا نہ وہاں جہاد کی ضرورت تھی۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

۳۔ یہ بات کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہی مرتبہ حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے۔

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس انسان کا دوست ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے دوست ہوں ۔اس لیے کہ ہر مؤمن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی رکھتا ہے۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سورۂ توبہ کو لے کر مکہ جانا؛ کیونکہ بنی ہاشم کے علاوہ کوئی یہ سورت مکہ نہیں پہنچا سکتا۔اس میں سارے بنی ہاشم مشترک ہیں ۔ان میں سے کوئی بات بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص نہیں ۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سورۂ توبہ دے کر مکہ بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ نقض عہد کی اطلاع دینے کے لیے حاکم اعلیٰ کے قبیلہ کا کوئی شخص جایا کرتا تھا۔اس سورۃ میں بھی نقض عہد کی اطلاع دی گئی ہے،اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مکہ جانا ضروری تھا۔ ❶

دسویں فصل: ......شیعہ کی وضع کردہ احادیث؛ خطیب خوارزمی کی روایت

[شبہ] : شیعہ مصنف لکھتا ہے:''خطیب اعظم خوارزمی ❷ نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے علی! اگر کوئی شخص اس قدر عرصہ دراز تک اللہ کی عبادت کرے جتنا عرصہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ٹھہرے تھے اور احد پہاڑ جتنا سونا اللہ کی راہ میں صرف کرے؛ اور پا پیادہ ایک ہزار مرتبہ حج کرے؛ پھر بحالت مظلومی صفاء ومروہ کے مابین مارا جائے؛ اور اے علی! وہ تجھے دوست نہ رکھتا ہو تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا اور نہ وہ اس میں داخل ہوگا۔'' [مزید من گھڑت روایات ملاحظہ فرمائیں]:

۱۔ ایک شخص نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اتنی شدید محبت رکھتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ'' جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔اور

---

❶ یہ بات غلط ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سورۂ توبہ لے کر گئے اور پھر انھیں معزول کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔اصل واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کیا تھا اور آپ بہمہ وجوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی یا عدم موجودگی میں اس کے اہل تھے۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مدینہ سے رخصت ہو چکے تھے کہ سورۂ توبہ نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ سورۃ دے کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جانب بھیجا، اس کے دو اسباب تھے، پہلی وجہ ذکر کی جا چکی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس سورۃ میں یہ آیت بھی ہے:﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ﴾ اس آیت میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جو مدح وثنا بیان کی گئی ہے، وہ اس وقت تک باقی ہے، جب تک قرآن دنیا میں موجود ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اس عظیم سورۃ کو لے کر جانا جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت پر مشتمل ہے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی دلیل اور ان لوگوں کے لیے ابدی ذلت کا موجب ہے جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے اپنے دل میں بغض وعداوت رکھتے ہیں۔''

❷ اخطب خوارزم (خطیب اعظم خوارزمی) ایک شیعہ ادیب ہے، یہ زمخشری کا شاگرد تھا۔اس کا نام الموفّق بن احمد بن اسحاق (۴۸۴۔ ۵۶۸) ہے۔دیکھیے :بغیة الوعاة، ص: ۴۰۱ ، نیز روضات الجنه طبع ثانی ، ص:۷۲۲۔ اخطب خوارزم کی کتاب کا نام''مناقب اهل البیت'' ہے۔مقام افسوس ہے کہ غریب اہل بیت کی مدح میں شیعہ نے جھوٹی روایات وضع کر کے ان پر کتنا بڑا ظلم ڈھایا ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جس نے علی سے عداوت رکھی یقیناً اس نے مجھ سے عداوت رکھی۔''

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرے کے نور سے ستر ہزار فرشتے پیدا کیے ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان سے محبت رکھنے والوں کے لیے تا قیامت مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔''

۳۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نماز و دعا اور صیام و قیام کو قبول فرماتے ہیں۔''

۴۔ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ہر رگ و ریشہ کے عوض جنت میں ایک شہر عطا کریں گے۔ جو شخص آل محمد سے محبت کرتا ہے وہ حساب و میزان اور پل صراط سے خائف نہ ہوگا۔ نیز جس کی موت حب آل محمد پر ہوگی میں اسے جنت میں انبیاء کرام کے ساتھ لے جانے کا ضامن ہوں۔ جو شخص آل محمد سے بغض رکھے گا بروز قیامت اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا ''خدا کی رحمت سے ناامید۔''

۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ''جس کا یہ خیال ہو کہ وہ مجھ پر اور قرآن پر ایمان لایا ہے مگر وہ علی سے بغض رکھتا ہو' وہ جھوٹا ہے' وہ ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا۔''

۶۔ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ایک دن ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کسی انسان کے قدم بروزِ قیامت اپنی جگہ سے سرکنے نہیں پائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال کرلیں: ''اس کی عمر کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اسے کہاں فنا کیا؟ اور اس کے جسم کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اسے کس چیز میں بوسیدہ کردیا؟ اور اس کے مال کے بارے میں سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور ہم اہل بیت کی محبت کے بارے میں سوال کیا جائے گا؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کے بعد آپ کی محبت کی نشانی کیا ہے؟ تو آپ نے اپنا دست مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھا؛ آپ اس وقت آپ کے پہلو میں کھڑے تھے؛ اور فرمایا: بیشک میرے بعد میری محبت اس سے محبت رکھنا ہے۔''

۷۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تھا کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس زبان میں مخاطب کیا؟ آپ نے فرمایا ''علی کے لہجہ میں'' پھر میں نے بنا برالہام پوچھا ''بارخدایا کیا تو نے مجھے مخاطب کیا یا علی نے''؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں دیگر اشیاء کی طرح نہیں۔ میں نے تجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور علی کو تیرے نور سے خلق کیا۔ جب میں نے تیرے دل کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، لہٰذا اسی کے لہجہ میں آپ کو مخاطب کیا تاکہ آپ مطمئن رہیں۔

۸۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر سب باغات قلمیں بن جائیں اور سمندر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیاہی بن جائیں۔ جنات حساب دار اور سب بنی نوع انسان کاتب بن جائیں تو پھر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محاسن تحریر کرنے سے قاصر رہیں گے۔''

۹۔ اس نے اپنی سند سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل پر اتنا زیادہ اجر رکھا جس کا شمار کرنا ممکن نہیں۔ جو کوئی آپ کے فضائل میں سے کسی فضیلت کا اقرار کرتے ہوئے اس کا تذکرہ کرے' تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے اور پچھلے سارے گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ اور جو کوئی آپ کے فضائل میں سے کوئی ایک فضیلت لکھتا ہے' تو ملائکہ اس وقت تک اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے جب تک وہ کتاب اور وہ لکھا ہوا باقی رہے گا۔ اور جو کوئی آپ کے فضائل میں سے کوئی فضیلت سنتا ہے؛ تو اللہ تعالیٰ اس کے وہ تمام گناہ معاف کر دیتے ہیں جو اس نے سننے میں کیئے ہوں۔ اور جو کوئی آپ کے فضائل پر مشتمل کتاب کو دیکھے؛ تو اللہ تعالیٰ نظر کی وجہ سے ہونے والے اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ پھر فرمایا: ''امیر المؤمنین کے چہرہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے' آپ کا ذکر خیر کرنا عبادت ہے؛ اور اللہ تعالیٰ آپ سے دوستی اور آپ کے دشمن سے برائت کے بغیر کسی انسان کا ایمان قبول نہیں فرماتے۔

۱۰۔ حکیم بن حزام اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے؛ بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خندق کے دن عمرو بن عبد ود کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکلنا میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے زیادہ افضل ہے۔

۱۱۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے کا حکم دیا، مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے وجہ پوچھی کہ تم علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو گالی کیوں نہیں دیتے؟ تو بتایا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتیں بتائی تھیں، اس وجہ سے میں ہرگز آپ کو گالی نہیں دوں گا اور اگر ان میں سے ایک بھی مجھے حاصل ہو جائے تو وہ سرخ اونٹوں سے بڑھ کر ہے۔ میں نے سنا کہ بعض غزوات میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں چھوڑ کر گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ''اے علی! تجھے مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ بس صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔''[1] غزوہ خیبر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] رواہ البخاری ۵/ ۱۸۔ علامہ موسیٰ جار اللہ اپنی کتاب ''الوشیعہ'' میں ''انت منی بمنزلة هارون من موسىٰ'' کی تشریح میں فرماتے ہیں: دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ اگرچہ تیرا مقام نیکی میں بلند ہے لیکن سیدنا ہارون علیہ السلام کی طرح تم خلافت کا بوجھ نہیں اٹھا سکو گے، سیدنا ہارون چالیس دن بھی خلافت کا بار نہ اٹھا سکے اور مقصد یہ تھا کہ تم خلافت کے جھنجھٹ میں نہ پڑنا بلکہ تعلیم و تعلّم کے کام میں مشغول رہنا۔ حالانکہ ہارون نبی علیہ السلام تھے اور تم نبی بھی نہیں ہو۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

((لأعطين الراية غداً رجلاً يحب الله و رسوله و يحبه الله و رسوله .))

''کل میں یہ جھنڈا ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے' اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔''

ہم آپس میں چہ می گوئیاں کرنے لگے۔[جب صبح ہوئی تو] نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب کیا۔ آپ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ آپ نے [ان کی آنکھوں میں لعاب ڈالا] اور پھر انہیں جھنڈا عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر فتح عطا کی۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَ اَبْنَآءَ كُمْ﴾ [آل عمران ٦١]

''پس آپ فرما دیجیے: آئیے! ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی؛ فاطمہ؛ حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کو بلایا؛ اور فرمایا: ''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔''

[شیعہ نے یہ حدیث تفصیلاً ذکر کی ہے اور قبل ازیں یہ بیان کی جا چکی ہے]۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: خطیب اعظم خوارزمی کی اس بارے میں ایک کتاب ہے؛ اس میں اتنی جھوٹی روایات ہیں جن کا من گھڑت ہونا کسی ادنی علم رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں۔ علماء حدیث کی تو بات ہی کچھ دیگر ہے۔ نیز خطیب خوارزمی کا شمار محدثین میں نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا یہ مقام و مرتبہ ہے کہ دقیق علمی مسائل میں اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس نے وہ روایات نقل کی ہیں جن کے بارے میں تمام محدثین جانتے ہیں کہ یہ من گھڑت اور جھوٹی روایات ہیں۔ رافضی مصنف نے اپنی کتاب کے شروع میں دعوی کیا تھا کہ وہ اپنی کتاب میں وہی روایات نقل کرے گا جو اہل سنت والجماعت کے ہاں صحیح ہوں گی۔ اور انہوں نے اپنی معتمد کتابوں اور معتمد اہل علم کے اقوال سے نقل کیا ہوگا۔ تو پھر وہ ایسی روایات کیونکر ذکر کرتا ہے جن کے من گھڑت اور جھوٹ ہونے پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے۔ جب کہ معتمد کتبِ احادیث سے کوئی بھی روایت ہی نقل نہیں کی۔ اور نہ ہی کوئی ایسی روایت ہے جسے ائمہ محدثین نے صحیح کہا ہو۔

یہ دس روایات جو اس نے ذکر کی ہیں؛ شروع سے لیکر آخر تک دس کی دس روایات محض جھوٹ ہیں۔ سوائے عمرو بن عبدود کے قتل کے واقعہ کے۔

۱۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے کا حکم دیا، مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے وجہ پوچھی کہ تم علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو گالی کیوں نہیں دیتے؟ تو بتایا کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے تین باتیں بتائی تھیں، اس وجہ سے میں ہرگز آپ کو گالی نہیں دوں گا؛ اور اگر ان میں سے ایک بھی مجھے حاصل ہو جائے تو وہ سرخ اونٹوں سے بڑھ کر ہے......الخ۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث صحیح ہے اور امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔ [1]

اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تین فضائل بیان ہوئے ہیں: مگر اس میں ائمہ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت ہے۔ یہ قول کہ: بعض غزوات میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں چھوڑ کر گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ''اے علی! تجھے مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ بس صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔''

ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ حاکم مدینہ مقرر کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت نہیں، اور نہ ہی آپ کو نائب مقرر کرنا دوسروں کو نائب مقرر کرنے سے زیادہ کامل ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ عرض کی تھی: آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ اس لیے کہ ہر غزوہ میں مدینہ میں کچھ نہ کچھ مرد مہاجرین وانصار میں سے موجود رہتے تھے؛ سوائے غزوہ تبوک کے۔ اس موقع پر آپ نے تمام لوگوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا تھا۔

اس موقع پر مدینہ میں وہی لوگ باقی رہ گئے تھے جو یا تو معذور تھے' یا بچے اور عورتیں یا پھر منافق؛ اور وہ لوگ جو غلطی یا سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پیچھے رہ جانے کو اچھا نہ سمجھا' اور عرض کیا:

> ''کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ یعنی آپ مجھے ساتھ کیوں نہیں لے جا رہے' پیچھے کیوں چھوڑ رہے ہیں؟

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا کہ: پیچھے رہنے میں کوئی نقص یا عیب نہیں۔ بیشک موسی علیہ السلام نے بھی اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو پیچھے اس وجہ سے چھوڑا تھا کہ وہ آپ کے نزدیک امانت دار تھے۔ ایسے ہی میں بھی آپ کو پیچھے اس لیے چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ آپ میرے نزدیک امانت دار ہیں۔ مگر اتنا فرق ہے کہ موسی علیہ السلام نے اپنے بعد نبی کو پیچھے چھوڑا تھا' اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔'' [2]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، (ح:۳۲/ ۲۴۰۴)

[2] یہ حدیث مندرجہ ذیل کتب میں ملاحظہ کی جائے۔ (۱) مسند احمد:۱/ ۳۸۳، ح:۳۶۳۲۔ (۲) مستدرك حاكم (۳/ ۲۱، ۲۲) (۳) ترمذی کتاب تفسیر القرآن۔ سورة الانفال (ح:۳۰۸٤) و سنده ضعیف لانقطاعه۔ ابوعبیدہ کا اپنے والد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔ (٤) تفسیر ابن کثیر (٤/ ٩٤۔٩٥)، (٥) مسند ابی یعلی (۲/ ۲٤۱)، (٦) دلائل النبوة (۳/ ۱۳۸)

ابن کثیر البداية والنهايه (۳/ ۲۹۷۔۲۹۸) پر لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیدیوں کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم وقبیلہ کے لوگ ہیں انھیں زندہ رہنے دیجیے ممکن ہے کہ اللہ ان کو توبہ کی توفیق عطا کرے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا، لہٰذا ان کو تہ تیغ کر دیجیے۔''

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ان کو نذر آتش کر دیجیے۔'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ نے قطع رحمی کا ثبوت دیا ہے۔'' ⇦⇦⇦

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

یہ تشبیہ اصل استخلاف میں ہے۔ اس لیے کہ موسی علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو تمام بنی اسرائیل پر نائب بنایا تھا ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ تھوڑے سے مسلمانوں پر اپنا نائب بنایا تھا۔ جب کہ باقی سارے لوگوں کو آپ اپنے ساتھ جہاد پر لے گئے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اگر ہارون علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابراہیم وعیسیٰ علیہما السلام اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت نوح وموسیٰ علیہما السلام کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ چاروں پیغمبر حضرت ہارون علیہ السلام سے افضل تھے۔ مزید براں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہر دو کو دو دو انبیاء کے مشابہ قرار دیا ہے، ایک کے نہیں۔ بنا بریں یہ تشبیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تشبیہ سے عظیم تر ہے۔ نیز یہ کہ استخلاف علی رضی اللہ عنہ میں دیگر صحابہ بھی ان کے سہیم وشریک تھے مگر اس تشبیہ میں کوئی صحابی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا شریک نہیں۔ لہٰذا یہ تشبیہ کسی طرح بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت قرار نہیں دی جاسکتی۔

ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ''کل میں یہ جھنڈا ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے' اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔'' [صحابہ کہتے ہیں:] ہم آپس میں چہ می گوئیاں کرنے لگے۔

[جب صبح ہوئی تو] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب کیا۔ آپ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ آپ نے [ان کی آنکھوں میں لعاب ڈالا] اور پھر انہیں جھنڈا عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر فتح عطا کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں روایت کردہ احادیث میں سب سے صحیح حدیث ہے۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے کئی اسناد سے نقل کیا ہے۔ مگر یہ وصف بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ یا ائمہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر متقی مؤمن سے محبت کرتے ہیں؛ اور ہر متقی مؤمن اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ لیکن اس حدیث میں نواصب کا بہترین ردّ ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بغض وعداوت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؛ آپ سے برأت

⇦⇦ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب باتیں سنیں اور کوئی جواب نہ دیا، لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرنے لگے کسی نے کہا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کریں گے، کسی نے کہا، عمر کی تجویز کو عملی جامہ پہنائیں گے۔ کسی نے کہا، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے دل کو انتہائی نرم بنا دیتے ہیں اور بعض کا دل اتنا سخت ہوتا ہے کہ اس کے سامنے پتھر کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے فرمایا، آپ کی مثال سیدنا ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے، جنھوں نے فرمایا تھا: ﴿مَنْ تَبِعَنِی فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (سورۂ ابراہیم: ۳۶) نیز آپ کی مثال سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جن کا ارشاد ہے: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ (سورۃ المائدۃ: ۱۱۸)

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: آپ کی مثال سیدنا نوح علیہ السلام جیسی ہے، جنھوں نے فرمایا تھا: ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا﴾ (سورۂ نوح: ۲۶) نیز آپ کی مثال سیدنا موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے، انھوں نے فرمایا تھا: ﴿رَبِّ اشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ﴾ (سورۂ یونس: ۸۸) پھر آپ نے فرمایا: چونکہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کمزور ہے، اس لیے کفار یا تو فدیہ ادا کریں یا انھیں قتل کر دیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا اظہار کرتے ہیں اور آپ سے محبت و دوستی نہیں رکھتے۔ نیز خوارج کی تردید ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے اور آپ کو فاسق کہتے ہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی ہے کہ آپ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس حدیث سے ان روافض کی تردید ہوتی ہے، جو کہتے ہیں کہ جو احادیث فضائل صحابہ میں وارد ہوئی ہیں وہ ان کے مرتد ہونے سے پہلے کی ہیں۔ خوارج بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہی کہتے ہیں۔ حالانکہ خوارج و روافض دونوں کے اقوال سرے سے باطل ہیں۔ [اہل سنت والجماعت ان کے اقوال سے بری ہیں]۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے خوشنودی کا اظہار نہیں کر سکتے جس کے متعلق اس کو معلوم ہو کہ اس کی موت کفر پر ہو گی۔ اسی طرح یہ حدیث ان اہل ہویٰ اور گمراہ فرقوں جیسے معتزلہ؛ مروانیہ وغیرہ؛ پر بھی حجت ہے جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہیں' اور آپ پر سب و شتم کرتے ہیں۔

واقعہ مباہلہ / اور حدیث کساء:

اسی طرح مباہلہ بھی آپ کی خصوصیت نہیں، کیونکہ حضرت فاطمہ حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین بھی اس میں آپ کے ساتھ شریک تھے۔ جیسا کہ یہی لوگ چادر کے نیچے چھپائے جانے میں بھی آپ کے شریک تھے۔ پس اس سے معلوم ہوا یہ حدیث نہ ہی مردوں کے ساتھ خاص ہے' اور نہ ہی ائمہ کے ساتھ خاص ہے۔ بلکہ اس میں عورت؛ بچے اور دوسرے لوگ بھی شریک ہیں۔ کیونکہ مباہلہ کے وقت حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما چھوٹے بچے تھے۔ مباہلہ کا واقع سن نو یا دس ہجری میں فتح مکہ کے بعد اس وقت پیش آیا جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر سات سال بھی نہیں تھی۔ جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ سے ایک سال بڑے ہیں۔ ان کو بلانے کی وجہ یہ تھی کہ حکم یہی ملا تھا کہ ہر گروہ اپنے قرابت داروں بیٹوں اور عورتوں کو بلائے اور خود بھی حاضر ہو۔ تو ان دونوں فریقین میں سے ہر ایک نے اپنے قریب تر رشتہ داروں کو بلانا تھا۔ یہ لوگ نسب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریبی تھے۔ اگرچہ بعض دوسرے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان سے افضل تھے۔ اس لیے کہ آپ کو یہ حکم نہیں ملا تھا کہ اپنے افضل ترین اتباع کاروں کو بلائیں۔ مقصود یہ تھا کہ لوگوں میں سب سے قریبی اور خاص افراد کو بلایا جائے۔ اس لیے کہ انسان کی فطرت میں ہے کہ [ایسے مواقع پر] اسے اپنی ذات اور اپنے قریبی خونی رشتہ داروں کا ایک خوف سا رہتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ چادر والی روایت میں اور دعا میں بھی انہیں ہی خاص کیا ہے۔

مباہلہ تو برابری کی بنا پر قائم تھا۔ اس لیے عیسائیوں کو چاہیے تھا کہ وہ نسب کے لحاظ سے اپنے قریب تر رشتہ داروں کو بلا لائیں۔ انہیں بھی اپنی اولاد کے بارے میں ایسے ہی خوف تھا جیسا خوف کسی اجنبی پر نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ مباہلہ کرنے سے رک گئے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہیں علم ہو چکا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں۔ اور اگر انہوں نے مباہلہ کیا تو آپ کی بددعا ان کے لیے اور ان کے اقارب کے لیے قبول ہو جائے گی۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی انسان کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اپنی اولاد کے بارے میں اتنا خوف محسوس ہوتا ہے کہ اتنا خوف اپنی جان کے بارے میں محسوس نہیں ہوتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو فضائل صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں؛ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

''کل میں یہ جھنڈا ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے' اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔''

اور حدیث: کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہے کہ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو حضرت ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔''

اور یہ حدیث: ''یا اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں۔ان سے پلیدی کو دور کردے' اور انہیں بالکل پاک کردے۔''

سوال:......اگر یہ کہا جائے کہ: یہ باتیں آپ کے خصائص میں سے نہیں ہیں؛ بلکہ ان میں دوسرے لوگ بھی آپ کے شریک اور حصہ دار ہیں تو پھر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے یہ تمنا کیوں کی تھی کہ ایک کاش! یہ مقام اسے مل جاتا۔جیسا کہ حضرت سعد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

جواب:......اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہراً و باطناً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مومن ہونے کی شہادت دی تھی۔اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے موالات کا اثبات اور آپ کے لیے اہل ایمان کی محبت وموالات کا وجوب تھا۔اس میں ان نواصب کا رد ہے جو آپ کے کافر یا فاسق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔اور اسلام سے خارج گروہ خوارج پر رد ہے؛ جو لوگوں میں سب سے بڑھ کر عبادت گزار تھے؛ جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''تم ان کی نماز کے مقابلہ میں اپنی نماز اور ان کے روزہ کے مقابلہ میں اپنے روزے؛ اور ان کی تلاوت قرآن کے مقابلہ میں اپنی تلاوت کو حقیر سمجھوگے۔وہ قرآن پڑھیں گے، جو ان کے حلق سے تجاوز نہ کرے گا۔ دین سے وہ ایسے نکل جائے گی، جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے؛ تم انہیں جہاں کہیں بھی پاؤ تو قتل کر ڈالو۔''[1]

یہ خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر اور فاسق کہتے تھے؛ اور آپ کو قتل کرنا حلال اور مباح سمجھتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ ان خوارج میں سے ہی ایک شخص نے آپ کو قتل کردیا تھا۔اس قاتل کا نام عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی تھا۔

حالانکہ یہ انسان لوگوں میں سب سے بڑا عبادت گزار تھا۔

---

[1] صحیح بخاری:ح ٥٢]عن علی وأبی سعید الخدرِی وجابرِ بنِ عبدِ اللهِ رضِی الله عنهم فِی البخارِی:٤/ ٢٠٠، کتاب المناقِبِ باب علاماتِ النبوةِ، مسلِم:٢/ ٧٤٠، کتاب الزکاةِ، باب ذِکرِ الخوارِجِ وصِفاتِهِم، باب التحرِیضِ علی قتلِ الخوارِجِ، وانظر: جامِع الأصولِ لابنِ الأثِیرِ:١٠/ ٤٣٦ . سنن أبِی داود:٤/ ٣٣٦، کتاب السنةِ باب فِی قِتالِ الخوارِجِ، سنن ابنِ ماجه:١/ ٦٠ . المقدمة، باب فِی ذِکرِ الخوارِجِ، المسندِ ط . الحلبِی:٣/ ٦٥ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اہل سنت والجماعت کو خوارج و نواصب سے مناظرہ کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان اور دین داری کے اثبات کے لیے کہیں بہت زیادہ اور قوی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے ؛ ایسے دلائل کی ضرورت شیعہ سے مناظرہ کرتے ہوئے پیش نہیں آتی۔ اس لیے کہ خوارج بڑے سچے اور دیندار لوگ ہوتے ہیں۔اور ان کے ہاں جو شبہات پائے جاتے ہیں ؛ وہ شیعہ کے شبہات کی نسبت زیادہ طاقتور ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے مسلمان جب حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں جب یہود و نصاری سے مناظرہ کریں ؛ تو انہیں ان دلائل کی بھی ضرورت ہوتی ہے جن سے یہودیوں کے اس دعوی پر ردّ کرسکیں کہ آپ ولد الزنا یا جھوٹے ہیں-العیاذ باللہ- اور انہیں ان دلائل کی بھی ضرورت ہوتی ہے جن سے عیسائیوں پر رد کرسکیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب اور معبود بنائے بیٹھے ہیں ۔ یہودیوں سے مناظرہ کرنا عیسائیوں سے مناظرہ کرنے کی نسبت زیادہ مشکل کام ہے۔ان کے ایسے شبہات ہیں جن کو رد کرنا نصاری کے بس کی بات نہیں۔ بلکہ ان کا جواب مسلمان ہی دے سکتے ہیں۔یہی حال نواصب کا ہے۔ ان کے ایسے شبہات ہیں جن کا جواب دینا شیعہ کا کام نہیں۔ بلکہ ان کا جواب اہل سنت ہی دے سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث صحیح ہیں' جو ظاہری و باطنی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان پر دلالت کرتی ہیں۔ان میں نواصب پر ردّ ہے ؛ اگرچہ ان دلائل کا شمار آپ کے خصائص میں نہیں ہوتا؛ یہ احادیث ویسے ہی ہیں جیسا کہ اہل بدر اور اہل بیعت رضوان کے ایمان پر دلالت کرنے والی نصوص ظاہر و باطن میں ان کے ایمان پر دلالت کرتی ہیں۔اس میں اختلاف کرنے والے دونوں گروہوں خوارج اور روافض پر رد موجود ہے۔اگرچہ ان میں سے کسی بھی روایت سے آپ کے خصائص پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ کسی معین شخص کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہادت دیں؛ یا اس کے لیے دعا کریں' تو بہت سارے لوگ چاہتے ہیں کہ اس کے لیے بھی ایسی ہی گواہی دی جاتی؛ یا پھر اس کے لیے بھی ایسی ہی دعا کی جاتی۔ اگر چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سارے لوگوں کے حق میں ایسی گواہی دی ہے' اور بہت سارے لوگوں کے لیے ایسی دعائیں بھی کی ہیں۔مگر خاص طور پر کسی کے لیے ایسی دعا کرنا اس کے عظیم ترین فضائل و مناقب میں سے ہے۔ یہ ایسے ہی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شماس بن قیس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کے لیے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ [1]

آپ نے ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی جنت کی بشارت دی ہے۔اور جیسے کہ صحابی عبد اللہ الحمار رضی اللہ عنہ

---

[1] مسلم:۱/ ۱۱۰ کتاب الإیمان باب مخافة المؤمن أن یحبط عمله ، أن ثابت بن قیس رضی الله عنه لما نزل قوله تعالیٰ: ﴿یا یها الذین آمنوا لا ترفعوا أصواتکم فوق صوت النبي﴾ [الحجرات: ۲]حزن واحتبس عن النبي ﷺ وقال کلاما ، آخره: فأنا من أهل النار ، فذکر ذلك سعد بن معاذ للنبي ۷ فقال رسول الله ۷: بل هو من أهل الجنة ، والحدیث في المسند ط . الحلبي: ۳/ ۱۳۷ ، وفضائل عبدالله بن السلام رضی الله عنه روی البخاري:۵/ ۳۷ ، کتاب مناقب الأنصار ، باب مناقب عبد الله بن سلام رضی الله عنه ، ومسلم: ۴/ ۱۹۳۰ کتاب فضائل الصحابة ، باب: من فضائل عبد الله بن سلام رضی الله عنه۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

کے لیے رسول اللہ ﷺ نے گواہی دی تھی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے؛ حالانکہ اسے شراب نوشی پر مار پڑ رہی تھی۔ اگرچہ آپ نے اس قسم کی گواہی ان لوگوں کے لیے بھی دی ہے جو اس صحابی سے افضل تھے۔ جیسا کہ آپ نے بنو عمرو بن تغلب کے بارے میں فرمایا کہ: انہیں نہ دینے کی وجہ ان کے دلوں میں بے نیازی اور خیر کی موجودگی ہے۔ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''میں کسی کو دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا ہوں۔ اور جسے میں نہیں دیتا ہوں وہ میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، جسے میں دیتا ہوں۔ لیکن میں ان لوگوں کو دیتا ہوں، جن کے دلوں میں بے چینی اور گھبراہٹ دیکھتا ہوں۔ اور جنہیں میں نہیں دیتا ہوں ان لوگوں کو میں اس تونگری اور بھلائی کے حوالہ کر دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رکھی ہے۔ اور انہی میں سے عمرو بن تغلب بھی ہے۔))۔[صحیح بخاری:ح ۸۸۰]

حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے ایک شخص کا جنازہ پڑھتے ہوئے جب یہ دعا فرمائی:

((اللھم اغفر له وارحمه وعافِهِ واعف عنه وأكرِم نزله ووسِع مدخله واغسِله بِالماءِ والثلجِ والبردِ؛ ونقِهِ مِن الخطايا كما ينقى الثوب البيض مِن الدنسِ وأبدِله دارا خيرا مِن دارِهِ وأهلا خيرا مِن أهلِهِ وقه من فتنة القبر عذابِ القبرِ و أفسح له في قبره ونوّر له فيه .))

'' یا اللہ اس کو بخش اور رحم کر اور اسے عافیت عطا فرما اور اسے معاف فرما اور اس کے اترنے کی جگہ کو کرم والی بنادے اور اس کی قبر کو کشادہ فرما اور اسے پانی برف اور اولوں سے دھو دے اور اسکے گناہوں کو اس طرح صاف کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل کچیل سے صاف ہو جاتا ہے اور اسے اس کے گھر کے بدلے بہتر گھر عطا فرما؛ اور اسے قبر کے فتنہ سے نجات دے؛ عذاب قبر سے بچا؛ اور اس کی قبر کو وسیع کر دے؛ اور اس کی قبر کو روشن کر دے۔''

تو عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہہ اٹھے:''اے کاش! اس میت کی جگہ میں ہوتا۔ [1]

حالانکہ یہ دعا اس میت کے ساتھ مختص نہ تھی۔

گیارھویں فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصوصی اوصاف

[اشکال]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''عامر بن واثلہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر نے چھ صحابہ کو اپنے میں سے خلیفہ منتخب کرنے کے لیے مقرر کیا تو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا؛ آپ نے ان کو مخاطب کر کے کہا: میں تمہارے سامنے ایسی دلیل پیش کروں گا، جس سے تمہارے کسی عربی یا عجمی کو مجال انکار نہ ہوگی۔ مندرجہ ذیل باتوں کا جواب دیجیے:

[1] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت فی الصلاۃ (حدیث:۹۶۳)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

(۱) اے لوگو! میں تم سب کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم میں سے کوئی شخص مجھ سے پہلے توحید کا قائل ہوا ہے؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا۔

(۲) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کا بھائی میرے بھائی جعفر طیار جیسا ہو' جو جنت میں ملائکہ کیساتھ رہ رہا ہے؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۳) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کا چچا میرے چچا حمزہ جیسا ہو' جو اللہ اور اس کے رسول کا شیر تھا؛ اور جو سید الشہداء ہوئے؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۴) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کی بیوی میری بیوی فاطمہ بنت محمد ﷺ سیدۃ نساء اہل جنت کی طرح ہو؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۵) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے دو ایسے بیٹے ہوں جیسے میرے دو بیٹے جنت کے نوجوانوں کے سردار حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ہیں؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۶) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کرنے سے پہلے دس بار صدقہ کیا ہو؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۷) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: "من کنت مولاہ فعلي مولاہ؛ اللہم وال من والاہ و عاد من عاداہ۔" جس کا میں مولی ہوں علی بھی اس کا مولی ہے۔ اے اللہ! جو اس سے دوستی رکھتے تو بھی اس سے دوستی رکھے اور جو کوئی اس سے دشمنی کرے تو تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔'' اور حاضرین کو چاہیے کہ یہ بات غائبین تک پہنچا دیں۔ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۸) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے دعا کی ہو: ''اے اللہ اپنی مخلوق میں اپنے اور میرے سب سے محبوب شخص کو لے آتا کہ وہ میرے ساتھ اس پرندے کا گوشت کھائے۔'' تو اللہ تعالیٰ نے اسے وہاں پہنچا دیا ہو؛ اور پھر اس نے آپ کے ساتھ وہ کھانا کھایا ہو؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۹) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو:

''کل میں یہ جھنڈا ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے' اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور وہ اس وقت تک واپس نہیں آئے گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح نہ دے دے۔ اور وہ شکست خوردہ واپس نہیں ہوگا؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱۰) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بنی ولیعہ سے کہا ہو: تم اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ؛ ورنہ میں تم پر ایسا آدمی بھیجوں گا جس کی ذات میری ذات کی طرح ہوگی۔اور اس کی اطاعت ایسے ہوگی جیسے میری اطاعت ۔اور جس کی نافرمانی ایسے ہوگی جیسے میری نافرمانی۔اور وہ تلوار کے ساتھ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۱۱) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: وہ انسان جھوٹ بولتا ہے جو خیال کرتا ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے' مگر اس [یعنی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ] سے بغض رکھتا ہو؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۱۲) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص موجود ہے جس پر بیک وقت تین ہزار فرشتوں، نیز جبرئیل و میکائیل اور اسرافیل نے سلام بھیجا ہو۔ یہ اس وقت ہوا جب میں کسی اور کے کنوئیں سے نبی کریم ﷺ کے پاس پانی لایا۔ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۱۳) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے لیے آسمان سے آواز لگائی گئی ہو: ''لا فتی إلا علی و لا سیف إلا ذو الفقار ''''نوجوان ہے تو صرف علی اور تلوار ہے تو صرف ذوالفقار؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۱۴) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے لیے جبریل نے یہ کلمات کہے ہوں؛ جب رسول اللہ ﷺ نے [میرے بارے میں] فرمایا: وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔''
تو جبریل امین نے کہا: ''میں تم دونوں میں سے ہوں''؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۱۵) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو:'' تم وعدہ توڑنے والوں؛ نافرمانوں اور دین سے نکل جانے والے لوگوں سے جنگ کرو گے؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۱۶) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: میں تنزیل قرآن پر جنگ کرتا ہوں' اور تم میری تفسیر کے علاوہ کوئی دوسری تفسیر کرنے پر لوگوں سے جنگ کرو گے؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم! نہیں۔

(۱۷) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے لیے سورج کو واپس لوٹایا گیا ہو' حتی کے اس نے وقت نکلنے کے باوجود عصر اپنے وقت پر پڑھی ہو؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۱۸) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سورت برأت واپس لی ہو؟ یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یارسول اللہ! میرے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے؟ تو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''علی کے علاوہ میری طرف سے یہ سورت کوئی نہیں پہنچا سکتا؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۱۹) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: ''تم سے صرف مؤمن ہی محبت رکھے گا؛ اور تم سے صرف کافر اور منافق ہی بغض رکھے گا؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۲۰) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے تم سب کے دروازے بند کرنے اور میرا دروازہ کھلا رکھنے کا حکم دیا تھا۔اورتم لوگ پھر اس میں باتیں کرنے لگے۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے نہ ہی تمہارے دروازے بند کیے ہیں اور نہ ہی اس کا دروازہ کھلا چھوڑا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دروازے بند کیے اور اس کا دروازہ کھلا چھوڑا ہے؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۲۱) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ طائف میں باقی لوگوں کو چھوڑ کر دیر تک مجھ سے سرگوشی کی۔ یہاں تک کہ تم لوگ کہنے لگے:ہمیں چھوڑ کر اس سے سرگوشیاں کررہا ہے ۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صرف میں ہی اکیلا آپ سے سرگوشی نہیں کررہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ سے سرگوشی کی ہے؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہاں ہم جانتے ہیں۔

(۲۲) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم جانتے ہو کہ میرے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''حق علی کے ساتھ ہے؛ اور علی حق کے ساتھ ہے؛ اور علی کے زوال کے ساتھ حق کو بھی زوال ہوگا؟ کہنے لگے: ہاں اللہ کی قسم! ہم جانتے ہیں۔

(۲۳) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم جانتے ہو کہ نبی کریم ﷺ نے میرے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ''میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں؛ وہ کتاب اللہ اور میرے اہل بیت کی عترت؛ یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر وارد ہوجائیں''؟ کہنے لگے: ہاں! ہم جانتے ہیں۔

(۲۴) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس نے اپنی جان نثار کرکے رسول اللہ ﷺ کو مشرکین سے بچایا ہو؟ اور آپ کی جگہ پر لیٹ گیا ہو؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۲۵) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جو عمر بن عبد ود عامری کے مقابلہ کے لیے نکلا ہو جب اس نے مبارزت طلب کی تھی؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۲۶) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے متعلق آیت تطہیر نازل ہوئی ہو؟ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا﴾ ''اے اہل بیت نبی اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کرکے اچھی طرح پاک صاف بنادے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۲۷) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: ''تم مؤمنین کے سردار ہو؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم نہیں۔

(۲۸) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: ''میں نے کبھی بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں مانگی' مگر وہی چیز تمہارے لیے بھی مانگی ہے؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم! نہیں۔

ابوعمر زاہد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ میں چار اوصاف پائے جاتے ہیں جو کسی اور میں موجود نہیں:

۱۔ علی رضی اللہ عنہ اوّلین شخص ہیں جس نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔

۲۔ یہ نبی کریم ﷺ کے علم بردار تھے۔

۳۔ علی رضی اللہ عنہ وہ شخص ہے جس نے غزوۂ حنین میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ صبر کیا [اور ثابت قدم رہے]۔

۴۔ علی رضی اللہ عنہ وہ شخص ہے جس نے نبی کریم ﷺ کو غسل دیا اور قبر میں اتارا۔

سرور کائنات ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''شب معراج میرا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے جبڑے چھیلے جا رہے تھے۔ میں نے جبریل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اس نے کہا: ''یہ لوگوں کی غیبت کرنے والے افراد ہیں''۔ پھر میں ایسے لوگوں کے نزدیک سے گزرا جو چلا رہے تھے۔ میں نے جبریل سے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ اس نے کہا ''یہ کافر ہیں'' پھر ہم دوسری راہ پر چل دیے۔ جب چوتھے آسمان پر پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ میں نے جبرئیل سے دریافت کیا یہ کون ہے؟ کیا علی رضی اللہ عنہ ہم سے پہلے یہاں پہنچ گئے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ علی رضی اللہ عنہ نہیں ہے۔ میں نے کہا: تو پھر یہ کون ہے؟ بات یہ تھی کہ ملائکہ مقربین اور دوسرے ملائکہ نے جب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل اور خصوصیات سنیں؛ نیز ان کے متعلق آپ کی یہ حدیث سنی: ''اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ إلا أنه لا نبي بعدي'' اس وقت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھنے کے مشتاق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہم شکل فرشتہ پیدا کر دیا۔ اب جب کبھی انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے تو وہ اس جگہ پر آجاتے ہیں' گویا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیتے ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن فرمایا تھا:

''میں خود نوجوان، نوجوان کا بیٹا اور نوجوان (حضرت علی) کا بھائی ہوں۔'' ''میں نوجوان ہوں یعنی عرب کے نوجوان بہادروں میں سے ہوں۔ اور نوجوان کا بیٹا ہوں' اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

﴿قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ﴾ [الأنبیاء ۶۰]

''بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا جسے ابراہیم علیہ السلام کہا جاتا ہے۔''

اور نوجوان کے بھائی سے مراد علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ مراد جبریل کا قول ہے۔ حضرت جبریل جنگ بدر کے دن خوش و خرم آسمان کی جانب چڑھتے جارہے تھے اور کہہ رہے تھے: ''لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَارِ وَ لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ۔'' (تلوار ہے تو ذوالفقار اور نوجوان ہے تو علی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو کعبہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے دیکھا وہ کہہ رہے تھے: ''جو مجھے پہچاننا چاہتا ہو، وہ پہچان لے، میں ابوذر ہوں۔ اگر تم نماز و روزہ کی پابندی کرتے کرتے سوکھ جاؤ اور کانٹے کی طرح ہو جاؤ تو تمھیں اس وقت تک اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا، جب تک علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہ کرو۔'' [شیعہ مصنف کے دلائل ختم ہوئے]

[جواب]:

شیعہ کے دلائل پر تنقید و تبصرہ:

شیعہ کے پیش کردہ دلائل کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) شوریٰ کے دن عامر بن واثلہ کا جو ذکر مصنف نے کیا ہے؛ یہ روایت باتفاق محدثین کذب ہے۔ ❶

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کے دن ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی؛ اور نہ ہی اس کے مشابہ کوئی بات کہی۔ بلکہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ''اگر میں آپ کو امیر مقرر کردوں تو کیا آپ انصاف کریں گے؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں'' عبدالرحمن نے پھر کہا: ''اگر میں عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلوں تو کیا آپ ان کی اطاعت کریں گے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی یونہی کہا۔ پھر تین دن تک مسلمانوں سے مشورہ کرتے رہے۔ ❷

صحیحین میں ہے- یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں- حضرت عمرو بن میمون سے روایت ہے' وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان کے دفن کیے جانے کے بعد وہ لوگ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں خلافت کے مستحق تھے جمع ہوئے، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس معاملہ کو صرف تین شخصوں پر چھوڑ دو۔ جس پر زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے اپنا حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے اپنا حق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا۔

---

❶ ذکر ابن الجوزي قسما من هذا الحديث في الموضوعات: ۱/ ۳۷۸، وقال: هذا حديث موضوع لا أصل له، وانظر باقي كلامه، وقد ذكر كلاما مماثلا السيوطي في اللآلىء المصنوعة: ۱/ ۳۶۱.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنا حق حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دیدیا۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا تم دونوں میں سے جو شخص اس سے برات کا اظہار کرے گا ہم خلافت کا معاملہ اسی کے سپرد کریں گے اور اس پر اللہ اور اسلام کے حقوق کی نگہداشت لازم ہوگی ہر ایک کو غور کرنا چاہیے کہ اس کے خیال میں کون شخص افضل ہے اسی کو خلیفہ کردے۔ اس پر شیخین یعنی عثمان و علی رضی اللہ عنہما نے سکوت اختیار کیا۔

جب یہ حضرات چپ رہے تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم دونوں خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ میرے حوالے کرتے ہو؟ بخدا مجھ پر لازم ہے کہ میں تم سے افضل کے ساتھ کوتاہی نہ کروں۔ دونوں نے کہا یہ مسئلہ آپ کے حوالے کیا جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے دونوں میں سے ایک یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور اسلام میں قدامت حاصل ہے، جو تم کو معلوم ہے خدا کے واسطے تم پر لازم ہے اگر میں تمہیں خلیفہ بنادوں تو تم عدل وانصاف کرنا۔ اور اگر میں عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادوں تو اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا۔ اور ان سے بھی ایسا ہی کہا چنانچہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عہد لیا پھر کہا: اے عثمان رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ؛ پھر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اور ان کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے ان سے بیعت کی؛ پھر مدینہ والوں نے حاضر ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔"

[صحیح بخاری:ح ۹۱٤]

مسور بن مخرمہ سے روایت ہے: وہ لوگ جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کا اختیار دیا تھا جمع ہوئے اور مشورہ کیا۔ ان لوگوں سے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تم سے اس معاملہ میں جھگڑنے والا نہیں ہوں لیکن اگر تم چاہو تو تم ہی میں سے کسی کو تمہارے لیے منتخب کردوں۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ معاملہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پر چھوڑ دیا۔

"لوگ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہوئے؛ یہاں تک کہ ان بقیہ لوگوں میں سے کسی کے پاس ایک آدمی بھی نظر نہیں آتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ لوگوں سے ان راتوں میں مشورہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ رات آئی جس کی صبح میں ہم لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

مسور کا بیان ہے کہ تھوڑی رات گزر جانے کے بعد عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے میرا دروازہ اس زور سے کھٹکھٹایا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے کہا کہ: میں تمہیں سوتا ہوا دیکھتا ہوں حالانکہ اللہ کی قسم! ان راتوں میں میری آنکھ بھی نہیں لگی۔ تم چلو اور زبیر رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ کو میرے پاس بلاؤ۔ میں ان دونوں کو بلا لایا۔ ان سے آپ نے مشورہ کیا۔ پھر مجھے بھی بلا لیا۔ پھر مجھ سے کہا: جاؤ اور علی رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ۔ میں ان کو بلا لایا۔ ان سے بہت رات گئے تک سرگوشی کرتے رہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے اٹھے تو ان کے دل میں خلافت کی خواہش تھی اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو ان کی خلافت سے اختلاف امت کا اندیشہ تھا۔ پھر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ۔ میں ان کو بھی بلا لایا۔ تو ان سے سرگوشی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان نے ان کو جدا کیا۔ جب لوگوں نے صبح کی نماز پڑھی؛ تو یہ لوگ منبر کے پاس جمع ہوئے۔ مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ موجود تھے؛ ان کو بلا بھیجا۔ اور سرداران لشکر کو بلا بھیجا۔ یہ سب لوگ اس سال حج میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیساتھ شریک ہوئے تھے۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا پھر کہا کہ:

اما بعد! اے علی رضی اللہ عنہ! میں نے لوگوں کی حالت پر نظر کی ہے تو دیکھا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے ہیں۔ اس لیے تم اپنے دل میں میری طرف سے کچھ خیال نہ کرنا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے) کہا: ''میں اللہ اور اس کے رسول اور آپ کے دونوں خلفاء کی سنت پر تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کی اور تمام لوگوں نے مہاجرین و انصار، سرداران لشکر اور مسلمانوں نے بیعت کی۔'' [صحیح بخاری: ۲۰۸۶]

اس رافضی نے جو روایت ذکر کی ہے' اس میں اتنے جھوٹ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پاک و مبرا رکھا ہے۔ مثال کے طور پر اپنے بھائی' اپنے چچا اور بیوی کو بطور حجت کے پیش کرنا۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے افضل ہیں۔ اور آپ یہ بھی جانتے تھے کہ مخلوق میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہوگا جو سب سے زیادہ تقوی والا ہوگا۔

اس کے بجائے اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے: کیا تم میں میرے بھائی حمزہ جیسا کوئی ہے؛ اور کیا تم میں میرے بھتیجوں محمد علی اور جعفر جیسا کوئی ہے؟ تو یہ دلیل بھی بالکل ویسے ہی ہوتی۔ بلکہ کسی انسان کا اپنے بھتیجوں کو بطور حجت پیش کرنا اس کے چچاؤں کو بطور حجت پیش کرنے سے زیادہ بہتر اور اہم ہوتا ہے۔ اور اگر اس موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ کہتے کہ: کیا تم میں کوئی اور ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں سے شادی کی ہو؟ تو یہ حجت بھی اسی حجت کی طرح ہوتی کہ: تم میں سے کسی کی بیوی میری بیوی کی طرح ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی شوری سے پہلے ہی ہو چکا تھا جیسے حضرت عثمان کی بیویوں رقیہ اور ام کلثوم کا انتقال شوری سے پہلے ہو گیا تھا۔ البتہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد ہوا تھا۔

یہی حال اس دعوی کا ہے: ''کیا تم میں کسی کے بیٹے میرے بیٹوں جیسے ہیں۔'' اس میں متعدد روایات ہیں۔ اور جیسا کہ یہ قول: میں نے اللہ تعالیٰ سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی مگر اس جیسی چیز تمہارے لیے بھی مانگی ہے۔ اور یہی حال اس روایت کا بھی ہے کہ میرے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی یہ سورت پہنچا سکتے ہیں۔''

یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

علامہ خطابی نے اپنی کتاب ''شعار الدین'' میں لکھا ہے: ''آپ کی طرف منسوب یہ فرمان: میری طرف سے یہ سورت میرے اہل بیت میں سے ہی کوئی ایک پہنچا سکتا ہے۔'' یہ ایک ایسی چیز ہے جسے اہل کوفہ نے زید بن یثیع سے لیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اس راوی پر رافضی ہونے کی تہمت ہے۔ اس لیے کہ عام طور پر جو قرآن رسول اللہ ﷺ سے لوگوں تک پہنچا ہے وہ اہل بیت کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ذریعہ سے پہنچا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا۔ آپ انصار کو قرآن کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ اور انہیں دین کے مسائل سمجھاتے۔ آپ نے حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین میں بھیجا؛ آپ بھی وہاں یہی فرائض سرانجام دیتے تھے۔ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا۔ عتاب بن اسید اموی رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ پر گورنر بنایا۔ تو پھر یہ قول کہاں گیا کہ: میری طرف سے یہ پیغام میرے اہل بیت میں سے ہی کوئی پہنچا سکتا ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بھی باطل ہے؛ اس میں کئی ایک جھوٹ ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ ہر جنگ میں رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہوا کرتا تھا۔'' اس لیے کہ غزوۂ احد میں نبی کریم ﷺ کے علم بردار بالاتفاق مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے۔❶ اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ اور فتح مکہ کے دن علم رسول ﷺ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔❷ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ حجون میں جا کر جھنڈا گاڑ دیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا: کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ پر جھنڈا گاڑنے کا حکم دیا تھا۔''❸ یہ روایت صحیح بخاری میں موجود ہے۔

ایسے ہی رافضی مصنف کا دعوی کہ: ''غزوہ حنین کے موقع پر آپ ہی ثابت قدم رہے۔''

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ غزوہ حنین میں نبی ﷺ کے قریب تر آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کی خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے؛ جبکہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے سواری کی رکاب پکڑی ہوئی تھی۔❹

اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: اصحاب سمرہ کو آواز دو۔ آپ فرماتے ہیں: میں نے اونچی آواز میں چیخ کر پکارا: اے اصحاب سمرہ تم کہاں ہو؟

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم جس وقت انہوں نے یہ آواز سنی تو وہ اس طرح پلٹے جس طرح کہ گائے

---

❶ البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ۔ باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (ح:٣٧٠٠)

❷ سيرة ابن هشام (ص:٣٧٩، ٣٨٣)، طبقات ابن سعد (٣/ ٨٦)

❸ الحدِيث عن نافِعِ بنِ جبير وهو تابِعِی فِی البخارِیِ:٤/ ٥٣، کتاب الجِهادِ والسِیرِ، باب ما قِيل فِی لِواءِ النبِیِ صلی الله عليهِ وسلم، ونصه: قال: سمِعت العباس يقول لِلزبيرِ رضِی الله عنه: أههنا أمر النبِی صلی الله عليهِ وسلم أن ترکز الراية؟

❹ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی ﷺ الراية يوم الفتح، (حديث:٤٢٨٠) مطولاً فِی مسلِم:٣/ ١٣٩٨، کِتابِ الجِهادِ والسِيرِ، باب فِی غزوةِ حنين، المسند ط. المعارِفِ:٣/ ٢٠٨، وذکر الشيخ حمد شاکر رحِمه الله فِی تعلِيقِهِ: والحدِيث رواه مسلِم:٢/ ١٠ مِن طرِيقِ يونس عنِ الزهرِیِ، ومِن طرِيقِ عبدِ الرزاقِ عن معمر عنِ الزهرِیِ وکذلِك رواه الحاکِم فِی المستدرك:٣/ ٣٢٧، وزعم أن الشيخينِ لم يخرِجاه، واستدرك عليهِ الذهبِی بِإخراجِ مسلِم إِياه.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے۔وہ لوگ یا لبیک یا لبیک کہتے ہوئے آئے اور انہوں نے کافروں سے جنگ شروع کر دی۔اس وقت نبی کریم ﷺ فرما رہے تھے:

((أنا نبی لا کذب أنا ابن عبد المطلب .)) ❶

''میں اللہ کا سچا نبی ہوں' اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے خچر سے اتر کر چند کنکریاں اٹھائیں اور انہیں کافروں کے چہروں کی طرف پھینکا پھر فرمایا:'' محمد کے رب کی قسم یہ شکست کھا گئے۔''حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:''میں دیکھ رہا تھا کہ جنگ بڑی تیزی کے ساتھ جاری تھی کہ اچانک آپ ﷺ نے کنکریاں پھینکیں۔ اللہ کی قسم میں نے دیکھا کہ ان کا زور ٹوٹ گیا اور وہ پشت پھیر کر بھاگنے لگے؛ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دے دی۔''

صحیحین کی روایت میں ہے؛ اور یہ الفاظ بخاری شریف کے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حنین کے موقع پر میں اور ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چپکے رہے' آپ سے علیحدہ نہیں ہوئے۔'' ❷

جب کہ آپ کو غسل دینے اور قبر شریف میں اتارنے میں اہل بیت نے شرکت کی تھی۔ جیسا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اوران کی اولاد۔ آپ کے غلام شقران اور بعض انصار نے بھی شرکت کی تھی۔مگر غسل خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیا۔اس موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عزت و احترام کی وجہ سے آپ کی اولاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ براہ راست یہ خدمات انجام دے رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے زیادہ مستحق تھے۔

ایسے ہی رافضی کا دعوی کہ: آپ عرب وعجم میں پہلے انسان ہیں جنہوں نے نماز پڑھی۔ یہ روایت حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی معروف حدیث کے متناقض ہے۔

فصل:...... واقعہ معراج کی من گھڑت حکایت

[اشکال] : معراج سے متعلق شیعہ کی ذکر کردہ روایت میں مذکور ہے کہ ملائکہ مقربین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب سنے؛ اور یہ حدیث سنی:'' اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ' 'تو ملائکہ نے اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا۔اور اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہم شکل فرشتہ پیدا کر دیا۔

[جواب] : یہ ایسے جہال اور کذابین کا کلام ہے جو اچھی طرح جھوٹ بولنا بھی نہیں جانتے۔ بیشک معراج کا واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا؛ اس پر تمام لوگوں کا اجماع ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا

❶ البخاری، کتاب الجهاد، باب من قاد دابة غیره فی الحرب (ح ٢٨٦٤)مسلم-باب غزوة حنین، (ح:١٧٧٥)

❷ مسلِم:٣/ ١٣٩٨، المسند ط. المعارِف:٣/ ٢٠٨.

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ [الإسراء ۱]

’’پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے اس لیے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سننے دیکھنے والا ہے۔‘‘

[یہ اسراء کا واقعہ تھا] اسراء کا واقعہ مسجد الحرام میں سے پیش آیا تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی o مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی o وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی﴾ .... إلى قوله تعالىٰ .... ﴿اَفَتُمٰرُوْنَهُ عَلٰی مَا يَرٰی o وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی o عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی﴾ ....إلى قوله تعالىٰ....﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی﴾ [النجم آيات متفرقات]

(۱)......’’قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے! کہ تمھارا ساتھی (رسول) نہ راہ بھولا ہے اور نہ غلط راستے پر چلا ہے۔ اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔‘‘

(۲)......’’پھر کیا تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو وہ دیکھتا ہے۔ حالانکہ بلاشبہ یقیناً اس نے اسے ایک اور بار اترتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ آخری حد کی بیری کے پاس۔‘‘

(۳)......’’پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔‘‘ بالاتفاق یہ تمام آیات مبارکہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔

اور ایسے ہی یہ حدیث: ’’کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔‘‘

یہ کلمات آپ نے غزوہ تبوک کے موقع پر کہے تھے۔ یہ سن نو ہجری کی بات ہے۔ تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ: معراج کی رات فرشتوں نے یہ کلمات سن رکھے تھے کہ آپ نے فرمایا: ’’کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔‘‘

پھر یہ بات بھی معلوم ہے کہ مدینہ طیبہ میں نائب بنایا جانا ایک مشترکہ قدر ہے۔ جب کبھی بھی غزوہ تبوک سے پہلے مدینہ میں کسی کو نائب بنایا گیا تو اس وقت مدینہ میں اطاعت گزار اہل ایمان موجود ہوا کرتے تھے۔ جن پر کسی کو نائب بنایا جاتا تھا۔ جب کہ غزوہ تبوک کے موقع پر کوئی بھی نیک و کار مؤمن پیچھے نہیں رہا۔ سوائے ان لوگوں کے جن کا عذر اللہ تعالیٰ نے قبول کیا ہو' یا پھر جو جہاد کرنے سے عاجز ہوں۔ پس غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والے باقی تمام اسفار غزوات اور حج و عمرہ میں پیچھے رہ جانے والوں کی نسبت تعداد میں بہت کم اور کمزور تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر کے تقریباً تیس سفر کیے ہیں۔ ان میں کسی نہ کسی کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا کرتے تھے۔

۱۔ غزوہ ابواء میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر فرمایا۔ [جوامع السيرة لابن حزم، ص 9]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۔ غزوہ بواط میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر فرمایا۔ ❶

۳۔ جب کرز بن جابر الفہری کی تلاش میں نکلے تو مدینہ پر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ ❷

۴۔ غزوہ عشیرہ میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بن عبد اشہل کو عامل مقرر فرمایا تھا۔ ❸

۵۔ غزوہ بدر کے لیے مدینہ سے باہر نکلے تو عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو حاکم مدینہ مقرر کیا۔ ❹

۶۔ غزوہ قرقرۃ الکدر کے لیے تشریف لے گئے تو عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو حاکم مدینہ مقرر کیا۔ ❺

۷۔ جب بنو سلیم کی طرف تشریف لے گئے؛ اور غزوہ حمراء الاسد میں اور غزوہ بنونضیر اور غزوہ بنوقریظہ میں بھی حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو حاکم مدینہ مقرر کیا۔ ❻

۸۔ غزوۂ ذات الرقاع اور غزوہ غطفان [اسے غزوہ أنمار بھی کہا جاتا ہے] کے لیے جاتے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حاکمِ مدینہ قرار پائے۔ ❼

۹۔ اور جب عیینہ بن حصین الفرازی کے پیچھے اونٹوں کی طلب میں نکلے؛ تو اس دن ''یا خیل اللہ! ارکبی'' کے رمز کی آواز لگائی گئی۔

۱۰۔ ایسے ہی غزوہ حدیبیہ اور فتح مکہ کے موقع پر [مدینہ میں آپ کے نائبین موجود تھے]۔

۱۱۔ غزوہ بنی قینقاع اور غزوہ سویق کے لیے تشریف لے گئے تو ابولبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو حاکم مدینہ مقرر کیا۔

۱۲۔ غزوہ بدر الموعد میں آپ نے ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر عامل مقرر فرمایا۔

۱۳۔ دومۃ الجندل اور غزوہ خیبر کے موقع پر سباع بن عرفطہ الغفاری رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر فرمایا۔

۱۴۔ غزوہ المریسیع میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر فرمایا تھا۔

۱۵۔ عمرہ قضاء پر تشریف لے جاتے ہوئے حضرت ابو رہم کو عامل مقرر فرمایا۔

---

❶ فِی سِیرۃِ ابنِ ہِشام:۲/ ۲۴۸ وفی جوامِعِ السِیرۃِ ص:۹، إن الذِی استعملہ النبی ﷺ علی المدِینۃِ فِی غزوۃِ بواط ھو السائِب بن عثمان بنِ مظعون. ولکِن یذکر ابن کثِیر فِی البِدایۃِ والنِھایۃِ:۳/ ۲۴۶، وقال الواقِدِی: استخلف علیھا سعد بن معاذ، وقال المقرِیزِی فِی إمتاعِ السماعِ ص:۵۴ واستخلف علی المدِینۃِ سعد بن معاذ، وقِیل: السائِب بن عثمان بنِ مظعون.

❷ البِدایۃ والنِھایۃ:۳/ ۲۴۷، إمتاع الأسماعِ ص:۵۴، ابن ہِشام:۲/ ۲۵۱.

❸ فِی البِدایۃِ والنِھایۃِ:۳/ ۲۴۶، إمتاع الأسماعِ ص:۵۵، ابنِ ہِشام:۲/ ۲۴۸، جوامِعِ السِیرۃِ، ص:۱۰۲.

❹ جوامِعِ السِیرۃِ ص:۱۰۷، ابن ہِشام:۲/ ۲۶۳.

❺ جوامِعِ السِیرۃِ ص:۱۰۷، ابن ہِشام:۲/ ۲۶۳.

❻ وتعرف بِغزوۃِ بنِی سلیم؛ قال ابن ہِشام:۳/ ۴۶، وابن حزم [جوامِعِ السِیرۃِ]ص:۱۵۲؛ واستعمل علی المدِینۃِ سِباع بن عرفطۃ الغِفارِی أوِ ابن أمِ مکتوم، وقال المقرِیزِی فِی إمتاعِ الأسماعِ ص: ۱۰۷ واستخلف علی المدِینۃِ عبد اللہِ بن أمِ مکتوم.

❼ قال ابن ہِشام:۳/ ۴۶، وابن حزم فی جوامِعِ السِیرۃ ص:۱۵۲.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غزوہ تبوک سے پہلے جتنے بھی لوگوں کو نائب بنایا گیا؛ ان کی نیابت غزوہ تبوک پر نائب بنائے جانے سے زیادہ کامل و اکمل تھی ۔ اگر یہ تشبیہ اصل استخلاف میں ہے تو یہ تمام لوگ وہی نسبت رکھتے تھے جو حضرت ہارون کو حضرت موسی علیہما السلام سے تھی ۔

اگر یہ کہا جائے کہ تبوک میں دور کا سفر تھا۔"

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: لیکن اس موقع پر مدینہ طیبہ اور اس کے گردونواح میں امن و امان تھا۔ کوئی ایسا دشمن باقی نہیں رہا تھا جس کا خوف ہو۔ اس لیے کہ یہ تمام لوگ اسلام لا چکے تھے۔ اور جو مسلمان نہیں تھے وہ وہاں سے جا چکے تھے۔ جب کہ تبوک کے علاوہ دوسرے غزوات میں مدینہ کے گردونواح میں دشمنان موجود ہوا کرتے تھے جن کا خوف رہتا تھا۔ اس وقت نائب کو مزید محنتوں و کوششوں کی ضرورت ہوا کرتی تھی ۔ جب کہ تبوک کے موقع پر ایسی کسی چیز کی کوئی ضرورت نہیں تھی ۔

فصل: ......روایت: لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ

[**شبہ**]: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا تھا:

"میں خود نوجوان، نوجوان کا بیٹا اور نوجوان (حضرت علی) کا بھائی ہوں۔" میں نوجوان ہوں یعنی عرب کے نوجوان بہادروں میں سے ہوں ۔ اور نوجوان کا بیٹا ہوں' اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ﴾ [الأنبياء ٦٠]

"بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا جسے ابراہیم علیہ السلام کہا جاتا ہے۔"

اور نوجوان کے بھائی سے مراد علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہی جبریل کے قول سے مراد ہے۔ حضرت جبریل جنگ بدر کے دن خوش و خرم آسمان کی جانب چڑھے اور وہ کہہ رہے تھے: "لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَارِ وَ لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ۔" (تلوار ہے تو ذوالفقار اور نوجوان ہے تو علی)۔ [انتہی کلام الرافضی]

[**جواب**]: سابقہ روایات کی طرح یہ روایت بھی کذب اور من گھڑت ہے۔ اس روایت کے جھوٹ ہونے پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ اسکی سند کے علاوہ بھی کئی ایک وجوہات کی بنا پر اس کا جھوٹ ہونا معلوم ہوتا ہے: [1]

(۱) "اَلْفَتٰی" کا لفظ کتاب و سنت اور لغت عرب میں اسماء مدح و ذم میں سے نہیں۔ بلکہ "الشَّابّ" (جوان) اور "اَلْكَهْل" (ادھیڑ عمر کا) کی طرح مطلق اسم ہے۔ مشرکین کا قول ﴿قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ﴾ یہ

[1] ڈاکٹر رشاد سالم محقق منہاج السنۃ فرماتے ہیں: ((لم أجِدِ الجزء الأول مِن هذا الحدِيثِ الموضوعِ، وأما الجزء الأخِير مِنه وهو: لا سيف إلا ذو الفقارِ ولا فتى إلا علي، فوصفه بِالوضعِ وتكلم على الكذابِين مِن رواتِهِ كل مِن ابنِ الجوزِيِ فِي الموضوعاتِ:١/ ٣٨١، والسيوطِي فِي اللآلِيءِ المصنوعةِ:١/ ٣٦٤. وعلِي القارِيءِ فِي الأسرارِ المرفوعةِ ص:٣٨٤، ٣٨٥ وابنِ عِراقى الكِنانِي، فِي تنزِيهِ الشرِيعةِ: ١/ ٣٨٥، وابنِ العجلونِي فِي كشفِ الخفاءِ:٢/ ٣٦٣.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جملہ کہنے والے کافر تھے؛ اور ان کا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدح کرنا نہیں تھا۔فتی چڑھتے ہوئے نوجوان کو کہا جاتا ہے۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بلند و بالا ہیں کہ اپنے دادا یا چچا زاد پر فخر کا اظہار کریں۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی نہیں بنایا تھا۔یہ حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، صریح کذب ہے۔البتہ یہ درست ہے کہ آپ نے مہاجرین و انصار کے مابین مواخات کا رشتہ قائم کیا تھا۔مہاجرین کا باہم ایسا کوئی رشتہء بھائی چارگی قائم نہیں ہوا۔

(۴) بدر کے موقع پر اس قسم کی کوئی آواز نہیں سنی گئی' اور نہ ہی کوئی ایسا واقعہ پیش آیا۔

(۵) ذوالفقار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار نہیں تھی؛ بلکہ یہ ابوجہل کی تلوار کا نام ہے۔غزوۂ بدر میں یہ تلوار مال غنیمت میں مسلمانوں کو ملی تھی۔بدر کے موقع پر ذوالفقار مسلمانوں کی تلوار نہیں تھی۔بلکہ اس وقت یہ تلوار کفار کے پاس تھی۔

امام احمد و ترمذی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالفقار نامی تلوار غزوۂ بدر میں انعام کے طور پر دے دی تھی۔ ❶

(۶): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''اَنَـا فَتَـی'' کہنے کی روایت بھی جھوٹ ہے، کیوں کہ جب آپ نبوت پر سرفراز ہوئے تو اس وقت نوجوان نہ تھے، بلکہ ادھیڑ عمر کو پہنچ چکے تھے۔

فصل:......روایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا قول جو کہ رافضی نے روایت کیا ہے' یہ بھی صحیح نہیں۔یہ روایت موقوف ہے' مرفوع نہیں۔اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔اس کے ساتھ ہی ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس قول کے نقل کرنے والے بھی تحقیق کے محتاج ہیں۔

مزید براں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا واجب ہونا آپ کی کوئی خصوصیت نہیں۔بلکہ ہم پر واجب ہوتا ہے کہ آپ سے ایسے ہی محبت کریں جیسے مہاجرین و انصار اور حضرت ابی بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت کرتے ہیں۔نبی کریم کا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد ہے:

''حبّ انصار علامت ایمان ہے۔اور بغض انصار نفاق کی علامت ہے۔'' ❷

صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُمّی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد کیا کہ:

''مجھ سے وہی محبت رکھے گا جو مومن ہوگا اور مجھ سے وہی شخص عداوت رکھے گا جو منافق ہوگا۔'' ❸

---

❶ سنن ترمذی، کتاب السیر ۔باب فی النفل، (ح:۱۵۶۱)وقال الترمِذِی: هذا حدِیث حسن غرِیب، ، سنن ابن ماجه (۲۸۰۸) کتاب الجِهادِ باب السِلاحِ، وجاء الحدِیث مطولا فِی: المسند ط . المعارِفِ:۴/ ۱۴۶ .

❷ البخاری ۱/ ۹۔ مسلم ۱/ ۸۵۔

❸ مسلم ۱/ ۸۶۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

فصل: ...... محبت علی رضی اللہ عنہ اور گناہ کی چھوٹ

شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''ان دلائل میں سے ایک دلیل صاحب الفردوس کی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ذکر کردہ یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت ایک ایسی نیکی ہے جس کے ہوتے ہوئے برائی سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنا ایک ایسا جرم ہے جس کی موجودگی میں نیکی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔''

ہم کہتے ہیں: ''مسند الفردوس'' نامی اس کتاب میں موضوعات کی بھرمار ہے۔ اس کا مصنف شیرویہ بن شہریار دیلمی محدث ہے۔ اگرچہ وہ بھی دین کے سچے طلبگاروں میں سے تھا۔ لیکن اس نے جو احادیث جمع کیں' ان کی اسانید حذف کر دیں؛ اور صحیح وضعیف اور موضوع روایت کو پرکھے بغیر جمع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں بہت زیادہ موضوع روایات پائی جاتی ہیں۔ ❶

یہ حدیث بھی ان روایات میں سے ایک ہے جن کے بارے میں کوئی بھی مؤمن گواہی دے سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات ہرگز ارشاد نہیں فرما سکتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کی نسبت بہت بڑی اور عظیم الشان چیز ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ مومن کو برائیوں سے نقصان پہنچتا ہے۔ ❷

---

❶ وهو شِيرويهِ بن شهردار بنِ شِيرويهِ بنِ فناخسرو، ولِد سن:٤٤٥، هو توفِي سن:٥٠٩، مؤرِخ ومحدِث، له تارِيخ همذان وفِردوس الأخبارِ وهو كتاب كبِير فِي الحدِيثِ اختصره ابنه شهردار، واختصر المختصر ابن حجر العسقلانِي، انظر ترجم شِيرويهِ فِي شذراتِ الذهبِ:٤/ ٢٣؛ الأعلامِ:٣/ ٢٦٨.

❷ لم أجِد هذا الحدِيث الموضوع ولِكنِي وجدت حدِيثا موضوعاً مقارِباً ذكره ابن الجوزِي فِي الموضوعاتِ:١/ ٣٧ وهو: حب علِي بنِ أبِي طالِب يأكل السيِئاتِ كما تأكل النار الحطب)). وذكره أيضا السيوطِي فِي اللآلِيءِ المصنوعةِ:١/ ٣٥٥.

اس کو بنیاد فراہم کرنے کے لیے شیعہ نے کئی روایات گھڑ رکھی ہیں؛ جو کہ دوسری جگہ تفصیل سے بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں پر بطور اشارہ کچھ روایات بیان کی جاتی ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: ''علی رضی اللہ عنہ کی محبت ایسی نیکی ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی برائی نقصان دہ نہیں ہے اور بغض علی ایسی برائی ہے جس کی موجودگی میں کوئی نیکی بھی فائدہ مند نہیں ہے۔'' [الفضائل/ شاذان بن جبرائیل القمی: ٩٦ (فی فضائل الامام علی علیه السلام)]

نیز آپ کی طرف یہ بھی منسوب کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: (حالانکہ آپ اس الزام سے بری ہیں): ''اگر تمام مخلوق علی بن أبی طالب کی محبت پر جمع ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ جہنم کو پیدا نہ فرماتے۔'' [الفضائل/ شاذان بن جبرائیل (خبر المقدسی)]

آپ پر افتراء پردازی کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''اگلے اور پچھلے لوگوں میں سے صرف وہی شخص جنت میں داخل ہوگا جو علی سے محبت کرتا ہوگا۔ اگلے اور پچھلے لوگوں میں سے جس نے بھی علی سے نفرت کی وہ جہنم میں داخل ہوگا۔'' [علل الشرائع/ ابوجعفر محمد بن علی بن بابویه القمی: ١/ ١٦٢، حدیث نمبر: ١ (باب العلة التي من أجلها صار علی بن أبی طالب قسیم الله بین الجنة والنار)۔]

ہماری اہل تشیع سے اتنی گزارش ہے کہ عقل مندی کا ثبوت دیں اور غور کریں کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے بھی بڑا ہے؛ کہ آپ کی محبت پر وہ انعام نہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت پر ہے؟ یا پھر یہ بہتان تراشی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن الحمار نامی ایک شخص پر شراب کی حد قائم کرنے کا حکم دیا تھا۔ ایک شخص نے اسے گالی دی۔ تو آپ نے فرمایا:

''اسے چھوڑ یے کیونکہ یہ اللہ و رسول سے محبت رکھتا ہے۔'' ❶

ہر مؤمن مرد اور عورت لازمی طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں' مگر اس کے باوجود برائیاں انہیں نقصان دیتی ہیں۔ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے' اور شریعت محمدی میں یہ بات اضطراری طور پر معلوم ہے کہ اگر کوئی انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو یہ شرک اس کے لیے نقصان دہ ہوگا؛ اور اللہ تعالیٰ مشرک کی مغفرت نہیں کرے گا' بھلے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت ہی کیوں نہ کرتا ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے والد ابوطالب اپنے بیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے تھے، اس کے باوصف انھیں شرک سے نقصان پہنچا اور وہ جہنمی قرار پائے۔ اسی طرح غالی شیعہ بھی حب علی رضی اللہ عنہ کے دعوی دار ہیں، وہ بھی اصل میں جہنمی ہیں۔

صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر فاطمہ بھی چوری کا ارتکاب کرتیں تو میں ان کا ہاتھ کاٹ ڈالتا۔'' ❷

یہ بات دین میں یقینی طور پر سبھی جانتے ہیں کہ اگر کوئی مرد چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ اگر چہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت بھی کیوں نہ کرتا ہو۔ ایسے ہی اگر زنا کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ اگر چہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت بھی کیوں نہ کرتا ہو۔ ایسے ہی اگر کوئی کسی کو قتل کردے تو اسے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اگر چہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت بھی کیوں نہ کرتا ہو۔ ایسے ہی اگر کوئی انسان نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا چھوڑ دے تو اسے اس کا نقصان ہوگا بھلے وہ رسول اللہ ﷺ سے ہی محبت دعویدار کیوں نہ ہوں۔ [حب رسول ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت سے عظیم تر ہے، اس کے باوجود آپ کی محبت کا دعوی کرنے والے دوزخ میں جائیں گے اور آپ کی شفاعت کی بنا پر جہنم سے نکلیں گے]۔ تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کے ساتھ کوئی برائی نقصان کیسے نہیں دے سکتی؟

پھر یہ بات بھی معلوم ہے کہ اگر آپ کی محبت کا دعوی کرنے والے جنہوں نے آپ کو دیکھا تھا' اور آپ کے ساتھ مل کر دوسرے لوگوں سے جنگیں کی تھی۔ وہ دوسرے لوگوں کی نسبت اپنے دعوی میں بہت بڑھ چڑھ کر تھے؛ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر بھی ان کی مذمت کیا کرتے اور ان پر عیب جوئی کیا کرتے تھے؛ ان پر طعن کرتے اور جو کچھ ان لوگوں نے آپ کے ساتھ کیا تھا اس سے برأت کا اظہار فرماتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ ان کے بدلے میں انہیں انتہائی

❶ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر، (حدیث: ٦٧٨٠)۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع (حدیث: ٦٧٨٧، ٦٧٨٨)، صحیح مسلم، کتاب الحدود۔ باب قطع السارق الشریف وغیرہ، (حدیث:١٦٨٨)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

براحکمران دے دے اوران برے ساتھیوں کے بدلے میں انہیں انتہائی اچھے ساتھی عطاء فرمادے۔اوراگران شیعہ کا کوئی اور گناہ نہ بھی ہوتا تو صرف جنگوں میں جوان لوگوں نے حضرت کو ذلیل کیا' اورآپ کے احکام کی نافرمانی کی[یہی رسوائی ان لوگوں کے لیے کافی تھی]۔حالانکہ یہ لوگ اپنے زمانے کے بہترین شیعہ تھے۔اورحضرت علی رضی اللہ عنہ واضح فرماتے ہیں کہ:'' ان لوگوں کے گناہ انہیں نقصان پہنچارہے ہیں''؛ تو پھران لوگوں کا کیا حال ہوگا جوشر وفساد میں اس دور کے شیعہ سے دو ہاتھ آگے ہیں۔

خلاصہ کلام ! ایسی بات کہنا کفر ہے ۔ یہ کہنے والے سے توبہ کروانی چاہیے۔اور اللہ اوراس کے رسول پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ ایسی بے ڈھنگ بات کہے۔

ایسے ہی رافضی مصنف کا قول:''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنا وہ برائی ہے جس کے ساتھ کوئی نیکی کام نہیں آتی۔''

جواب: اگر آپ سے بغض رکھنے والا کافر ہے تو پھر یقیناً وہ اپنے کفر کی وجہ سے انتہائی بدبخت ہے۔اوراگر مؤمن ہے تو اسے اس کے ایمان سے فائدہ ضرور پہنچے گا بھلے وہ آپ سے بغض رکھنے کی غلطی کررہا ہو۔[1]

[محبت اہل بیت اورسال کی عبادت ......]:

رافضی مصنف کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ذکر کردہ روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:''آل محمد سے ایک دن محبت کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔اورجس کا انتقال اس محبت پر ہوگیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

اسی طرح یہ روایت:''میں اورعلی رضی اللہ عنہ اللہ کی مخلوق پر حجت ہیں۔'' کھلا ہوا کذب ہے۔

اہل علم پر ان دونوں روایات کا جھوٹ ہونا صاف واضح ہے۔ایک سال کی عبادت میں ایمان ؛روزانہ کی پانچ نمازیں' ماہ رمضان کے روزے ہیں۔تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ماہ کی محبت ان اعمال کے قائم مقام نہیں ہوسکتی تھی ؛تو پھر ایک دن کی محبت کیسے اس کے بدلے میں کافی ہوسکتی ہے؟

ایسے ہی بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت صرف اس کے رسولوں کے ذریعہ قائم ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

[1] ''علی رضی اللہ عنہ کی محبت ایسی نیکی ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی برائی نقصان دہ نہیں ہے۔اوربغض علی ایسی برائی ہے جس کی موجودگی میں کوئی نیکی بھی فائدہ مند نہیں ہے۔''[الفضائل/ شاذان بن جبرائیل القمی: ۹۶ (فی فضائل الامام علی علیہ السلام]

نیز آپ کی طرف یہ بھی منسوب کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: (حالانکہ آپ اس الزام سے بری ہیں):''اگر تمام مخلوق علی بن أبی طالب کی محبت پر جمع ہوجاتی تو اللہ تعالیٰ جہنم کو پیدا نہ فرماتے۔''[الفضائل/ شاذان بن جبرائیل (خبر المقدسی)]

اورایک بہتان یہ بھی آپ کی طرف منسوب کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:''کوئی بھی غلام یا باندی ایسے نہیں مرتے جن کے دل میں مثقال کے ایک ذرہ کے برابر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت ہوگی؛ مگر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریں گے۔''

الآمالي للطوسي ص ۳۳۰؛ ح: ۱۰۷۔ بشارۃ المصطفی ص ۳۶۱؛ ح: ۴۶۔ کشف الغمة ۲/ ۲۳۔ فصل في ذکر مناقب شتی و أحادیث متفرقة۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

﴿لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (النساء:۱۶۵)

''تا کہ ان رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ائمہ اور اوصیاء وغیرہ بھی حجت ہو سکتے ہیں۔

[محبت علی رضی اللہ عنہ کا دعوی اور ایک اور جھوٹی روایت]:

[شبہ] : ایسے ہی شیعہ مصنف کا دعوی ہے کہ: ''اگر تمام لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت پر جمع ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ جہنم کو پیدا ہی نہ کرتے۔'' [1]

[جواب] : یہ کذب صریح ہے۔اس کے جھوٹ ہونے پر تمام اہل علم وایمان کا اتفاق ہے۔اس لیے کہ اگر سارے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے پر جمع ہو جائیں تو انہیں اس کا کوئی فائدہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ پر؛ اس کے فرشتوں پر؛ اس کی کتابوں پر؛ اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہ لائیں اور نیک اعمال نہ کریں۔جب وہ ایسا کر لیں تو جنت میں داخل ہو جائیں گے بھلے انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی معرفت ہی نہ ہو۔اور ان کے دل میں حب علی یا بغض علی رضی اللہ عنہ کا خیال تک بھی نہ آئے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾(البقرہ۱۱۲)

''سنو جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے۔ بیشک اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا، اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا، نہ غم اور اداسی۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ [النساء ۶۹]

''اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، جیسے انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور نیک لوگ، یہ بہترین ساتھی ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] حضرت جعفر الصادق کی طرف ایک بہتان یہ بھی تراش کر منسوب کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اولین وآخرین میں سے جنت میں صرف وہی لوگ داخل ہوں گے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہوں گے۔اور اولین وآخرین میں سے صرف وہی لوگ جہنم میں داخل ہوں گے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہوں گے۔''[علل الشرائع ۱/ ۱۶۲؛ ح: ۱؛ باب ۱۳۰۔ ''العلة التي من أجلها صار علی بن ابی طالب قسیم الله بین الجنة والنار۔ مختصر بصائر الدرجات ص ۴۸۵؛ ح: ۵۷۶۔ بحار الأنوار ۳۹/ ۱۹۵۔ح: ۵؛ باب أنه قسیم الجنة والنار وجواز الصراط]

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ سَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ جَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَo الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَo وَ الَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَ لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَ ھُمْ یَعْلَمُوْنَoاُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ﴾ [آل عمران ۱۳۳۔۱۳۶]۔

''اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ جو لوگ آسانی میں اور سختی کے موقع پر اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ غصہ پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے؛ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر کرتے اور اپنے گناہوں پر معافی مانگتے ہیں فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ جو علم کے ہوتے ہوئے کسی بھی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔ ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب کیا ہی اچھا ہے۔''

یہ جو لوگ جنت میں جائیں گے' ان کے لیے کہیں پر بھی حب علی رضی اللہ عنہ کی شرط کا ذکر نہیں کیا گیا۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ھَلُوْعًا oاِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوْعًاoوَاِذَا مَسَّہُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا oاِلَّا الْمُصَلِّیْنَ oالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ دَآئِمُوْنَ﴾ [المعارج ۱۹۔۲۲]

''بیشک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے۔ جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو ہڑ بڑا اٹھتا ہے۔ اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ مگر وہ نمازی۔ جو اپنی نمازوں پر ہمیشگی کرنے والے ہیں۔''

[یہاں سے آگے تک اللہ تعالیٰ نے کئی نیک اعمال ذکر کیے ان کے آخر میں جا کر فرمایا]:

﴿اُولٰٓئِکَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّکْرَمُوْنَ﴾ [المعارج ۳۵]

''یہی لوگ جنتوں میں عزت والے ہوں گے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کئی وفود آئے؛ وہ آپ پر ایمان لائے؛ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے لوگ بھی ایمان لائے جو آپ کو دیکھ نہیں سکے۔ اور نہ ہی انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام سنا؛ نہ ہی آپ کو جانتے تھے؛ اس کے باوجود وہ مومنین اور متقی ہیں۔ اور جنت کے مستحق ہیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ رافضہ؛ نصیریہ اور اسماعیلیہ کا محبّ علی رضی اللہ عنہ ہونے کے دعوی پر اجماع ہے۔ مگر اس کے باوصف ان کی اکثریت جہنم کا ایندھن ہیں، بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہیں۔[اور ہم علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنے کے باوجود دوزخ سے ڈرتے ہیں۔ علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرنے والے بہت سے لوگ جنت میں جائیں گے، حالانکہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے نام سے بھی آشنا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ کا ذکر کردہ ضابطہ بے بنیاد ہے]۔

فصل: ......حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اللہ تعالیٰ کا عہد

[شبہ]: ایسے ہی شیعہ مصنف کی ذکر کردہ یہ حدیث ''کہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عہد کیا تھا، نیز یہ کہ علی عَلَمُ الھُدی و امام الاولیاء ہیں؛ نیز وہ کلمہ ہیں جو متقیوں کے لیے ضروری ہے۔''

[جواب]: یہ روایت صاف جھوٹ ہے۔ اس کے موضوع ہونے پر تمام اہل علم اور محدثین کا اتفاق ہے۔ صرف صاحب ''حلیۃ الاولیاء'' کے کسی روایت کو نقل کر لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ روایت صحیح بھی ہو؛ یا پھر اس سے استدلال کرنا جائز ہے ۔ س کتاب کے مصنف نے خلفاء اربعہ [حضرت ابوبکر و عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین] کی فضیلت میں بھی ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع روایات تک ذکر کی ہیں۔ [1]

اس پر تمام علماء کرام کا اتفاق ہے۔ ابونعیم اور ان کے امثال خود ثقہ علماء اور محدثین میں سے ہیں۔ محدثین کرام جو کچھ اپنے مشائخ سے ذکر کرتے ہیں وہ اس روایت کے نقل کرنے میں ثقہ ہوتے ہیں۔ مگر موضوع ہونے کی یہ آفت اوپر سے آتی ہے۔ کیونکہ یہ محدثین تو اپنے مشائخ سے نقل کرنے میں جھوٹ نہیں بولتے۔ مگر ان سے پہلے حدیث کی سند میں کوئی راوی ہوتا ہے جو کہ جھوٹا اور کذاب ہوتا ہے۔ وہ یا تو جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے یا پھر اس سے کبھی کبھار غلطی ہوجاتی ہے۔ اس لیے وہ جن لوگوں سے روایت نقل کرتے ہیں' ان ہی کی بات آگے پہنچاتے ہیں۔ اور عجیب و غریب قسم کی باتیں صرف اس لیے نقل کرتے ہیں تاکہ ان کی پہچان حاصل ہوجائے۔ ایسی غریب قسم کی باتیں عام طور پر ضعیف ہوتی ہیں۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان غرائب سے بچ کر رہو؛ ان میں عام طور پر ضعیف روایات ہوتی ہیں۔''

ایسے ہی رافضی مصنف کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہنا کہ:

''آپ ہی کلمہ تقوی ہیں۔''

یہ بھی جھوٹی روایت ہے۔ اس کا جھوٹ یہاں سے ظاہر ہوتا ہے کہ: ''کلمہ'' اسی جنس سے ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے '' کلمۃ اللہ ''(اللہ کا کلمہ) فرمایا گیا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے

---

[1] ابن الجوزی نے ''صفۃ الصفوۃ'' کے مقدمہ میں کتاب حلیۃ الاولیاء کی اس کمزوری کی جانب اشارہ کیا ہے۔ خلفائے اربعہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد جملہ مخلوقات سے چیدہ و برگزیدہ ہیں اور اس لیے اس بات سے قطعی بے نیاز ہیں کہ ان کے فضائل میں ضعیف یا موضوع روایات بیان کی جائیں۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ہاں حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مٹی سے پیدا کیا؛ پھر فرمایا: ہوجا' تو آپ ہو گئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک کلمہ کے ذریعہ سے پیدا کیا۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح پیدا ہوئے ہیں جیسے باقی تمام مخلوق پیدا ہوئی ہے۔

کلمہ تقوی سے مراد " لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر" ہے؛ جیسا کہ حدیث نبوی سے ثابت ہے۔ اس کا شمار ان کلمات میں ہوتا ہے جن کے خبر ہونے کی صورت میں مؤمنین ان کی تصدیق کرتے ہیں؛ اور امر یا حکم ہونے کی صورت میں ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ ❶ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا [کَلِمَةً طَیِّبَةً کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِo تُؤْتِیْٓ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَo وَ مَثَلُ کَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ کَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِ نِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍo یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ﴾ [ابراھیم ۲۴۔۲۷]

''[کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے] پاکیزہ بات کی مثال کس طرح بیان فرمائی۔ مثل ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں۔ جو اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنے پھل لاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اور ناپاک بات کی مثال ایسے درخت جیسی ہے جو زمین کے کچھ ہی اوپر سے اکھاڑ لیا گیا۔ اسے کچھ ثبات تو ہے نہیں ۔ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

ایسے ہی لفظ ''تقوی'' اسم جنس ہے؛ یہ ہر اس کلمہ کو شامل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقوی اختیار کیا جائے جیسے: صداقت عدل و انصاف وغیرہ۔ پس ہر وہ انسان جو سچائی کی تلاش میں رہے؛ اور عدل و انصاف کو بجا لائے ۔ یقیناً وہ کلمہء تقویٰ کا التزام کرنے والا ہے۔ اور اس میں سب سے سچا اور عادلانہ کلام ''لا الہ الا اللّٰہ'' ہے؛ اس لیے کہ تمام کلمات میں سے خاص کلمہ ہے۔

ایسے ہی حضرت عمار اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب روایات بھی جھوٹ کا پلندہ ہیں۔

فصل:......کلبی کے مطاعن اور ان کا جواب

[اشکال] : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''جہاں تک صحابہ کے نقائص و معائب کا تعلق ہے۔ جمہور امت نے اس بارے میں بہت کچھ نقل کیا ہے؛ اس کی حد یہ ہے کہ کلبی نے ''مثالب صحابہ'' کے موضوع پر ایک مستقل کتاب تحریر کی ہے۔''

[جواب] : ہم کہتے ہیں کہ اس بارے میں جوابات تفصیلی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں جو معائب

❶ سنن ترمذی ۔ کتاب تفسیر القرآن، باب و من سورۃ الفتح(حدیث:۳۲۶۵)، عن ابی ابن کعب، ، مستدرك حاکم (۲/ ٤٦١)، تفسیر ابن جریر (۲٦/ ۱۰٤)، عن قول علی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

منقول ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

معائبِ صحابہ کی قسم اوّل :......جھوٹی روایات: جو کہ یا تو تمام کی تمام روایات ہی صاف اور کورا جھوٹ ہیں۔ یا پھر ان میں کمی اور زیادتی کرکے انہیں تحریف کا نشانہ بنایا گیا ہے؛ جس کی وجہ سے ان میں مذمت اور عیب کا پہلو پیدا ہو گیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں نقل کیے جانے والے اکثر مطاعن کا تعلق اسی باب سے ہے۔ انہیں روایت کرنے والے راوی اپنے جھوٹ اور دروغ گوئی میں معروف ہیں۔ مثلاً ابو مخنف لوط بن یحییٰ اور ہشام بن محمد بن سائب کلبی۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ مصنف ہشام کلبی کی تصنیفات سے دلائل پیش کرتا ہے، حالانکہ وہ لوگوں میں سب سے بڑا جھوٹا ہے۔ کلبی اور اس کا بیٹا ہشام دونوں شیعہ کذاب ہیں۔ [1] یہ اپنے والد اور ابو مخنف دونوں سے روایت کرتا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں متروک الحدیث اور کذاب ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کلبی کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص کلبی سے روایت کرتا ہو یہ تو صرف ایک داستان گو اور نسّاب تھا۔''

---

[1] ہشام بن محمد بن سائب کا ذکر قبل ازیں گزر چکا ہے۔ ہشام کے والد کلبی کے متعلق محدث ابن حبان فرماتے ہیں: ''کلبی ابن سبا کے معتقدین میں سے تھا۔ وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ سیدنا علی ابھی فوت نہیں ہوئے وہ لوٹ کر آئیں گے اور کرہ ارضی کو عدل و انصاف سے ایسے ہی بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے لبریز ہو چکی ہوگی۔ تبوذکی کہتے ہیں: ''میں نے ہمام سے سنا، اس نے کلبی کو یہ کہتے سنا کہ میں سبائی عقیدہ رکھتا ہوں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابو النضر کلبی یحییٰ اور ابن مہدی کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ امام بخاری نے کلبی کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ ''میں جو روایت ابو صالح سے بیان کروں وہ جھوٹی ہوتی ہے۔'' محدث ابن حبان فرماتے ہیں کلبی کے مذہب اور اس کی دروغ گوئی کے پیش نظر اس کی تعریف بے سود ہے۔'' کلبی بطریق ابو صالح از ابن عباس تفسیری روایات بیان کرتا ہے۔ حالانکہ ابو صالح نے ابن عباس کو دیکھا بھی نہیں، کلبی نے بھی ابو صالح سے بہت تھوڑی روایات سنی ہیں، مگر بوقت ضرورت کلبی ابو صالح سے لاتعداد روایات بیان کرتا ہے۔ تصانیف میں کلبی کا نام لینا بھی حلال نہیں اس کی روایات سے احتجاج تو درکنار۔''

احمد بن زہیر کا قول ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا۔ ''کلبی کی تفسیر سے استفادہ کرنا حلال ہے یا نہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' محدث ابو عوانہ کہتے ہیں: ''میں نے کلبی کو یہ کہتے سنا: جبرائیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی لکھوایا کرتا تھا، جب آپ بیت الخلاء میں داخل ہو جاتے تو جبرائیل سیدنا علی کو وحی لکھواتے۔'' محدث ابن معین یحییٰ بن یعلی سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں کلبی سے قرآن پڑھا کرتا تھا۔ میں نے اسے یہ کہتے سنا۔ ''ایک مرتبہ میں ایسا بیمار پڑا کہ مجھے سب کچھ بھول گیا۔ میں آل محمد کے پاس گیا اور انھوں نے میرے منہ میں اپنا تھوک ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ بھولا تھا دوبارہ مجھے یاد ہو گیا۔'' میں نے یہ سن کر کہا میں آپ سے کوئی روایت بیان نہیں کروں گا۔ چنانچہ میں نے اسے ترک کر دیا۔''

ابو معاویہ کہتے ہیں ''میں نے کلبی کو یہ کہتے سنا: ''میں نے چھ یا سات دن میں قرآن حفظ کیا۔ دوسرا کوئی شخص اتنی جلد قرآن یاد نہیں کر سکتا اور میں ایسی چیز بھولا جس کو کوئی شخص فراموش نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنی داڑھی پکڑ کر چاہا کہ اس میں معمولی تخفیف کروں گا مگر میں نے مٹھی کے اوپر سے کتر ڈالی۔''

یہ ہیں کلبی سبائی کذاب کے بارے میں ائمہ حدیث کے ارشادات عالیہ۔ رافضی مصنف ایسے شخص کی کتاب سے ان صحابہ کے نقائص و معائب پر استدلال کرنا چاہتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کائنات ارضی پر اللہ کی بہترین مخلوق تھے۔ ان کی عظمت و فضیلت کا یہ عالم ہے کہ اعدائے اسلام بھی ان کے مقام رفیع سے انکار نہیں کر سکتے جو انھیں تاریخ اسلام میں حاصل ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کلبی متروک الحدیث ہے۔

محدث ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ہشام کلبی افسانہ گو تھا۔ مسند احمد میں اس سے کوئی حدیث مروی نہیں۔ اس کا باپ بھی کذاب ہے۔''

امام زائدہ ولیث وسلیمان رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ''کلبی کذاب ہے۔''

محدث یحییٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کلبی کذاب، ساقط الاحتجاج اور بے کار آدمی ہے۔''

محدث ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کلبی کا کاذب ہونا عیاں راچہ بیاں'' کے مصداق ہے۔

معائب صحابہ کی دوسری قسم:......صحابہ پر دوسری قسم کے وہ اعتراضات ہیں جو بجائے خود صحیح ہیں، مگر صحابہ کے عذرات کی بنا پر ان کو گناہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ وہ اجتہادی غلطی کی قسم کی چیز ہیں جس کے درست ہونے کی صورت میں دو اجر ملتے ہیں اور غلط ہونے کی صورت میں ایک اجر۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاہم اگر بفرض محال ان میں سے کسی چیز کے بارے میں ثابت بھی ہو جائے کہ وہ گناہ ہے تو اس سے ان کے فضائل ومناقب اور جنتی ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ گناہ کی سزا متعدد اسباب کی بنا پر آخرت میں ٹل بھی جاتی ہے۔ وہ اسباب یہ ہیں:

۱۔ توبہ گناہوں کو ختم دیتی ہے۔ شیعہ کے بارہ ائمہ کے بارے میں ثابت ہے کہ انھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی تھی۔

۲۔ اعمال صالحہ گناہوں کو ملیا میٹ کر دیتے ہیں۔ نیکیاں برائیوں کے اثرات کو ختم کر دیتی ہیں؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ (النساء: ۳۱)

''اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے۔''

۳۔ مصائب وآلام بھی گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں اور ان سے گناہوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

۴۔ مومنوں کی دعا سے بھی گناہوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

۵۔ انبیاء کی شفاعت سے بھی گناہ دور ہو جاتے ہیں۔

بہر کیف جن اسباب ووجوہ کی بنا پر افراد امت میں سے کسی کے گناہ کو معاف کیا جا سکتا ہے اور اس کی سزا کا ازالہ ممکن ہے صحابہ ان سب سے زیادہ اس امر کے مستحق ہیں کہ ان سے ذم وعتاب کو دور کیا جائے اور ان کے گناہوں کو معاف کیا جائے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین مدح وتعریف کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔

ہم اس ضمن میں صحابہ اور دیگر افراد امت کے لیے ایک جامع قاعدہ ذکر کرتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ انسان کو اس قاعدہ کلیہ کا علم ہو' تاکہ جزئیات کو اس کی طرف لوٹایا جائے' تاکہ انسان علم کی روشنی میں عدل کے ساتھ بات کر سکے۔ اور اسے جزئیات کے وقوع پذیر ہونے کی کیفیت کا بھی علم ہو' ورنہ وہ ان جزئیات کے بارے میں ایسے ہی کذب وجہالت کا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

شکار رہے گا۔ کلیات و جزئیات میں جہالت اور ظلم کی وجہ سے بہت بڑا فساد اور شر پیدا ہوتا ہے۔

قاعدہ جامعہ:

عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کے لیے بنی نوع انسان کے پاس کچھ قواعد کلیہ ہوتے ہیں جن پر رکھ کر جزئیات کو جانچا پرکھا جاتا ہے۔ پھر جزئیات کو پہچانا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان جزئیات سے بے بہرہ رہتا اور کلیات کے بارے میں جہل و ظلم کا شکار ہو جاتا۔ جس سے عظیم فساد رونما ہوتا۔ علماء نے مجتہدین کے خطاء وصواب اور گنہگار یا عدم گنہگار ہونے کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اس ضمن میں بیش قیمت قواعد نافعہ بیان کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ: لوگوں نے اصولی اور فروعی مسائل میں مجتہدین کو بجانب حق یا خطا پر کہنے میں بڑی لے دے کی ہے؛ بعض نے انہیں گنہگار ٹھہرایا ہے؛ اور بعض نے عدم گناہ کا کہا ہے۔ مگر ہم اس بارے میں انتہائی جامع اور فائدہ منداصولوں کا ذکر کرتے ہیں:

اصل اوّل :......کیا مجتہد کے لیے یہ ممکن ہے کہ اپنے اجتہاد کے بل بوتے پر معلوم کر لے کہ فلاں متنازع مسئلہ حق ہے؟ اور اگر یہ ممکن نہیں اور مجتہد انتہائی سعی و جہد کے باوجود حق کو نہ پا سکے اور کہے کہ میرے علم کی حد تک یہ حق ہے، حالانکہ وہ حق نہ ہو تو کیا اسے سزا دی جائے گی یا نہیں؟ یہ اس مسئلہ کی اساس واصل ہے۔ علماء کے اس میں تین اقوال ہیں۔ ہر قول کو اہل علم مناظرین کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

پہلا قول :......اللہ تعالیٰ نے ہر مسئلہ میں حق کی ایک دلیل مقرر کر رکھی ہے۔ جو شخص کما حقہ جہد و کاوش سے کام لیتا ہے وہ حق کو پا لیتا ہے۔ اور جو شخص کسی اصولی یا فروعی مسئلہ میں حق کو معلوم کرنے سے قاصر رہتا ہے؛ اس کی وجہ اس کا تساہل و تغافل ہے۔ قدریہ و معتزلہ یہی نظریہ رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ متکلمین کا ایک گروہ بھی اسی کا قائل ہے۔

پھر یہ لوگ کہتے ہیں کہ: علمی مسائل پر قطعی دلائل موجود ہوتے ہیں جن سے ان کی پہچان ہو جاتی ہے۔ پس جو کوئی بھی ان ادلہ کو نہ جانتا ہو؛ تو اس کے لیے طلب حق میں اپنی سعت بروئے کار لانا ممکن نہیں؛ پس وہ گنہگار رہو گا۔ شرعی عملی مسائل کے سلسلہ میں ان کے دو مذہب ہیں:

پہلا مذہب: یہ بھی شرعی علمی مسائل کی طرح ہیں۔ اور بیشک ہر ایک مسئلہ پر ایک قطعی دلیل موجود ہوتی ہے۔ اور اس کی مخالفت کرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔ اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں: اصلی اور فرعی ہر ایک مسئلہ میں ایک ہی فریق حق پر ہوتا ہے۔ اور فریق برحق/ درست والے کے علاوہ باقی لوگ گنہگار ہوتے ہیں کیونکہ وہ خطا پر ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک خطأ اور گناہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں۔ یہ قول بشر المریسی اور بہت سارے بغدادی معتزلہ کا ہے۔

بیشک عملی شرعی مسائل پر اگرچہ قطعی دلائل موجود ہوں؛ تو پھر بیشک علمی مسائل کی طرح ان میں بھی مخالفت کرنے والا خطا کار اور گنہگار ہوگا۔ اور اگر اس پر کوئی قطعی دلائل نہ ہو تو اس کے باطن میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نہیں ہوگا۔ ہر مجتہد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے اجتہاد کے انجام کے اعتبار سے ہوگا۔ یہ لوگ پہلے قول والوں سے اس حد تک متفق ہیں کہ خطا اور گناہ آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ اور بیشک ہر خطا کار گنہگار رہو گا۔ لیکن اجتہاد مسائل میں انہوں نے مخالفت کی

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ وہ کہتے ہیں: اس سلسلہ میں کوئی قطعی بات نہیں ہے۔ اوران لوگوں کے نزدیک ظن پر کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ یہ تو بالکل انسانی نفس کے کسی ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری چیز کی طرف میلان کی طرح ہے۔ پس یہ لوگ ظنی اعتقادات کو ارادہ کی جنس سے شمار کرتے ہیں۔ ان کا دعوی ہے کہ نفس امر میں حکم اجتہاد مطلوب نہیں۔ اور نہ ہی نفس الامر میں کوئی امارت کسی امارت سے زیادہ ارجح ہوتی ہے۔ یہ قول ابو ہذیل العلاف اور اس کے اتباع کاروں جیسے جبائی اور اس کے بیٹے کا قول ہے۔ اوراشعری کا بھی ایک مشہور قول یہی ہے۔ اور قاضی ابوبکر الباقلانی ؛ ابو حامد الغزالی ؛ اور ابوبکر ابن العربی اوران کے اتباع کاروں نے یہی قول اختیار کیا ہے؛ یہ مسئلہ ہم کئی جگہ تفصیل سے بیان کر چکے۔

ان کے مخالف جیسے ابو اسحق اسفرائینی ؛ اور دوسرے اشاعرہ ؛ اوران کے علاوہ دیگر لوگ ؛ وہ کہتے ہیں: اس قول کی ابتداء دھوکہ بازی پر ہے اور انتہاء زندیقیت پر۔ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں: بیشک شرعی اجتہادی عملی مسائل میں ہر مجتہد ظاہر اور باطن میں حق پر ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ مجتہد غلطی پر ہو؛ مگر یہ ہوسکتا ہے کہ اس پر بعض امور مخفی رہ گئے ہوں۔ پس جو حکم کسی پر مخفی رہ جائے؛ وہ اس مجتہد اوراس کے امثال وہمنواؤں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا حق نہیں ہوسکتا۔ اور جو کوئی خطاء پر ہو؛ وہ قطعی مسائل میں بھی خطا پر ہے اوران کے نزدیک وہ گنہگار ہے۔

دوسرا قول:...... استدلال کرنے والا مجتہد بعض اوقات حق کی معرفت حاصل کرسکتا ہے اور بعض اوقات ایسا نہیں ہوسکتا۔ بصورت عجز اللہ تعالیٰ بعض اوقات اس کو سزا دیتے ہیں اور بعض اوقات نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں عذاب دیں اور جسے چاہیں بغیر کسی سبب کے معاف کردیں۔ یہ تمام امور اس کی مشیئت محضہ کے تحت ہوتے ہیں۔ یہ جہمیہ واشاعرہ کا مذہب ہے اور مذاہب اربعہ کے اکثر اتباع بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں۔

* پھر یہ لوگ کہتے ہیں: یہ بات یقیناً دلائل سے معلوم ہوچکی ہے کہ ہر کافر جہنم کی آگ میں ہوگا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ ہر کافر کو عذاب دیں گے۔ بھلے اس نے اجتہاد کیا ہو اور وہ دین اسلام کی صحت تک رسائی سے عاجز آگیا ہو۔ یا پھر اس نے اجتہاد نہ کیا ہو۔ جبکہ اختلاف کرنے والے مسلمان؛ اگرچہ ان کا اختلاف فروعی مسائل میں ہوتا ہے؛ تو پھر بھی ان کی اکثریت یہی کہتی ہے کہ: ان مسائل میں کوئی عذاب کی بات نہیں۔ اوران کے بعض لوگ کہتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع نے ان چیزوں میں خطأ کو معاف رکھا ہے۔ اور سلف صالحین کے اجماع سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اجتہاد میں خطا کا ارتکاب ہوجانے پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اور بعض کہتے ہیں: ظنی مسائل میں خطا ممکن ہی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ جہمیہ اور اشاعرہ سے اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔
* جب کہ قطعیات میں ان کی اکثریت خطا کار کو گنہگار کہتی ہے اوران کا کہنا ہے کہ: سماعت اس پر دلالت کرتی ہے۔ اوران میں سے بعض اس پر گنہگار نہیں کہتے۔ یہ قول عبیداللہ بن الحسن العنبری سے حکایت نقل کیا گیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ: آپ اس امت کے خطا کار مجتہدین کو گنہگار نہیں ٹھہراتے۔ نہ ہی اصول میں اور نہ ہی فروع میں۔ جب کہ اہل کلام اور اہل رائے دونوں گروہوں کے جمہور نے عبیداللہ کا یہ قول رد کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

* جبکہ ان کے علاوہ دوسرے حضرات کہتے ہیں: ائمہ فتوی اور سلف صالحین جیسے ابوحنیفہ: شافعی؛ اور ثوری اور داؤد بن علی اور ان کے علاوہ دیگر حضرات مجتہد خطا کار کو گنہگار نہیں کہتے ؛ نہ ہی اصولی مسائل میں اور نہ ہی فروعی مسائل میں۔ جیسا کہ ان سے یہ قول ابن حزم اور دیگر علماء نے نقل کیا ہے۔ اسی لیے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور دیگر علماء اُھل ھواء کی گواہی قبول کرتے ہیں سوائے خطابیہ کے۔ یہ حضرات ان کے پیچھے نماز کو بھی جائز اور صحیح کہتے ہیں۔ جب کہ کافر کی گواہی مسلمانوں کے خلاف قبول نہیں کی جاتی اور نہ ہی اس کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔
* ان کا کہنا ہے کہ: صحابہ و تابعین اور ائمہ دین سے معروف قول یہی ہے۔ وہ خطا کار مجتہدین میں کسی کو بھی نہ ہی کافر کہتے ہیں اور نہ ہی فاسق ؛ اور نہ ہی گنہگار۔ نہ ہی علمی مسائل میں اور نہ ہی عملی مسائل میں۔
* اور یہ بھی کہتے ہیں کہ: ''اصولی اور فروعی مسائل میں فرق کرنا اہل بدعت اہل کلام کے اقوال میں سے ہے؛ جن کا تعلق معتزلہ؛ جہمیہ اور ان کی ڈگر پر رواں فرقوں سے ہے۔ یہ عقیدہ کچھ دوسرے لوگوں میں منتقل ہوا تو انہوں نے اصول فقہ میں اس پر گفتگو کی ہے۔ انہیں اس قول کی حقیقت کا کوئی علم نہیں ہوسکا اور نہ ہی انہوں نے اس پر کوئی غور وفکر کیا۔
* وہ کہتے ہیں: فروعی اور اصولی مسائل میں فرق کرنا اسلام میں ایک نئی ایجاد کردہ بدعت ہے۔ اس پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ بلکہ سلف صالحین میں سے بھی کسی ایک نے بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی۔ اور عقلاً بھی ایسا کہنا باطل ہے۔ اس لیے کہ اصولی اور فروعی مسائل میں تفریق کرنے والوں نے صحیح طرح سے ان کے مابین تفریق نہیں کی؛ جس کی وجہ سے دونوں اقسام باہم جدا ہو جاتیں۔ بلکہ انہوں نے تین یا چار جتنے بھی اصول بیان کیے ہیں؛ وہ سارے کے سارے باطل ہیں۔
* ان میں سے کوئی کہتا ہے: اصولی مسائل وہ علمی اعتقادی مسائل ہیں جن میں صرف عقیدہ اور علم کی طلب کی جاتی ہے۔ اور فروعی مسائل وہ ہیں جن میں عمل طلب کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: یہ فرق باطل ہے۔ پس بیشک عملی مسائل میں بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن کے منکر کو کافر کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر نماز پنجگانہ کے وجوب کا منکر؛ ماہ رمضان کے روزوں اور زکواۃ؛ اور زنا؛ سود اور ظلم اور فحاشی کے حرام ہونے کا انکار کرنا۔ اور علمی مسائل میں سے بعض ایسے ہیں جن میں اختلاف کرنے والے گنہگار نہیں ٹھہرتے۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اختلاف کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں؟ اور بعض نصوص کے متعلق ان کے مابین اختلاف کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کچھ ارشاد فرمایا ہے یا نہیں؟ اور پھر اس کے معانی سے کیا مراد ہے؟ اور جیسا کہ بعض کلمات میں بھی ان کا اختلاف ہے؛ کیا یہ کلمات قرآن میں سے ہیں؛ یا نہیں اور جیسا کہ قرآن وسنت کے بعض کلمات کے معانی میں ان کا اختلاف ہے۔ کہ کیا اللہ اور اس کے رسول کی مراد ایسے ایسے ہی تھی؟ اور جیسا کہ علم کلام کے دقیق مسائل میں لوگوں کا اختلاف ہے؛ جیسے جوہر اور فرد کا مسئلہ؛ اور تماثل اجسام؛ بقاء الاعراض؛ اور اس طرح کے دیگر مسائل۔ ان میں نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی کسی کو فاسق کہا جاتا ہے اور نہ ہی کافر۔

* کہتے ہیں: عملی مسائل میں علم بھی ہوتا ہے اور عمل بھی۔ جب ان میں غلطی قابل بخشش ہے: تو پھر وہ مسائل جن میں عمل کے بغیر صرف علم پایا جاتا ہے؛ زیادہ اولیٰ ہے کہ ان میں خطأ قابل بخشش ہو۔

* ان میں سے بعض کہتے ہیں: اصولی مسائل وہ ہیں جن پر قطعی دلیل پائی جائے اور فرعی وہ مسائل ہیں جن پر قطعی دلیل نہ ہو۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ: اس فرق میں بھی غلطی پائی جاتی ہے؛ بیشک بہت سارے عملی مسائل ہیں ایسے ہیں جن پر اہل علم کے ہاں قطعی دلیل پائی جاتی ہے۔ مگر دوسرے لوگ انہیں نہیں جانتے۔ اور ان میں سے بعض پر اجماع کی روشنی میں قطعی دلیل ہوتی ہے۔ جیسے ظاہری محرمات کا حرام ہونا۔ اور ظاہری واجبات کا واجب ہونا۔ پھر اگر کوئی انسان جہالت سے یا تأویل کی بنا پر ان کا انکار کرے تو اسے اس وقت تک کافر نہیں کہا جائے گا جب تک اس پر حجت قائم نہ کر لی جائے۔ جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کچھ لوگ ایسے تھے جو شراب کو [تاویل کی بنا پر] حلال سمجھتے تھے؛ ان میں سے ہی حضرت قدامہ بھی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے لیے شراب حلال ہے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے انہیں کافر نہیں کہا۔ حتی کہ ان کے سامنے مسئلہ کھول کر بیان کیا گیا؛ اور ان کی غلطی ان پر واضح کی گئی؛ تو انہوں نے توبہ کرکے اپنی غلطی سے رجوع کرلیا۔

* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں صحابہ کے ایک گروہ نے طلوع صبح کے بعد اس وقت تک کھایا پایا یہاں تک کالا دھاگہ سفید دھاگے سے جدا نظر آنے لگا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گنہگار نہیں ٹھہرایا؛ کجا کہ ان کی تکفیر کی جاتی۔ لیکن ان کی غلطی ایک قطعی غلطی تھی۔

* ایسے ہی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا مسئلہ بھی ہے؛ جنہوں نے ایک مسلمان کو غلطی سے قتل کردیا تھا۔ اس میں ان کی غلطی قطعی غلطی تھی۔

* ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بکریوں کے ایک چرواہے کو پایا؛ اس نے تو کہا: میں مسلمان ہوں؛ مگر ان لوگوں نے اسے قتل کرکے اس کے مال پر قبضہ کرلیا۔ ان کی یہ غلطی ایک قطعی غلطی تھی۔ اور ایسے ہی جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب بنو جذیمہ کو قتل کردیا؛ اور ان کے اموال قبضہ میں کر لیے؛ تو یقیناً وہ قطعی غلطی پر تھے۔ ایسے ہی جن لوگوں نے سرگوشیاں سننے کی کوشش کی تھی؛ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ جو کہ جنابت کی وجہ سے مٹی میں ایسے لوٹ پوٹ ہوئے تھے جیسے جانور ہوتا ہے؛ اور ایسے ہی وہ لوگ جنہیں جنابت لاحق ہوئی تھی؛ تو نہ ہی انہوں نے تیمّم کیا اور نہ ہی نماز پڑھی۔ یہ سبھی حضرات غلطی پر تھے۔

* ہمارے اس زمانے میں اگر کسی دور دراز بستی کے لوگ اسلام قبول کرلیں؛ اور انہیں حج کے فرض ہونے کا علم نہ ہو؛ یا پھر انہیں شراب حرام ہونے کا علم نہ ہو۔ تو انہیں اس چیز پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ یہی حکم ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ایسی جگہ پر پلے بڑھے ہوں جہاں جہالت کا غلبہ ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

* جیسا کہ اس عورت کا واقعہ ہے جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں زنا بھی کیا؛ اور اس کا اقرار بھی کیا؛ تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''یہ ایسے کھلے اعلانیہ اقرار کرتی ہے شائد کہ یہ زنا کے حرام ہونے کے حکم سے جاہل ہے۔'' تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر واضح ہوگیا کہ یہ زنا کو حلال سمجھتی ہے؛ تو اس پر کوئی حد نہیں لگائی۔ اور زنا کو حلال سمجھنا قطعی غلطی تھی۔

* ایسے ہی کوئی انسان جب کسی معاملہ میں قسم اٹھائے؛ اور وہ چیز اس کے اعتقاد کے برعکس ہو؛ تو جب اس پر حقیقت واضح ہو جائے تو اس کا خطا کار ہونا تو قطعی ہوگا؛ مگر اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ اور اکثر لوگوں کے نزدیک اس پر کوئی کفارہ بھی نہیں ہے۔

* ایسے ہی جو انسان اس اعتقاد اور سوچ سے کچھ کھا پی لے کہ ابھی طلوع فجر باقی ہے؛ تو پھر اس کی غلطی واضح ہو جائے کہ اس نے فجر کے بعد کھایا پیا ہے۔ تو وہ بالیقین قطعی خطا پر ہے مگر اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ لیکن اس روزہ کے قضاء کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایسے ہی جس کا خیال ہو کہ سورج غروب ہوگیا ہے؛ اور وہ افطار کر لے؛ پھر اس کے خلاف ظاہر ہو۔ ایسے مسائل بہت زیادہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ (البقرۃ: ۲۸۶)

''اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو جائے تو ہم پر مواخذہ نہ کر۔''

[تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں] میں نے ایسا کر دیا۔''

[اللہ تعالیٰ نے مومنین کے نسیان و خطاء کو معاف کر دیا ہے] اس میں قطعی اور ظنی میں کوئی فرق نہیں کیا۔ بلکہ اسے قطعی طور پر خطأ بھی نہیں کہا؛ ہاں اس صورت میں کہ اس کی خطأ قطعی اور یقینی ہو۔

* وہ کہتے ہیں: جس نے یہ کہا ہے کہ: کسی قطعی یا ظنی مسئلہ میں خطأ کا شکار ہونے والا گنہگار ہے؛ تو یقیناً اس نے کتاب و سنت اور قدیم اجماع امت کے خلاف کیا۔ اور مزید یہ بھی کہتے ہیں: ''کسی مسئلہ کا قطعی یا ظنی ہونا؛ معتقدین کے احوال کے حساب سے ایک اضافی امر ہے۔ اور نہ ہی یہ نفس قول کا وصف ہے۔ بیشک انسان ایسی چیزوں کو قطعی کہتا ہے جن کا علم اسے ضروری طور پر حاصل ہو۔ یا پھر اس کے نزدیک اس کی سچائی نقل سے قطعی معلوم ہو۔ اور کسی دوسرے کو نہ ہی اس کا قطعی علم ہو اور نہ ہی ظنی۔ بیشتر اوقات کوئی انسان ذہن و فطین ہوتا ہے؛ اس کا علمی اور ظنی ادراک بہت سریع [تیز] ہوتا ہے۔ اور وہ حق کو فوراً پہچان لیتا ہے؛ اور اسے وہ قطعی علم حاصل ہو جاتا ہے جس کی معرفت علمی یا ظنی کا دوسرا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ پس یہ قطعی اور ظنی؛ انسان تک پہنچنے والی ادلہ؛ اور اس کے استدلال پر دسترس کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

* ان دونوں مسئلوں میں لوگوں کی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ پس کسی مسئلے کا قطعی یا ظنی ہونا اس کی اور متنازعہ فیہ قول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے لیے کوئی لازمی صفت نہیں ہے کہ یہ کہا جائے: جس نے اس کے خلاف کیا؛ اس نے دلیل قطعی کے خلاف کیا۔ بلکہ یہ مسئلہ میں غور وفکر کرنے والے؛ اور اس سے استدلال کرنے والے کے معتقد کے اعتبار سے ہے۔ یہی تو وہ چیز ہے جس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس فرق کو نہ ہی رد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کا الٹ کرنا ممکن ہے۔

* کچھ علمائے کرام رحمہم اللہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس میں ایک تیسرا فرق نکالا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اصولی مسائل عقل کے ذریعہ سے معلوم شدہ ہیں۔ پس ہر وہ علمی مسئلہ جس کا ادراک عقل بذات خود کرلے؛ یہی وہ مسائل ہوتے ہیں جن کی وجہ سے مخالف پر کفر یا فسق کا فتوی لگایا جاسکتا ہے۔ جب کہ فرعی مسائل شریعت کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کی مسائل جیسے مسائل قضاء وقدر؛ اور دوسری قسم کی مثال: جیسے شفاعت اور کبیرہ گناہ کے مرتکب لوگوں کا جہنم سے نکالا جانا۔

* تو ان سے کہا جائے گا: تم نے جو کچھ بیان کیا ہے؛ وہ پہلے مسئلہ کی ضد اور الٹ ہے۔ بیشک کفر اور فسق بھی شرعی احکام میں سے ہیں۔ یہ ایسے مسائل ہرگز نہیں؛ جنہیں صرف عقل کی بنیاد پر معلوم کیا جاسکے۔ پس کافر تو وہ ہوتا ہے جسے اللہ اور اس کا رسول کافر بتائیں؛ اور فاسق وہ ہوتا ہے جسے اللہ اور اس کا رسول فاسق بتائیں۔ جیسا کہ مسلمان اور مؤمن تو وہ ہوتا ہے جسے اللہ اور اس کا رسول مسلمان اور مؤمن بتائیں۔ ایسے ہی عادل وہ ہوتا ہے جسے اللہ اور اس کا رسول عادل بتائیں؛ اور معصوم الدم وہ ہوتا ہے جسے اللہ اور اس کا رسول معصوم الدم بتائیں۔ اور آخرت میں سعید اور خوش بخت ہوگا جسے اللہ اور اس کا رسول خوش بخت بتائیں؛ اور بد بخت وہ ہوگا جسے اللہ اور اس کا رسول بد بخت بتائیں۔ اور نماز و روزہ اور صدق اور حج میں سے وہ چیزیں واجب ہیں جنہیں اللہ اور اس کا رسول واجب بتائیں۔ وراثت کے مستحق وہ ہوتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کا رسول اس کے مستحق ٹھہرائیں۔ اور حد یا قصاص میں قتل کا مستحق وہ ہوگا جسے اللہ اور اس کا رسول اس کا مستحق/ مباح الدم ٹھہرائیں۔ اور مال خمس یا فئے کا مستحق وہی ہوگا جسے اللہ اور اس کا رسول اس کا مستحق بتائیں۔ اور دوستی اور دشمنی کے مستحق وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ اور اس کا رسول اس کے مستحق بتائیں۔ حلال وہ ہے جو اللہ اور اس کا رسول حلال قرار دیں؛ اور حرام وہ ہے جسے اللہ اور اس کا رسول حرام ٹھہرائیں۔ دین وہ ہے جسے اللہ اور اس کا رسول شریعت قرار دیں۔ یہ تمام مسائل شریعت سے ثابت ہیں۔

وہ امور جو صرف عقل سے معلوم کئے جاسکتے ہیں جو طبعیت سے تعلق رکھتے ہوں۔ مثلاً یہ کہ فلاں مرض میں فلاں دوائی کارگر ہوتی ہے۔ بیشک ایسے امور تجربہ اور قیاس اور ان اطباء کی تقلید سے معلوم ہوتے ہیں جو تجربہ وقیاس سے معلوم کرچکے ہوں۔ ایسے ہی حال حساب اور ہندسہ کے مسائل کا بھی ہے۔ یہ ان مسائل میں سے ہیں جنہیں عقل کے ذریعہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی جوہر اور فرد؛ اور تماثل اجسام اور ان کے اختلاف اور اعراض کے بقاء کے جواز اور امتناع کے مسائل بھی ہیں۔ پس یہ ایسے مسائل ہیں جو عقل کے ذریعہ سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

* جب معاملہ ایسے ہی ہے تو پھر کسی انسان کا مسلمان یا کافر ہونا یا عادل یا فاسق ہونا؛ شرعی مسائل میں سے ہیں عقلی مسائل میں سے نہیں۔ پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کے خلاف کرے؛ وہ تو کافر نہ ہو؛ مگر جو کوئی غیر نبی کے اس دعوی کہ: ''یہ چیز عقل سے معلوم ہے'' کے خلاف کرے تو وہ کافر ہو جائے۔ تو کیا کسی کو حساب؛ طب اور دیگر دقیق کلام میں غلط کی وجہ سے کافر کہا جائے۔

* پس اگر یہ کہا جائے کہ: ''وہ تمام لوگ جو ہر قسم کے عقلی مسائل میں مخالفت کرتے ہیں؛ ان کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ ہاں جو ان عقلی مسائل میں مخالفت کریں جن سے رسول اللہ کی صداقت معلوم ہوتی ہو۔ پس بیشک رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا علم پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ چند متعین مسائل ہیں؛ جب انسان ان میں خطا کرتا ہے؛ اور اسے رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا علم نہ ہو۔ تو وہ کفار ہوگا۔

* یہ بھی کہا گیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی تصدیق اختلافی مسائل میں چند متعین مسائل پر مبنی نہیں ہوتی۔ بلکہ جدید اہل کلام نے اسے صدق رسول اللہ ﷺ کے علم کی بنیاد قرار ہی نہیں دیا تھا۔ جیسے معتزلہ اور جہمیہ میں سے ان لوگوں کا قول جو کہتے ہیں کہ: ''بیشک صداقت رسول کا علم اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک یہ معلوم ن ہو جائے کہ یہ عالم حادث ہے۔ اور اس کا علم اس وقت تک نہیں ہوسکتا جس وقت تک یہ علم حاصل نہ ہو جائے کہ ''اجسام محدث ہیں۔'' اور اس کا علم اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک یہ علم نہ ہو کہ یہ دوسرے حوادث سے جدا نہیں ہوسکتے: یا تو وہ مطلق اعراض ہوں گے یا پھر اکوان ہوں گے یا پھر حرکات ہوں گے۔ اور ان کا حادث ہونا اس وقت تک معلوم نہیں ہوسکتا جب تک ایسے حوادثات کا علم نہ ہو جائے جن کی کوئی ابتداء نہیں۔ اور ان کی سچائی کا اس وقت تک معلوم نہیں ہوسکتا جب تک یہ علم نہ حاصل ہو جائے کہ ''رب سبحانہ وتعالیٰ غنی اور بے نیاز'' ہیں۔ اور اس کا غنی ہونا اس وقت تک معلوم نہیں ہوسکتا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ جسم نہیں ہے۔

* ایسے ہی دیگر وہ امور جن کے بارے میں اہل کلام کے ایک طائفہ کا گمان ہے کہ وہ اصول ہیں؛ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کو متضمن ہیں؛ اور ان کے بغیر آپ کی صداقت معلوم نہیں ہوسکتی۔ یہ امور رسول اللہ ﷺ کے دین میں اضطراری طور پر معلوم ہیں؛ لیکن آپ ﷺ نے لوگوں کے ایمان کو ان امور پر موقوف نہیں کیا؛ اور نہ ہی لوگوں کو ان کی دعوت دی؛ اور نہ ہی کتاب وسنت میں ان کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا کوئی ذکر کیا۔ لیکن وہ اصول جن سے رسول اللہ ﷺ کی صداقت معلوم ہوتی ہے؛ وہ قرآن میں مذکور ہیں؛ اور یہ امور وہ نہیں ہیں جو ان لوگوں نے بیان کئے ہیں۔ یہ بات ہم کئی ایک مواقع پر بیان کر چکے ہیں۔

* یہ لوگ جنہوں نے اصول ایجاد کر لیے ہیں؛ ان کا خیال ہے کہ ان کے بغیر رسول اللہ ﷺ کی تصدیق ممکن نہیں ہے اور ان کی معرفت ایمان کے لیے شرط ہے۔ یا مختلف اعیان پر واجب ہیں۔ یہ لوگ سلف صالحین اور ائمہ کے نزدیک اہل بدعت ہیں۔ جمہور علماء جانتے ہیں کہ ان کے بنائے ہوئے اصول شریعت اسلام میں ایک نئی بدعت

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

میں ہے۔ لیکن بہت سارے لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ عقلی رو سے یہ اصول بالکل صحیح ہیں۔ جبکہ ائمہ ماہرین فنون اوران کے متبعین جانتے ہیں کہ یہ اصول عقل کے لحاظ سے بھی باطل ہیں۔ دین وشریعت میں بدعت ہیں: اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام سے ٹکراؤ رکھتے ہیں۔

* پس دریں صورت اگر خطا عقلی مسائل میں ہو؛ جن کے بارے میں کہتے ہیں کہ: یہ دین کے اصول ہیں: تو پھر جو لوگ ان خودساختہ باطل اصولوں پر چلتے ہیں جو کہ عقل میں باطل؛ اور شریعت میں بدعت ہیں؛ تو وہی لوگ کفار ہیں ؛ ان کے مخالفین نہیں۔ اور اگر ان امور میں خطا کفر نہیں ہے؛ تو پھر ان کے مخالفین کو بھی کافر نہیں کہا جا سکتا۔ تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر دو صورتوں میں وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم میں کافر نہیں ہیں۔

* لیکن اہل بدعت کا طریقہ کار یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے اقوال ایجاد کر لیتے ہیں: اور پھر انہیں دین میں واجب قرار دیتے ہیں؛ یہی نہیں بلکہ انہیں ایمان قرار دیتے ہیں؛ جس کا ہونا ازبس ضروری ہو؛ اور پھر جو کوئی ان کی مخالفت کرے؛ اسے کافر کہتے ہیں۔ اور ان کے خون کو حلال قرار دیتے ہیں؛ جیسے خوارج؛ جہمیہ؛ روافض اور معتزلہ اور دیگر اہل بدعت فرقوں کا طریق کار ہے۔

* جب کہ اہل سنت والجماعت نہ ہی اپنی طرف سے عقائد ایجاد کرتے ہیں؛ اور نہ ہی اجتہاد میں خطأ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں۔ اگرچہ ان کا مخالف انہیں کافر اور حلال الدم سمجھتا ہو۔ اور وہ اپنے مخالفین دیگر مسلمانوں کو بھی حلال الدم سمجھتے ہوں۔

* ان مسائل میں ان متکلمین کا کلام کسی کی تصویب یا خطاء کاری کا حکم؛ گنہگار ہونے کا حکم لگانا یا اس کی نفی کرنا؛ تکفیر اور اس کا انکار؛ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے اصولوں کی بنیاد اپنے متقدمین قدریہ کے اقوال وعقائد پر رکھی ہے؛ جو ہر استدلال کرنے والے حق کی معرفت پر قادر سمجھتے ہیں۔ اور ہر اس انسان کو عذاب کا مستحق سمجھتے ہیں جو ان کی معرفت حاصل نہ کر سکے۔ اور ان جہمیہ کے عقائد پر ہے؛ جو کہتے ہیں: انسان کو اصل میں کوئی بھی قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ محض اپنی مشیئت وارادہ سے جس کو چاہے عذاب دیں۔ وہ ایسوں کو بھی عذاب دے سکتا ہے جس نے کبھی کوئی بھی گناہ نہ کیا ہو۔ اور کفر وفسق کے مرتکب کو اپنے انعامات سے نواز سکتا ہے۔ بہت سارے متاخرین نے اس عقیدہ میں ان لوگوں کی موافقت کی ہے۔ ان کا کہنا ہے: ''یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ بچوں اور پاگلوں کو عذاب دے؛ اگرچہ انہوں نے دنیا میں کوئی بھی گناہ نہ کیا ہو۔ اور پھر ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو دو ٹوک الفاظ میں آخرت میں کفار کے بچوں کو عذاب دیے جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض اسے جائز کہتے ہیں؛ اور کہتے ہیں: ہم نہیں جانتے کہ آخرت میں کیا ہوگا۔ اور ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے کہ وہ اہل قبلہ میں سے کسی فاسق ترین انسان کو بغیر کسی سبب کے بخش دے؛ اور کسی نیک انسان کو کسی معمولی سی غلطی پر مبتلائے عذاب کر دے۔ بھلے اس کی نیکیاں پہاڑوں کے برابر ہوں؛ اس کے لیے کسی سبب کا ہونا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ صرف اپنی مرضی اور چاہت سے ایسا کر سکتے ہیں۔

* ان دونوں گروہوں کی اصل یہ ہے کہ: بیشک قادر اور مختار دو متماثلین میں سے کسی ایک کو دوسرے پر بغیر کسی وجہ کے ترجیح دے سکتا ہے۔لیکن جہمیہ کہتے ہیں: وہ ہر ایک واقع/حادث میں بلا کسی مرجّح کے ترجیح دے سکتا ہے۔اور قدریہ؛ معتزلہ اور کرامیہ اور فقہاء و اہل حدیث اور صوفیہ کے کئی گروہ اور ان کے علاوہ دیگر حضرات کہتے ہیں: احداث و ابداع کی اصل ترجیح بلا مرجح پر تھی۔ مگر اس کے بعد اسباب اور حکمت کو تخلیق کیا؛ اور حوادث کو ان کے ساتھ معلق کر دیا۔

* ظلم کے بارے میں جبریہ؛ قدریہ اور جہمیہ کا اختلاف ہے۔قدریہ کہتے ہیں: ظلم اس کے حق میں بھی وہی چیز ہے جسے لوگ آپس میں ایک دوسرے کے مابین ظلم کے نام سے جانتے ہیں۔اور جب یہ کہا جائے کہ: وہ بندوں کے افعال کا خالق ہے؛ اور جو کچھ بھی وقوع پذیر ہوتا ہے وہ اس کی مشئیت اور ارادہ سے پیش آتا ہے۔مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: وہ گنہگار کو عذاب دے گا؛[تو کیا] یہ ظلم بھی ہمارے ظلم کی طرح ہوگا؟ یہ لوگ اپنے آپ کو عدلیہ کہتے ہیں۔اور جہمیہ کہتے ہیں: اس کے حق میں ظلم وہ چیز ہے جس کا وجود ممتنع ہو۔پس جس چیز کا بھی وجود ممکن ہو؛ وہ ظلم نہیں ہے۔پس بیشک ظلم یا تو ایسے حکم کی مخالفت کو کہا جاتا ہے جس کا کرنا واجب ہو؛ یا پھر کسی دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کو ظلم کہتے ہیں۔پس انسان کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے رب کے حکم کی مخالفت کی؛ اور اس لیے کہ وہ کسی دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرتا ہے۔مگر رب سبحانہ وتعالیٰ ہر حکم دینے والے سے بھی اوپر اور بلند و بالا ہیں۔اور اس کے بغیر کسی کی کوئی ملکیت نہیں۔ بلکہ وہ جو بھی تصرف کرتا ہے؛ وہ اپنی ہی ملکیت میں تصرف کرتا ہے۔پس جو بھی ممکن ہے؛ وہ ظلم نہیں ہے۔ بلکہ اس نے فرعون اور ابو جہل اور ان کے امثال کافروں اور نافرمانوں پر اپنی نعمتیں کی تھیں۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اور اپنی اطاعت کرنے والوں کو تکلیف دی۔اور اس کا الٹ بھی ہوا۔ یہ تمام اس کی نسبت سے برابر ہیں۔لیکن جب اس نے خبر دی ہے کہ وہ اپنے اطاعت گزاروں پر انعام کرے گا؛ اور نافرمان کو عذاب دیتا ہے؛ تو یہ معاملہ اس خبر صادق کی وجہ سے معلوم الوقوع ہو گیا۔کوئی اور سبب نہیں تھا جو اس کا تقاضا کرتا ہو۔اعمال ثواب یا عقاب پر علامت ہیں: اس کے اسباب میں سے نہیں ہیں۔

* یہ جہم اور اس کے ساتھیوں؛ اور ان کی موافقت کرنے والوں جیسے اشعری؛ اور اس کے موافقین اتباع فقہاء اربعہ اور صوفیاء اور دیگر لوگوں کا عقیدہ ہے۔اسی وجہ سے یہ لوگ اس بات کو جائز کہتے ہیں کہ: وہ حق کی معرفت سے عاجز انسان کو عذاب دے؛ بھلے اس نے معرفت حق کی کوشش بھی کی ہو۔پس ان لوگوں کے نزدیک نفس امر میں حوادث کے لیے نہ ہی اسباب ہوتے ہیں اور نہ ہی حکمت۔اور نہ ہی افعال میں کوئی ایسی صفات پائی جاتی ہیں جن کی وجہ یہ مامور یا ممنوع ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک ممتنع ہے کہ اس کی تخلیق اور حکم میں علت نام کی کوئی چیز ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

* جب کہ قدریہ بندوں پر قیاس کرتے ہوئے اس کے لیے شریعت میں حلال وحرام کو واجب ٹھہراتے ہیں۔ ہم نے کئی ایک مواقع پر ان دونوں گروہوں کے عقائد پر بات کی ہے۔ اوراس کتاب میں بھی اس سلسلہ میں ایک پوری فصل بیان کی ہے۔ جو کہ پہلے گزر چکی ہے۔ جب ہم نے اس رافضی پر اس قول میں رد کیا تھا جو اس نے جہمیہ اور جبریہ کا عقیدہ تمام اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب کیا تھا۔ اور ہم نے کھلے لفظوں میں واضح کیا تھا کہ اس مسئلہ کا امام یا تفضیل سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ بلکہ شیعہ میں بھی بہت سارے ایسے لوگ ہیں جو جبریہ اور قدریہ کا عقیدہ رکھتے ہیں؛ اوراہل سنت میں بھی ہر دو عقائد کے لوگ موجود ہیں۔

* یہاں پر مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ: بیشک متنازعین کے کلام میں تصویب کرنا؛ کہ وہ دونوں حق پر ہیں؛ یا خطأ پر ہیں؛ یا انہیں ثواب ملے گا؛ یا عقاب ہوگا؛ وہ دونوں مؤمن ہیں یا کافر ہیں۔ یہ سب کچھ ان تمام مسائل اور دیگر مسائل کے لیے عام اورشامل اصول کی فرع ہے۔

تیسرا قول :...... ہر مجتہد حق کو معلوم کرنے پر قادر نہیں اور نہ ہی وعید کا مستحق ہے۔ بخلاف ازیں وہی مجتہد وعید کا مستحق ہوگا جو کسی فعل مامور کو ترک کردے یا فعل محظور کا مرتکب ہو۔ یہ فقہاء ائمہ کا قول ہے، سلف صالحین اور جمہور اہل اسلام اسی کے قائل ہیں پہلے دونوں اقوال میں جو صحیح بات پائی جاتی ہے۔ یہ قول ان کا جامع ہے۔ پہلے قول میں ان جہمیہ کی بات بھی درست ہے جو اس مسئلہ میں سلف صالحین اور جمہور کے عقیدہ کے موافق ہیں؛ اوروہ یہ ہے کہ: ''ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہر وہ انسان جو طلب اور کوشش کرے؛ اور اجتہاد کرے؛ تو وہ اس مسئلہ میں حق کی معرفت پر متمکن بھی ہو جائے۔ یقیناً لوگوں کی صلاحیات مختلف ہوتی ہیں۔

* قدریہ کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے تمام مکلفین کو برابر قدرت دی ہے۔ اس میں مؤمن کے لیے کافروں پر اس وقت تک کوئی وجہ فضیلت نہیں ہے حتی کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور ایسے ہی اطاعت گزاروں کو نافرمانوں پر اس تک کوئی فضیل نہیں ہے جب تک وہ اطاعت گزاری نہ کرلیں۔

* یہ قدریہ اور معتزلہ اوران کے علاوہ دیگر ان فرقوں کا عقیدہ ہے جو کتاب وسنت اور اجماع سلف صالحین اور عقل صریح کے مخالف ہیں۔ جیسا کہ یہ موضوع کئی مقامات پر تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: بیشک ہر استدلال کرنے والے کو قدرت تامہ حاصل ہوتی ہے حتی کہ وہ حق کی معرفت حاصل کر لے۔

* یہ بات معلوم شدہ ہے کہ: جب دوران سفر لوگوں پر قبلہ مشتبہ ہو جائے تو وہ تمام اس بات کے مامور ہیں کہ اجتہاد کر کے قبلہ کی جہت پر استدلال کریں۔ پھر ان میں سے بعض قبلہ کا رخ پہچاننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور بعض اس سے عاجز آکر غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ بعض جگہ پر یہ گمان ہوتا ہے کہ قبلہ کا رخ اس طرف ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں نکلتی۔ مگر اس کے باوجود وہ انسان اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہے؛ غلط رخ نماز پڑھنے پر اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے بڑھ کر کا مکلّف نہیں ٹھہراتے۔ پس اس جہت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معلوم کرنے سے عاجز آجانا بالکل ویسے ہی ہے جیسے کسی انسان کو جہت قبلہ تو معلوم ہو؛ مگر وہ اس طرح رخ کرنے سے عاجز آجائے۔ جیسے کوئی قید میں ہو؛ اسے ایسی حالت میں باندھا گیا ہو؛ یا پھر اسے خوف محسوس ہو رہا ہو۔ اور وہ مریض جس کے لیے قبلہ رخ کرنا ممکن نہ ہو۔

اصل ثانی :......اصل ثانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اسی شخص کو سزا دے گا جو ترک مامور یا فعل محظور کی بنا پر اللہ کی نافرمانی کرے۔ معتزلہ اس اصول میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ یک زبان ہیں۔ بخلاف جھمیہ اور ان کی راہ پر چلنے والے اشاعرہ اور دیگر فرقوں کے۔ جو کہتے ہیں کہ:''وہ ایسوں کو بھی عذاب دے گا جن کا کوئی گناہ نہ ہو'' اور اس طرح کے دیگر اقوال بھی ہیں۔

پھر یہ لوگ معتزلہ کے خلاف عقلی ایجاب وتحریم پر اس آیت سے دلیل پیش کرتے ہیں:

﴿وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (الاسراء ۱۵)

''اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں، یہاں تک کہ کوئی رسول بھیج دیں۔''

یہ آیت بھی ان کے خلاف عذاب کی نفی میں ایسے ہی حجت ہے؛ مگر رسولوں کے مبعوث کر دینے کے بعد۔ جب کہ وہ رسولوں کو مبعوث کرنے سے پہلے بھی لوگوں کو عذاب دیے جانے کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ: جن کی طرف رسولوں کو مبعوث نہیں کیا گیا؛ وہ بھی ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن کا قبیح ہونا عقلی طور پر معلوم ہے؛ اسے لیے انہیں عذاب دیا جائے گا۔ جب کہ معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں: ایسے لوگوں کو بھی عذاب ہوگا جنہوں نے کبھی کوئی قبیح حرکت نہ کی ہو؛ جیسے چھوٹے بچے۔

یہ بات کتاب وسنت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ فرمان الٰہی تو یہ ہے:

﴿وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (الاسراء ۱۵)

''اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں ، یہاں تک کہ کوئی رسول بھیج دیں۔''

اور اللہ تعالیٰ آگے کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿كُلَّمَا اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ (8) قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ﴾ [الملک۸۔۹]

''جب بھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا، اس کے نگران ان سے پوچھیں گے کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ یقیناً ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تو ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا اللہ نے کوئی چیز نہیں اتاری، تم تو ایک بڑی گمراہی میں ہی پڑے ہوئے ہو۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہاں پر عمومی الفاظ میں خبر دے رہے ہیں کہ:'' جب بھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا، تو جہنم کے داروغے ان سے پوچھیں گے: کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا؟

تو وہ ان کے آنے کا اعتراف کریں گے ؛ اور کہیں گے: کیوں نہیں؟ یقیناً ہمارے پاس ڈرانے والا آیا۔ تو پھر کوئی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

گروہ ایسا نہیں ہوگا جسے جہنم میں ڈالا جائے مگران کے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ جیسے فرمان الٰہی ہے:

﴿لَاَمْلَاَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (ص ۸۵)

''میں ضرور بالضرور جہنم کو تجھ سے اور تیری پیروی کرنے والوں سے بھر دوں گا۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ قسم اٹھا رہے ہیں: کہ جہنم کو ابلیس اور اس کے اتباع گزاروں اور پیروکاروں سے بھرا جائے گا۔ اس کے پیروکار وہ ہیں جو اس کی بات مان کر چلتے ہیں۔ پس جو کوئی گناہ کا نہیں کرتا؛ وہ اس کی اطاع سے گریز کرتا ہے۔ تو پھر اس کا شمار بھی ان میں نہیں ہوگا جن سے جہنم بھری جائے گا۔ جب جہنم اس کے پیروکاروں سے بھری ہوگی تو پھر کسی دوسرے کے لیے اس میں کوئی جگہ نہیں ہوگی۔

صحیحین میں حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگ مسلسل جہنم میں ڈالے جارہے ہوں گے؛ اور جہنم کہتی جائے گی کہ: ''اور کچھ باقی ہے؟ یہاں تک کہ رب العالمین اس میں اپنا پاؤں رکھ دیں گے۔ تو اس کے حصے آپس میں مل کر سمٹ جائیں، پھر وہ کہے گی: کافی ہوگیا؛ کافی ہوگیا۔'' جبکہ جنت میں جگہ باقی بچ جائے گی؛ حتی کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوسری مخلوق پیدا کرے گا اور ان کو جنت کی بچی ہوئی جگہ میں ٹھہرائے گا۔'' [صحیح بخاری:ج ۲: ح: ۲۰۵۸]

صحاح میں کئی اسناد سے یہ حدیث یونہی روایت کی گئی ہے؛ بخاری کی بعض اسناد میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ وہاں پر ہے: ''جبکہ جہنم میں جگہ باقی بچ جائے گی۔'' جبکہ بخاری کی تمام اسناد میں ہر جگہ پر صحیح الفاظ میں روایت کیا گیا ہے۔ اور آپ نے ایسے اس لیے کیا ہے تاکہ راوی کی غلطی کو واضح کرسکیں؛ جیسا کہ ایسے مواقع پر آپ کی عادت ہے۔ جب کسی راوی سے الفاظ میں غلطی ہو جائے تو آپ ان الفاظ کو ذکر کرتے ہیں جو سارے راویوں کے ہاں منقول ہوتے ہیں؛ اس سے صحیح بات کا پتہ چل جاتا ہے۔ میرے علم کے مطابق بخاری میں کہیں پر کوئی ایسی غلطی واقع نہیں ہوئی جس کی اصلاح بھی انہوں نے نہ کردی ہو۔ بخلاف صحیح مسلم کے؛ ان کی صحیح میں کئی احادیث کے روایت کرنے میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ جن کی وجہ سے کئی حفاظ حدیث نے صحیح مسلم میں ان احادیث پر بہت سخت نکیر کی ہے۔ جبکہ صحیح بخاری کی بعض روایات کی تخریج پر کچھ اہل علم نے اعتراض ونکیر کی ہے؛ لیکن حق یہ ہے کہ اس میں امام بخاری رحمہ اللہ کی بات ہی درست ہے۔ اور ان دونوں حضرات کی جن احادیث پر اعتراض کیا گیا ہے؛ وہ بہت ہی کم ہیں۔ جب کہ ان کے باقی تمام متون کی صحت و درستگی؛ ان کی تصدیق اور قبول پر علماء و محدثین کا اتفاق ہے؛ اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ○ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ﴾ [الانعام ۱۳۰۔۱۳۱]

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمھارے پاس تم میں سے کوئی رسول نہیں آئے، جو تم پر میری آیات بیان کرتے ہوں اور تمھیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوں؟ وہ کہیں گے ہم اپنے آپ پر گواہی دیتے ہیں اور انھیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دیا اور وہ اپنے آپ پر گواہی دیں گے کہ یقیناً وہ کافر تھے۔ یہ اس لیے کہ بے شک تیرا رب کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں، جب کہ اس کے رہنے والے بے خبر ہوں۔''

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں سے خطاب کیا ہے؛ اور مخاطبین نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے رسول آئے تھے؛ جو انہیں قیامت کے دن سے ڈراتے اور انہیں آیات پڑھ پڑھ کر سناتے۔ پھر فرمایا:

﴿ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ﴾

''یہ اس لیے کہ بے شک تیرا رب کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں، جب کہ اس کے رہنے والے بے خبر ہوں۔''

یعنی اس کا سبب یہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کسی غافل کو اس وقت تک عذاب نہ دیا جائے گا جب تک ان کے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آجائے۔ تو پھر اس بچے کو کیسے عذاب دیا جاسکتا ہے جسے کوئی عقل ہی نہ ہو۔

[ظلم و جور سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم و جور سے منزہ اور پاک ہیں۔ اگر ظلم بذات خود ممتنع ہوتا پھر ان کو ظلم سے ہلاک کرنے کا تصور بھی نہ کیا جاسکتا۔ بلکہ انہیں جیسے بھی ہلاک کیا جاتا تو جبریہ جہمیہ کے نزدیک ان پر کوئی ظلم نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ﴾ [القصص ۵۹]

''اور تیرا رب کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں، یہاں تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول بھیجے جو ان کے سامنے ہماری آیات پڑھے اور ہم کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر جب کہ اس کے رہنے والے ظالم ہوں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ﴾ (هود ۱۱۷)

''اور تیرا رب ایسا نہ تھا کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک کر دے، اس حال میں کہ اس کے رہنے والے اصلاح کرنے والے ہوں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا ﴾ (طه ۱۱۲)
''اور جو شخص اچھی قسم کے اعمال کرے اور وہ مومن ہو تو وہ نہ کسی بے انصافی سے ڈرے گا اور نہ حق تلفی سے۔''

مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ظلم یہ ہے کہ کسی انسان پر دوسرے کے گناہوں کا بوجھ ڈال دیا جائے اور ھضم: یہ ہے کہ: اس کی نیکیوں کو کم کر دیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی سزا کو ظلم پر مبنی نہیں بنایا۔ بلکہ اپنی ذات گرامی کا ظلم و ستم سے منزہ ہونا بیان کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ﴾ [البقرة ۲۸۶]
''اس کے نیک عمل اس کے لیے؛ اور برے اعمال کا بوجھ بھی اسی پر۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ [الانعام ۱۶۴]
''کسی جی پر کسی دوسرے گنہگار کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔''

اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ٥ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَ مَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ٥ ﴾ [ق : ۲۸، ۲۹]
''فرمایا میرے پاس جھگڑا مت کرو، حالانکہ میں نے تو تمھاری طرف ڈرانے کا پیغام پہلے بھیج دیا تھا۔ میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی اور میں بندوں پر ہرگز کوئی ظلم ڈھانے والا نہیں۔''

تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ: انہوں نے پہلے وعید بھیجی ہے؛ اور وہ کسی پر ہرگز ظلم کرنے والے نہیں۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِيْدٌ٥ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَ مَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ٥ ﴾ [هود: ۱۰۰، ۱۰۱]
''یہ ان بستیوں کی چند خبریں ہیں جو ہم تجھے بیان کرتے ہیں، ان میں سے کچھ کھڑی ہیں اور کچھ کٹ چکی ہیں۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا اور لیکن انھوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا، پھر ان کے وہ معبود ان کے کچھ کام نہ آئے جنھیں وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے، جب تیرے رب کا حکم آ گیا اور انھوں نے ہلاک کرنے کے سوا انھیں کچھ زیادہ نہ دیا۔''

پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ ظلم و جبر سے اپنی ذات کی پاکیزگی بیان فرماتے ہیں؛ اور یہ واضح کرتے ہیں کہ لوگ شرک کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں؛ جو کوئی اپنی جان پر ظلم کرنے والا نہ ہو؛ اسے سزا دینا ظلم ہوگا۔ اور اللہ سبحانہ و

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ ظلم سے بالکل منزہ اور پاک ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ۝﴾ [الزخرف: ۷۴ تا ۷۶]

''بے شک مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ وہ ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اسی میں ناامید ہوں گے۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا اور لیکن وہ خود ہی ظالم تھے۔''

[ظلم کے امکان اور امتناع کا مسئلہ]

یہی وہ ظلم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو منزہ قرار دیا ہے؛ اگر یہ ظلم ممتنع ہوتا؛ اس کا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے ممکن نہ ہوتا؛ تو پھر اس کی نفی یا انکار میں کون سا فائدہ مضمر تھا۔ تو پھر کیا کسی کو خوف ہوتا کہ اس کے ساتھ کوئی ظلم ہوگا۔؟ اور پھر اس میں تنزیہ والی کونسی سی بات ہوتی۔ اور جب یہ کہا جائے کہ: اللہ تعالیٰ صرف وہی چیز کر سکتے ہیں جس پر وہ قدرت رکھتے ہیں؛ تو جواب یہ ہے کہ: یہ بات تو سبھی کو معلوم ہے؛ ہر ایک وہی کچھ کر سکتا ہے جس پر وہ قدرت رکھتا ہو۔ تو پھر اس میں مدح والی کون سی بات ہوئی جس کی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ باقی تمام جہانوں کی مخلوق سے جدا اور ممتاز ہوئے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ ممکن امور میں سے ظلم بھی ہے؛ جس پر قدرت اور اس کی استطاعت کے باوجود اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کی تنزیہ اور پاکیزگی بیان کی ہے؛ اور اس چیز پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد وثناء بیان کی جاتی ہے۔ بلاشک حمد وثناء اختیاری امور کے کرنے یا ترک کرنے پر ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں عموماً حمد وثناء بیان ہوئی ہے۔ اور شکر اس سے تھوڑا خاص معنی رکھتا ہے۔ شکر نعمتوں پر ہوتا ہے اور مدح اس کی نسبت عام ہوتی ہے۔ ایسے ہی تسبیح میں تعظیم اور تنزیہ پائی جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کی جاتی ہے تو یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے لیے جمع کر دیے جاتے ہیں۔ یہ باتیں ہم اپنی جگہ پر تسبیح اور تحمید کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کر چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ﴾ (الانبیاء ۲۶)

''اور انھوں نے کہا رحمان نے اولاد بنالی ہے، وہ پاک ہے، بلکہ وہ اس کے عزت دار بندے ہیں۔''

پس افعال میں سے کسی ایک فعل کو اپنانا بھی فعل ہے؛ جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی تنزیہ وتقدیس بیان کی ہے؛ پس اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کچھ افعال ایسے بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی تنزیہ بیان کی ہے۔ اور جبریہ کسی بھی فعل سے اللہ تعالیٰ کو منزہ نہیں مانتے۔

جامع ترمذی میں روایت کردہ حدیث بطاقہ ہے؛ جسے امام ترمذی نے صحیح کہا ہے؛ اور امام حاکم نے بھی اسے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے؛ اس میں ہے:

''اور اس کے گناہوں کے ننانوے دفتر کھولے جائیں گے۔ ہر دفتر اتنا بڑا ہوگا جہاں تک انسان کی نگاہ پہنچتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا...... آج تجھ پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ تیرے لیے کاغذ کا ایک ٹکڑا ہمارے پاس ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

پھر کاغذ کا وہ ایک ٹکڑا نکالا جائے گا جس پر کلمہ شہادت لکھا ہوگا...... پھر ایک پلڑے میں وہ ننانوے دفتر رکھ دیئے جائیں گے اور دوسرے پلڑے میں کاغذ کا وہ پرزہ رکھا جائے گا۔ دفتروں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا جبکہ کاغذ [کا پلڑا] بھاری ہوگا۔'' [الترمذی ج ۲: ح: ۵٤۸]

یہ الفاظ ''آج تم پر کوئی ظلم نہ ہوگا'' اس بات کی دلیل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے ان نیکیوں کا بدلہ نہ دیتے؛ اور اس کی نیکیوں کو برائیوں کے ساتھ نہ تولا جاتا؛ تو یہ ظلم ہوتا؛ مگر اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بری ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عدل کرنے والے اور عدل و انصاف کو قائم رکھنے والے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ فرما چکے ہیں:

﴿وَ یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّ لَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَ لَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ [الكهف ٤٩]

''کہیں گے ہائے ہماری بربادی! اس کتاب کو کیا ہوا، نہ کوئی چھوٹی بات چھوڑتی ہے اور نہ بڑی مگر اس نے اسے لکھ رکھا ہے، اور انھوں نے جو کچھ کیا اسے موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔''

تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ: یہ ایسے فعل کی نفی ہے جو وہ کسی کے ساتھ نہیں کرے گا؛ جس پر نہ ہی اسے قدرت ہے؛ اور نہ ہی اس کے لیے ایسا کرنا ممکن ہے۔؟ یا ان کی نیکیوں میں سے کوئی بھی ظلم نہیں کرے گا۔ بلکہ انہیں برابر گن رکھے گا؛ اور پھر انہیں ان نیکیوں پر ثواب دے گا؟ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کو اس کی نیکیوں پر ثواب ملے گا؛ اور ان میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور برائی کے علاوہ کسی چیز پر اسے کوئی سزا نہیں ملے گی۔ اور اس کی طرف سے بغیر کسی گناہ کے؛ اور نیکیوں میں کمی کرنے کے سزا دینا وہ ظلم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی طہارت اور پاکیزگی بیان کی ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴾(القلم: ۳۵)

تو کیا ہم فرماں برداروں کو جرم کرنے والوں کی طرح کر دیں گے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ۝﴾[ص :۲۸]

''کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے؟ یا کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ۝﴾[الجاثية : ۲۱]

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

’’کیا وہ لوگ جنھوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا، انھوں نے گمان کرلیا ہے کہ ہم انھیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے؟ ان کا جینا اور ان کا مرنا برابر ہوگا؟ برا ہے جو وہ فیصلہ کررہے ہیں۔‘‘ ان کے علاوہ بھی بہت ساری آیات ہیں۔

[مختلف چیزیں برابر نہیں ہوسکتیں:]

پس یہ اس بات کی دلیل دو مختلف چیزوں پر ایک برابر ایک سا حکم لگانا وہ برائی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی تنزیہ و تقدیس بیان کی ہے۔ اور یہ ایسی برائی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو کوئی اس کو جائز کہتا ہے؛ درحقیقت وہ ایسی بدی اور برائی کو جائز کہہ رہا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا کسی بھی جائز نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴾(القلم: ۳۵)

’’تو کیا ہم فرماں برداروں کو جرم کرنے والوں کی طرح کردیں گے؟۔‘‘

یہ انکاریہ سوال ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں چیزوں کو برابر کرنا ایک برائی ہے؛ اور یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بدگمانی رکھی جائے۔ بھلے یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ کے لیے برابر ہوں؛ اور ان میں سے کوئی ایک کام کرنا اللہ تعالیٰ کے حق میں جائز بھی ہو۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ﴾

’’برا ہے جو وہ فیصلہ کررہے ہیں۔‘‘

یہ فرمان دلالت کرتا ہے کہ: یہ انتہائی برا حکم ہے؛ اور برا حکم ہی وہ ظلم ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے بری اور پاک ہیں۔ اور جو کوئی کہتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ دو مختلف چیزوں کے مابین برابری کرتے ہیں؛ تو وہ انتہائی برا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ایسے ہی دو متماثل چیزوں میں سے ایک کو فضیلت دینے کا معاملہ بھی ہے۔ بلکہ دو متماثل چیزوں کے مابین برابری کرنا؛ اور دو مختلف چیزوں میں سے کسی ایک کو فضیلت دینا؛ وہ عدل اور بہترین حکم ہے جس سے اللہ تعالیٰ موصوف ہیں۔

ظلم کا مطلب ہے: کسی چیز کو اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینا۔ جب روشنی اور اندھیرے کو برابر کر دیا جائے؛ اور نیکوکار اور بدکار کو برابر کر دیا جائے۔ مسلمان اور مجرم کو برابر کر دیں؛ تو یہی ظلم اور بہت برا حکم ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی تنزیہ و تقدیس بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴾[المائدة: ۵۰]

’’پھر کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے، ان لوگوں کے لیے جو یقین

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

رکھتے ہیں۔‘‘

پس ان لوگوں کے نزدیک اگر جاہلیت کے احکام کے مطابق کوئی فیصلہ کر دیا جائے تو وہ بھی اچھا ہے۔ کیونکہ نفس امر میں کوئی بھی حکم حسن یا غیر حسن [یعنی اچھا یا برا] نہیں ہوتا۔ بلکہ تمام امور برابر ہیں۔ تو پھر ان تمام چیزوں کی موجودگی میں کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑھ کر بہترین حکم کس کا ہوسکتا ہے؟ یہ نص اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم سب سے بہترین حکم ہے؛ اس سے بڑھ کر بہترین کسی کا حکم نہیں ہوسکتا۔ اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ بہترین اور خوب تر ہونا اللہ تعالیٰ کے حکم کی صفت ہے۔ اور اگر أمر سے متعلق حسن کا حکم ایک الگ سے چیز ہوتی؛ جس کا حکم دیا جاتا؛ یا جس سے منع کیا جاتا؛ تو پھر یہاں پر اس کلام کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اور پھر حکم تقسیم خوب اور خوب تر میں نہ ہوتی۔ کیونکہ ان کے نزدیک جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کا حکم دے دیں جس کا وجود ممکن ہو۔ اور یہ سارا کا سارا حسن ہی ہے۔ ان کے نزدیک کوئی حکم/ امر ایسا نہیں ہے جس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی تقدیس اور تنزیہ بیان کریں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾[الانعام ۱۲۴]

’’اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتی کہ ہمیں اس جیسا دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا، اللہ زیادہ جاننے والا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھتا ہے۔‘‘

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ: ، اللہ تعالیٰ اس مقام و مرتبہ کے زیادہ جاننے والے ہیں جہاں وہ اپنی رسالت کو رکھتے ہیں۔ اگر تمام ہی لوگ برابر ہوتے تو پھر یہ تخصیص بغیر کسی سبب کے ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس خاص علم کہ رسالت کہاں پر رکھنا ہے؛ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ○ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ○ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ○ ﴾ [القمر]

’’اور بلاشبہ یقیناً فرعون کی آل کے پاس ڈرانے والے آئے۔ انھوں نے ہماری سب کی سب نشانیوں کو جھٹلا دیا تو ہم نے انھیں پکڑا، جیسے اس کی پکڑ ہوتی ہے جو سب پر غالب، بے حد قدرت والا ہو۔ کیا تمھارے کفار ان لوگوں سے بہتر ہیں، یا تمھارے لیے کتابوں میں کوئی چھٹکارا ہے؟‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○ ﴾

’’کیا یہ لوگ بہتر ہیں، یا تبع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے؟ ہم نے انھیں ہلاک کر دیا، بے شک وہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

مجرم تھے۔‘‘

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب وہ لوگ کفار تھے تو ہم نے انہیں عذاب دیا۔تو وہ کفار جنہوں نے محمد ﷺ کو جھٹلایا ہے؛ وہ ان سے بہتر نہیں ہیں۔ بلکہ یہ بھی انہی کی طرح ہیں۔ان ہی کی مانند اس سزا کے مستحق ہیں جس سزا کے مستحق وہ پہلے لوگ بنے تھے۔اگر یہ لوگ ان پہلے کافروں سے بہتر ہوتے تو اس عذاب کس مستحق نہ ٹھہرتے ؛ جو سزا پہلے لوگوں کو ملی ہے۔ پس اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ دو متماثلین کو برابر رکھتے ہیں؛ اور خیر و بھلائی کے پیکر کو افضلیت دیتے ہیں؛ اور اس کے اور اس سے کم تر کے مابین برابری نہیں کرتے۔

اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ○ .... ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○﴾ [الحشر ۲۔۴]

’’وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا پہلے اکٹھ ہی میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔تم نے گمان نہ کیا تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور انھوں نے سمجھ رکھا تھا کہ یقیناً ان کے قلعے انھیں اللہ سے بچانے والے ہیں۔تو اللہ ان کے پاس آیا جہاں سے انھوں نے گمان نہیں کیا تھا اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں کے ساتھ برباد کر رہے تھے، پس عبرت حاصل کرو اے آنکھوں والو! یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرے تو بلاشبہ اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔‘‘

یہاں پر اعتبار اس بات کا ہے کہ انہیں ان کے امثال سے تعبیر کیا جائے؛ اور انہیں بتایا جائے کہ جو کوئی ایسے کرے گا جیسے انہوں نے کیا تھا؛ تو وہ بھی ویسے ہی عذاب کا مستحق ٹھہرے گا؛ جیسے وہ لوگ عذاب کے مستحق ٹھہرے تھے۔اور اگر اللہ تعالیٰ دو متماثلین کے مابین برابری ہی کرتے ؛ اور کبھی برابری نہ کرتے ہوتے؛ تو پھر اس کا کوئی اعتبار نہ رہتا کہ یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ متعین ہی وہ ہے جس کے مابین اور اس کے امثال کے مابین مساوات ہوگی۔تو پھر اس صورت میں حکم لگانا صرف اس صورت میں ممکن ہوتا جب اس متعین شخص کا حکم جان لیا جائے۔تو پھر اعتبار و قیاس کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اکثر اہل کلام اس آیت سے قیاس پر استدلال کرتے ہیں۔اور بیشک یہ آیت قیاس پر اس لیے دلالت کرتی ہے کہ یہ آیت دو متماثلین کو برابر شامل ہے۔تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں بھی ایسا کرتے ہیں۔اگر یہ مطلق اعتبار/ قیاس کی وجہ سے اس آیت سے کسی شرعی حکم پر استدلال کر سکتے ہیں؛ تو پھر وہ اس آیت سے ایک کائناتی اور تخلیقی حکم پر ثواب اور عقاب کے ضمن میں اس آیت سے استدلال کیوں نہیں کرتے۔جبکہ آیت میں حقیقی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

مقصود بھی یہی ہے؛ تو پھر اس پر دلالت بھی زیادہ اولی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک گناہ میں دو برابر کے شریک اس کے عقاب میں بھی برابر ہوتے ہیں۔ بخلاف اس آدمی کے جو اس میں ان کا شریک نہ بنا ہو۔

جب یہ کہا جائے کہ: یہ باتیں تو خبر بتانے سے معلوم ہوگئی ہیں۔ تو ان سے پوچھا جائے گا: اس سے پہلے تو ان باتوں کی خبر اس نے نہیں دی۔ بلکہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جس کے علاوہ کوئی دوسرا حکم اس کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ اس مؤقف پر اوپر گزری ہوئی آیات بھی دلالت کرتی ہیں۔

مزید برآں نصوص میں عدل و انصاف کے ترازو کی خبر دی گئی ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ایک ذرہ مثقال برابر بھی ظلم نہیں کریں گے۔ اور اگر کسی کی کوئی نیکی ہوگئی تو اسے کئی گنا بڑھا دیں گے؛ اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ایک ذرہ مثقال اگر برائیاں زیادہ کردی جائیں یا پھر نیکیوں میں کمی کردی جائے تو یہ ظلم ہوگا؛ اور اللہ تعالیٰ اس ظلم سے بری اور منزہ ہیں۔ اور یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ: اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے ترازو سے انصاف کے ساتھ لوگوں کے اعمال کا وزن کریں گے۔ اور اس کے خلاف کرنا عدل کے خلاف کرنا ہے۔ بلکہ وہ ظلم ہے جس سے اللہ تعالیٰ منزہ اور پاک ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں عدل نہ ہوتا تو وزن/موازنہ کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اس لیے کہ اگر عذاب اور انعام بغیر کسی عادلانہ قانون کے ہو؛ محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مرضی اور ارادہ سے ہو تو پھر وزن کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ وَ مَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ [آل عمران ۱۰۸]

"یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم تجھ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اللہ جہانوں پر کوئی ظلم نہیں چاہتا۔"

امام زجاج اور دوسرے علمائے کرام رحمہم اللہ کا کہنا ہے: اللہ تعالیٰ ہمیں بتا رہے ہیں کہ وہ عذاب اسے ہی دے گا جو عذاب کا مستحق ہو۔ اور ایک اور نے کہا ہے: "اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی جرم کے کسی کو سزا نہیں دیں گے۔ کیونکہ ایسا کرنے کو ظلم کہتے ہیں۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ نے کئی ایک مواقع پر خبر دی ہے کہ: وہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ﴾ [الاعراف ۴۲]

اور جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، ہم کسی شخص کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتے۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرہ ۲۳۳]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’کوئی نفس اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیا جاتا۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰھَا سَیَجْعَلُ اللّٰہُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا﴾ (الطلاق 7)

’’اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کی جو اس نے اسے دیا ہے، عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ حسب استطاعت اپنا تقوی اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾[التغابن ۱۶]

’’سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔‘‘

اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں کرتے ہیں:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ﴾[البقرۃ ۲۸۶]

’’اے ہمارے رب! ہم سے مؤاخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں، اے ہمارے رب! اور ہم پر کوئی بھاری بوجھ نہ ڈال، جیسے تو نے اسے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے تھے، اے ہمارے رب! اور ہم سے وہ چیز نہ اٹھوا جس (کے اٹھانے) کی ہم میں طاقت نہ ہو۔‘‘

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ’’میں نے ایسا ہی کر دیا۔‘‘

یہ نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اتنا بوجھ نہیں ڈالتے جس سے وہ عاجز آجائیں ۔ برخلاف جہمیہ اور مجبرہ کے۔ اور اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھول چوک کر جانے والے اور خطا کار سے مؤاخذہ نہیں کرتے۔ برخلاف قدریہ اور معتزلہ کے۔ یہ اس باب میں فصل [فیصلہ کن] خطاب ہے۔

پس استدلال کرنے والا مجتہد؛ خواہ وہ امام ہو یا حاکم؛ عالم ہو یا مناظر؛ مفتی ہو یا کوئی دیگر؛ جب وہ استدلال کرتا ہے؛ اور حسب استطاعت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اجتہاد کرتا ہے؛ تو یہی وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اسے مکلّف ٹھہرایا ہے۔ اور وہ اس عمل میں اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار اور ثواب کا مستحق ہے؛ جب وہ اپنی استطاعت کے مطابق تقوی اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے بالکل کوئی سزا نہیں دیں گے۔ بخلاف جہمیہ اور مجبرہ کے۔ وہ راہ حق پر ہے؛ یعنی اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہے۔ لیکن کبھی ایسے ہوسکتا ہے کہ اسے اسی معاملہ میں حق کا علم ہو؛ اور کبھی حق کے علم سے محرومی بھی ہوسکتی ہے۔ برخلاف قدریہ اور معتزلہ کے؛ ان کا عقیدہ ہے کہ جو اپنی تمام تر کوششیں بروئے کار لاتا ہے وہ حق کی معرفت تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ بیشک یا بات باطل ہے؛ جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا۔ بلکہ حقیقت ہے یہ کہ معرفت حق کے لیے کوششیں کرنے والا عند اللہ ثواب کا حق دار ہے۔

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

ایسے ہی معاملہ ان کفار کا بھی ہے جن تک دار الکفر میں نبی کریم ﷺ کی دعوت پہنچ چکی ہے۔ اور اسے علم حاصل ہوگیا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں؛ اور وہ آپ پر اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لے آیا؛ اور حسب استطاعت اللہ تعالیٰ کا تقوی اختیار کیا۔ جیسا کہ حضرت نجاشی رحمہ اللہ اور دیگر حضرات نے کیا تھا؛ ان کے لیے دار اسلام کی طرف ہجرت کرنا ممکن نہیں تھا۔ اور نہ ہی تمام شرائع اسلام کا التزام کر سکا؛ کیونکہ وہ ہجرت نہیں کر سکتا تھا؛ اور اپنے دین کا کھل کر اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا؛ اور اس کے پاس کوئی ایسا بھی نہیں ہے جو اسے تمام شرائع اسلام کی تعلیم دے؛ تو یہ انسان پھر بھی مؤمن اور اہل جنت میں سے ہے۔ جیسے کہ آل فرعون میں سے فرعون کی قوم کا مومن تھا؛ اور جیسے فرعون کی بیوی مومنہ تھی؛ بلکہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام اہل مصر کے ساتھ تھے۔ بیشک اہل مصر کفار تھے۔ اور آپ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ جو دین اسلام کی معرفت اللہ تعالیٰ نے آپ پر انعام کی تھی؛ وہ ساری ان میں نافذ کرتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے انہیں توحید کے دعوت دی تھی؛ مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

آل فرعون کے مؤمن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ جَائَکُمْ یُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِمَّا جَائَکُمْ بِہٖ حَتّٰی اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ مِنْ بَعْدِہٖ رَسُوْلًا﴾[غافر ۳۴]

''اور بلاشبہ یقیناً اس سے پہلے تمھارے پاس یوسف واضح دلیلیں لے کر آیا تو تم اس کے بارے میں شک ہی میں رہے، جو وہ تمھارے پاس لے کر آیا، یہاں تک کہ جب وہ فوت ہوگیا تو تم نے کہا اس کے بعد اللہ کبھی کوئی رسول نہ بھیجے گا۔''

ایسے ہی نجاشی کا معاملہ بھی ہے۔ وہ عیسائیوں کا بادشاہ تھا۔ اس کی قوم نے اس کی بات نہ مانی۔ اور اسلام میں داخل نہ ہوئے۔ بلکہ نجاشی کے ساتھ صرف چند لوگ ہی اسلام لائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس کی وفات ہوئی تو وہاں اس پر کوئی نماز جنازہ پڑھنے والا نہ تھا۔ تو نبی کریم ﷺ مدینہ میں تھے؛ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لیکر نکلے؛ اور صفیں بنائیں؛ اور انہیں نجاشی کی موت کی خبر اس دن دی؛ جس دن اس نے وفات پائی تھی۔ اور آپ نے فرمایا: ''حبشہ میں تمہارا ایک نیک بھائی انتقال کر گیا ہے۔''❶

بہت سارے شرائع اسلام؛ یا ان میں سے اکثر ایسے تھے؛ جن پر وہ اپنے عجز اور مجبوری کی وجہ سے عمل نہیں کر سکے۔ نہ ہی اس نے ہجرت کی؛ نہ ہی جہاد کیا؛ اور نہ ہی بیت اللہ کا حج کیا۔ بلکہ روایت کیا گیا ہے کہ وہ پانچ نمازیں بھی نہیں پڑھتا

❶ حدیث نعي النبي ﷺ النجاشي إلى المسلمين وصلاته عليه بعد أن صف المسلمين صفوفا روي من عدي من الأصحاب، فرواه أبو هريرة وجابر بن عبد الله وعمران بن حصين رضي الله عنهم في: البخاري:٥/ ٥١ كتاب مناقب الأنصار، باب موت النجاشي. وجاء الحديث في البخاري في عدة مواضع من كتاب الجنائز. وهو في مسلم:٢/ ٦٥٦، ٦٥٨، كتاب الجنائز، باب في التبير على الجنازة، والحديث في سنن بي داود والترمذي والنسائي وابن ماجه ومسند الإمام أحمد، وانظر: مفتاح كنوز السنة،[النجاشي].

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا اور نہ ہی رمضان کے روزے رکھتا تھا۔اور نہ ہی شرعی زکواۃ ادا کرتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ اپنی قوم کے لوگوں کے سامنے اس چیز کا اظہار کرتا تو وہ اس پر انکار کرتے تھے۔ اور اس کے لیے ان کی مخالفت کرنا ممکن نہ تھی۔ اور ہم قطعی طور پر یقینی علم کی روشنی میں جانتے ہیں کہ وہ اپنی رعایا میں قرآن کے مطابق فیصلے بھی نہیں کیا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں اپنے نبی کریم ﷺ پر فرض کیا تھا کہ جب آپ کے پاس اہل کتاب آئیں تو آپ ان کے مابین اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق ہی فیصلہ کریں۔ اور آپ کو خبردار کیا تھا کہ کہیں یہ لوگ آپ کو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے موڑ کر فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ اس کی مثالیں جیسے آپ نے ان میں شادی شدہ زانی کی بابت فیصلہ کرتے ہوئے رجم کرنے کا حکم دیا؛ اور دیّات میں بڑے وڈیروں اور عام انسان کے خون کے مابین عدل اور مساوات کا حکم دیا۔ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ کا حکم۔

نجاشی کے لیے قرآن کے مطابق فیصلے کرنا ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ اس کی قوم پھر اسے حاکم برقرار نہ رہنے دیتی۔ یہی حال ان بہت سارے لوگوں کا ہے جو تاتاریوں کی طرف سے مسلمانوں کے علاقوں پر قاضی [جج] تعینات کیے جاتے ہیں۔ بلکہ مساجد کے امام تک متعین ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں عادلانہ اور مساوات بھرے نظام کی خواہش ہوتی ہے؛ وہ ایسے کرنا بھی چاہتے ہیں؛ لیکن انہیں ایسے کرنے نہیں دیا جاتا۔ بلکہ ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو ان کی راہ میں سخت روڑے اٹکاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو کسی کو اس کی وسعت سے بڑھ کر کا مکلّف نہیں ٹھہراتے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ عدل و انصاف قائم کرنے کی وجہ سے دشمنی کی گئی؛ اور آپ کو اذیت دی گئی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: ''اسی وجہ سے آپ کو زہر دی گئی۔''

نجاشی رحمہ اللہ اور اس کے امثال نیک بخت جنتی ہیں۔ اگرچہ انہوں نے ان شرائع اسلام کا التزام نہیں کیا جن پر وہ قدرت نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ وہ ویسے ہی حکم چلاتے تھے؛ جیسے ان کے لیے احکامات صادر کرنا ممکن ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اہل کتاب کے ان لوگوں میں شمار کیا ہے جن کے متعلق ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۝﴾ [آل عمران ۱۹۹]

''اور بلاشبہ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ یقیناً ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر بھی جو تمھاری طرف نازل کیا گیا اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا، اللہ کے لیے عاجزی کرنے والے ہیں، وہ اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں لیتے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔''

اس آیت کے بارے میں سلف صالحین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ نجاشی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ قول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت جابر؛ ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض علماء نے کہا ہے: آپ کے صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ حضرت حسن اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی مراد ہے۔ لیکن یہاں پر مراد مطاع ہے۔ کیونکہ آیت کے الفاظ جمع کے صیغہ میں وارد ہوئے ہیں؛ ان سے مراد ایک نہیں ہے۔ اور حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یہ آیت اہل نجران کے چالیس اور اہل حبشہ کے تیس اور اہل روم کے اسی لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے؛ جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے؛ اور پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

ان حضرات نے ان لوگوں کا ذکر نہیں کیا جو مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے؛ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور دیگر جو کہ پہلے یہودی تھے؛ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور دیگر وہ لوگ جو نصرانیت پر تھے۔ بیشک یہ لوگ ایمان لانے کے بعد مؤمن ہوگئے تھے۔ ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ:

﴿وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ﴾

[آلعمران ۱۹۹]

''اور بلاشبہ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ یقیناً ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر بھی جو تمھاری طرف نازل کیا گیا اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا۔''

کوئی ایک یہ بھی نہیں کہتا کہ یہود و نصاری اپنے اسلام قبول کرنے؛ ہجرت کرنے اور جملہ مہاجرین و مجاہدین مسلمانوں میں داخل ہونے کے بعد بھی اہل کتاب تھے۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین؛ جو وہ مشرکین تھے؛ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مشرکین میں جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد بھی مشرکین ہی باقی رہے۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ اہل کتاب میں تھے؛ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

جیسا کہ خطاً سے قتل ہو جانے والے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ [النساء ۹۲]

''اور اگر وہ گروہ تمھاری دشمن قوم سے ہو؛ اور وہ مؤمن ہو تو ایک مومن گردن آزاد کرنا ہے۔''

یعنی وہ ہے تو دشمن قوم سے؛ مگر وہ ایمان لے آیا؛ اور اس کے لیے ہجرت کرنا؛ ایمان کا اظہار کرنا اور شریعت اسلام کا التزام کرنا ممکن نہیں تھا۔ تو اسے بھی مؤمن کہہ کر پکارا گیا ہے۔ کیونکہ اس نے ایمان کا اتنا کام ضرور کیا ہے جس قدر اس کے لیے ممکن تھا۔

یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے مکہ مکرمہ میں اہل ایمان کی ایک جماعت موجود تھی؛ جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ اور وہ ہجرت کرنے سے بھی عاجز آگئے تھے۔ [ان کے متعلق] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ سَآءَتْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مَصِيرًا o إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَّ لَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا o فَأُولَٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُورًا o﴾

[النساء ۹۷۔ ۹۹]

''بے شک وہ لوگ جنھیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، کہتے ہیں تم کس کام میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم اس سرزمین میں نہایت کمزور تھے۔ وہ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ تو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔ مگر وہ نہایت کمزور مرد اور عورتیں اور بچے جو نہ کسی تدبیر کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ کوئی راستہ پاتے ہیں۔ تو یہ لوگ، اللہ قریب ہے کہ انھیں معاف کر دے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔''

پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کمزور لوگوں کا عذر پیش کیا ہے جو ہجرت کرنے سے عاجز آ گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيرًا o﴾[النساء ۷۵]

''اور تمھیں کیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی بنا دے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار بنا۔''

یہ لوگ اپنے دین کے شعائر قائم کرنے سے عاجز آ گئے تھے۔ تو ان سے وہ امور بھی ساقط ہو گئے جن کی ادائیگی سے وہ عاجز ہو گئے تھے۔ اگر یہ حکم ان لوگوں کے متعلق ہے جو مشرک تھے اور پھر ایمان لے آئے تو ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو اہل کتاب میں سے تھے؛ اور پھر ایمان لے آئے۔

اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ﴾

''اور اگر وہ تمہاری دشمن قوم میں سے ہو اور وہ مؤمن ہو۔''

کہا گیا ہے: یہ آیت اس آدمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے؛ جس پر اہل حرب کا لباس ہو۔ مثال کے طور پر وہ دشمنوں کی صف میں ہو؛ اور مقاتل کے لیے اسے بچانا مشکل ہو؛ کیونکہ اسے تو دشمن سے لڑنے کا حکم ہے۔ تو اس صورت میں اس سے دیت ساقط ہو جائے گی؛ اور اس کا کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے؛ اور امام

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

احمد رحمہ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے۔

یہ بھی کہا گیا: بلکہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے؛ جو اسلام لائے؛ مگر ہجرت نہیں کر سکے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا قول ہے۔ لیکن آپ نے اس میں کفارہ واجب قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: جب اہل حرب میں سے ہو؛ اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اہل حرب کو اس کی دیت ادا نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اس صورت میں صرف کفارہ ہی واجب ہوگا۔ بھلے اس کا پتہ چل گیا ہو کہ وہ مؤمن ہے؛ اور غلطی سے اس کا قتل ہوگیا ہو۔ یا یہ گمان ہو کہ وہ کافر ہے؛ ظاہر آیت سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے: یہ آیت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ جیسا کہ ابن جریج؛ مقاتل اور ابن زید رحمہم اللہ علیہم سے منقول ہے۔ یعنی یوں فرمایا جا رہا ہے: ''بیشک اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں۔'' اور بعض نے کہا ہے: یہ آیت اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے مؤمنین کے بارے میں ہے۔

اگر یہ بات کہنے والے کی مراد وہ لوگ ہیں جو ظاہر میں اہل کتاب میں شمار ہوتے ہیں؛ تو یہ بھی پہلے قول کی طرح ہے اور اگر اس سے مراد عموم ہے؛ تو پھر یہ دوسرے قول کی طرح ہے۔ یہ امام مجاہد کا قول ہے؛ جو کہ ابو صالح نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور ان لوگوں کا قول جو اس میں ابن سلام اور ان کے امثال کو شمار کرتے ہیں: یہ ضعیف قول ہے۔ بیشک یہ لوگ ظاہری اور باطنی طور پر ہر طرح سے پکے مؤمن تھے۔ ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾

[آل عمران ۱۹۹]

''اور بلاشبہ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ یقیناً ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر بھی جو تمھاری طرف نازل کیا گیا اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا، اللہ کے لیے عاجزی کرنے والے ہیں، وہ اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں لیتے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔''

۱۔ اول: جہاں تک عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے؛ تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے پیش خدمت ہو کر اپنے خیالات یوں ظاہر کئے:

''جب میں نے آپ کا چہرہ دیکھا تو مجھے یقین ہوگیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔''[1]

---

[1] الحدیث عن عبدِ اللہِ بنِ سلام رضی اللہ عنہ۔ سننِ الترمذِی:٤/ ٦٥ کتاب صِفۃِ القِیامِ باب:١٥ و نصہ:
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو لوگ دوڑتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ⇦ ⇦ ⇦

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

جب کہ سورت آل عمران جس میں اہل کتاب کا ذکر ہے؛ یہ اس وقت نازل ہوئی جب اہل نجران کا وفد آیا؛ یہ سن نو یا دس ہجری کا واقعہ ہے۔

۲۔ دوم: بیشک ابن سلام اور ان کے امثال کا شمار جملہ صحابہ اور اہل ایمان میں سے ان کے ایک فرد کے طور پر ہوتا تھا۔ بلکہ آپ کا شمار فضلائے صحابہ میں سے ہوتا ہے؛ یہی حال حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ تو ان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اہل کتاب میں سے ہیں۔ بیشک ان کا اجر و ثواب باقی تمام اہل ایمان کی طرح ہے۔ بلکہ انہیں دوگنا اجر دیا جائے گا۔ یہ لوگ تمام شرائع اسلام کا التزام کیا کرتے تھے۔ ان کا اجر اس کی نسبت بہت بڑا ہے؛ کہ ان کے متعلق کہا جائے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔

مزید برآں ان حضرات کا ظاہری معاملہ بڑا ہی معروف تھا۔ ان کے متعلق کوئی ایک کسی قسم کے شک و شبہ کا شکار نہیں تھا۔ تو پھر ان کی بابت ایسی اطلاع دینے میں کون سا فائدہ تھا؟

یہ تو ویسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے: اسلام ان تمام لوگوں میں داخل ہوا جو مشرک تھے یا جو اہل کتاب تھے۔ یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دین اسلام کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ پس جتنے بھی لوگ اسلام میں داخل ہوئے؛ وہ اس سے پہلے یا تو مشرک تھے؛ یا پھر اہل کتاب تھے۔ یا تو لکھنا پڑھنا جانتے تھے یا پھر ان پڑھ اور امّی تھے۔ تو پھر ایسی باتیں بتانے کا کیا فائدہ؟

بخلاف نجاشی اور اس کے اصحاب کے۔ جو کہ بہت ساری ان چیزوں کا اظہار کرتے تھے؛ جن پر نصاری قائم تھے۔ بیشک ان کا معاملہ مشتبہ تھا۔ یہی وجہ کہ اس آیت کی شان نزول میں ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ تب نازل ہوئی جب نجاشی کا انتقال ہوا؛ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ پڑھی؛ تو کسی کہنے والے نے کہا: کیا ہم اس موٹے وحشی عیسائی کی نماز جنازہ پڑھیں گے؛ اور وہ اپنی سرزمین پر [مزے کررہا] ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ قول حضرت جابر؛ حضرت انس بن مالک اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہے۔ یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے نجاشی رحمہ اللہ کی نماز جنازہ میں شرکت کی تھی۔

یہ معاملہ حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت سلمان الفارسی رضی اللہ عنہما کے برعکس ہے۔ کیونکہ اگر ان میں سے کسی ایک پر

⇐⇐⇐ کی طرف آئے اور مشہور ہوگیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ آیا تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھوں۔ جب میری نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر پڑی تو میں بیاختیار یہ کہنے پر مجبور ہوگیا کہ یہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر پہلی مرتبہ یہ بات فرمائی کہ اے لوگو سلام کو رواج دو، لوگوں کو کھانا کھلا اور رات کو جب لوگ سوجائیں تو نماز پڑھا کرو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوگے۔'' امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔ مزید دیکھو: [سننِ ابنِ ماجه:۱/ ٤٢٣ کتاب إقامةِ الصلاةِ، باب ما جاء فِی قِیامِ اللیلِ: ۲/ ۱۰۸۳؛ کتاب الطعِمِ، باب إِطعامِ الطعامِ، سننِ الدارِمِي:۱/ ۳٤۰؛ کتاب الصلاةِ، باب فضلِ صلاة اللیلِ:۲/ ۲۷٥، کِتاب الِاستِئذانِ باب فِی إِفشاءِ السلامِ، المسند ط. الحلبي:٥/ ٤٥١ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نماز جنازہ پڑھی جاتی تو پھر کسی کو انکار کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کا اظہار کرنے والوں میں بعض منافق بھی تھے؛ جن کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی تھی۔ جیسا کہ ابن ابی اور اس کے امثال کے حق میں آیات نازل ہوئیں۔ اور بیشک بسا اوقات دشمن کے علاقے میں بعض اوقات کوئی مؤمن ہوتا ہے؛ جب وہ مر جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھا جانا چاہیے؛ جیسے نجاشی کا معاملہ ہے۔

یہ آیت اس ذکر سے مشابہ ہے؛ جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ o لَنْ یَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًی وَ اِنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ یُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ o ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ o لَیْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَ هُمْ یَسْجُدُوْنَ o یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ o﴾[آل عمران ۱۱۰۔۱۱۴]

’’اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا، ان میں سے کچھ مومن ہیں اور ان کے اکثر نافرمان ہیں۔ وہ تمھیں ہرگز نقصان نہیں پہنچائیں گے مگر معمولی تکلیف اور اگر تم سے لڑیں گے تو تم سے پیٹھیں پھیر جائیں گے، پھر وہ مدد نہیں کیے جائیں گے۔ ان پر ذلت مسلط کر دی گئی جہاں کہیں وہ پائے جائیں مگر اللہ کی پناہ اور لوگوں کی پناہ کے ساتھ اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے اور ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی، یہ اس لیے کہ بے شک وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو کسی حق کے بغیر قتل کرتے تھے، یہ اس لیے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزرتے تھے۔ وہ سب برابر نہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک جماعت قیام کرنے والی ہے، جو رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ سجدے کرتے ہیں۔ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے اور اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے جلدی کرتے ہیں اور یہ لوگ صالحین سے ہیں۔‘‘

ان آیات کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: یہ حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ:

﴿مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

’’ان میں سے کچھ مومن ہیں اور ان کے اکثر نافرمان ہیں۔‘‘

اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ سابقہ اسلوب سے یہ

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

ایسے لگتا نہیں؛ کیونکہ یہ لوگ اہل کتاب باقی نہیں رہے تھے۔

یہاں پر اس سے مقصود وہ لوگ ہیں جو ظاہر میں اہل کتاب میں سے تھے۔لیکن درحقیقت وہ مؤمن تھے؛ اور وہ ان امور کو بجالانے پر قادر نہیں تھے جو امور مہاجرین ومجاہدین صحابہ بجالاتے تھے؛ جیسے آل فرعون کا مؤمن ۔ اگرچہ وہ آل فرعون میں سے تھا۔لیکن وہ مؤمن تھا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيْمَانَهُ أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا أَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَائَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ [غافر ۲۸]

''اورفرعون کی آل میں سے ایک مومن آدمی نے کہا جو اپنا ایمان چھپاتا تھا، کیا تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے''میرا رب اللہ ہے'' حالانکہ یقیناً وہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیلیں لے کر آیا ہے۔''

اگرچہ وہ آل فرعون میں سے تھا۔لیکن وہ مؤمن تھا۔یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے۔ان میں اہل ایمان بھی ہیں؛ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾[آل عمران ۱۱۰] ''اوران کے اکثر نافرمان ہیں۔''

اس سے پہلے ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾[آل عمران ۱۱۰]

''اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔''

پھر ارشاد فرمایا:﴿مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

''ان میں سے کچھ مومن ہیں اوران کے اکثر نافرمان ہیں۔''

پھر آگے چل کر ارشاد فرمایا:

﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى﴾ [آل عمران ۱۱۱]

''وہ ہرگز آپ کو کوئی نقصان نہیں دے سکتے ؛مگر تھوڑی سی تکلیف۔''

یہ ضمیر ان تمام کی طرف لوٹتی ہے؛ اکثر کی طرف نہیں؛ اسی لیے فرمایا:

﴿وَ اِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾[آل عمران ۱۱۱]

''اور اگر وہ تم سے لڑیں تو تمہیں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں اور پھر ان کی کوئی مدد نہ کی جائے۔''

وہ کبھی اس حال میں بھی لڑ سکتے ہیں کہ ان میں کوئی ایسا مؤمن ہو جو اپنا ایمان چھپا رہا ہو۔لیکن وہ معرکہ کے موقعہ پر ان کے ساتھ موجود ہو؛ اس کے لیے ہجرت کرنا ممکن نہ ہو۔اور اسے لڑنے پر مجبور کیا گیا ہو۔وہ بروز قیامت اپنی نیت کے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

مطابق اٹھایا جائے گا۔

جیسے صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''کعبہ پر ایک لشکر حملہ کرے گا جب وہ بیداء کھلے میدان میں پہنچیں گے، تو اول سے اخیر تک سب اس میدان میں دھنسا دیئے جائیں گے......آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو زبردستی لائے گئے ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا:

''انہیں ان کی نیتوں کے مطابق اٹھایا جائے گا۔'' ❶

یہ حکم ظاہر کے اعتبا سے ہے؛ جب کوئی قتل ہوجائے یا اس پر وہ حکم لگایا جائے جو حکم کفار پر لگایا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی نیت پر اٹھائیں گے۔ جیسے ہم میں موجود منافقین کا حال ہے؛ ان پر ان کے ظاہر کے اعتبار سے اسلام کا حکم لگایا جاتا ہے؛ مگر انہیں ان کی نیتوں پر اٹھایا جائے گا؛ اور قیامت کے دن انہیں اس حساب سے بدلہ ملے گا جو ان کے دل میں ہوگا؛ نہ کہ محض ظاہر کے اعتبار سے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عباس سے مروی ہے: انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں مجبور تھا[مجھے زبردستی لایا گیا تھا] تو آپ نے فرمایا: ''ظاہر میں تم ہمارے خلاف تھے۔ جب کہ تمہارے باطن کا معاملہ اللہ پر ہے۔'' ❷

خلاصہ کلام! مسلمانوں کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو کوئی دار کفر میں ہو؛ اور وہ ایمان لے آئے؛ مگر ہجرت کرنے سے عاجز آجائے؛ تو اس پر وہ امور شریعت واجب نہیں ہوتے جن پر عمل کرنے سے وہ عاجز آ گیا ہو۔ بلکہ ان کا وجوب امکان کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ یہی حال اس کا بھی ہے جسے کسی چیز کے حکم کا پتہ ہی نہ ہو۔ پس اگر کسی کو معلوم نہ ہو کہ نماز اس پر واجب ہے؛ اور ایک مدت تک وہ ایسے ہی رہے؛ تو علماء کے ظاہر قول کے مطابق اس پر قضاء واجب نہیں ہوتی۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اہل ظاہر کا مذہب ہے؛ اور احمد رحمہ اللہ کے ہاں بھی ایک توجیہ یہی ہے۔ اور یہی حکم دیگر تمام واجبات کا بھی ہے؛ جیسے رمضان کے روزے؛ زکواۃ ادا کرنا؛ اور دیگر امور۔ اور اگر اسے شراب کی حرمت کا علم نہ ہو؛ اور وہ پی لے؛ تو وہ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اس صورت میں اس پر حد نہیں لگے گی۔ ہاں نماز کی قضاء کے

---

❶ جاء [هذا الحديث مختصرا عن عائشة رضي الله عنها في: البخاري:٢/ ١٤٩ كتاب الحج باب هدم الكعبة، وجاء مطولا عنها في: البخاري:٣/ ٦٥؛ كتاب البيوع، باب ما ذكر ما في الأسواق، ونصه: يغزو جيش الكعبة؛ فإذا انوا ببيدا من الرض يخسف بأولهم وآخرهم. قالت: قلت: يا رسول الله، كيف يخسف بأولهم وآخرهم، وفيهم سواقهم ومن ليس منهم؟ قال:" يخسف بأولهم وآخرهم، ثم يبعثون على نياتهم. وروى النسائي الحديث في سننه:٥/ ١٦٢؛ كتاب المناسك، باب حرم الحرم، وخصص ابن ماجه باباً في سننه لهذه الحاديث:٢/ ١٣٥٠؛ كتاب الفتن، باب جيش البيداء، وفي الحديث الأخير قالت أم سلمى: لعل فيهم المكره؟ قال: إنهم يبعثون على نياتهم. والحديث في المسند؛ ط. الحلبي:٦/ ٣١٨.

❷ أورد أحمد في مسنده ط. المعارف:٥/ ١٠٥؛ حديثا عن ابن عباس رضي الله عنهما جاء فيهمع اختلاف الألفاظ ، ...... الحديث، قال أحمد شاكر رحمه الله: إسناده ضعيف.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

متعلق اختلاف ہے۔ ایسے ہی اگر کوئی سود یا جواء کا معاملہ کرے؛ اور وہ انہیں حلال خیال کرتا ہو؛ پھر اسے ان کی حرمت کا علم مال قبضہ میں لینے کے بعد ہو جائے؛ تو اب اختلاف ہے کیا یہ عقد فسخ ہوگا یا نہیں؟ جیسے اگر اس نے یہ معاملہ اسلام سے پہلے کیا ہوتا تو فسخ نہ ہوتا۔ ایسے ہی اگر کوئی انسان ایسا نکاح کرے جس کے متعلق وہ اپنی عادت کے مطابق صحیح ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو؛ پھر اس تک شرائع اسلام پہنچ جائیں؛ اور اسے پتہ چلے کہ اس نے نکاح میں بعض شروط پوری نہیں کیں۔ جیسے اگر دوران عدت شادی کرلی ہو؛ اور اب عدت پوری ہو چکی ہو؛ تو کیا یہ نکاح فاسد ہوگا؛ یا اسے برقرار رہنے دیا جائے گا؟ جیسا کہ اگر اس نے اسلام سے پہلے نکاح کرلیا ہو؛ اور پھر اسلام قبول کیا ہو؟

اصل مسئلہ یہ ہے کہ: کیا انسان پر وہ تمام شرائع لازم آتے ہیں جن کے بارے میں اسے علم نہ بھی ہو؟ یا پھر کسی کو علم ہونے کے بعد ہی اس پر کوئی چیز لازم آتی ہے۔ یا پھر شرائع ناسخ؛ اور شرائع مبتدیہ میں فرق کیا جائے گا؟ اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں بھی اس کی تین توجیہات ہیں۔ قاضی ابو یعلی رحمہ اللہ نے مطلق طور پر اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں؛ اور تیسری وجہ ان کے مابین فرق کے طور پر اصول فقہ میں ذکر کی ہے۔ یہ کہ مکلّف کے حق میں نسخ اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک اسے ناسخ کا علم نہ ہو جائے۔ اور ابو الخطاب نے اس کے ثبوت کی توجیہات ذکر کی ہیں۔

اسی باب سے یہ مسئلہ بھی تعلق رکھتا ہے کہ جب کوئی انسان لاعلمی کی بنا پر واجب طہارت ترک کردے۔ یا پھر ایسی جگہ پر نماز پڑھ لے؛ جہاں پر نماز پڑھنا منع ہو؛ اور وہ اسے ایسی جگہ نماز کی ممانعت کا علم اس سے پہلے نہ ہو؛ تو کیا وہ اس نماز کو دوہرائے گا یا نہیں؟ اس میں امام احمد رحمہ اللہ سے دو منصوص روایتیں ہیں۔ اس پورے باب میں حق اور درست بات یہ ہے کہ: اس کے حق میں علم پر متمکن ہوئے بغیر کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ اور وہ ان چیزوں کی قضاء نہیں کرے گا جن کے واجب ہونے کا اسے علم نہ ہو۔

صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رمضان مین طلوع فجر کے بعد اس وقت تک کھایا پیا جب تک کہ کالی ڈور سفید ڈور سے علیحدہ ہوگئی۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قضاء کا حکم نہیں دیا۔ ❶

انہی میں اس انسان کا شمار بھی ہوتا ہے جو ایک عرصہ تک جنابت میں بے نماز ہے؛ اور اسے تیمّم کرکے نماز پڑھنے کے جواز کا علم نہ ہو۔ جیسے حضرت عمر ابن خطاب؛ حضرت ابو ذر اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اجمعین؛ جب انہیں جنابت لاحق ہوگئی؛ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی ایک کو قضاء کا حکم نہیں دیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مکہ مکرمہ اور دیگر دیہاتوں میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بیت المقدس کی طرف منہ

---

❶ الحدیث عن عدِیِ بنِ حاتِم وسھلِ بنِ سعد رضی اللہ عنھما فِی: البخارِیِ:٦/ ٢٦كتاب التفسِير باب سورةِ البقرةِ: وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الأبيض ؛مسلِم:٢/ ٧٦٦؛ كتاب الصِيامِ ، باب بيانِ أن الدخول فِی الصومِ يحصل بِطلوعِ الفجرِ ـسننِ أبِی داود:٢/ ٤٠٨ ؛ كتاب الصومِ ، باب وقتِ السحورِ ، سننِ الدارِمِی:٢/ ٥؛ كتاب الصومِ باب متى يمسِك المتسحِر مِن الطعامِ والشرابِ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر کے نماز پڑھتے رہے؛ حتی کہ انہیں قبلہ اول منسوخ ہونے کی اطلاع مل گئی؛ مگر ان میں سے کسی ایک کو اپنی نماز دوہرانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

یہ اس اصول کے مطابق ہے جس پر اسلاف اور جمہور کار بند تھے۔ سلف صالحین و جمہور کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ لہٰذا وجوب قدرت کے ساتھ مشروط ہے اور سزا صرف ترک ماموراور فعل محظور کی صورت میں حجت قائم ہونے کے بعد ہی ملے گی۔

فصل:......خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر صحابہ پر تنقید کی مذمت

خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ پر تنقید کی مذمت؛ ان کی عفت و آبرو پر سخت کلامی کی ممانعت۔

ہم قبل ازیں لوگوں کے لیے وعد وعید اور ثواب وعقاب کے بارے میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ گناہ گار سے جہنم کی سزا دس اسباب کی بنا پر معاف کی جاسکتی ہے۔ جب سزا کی معافی کا یہ حکم امت کے سب گناہ گاروں کے لیے ہے خواہ وہ مجتہد ہوں یا کوئی اور گناہ گار۔ تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا کیوں کر معاف نہیں کی جائے گی؟

اس پر طرہ یہ کہ جب بعد میں آنے والے مجتہدین سے ذم وعقاب کا ازالہ ممکن ہے تو سابقین اوّلین، مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم اجمعین بالاولیٰ اس رعایت کا استحقاق رکھتے ہیں۔

ہم اس موضوع پر کھل کر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اور ادنیٰ و اعلیٰ ہر ایک کے متعلق آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں: یہ امر قابل غور ہے کہ روافض وغیرہ جو کہ خلفائے راشدین وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں یہ ان کی ناموس و آبرو پر حملہ ہے۔ لہٰذا اس کا تعلق حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں سے ہے۔ کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی اور دشمنی؛ اور محبت اور بغض کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جب ہم صحابہ کے سوا سلاطین وملوک اور علمائے دین و مشائخ؛ جیسے مختلف علاقوں کے مختلف بادشاہوں کو موضوع سخن بناتے ہیں تو اس وقت واجب ہوتا ہے کہ جہل وظلم کے باوجود علم وعدل کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے، اس لیے کہ عدل ہر شخص کے لیے ہر حال میں ضروری ہے؛ اور ظلم مطلقاً حرام ہے، کسی بھی صورت میں مباح نہیں۔ جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ (المائدۃ:۸)

''کسی قوم کی عداوت تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم عدل نہ کرسکو عدل کیجیے کیونکہ وہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔''

یہ آیت کفار کے بغض کی وجہ سے نازل ہوئی۔ یہ مامور بہ بغض ہے۔ پس جو بغض حکم الٰہی کے مطابق ضروری ہے، جب اس میں بھی مبغوض پر ظلم کرنے کی ممانعت ہے؛ تو تاویل یا شبہ کی آڑ لینے والا مسلمان اس بات کا زیادہ حق دار ہے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کہ اس سے انصاف کیا جائے اور اسے تختہ مشق ستم نہ بنایا جائے۔

اصحاب رسول ﷺ سب لوگوں کی نسبت اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ قول و عمل میں ان کے ساتھ انصاف برتاؤ کیا جائے۔ عدل اور اصحابِ عدل بالاتفاق مدح و ستائش کے لائق ہیں اور ظلم و اہل ظلم بالاتفاق قابل مذمت ہیں۔ یہاں پر تحسین و تقبیح عقلی میں کلام مقصود نہیں۔ ہم نے اس موضوع پر کئی دیگر مواقع پر بات کی ہے؛ اور اس سلسلہ میں ہماری مستقل تصنیف بھی ہے۔ لیکن یہاں پر مقصود یہ ہے کہ: عدل و انصاف تمام اہل زمین کے نزدیک محبوب اور محمود ہے؛ اور انسانی نفوس میں بھی اس کی محبت پائی جاتی ہے۔ اس کی محبت دلوں میں گھری ہوئی ہے۔ دل اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اور یہ وہ نیکی کا کا ہے کہ دل اس کی بھلائی کی گواہی دیتے ہیں۔ اور ظلم وہ برائی ہے جس سے دل نفرت کرتے ہیں؛ اسے برا سمجھتے اور بغض رکھتے ہیں۔

[مرسلین علیہم السلام کی بعثت کا مقصد عادلانہ نظام کا قیام بھی ہے:]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

[الحدید ۲۵]

’’بلا شبہ یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کو نازل کیا، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ﴾ [شوریٰ ۱۷]

’’اللہ وہ ہے جس نے حق کے ساتھ یہ کتاب نازل کی اور میزان بھی، اور تجھے کون سی چیز آگاہ کرتی ہے، شاید کہ قیامت قریب ہو۔‘‘

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ [النساء ۵۸]

’’بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔‘‘

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْـًٔا وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ [المائدة ۴۲]

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

''پھر اگر وہ تیرے پاس آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ کر، یا ان سے منہ پھیر لے اور اگر تو ان سے منہ پھیر لے تو ہر گز تجھے کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ عَمَّا جَآءَ كَ مِنَ الْحَقِّ﴾

''پس ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر، اس سے ہٹ کر جو حق میں سے تیرے پاس آیا ہے۔''

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ انصاف کریں؛ اور لوگوں کے مطابق اللہ کے نازل کردہ احکام کی روشنی میں فیصلے کریں۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام عادلانہ ہیں۔ انصاف اس کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

فریقین کے مابین فیصلہ کرنے والے پر یہ واجب ہوتا ہے کہ وہ عادلانہ فیصلہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ [النساء ۵۸]

''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔''

حاکم کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کبھی بھی کسی بھی صورت میں ظلم کرے۔ وہ شریعت جو مسلمان حکمرانوں پر واجب ہے؛ وہ ساری کی ساری عدل ہے۔ شریعت میں اصل میں کوئی ظلم نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام سب سے بہترین احکام ہوتے ہیں۔ شریعت وہ ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہو۔ پس ہر وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے؛ وہ عادلانہ فیصلے کرتا ہے۔ لیکن عدل مختلف قسم کا ہے۔ جو کہ شریعت اور منہج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ پس ہر شریعت میں اس کے حساب سے عدل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَo وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ مَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَo اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [المائدة ۴۲۔۴۴]

''اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محبت کرتا ہے۔اور وہ تجھے کیسے منصف بنائیں گے، جبکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر وہ اس کے بعد پھر جاتے ہیں اور یہ لوگ ہرگز مومن نہیں۔ بے شک ہم نے تورات اتاری، جس میں ہدایت اور روشنی تھی، اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے انبیاء جو فرماں بردار تھے، ان لوگوں کے لیے جو یہودی بنے اور رب والے اور علماء، اس لیے کہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے۔ تو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔''

آگے چل کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ○ وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ○ وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَّفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُّصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُونَ ○ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُونَ﴾ [المائدۃ ۴۷۔۵۰]

''اور لازم ہے کہ انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔ اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ بھیجی، اس حال میں کہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو کتابوں میں سے اس سے پہلے ہے اور اس پر محافظ ہے۔ پس ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر، اس سے ہٹ کر جو حق میں سے تیرے پاس آیا ہے۔ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک راستہ اور ایک طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں ایک امت بنا دیتا اور لیکن تا کہ وہ تمھیں اس میں آزمائے جو اس نے تمھیں دیا ہے۔ پس نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں بتائے گا جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور یہ کہ ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر اور ان سے بچ کہ وہ تجھے کسی ایسے حکم سے بہکا دیں جو اللہ نے تیری طرف نازل کیا ہے، پھر اگر وہ پھر جائیں تو جان لے کہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ انھیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کے کچھ گناہوں کی سزا پہنچائے اور بے شک بہت سے لوگ یقیناً نا فرمان ہیں۔ پھر کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے، ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔‘‘

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تورات اور انجیل کا حکم بیان فرمایا ہے؛ اور پھر بیان کیا کہ اس نے قرآن نازل کیا ہے؛ اور اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ ان لوگوں میں قرآن کے مطابق فیصلے کریں؛ اور کتاب اللہ کی تعلیمات کو چھوڑ کر ان کی خواہشات پر نہ چلیں۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نبی کے لیے ایک شریعت اور منہج ہوا کرتا تھا۔ پس موسیٰ علیہ السلام کا اپنا منہج تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنا منہج تھا۔ یہ منہج وشریعت تورات اور انجیل میں موجود تھے۔ اور جو کچھ قرآن میں ہے؛ اسے اپنے نبی اکرم ﷺ کے لیے شریعت و منہج مقرر کیا تھا۔ اور آپ کو حکم دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے کیا کریں۔ اور اس بات سے خبردار کیا تھا کہ کہیں لوگ آپ کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تعلیمات سے فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے؛ وہی اس کا حکم ہے۔ اور جو کوئی اس کے علاوہ کوئی دوسرا حکم چاہتا ہے تو یقیناً وہ جاہلیت کے احکام کے مطابق فیصلے کروانا چاہتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [المائدۃ ۴۲۔۴۴]

’’جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔‘‘

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جو کوئی رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام واجب نہ ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو؛ وہ کافر ہے۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی شریعت کو چھوڑ کر اپنی رائے کے مطابق لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے کو عادلانہ نظام سمجھتا ہو؛ وہ بھی کافر ہے۔ بیشک کوئی بھی امت ایسی نہیں ہے جو عدل و انصاف کا حکم نہ دیتی ہو۔ اور بسا اوقات ان کے دین میں عدل وہی ہوتا ہے جسے ان کے بڑے عدل خیال کرتے ہیں۔ بلکہ بہت سارے اسلام کی طرف منسوب لوگ اپنی ان عادات کے مطابق فیصلے کرتے ہیں جن کی کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کی۔ جیسا کہ اہل بادیہ؛ میں ان کے بڑے وڈیروں کے فیصلے۔ ان کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں اسی طرح کے فیصلے کرنے چاہییے۔ اورہ کتاب وسنت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسا کرنا کفر ہے۔ بیشک بہت سارے وہ لوگ جنہوں نے اسلام تو قبول کیا ہے؛ مگر اس کے باوجود وہ اپنے مابین چلتی ہوئی عادات کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ جب ان لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلہ/قانون سازی جائز نہیں ہے؛ تو وہ اس کا التزام نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے برعکس قانون سازی کو حلال سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ بھی کافر ہیں؛ اگر ان سے جہالت کا عنصر ختم ہو جائے تو؛ جیسا کہ اس سے پہلے ان کی بابت گزر چکا۔

اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جب ان کے مابین کسی معاملہ میں اختلاف ہوجائے تو وہ اس کے حل کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا﴾ [النساء ۵۹]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا﴾ [النساء ۶۵]

''پس نہیں! تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے، پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کر لیں، پوری طرح تسلیم کرنا۔''

پس جو کوئی اپنے باہمی جھگڑوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلوں کا التزام نہ کرتا ہو؛ تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے کہ وہ مؤمن نہیں ہوسکتا۔ اور جو کوئی ظاہری اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ اس کے رسول کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والا ہو؛ لیکن اپنی خواہشات کے بہکاوے میں آ کر نافرمانی کر بیٹھے؛ تو یہ بھی دوسرے گنہگاروں کی طرح ہے۔

یہ وہ آیت ہے جس سے خوارج نے ان مسلمان حکمرانوں کے کافر ہونے پر استدلال کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے۔ اور پھر یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا اعتقاد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور لوگوں نے اس سلسلہ میں طویل کلام کیا ہے؛ جس کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔

[شریعت کے فیصلوں کی پابندی واجب ہے:]

مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ عدل و انصاف کے تقاضا کے مطابق فیصلہ صادر کرنا ہر زمان و مکان میں ہر شخص پر ہر ایک کے لیے واجب ہے۔ خصوصاً شریعت محمدی کی روشنی میں حکم صادر کرنا ایک خاص قسم کا عدل ہے جو عدل کے جملہ انواع سے اکمل و احسن ہے۔ یہ فیصلہ نبی کے لیے بھی ضروری ہے اور اتباع نبی کے لیے بھی۔ اس کی پابندی نہ کرنے والا یقیناً کافر ہے۔ ایسا فیصلہ امت کے جملہ متنازعہ امور میں ضروری ہے؛ خواہ وہ اعتقادی ہوں یا عملی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ وَ اَنۡزَلَ مَعَہُمُ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ فِیۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ وَ مَا اخۡتَلَفَ فِیۡہِ اِلَّا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡہُ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡہُمُ الۡبَیِّنٰتُ﴾ [البقرہ ۲۱۳]

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''لوگ ایک ہی امت تھے، پھر اللہ نے نبی بھیجے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے، اور ان کے ہمراہ حق کے ساتھ کتاب اتاری، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں انھوں نے اختلاف کیا تھا اور اس میں اختلاف انھی لوگوں نے کیا جنھیں وہ دی گئی تھی، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیلیں آ چکیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ [الشوری ۱۰]

''اور وہ چیز جس میں تم نے اختلاف کیا، کوئی بھی چیز ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء: ۵۹)

''اگر کسی بات میں تمہارے یہاں تنازع پیدا ہو جائے تو اسے اللہ و رسول کی طرف لوٹاؤ۔''

امت کے درمیان جملہ امور مشترکہ میں صرف اور صرف کتاب وسنت کا فیصلہ ناطق ہوگا نہ کہ کسی عالم وامیر یا کسی شیخ وسلطان کا فیصلہ۔ اور جو کوئی یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ وہ لوگوں کے مابین کچھ بھی فیصلہ کرسکتا ہے؛ اور وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ نہ کرے؛ تو وہ کافر ہے۔ مسلمان حکمران چند متعین امور میں فیصلے کرتے ہیں۔ وہ کلی امور میں فیصلے نہیں کرتے۔ اور جب متعین امور میں فیصلے کرتے ہیں تو ان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کریں۔ اگر کتاب اللہ میں حکم نہ ملے تو پھر سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق؛ اور اگر وہاں بھی کوئی حکم نہ ملے تو پھر حکمران اپنی رائے سے اجتہاد کرے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں، دو قاضی دوزخی اور ایک جنتی ہوگا۔''

۱۔ جو قاضی حق کو معلوم کر کے اس کے مطابق فیصلہ کرے وہ جنت میں جائے گا۔

۲۔ جو قاضی حق کو جاننے کے باوجود اس کے برخلاف فیصلہ کرے وہ جہنمی ہوگا

۳۔ جو جہالت کی بنا پر لوگوں کا فیصلہ کرے وہ دوزخ میں جائے گا۔ ❶

جب کوئی شخص علم وعدل کی روشنی میں فیصلہ کرے اور اس کا اجتہاد مبنی برصواب ہو تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر اس کا اجتہاد درست نہ ہو تو وہ ایک اجر کا مستحق ہے۔ ❷ جیسا کہ صحیحین میں دو مختلف اسناد سے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔

---

❶ سنن ابی داؤد۔ کتاب الأقضیة، باب فی القاضی یخطئ (حدیث: ۳۵۷۳)، سنن ابن ماجة، کتاب الاحکام۔ باب الحاکم یجتهد فیصیب الحق (حدیث: ۲۳۱۵)۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام باب اجر الحاکم اذا اجتهد ......'' (حدیث: ۷۳۵۲)، صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب بیان اجر الحاکم اذا اجتهد (حدیث: ۱۷۱۶)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

یہاں پر مقصود یہ ہے کہ جب عام اہل ایمان پر واجب ہے کہ اپنے جھگڑوں میں صرف علم اور عدل پر مبنی بات کریں۔اور اختلافی مسائل کو حل کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دیں۔ جب دوسرے لوگوں کے باہمی معاملات میں عدل کو یہ اہمیت حاصل ہے تو صحابہ دوسروں کی نسبت عدل وانصاف کیے جانے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔اگر کوئی طعنہ زنی کرنے والا حکمرانوں پر طعنہ زنی کرے؛ کسی بادشاہ پر؛ یا حکمران پر؛ یا امیر یا والی پر یا شیخ پر؛ یا اس طرح کے دیگر کسی انسان پر طعنہ زنی کرے؛ اور اسے کافر اور دوسروں کی ولایت یا کسی بھی معاملہ پر سرکشی کرنے والا قرار دے؛ اور کسی دوسرے کو عالم؛ عادل اور ہر خطاء اور گناہ سے مبراء گردانے؛ اور پھر جو بھی انسان اس پہلے انسان [حاکم یا والی] سے محبت اور دوستی رکھے؛ تو اسے کافر اور ظالم اور سبّ وشتم کا مستحق جانے؛ اور اسے گالی دینا شروع کردے۔تو بلاشک وشبہ ایسے انسان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ عادل وعلم پر مبنی بات کریں۔

[منقبت صحابہ اور روافض کا دوغلا پن]

روافض نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں دوغلا اور تفرق کا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ بعض صحابہ سے غلوّ کی حد تک محبت ومودّت روا رکھتے ہیں۔اور بعض کے ساتھ انتہائی بغض وعناد کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ایسا یا اس سے مشابہ سلوک بہت سارے لوگ اپنے امراء؛ بادشاہوں؛ علماء ومشائخ؛ اور دیگر سے روا رکھتے ہیں۔پس ان کے مابین صحابہ کے علاوہ دوسرے لوگون کے بارے میں رافضیت پیدا ہوجاتی ہے۔آپ دیکھیں گے کہ کوئی ایسی فلاں انسان اور اس کی جماعت سے محبت کرتا ہے؛ اور فلاں انسان اور اس کے چاہنے والوں سے بغض رکھتا ہے۔اور بسا اوقات انہیں ناحق گالیاں بھی دیتا ہے۔

یہ وہ تفرق وانقسام ہے جس سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡہُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ﴾ (الانعام: ۱۵۹)

جن لوگوں نے دین میں تفریق پیدا کی اور فرقوں میں بٹ گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَ لَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ۝ وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا وَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا﴾ [آل عمران ۱۰۲-۱۰۳]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم ہرگز نہ مرو، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب تم دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمھیں اس سے بچا لیا۔اس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آیات کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔‘‘

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ ھُمُ الْبَیِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ o یَّوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْہٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ o وَ اَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِیْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ﴾ (آل عمران:۱۰۵)

’’ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور جنھوں نے اختلاف پیدا کیا؛ اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح احکام آ چکے اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ؛ تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے، کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا؟ تو عذاب چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کیا کرتے تھے۔ اور رہے وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوں گے، سو اللہ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ’’اہل سنت والجماعت کے چہرے سفید ہوں گے؛ اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ اسی لیے حضرت ابوامامہ الباہلی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی تفسیر خوارج سے کرتے تھے۔

پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھام لیں اور تفرقہ میں نہ پڑیں۔ اس رسی کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے دین؛ اسلام اور اخلاص؛ اس کے احکام اور عہد؛ اور اطاعت گزاری اور جماعت بندی سے کی گئی ہے۔ یہ تمام معانی صحابہ اور تابعین رحمہم اللہ سے منقول ہیں۔ یہ تمام معانی صحیح ہیں۔ بلاشک و شبہ قرآن کریم ہمیں دین اسلام کی پابندی کا حکم دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ عہد؛ وہ حکم اور وہ اطاعت گزاری ہے جس کو مل کر تھامنے کا حکم ہے۔ اور ایسا کرنا جماعت بندی کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ اور دین اسلام کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اخلاص ہے۔

صحیح مسلم میں ہے؛ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ تین باتوں کو پسند کرتے ہیں:

(۱) اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۲) قرآن کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقے نہ بنو۔ (۳) اپنے حکّام و ولاۃ کی خیر خواہی کرو۔‘‘[1]

[مسلمان پر ظلم کی حرمت]

اللہ تعالیٰ نے زندہ اور مردہ مسلمانوں پر ظلم کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح ان کا خون، ان کا مال اور ان کی

[1] صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب النھی عن کثرۃ المسائل......‘‘ (ح:۱۷۱۵)، مسند احمد(۲/ ۳۲۷)

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

آبرو بھی حرام ہے۔ صحیحین میں ہے: نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''بیشک مسلمانوں کا خون، ان کا مال اوران کی آبرو اسی طرح حرام ہے، جیسے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینہ اور تمہارے اس شہر میں۔ گواہ رہو کہ میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں تک یہ احکام پہنچا دیں، جو موجود نہیں ہیں، اس لیے کہ جن لوگوں تک یہ احکام پہنچیں گے ان میں سے بعض ان لوگوں سے بھی ان احکام کو زیادہ یاد رکھیں گے جنھوں نے براہِ راست یہ مسائل مجھ سے سنے۔'' ❶

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا﴾ (الاحزاب:۵۸)

''جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بلا وجہ ایذا دیتے ہیں انھوں نے ایک عظیم بہتان اور کھلا ہوا گناہ کمایا۔''

پس جو شخص کسی زندہ یا مردہ مومن کو دکھ پہنچائے گا وہ اس آیت کا مصداق ہوگا۔ البتہ مجتہد پر کوئی گناہ نہ ہوگا، جب کسی نے مومن کو اذیت پہنچائی تو یہ بلا وجہ اور بلا استحقاق ہی ہوگی۔ جو شخص گناہ گار ہو اور گناہ سے توبہ کر چکا ہو یا کسی اور وجہ سے اس کا گناہ بخشا گیا ہو اس کے باوجود کوئی شخص اسے تکلیف پہنچائے تو یہ ایذا بلا استحقاق ہوگی۔ اور جو کوئی گنہگار ہو؛ اور اپنے گناہ سے توبہ کر لی ہو؛ یا کسی دوسرے سبب کی وجہ سے اس کی بخشش کر دی گئی ہو؛ اور اس پر کوئی سزا باقی نہ ہو؛ تو پھر کوئی موذی اسے تکلیف دے؛ تو یہ ایذا بلا استحقاق ہوگی۔ اگر چہ یہ مصیبت اس کے کئے کی وجہ سے ہی آئی ہو۔

جب حضرت آدم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان مکالمہ ہوا؛ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''......آپ لوگوں نے ہم کو اور اپنے آپ کو جنت سے کیوں نکالا۔''

حضرت آدم علیہ السلام نے جواباً فرمایا: '' آپ کیا دیکھتے ہیں: میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے میرے لیے لکھ دیا تھا: ﴿فعصی آدم ربه فغوی﴾ [طه ۱۲۱] ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: چالیس سال۔''

نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''اس طرح حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے۔'' ❷

یہ حدیث صحیحین میں بھی ثابت ہے۔ لیکن بہت سارے لوگوں سے اس کے معنی میں غلطی ہوئی ہے۔ وہ یہ گمان کر بیٹھے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے نوشتہء تقدیر سے احتجاج کیا کہ کسی پر گناہ کی وجہ سے ملامت نہیں کی جا سکتی۔ پھر ان میں اختلاف واقع ہوا ہے؛ ان میں سے کچھ اس کے الفاظ کو جھٹلاتے ہیں؛ اور اس کے معانی میں فاسد اور باطل تاویلیں کرتے ہیں۔

---

❶ البخاری، کتاب الحج ، باب خطبة ایام منی(ح:۱۷٤۱) مسلم ۔ باب تغلیظ تحریم الدماء(ح:۱٦۷۹)

❷ جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر۲۔ اس باب میں حضرت عمر اور جندب سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔ یہ حدیث نبی ﷺ سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے کئی سندوں سے منقول ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

یہ فاسد فہم اور بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ کسی کم تر ایمان اور علم والے انسان کے ساتھ بھی ایسا گمان کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ کوئی یہ گمان کرے کہ کسی انسان پر گناہ کرنے میں اس لیے کوئی ملامت نہیں کہ گناہ اس کے مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔ اور وہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جانے والی خبریں بھی سنتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور قوم عاد وثمود کو کیسے عذاب دیا گیا۔ قوم فرعون؛ اہل مدین اور اور قوم لوط اور دیگر لوگوں کا کیا حشر اہوا۔

قدر [تقدیر] تمام مخلوق کو شامل ہوتی ہے۔ اگر گناہ کرنے والا معذور ہو تو پھر ان لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب نہ دیا جاتا۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کو سرکشوں کے خلاف کن سزاؤں کے ساتھ مبعوث کیا تھا؛ جیسا کہ تورات اور قرآن میں بھی ہے؛ اور جو اللہ تعالیٰ نے فسادیوں پر حدود قائم کرنے اور کافروں سے قتال کرنے کا حکم دیا۔ اور پھر جو اللہ تعالیٰ نے ظالم سے مظلوم کو انصاف دلوانا مشروع ٹھہرایا ہے۔ اور جو قیامت کے دن اس کے بندوں میں فیصلہ ہوگا؛ کافروں کو عذاب دیا جائے گا۔ اور مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلوایا جائے گا۔ یہ بات کئی جگہ پر ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

یہاں پر مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ انسان پر جو بھی مصیبت آتی ہے؛ وہ اس کے نصیب میں لکھی جا چکی ہوتی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کرلے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ﴾ [التغابن ۱۱]

''کوئی مصیبت نہیں پہنچی مگر اللہ کے اذن سے اور جو اللہ پر ایمان لائے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔''

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اس سے مراد وہ آدمی ہے جس پر کوئی مصیبت آتی ہے؛ تو وہ جانتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس وہ اس پر راضی رہتے ہوئے سر تسلیم خم کر لیتا ہے۔

والبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے؛ فرمایا: ''اس کے دل کو یقین کی طرف ہدایت دیں گے۔''

ابن سائب اور ابن قتیبہ رحمہما اللہ نے کہا ہے: ''بیشک یہ وہ آدمی ہے؛ جب وہ آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے؛ تو صبر کرتا ہے؛ اور جب اس پر انعام کیا جاتا ہے تو وہ شکر گزاری کرتا ہے۔ اور جب ظلم کیا جاتا ہے تو معاف کر دیتا ہے۔

اگر مصیبت والد یا دادا کے فعل کی وجہ سے تھی۔ تو بیشک حضرت آدم علیہ السلام نے بھی تو وہ درخت کا پھل کھانے سے توبہ کر لی تھی۔ تو اب ان پر کوئی ملامت توبہ کے بعد نہیں کی جا سکتی۔ اور یہ مصیبت مقدر میں لکھی جا چکی تھی۔ تو اس پر حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ پس کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اگر کسی مؤمن کی وجہ سے اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ اسے تکلیف دے۔ مؤمن یا تو معذور ہے؛ یا پھر مغفور لہ ہے اور اکثر طور پر جو کوئی مصیبت کسی کی وجہ سے آتی ہے؛ بھلے وہ بعض اغراض کے فوت ہونے کی صورت میں ہو؛ تو لوگ اس پر لعن وملامت کرنے میں جلد بازی کرتے ہیں۔ جیسا کہ بعض روافض کرتے ہیں۔ روافض کا خیال ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے ظلم کی وجہ سے ان کا حق روکنے میں سبب بنے تھے۔ یہ ان حضرات پر بہت بڑا جھوٹا الزام ہے۔ اور پھر کہتے ہیں: ہم ان کے ظلم کی وجہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔ جب کہ یہ دوسرے لوگوں پر عدوان/ سرکشی ہے۔ بلا شک و شبہ وہ لوگ اہل عدل اور اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل کرنے والے تھے۔

پس جس کسی پر مصیبت رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کی وجہ سے آتی ہے؛ تو درحقیقت یہ اس کے گناہوں کی شامت ہے۔ کسی ایک کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر اور آپ کے لائے ہوئے پیغام پر عیب جوئی کرے؛ اس لیے کہ آپ کے لائے پیغام میں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے؛ اور منافقین سے جہاد کرنے کا حکم ہے۔ یا پھر اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تقدیم بخشا کرتے تھے۔ اور پھر آپ کے بعد مسلمانوں نے بھی ایسے ہی کیا۔ جیسا کہ بعض روافض کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی شان میں صرف اس لیے کوتاہی کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تقدیم بخشی ہے۔

بعض روافض کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ وہ مسجد نبوی میں کچھ احادیث پڑھ رہے تھے: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل پر پہنچے؛ اور یہ فضائل سنے تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے:''

''دیکھو: تم پر یہ تمام تر مصیبت اس قبر والے کی وجہ سے ہے۔ یہ کہتا ہے:

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' ''اگر میں اہل زمین سے کسی کو گہرا دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔ البتہ اسلامی اخوت و مودّت کسی شخص کے ساتھ مختص نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی شخص کی کھڑکی مسجد کی جانب کھلی نہ رہے۔'' اور اللہ اور اہل ایمان ابوبکر کے علاوہ کسی کو بھی ماننے سے انکار کرتے ہیں۔'' [یہ فضیلت کسی دوسرے کی نہیں]۔

کسی ایک کے لیے یہ کہنا جائز نہیں کہ قرآن مجید کے عربی زبان میں نازل ہونے کی وجہ سے امت میں اختلاف پیدا ہوا؛ اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ گئے۔ اور اس طرح کے دیگر جن میں شر کا سبب رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کو قرار دیتے ہیں۔ یہ تمام باتیں باطل ہیں؛ اور یہ کلام کفار کا کلام ہے۔

کفار کی طرف سے رسولوں کو ملنے والا جواب نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَالُوْٓا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَ لَیَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ قَالُوْا طَآىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ [یس ۱۸۔۱۹]

''انھوں نے کہا بیشک ہم نے تمھیں منحوس پایا ہے، یقیناً اگر تم باز نہ آئے تو ہم ضرور ہی تمھیں سنگسار کر دیں گے اور تمھیں ہماری طرف سے ضرور ہی دردناک عذاب پہنچے گا۔ انھوں نے کہا تمھاری نحوست تمھارے ساتھ ہے۔ کیا اگر تمھیں نصیحت کی جائے، بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔''

اللہ تعالیٰ قوم فرعون کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ اَلَاۤ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾[الاعراف ۱۳۱]

''تو جب ان پر خوش حالی آتی تو کہتے یہ تو ہمارے ہی لیے ہے اور اگر انھیں کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ اور اس کے ساتھ والوں کے ساتھ نحوست پکڑتے۔ سن لو! ان کی نحوست تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

اور جب جہاد کے احکام کا ذکر کیا تو یہ بھی بتایا کہ بعض لوگ جہاد سے جی چراتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا ٥ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ [النساء ۷۸۔۷۹]

''تم جہاں کہیں بھی ہوگے موت تمھیں پالے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔ اور اگر انھیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انھیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے۔ کہہ دے سب اللہ کی طرف سے ہے، پھر ان لوگوں کو کیا ہوا کہ کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں۔ جو کوئی بھلائی تجھے پہنچے سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی تجھے پہنچے سو تیرے نفس کی طرف سے ہے۔''

یہاں پر بھلائی اور برائی [حسنات اور سیئات] سے نعمتیں اور مصیبتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مواقع پر انہیں حسنات اور سیئات کا نام دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ [الاعراف ۱۶۸]

''اور ہم نے اچھے حالات اور برے حالات کے ساتھ ان کی آزمائش کی، تاکہ وہ باز آجائیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِیْبَةٌ یَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ یَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ ٥﴾[التوبة ۵۰]

''اگر تجھے کوئی بھلائی پہنچے تو انھیں بری لگتی ہے اور اگر تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں ہم نے تو پہلے ہی اپنا بچاؤ کر لیا تھا اور اس حال میں پھرتے ہیں کہ وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔''

اسی لیے فرمایا ہے: ﴿مَآ اَصَابَكَ﴾ ''جو آپ کو پہنچے'' یہ نہیں فرمایا: ''مَآ اَصَبْتَ'' جس تک آپ پہنچیں۔

سلف صالحین اس آیت کی تفسیر میں یوں فرماتے ہیں:

ابو صالح رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے؛ فرمایا: حسنہ سے مراد ہریالی اور بارش ہے۔ اور سیئہ سے مراد: خشک سالی اور مہنگائی ہے۔

آپ سے والی کی روایت میں یوں ہے:: حسنہ سے مراد فتح اور غنیمت ہے۔ اور سیئہ سے مراد: ہزیمت؛ زخم اور اس

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

طرح کے امور ہیں۔اس روایت میں ہے: جو آپ کو بھلائی پہنچی اس سے مراد وہ فتح تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے بدر کے موقع پر سرفراز کیا۔ اور سئیہ [برائی] سے مراد وہ شکست تھی جس سے بدر کے موقع پر دو چار ہوئے۔ ایسے ہی ابن قتیبہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:: حسنہ سے مراد غنیمت اور نعمت ہے۔اور سئیہ سے مراد: آزمائش ہے۔یہ تفسیر ابو عالیہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔اوران سے یہ بھی منقول ہے کہ:: حسنہ سے مراد اطاعت ہے۔اور سئیہ سے مراد: معصیت ہے۔

بعض متاخرین نے یہی کچھ خیال کیا ہے۔ پھر ان لوگوں کا اختلاف ہے۔تقدیر کا اثبات کرنے والے کہتے ہیں: یہ ہمارے حق میں حجت ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ [النساء ۷۸]

''کہہ دے سب اللہ کی طرف سے ہے۔''

جبکہ تقدیر کی نفی کرنے والے کہتے ہیں: یہ ہمارے حق میں حجت ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ [النساء ۷۹]

''اور جو برائی تجھے پہنچے سو تیرے نفس کی طرف سے ہے۔''

ان میں سے ہر ایک فریق کی دلیل دوسرے کی دلیل کے فساد پر دلالت کرتی ہے۔ جب کہ اس آیت کی تفسیر میں یہ دونوں قول باطل ہیں۔ کیونکہ اس سے مراد نعمتیں اور مصایب ہیں۔اسی لیے فرمایا:''إن تصبھم ۔''اگر انہیں پہنچتی ہے۔'' تو یہاں پر ضمیر منافقین پر لوٹتی ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے: ضمیر کا مرجع یہود ہیں۔ اور یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس سے دونوں گروہ مراد ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ضمیر اس عقیدہ کے حامل لوگوں کی طرف لوٹتی بھلے وہ کسی بھی گروہ سے ہوں۔اسی کہا گیا ہے کہ: اس کے قائل کو متعین نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ لوگ ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ پر جو کوئی بھی ایسا عقیدہ رکھے؛ یہ آیت اسے شامل ہوتی ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام پر طعنہ زنی کرنے والے کافر بھی ہیں اور منافق بھی۔ بلکہ وہ لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں بیماری ہو؛ یا وہ کسی جہالت کا شکار ہو؛ وہ ایسی بات کہہ سکتا ہے۔اور بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے کچھ پیغام رسالت کے متعلق ایسی بات کہہ دیتے ہیں۔ مگر انہیں یہ علم نہیں ہوتا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا پیغام ہے۔ کیونکہ وہ اپنے فریق مخالف کو ہی غلطی پر خیال کرتا ہے۔ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ یہ خود غلطی کا ارتکاب کررہا ہو۔ پس جب انہیں نصرت اور رزق سے نوازا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ اگر چہ اس کا سبب وہی ہو اور اگر ان کے رزق میں کمی آتی ہے؛ اور انہیں دشمن کی طرف سے یا ان کے غلبہ کا خوف محسوس ہوتا ہے؛ تو کہتے ہیں: یہ تمہاری وجہ سے ہے؛ اس لیے کہ آپ نے ہی جہاد کا حکم دیا تھا؛ تو پھر جو کچھ ہونا تھا وہ ہوا۔ تو یہ لوگ آپ کے لائے ہوئے پیغام سے بدفالی لینے لگ گئے؛ جیسے قوم فرعون کے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے پیغام سے بدفالی لیتے تھے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سلف صالحین نے اس کے دو معانی بیان کئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے؛ کہا: تیری نحوست کی وجہ سے اور ابن زید کہتے ہیں: ''تمہاری تدبیر کی خرابی کی وجہ سے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ﴾[النساء ۷۸]

''کہہ دیں سب اللہ کی طرف سے ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''حسنہ اور سیئہ: [بھلائی اور برائی]: حسنہ وہ ہے؛ جو آپ پر انعام کیا گیا ہو؛ او ربرائی وہ ہے: جس سے آپ آزمائے گئے ہوں۔''

پس ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ بات نہیں سمجھتے۔ اور ایسی ہی بات نہ سمجھنے کے متعلق بھی کہی گئی ہے۔ انہیں کیا ہوگیا ہے: وہ نہ ہی سمجھتے ہیں؛ نہ سمجھنے کے قریب لگتے ہیں۔'' یہاں پر نفی اثبات کے مقابلہ میں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: وہ سمجھنے والے لگتے نہیں تھے؛ مگر پھر بھی آخر کار سمجھ گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ (۷۱)﴾[البقرۃ ۷۱]

''اور وہ قریب نہ تھے کہ کرتے۔''

یہاں پر جس کی منفی کی گئی ہے وہ مثبت ہے؛ اور مثبت کی منفی ہے۔ عوام الناس کے ہاں اس طرح کے جملوں کا استعمال مشہور ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے کبھی یہ مراد ہوتا ہے اور کبھی یہ۔ جب کسی فعل کے اثبات کی صراحت ہو تو اس کا وجود ہوتا ہے۔ اور جب نفی محض کی صورت میں ہو؛ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لم یکد یراھا﴾[النور ۴]

''لگتا نہیں تھا کہ وہ اسے دیکھیں گے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴾[النساء ۷۸]

''پھر ان لوگوں کو کیا ہوا کہ کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں۔''

یہ نفی مطلق ہے۔ اور اس کے ساتھ کوئی قرینہ نہیں پایا جاتا جو اثبات پر دلالت کرتا ہو؛ اور پھر اس کے مطلق اور مقید میں فرق کیا جائے۔

نحوی حضرات کے یہ تین اقوال ہیں۔ ان میں سے ہر ایک قول کو ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک جماعت کی مذمت کی ہے کہ وہ سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّوا وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ﴾[المنافقون ۷]

''یہی ہیں جو کہتے ہیں ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو اللہ کے رسول کے پاس ہیں، یہاں تک کہ وہ منتشر ہو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

جائیں، حالانکہ آسمانوں کے اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں اور لیکن منافق نہیں سمجھتے۔‘‘

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ﴾[محمد ١٦]

’’اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو تیری طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ تیرے پاس سے نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے جنھیں علم دیا گیا ہے، کہتے ہیں ابھی اس نے کیا کہا تھا؟ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چل پڑے۔‘‘

تو یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ وہ لوگ قرآن سمجھنے کے قریب بھی نہ تھے۔لیکن یہاں پر[حَدِيْثًا] کا لفظ نفی کے سیاق میں نکرہ لایا گیا ہے؛ جو کہ عموم پر دلالت کرتا ہے۔جیسا کہ سورت کہف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا﴾[الکهف ٩٣]

’’ان کے اس طرف کچھ لوگوں کو پایا جو قریب نہ تھے کہ کوئی بات سمجھیں۔‘‘

یہ بات تو معلوم شدہ ہے کہ وہ لوگ لازمی طور پر کچھ باتیں تو سمجھتے تھے۔ورنہ اس کے بغیر انسان زندگی نہیں گزار سکتا۔تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ نہ سمجھنے کے قریب تر ہو کر بھی کچھ نہ کچھ سمجھ لیتے تھے۔روایت میں ایسے ہی ہے۔اور یہ نحویوں کا مشہور قول ہے جو کہ زیادہ ظاہر لگتا ہے۔

یہاں پر مقصود یہ ہے کہ: یہ لوگ اگر قرآن کو سمجھ لیتے تو انہیں پتہ چل جاتا کہ آپ انہیں صرف بھلائی اور نیکی کا حکم دیتے ہیں۔اور برائی اور شر سے منع کرتے ہیں۔اور آپ کی وجہ سے ان پر کوئی مشکل یا مصیبت نہیں آتی؛ بلکہ یہ ان کے اپنے گناہوں کی وجہ سے ہے۔پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾[النساء ٧٩]

’’جو کوئی بھلائی تجھے پہنچے سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی تجھے پہنچے سو تیری اپنی طرف سے ہے۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ’’میں نے یہ تجھ پر لکھ دیا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک تحریر میں ہے؛ اور میں نے اسے تیرے لیے مقدر کر دیا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ﴾[الشوری ٣٠]

’’اور جو بھی تمھیں کوئی مصیبت پہنچی تو وہ اس کی وجہ سے ہے جو تمھارے ہاتھوں نے کمایا اور وہ بہت سی چیزوں سے درگزر کر جاتا ہے۔‘‘

اور جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

﴾[آل عمران ۱۶۵]

''اور کیا جب تمھیں ایک مصیبت پہنچی کہ یقیناً اس سے دگنی تم پہنچا چکے تھے تو تم نے کہا یہ کیسے ہوا؟ کہہ دے یہ تمھاری اپنی طرف سے ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ (48)﴾[الشوری ۴۸]

''اور اگر انھیں اس کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی ہے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے۔''

یعقوب سے کردم کی روایت میں ﴿فمن نفسك﴾ آیا ہے۔ اس کا معنی متواتر قرأت کے خلاف ہے۔ پس اس پر کوئی اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت کا یہ معنی ایک حدیث قدسی میں بھی پایا جاتا ہے؛ [اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:]

''اے میرے بندو یہ تمہارے اعمال ہیں کہ جنہیں میں تمہارے لیے اکٹھا کر رہا ہوں پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا تو جو آدمی بہتر بدلہ پائے وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جو بہتر بدلہ نہ پائے تو وہ اپنے نفس ہی کو ملامت کرے۔'' [صحیح مسلم: ج ۳: ح ۲۰۷۱]

پس اس آیت کریمہ کا معنی ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو اپنے اوپر آنے والی ہر مصیبت کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی وجہ سے قرار دیتے ہیں؛ بھلے ایسا کہنے والا کوئی بھی ہو۔ پس جو کوئی یہ کہتا ہے کہ: ایسا رسول اللہ ﷺ کے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تقدیم بخشنے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں آگے کرنے؛ اور ان دونوں کی [ولایت اور دوستی] کی وجہ سے ایسے ہوا؛ اور ان پر یہ مصیبت آن پڑی۔

تو ان سے کہا جائے گا: یہ مصیبت تمہارے اپنے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (2) وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾[الطلاق ۲۔۳]

''اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔ اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا۔''

بلکہ یہ تمام باتیں اہل ایمان کے لیے ناحق ایذا رسانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ (الحجرات: ۱۲)

''ایک دوسرے کی غیبت مت کرو۔''

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''غیبت کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے مسلمان بھائی کا ذکر ایسے انداز میں کرو کہ وہ اسے ناپسند کرے۔ آپ سے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

دریافت کیا گیا اگر اس میں وہ عیب موجود ہو تب بھی اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں؟ فرمایا:

''اگر اس میں وہ عیب موجود ہو پھر تو غیبت ہے اور اگر موجود نہ ہو تو یہ بہتان ہے۔'' ❶

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ کسی میں ایسا عیب ثابت کرنا جو فی الواقع اس میں نہ ہو بہتان کہلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ صحابہ پر ایسا بہتان لگانا کس قدر مذموم ہوگا؟ جو شخص کسی مجتہد کے بارے میں کہے کہ اس نے دانستہ ظلم کیا یا دانستہ کتاب وسنت کی خلاف ورزی کی حالانکہ ایسا نہ ہو تو یہ بہتان ہے ورنہ غیبت۔ البتہ غیبت کی وہ قسم مباح ہے جسے اللہ ورسول ﷺ نے روا رکھا ہو۔ غیبت مباح وہ ہے جو قصاص وعدل کے طور پر ہو یا اس میں کوئی دینی یا دنیوی مصلحت مضمر ہو۔ مثلاً مظلوم کہے کہ فلاں شخص نے مجھے مارا یا میرا مال لے لیا یا میرا حق غصب کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ (النساء:۱۴۸)

''اللہ تعالیٰ اونچی آواز سے بری بات کہنے کو پسند نہیں کرتے البتہ مظلوم ایسا کر سکتا ہے۔''

مذکورہ صدر آیت کریمہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو کسی قوم کے پاس مہمان ٹھہرا اور انھوں نے حق مہمانی ادا نہ کیا۔ ❷ اس لیے کہ مہمانی حدیث نبوی کی رو سے واجب ہے ❸؛ جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے؛ جب انھوں نے اداء واجب میں تساہل کا ارتکاب کیا تو مہمان ان کی کوتاہی کا تذکرہ کر سکتا ہے؛ نبی کریم ﷺ نے اس کی اجازت دی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

''اپنے بھائی کی مدد کرو؛ بھلے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔''

[صحابی کہتے ہیں:] میں نے کہا: ''میں مظلوم کی مدد کروں؛ یہ تو سمجھ گیا؛ پر ظالم کی مدد کیسے کروں؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے ظلم کرنے سے روکو؛ یہ اس کی مدد ہے۔''

جہاں تک ضرورت کا تعلق ہے؛ مثال کے طور پر فتوی پوچھنا:۔ تو احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ میرا خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ کنجوس آدمی ہے اور مجھے اتنا نان ونفقہ نہیں دیتا جس سے میری اور میرے بچوں کی بسر اوقات ہو سکے تو کیا مجھے اس کے مال سے کچھ لینے کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا:

---

❶ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الغیبة (ح:۲۵۸۹)۔

❷ تفسیر ابن کثیر (ص:۳۷۲)

❸ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اکرام الضیف (حدیث:۶۱۳۷)، صحیح مسلم، کتاب اللقطة، باب الضیافة و نحوها (حدیث:۱۷۲۷)۔

ایک اور آیت میں ہے: ﴿ولمن انتصر بعد ظلمه فاولئك ما علیهم من سبیل﴾ [الشوریٰ: 41] ''جو مظلوم اپنے ظالم سے اس کے ظلم کا انتقام لے، اس پر کوئی ماخذہ نہیں۔'' مسند احمد کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''جو مسلمان کسی اہل قبلہ کے ہاں مہمان بن کر جائے اور ساری رات گذر جائے لیکن وہ لوگ اس کی مہمانداری نہ کریں تو ہر مسلمان پر اس مہمان کی نصرت ضروری ہے تاکہ میزبان کے مال سے اس کی کھیتی سے بقدر مہمانی دلائیں۔'' اسے البانی نے صحیح کہا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''ہاں اتنا مال لے سکتی ہو جو تیرے اور تیرے بچوں کے لیے کافی ہو۔'' ❶

یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہند کو شکایت کرنے سے نہ روکا تھا یہ فریاد مظلوم کی مثال ہے۔

خیر خواہی کے لیے غیبت کی مثال یہ حدیث ہے کہ چند آدمیوں نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا تھا۔ انھوں نے جب اس ضمن میں نبی کریم ﷺ سے مشورہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ ''معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مفلس آدمی ہے اور ابوجہم رضی اللہ عنہ عورتوں کو پیٹنے کا خوگر ہے، لہٰذا تم اسامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح باندھ لو۔'' ❷

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے جب خاوند کے بارے میں مشورہ طلب کیا تو آپ نے اس کو مشورہ دے دیا۔ یہ خیر خواہی کے نقطہ خیال سے تھا اور خیر خواہی ایک ضروری امر ہے۔

نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: ''دین خیر خواہی کا دوسرا نام ہے۔'' لوگوں نے دریافت کیا، اے اللہ کے نبی! کس کی خیر خواہی؟ فرمایا:

''اللہ کی خیر خواہی، رسول کی خیر خواہی اور مسلم حکام اور عوام سے ہمدردی۔'' ❸ یہ حدیث صحیح ہے۔

جو شخص نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کرنے میں غلطی کرتا ہو یا دانستہ نبی کریم ﷺ یا کسی عالم پر جھوٹ باندھتا ہو یا دین کے علمی و اقتصادی مسائل میں غلط رائے کا اظہار کرتا ہو تو ایسے شخص پر علم و عدل اور خیر خواہی کی نیت سے نقد و جرح کرنے والا اللہ کے نزدیک ماجور ہوگا۔ خصوصاً جب کہ وہ شخص بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو تو لوگوں کو اس کی غلطی سے آگاہ کرنا اور اس کے شر کو روکنا ڈاکوؤں اور راہ زنوں کے شر کو روکنے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

جو شخص علمی و دینی مسائل پر اپنے اجتہاد سے اظہار خیال کرتا ہے وہ مجتہد کا حکم رکھتا ہے وہ خطا کار بھی ہو سکتا ہے اور حق پر بھی۔ بعض اوقات زبان و قلم یا شمشیر و سنان کے ساتھ اختلاف کرنے والے دونوں اشخاص مجتہد ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں، بعض دفعہ وہ دونوں خطاء پر ہوتے ہیں اور ان کو بخش دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے باہمی تنازعات کے بارے میں بیان کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مشاجرات صحابہ و تابعین پر اظہار خیال کرنا ممنوع ہے۔

جب دو مسلمان کسی بات میں جھگڑ پڑیں اور وہ معاملہ رفت گزشت ہو جائے اور لوگوں کا اس سے کچھ تعلق نہ ہو اور نہ وہ اس کی حقیقت سے آگاہ ہوں تو اس پر اظہار رائے کرنا بلا علم و عدل ہوگا جس سے انھیں بلا وجہ ایذا پہنچے گی۔ اور اگر لوگ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب نفقة المرأة اذا غاب عنها زوجها (ح: ٥٣٥٩)، صحیح مسلم، کتاب الأقضية۔ باب قضية هند (ح: ١٧١٤)، والحدیث فِی سننِ النسائِي وابنِ ماجه والدارِمِي.

❷ مسلم، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، (ح:١٤٨٠) سنن أبِی داود:٢/ ٣٨٣ کتاب الطلاقِ باب فِی نفقةِ المبتوتةِ، سنن التِرمِذِي:٢/ ٣٠١ ؛ کتاب النکاحِ، باب ما جاء أن لا یخطب الرجل علی خِطبةِ أخِیهِ، المسند ط. الحلبِي:٦/ ٤١١، ٤١٢ والحدِیث فِی سننِ النسائِي والموطأ.

❸ مسلم، باب بیان ان الدین النصیحة(ح:٥٥)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جانتے ہوں کہ وہ دونوں گناہ گار یا خطا کار تھے تو بلا مصلحت اس کا ذکر کرنا بدترین قسم کی غیبت ہے۔ چونکہ صحابہ کی عزت و حرمت اور ناموس و آبرو دوسرے لوگوں کی نسبت بہت زیادہ ہے اور ان کے فضائل و مناقب احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، اس لیے ان کے باہمی تنازعات کو موضوع گفتگو بنانا دوسرے لوگوں کی مذمت بیان کرنے کی نسبت بہت بڑا گناہ ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ: اہل سنت روافض کو برا بھلا کہتے اور ان کے عیوب و نقائص بیان کرتے ہیں تو ان کے لیے ایسا کرنا کیونکر روا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی متعین آدمی کا نام لے کر اس کی مذمت بیان کرنا اور چیز ہے، اور کسی گروہ کی مذمت بحیثیت گروہ چیزے دیگر۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض گروہوں پر لعنت فرمائی۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو خود شراب پر؛ اس کے پینے والے پر؛ اور شراب نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے، فروخت کرنے والے، خریدنے والے، اٹھانے والے اور جس کی خاطر اٹھائی جائے اور اس کی قیمت کھانے والے پر۔'' [یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے]

[رسول اللہ ﷺ نے فرمایا]:

''اللہ کی لعنت ہو سود کھانے والے پر اور کھلانے والے پر، سود لکھنے والے پر اور اس کی گواہی دینے والوں پر۔'' [صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر ۱۶۰۰]

[رسول اللہ ﷺ نے فرمایا]:

''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو زمین کے نشانات تبدیل کرنے والے پر۔''❶

اور فرمایا: ''مدینہ عیر سے ثور تک حرم ہے جو شخص اس جگہ میں کوئی بات نکالے یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، نہ اس کی فرض عبادت مقبول ہے اور نہ نفل۔''❷

[رسول اللہ ﷺ نے فرمایا]: ''قوم لوط کا عمل کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔''❸

---

❶ مسلم:۳/ ۱۵۶۷ کتاب الأضاحي، باب تحریم الذبح لغیر اللہ تعالیٰ ولعن فاعله ......؛ والحدیث في سنن النسائي: ۷/ ۲۰۴؛ کتاب الضحایا، باب من ذبح لغیر اللہ عز وجل، المسند ط۔ المعارف:۲/ ۱۵۶، والحدیث بمعناه عن ابن عباس رضي الله عنهما في: المسند ط۔المعارف:۳/ ۲۶۶۔

❷ البخاري:۳/ ۲۰ کتاب فضائل المدينة، باب حرم المدينة، و في مسلم:۲/ ۹۹۴؛ کتاب الحج، باب فضل المدينة، وهو سنن أبي داؤد والترمذي والنسائي ومسند أحمد۔

❸ المسند ط۔المعارف:۳/ ۲۶۶ وصحح أحمد شاكر رحمه الله الحديث، وكذلك الأحاديث الأخر رقم:۲۸۱۷، ۲۹۱۵، ۲۹۱۶، ۲۹۱۷۔ وأورد الترمذي في سننه:۳/ ۹ کتاب الحدود، باب ما جا في حد اللوطي حديثاً عن عمرو بن أبي عمرو ونصه:((ملعون من عمل عمل قوم لوط۔))

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

[رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:]

''ان مردوں میں سے مخنثین پر لعنت ہو؛ اور ان عورتوں پر لعنت ہو جو مردوں کی سی صورت اختیار کرتی ہیں۔''❶

[نبی کریم ﷺ نے فرمایا]: ''جس شخص نے اپنے مولی کی اجازت کے بغیر کسی سے ولا کا معاملہ کیا تو اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے قیامت کے روز اس کی نہ فرض عبادت قبول ہوگی اور نہ نفل عبادت۔''❷

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ o الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾

(الاعراف:٤٤۔٤٥)

''ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ جو اللہ کے راستے سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہیں۔''

کتاب وسنت بدکردار لوگوں اور ان کے افعال کی قباحت و مذمت سے لبریز ہیں۔ جس کا مقصد اس فعل شنیع سے باز رکھنا اور یہ بتانا ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا وعید شدید کا مستوجب ہوگا۔

علاوہ ازیں جس گناہ کو آدمی گناہ تصور کرتا ہے، اس سے تائب ہو جاتا ہے، مگر مبتدعین مثلاً خوارج و نواصب جنھوں نے مسلمانوں میں بغض وعداوت کا دروازہ کھولا اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں اور جو لوگ ان کی ایجاد کردہ بدعت میں ان کے ہم نوا نہیں ہوتے ان کی تکفیر کرتے ہیں۔ اس لیے ان سے مسلمانوں کو ان ظالموں کی نسبت زیادہ ضرر لاحق ہوسکتا ہے جو حرام سمجھتے ہوئے ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اگرچہ ان میں کسی ایک کی آخرت کی سزا تاویل کی وجہ سے خفیف ہوگی۔ لیکن اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے ان سے جنگ وقتال کرنے کا حکم دیا؛ اور ظالم اور فاسق حکمران سے جنگ کرنے سے منع کیا۔ اس سلسلہ میں تواتر کے ساتھ صحیح احادیث موجود ہیں۔

خوارج کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

''تم ان کی نماز کے مقابلہ میں اپنی نماز اور ان کے روزہ کے مقابلہ میں اپنے روزے کو؛ اور ان کی تلاوت قرآن کے مقابلہ میں اپنی تلاوت کو حقیر سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے، جو ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا۔ دین سے وہ ایسے نکل جائے گی، جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے؛ تم انہیں جہاں کہیں بھی پاؤ تو انہیں قتل

❶ فِی البخارِیِ:٧/ ١٥٩ کتاب اللِباسِ، باب إِخراجِ المتشبهِین مِن الرِجالِ بِالنِساءِ، سننِ الترمِذِیِ:٤/ ١٩٤ کِتاب الِاستِئذانِ، باب ما جاءَ فِی المتشبِهاتِ بِالرِجالِ مِن النِساءِ، وهو فِی سننِ الدارِمِیِ:٢/ ٢٨٠ کتاب الِاستِئذانِ، باب لعنِ المخنثِین والمترجِلاتِ، المسند ط۔المعارِفِ:٣/ ٣٠٥۔

❷ أبو داود فِی سننِهِ:٤/ ٤٤٩؛ کِتاب الأدبِ، باب فِی الرجلِ ینتمِی إِلی غیرِ موالِیهِ؛ و فِی المسندِ ط۔المعارِفِ ج٩ الأرقام: ١٤٥٤، ١٤٩٧، ١٤٩٩، ١٥٠٤، ١٥٥٣ وانظرِ المسند ط۔ الحلبِیِ:٥/ ٢٦٧ وقد صحح الألبانِی حدِیث أنس وسعدِ بنِ أبی وقاص فِی صحِیحِ الجامِعِ الصغِیرِ:٥/ ٢٣٣۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کر ڈالو۔'' ❶

اور ایک روایت میں ہے: '' وہ بت پرستوں کو تو چھوڑ دیں گے؛ مگر اہل ایمان کو قتل کریں گے۔''

حضرات انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

'' عنقریب میرے بعد حقوق تلف کیے جائیں گے [اور ایسے امور پیش آئیں گے جنہیں تم ناپسند کرتے ہو] پس تم صبر کرتے رہنا یہاں تک کہ حوض پر مجھ سے آملو۔'' ❷

یعنی تم دیکھو گے تمہارے مالی حقوق تلف کیے جائیں گے؛ اور تمہارے ساتھ انصاف نہیں ہوگا۔ مگر پھر بھی انہیں صبر کرنے کا حکم دیا؛ اور جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

ایک دوسری روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' میرے بعد تم پر ایسے حکمران آئیں گے؛ جو تم سے اپنا حق مانگیں گے؛ اور تمہارا حق تمہیں ادا نہیں کریں گے۔'' عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟

تو آپ نے فرمایا: '' تم پر کسی کا جو حق ہو وہ ادا کر دو اور اپنے حقوق تم اللہ سے مانگتے رہنا۔'' ❸

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' جو شخص اپنے امیر کی کوئی ایسی بات دیکھے جسے وہ ناپسند کرتا ہو تو اس پر صبر کرے، کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر الگ ہوا یقیناً اس اپنی گردن سے اسلام کا طوق اتار پھینکا۔''

اور ایک روایت میں ہے: '' جو شخص حاکم کی اطاعت سے نکل گیا؛ اور جماعت سے ایک بالشت بھر الگ ہوا، اور اسی حالت میں مر جاتا ہے، تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔''

صحیح مسلم میں ہے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

'' تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور جو تمہیں چاہتے ہوں تم ان کے حق میں دعا کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں دعا کرتے ہوں۔ تمہارے بدترین حکام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہوں، جن پر تم لعنت بھیجتے ہو اور جو تم پر لعنت بھیجتے ہوں۔''

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم تلواریں لیکر ان پر ٹوٹ نہ پڑیں؟

---

❶ فِی البخارِیِ:٤/ ١٣٧اِ؛ کتاب الأنبیاءِ، باب قولِ اللهِ عز وجل:﴿ وأما عاد فأهلِکوا ا﴾الآیةِ، مسلِم:٢/ ٧٤١کتاب الزکاةِ، باب ذِکرِ الخوارِجِ وصِفاتِهِم، سنن أبِی داؤود:٤/ ٣٣٥اِ؛ کتاب السنةِ، باب فِی قِتالِ الخوارِجِ، سنن النسائِيِ بِشرحِ السیوطِيِ: ٥/ ٦٥؛ کتاب الزکاةِ، باب المؤلفةِ قلوبهم:٧/ ١٠٨؛ کتاب تحرِیمِ الدِماءِ، من شهر سیفه ثم وضعه فِی الناسِ المسنِد ط۔ المعارِفِ:٧/ ٣٠٨عن عبدِ اللهِ بنِ عمر وهو جزء مِن الحدِیثِ مع اختِلاف فِی اللفظِ۔

❷ صحیح مسلم؛ امارت اور خلافت کا بیان: ح:٢٧٠ غیر معصیت میں حاکموں کی اطاعت کے وجوب...... کے بیان میں۔

❸ صحیح مسلم؛ امارت اور خلافت کا بیان: ح:٢٧١ غیر معصیت میں حاکموں کی اطاعت کے وجوب...... کے بیان میں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک وہ نماز کی پابندی کریں تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔ اوران جیسی مزید احادیث بھی موجود ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے خوارج سے جنگ وقتال کرنے کا حکم دیا؛ اور ظالم اور فاسق حکمران سے جنگ کرنے سے منع کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ظالم باغی نہیں ہوتا جس سے جنگ کرنا جائز ہو۔

اس کے جملہ اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ جاہ و مال کا بھوکا ظالم اکثر طور پر صرف اور صرف اپنی دنیا کی خاطر لڑتا [اور ظلم کرتا] ہے۔ وہ لوگوں سے لڑتا اور قتال کرتا ہے تا کہ اسے حکومت اور مال دیا جائے۔ اور وہ ان پر ظلم نہ کرے۔ ان سے لڑائی کا سبب یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کا دین سر بلند ہو۔ اور سارا دین صرف اللہ کے لیے ہی ہوجائے۔ اور نہ ہی ان سے لڑنا اور ڈاکوؤں اور راہزنوں سے قتال کی جنس سے ہے؛ جن کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے؛ اور جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے؛ وہ شہید ہے؛ ور جو اپنی عزت و آبرو کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔''[1]

کیونکہ وہ تو تمام لوگوں سے دشمنی رکھتے ہیں؛ اور تمام لوگ ان سے لڑنے میں باہم تعاون کرتے ہیں۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے؛ کہ بیشک وہ دشمنی رکھنے والے اور جنگ کی صلاحیت سے بہرہ ور نہیں ہے۔ تو پھر ولاۃ الامور کسی کام کے کرنے یا کچھ لینے پر قادر نہیں ہوسکتے۔ بلکہ وہ جنگ لڑ کر صرف لوگوں کا خون بہانا اور ان کا مال لینا چاہتے ہیں۔ ڈاکو لوگ تو اپنی طرف سے عوام میں قتل و غارت شروع کرتے ہیں؛ جبکہ حکمران رعایا کو شروع میں قتل نہیں کرتے۔ ان دونوں میں فرق کرنا چاہیے؛ جس سے آپ اپنے دفاع میں لڑتے ہیں؛ اور جس سے آپ اپنی طرف سے لڑائی شروع کرتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا فتنے کی لڑائی میں اپنے دفاع میں لڑنا جائز ہے؟ ان معانی و آثار میں تعارض کی وجہ سے اس مسئلہ میں امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایات منقول ہیں۔

خلاصہ کلام! حکمرانوں کے خلاف بغاوت اس لیے کی جاتی ہے کہ جو کچھ ان کے ہاتھ میں مال اور حکومت ہے؛ اسے اپنے ہاتھ میں لیا جائے۔ یہ دنیا کے مال واسباب کی وجہ سے قتال ہے۔

---

[1] قال الدكتور رشاد سالم :لم أجد عِبارة:((ومن قتِل دون حرمتِهِ فهو شهِيد،))۔ ولكن وجدت حدِيثاً فِي قولِهِ ﷺ: ((من قتِل دون مالِهِ فهو شهِيد، ومن قتِل دون دِينِهِ فهو شهِيد۔)) والحدِيث عن سعِيدِ بنِ زيد رضِي الله عنه فِي: سننِ أبِي داؤد: ٤/ ٣٣٩؛ كتاب السنةِ باب فِي قِتالِ اللصوصِ، سنن الترمِذِي:٢/ ٤٣٥، ٤٣٦؛ كِتاب الدِياتِ، باب ما جاء من قتِل دون مالِهِ فهو شهِيد، زاد فِي بعضِ الأحادِيثِ: ((ومن قتِل دون دمِهِ فهو شهِيد۔)) وجاء الحدِيث مختصرا عن عبدِ اللهِ بنِ عمرو رضِي الله عنه سنن النسائِي:٧/ ١٠٥؛ كِتاب تحرِيمِ الدمِ، باب من قتِل دون مالِهِ عن عبدِ اللهِ بنِ عمرو وعن سليمان بنِ بريد، سنن ابنِ ماجه:٢/ ٨٦١؛ كتاب الحدودِ، باب من قتِل دون مالِهِ فهو شهِيد، وجاء حدِيث عبدِ اللهِ بنِ عمرو من قتِل دون مالِهِ فهو شهِيد، فِي البخارِي:٣/ ١٣٦؛ كتاب المظالِمِ، باب من قاتل دون مالِهِ، مسلِم:١/ ١٢٤، ١٢٥كتاب الإِيمانِ، باب عن أن من قصد أخذ مالِ غيرِهِ بِغيرِ حق، المسند ط۔ المعارِفِ:٣/ ١١٩۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن زبیر رحمہم اللہ کے فتنہ کے متعلق؛ قراء کے حجاج کے ساتھ فتنہ کے متعلق؛ اور شام میں مروان کے ساتھ فتنہ کے متعلق؛ کہتے تھے: ''یہ اور یہ؛ یہ تمام لوگ دنیا پر لڑ رہے ہیں۔ جبکہ اہل بدعت جیسے خوارج وغیرہ؛ وہ لوگوں کے دین میں خرابی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ پس ان سے جنگ لڑنا دینی جنگ ہے [دین کی وجہ سے جنگ لڑنا ہے]۔

مقصود کلام! ان لوگوں سے جنگ کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی ہوتا ہے تاکہ دین سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ لڑنے کا حکم دیا؛ اور ظالم حکمرانوں سے لڑنے سے منع فرمایا۔

اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خوارج سے جنگ کرنا صریح نصوص؛ اور اجماعِ صحابہ و تابعین؛ اور تمام علمائے اسلام رحمہم اللہ کے اجماع کی روشنی میں ثابت تھا۔ اور جہاں تک جنگ جمل وصفین کی تعلق ہے؛ تو وہ فتنہ کی جنگیں تھیں۔ فضلائے صحابہ و تابعین اور علمائے مسلمین ان جنگوں کو ناپسند کرتے تھے۔ جیسا کہ اس مؤقف پر نصوص بھی دلالت کرتی ہیں۔ حتی کہ جو لوگ ان جنگوں میں شریک ہوئے؛ وہ خود بھی اس امر کو ناپسند کرتے تھے۔ اور ان جنگوں کو ناپسند کرنے والے امت میں ان لوگوں کی نسبت افضل اور اکثر تھے جو ان جنگوں کی تعریف کرتے تھے۔

صحیحین میں کئی اسناد سے ثابت ہے کہ:

''ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ بنی تمیم کے ذوالخویصرہ نامی فرد نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ''انصاف سے تقسیم فرمائیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیری خرابی ہو میں عدل سے کام نہ لوں گا تو پھر کون عدل کرے گا۔'' اور پھر فرمایا: ''کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے ہو؛ اور جو آسمانوں میں ہے وہ مجھے امین سمجھتا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو؛ اس کی نسل میں ایسے ہوں گے کہ تم میں سے کوئی ایک ان کی نمازوں اور روزوں کے مقابلے میں اپنی نماز اور روزے کو حقیر سمجھیں گے۔'' [1]

---

[1] صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر ۸٦۱۔ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مال تقسیم کر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذوالخویصرہ جو قبیلہ بنی تمیم کا ایک شخص تھا حاضر ہوا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! انصاف کیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں انصاف نہ کروں گا تو کون ہے جو انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو بہت ناکام و نامراد ہوں گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں فرمایا اس کو رہنے دو اس کے چند ساتھی ایسے ہیں جن کی نمازوں کو دیکھ کر تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے۔ اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزہ کو کمتر وہ قرآن کی تلاوت کریں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر نکل جاتا ہے اس کے پکڑنے کی جگہ دیکھی جائے تو اس میں کوئی چیز معلوم نہ ہوگی۔ اس کے پر دیکھے ⇦⇦⇦

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کا یہ کلام مبارک ان اہل بدعت کے بارے میں ہے جو بڑے عبادت گزار تھے۔اور صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ:

''ایک شخص نبی ﷺ کے زمانے میں شراب پیا کرتا تھا۔جب بھی اسے لایا جاتا تو اسے شراب پینے کے سبب کوڑے لگوائے جاتے تھے۔ایک دن پھر نشہ کی حالت میں لایا گیا؛تو قوم میں سے ایک شخص نے کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو،کسی قدر یہ [نشہ کی حالت میں] لایا جاتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:''اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ وہ اللہ اوراس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔'' ❶

تو آپ ﷺ نے اس متعین مئے نوش پر لعنت کرنے سے منع فرمایا۔اوراس بات کی گواہی دی کہ یہ اللہ اوراس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ حالانکہ عمومی طور پر شراب نوش پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ یہاں سے عام مطلق اور خاص معین میں فرق واضح ہوتا ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ گنہگار جو اپنے گناہوں کے معترف ہیں ان کا ضرر مسلمانوں پر ان اہل بدعت کی نسبت بہت کم ہوتا ہے جو اپنی طرف سے بدعت ایجاد کرتے ہیں؛ اور پھر اس کی وجہ سے اپنے مخالفین کو سزا کا مستحق سمجھتے ہیں۔

روافض کی بدعت خوارج کی نسبت زیادہ سخت ہوتی ہے۔وہ ایسے لوگوں کو بھی کافر کہتے ہیں؛ جنہیں خوارج بھی کافر نہیں کہتے۔ جیسے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما۔اور نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ پر ایسا جھوٹ بولتے ہیں کہ ایسا جھوٹ کسی دوسرے نے کبھی نہ بولا ہوگا۔خوارج جھوٹ نہیں بولتے۔خوارج روافض کی نسبت زیادہ بہادر؛ سچے اور وعدہ وفا کرنے والے؛ مرد میدان اور بڑے جنگجو تھے۔جب کہ ان کے مقابلہ میں رافضی نہایت جھوٹے، حد درجہ بزدل، بدعہد اور نہایت ذلیل ہوا کرتے تھے۔شیعہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار تک سے مدد لینے سے گریز نہیں کرتے۔ہم نے بھی دیکھا ہے اور مسلمانوں نے بھی مشاہدہ کیا ہے کہ جب کبھی مسلمانوں پر کڑا وقت آیا تو ان لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف ان کے

⇦⇦ جائیں تو ان میں کوئی چیز معلوم نہ ہوگی۔اس کے پر اور پکڑنے کی جگہ کے درمیانی مقام کو دیکھا جائے تو اس میں کوئی چیز دکھائی نہ دے گی حالانکہ وہ گندگی اور خون سے ہو کر گزرا ہے ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک سیاہ آدمی ہوگا اس کا ایک مونڈھا عورت کے پستان یا پھڑ کتے ہوئے گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہوگا جب لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگا تو یہ ظاہر ہوں گے۔حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث نبی ﷺ سے سنی ہے اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے ان لوگوں سے جنگ کی ہے۔میں ان کے ساتھ تھا انہوں نے حکم دیا وہ شخص تلاش کر کے لایا گیا میں نے اس میں وہی خصوصیات پائیں جن کو نبی ﷺ نے اس کی بابت بیان فرمایا تھا۔مزید دیکھیں:

فِی البخارِي:٤/ ٢٠٠؛ کتاب المناقِبِ، باب علاماتِ النبوۃِ، مسلِم:٢/ ٧٤٤؛ کتاب الزکاۃِ، باب ذِکرِ الخوارِجِ وصِفاتِھِم المسند ط۔الحلبِي:٣/ ٦٥، وانظر جامِع الأصولِ لِابنِ الأثِیرِ: ١٠/ ٤٣٦؛ سنن ابنِ ماجه:١/ ٦٠؛ المقدِمة باب فِی ذِکرِ الخوارِجِ۔

❶ صحیح بخاری۔ کتاب الأذان، باب(١٢٦)، (ح:٧٩٧، ٨٠٤، ٤٥٦٠)، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات (ح: ٦٧٥، ٦٧٦)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دشمن کفار کا ساتھ دیا۔ جیسا کہ کافر تاتاری بادشاہ چنگیز خاں کے زمانہ میں ہوا۔ رافضیوں نے مسلمانوں کے خلاف اس کی بھرپوری مدد کی تھی۔

ایسے ہی جب چنگیز خاں کا پوتا ہلاکو خاں خراسان اور عراق وشام کے علاقہ میں آیا تو شیعہ نے اعلانیہ اور خفیہ ہر طرح سے اس کی مدد کی۔ یہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے اور کسی کو اس سے مجال انکار نہیں؛ اور نہ ہی کسی پر کوئی بات پوشیدہ رہ گئی ہے۔ عراق اور خراسان میں ظاہری وباطنی طور پر شیعہ نے کھل کر ان کا ساتھ دیا۔

اس وقت [1] خلیفہ بغداد کا وزیر ابن علقمی [2] بھی شیعہ تھا' وہ ہمیشہ خلیفہ اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کرتا رہتا۔''

---

[1] شہرہ آفاق شیعہ مورخ مرزا محمد باقر خوانساری نے اپنی کتاب روضات الجنات طبع ثانی کے صفحہ ۵۷۸، پر نصیر الدین طوسی کے حالات زندگی میں لکھا ہے: خواجہ نصیر الدین کی زندگی کا مشہور ترین واقعہ یہ ہے کہ وہ عظیم تاتاری سلطان اور اپنے دَور کے پر شوکت وحشمت فاتح ہلاکو خاں بن تولی خاں بن چنگیز خان کی ملاقات کے لیے ایران پہنچا اور پھر وہاں سے اس کے موید ومنصور لشکر کی معیت میں ارشاد عباد، اصلاح بلاد اور قطع فساد کے لیے بغداد پہنچا۔ اس کا مقصد بنی عباس کی حکومت کو ختم کرنا اور ان کے اتباع کو صفحہ ہستی سے مٹانا تھا۔ چنانچہ خواجہ طوسی اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور بغداد میں عباسیوں کے ناپاک خون کی ندیاں بہادیں۔'' مذکورہ بالا اقتباس میں شیعہ مورخ نے شیخ روافض خواجہ طوسی کے مشہور سفاک ہلاکو خاں کے یہاں آنے کو ارشاداً للعباد و اصلاحاً للبلاد قرار دیا ہے۔ وہ خود اعتراف کرتا ہے کہ اس آمد کا مقصد وحید یہ تھا کہ سب سے بڑے اسلامی دار الخلافہ میں خون کی ندیاں بہادی جائیں۔ مرزا محمد باقر اس بات پر فخر ومباہات کا اظہار کرتا ہے کہ ہلاکو خاں نے سفاکی وخونریزی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ بلکہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جو مسلمان اس کی سفاکی کا شکار ہوئے وہ سب جہنمی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بت پرست ہلاکو اور اس کا رافضی ہادی ومرشد خواجہ طوسی دونوں قطعی جنتی ہیں۔ اس سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بیان کی صداقت واضح ہوتی ہے۔ ہم قبل ازیں شیعہ مورخ کے قول کی جانب اشارہ کر چکے ہیں، اب ضرورت کے پیش نظر تفصیلاً اس کا اقتباس نقل کیا گیا ہے۔ مزید دیکھیں:

فِي تاريخ ابنِ الأثير: ١٢/ ١٣٧؛ البِداية والنِهاية: ١٣/ ٨٦؛ وقد توفِي جنكيز خان سن: ٦٢٤هـ وانظر عنه: البِداية والنِهاية: ١٣/ ١١٧؛ دائِرة المعارِفِ الإِسلامِي مقالة بارتولد۔

[2] اس کا نام محمد بن احمد بغدادی ہے۔ یہ ابن علقمی کے نام سے مشہور تھا۔ یہ ۶۵۶ھ میں فوت ہوا۔ نوجوانی میں یہ شیعہ ادباء میں شمار ہوتا تھا۔ اہل سنت نے اس کے بارے میں تساہل سے کام لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مناصب جلیلہ طے کرتے کرتے خلافت عباسیہ میں وزارت کے عہدہ تک پہنچا اور چودہ سال تک اس پر فائز رہا۔ آخری عباسی خلیفہ المستعصم نے ابن العلقمی پر اس قدر اعتماد کیا کہ جملہ امور سلطنت اسے تفویض کر دیے۔ جب صنم پرست ہلاکو خاں کا لشکر بلاد ایران میں داخل ہوا تو ابن العلقمی نے اسے بغداد پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا، ابن العلقمی کو امید تھی کہ خلافت عباسیہ کے سقوط کے بعد ہلاکو خاں کسی شیعہ کو امام یا خلیفہ مقرر کرے گا۔ ہلاکو خاں قوم تاتار کرج کے دو لاکھ سپاہیوں کو لے کر بغداد پر حملہ آور ہوا۔ ابن علقمی نے خلیفہ مستعصم کو دھوکہ دے کر ہلاکو خاں کے کام کو بڑی حد تک آسان کر دیا۔ جب ہلاکو نے اپنی فوج کو بغداد کی شرقی وغربی جانب اتار دیا۔ ابن علقمی نے خلیفہ سے صلح کی سلسلہ جنبانی کے لیے خلیفہ سے ہلاکو خاں کو ملنے کی اجازت مانگی۔ جب ابن علقمی ہلاکو کو اپنی وفا شعاری اور خلافت عباسیہ سے خیانت کاری کا یقین دلا چکا تو خلیفہ کے پاس لوٹ کر واپس آیا اور کہنے لگا: ہلاکو اپنی بیٹی کا نکاح خلیفہ کے بیٹے ابوبکر سے کرنا چاہتا ہے۔ نیز ہلاکو کی خواہش ہے کہ وہ سلجوق سلاطین کی طرح خلیفہ کے زیر اثر رہے۔ خلیفہ علماء ورؤسا اور اعیان حکومت کی معیت میں بزعم خود اپنے بیٹے کو بیاہنے کے لیے ہلاکو کی جانب چل دیا۔ ⇦⇦⇦

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ مسلمانوں کو زک پہنچے۔ اس نے اسلامی لشکر کے سپاہیوں کی تنخواہیں بند کر دیں۔ اور انہیں ہر طرح سے کمزور کیا۔ اور انہیں تاتاریوں سے جنگ کرنے سے روکتا رہتا تھا۔ ضرر رسانی کے لیے وہ طرح طرح کے حیلے اختیار کیا کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کافر تاتاری بغداد میں داخل ہو گئے اور انھوں نے دس لاکھ یا اس سے کم و بیش مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسلام میں تاتاری کفار کی جنگ سے بڑھ کر کوئی لڑائی نہیں لڑی گئی۔ تاتاریوں نے ہاشمیوں کو تہ تیغ کر کے عباسی اور غیر عباسی سب خواتین کو قیدی بنا لیا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ جو شخص کفار کو مسلمانوں پر مسلط کر کے انھیں قتل کرتا اور مسلم مستورات کو قیدی بنانے میں مدد دیتا ہے کیا ایسا شخص محبّ آل رسول ہوسکتا ہے؟

شیعہ حجاج بن یوسف ثقفی پر یہ بہتان لگاتے ہیں کہ اس نے سادات کے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ حالانکہ سفاک ہونے کے باوصف حجاج نے کسی ہاشمی کو قتل نہیں کیا تھا۔ البتہ بنی ہاشم کے علاوہ دیگر عرب شرفاء کو اس نے ضرور قتل کیا تھا۔ حجاج نے ایک ہاشمی خاتون بنت عبداللہ بن جعفر سے نکاح کیا تھا، مگر بنو امیہ نے مجبور کر کے بدیں وجہ تفریق کرادی کہ حجاج ایک شریف ہاشمی سیدزادی خاتون کا ہمسر و برابر نہیں ہوسکتا۔

ایسے ہی بلاد شام میں جو رافضی پائے جاتے ہیں' ان میں سے جنہیں قوت و طاقت حاصل تھی وہ مسلمانوں کے خلاف مشرکین و نصاری اور اہلِ کتاب کفار کی مدد کیا کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو قتل کرتے' انہیں قیدی بناتے اور ان کے اموال پر قبضہ کر لیتے۔

جب کہ اس کے برعکس خوارج نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔ بلکہ وہ لوگوں سے جنگیں لڑا کرتے تھے۔ نہ ہی وہ کفار کو مسلمانوں پر مسلط کرنے میں ان کی مدد کرتے اور نہ ہی اہل کتاب یہود و نصاری اور مشرکین کے ساتھ کوئی تعاون کرتے۔

رافضیوں میں زندیق؛ ملحد اور منافقین شامل ہوگئے تھے جیسے اسماعیلیہ؛ نصیریہ وغیرہ۔ اور ان کے علاوہ وہ لوگ بھی رافضیوں کی صفوں میں شامل ہوگئے تھے جو خوارج کے لشکر میں داخل نہ ہو سکے تھے۔ اس لیے کہ خوارج بہت عبادت گزار اور اہل ورع لوگ ہوا کرتے تھے۔ یہ بالکل ویسے ہی تھے جیسے نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں خبر

⇦ ⇦ جب لوگ خلیفہ کی رفاقت میں ہلاکو کے یہاں پہنچے تو اس نے سب کو تہ تیغ کرنے کا حکم دیا پھر لشکر نے شہر میں داخل ہو کر قتلِ عام کا بازار گرم کیا۔ مسلسل چالیس دن تک قتل و غارت جاری رہا۔ کہا گیا ہے کہ ہلاکو نے جب مقتولوں کو شمار کرنے کا حکم دیا تو وہ دس لاکھ اسی ہزار نکلے۔ جو مقتول شمار نہ کیے جا سکے ان کی تعداد اس سے کئی گنا زائد تھی۔ اللہ کا دشمن ابن علقمی اپنے مقاصد میں ناکام رہا۔ اور شیعہ حکومت قائم کرنے سے متعلق اس کی آرزو بر نہ آئی۔ خیانت پیشہ لوگ ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھا کرتے ہیں، اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ہلاکو اسے حقیر سمجھنے لگا اور اس کی حیثیت تاتاریوں میں ایک غلام سے زیادہ نہ تھی بعد ازاں ابن العلقمی یہ مصرعہ گنگنایا کرتا تھا: وَ جَرَی الْقَضَاءُ بِعَكْسِ مَا اَمَّلْتُهٗ (تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ)

پھر افسردگی کی حالت میں جہنم واصل ہوا۔ شیعہ مورخ بڑے فخر یہ انداز میں اس عظیم حادثہ کا ذکر کرتا ہے، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ شیعہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کا ساتھ دینے کے خوگر ہیں اور مسلمانوں کو بغض و عناد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دی تھی:

''تم میں سے کوئی ایک ان کی نماز کے مقابلہ میں اپنی نماز کو اوران کے روزہ کے مقابلہ میں اپنے روزہ کو حقیر سمجھے گا۔'' [یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے]۔

تو پھر روافض کو خوارج سے کیا نسبت؟

اس میں شبہ نہیں کہ رافضیوں میں خال خال کچھ عابد و زاہد لوگ بھی پائے جاتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا معاملہ دیگر مبتدعین اور اہل الاہواء سے یکسر مختلف ہے۔ معتزلہ شیعہ کے مقابلہ میں زیادہ دانش مند زیادہ دین دار اور ان سے بڑھ کر عالم ہوا کرتے ہیں۔ کذب و فجور بھی معتزلہ میں روافض کی نسبت کم ہے۔ شیعہ کا فرقہ زیدیہ نسبتاً بہتر اور علم و عدل سے قریب تر ہے۔ اہل بدعت میں خوارج سب سے زیادہ سچے اور عبادت گزار ہوا کرتے ہیں۔ وہ علم و عدل اور سچ کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اہل اُہواء فرقوں میں خوارج سے بڑھ کر سچا اور عبادت گزار فرقہ کوئی نہیں۔ بایں ہمہ اہل سنت سب فرقوں کے ساتھ یکساں طور پر عدل و انصاف کا برتاؤ کرتے ہیں اور کسی پر بھی ظلم نہیں ڈھاتے۔ کیوں کہ ظلم مطلقاً حرام ہے۔ اہل سنت کے عدل و انصاف کی حد یہ ہے کہ وہ روافض سے بہ حیثیت مجموعی جو سلوک روا رکھتے ہیں، وہ اس سلوک سے بدرجہا بہتر ہے جو شیعہ کے بعض فرقے دوسرے فرقوں سے روا رکھتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ روافض خود بھی اس کے معترف ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں: تم ہم سے وہ انصاف کرتے ہو؛ جو انصاف ہم آپس میں ایک دوسرے سے نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روافض کے مختلف فرقوں کا یہ اشتراک ظلم و جہل پر مبنی ہے اور وہ مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھانے میں ایک دوسرے کے ہم نوا ہیں۔ یہ لوگ ان ڈاکوؤں کی طرح ہیں جو لوگوں پر ظلم کرنے میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ عدل و انصاف کا خوگر عالم مسلمان شیعہ کے ساتھ جس عدل انصاف کے ساتھ کام لے سکتا ہے وہ آپس میں ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے۔ (کیوں کہ ظلم و جور ان کی فطرت بن چکا ہے)]۔

خوارج اہل سنت کی تکفیر کرتے ہیں، اسی طرح اکثر معتزلہ و روافض بھی اپنے مخالفین کو کافر قرار دیتے ہیں۔ یا کم از کم ان کی تفسیق کرتے ہیں۔ اکثر مبتدعین کا عام انداز یہ ہے کہ وہ ایک رائے تصنیف کرتے ہیں اور پھر اس کی مخالفت کرنے والے پر کفر کا فتویٰ عائد کرتے ہیں۔ بخلاف ازیں اہل سنت اس حق کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں؛ اور وہ اپنے مخالفین کو کافر نہیں ٹھہراتے، بلکہ وہ سب سے زیادہ حق کی واقفیت رکھتے ہیں اور مخلوقات پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے بھی وہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی بہبود کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

’’تم لوگوں کے حق میں سب سے زیادہ مفید ہو۔‘‘

چونکہ اہل سنت سب لوگوں سے چیدہ و برگزیدہ ہیں اس لیے وہ صحیح معنی میں اس آیت کے مصداق ہیں۔ وہی لوگوں کے لیے سب سے زیادہ بہتر [اوران کے خیر خواہ] ہیں۔

سب لوگ جانتے ہیں کہ ساحل شام پر ایک بڑا پہاڑ تھا۔ جس پر ہزاروں شیعہ بودو باش رکھتے تھے۔ وہ لوگوں کا خون بہاتے اور ان کا مال چھین لیا کرتے تھے۔ انہوں نے بہت بڑی تعداد میں لوگوں کو قتل کیا اور ان کے اموال چھین لیے۔ جس سال مسلمانوں نے تاتاری بادشاہ غازان کے ہاتھوں شکست کھائی تو اس پہاڑ [1] پر رہنے والے شیعہ نے مسلمانوں کے گھوڑے، اسلحہ اور قیدیوں کو پکڑ کر کفار اور قبرص کے عیسائیوں کے پاس فروخت کر دیا۔ جو سپاہی وہاں سے گزرتا اس کو پکڑ لیتے۔ یہ مسلمانوں کے حق میں سب دشمنوں سے زیادہ ضرر رساں تھے۔‘‘ [2]

---

[1] اس پہاڑ کا نام الجرود کیردان تھا۔ جب غازان نامی بادشاہ دمشق پر حملہ آور ہوا تو اس پہاڑ کے باشندوں اور ان شیعہ نے جو یہاں سکونت رکھتے تھے اس موقع کو غنیمت خیال کیا۔ چنانچہ تاتاریوں سے شکست کھا کر جو سپاہی یا عام لوگ وہاں سے گزرتے یہ ان کو قتل کر دیتے اور ان کا ساز و سامان اور گھوڑے وغیرہ چھین لیتے۔ انھوں نے برملا اپنے عقائد فاسدہ اور کفر و ضلالت کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے بلاد شام کو تاتار کے ظالمانہ چنگل سے رہائی بخشی تو نائب السلطنت جمال الدین اقوش الافرم دمشق سے لشکر لے کر اس پہاڑ کی جانب روانہ ہوا جیسا کہ البدایہ والنہایہ (۱۲/۱۴) پر لکھا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لاتعداد اتباع و متعلقین کو لے کر اس پہاڑ کی جانب چل دیے۔ وہاں پہنچے تو بہت سے شیعہ سردار آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوئے۔ اور اس سے بڑا فائدہ پہنچا۔ شیعہ نے لوٹا ہوا مال سب واپس کر دیا اور اسلامی حکومت کے زیر سایہ امن و امان سے رہنے کا عہد باندھا۔ الافرم اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی روانگی کا مذکورہ واقعہ ۲۰ شوال کو پیش آیا اور ۱۳/ ذیقعد ۶۹۹ھ بروز اتوار واپس لوٹے۔

[2] غازان کا حملہ ۶۹۹ھ میں ہوا تھا۔ غازان المتوفی (۶۷۰۔۷۰۳) شیعہ سلطان خدابندہ المتوفی (۶۸۰۔۷۱۶) کا بھائی تھا۔ اسی خدابندہ نامی بادشاہ کے لیے ابن المطہر شیعہ نے وہ کتاب لکھی جس کی تردید شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنۃ میں کی ہے۔ شیخ الاسلام نے یہاں جس واقعہ کی جانب اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ دمشق ان دنوں حکومت مصر کے ماتحت تھا۔ مصر پر ان دنوں سلطان الناصر محمد بن قلاوون کی حکومت تھی۔ جس نے المنصور لاجین کو ۶۹۸ھ میں قتل کر کے مقام کرک کی جلا وطنی سے نجات پائی تھی۔ بلاد شام میں سلطان مصر کا نائب ان دنوں اقوش الافرم تھا۔ اقوش کا پیشرو سیف الدین قبجق المنصوری ایران میں جا کر تاتاری بادشاہ غازان سے مل گیا تھا۔ ۶۹۸ھ کو یہ خبر پہنچی کہ غازان ایران سے حلب کی جانب پیش قدمی کر رہا ہے۔ سلطان مصر محمد بن قلاوون جب اس سے آگاہ ہوا تو وہ ماہ محرم ۶۹۹ھ میں مصر سے غزہ پہنچ کر دو ماہ تک غازان کی نقل و حرکت کا منتظر رہا۔

ماہ ربیع الاول ۶۹۹ھ مطابق دسمبر ۱۲۱۹ء میں سلطان الناصر محمد بن قلاوون شدید سردی کے موسم میں دمشق پہنچا۔ سلطان نے رجال و اموال کی فراہمی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی یہاں تک کہ یتیموں کا مال بھی قرض لے لیا۔ آخر کار مورخہ ۲۷/ ربیع الاوّل ۶۹۹ھ وادی سلمیہ میں پہنچ کر تاتاریوں سے ملا، وہاں گھمسان کا رن پڑا۔ سلطان محمد بن قلاوون نے شکست کھائی اور غازان نے آگے بڑھ کر بعلبک پر قبضہ کر لیا۔

دمشق کے امراء و خواص سلطان الناصر کی پیروی میں مصر پہنچے اور دمشق حکام و ولاۃ سے خالی رہ گیا۔ ادھر اہل شام نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کی کہ وہ غازان کے پاس جا کر قوم کے لیے امان طلب کریں۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ درخواست قبول کر لی۔ آپ ڈرتے تھے مبادا تاتاری بدعہدی کریں اس لیے آپ نے امراء رجواش کو مل کر تاکید کی کہ قلعہ کے اندرونی انتظامات اچھی طرح مضبوط کیے جائیں اور تاتاریوں کو اسی وقت قلعہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں جب وہ ایک ایک پتھر کر کے قلعہ کو مسمار نہ کر دیں۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ اہل شام کی رفاقت میں بروز سوموار ۳/ ربیع الاوّل ۶۹۹ھ کو غازان کی ملاقات کے لیے نکلے اور مقام ⇦⇦⇦

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

اس پہاڑ پر رہنے والے بعض شیعہ نصاریٰ کے علم بردار تھے۔ان سے جب دریافت کیا جاتا کہ اہل اسلام اور نصاریٰ میں سے بہتر کون ہے؟ تو وہ کہتے: ''نصاریٰ'' پھر پوچھا جاتا تمہارا حشر کن کیساتھ ہوگا؟ تو وہ کہتے: ''نصاریٰ کے ساتھ۔'' انہوں نے مسلمانوں کے بعض شہر بھی ان نصاری کے زیر تسلط دے دیے تھے۔

⇦⇦ النبک کے نزدیک اس سے ملے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے غازان کے ساتھ بڑے موثر اور پر زور طریقے سے بات چیت کی۔ابن کثیر نے البدایہ والنهایہ (۱٤ / ۷) نیز (۱۴/۸۹) پر مشہور صالح و عابد شخص ابوعبداللہ محمد بن البالسی (۶۵۰۔۷۱۸) کی زبانی یہ بات چیت تفصیلاً ذکر کی ہے۔البالسی ان علماء و قضاۃ میں شامل تھے جو شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے ہمراہ غازان سے ملنے گئے تھے۔البالسی کا بیان ہے کہ شیخ الاسلام نے غازان کو مخاطب کر کے کہا جب کہ ترجمان ساتھ ساتھ آپ کی گفتگو کا ترجمہ کرتا جاتا تھا۔شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا: ''تم اپنے کو مسلمان کہتے ہو۔میں نے سنا ہے کہ تمہارے ساتھ موذن؛ قاضی اور امام بھی ہیں، پھر تم بلاد اسلامیہ پر کیوں حملہ آور ہوئے؟ تمہارے باپ دادا کافر تھے تاہم معاہدہ کرنے کے بعد انھوں نے اسلامی ممالک پر حملہ نہیں کیا تھا۔مگر تم نے عہد باندھ کر بدعہدی کی اور اپنی بات کو پورا نہ کیا۔''

ابوعبداللہ البالسی بیان کرتے ہیں کہ شیخ الاسلام نے غازان، قطلوشاہ اور بولائی کے ساتھ جو گفتگو کی اس میں کئی نشیب و فراز آئے۔مگر شیخ نے حق و صداقت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور نہ اللہ کے سوا کسی سے ہراساں ہوئے۔غازان نے ان علماء کو کھانا پیش کیا۔ابن تیمیہ کے سوا سب نے کھانا کھایا جب آپ سے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا۔میں یہ کھانا کیوں کر کھا سکتا ہوں؟ یہ سب لوگوں سے چھینا ہوا مال ہے اور تم نے ناجائز طور پر لوگوں کے درخت کاٹ کر اسے پکایا ہے۔غازان نے جب شیخ الاسلام رحمہ اللہ سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے یہ دعا فرمائی: ''اے اللہ! اگر غازان تیرے دین کی سربلندی اور نشر و اشاعت کے لیے جنگ کر رہا ہے تو اسے غلبہ عطا کر اور اسے عباد و بلاد کا مالک بنادے اور اگر حرص اقتدار اور شہرت کے لیے یہ جنگ آزما ہے اور اسلام اور اہل اسلام کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو اسے ذلیل کر اسے برباد کردے اور اس کی جڑ کاٹ ڈال۔''

غازان ہاتھ اٹھا کر آپ کی دعا پر آمین کہتا جا رہا تھا۔عبداللہ البالسی کا بیان ہے کہ یہ دعا سن کر ہم اپنے کپڑے سمیٹ رہے تھے کہ جب ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو قتل کیا جائے تو ان کے خون سے ہمارے کپڑے آلودہ نہ ہو جائیں۔ جب غازان کے یہاں سے نکلے تو قاضی القضاۃ نجم الدین صصری نے کہا: ''آپ ہمیں بھی برباد کرنے لگے تھے اور آپ اپنے کو بھی، اللہ کی قسم! اب ہم آپ کے ساتھ نہیں چلیں گے۔'' شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں بھی آپ کے ساتھ نہیں جانا چاہتا۔'' چنانچہ یہ سب علماء ایک جماعت کی صورت میں چل دیے اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ چند اصحاب کے ساتھ تنہا رہ گئے، جب غازان کے خواص و امراء کو پتہ چلا تو وہ آپ کی دعا سے برکت حاصل کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ عازم دمشق تھے اور یہ امراء آ آ کر آپ کے ساتھ ملتے جا رہے تھے۔چنانچہ جب دمشق پہنچے تو تین صد سوار آپ کے ہم رکاب تھے۔ شیخ البالسی کا بیان ہے کہ میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ جو علماء آپ کی رفاقت سے الگ ہو گئے تھے جب راستہ میں پہنچے تو تاتاریوں کی ایک جماعت نے ان سب کا مال و متاع چھین لیا۔ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ (۱۴/۷) پر لکھتے ہیں:

''شیخ الاسلام کی گفتگو سے مسلمانوں کو بڑا افائدہ پہنچا اور دمشق میں امن و امان کا فرمان جاری ہو گیا۔امن کا فرمان جاری کرنے کے دوسرے روز تاتاریوں نے مدرسہ قیمر یہ میں ایک دربار منعقد کیا جس کا نام انھوں نے ''دیوان الاستخلاص'' رکھا۔اس میں تاتاریوں نے یہ حکم جاری کیا کہ لوگوں نے جو گھوڑے اور ہتھیار اور مال و متاع چھپا کر رکھا ہوا ہے وہ سب لا کر حاضر کردیں۔سیف الدین قبجق المنصوری جو قبل ازیں تاتاریوں سے جا ملا تھا حاکم شام قرار پایا۔المنصوری نے قلعہ دار کو قلعہ حوالہ کرنے کا حکم جاری کیا مگر اس نے انکار کر دیا اور ⇦⇦⇦

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

بایں ہمہ جب بعض سلاطین نے ان کے خلاف جنگ آزما ہونے کے متعلق مجھ سے فتویٰ چاہا تو میں نے اس کا تفصیلی جواب دیا۔ چنانچہ ہم وہاں پہنچے اور میرے پاس ان کی ایک جماعت حاضر ہوئی۔ ہم نے انکے ساتھ کئی مرتبہ مناظرہ کیا جس کی تفصیلات طوالت کی موجب ہوں گی۔ جب مسلمانوں نے وہ علاقہ فتح کرلیا اور شیعہ ہر طرح سے ان کے قابو میں آگئے تو میں نے شیعہ کو قتل کرنے اور قیدی بنانے سے روکا۔ ہم نے ان کو متفرق مقامات پر بھیج دیا تاکہ وہ ایک

⇦⇦ وہ مدافعت پر ڈٹا رہا۔ ربیع الثانی کے نصف میں تاتاریوں نے اپنے ہم نوا معاونین ارمن دکرج وغیرہ سے مل کر لوٹ مار کا آغاز کیا۔ انھوں نے ''جامع التوبہ'' کو نذر آتش کردیا اور ''الصالحیہ'' کو لوٹ کر اس کے مدارس پر دھاوا بولا اور جو علماء وہاں موجود تھے سب کو تہ تیغ کردیا۔ الصالحیہ کے رہنے والوں میں سے چار سو افراد کو قتل کیا اور چار ہزار کو قیدی بنا لیا۔ جن میں الشیخ ابوعمر کے خاندان کے ستر افراد بھی تھے۔ شیخ ابوعمر امام الموفّق مصنف المغنی والمقنع کے بھائی تھے۔
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ۲۰/ ربیع الثانی کو بروز جمعرات تاتاری سلطان کو نصیحت کرنے اور ظلم و جور سے روکنے کے لیے نکلے مگر اس کے وزیر سعد الدین اور مشیر حکومت مسلمانی نے جو ایک یہودی زادہ تھا۔ شیخ کو اس سے باز رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوٹ مار کا بازار گرم رہا اور تاتاریوں نے دس ہزار سے زیادہ گھوڑے مسلمانوں سے چھین لیے۔ شہریوں پر بھاری ٹیکس لگائے گئے۔ جامع اموی میں قلعہ شکن آلات نصب کردیے تاکہ وہاں سے قلعہ پر پتھر پھینکے جائیں۔ تاتاریوں نے مسجد میں داخل ہوکر اس کے دروازے بند کردیے اور آس پاس کے بازاروں کو لوٹنا شروع کردیا۔ مورخہ ۱۹/ جمادی الاولیٰ کو غازان دمشق میں بولائی کے زیر قیادت ساٹھ ہزار جنگجو چھوڑ کر عراق کے راستہ واپس لوٹ گیا۔
تاتاری قلعہ کو فتح نہ کرسکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب غازان اور اس کا نائب قطلوشاہ وہاں سے چلے گئے تو قلعہ والوں نے مسجد پر حملہ کرکے قلعہ شکن آلات کو توڑ پھوڑ ڈالا اور تاتاریوں کے بعض معاونین کے ساتھ واپس قلعہ میں لوٹ آئے۔ تاتاریوں کے ان احباب و انصار کا سرخیل محمد بن محمد بن احمد بن المرتضیٰ تھا اس کو وہ شریف القمی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ قتل و غارت کا سلسلہ ہنوز جاری تھا۔ علم الدین البیرزالی نے ابن المنجا سے نقل کیا ہے کہ دمشق سے جو مال غازان کے خزانہ میں پہنچا، اس کی تعداد چھتیس لاکھ درہم تھی۔ ٹیکس اور رشوت اس میں شمار نہیں۔ شیخ المشائخ کو اس میں سے چھ لاکھ درہم ملے تھے؛ بدنصیب خواجہ طوسی کے حصہ میں ایک لاکھ درہم آئے۔ بدکاری وشراب نوشی کا دور چلنے لگا۔ سیف الدین قپچق کی یومیہ آمدنی ایک ہزار درہم تھی۔ مدارس کے اوقاف میں سے وہ جو کچھ چھینا کرتا تھا وہ اس پر مزید ہے۔ تاتاری سپہ سالار بولائی کے خیمہ میں بہت سے قیدی تھے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ آغاز رجب میں بولائی کے یہاں گئے۔ اور قیدیوں کو رہا کرنے کے بارے میں اس کے ساتھ بات چیت کی۔ بولائی نے تعمیل ارشاد کردی۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے تین دن وہاں قیام کیا اور پھر واپس لوٹ آئے۔ اسی اثنا میں یہ خبر پہنچی کہ مصری لشکر عازم دمشق ہے۔ چنانچہ بولائی غازان کی فوج کو لے کر دمشق سے چل دیا اور وہاں کوئی حاکم بھی موجود نہ رہا۔ بولائی کے کوچ کی خبر سن کر امیر ارجواش قلعہ سے نکلا اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ ابن تیمیہ کی مدد سے فصیل شہر کی حفاظت کے لیے ایک فوج مرتب کی۔
شیخ الاسلام رحمہ اللہ ہر رات فصیل کے ارد گرد چکر لگاتے۔ اور آیات قرآنیہ تلاوت کرکے لوگوں کو جہاد وقتال اور صبر وشکر کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ سو دن تک خطبہ میں غازان کا نام لیا جاتا تھا۔ اب پھر سے خطبہ میں سلطان مصر کا نام لیا جانے لگا۔
شیخ الاسلام نے شہر میں جو شراب خانے اور قحبہ خانے تھے سب بند کرادیے۔ نائب دمشق جمال الدین اقوش الافرم شامی لشکر سمیت مصر سے واپس لوٹا اس کے بعد باقی لشکر بھی مصر سے دمشق پہنچ گیا۔ یہ عظیم مصیبت وسط شعبان ۶۹۹ھ کو ختم ہوئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جگہ جمع نہ ہو پائیں۔ میں نے اس کتاب میں شیعہ کی ضلالت و جہالت سے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے وہ ان معلومات کے مقابلہ میں مشتے نمونہ ازخروارے کا مصداق ہیں جو میں شیعہ کے متعلق رکھتا ہوں۔ علاوہ ازیں شیعہ میں اور بھی بہت سے نقائص ہیں جن کو میں بھی نہیں جانتا۔

شیعہ کے ساتھ ہمارا طرزِ عمل یہ ہے کہ ہم کتاب ہذا کے مصنف ابن المطہر اور اس کے نظائر و امثال کے سامنے ان کا وہ سلوک پیش کرتے ہیں جو انھوں نے امت کے سلف اور خلف کے ساتھ روا رکھا۔ شیعہ کا یہ کمال کیا کم ہے کہ انھوں نے انبیاء کے بعد کرہ ارضی پر بسنے والوں میں سے افضل الاوّلین والآخرین؛ جنہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی بھلائی کے لیے ہی پیدا کیا تھا؛ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر افتراء پردازی کا بیڑا اٹھایا اور ان کے نیک اعمال کو افعال قبیحہ ثابت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ان پر بڑے بڑے بہتان گھڑے۔ دوسری طرف فرق ہائے ضالہ کے سرخیل یعنی شیعہ کو؛ جو کئی فرقوں میں منقسم ہیں، مثلاً امامیہ، زیدیہ اور غالی شیعہ وغیرہ؛ اس کائنات ارضی کی چیدہ و برگزیدہ مخلوق ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اللہ جانتا ہے کہ جتنے فرقے بھی اسلام کی طرف منسوب ہیں ان میں کوئی فرقہ بھی بدعت و ضلالت کے باوجود شیعہ سے بڑھ کر جاہل، کاذب اور ظالم ہے نہ ہی کفر وفسق اور عصیان سے قریب تر اور ایمانی حقائق سے بعید تر ہے۔

شیعہ پوری امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفیر و تضلیل کرتے ہیں اور اپنے متعلق کہتے ہیں کہ صرف شیعہ ہی حق پر اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ و چنیدہ مخلوق ہیں۔ اور یہ ضلالت پر کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ گویا شیعہ سب بنی نوع انسان سے اعلیٰ و اولیٰ ہیں۔

شیعہ کی مثال یوں ہے جیسے کوئی شخص ایسی جگہ جائے جہاں بہت سی بکریاں ہوں۔ اور بکریوں کے مالک سے کہے کہ مجھے قربانی کے لیے بہترین بکری دو۔ بکریوں کا مالک یوں کرے کہ ایک بدترین لنگڑی لولی بیمار بکری کی جانب اشارہ کرکے کہے کہ یہ سب سے عمدہ بکری ہے۔ اس کے سوا کوئی بکری قربانی کے لائق ہی نہیں۔ جب کہ باقی بکریاں؛ بکریاں ہی نہیں بلکہ واجب القتل خنزیر ہیں۔ پس صرف اسی لولی لنگڑی بکری کی قربانی ہوسکتی ہے۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص نے مومن کو منافق سے بچالیا۔ اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کے گوشت کو جہنم کی آگ سے بچائے گا۔''[1]

یہ روافض یا تو جاہل ہوتے ہیں یا منافق۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ کوئی رافضی یا جہمی منافق نہ ہو یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے جاہل نہ ہو۔ شیعہ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو جانتا اور ان کو مانتا بھی ہو۔ ارشادات نبویہ سے شیعہ کا فرار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء پردازی صرف اسی شخص سے پوشیدہ رہتی ہے جو جہالت

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب۔ باب من رد عن مسلم غیبة(ح:٤٨٨٣)، مسند احمد(٣/ ٤٤١)، بمعناہ۔ ولفظہ:((من حمی مؤمِناً مِن منافِق۔ أراہ قال: بعث الله ملکاً یحمی لحمه یوم القِیامةِ مِن نارِ جهنم، ومن رمی مسلِماً بِشیءٍ یرِید شینه بِهِ حبسه الله علی جِسرِ جهنم حتی یخرج مِما قال۔ والحدِیث فِی: المسندِ ط۔ الحلبِی:٣/ ٤٤١ وضعف الألبانِی الحدِیث فِی ضعِیفِ الجامِعِ الصغِیرِ:٦/ ١٩٣۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور ہوی پرستی میں حد سے تجاوز کر گیا ہو۔ شیعہ مصنفین اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں کہ ان کے اکثر اقوال صریح کذب کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ مگر وہ اپنے اقتدار و اختیار کو باقی رکھنے کے لیے ایسی کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔

ابن المطہر کا دامن بھی اس تہمت سے ملوث ہے۔ مگر اس نے یہ زحمت اپنے اتباع کو متاثر کرنے کے لیے گوارا کی ہے۔ اگر کوئی مصنف جانتا ہو کہ اس کی بات جھوٹ ہے اور اس کے باوجود اسے من جانب اللہ حق قرار دیتا ہو تو وہ علماء یہود کی جنس میں سے ہے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ﴾ (البقرۃ: ۷۹)

''ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جو کتاب تو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں۔ پھر کہتے یہ ہیں کہ یہی اللہ کے ہاں سے ہے۔ تاکہ اس سے تھوڑے سے دام لے سکیں۔ ان کے ہاتھ کی تحریر بھی ان کے لیے بربادی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لیے ہلاکت کا سبب ہے۔''

اور اگر وہ اسے حق سمجھتا ہے تو یہ اس کی جہالت و ضلالت کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ [بقول شاعر:]

''اگر تمہیں اس کا علم ہے تو یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ اور اس کا علم نہیں تو پھر مصیبت اس سے بھی بڑی ہے۔''

[شیعہ میں معتزلی اثرات]

شیعہ کے دین میں عقلیات اور شرعیات ہیں۔ عقلیات میں ان کے متاخرین معتزلہ کے پیروکار ہیں۔ سوائے ان چند لوگوں کو کے جو اپنے تئیں فلسفی بننے کی کوششیں کرتے ہیں۔ پس ان کا کلام یا تو فلسفہ پر مشتمل ہوتا ہے یا پھر اس میں فلسفہ اور اعتزال کی آمیزش ہوتی ہے؛ اور اس کے ساتھ ان کی اپنی رافضیت بھی مل جاتی ہے۔ جیسا کہ اس کتاب'' [منہاج الکرامہ]'' اور اس جیسی دوسری کتابوں کا حال ہے۔ اس وجہ سے شیعہ اللہ اور اس کے رسول اور عوام مسلمین سے سب لوگوں سے دور تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

جب کہ شرعیات میں ان کی بنیاد ان روایات پر ہے جو [ان کے تئیں] اہل بیت سے منقول ہیں۔ جیسے ابو جعفر الباقر؛ اور جعفر بن محمد الصادق اور دوسرے علماء [کی طرف منسوب روایات]۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کے سرداروں اور سرکردہ لوگوں میں سے اور ائمہ دین ہیں۔ اور ان کے اقوال کی بھی وہی عزت و احترام ہے جو ان جیسے دوسرے علماء کے اقوال کا ہے۔ لیکن ان سے جو روایات نقل کی گئی ہیں ان میں سے اکثر جھوٹ پر مشتمل ہیں۔ رافضیوں کو روایات کی اسانید کا کوئی علم و خبر نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی وہ ثقہ اور ضعیف کے درمیان فرق کر سکتے ہیں۔ بلکہ اس معاملہ میں وہ اہل کتاب کے مشابہ ہیں۔ یہ لوگ اپنی کتابوں میں اپنے اسلاف سے منقول جو بھی بات پاتے ہیں' اسے قبول کر لیتے ہیں۔ بخلاف اہل سنت والجماعت کے۔ اہل سنت والجماعت کو اسانید کا علم ہے جس کی بنا پر وہ جھوٹ اور سچ میں تمیز کر سکتے ہیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

جب حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ سے کوئی روایت صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے تو ان کے امثال کا نمونہ و مقتدائی بھی موجود ہے جیسے قاسم بن محمد اور سالم بن عبد اللہ وغیرہ رحمہم اللہ۔ جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا معاملہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ [النساء ۵۹]

''اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ متنازعہ فیہ امور کو فیصلہ کے لیے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے۔

رافضی قرآن مجید کو حفظ کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ اور نہ ہی اس کے معانی اور تفسیر کو جانتے ہیں۔ اور نہ ہی اس کے معانی و مفاہیم سے استدلال کرنے کا طریقہ جانتے ہیں۔ ایسے ہی یہ لوگ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کوئی اہتمام نہیں کرتے۔ اور نہ ہی انہیں صحیح اور ضعیف حدیث کی کوئی معرفت ہوتی ہے۔ احادیث کے معانی و مفاہیم سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ آثار صحابہ و تابعین کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا کہ ان کے مسلک اور ماخذ کا پتہ چل سکے؛ اور اختلاف کے وقت آیات قرآنیہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کے لیے پیش کیا جائے۔ بلکہ ان کا سارا سرمایہ وہ روایات ہیں جنہیں اہل بیت کی طرف منسوب کر کے نقل کیا جاتا ہے۔

اثبات شریعت میں شیعہ کے اصول:

اس بارے میں شیعہ کے تین بنیادی اصول ہیں:

۱۔ ائمہ میں سے ہر ایک امام معصوم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت پر ہے۔ امام معصوم حق کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے' اس میں اس کی مخالفت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اور جس معاملہ میں کوئی دوسرا امام کے ساتھ اختلاف کرے تو اسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی نہیں لوٹایا جائے گا۔

۲۔ ائمہ میں سے کوئی ایک جو بھی بات کہتا ہے؛ اس کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ کہنا چاہتا ہے: جو میں کہتا ہوں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر رہا ہوں۔ افسوس کہ اگر یہ لوگ اس بارے میں تابعین جیسے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی مراسیل پر ہی انحصار کر لیتے۔ بلکہ وہ ان لوگوں کی روایات لیتے ہیں جو بہت متأخر ہیں جیسے حسن عسکری کے ماننے والے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان ائمہ میں سے جو کوئی بھی کوئی بات کہتا ہے؛ حقیقت میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ ہوتی ہے۔

جس انسان کو ادنی سی بھی عقل ہو؛ وہ جانتا ہے کہ عسکریین کی وہی اہمیت ہے جو اس دور کے باقی ہاشمیوں کی ہے۔ ان کے پاس کوئی ایسا علم نہیں ہے جس کی وجہ سے باقی لوگوں سے امتیازی حیثیت رکھتے ہوں۔ اور باقی اہل علم اس کے محتاج ہوں۔ اور نہ ہی اہل علم ان سے کوئی روایت نقل کیا کرتے تھے جیسا کہ وہ اپنے دور کے باقی علماء سے نقل کرتے رہتے تھے۔ یا پھر جیسے حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ اور ان کے بیٹے ابو جعفر اور پوتے محمد بن جعفر کے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

زمانے میں اہل علم تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل علم نے ان تینوں حضرات سے علم حاصل کیا ہے؛ ان سے اوران جیسے دوسرے علماء سے روایات نقل کی ہیں۔ بخلاف عسکریین اوران کی امثال کے۔ اس لیے کہ معروف اہل علم نے ان سے علم حاصل نہیں کیا؛ [اور نہ ہی ان سے کوئی معروف روایت نقل کی گئی ہے]۔ مگر پھر بھی یہ چاہتے ہیں کہ ان متاخرین ائمہ میں سے کسی ایک نے جو کوئی بات کہی ہے اسے وہ قول رسول اللہ ﷺ کا درجہ دے دیں۔ اور قرآن اور سنت متواترہ کی منزلت پر رکھیں۔ ایسی باتوں پر اپنے دین کی بنیاد وہی قائم کرسکتا ہے جو لوگوں میں اہل علم و ایمان کے طریقہ سے سب سے زیادہ دور ہو۔

۳۔ ان کا تیسرا اصول یہ ہے کہ: رافضیوں کا اجماع اہل بیت کا اجماع تصور کیا جاتا ہے۔ اور اہل بیت کے اجماع کو معصوم مانتے ہیں۔

[روافض کے ہاں حجیت اجماع کے مقدمات]

[اس سلسلہ میں دو مقدمات ہیں:] پہلا مقدمہ [یعنی رافضی اجماع اہل بیت کا اجماع ہے] یقیناً باطل اور جھوٹ ہے۔ دوسرے مقدمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پس وہ اقوال جن میں سچ بھی ہے اور جھوٹ بھی' رافضیوں کے ہاں وہ قرآن وسنت اور اجماع امت کی منزلت پر ہیں۔

❀ جو بھی عقل مند انسان دین اسلام کو جانتا ہے' اس پر اس تصور کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ یہ لوگ نمکین کھانے میں کڑوی اور درشت چیزوں کو ملاوٹ کرنا چاہتے ہیں۔ خصوصاً وہ لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں جو اہل علم و تجربہ ہیں۔ خاص طور پر وہ محدثین اس حقیقت سے آگاہ ہیں جن کے حقیقی امام ؛ امام معصوم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی احادیث موجود ہیں۔ وہ رسول جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی وحی کے بغیر اپنی مرضی سے بات تک نہیں کرتے۔

یہ سبھی جانتے ہیں کہ رافضی اپنے ائمہ کو ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی جانب مبعوث کیا گیا رسول قرار دیتے ہیں؛ اور انہی سے اپنا دین اخذ کرتے ہیں ۔ جسے ان کا امام حلال کہہ دے اسے حلال' اور جسے حرام کہہ دے اسے حرام سمجھتے ہیں۔ دین وہی ہے جو امام نے مشروع کیا ہو۔ اور ہر وہ قول جو امام کے قول کے مخالف ہو وہ ان کے ہاں مردود ہے۔ بھلے اس قول کا قائل مسلمانوں کے بہترین علماء میں سے ہو؛ اوران سب سے زیادہ جاننے والا ہو۔ وہ اپنے اجتہاد پر ماجور بھی ہو۔

[حق اہل سنت سے باہر نہیں]

لیکن [اس کے برعکس اہل سنت والجماعت] قول اللہ اور قول رسول سے کبھی بھی اعراض نہیں کرتے ؛ اور نہ ہی [قول رسول کو چھوڑ کر] کسی غیر کے قول یا کسی کی رائے کی ان کے ہاں کوئی اہمیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے سوا جتنے بھی اہل علم ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ پیغام ہم تک پہنچانے میں واسطہ و وسیلہ ہیں۔ یا تو وہ براہ راست وہی الفاظ نقل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوں' یا پھر بالمعنی روایت کرتے ہیں۔[مگر ہر صورت میں وہ تبلیغ رسالت کا ہی کام کرتے ہیں]۔ایک جماعت نے قرآن و حدیث کو جیسے سنا ویسے ہی آنے والوں تک پہنچا دیا' اور ایک جماعت نے احادیث رسول اللہ ﷺ میں غور و فکر کیا؛ اس کا تفقہ وتدبر حاصل کیا' معانی کی معرفت حاصل کی۔اور جس چیز میں ان کا اختلاف ہوا اسے فیصلہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر پیش کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کبھی بھی حدیث رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی قول پر جمع نہیں ہوئے۔اور حق کبھی بھی ان سے خارج نہیں ہوا۔ ہر وہ چیز جس پر ان کا اجماع ہوا ہو' وہ وہی ہو سکتی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو۔

ہر وہ فرقہ جس نے اہل سنت والجماعت کی مخالفت کی ہو' خواہ وہ خارجی ہوں یا رافضی؛ معتزلی ہو یا جہمی یا کوئی دوسرا اہل بدعت؛ حقیقت میں وہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کر رہا ہوتا ہے۔ بلکہ جو کوئی ثابت شدہ عملی امور شریعت میں ان کی مخالفت کرتا ہے؛ تو حقیقت میں وہ رسول اللہ ﷺ کی ثابت شدہ سنت کا منکر ہے۔اور ان میں سے ہر ایک فرقہ جو ایک مسئلہ میں دوسرے فرقہ مخالف ہو؛ وہ کسی مسئلہ میں ان کا موافق بھی ہوتا ہے۔پس ھواء پرست فرقے؛ اہل سنت والجماعت کے ساتھ اسی منزلت پر ہیں جیسے مسلمان دوسری تمام ملتوں کے ساتھ۔اس لیے کہ اہل سنت اسلام میں ایسے ہی ہیں جیسے باقی تمام ملتوں میں اسلام۔ یہ موضوع اپنی جگہ پر تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

[اجماع صحابہ کی موجودگی میں کسی بھی دیگر اجماع سے بے نیازی]

[سوال] اور اگر یہ کہا جائے کہ: حق اہلحدیث [محدثین کرام رحمہم اللہ] سے باہر نہیں ہو سکتا؛ تو پھر اصول فقہ میں یہ کیوں نہیں ذکر کیا گیا کہ ان کا اجماع حجت ہے۔جب کہ اس سلسلہ میں اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے۔جیسے اہل بیت اور اہل مدینہ کا اجماع بھی ذکر کیا گیا ہے۔

[جواب] اس کا جواب یہ ہے کہ: اہل حدیث کا اتفاق صرف اس چیز پر ہی ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے؛ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہو؛ تو اس صورت میں ان کا استدلال کتاب و سنت اور اجماع صحابہ سے ہوگا؛ جو کہ دیگر ہر اس اجماع کے دعوی سے بے نیاز کر دیتا ہے جس کے حجت ہونے کے بارے میں لوگوں کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔یہ ان کے خلاف ہے جو متاخرین اہل مدینہ کے اجماع کے حجت ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اجماع ایسے مسائل میں ذکر کیا جاتا ہے جن کے بارے میں کوئی نص موجود نہیں ہوتی؛ بلکہ نص اس کے خلاف ہوتی ہے۔

* یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جو اجماع اہل بیت/عترت کے حجت ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔یہ ایسے مسائل میں ہوتا ہے جن میں کوئی نص موجود نہ ہو۔ بلکہ نص اس کے خلاف ہوتی ہے۔اسی لیے ان لوگوں کو اس اجماع کا دعوی کرنے کی ضرورت پیش آئے جسے یہ لوگ حجت خیال کرتے ہیں۔
* جہاں تک اہل حدیث کا تعلق ہے؛ تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نصوص ہی ان کے ہاں اصل بنیاد ہیں۔اور جب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کا اجماع ہوتا ہے تو ان نصوص پر ہی ہوتا ہے۔خصوصاً ان کے ائمہ کہتے ہیں: کبھی بھی صحیح اجماع کسی نص کے خلاف نہیں ہوسکتا؛ مگر اس اجماع کے ساتھ ایک ظاہر اور معلوم شدہ نص موجود ہوتی ہے۔جس کا پتہ چلتا ہے کہ یہ نص دوسری نص سے ٹکراتی ہے۔پس جب یہ لوگ اس بات کی اجازت نہیں دیتے اجماع امت نصوص شریعت سے ٹکرائے۔کیونکہ ان کے نزدیک نصوص سے ٹکرانے والا اجماع باطل ہوتا ہے۔تو پھر جب ان نصوص سے وہ اجماع ٹکرائے جسے اجماع اہل مدینہ یا اجماع اہل بیت کہتے ہیں؛ تو کیا عالم ہوگا؟

* اہل سنت والجماعت اور اہل حدیث کے علاوہ جتنے بھی فرقے ہیں؛ وہ کسی ایک بھی صحیح قول میں ائمہ حدیث سے منفرد نہیں ہوسکتے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کے پاس دین اسلام میں سے کچھ حق موجود ہو۔اسی سبب شبہ پیدا ہوتا ہے۔ورنہ اگر کوئی چیز محض باطل ہو تو پھر کسی ایک کو کوئی شبہ پیدا نہ ہو۔اسی لیے اہل بدعت کو اہل شبہات بھی کہتے ہیں۔ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ حق اور باطل کو آپس میں ملا دیتے ہیں۔

[اہل کتاب کے پاس حق اور باطل]:

یہی حال تمام اہل کتاب کا بھی ہے۔ان کے ساتھ حق بھی ہوتا ہے اور باطل بھی۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[البقرۃ ۴۲]

''اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور نہ حق کو چھپاؤ، جب کہ تم جانتے ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾[البقرۃ ۸۵]

''، پھر کیا تم کتاب کے بعض پر ایمان لاتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟۔''

اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾

[النساء ۱۵۰]

''اور کہتے ہیں ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راستہ اختیار کریں۔''

اور مزید ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ﴾[البقرۃ ۹۱]

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس پر ایمان لاؤ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو اس کے علاوہ ہے اسے وہ نہیں مانتے، حالانکہ وہی حق ہے، اس کی تصدیق

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کرنے والا ہے جو ان کے پاس ہے۔''

اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے بدعات ایجاد کرکے انہیں رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات کے ساتھ ملا دیا۔اور دین میں دھڑا بندی کرکے گروہ گروہ بن گئے۔تو ان میں سے ہر ایک گروہ کے پاس کچھ نہ کچھ حق اور اس کے ساتھ باطل بھی تھا۔جس حق سے وہ اپنے مخالف دوسرے فرقوں کی تکذیب کرتے ؛ اور اپنے پاس موجود باطل کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔

تمام اہل بدعت فرقوں کا یہی حال ہے۔ان کے پاس حق بھی ہے اور باطل بھی۔اور انہوں نے دین میں دھڑا بندی کرکے گروہ گروہ بنا لیے ہیں۔تو ان میں سے ہر ایک گروہ اپنے پاس موجود حق کے ساتھ اپنے مخالف دوسرے فرقوں کی تکذیب کرتا ہے؛ اور اپنے پاس موجود باطل کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔جیسے خوارج اور شیعہ۔خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ثابت شدہ فضائل کا انکار کرتے ہیں۔اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل میں جو کچھ روایت کیا جائے؛ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔اور اپنی ایجاد کردہ بدعت تکفیر علی رضی اللہ عنہ ؛ اور آپ کے چاہنے والوں اور محبین کی تکفیر کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اور شیعہ/ روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں وارد ہر قسم کی روایت کی تصدیق کرتے ہیں؛ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل کا انکار کرتے ہیں۔اور جو کچھ انہوں نے حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کی تکفیر اور ان پر طعن کی بدعت ایجاد کرلی ہے؛ اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

[دین اسلام کا توسط]

دین اسلام ان دونوں متجاذب اطراف کے مابین وسط اور میانہ منہج رکھتا ہے۔پس مسلمان توحید کے مسئلہ میں یہود و نصاری کے مابین وسط ہیں۔یہودی رب سبحانہ و تعالیٰ کو نقص کی ان صفات سے موصوف کرتے ہیں جو مخلوق کے ساتھ خاص ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں۔جیسا کہ وہ رب سبحانہ و تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں: وہ بخیل ہے؛ فقیر ہے؛ اور جب اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تو تھک گیا تھا۔جب کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ وہ جواد اور سخی ہیں؛ جو کبھی بخل نہیں کرتے اور وہ بے نیاز اور غنی ہیں جو کبھی کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔اور وہ قادر مطلق ہیں جنہیں کبھی تھکاوٹ نہیں ہوتی۔قدرت اور ارادہ اور دوسروں سے بے نیازی وہ صفات ہیں جو دیگر تمام صفات کمال کو مستلزم ہیں۔

نصاری مخلوق کی بھی وہ صفات بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔وہ مخلوق کو خالق سے تشبیہ دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں: بیشک اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم ہی ہیں۔اور اللہ تعالیٰ تین اقانیم میں سے تیسرے ہیں اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [التوبة ۳۱]

''انھوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ ایک معبود کی عبادت کریں، کوئی معبود نہیں مگر وہی، وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔‘‘

جب کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرتے ہیں؛ اور اسے صفات کمال سے موصوف کرتے ہیں۔ اور اسے تمام صفات نقص سے منزہ و پاک قرار دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس چیز سے بھی منزہ و پاک قرار دیتے ہیں کہ اس کی صفات میں سے کسی ایک صفت میں مخلوقات میں سے کوئی مخلوق کچھ بھی مماثلت یا مشابہت رکھتی ہو۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کو صفات کمال سے موصوف بتاتے ہیں؛ صفات نقص سے نہیں۔ اس کے مماثل کوئی بھی نہیں؛ نہ ہی ذات میں نہ ہی صفات میں اور نہ ہی افعال میں۔

ایسے ہی نبوات میں بھی ہے۔ یہودیوں نے بعض انبیائے کرام علیہم السلام کو قتل تک کر دیا۔ اور ان کی اتباع سے تکبر کرنے لگے۔ اور انہیں جھٹلاتے اور ان پر کبیرہ گناہوں کی تہمتیں لگاتے۔ جب کہ نصاری غیر انبیاء کو بھی انبیاء و مرسلین کا مقام دیتے۔ جیسا کہ حواریوں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ بھی رسول تھے۔ اور اپنے علماء اور درویشوں کی اطاعت ایسے کرتے ہیں جیسے انبیائے کرام علیہم السلام کی اطاعت کی جاتی ہے۔ پس نصاری باطل کی تصدیق کرتے ہیں؛ اور یہود حق کو بھی جھٹلاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اہل کلام مبتدعین میں یہود کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور اہل تعبد/عباد مبتدعین میں نصاری کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ ان یہود کا آخری انجام شکوک و شبہات ہیں جب کہ نصاری کا انجام حق سے دوری اور جھوٹے دعوے ہیں۔ یہودیوں نے حق بات کو جھٹلایا تو شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے۔ اور ان لوگوں نے باطل کی تصدیق کی تو حق سے دور ہو گئے۔ [اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:]

﴿اَوْ کَظُلُمَاتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ [النور ۴۰]

’’یا ان اندھیروں کی طرح جو گہرے سمندر میں ہوں، جسے موج ڈھانپ رہی ہو، جس کے اوپر ایک اور موج ہو، جس کے اوپر ایک بادل ہو، کئی اندھیرے ہوں، جن میں سے بعض بعض کے اوپر ہوں۔‘‘

[اور اللہ تعالیٰ ان کی مثال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:]

﴿[وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ] کَسَرَابٍ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً یَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا﴾ [النور ۳۹]

’’[اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، ان کے اعمال] کسی چٹیل میدان میں ایک سراب کی طرح ہیں، جسے پیاسا پانی خیال کرتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا۔‘‘

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

[اہل سنت والجماعت کا توسط]

اہل علم وکلام بدعتی اپنی بدعات کے مطابق علم طلب کرتے ہیں۔ وہ مشروع علم کی اتباع نہیں کرتے تاکہ اس پر عمل کریں۔ پس اس کے نتیجہ میں وہ شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں جو کہ علم کے منافی ہیں۔ حالانکہ انہیں پہلے مشروع کا علم تھا۔لیکن جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کردیا؛ اور یہ لوگ مغضوب علیہم [غضب زدہ قوم] بن گئے۔

عبادت گزار اہل بدعت اللہ تعالیٰ کی قربت ان چیزوں سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو بدعات عبادت میں انہوں نے خود ایجاد کرلی ہیں۔اس کے نتیجہ میں وہ اللہ تعالیٰ سے دور تر ہی ہوتے گئے۔ بیشک جب بھی کوئی بدعتی جتنی زیادہ عبادت و ریاضت کرتا جاتا ہے؛ وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی دور ہوتا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری لعنت ہی ہوتی ہے؛اور یہ نصاریٰ کا آخری انجام کار ہے۔

جہاں تک شرائع کی بات ہے ؛ تو یہود خالق پر پابندی لگاتے ہیں کہ وہ نئے رسول کو نئی شریعت کے ساتھ مبعوث کردے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں کہ ایک مقرر شدہ شریعت کو منسوخ کردے۔جبکہ نصاریٰ اپنے علماء اور درویشوں کے لیے بھی جائز ٹھہراتے ہیں کہ وہ اس شریعت کو منسوخ کردیں جسے دیکر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مبعوث فرمائے تھے۔یہودی خالق کو عاجز بناتے ہیں۔اور اسے اس چیز سے منع کرتے ہیں جو شرائع اور نبوات میں اس کی حکمت اور قدرت کا تقاضا ہے۔جب کہ نصاریٰ مخلوق کے لیے بھی اللہ تعالیٰ خالق و مالک کی شریعت میں تبدیلی کو جائز کہتے ہیں پس اس طرح وہ مخلوق کو خالق کے برابر قرار دیتے ہیں۔

یہی حال عبادات کا بھی ہے۔نصاریٰ اللہ تعالیٰ کی عبادت ان ایجاد کردہ بدعات کے مطابق کرتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ جب کہ یہود عبادت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔حتی کہ ہفتہ کے دن ؛جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں عبادت کے لیے فراغت اختیار کرنے کا حکم دیا تھا؛ وہ اس دن میں اپنی شہوات میں مشغول رہتے ہیں۔پس نصاریٰ اسکے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں؛اور یہود اس کی عبادت سے تکبر کرتے ہیں۔

مسلمان صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی شریعت کے مطابق کرتے ہیں۔ بدعات سے اس کی عبادت نہیں کرتے۔ یہ وہ دین اسلام ہے جسے دیکر اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرلے؛کسی اور کے سامنے نہیں۔یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین حنیف ہے۔جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ کسی اور کے سامنے بھی سر تسلیم خم کرتا ہے تو وہ مشرک ہے۔اور جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی اپنی گردن نہیں جھکاتا وہ مستکبر [تکبر کرنے والا] ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء ۴۸]

’’بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے،

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

جسے چاہے گا۔‘‘

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ﴾ [غافر ۶۰]

’’بیشک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔‘‘

یہی صورت حال طعام اور لباس میں حلال و حرام کی ہے؛ اور جو کچھ نجاسات اس میں آتی ہیں۔ نصاریٰ ان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرائی ہیں۔ اور گندی حرام چیزوں کو حلال کہتے ہیں؛ جیسے مردار؛ بہتا ہوا خون؛ اور خنزیر کا گوشت۔ حتی کہ وہ گندی چیزوں سے؛ جیسے بول و براز سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور جنابت کا غسل نہیں کرتے۔ اور نماز کے لیے طہارت حاصل نہیں کرتے۔ اور کوئی راہب ان کے نزدیک طہارت سے جتنا دور اور نجاست میں جتنا زیادہ لت پت ہوگا؛ وہ ان کے ہاں اتنا ہی معظم اور قابل عزت و احترام ہوگا۔

یہودیوں پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دی گئیں جو ان کے لیے اصل میں حلال تھیں؛ پس وہ ان پاکیزہ چیزوں کو بھی حرام کہتے ہیں جن میں لوگوں کے لیے فائدہ ہے۔ وہ نجاسات کے ساتھ ساتھ پاکیزہ چیزوں سے بھی گریز کرتے ہیں۔ پس وہ حیض والی عوت کے ساتھ نہ ہی اٹھتے بیٹھتے ہیں اور نہ ہی اس کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ پس وہ قید اور زنجیروں میں جکڑے ہیں جن کی وجہ سے وہ مبتلائے عذاب ہیں۔

جب کہ وہ دوسرے [یعنی عیسائی] ضرر رساں اور گندی چیزیں بھی تناول کر لیتے ہیں؛ حالانکہ ان کے پادری اور درویش ان پر پاکیزہ چیزوں کو بھی حرام قرار دیتے ہیں۔ ایسے ہی وہ نجاسات میں لت پت رہتے ہیں۔ اور پاکیزہ و نفع بخش چیزوں کو حرام کہتے ہیں؛ حالانکہ یہ خود لوگوں میں سب سے گندے دل والے اور باطن کے سب سے برے/خراب ہوتے ہیں۔

ظاہری طہارت سے اصل مقصود دل کی طہارت ہوتی ہے؛ مگر ان لوگوں کا ظاہر تو اجلا ہوتا ہے؛ مگر ان کے دل بڑے پلید اور ناپاک ہوتے ہیں۔

ایسے ہی اہل سنت والجماعت تمام امور میں متوسط ہیں۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی خوارج اور روافض کے درمیان متوسط لوگ ہیں۔ اور ایسے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی مروانیہ اور زیدیہ کے مابین متوسط ہیں۔ ان کا یہی منہج سارے صحابہ کرام کے بارے میں ہے؛ وہ ان کی شان میں غلو کرنے والوں اور ان پر طعنہ زنی کرنے والوں کے درمیان میں متوسط لوگ ہیں۔ وعید کے متعلق خوارج و معتزلہ اور مرجئہ کے درمیان ہیں۔ اور قدر کے مسئلہ میں قدریہ معتزلہ اور قدریہ مجبرہ جہمیہ کے مابین متوسط ہیں۔ ایسے ہی صفات الٰہی کے باب میں معطلہ اور ممثلہ کے مابین متوسط ہیں۔

یہاں پر مقصود یہ ہے کہ آثار رسول اللہ ﷺ کے متبعین؛ اہل سنت و اہل حدیث کے سوا جتنے بھی فرقے ہیں؛ وہ باقی تمام امت سے صرف ان اقوال میں منفرد ہیں جو کہ فاسد اقوال ہیں۔ ان میں کوئی بھی انفرادی قول ہرگز ایسا نہیں ہے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جو صحیح ہو۔ اور ہر وہ فرقہ جو سنت سے جتنا دور ہوگا؛ وہ انفرادی اور باطل اقوال و افعال میں اسی قدر آگے بڑھا ہوا ہوگا۔

اسلام کی طرف منسوب فرقوں میں سے کوئی بھی فرقہ ایسا نہیں ہے جو رافضیوں سے بڑھ کر حدیث رسول اللہ ﷺ سے دور ہو۔

فصل:......رافضی یہودی مشابہت

اس لیے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ جن اقوال میں ان لوگوں نے اہل سنت والجماعت سے علیحدگی اختیار کی ہے' ان میں انتہائی فساد کا شکار ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر:

۱۔ یہودیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مغرب کی نماز میں اتنی تاخیر کرتے ہیں یہاں تک کہ ستارہ طلوع ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ نماز مغرب جلدی پڑھنے کی تاکید منقول ہے۔

۲۔ ایسے رافضی لوگوں سے دو روز پہلے روزہ رکھتے ہیں۔ اور دو دن پہلے افطار کرتے ہیں۔ اس میں ان اہل بدعت کی پیروی کرتے ہیں جو جوڑ کے دن کا روزہ رکھتے ہیں اور گنتی کے حساب سے روزے پورے کرتے ہیں۔ صحیحین میں نبی کریم ﷺ سے روایت ہے؛ آپ نے فرمایا:

''ہم لوگ ان پڑھ قوم ہیں لکھنا پڑھنا اور حساب کرنا نہیں جانتے: جب تم چاند کو دیکھو تو روزہ رکھ لو' اور جب چاند دیکھو تو افطار کرلو؛ اور اگر تم پر بادل چھا جائیں تو تیس کی گنتی پوری کرلو۔''

اور ایک روایت میں ہے: ''پس پھر تم اس کی تعداد مکمل کرلو۔'' [1]

۳۔ ان میں سے بعض روافض یہودیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مچھلی [کی ایک خاص قسم مرماہی] کو حرام کہتے ہیں۔ اور بعض دوسری پاکیزہ چیزوں کو بھی حرام کہتے ہیں۔ بعض مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں کافروں کی مدد کرتے ہیں۔ اور کفار کو مسلمانوں کا قتل عام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اسلامی فرقوں میں سے کسی دیگر کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کوئی فرقہ ایسی حرکتیں کرتا ہو۔

۴۔ نیز جن مائع چیزوں کو اہل سنت والجماعت کے ہاتھ لگ جائیں انہیں نجس سمجھتے ہیں۔ یہ بالکل سامریوں کے دین کی جنس سے ہے۔ سامری یہودیوں کے رافضی ہیں۔ یہودیوں میں ان کا وہی مقام ہے جو مسلمانوں میں رافضیوں کا

---

[1] البخاري:٣/ ٢٧؛ كتاب الصوم، باب قول النبي ﷺ: ((لا نكتب ولا نحسب ...... ، والحديث في: مسلم:٢/ ٧٦١؛ كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، سنن أبي داود:٢/ ٣٩٨؛ كتاب الصوم، باب الشهر يكون تسعا وعشرين، المسند ط-المعارف الأرقام:٥٠١٧ ، ٥١٣٧ ، ٥٥٣٦ ، ٦٠٤١ ، وجمع ابن تيمية في كلامه بين هذا الحديث وحديث آخر عن ابن عمر نصه في: مسلم:٢/ ٧٥٩؛ مع اختلاف في الألفاظ والروايات، الشهر تسع وعشرون، فإذا رأيتم الهلال فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا، فإن غم عليكم فاقدروا له۔ وهو في البخاري عن ابن عمر:٣/ ٢٦ ، ٢٧كتاب الصوم، باب قول النبي ﷺ: إذا رأيتم الهلال فصوموا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ رافضی کئی ایک امور میں سامریوں کے مشابہ ہیں۔[مثال کے طور پر]:

۵۔ سامری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت ہارون اور حضرت یوشع علیہما السلام کے علاوہ کسی نبی کو نہیں مانتے۔ ایسے ہی رافضی بھی خلفاء اور صحابہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کی امامت یا فضیلت کے قائل نہیں۔

۶۔ سامری ان مائع چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں انکے علاوہ کسی اور کے ہاتھ لگے ہوں۔ رافضی بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔

۷۔ سامری اپنے علاوہ کسی کے ہاتھ کا ذبیحہ نہیں کھاتے۔ رافضی بھی ایسے ہی کرتے ہیں؛ یہ لوگ اہل کتاب کے ذبیحہ کو حرام کہتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر لوگ جمہور مسلمین کے ذبیحہ کو حرام کہتے ہیں۔ اس لیے کہ جمہور مسلمین ان کے ہاں مرتد ہیں۔ اور مرتد کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔

۸۔ سامریوں میں بھی تکبر' رعونت ؛ حماقت اور جھوٹے دعوے پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود قلت اور ذلت کا شکار ہیں۔ رافضیوں کا بھی یہی حال ہے۔

۹۔ رافضی پانچ نمازوں کو تین بنا کر پڑھتے ہیں۔ رافضی ہمیشہ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھتے ہیں۔ یہ مسلک رافضیوں کے علاوہ امت کے کسی اور فرقے نے اختیار نہیں کیا۔ یہ یہودیوں کے دین سے مشابہت ہے جن کے ہاں صرف تین ہی نمازیں پائی جاتی ہیں۔

۱۰۔ ان کے غالی عبادت گزار اپنے اصحاب پر چاشت ؛ وتر اور قیام اللیل کو بھی واجب کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے ہاں روزانہ کی سات نمازیں ہوجاتی ہیں۔ یہ عیسائیوں کا دین ہے۔

۱۱۔ رافضی نماز باجماعت اور جمعہ کا اہتمام نہیں کرتے۔ نہ ہی اپنے شیعہ کے پیچھے اور نہ ہی کسی دوسرے کے پیچھے؛[کسی بھی طرح] نماز باجماعت نہیں پڑھتے۔ یہ بات باقی کسی فرقہ میں اتنی زیادہ نہیں پائی جاتی جتنی شیعہ میں پائی جاتی ہے۔ باقی سارے فرقے اپنے ہم مسلک لوگوں کے پیچھے نماز باجماعت اور جمعہ پڑھ لیتے ہیں۔ جیسا کہ معتزلہ اور خوارج۔ جب کہ شیعہ رافضی تو کسی طرح بھی ان چیزوں کا اہتمام ہی نہیں کرتا۔ یہ بدنصیبی صرف رافضیوں کے حصہ میں آئی ہے۔

۱۲۔ رافضی نماز میں آمین نہیں کہتے۔ امت کے کسی دوسرے فرقہ میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ یہ اصل میں یہودیوں کا دین ہے۔ یہودی آمین کہنے پر اہل ایمان سے حسد کرتے ہیں۔

۱۳۔ بعض لوگوں نے بعض رافضیوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ اونٹ کے گوشت کو حرام کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہوئی تھیں۔ یہ بھی ایک کھلا ہوا کفر ہے؛ جو کہ اصل میں یہود کا دین ہے۔

۱۴۔ ان کے بہت سارے عوام کہتے ہیں کہ: عورت کی رضامندی کے بغیر طلاق نہیں ہوتی۔ جب کہ ان کے علماء اس کا انکار کرتے ہیں' ان کے علاوہ کسی ایک نے بھی یہ بات نہیں کہی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۵۔ رافضی کہتے ہیں: امام منتظر پر ایمان لانا واجب ہے۔ امام منتظر موجود ہے' مگر غائب ہے۔ نہ ہی اس کی ذات کا کوئی پتہ ہے اور نہ ہی اس کی کوئی نشانی پائی جاتی ہے' اور نہ ہی حس اور خبر سے اس کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکا۔ مگر ان کے ہاں امام منتظر پر ایمان لائے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔

۱۶۔ شیعہ کہتے ہیں: دین کے چار اصول ہیں: توحید؛ عدل؛ نبوت اور امامت۔ اور ان کے ہاں امامت کی انتہاء امام معصوم پر ہوتی ہے جو کہ آنکھوں سے غائب ہے۔ لیکن شہروں میں موجود ہے۔ وہ دینار کو سمندر کی گہرائیوں سے نکال لائے گا۔ یہ امام سن دو سو ساٹھ ہجری میں سرداب سامرا میں چھپ گیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر دو سال' یا تین سال' یا پانچ سال تھی یا اس کے قریب قریب تھی۔ پھر اس وقت سے لے کر اب تک اس کی کوئی خبر معلوم نہیں ہوسکی۔ لوگوں کا دین اس کو تفویض کیا گیا ہے۔ پس حلال وہی ہے جسے وہ امام حلال کہہ دے اور حرام وہی ہے جسے امام حرام کردے۔ اور دین وہی ہے جو اس امام کی مقرر کردہ شریعت ہو۔ اس امام سے اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکا۔

۱۷۔ ایسے رافضی ان لوگوں کے نام پر نام رکھنا بھی ناپسند کرتے ہیں جن سے یہ بغض رکھتے ہوں؛ اور ان اسماء والوں سے محبت رکھتے ہیں جن کے نام ان لوگوں کے نام پر ہوں جن سے محبت رکھتے ہیں۔ اس کا خیال نہیں کرتے کہ یہ مسمیٰ کون ہے؟

۱۸۔ رافضی کوئی کام دس کی تعداد میں کرنے کو؛ اور دس کی تعداد بولنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ عشرہ مبشرہ کی تعداد دس ہے۔

۱۹۔ جن لوگوں سے رافضی بغض رکھتے ہیں' جیسے عمر و عائشہ؛ ان سے تشفی اس طرح حاصل کرتے ہیں لال رنگ کی بھیڑ یا دُنبی کو پکڑ کر عذاب دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں: یہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔ اور ایسے ہی سانڈھ کو پکڑ کر مار پیٹ کرتے ہیں اور اسے عمر رضی اللہ عنہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ حماقت رافضیوں کے علاوہ کسی دوسرے فرقہ کے نصیب میں نہیں آئی۔

۲۰۔ ایسے ہی ماتم اور گریہ زاری کی مجالس قائم کرتے ہیں؛ اپنے گال پیٹتے ہیں اور گریبان پھاڑتے اور خاک اڑاتے ہیں۔ اور نمکین چیزیں کھاتے ہیں تاکہ پیاس لگے؛ جب پیاس لگ جائے تو پھر پانی نہیں پیتے؛ تاکہ مظلومیت کی حالت میں پیاسے قتل ہونے والوں کی مشابہت اختیار کریں۔ کسی کے قتل ہونے کے پانچ سو [اب ساڑھے تیرہ سو] سال بعد بھی ماتم اور گریہ وزاری کرنا یہ صرف رافضی نصیب میں آئی ہے۔ کسی اور کے بارے میں ایسی کوئی خبر نہیں مل سکی۔

رافضیوں کی اچھوتی باتیں جو کہ ان کی جہالت وگمراہی پر دلالت کرتی ہیں؛ بہت زیادہ ہیں۔ یہاں پر یہ امور ذکر کرنا ہمارا مقصد نہیں۔ ہمارا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اہل سنت والجماعت جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی پیروی کرنے والے ہیں؛ ان سے جتنے بھی فرقوں نے اختلاف کیا ہے' رافضی ان سب سے دو قدم آگے جارہے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

[مختلف اسلامی فرقوں کا انفراد]

[وہ عقائد جن میں اسلام کی طرف منسوب فرقے اہل کلام؛ اہل سنت سے جداگانہ نظریات رکھتے ہیں]

خوارج اور معتزلہ اور جھمیہ وہ اہل سنت والجماعت سے کسی حق مسئلہ میں منفرد نہیں ہوتے؛ بلکہ ان کے پاس جتنا بھی حق موجود ہے؛ اہل سنت والجماعت میں کسی نہ کسی نے اس کا ضرور کہا ہوتا ہے۔لیکن یہ لوگ قلتِ عقل اور کثرتِ جہالت کے باوجود اس مقام تک نہیں پہنچے جہاں تک رافضی پہنچے ہیں۔

ایسے ہی اہل کلام اور اہل رائے میں سے جو مختلف فرقے اپنے آپ کو اہل سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ مثلاً کلابیہ؛ اشعریہ؛ کرامیہ؛ سالمیہ؛ اور جیسے فقہی گروہ؛ حنفیہ؛ مالکیہ ؛سفانیہ؛ اوزاعیہ؛ شافعیہ؛ حنبلیہ؛ اور داؤدیہ اور ان کے علاوہ دیگر فرقے۔ اہل سنت والجماعت سے منقول مشہور اقوال کی تعظیم کے باوجود ؛ان میں کسی ایک فرقہ کا بھی کوئی انفرادی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس میں وہ امت سے جدا ہوں؛ اور حق ان کے ساتھ ہو۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک گروہ کے پاس جو بھی حق اور صواب پایا جاتا ہے؛ وہ ان کے علاوہ دوسرے فرقوں کے پاس بھی پایا جاتا ہے۔ ہاں کبھی ان میں سے کسی ایک کے ہاں کوئی ایسی انفرادی غلطی پائی جاتی ہے جو کسی دوسرے فرقہ میں نہیں پائی جاتی۔لیکن کبھی کسی ایک گروہ میں کوئی منفردانہ حق مسئلہ ایسا ہوتا ہے جس میں وہ دوسرے فرقوں سے مناظرہ ومباحثہ کرتے ہیں۔جیسے اہل مذاہب اربعہ۔ان میں سے ہر ایک کے ہاں کچھ انفرادی مسائل ہوتے ہیں۔تو حق اور صواب اسی کے پاس ہوتا ہے جسے سنت سے تائید حاصل ہو؛ دوسرے تین کے پاس نہیں ہوتا۔لیکن ان کا یہ قول ان کے علاوہ صحابہ وتابعین اور دیگر تمام علمائے امت میں سے کسی نہ کسی کا قول رہا ہوتا ہے۔بخلاف اس مسئلہ کے جس میں یہ منفرد ہوں؛ اور وہ مسئلہ ان کے علاوہ کسی دوسرے سے منقول نہ ہو۔اس صورت میں یہ صرف خطاء ہی ہوسکتی ہے۔یہی حال اہل ظاہر کا ہے۔ہر وہ قول جس میں وہ تمام امت سے منفرد اور امتیازی حیثیت رکھتے ہیں؛ وہ خطاء ہوتا ہے۔ ہاں اگر وہ ائمہ اربعہ کے اقوال سے منفرد ہوں؛ اور وہ قول صواب بھی ہو تو پھر یہ ان کے علاوہ بھی اسلاف میں سے کسی ایک کا عقیدہ رہا ہوتا ہے۔

وہ انفرادی مسائل جن میں باقی تین گروہوں میں سے کسی ایک کی کوئی منفردانہ حیثیت ہو؛ تو اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔لیکن اکثر یہ ہوتا ہے کہ باقی تینوں مذاہب کے ماننے والوں میں سے بھی کچھ نہ کچھ حضرات اس مسئلہ میں ان کے موافق ہوتے ہیں۔اس کی مثال ؛ جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:''محرم کے لیے کٹے ہوئے موزے اور اس مشابہ دوسرا لباس [جمجم اور مداس] پہننا جائز ہے۔امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں بھی اس کی ایک توجیہ موجود ہے۔

پھر آپ کا یہ مسلک کہ دادا بھائیوں کی وراثت کو ساقط کر دیتا ہے۔اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے کچھ اصحاب نے موافقت کی ہے اور ایسے ہی آپ کا قول کہ: مسح سے طہارت حاصل کرنے کے لیے دوام طہارت شرط ہے۔نہ کہ ابتداء اور آپ کا یہ قول کہ نجاست کو جس چیز سے بھی ختم کیا جائے؛ وہ ختم ہو جاتی ہے۔یہ امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں ان کے تین اقوال میں سے ایک قول ہے؛ اور امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں بھی ایک قول ہے۔ایسے ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپ کا یہ قول کے چیز کے تحلیل ہو جانے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور جیسے امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: خمس کے وہی مصارف ہیں جو مالِ فئے کے مصارف ہیں۔ امام احمد کے مذہب میں بھی یہ ایک قول ہے۔ خمس رکاز کے بارے میں آپ سے دو روایتیں ہیں۔ کیا انہیں فئے کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا یا زکواۃ کے مصارف میں؟ اور جب اسے فئے کے مصارف میں خرچ کیا جائے تو وہ مال غنیمت کے خمس کے تابع ہوتا ہے۔

ایسے ہی آپ کا یہ قول کہ: ہر اس کافر سے جزیہ لینا جائز ہے جس کے ساتھ معاہدہ جائز ہو۔ اس میں عرب اور عجم میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ہی اہل کتاب اور دوسروں کے مابین کوئی فرق کیا جائے گا۔ اور نسب کا معاملہ بھی ہرگز معتبر نہیں ہوگا۔ بلکہ استرقاق؛ مناکحت اور حلتِ ذبائح میں دین معتبر ہوگا۔ یہ قول اس باب میں صحیح ترین قول ہے۔ امام احمد کے ہاں دو اقوال میں سے ایک قول یہی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا اختلاف صرف مشرکین عرب سے جزیہ وصول کرنے میں ہے۔ جب کہ آیت جزیہ کے نزول کے بعد عرب میں کوئی مشرک باقی نہیں رہا؛ بلکہ تمام مشرکین عرب نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

جیسے امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اہل مکہ منی اور عرفات میں قصر کریں گے؛ امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر کے مذہب میں بھی ایک قول یہی ہے۔

جیسے دلائل اور شواہد کی موجودگی میں فیصلہ کرنے سے متعلق آپ کا مذہب ہے؛ اور اقامت حدود؛ اور مقاصد شریعت کے بارے میں۔ یہ آپ کے مذہب کے محاسن میں سے ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب اکثر مسائل میں آپ کے مذہب کے قریب تر [یا موافق] ہوتا ہے۔

جیسے امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ اگر بچے نے پہلے وقت میں نماز پڑھ لی ہو؛ اور پھر وہ بالغ ہو جائے تو وہ نماز نہیں لوٹائے گا۔ بہت سارے لوگ اس مسئلہ کی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ پر عیب نکالتے ہیں۔ مگر وہ اس مسئلہ میں غلطی پر ہیں؛ اس میں حق وہی ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ یہ مسئلہ کئی جگہ پر تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں بھی ایک توجیہ یہی ہے۔

ایسے ہی ذوات الاسباب نمازیں؛ جب ممنوع وقت میں پڑھی جائیں۔ اس سلسلہ میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں۔ ایسے ہی منی کی طہارت کے بارے میں؛ آپ کا قول۔ امام احمد کے دو اقوال میں سے ایک قول اسی کے موافق ہے۔

جیسے زانیہ عورت سے نکاح کی بابت امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ آپ اس وقت تک اسے جائز نہیں کہتے جب تک وہ توبہ نہ کر لے۔ اور جیسے کہ آپ کا قول ہے کہ اگر شکار زخمی ہو کر غائب ہو جائے اور پھر وہ [مردہ حالت میں] مل جائے تو اگر اس میں کسی دوسرے زخم کے اثرات ونشانات نہیں ہیں تو اس سے کھانا جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں بھی ایک قول یہی ہے۔

جیسے آپ کا قول ہے کہ میت کی طرف سے نذر کے روزے رکھے جائیں گے۔ بلکہ میت نے جتنی بھی نذریں مانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوں؛ وہ اس کی طرف سے ادا کی جائیں گی۔ اور اس کی طرف سے رمضان کے روزں کی جگہ کھانا کھلایا جائے گا۔ بعض لوگ اس قول کو ضعیف کہتے ہیں۔ یہ حضرات صحابہ میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ مگر وہ لوگ اس کی گہرائی کو سمجھ نہیں سکے۔

ان کا یہ کہنا کہ: محرم کو جب جوتی اور ازار نہ ملے تو وہ موزے اور شلوار بغیر کاٹے اور چھوٹا کیئے کے پہن سکتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کردہ دو امور میں سے یہ آخری عمل ہے۔

ایسے ہی ان کا کہنا کہ: نمازی کے سامنے سے عورت؛ کالے کتے اور گدھے کا گزرنا نماز کو توڑ دیتا ہے۔

یہ مسئلہ کہ: دادی بیٹے کی موجودگی میں وارث بنے گی۔ ایسے ہی مساقاۃ اور مزارعت کے درست ہونے کا آپ کا قول؛ اور ان کے مشابہ دیگر مسائل۔ اگر بیج عامل کی طرف سے ہو۔ یہ آپ سے منقول دو روایات میں سے ایک ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ایک طائفہ کا یہی مسلک ہے۔

ایسے ہی نشے میں مست کی طلاق کے مسئلہ میں آپ کا قول؛ کہ طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہ قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے کچھ اصحاب کا بھی ہے۔

آپ کا یہ مسلک کہ: اگر وقف کا فائدہ ملنا معطل ہو جائے تو اسے بیچ کر اس کے قائم مقام کوئی دوسری چیز خریدی جائے جس کا فائدہ حاصل ہوتا ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا مسلک امام احمد رحمہ اللہ علیہ کے مسلک کے قریب تر ہے؛ اور امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے مسلک میں بھی ایسے ہی ہے۔ ایسے ہی وقف کو بدلنے کے بارے میں آپ کا مسلک بھی ہے۔ جیسے مسجد کو کسی دوسری چیز سے بدلنا۔ یا وقف کو مسجد کے علاوہ کسی اور چیز میں تبدیل کرنا۔ جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے مسلک میں کچھ مقامات پر حاجت کے پیش نظر بدلا جا سکتا ہے۔

اور غلام کی گواہی قبول ہونے کے متعلق آپ کا مسلک؛ اور یہ کہ صف کے پیچھے منفرد نماز پڑھنے والے پر نماز کو دوہرانا واجب ہو جاتا ہے۔ اور یہ مسلک کہ حج کو عمرہ سے فسخ کرنا جائز اور مشروع امر ہے۔ بلکہ ایسا کرنا افضل ہے۔ اور یہ مسلک کہ جب حج قرآن کرنے والا قربانی کے جانور ساتھ لیکر چلے تو اس کا حج قرآن تمتع اور افراد سے افضل ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔

اور آپ کا یہ قول کہ: با جماعت نماز ادا کرنا اعیان پر فرض ہے۔

[حق ہمیشہ سنت اور صحیح احادیث کے ساتھ]

حق ہمیشہ سنت اور صحیح احادیث کے ساتھ ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ: ان میں سے ہر ایک امام کے جو خاص فضائل اور محاسن ہیں؛ وہ بہت زیادہ ہیں؛ ان کا شمار ممکن نہیں۔ اور نہ ہی یہ ان کے بیان کی جگہ ہے۔ بیشک اس سے مقصود یہ ہے کہ: حق ہمیشہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے ثابت صحیح احادیث کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگرچہ ہر ایک گروہ کسی اور کی طرف نسبت رکھتا ہے؛ اور کسی نہ کسی مسئلہ میں ساری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امت سے انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ اوران کا یہ جداگانہ اور انفرادی قول خطاء ہوتا ہے۔ برخلاف ان لوگوں کے جو حدیث اور سنت کی طرف نسبت و اضافت رکھتے ہیں۔ بیشک حق اور صواب ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جو کوئی ان سے موافقت رکھتا ہو؛ حق ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ لوگ کتاب و سنت کے موافق ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی ان کی مخالفت بھی کرے؛ تو حق تمام امورِ دین میں ان ہی کے ساتھ ہوتا ہے؛ کیونکہ اصل میں حق رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے۔ تو پھر جو کوئی سنت کا جتنا بڑا عالم اور متبع ہوگا؛ تو حق اور صواب بھی اسی کے ساتھ ہوگا۔

* یہ وہ لوگ ہیں جو صرف آپ ﷺ کے قول کی نصرت کرتے ہیں۔ اور اس قول کو صرف انہی کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں۔ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ آپ ﷺ کی سنت کے عالم اور اس کی اتباع کرنے والے ہیں۔ اکثر سلف امت کا یہی حال تھا۔ لیکن متاخرین میں بہت زیادہ تفرقہ اور اختلاف واقع ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امت میں جن لوگوں کی قدر بلند کی ہے؛ اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو زندہ کیا اور اس کی نصرت کی۔ یہی حال امت کے سارے گروہوں کا ہے۔ بلکہ مخلوق میں سبھی طوائف کا ہے۔ ان کے پاس جو بھی خیر و بھلائی ہے؛ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں کا لایا ہوا پیغام ہے۔ اور جو کچھ ان کے ہاں خطاء اور گناہ پائے جاتے ہیں؛ وہ رسولوں کی طرف سے نہیں ہیں۔

* یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جب کسی مسئلہ میں اپنے اجتہاد سے گفتگو کرتے؛ تو ان میں سے کوئی ایک کہتا: یہ بات میں اپنی رائے سے کہہ رہا ہوں۔ اگر یہ درست ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؛ اور اگر خطاء ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے؛ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کلالہ کے مسئلہ میں فرمایا تھا۔ اور جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مفوّضہ کے بارے میں فرمایا تھا؛ جب اس کا شوہر فوت ہو جائے۔ اوران دونوں حضرات نے جو بات اپنی رائے سے فرمائی؛ اس میں حق اور صواب پر رہے۔ لیکن انہوں نے جو کچھ فرمایا ہے؛ وہ بھی حق ہے۔ یعنی بیشک اگر بات درست ہو تو پھر یہ وہی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں؛ تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی۔ اور اگر اس میں کوئی خطاء ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خطاء کے مبعوث نہیں فرمایا۔ یہ ان کی اپنی رائے اور شیطانی حیلہ ہے۔ اللہ اور رسول سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

* آپ کی طرف منسوب کرنے سے مقصود اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی طرف ہونا ہے۔ یعنی حکم اور شریعت اور دین۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے چاہتے اور پسند کرتے ہیں؛ اور اس کام کے کرنے والے کو ثواب سے نوازتے ہیں۔ یا پھر اگر مخلوق کی جہت سے نسبت مراد ہو؛ تو پھر تمام چیزیں اسی کی طرف سے ہیں۔ لوگوں نے حضرات صحابہ سے اس بارے میں سوال نہیں کیا کہ جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق و تقدیر میں ان پر احسان کیا ہے۔ انہیں علم تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے؛ وہ اسی کی طرف سے ہے۔ عرب عہد جاہلیت میں بھی قضاء و قدر پر ایمان رکھتے تھے۔ ابن قتیبہ اور دیگر حضرات کہتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں: عرب عہد جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی تقدیر کا اقرار کرتے رہے ہیں۔
لوگوں کا سوال اس بارے میں تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی طرف سے دین و شریعت اور اس حکم کے لحاظ سے احسان فرمایا ہے جسے وہ چاہتے ہیں اور پسند کرتے ہیں اور اس کے کرنے پر ثواب سے نوازتے ہیں۔

[خطاء اور نسیان کا حکم]

* حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس بات کا علم تھا کہ جو چیز دین اور شریعت کے خلاف ہو؛ وہ انسان کے اپنے نفس اور شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ہوتی ہے؛ اور بھلے اس سے بھی ویسے ہی معافی مل سکتی ہے جیسے خطاء اور نسیان سے معافی مل سکتی ہے۔
* خیر اور بھلائی کا بھول جانا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾[الانعام ۶۸]

''اور اگر کبھی شیطان تجھے ضرور ہی بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔''

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی خادم نے کہا تھا [اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:]

﴿ وَ مَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْکُرَهٗ وَ اتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ عَجَبًا ﴾[الکهف ۶۳]

''اور مجھے وہ نہیں بھلایا مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں؛ اس نے بڑی عجیب طرح سمندر میں راستہ بنالیا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَاَنْسٰهُ الشَّیْطٰنُ ذِکْرَ رَبِّهٖ ﴾[یوسف ۴۲]

''اور شیطان نے اپنے آقا کے پاس اسے یاد کرنا بھلا دیا۔''

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ وادی میں نماز کے وقت سوئے رہے۔ تو آپ نے فرمایا:

''اس وادی میں شیطان ہمارے پاس چلا آیا۔ [1]

پھر فرمایا: ''بیشک شیطان حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آیا؛ اور انہیں ایسے تھپکا جیسے بچے کو تھپکایا جاتا ہے حتی کہ وہ سو گیا۔'' [2]

---

[1] فِی مسلِم: ۱/ ۴۷۱، ۴۷۲ کتاب المساجِدِ ومواضِعِ الصلاۃِ، باب قضاءِ الصلاۃِ الفائِتِ واستِحبابِ تعجِیلِ قضائِها، والحدِیث فِی سننِ النسائِیِ: ۱/ ۲۴۰؛ کتاب المواقِیتِ باب کیف یقضِی الفائِت مِن الصلاۃِ، المسند ط۔المعارِف: ۱۸/ ۱۵۲ وما لفظ هذا وادٍ حضرنا فِیهِ الشیطان۔

[2] الموطأ: ۱/ ۱۴ کتاب وقوتِ الصلاۃِ، باب النومِ عنِ الصلاۃِ، ونصه: عرس رسول اللهِ ﷺ لیل بِطرِیقِ مکة، ووکل بِلالاً أن یوقِظهم لِلصلاۃِ، فرقد بِلال ورقدوا، حتی استیقظوا وقد طلعت علیهِم الشمس، فاستیقظ القوم وقد فزِعوا، فأمرهم رسول اللهِ ﷺ أن یرکبوا حتی یخرجوا مِن ذلِك الوادِی، وقال:((إِن هذا وادٍ بِهِ شیطان؛ فرکبوا حتی خرجوا مِن ذلِك الوادِی، الحدِیث وفِیهِ: ثم التفت رسول اللهِ ﷺ إِلی أبِی بکر فقال:((إِن الشیطان أتی بِلالاً وهو قائِم یصلِی، فضجعه، فلم یزل یهدِئه کما یهد الصبِی حتی نام۔))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیشک اس رات آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری لگائی تھی کہ انہیں صبح کی نماز کے لیے جگائیں۔اور ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا:''نیند میں تفریط [کمی] نہیں ہوتی۔اور یہ بھی ارشاد فرمایا:''بیشک اللہ تعالیٰ نے ہماری ارواح کو قبض کرلیا۔''اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں گزارش کی:''اس ذات نے میری روح کو بھی لے لیا جس نے آپ کی روحوں کو لے لیا تھا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''جو کوئی نماز کے وقت سویا رہے؛ اسے چاہے کہ جب اسے یاد آجائے تو نماز پڑھ لے؛ اس کے علاوہ اس کا کوئی کفارہ نہیں۔''

اللہ تعالیٰ مومنوں کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرۃ: ۲۸۶)

''اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو جائے تو ہم پر مواخذہ نہ کر۔''

[اللہ فرماتے ہیں] میں نے ایسا کر دیا۔''

ایسے ہی اجتہاد میں خطاء اپنے نفس اور شیطان کی طرف سے ہوتی ہے؛ اگر چہ وہ مجتہد کے لیے مغفور لہ ہے۔

ایسے ہی خواب میں احتلام شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔اور صحیحین میں ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خواب کی تین اقسام ہیں۔ایک خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ایک خواب شیطان کی طرف سے؛ اور ایک خواب وہ ہے جو انسان جاگتے ہوئے باتیں کرتا ہے اور پھر وہ اسے نیند میں دیکھتا ہے۔''❶

* پس محوِ نیند انسان اپنی نیند میں وہ کچھ دیکھتا ہے جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔یہ ویسے ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین قسم کے افراد پر سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔سونے والے شخص پر سے یہاں تک کہ وہ جاگ جائے۔پاگل شخص سے یہاں تک کہ وہ صحیح تندرست ہوجائے، اور بچہ پر سے یہاں تک کہ اسے عقل آجائے [بالغ ہوجائے۔]''❷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوئے ہوئے انسان کی طرف سے بھی عذر پیش کر دیا۔اسی لیے علماء کا اتفاق ہے کہ جو باتیں کسی

---

❶ فِی مسلِم:٤/ ١٧٧٣؛ كِتاب الرؤيا أول الكِتابِ، سنن التِرمِذِي:٣/ ٣٦٣كتاب الرؤيا باب أن رؤيا المؤمِنِ جزء مِن سِت وأربعِين جزءاً مِن النبوةِ، سنن أبِي داود:٤/ ٤١٦ ؛ كتاب الأدبِ باب ما جاء فِي الرؤيا، سنن ابنِ ماجه:٢/ ١٢٨٥؛ كِتاب تعبِيرِ الرؤيا، باب الرؤيا ثلاث، المسندِ ط-المعارِفِ:١٤/ ٦٠۔

❷ فِي: سننِ أبِي داوود:٤/ ١٩٧ ؛ كتاب الحدودِ، باب فِي المجنونِ يسرِق أو يصِيب حدا، فِي أكثرِ مِن موضِع، سنن التِرمِذِي:٢/ ٤٣٨ ؛ كتاب الحدودِ باب ما جاء فِيمن لا يجِب علِيهِ الحد، سنن ابنِ ماجه:١/ ٦٥٨كتاب الطلاقِ باب طلاقِ المعتوهِ والصغِيرِ والنائِمِ، سنن الدارِمِي:٢/ ١٧١؛ كتاب الحدودِ باب رفعِ القلم عن ثلاث، المسند ط-الحلبِي:٦/ ١٠٠؛ وجاء الحدِيث موقوفا عن علِي رضِي الله عنه، فِي البخارِي:٧/ ٤٦ كتاب الطلاقِ باب الطلاقِ فِي الإغلاقِ والكرهِ والسكرانِ والمجنونِ وأمرهما:٨/ ١٦٥ كتاب الحدودِ، باب لا يرجم المجنون والمجنون۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے نیند میں سنی جائیں ؛ ان کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اگر کوئی انسان طلاق دے دے ؛ یا پھر غلام آزاد کر دے ؛ یا صدقہ کر دے ؛ یا اس کے علاوہ نیند میں کوئی اور حرکت کر دے ؛ تو اسے لغو سمجھا جائے گا۔ بخلاف سمجھدار بچے کے ؛ اس لیے اس کے اقوال معتبر ہیں۔ خواہ وہ ولی کی اجازت سے ہوں ؛ یا اس کی اجازت کے بغیر۔ ان میں سے کچھ مقام نص سے ثابت ہیں اور کچھ اجماع سے۔

ایسے ہی انسانی نفس میں وسوسوں کا معاملہ بھی ہے۔ کبھی یہ وسوسے شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں ؛ اور کبھی انسان کے نفس کی کمائی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ﴾ [ق ۱۶]

''اور بلا شبہ یقیناً ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم ان چیزوں کو جانتے ہیں جن کا وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا﴾ [ق ۱۶]

''پھر شیطان نے ان دونوں کے لیے وسوسہ ڈالا، تا کہ ان کے لیے ظاہر کر دے جو کچھ ان کی شرم گاہوں میں سے ان سے چھپایا گیا تھا۔''

وسوسہ ؛ اس مخفی کلام کو کہتے ہیں جس کی آواز انتہائی پوشیدہ ہوتی ہے۔

اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے :

﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ o مَلِكِ النَّاسِ o اِلٰهِ النَّاسِ o مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ o الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ o مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ o﴾

''تو کہہ میں پناہ پکڑتا ہوں لوگوں کے رب کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی۔ لوگوں کے معبود کی۔ وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے، جو ہٹ ہٹ کر آنے والا ہے۔ وہ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ جنوں اور انسانوں میں سے۔''

اس کے معانی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ : وہ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ جنوں اور انسانوں میں سے۔'' یہاں پر الناس کا ذکر کیا گیا ؛ پھر اس کے بعد جنات اور انسانوں کا ذکر کیا گیا۔ پہلے والا الناس کا لفظ جنات اور انسان دونوں کو شامل ہے۔ ان سب کو ناس ہی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ انہیں ایک دوسری جگہ پر رجال [مرد] بھی کہا گیا ہے۔ یہ امام فرّاء کا قول ہے۔

اس کے معانی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ : وہ جو لوگوں کے سینوں میں جنات اور مطلق طور پر انسانوں کے شر کا وسوسہ ڈالتا ہے۔ امام زجاج نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے۔ اور مفسرین میں سے ابو الفرج ابن جوزی نے یہ معنی بیان کیا ہے۔ انکے علاوہ کسی اور نے یہ معنی بیان نہیں کیا۔ ان کا یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے تیسرا قول مراد ہے۔ یعنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس میں ان جنات اور انسانوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔ تو یہاں پر ان جنات اور انسانوں کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ﴾ [الانعام ۱۱۲]

''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں کے شیطانوں کو دشمن بنا دیا، ان کا بعض بعض کی طرف ملمع کی ہوئی بات دھوکا دینے کے لیے دل میں ڈالتا رہتا ہے اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ پس چھوڑ انھیں اور جو وہ جھوٹ گھڑتے ہیں۔''

* حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل روایت میں ہے؛ جسے ابو حاتم ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے؛ فرمایا: ''اے ابو ذر! جنات اور انسانوں کے شیاطین سے پناہ مانگو۔
عرض کیا: یارسول اللہ! کیا جنات اور انسانوں کے شیاطین سے؟
تو آپ نے فرمایا: ''جنات اور انسانوں کے شیاطین سے۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے:

﴿وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾ [البقرۃ ۱۴]

''اور جب وہ مؤمنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں بیشک ہم تمھارے ساتھ ہیں، ہم تو صرف مذاق اڑانے والے ہیں۔''

* عام مفسرین کرام رحمہم اللہ سے منقول ہے؛ اس سے مراد شیاطین انس ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک کے بارے میں مجھے معلوم نہیں ہوسکا جس نے کہا ہو: اس سے مراد شیاطین جن ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؛ ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین ؛ حضرت حسن اور سدی رحمہما اللہ سے منقول ہے: اس سے کفر کے سرغنے مراد ہیں۔
* اور ابو عالیہ اور مجاہد رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ: اس سے ان کے مشرکین بھائی مراد ہیں۔
* حضرت ضحاک اور ابن سائب رحمہما اللہ سے منقول ہے: اس سے ان کے کاہن مراد ہیں۔
* یہ ان تمام انواع واقسام کو شامل ہے۔ اس کے الفاظ شیاطین الانس پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ آیت میں یوں فرمایا گیا ہے:

﴿وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ﴾

---

[1] الحدیث عن أبی ذر رضی اللہ عنہ فِی سننِ النسائیِ:۸/ ۲۴۲؛ کتاب الاستعاذۃ، باب الاستعاذۃِ مِن شرِ شیاطِینِ الإنسِ وھو عنہ فِی: المسندِ ط۔الحلبیِ:۵/ ۱۷۸۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور جب وہ مؤمنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں بیشک ہم تمھارے ساتھ ہیں۔''

* یہ بات تو معلوم ہے کہ جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو شیاطین جنات بھی ان کے ساتھ ہی ہوتے ہیں؛ اس کے لیے انہیں کسی خلوت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور شیاطین جنات ہی انہیں نفاق کا حکم دیتے ہیں۔ اور جب وہ اپنے بڑوں کے ساتھ خلوت میں ہوتے ہیں؛ اس وقت بھی شیاطین جنات سامنے نہیں آتے۔ اور ان سے آکر یہ نہیں کہتا: میں تمہارے ساتھ ہوں۔ خصوصاً جب وہ اپنے آپ کو حق پر خیال کرتے ہیں۔

* جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ ۱۳)

''اور جب انہیں کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جیسے لوگ ایمان لائے ہیں، تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے بے وقوف ایمان لائے ہیں؟ سن لو! بیشک وہ خود ہی بے وقوف ہیں اور لیکن وہ نہیں جانتے۔''

اگر انہیں یہ پتہ چل جاتا کہ انہیں ایسا حکم دینے والا شیطان ہے؛ تو وہ کبھی اس کی بات نہ مانتے۔

خلیل بن احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل عرب کے ہاں ہر سرکش باغی کو شیطان کہا جاتا ہے۔ اور اس کے اشتقاق کے بارے میں دو قول ہیں۔ ان دو میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ: یہ شطن یشطن سے ہے؛ جب خیر و بھلائی سے دور ہو۔ اس میں نون اصلی ہے۔ امیہ بن صلت حضرت سلیمان علیہ السلام کی مواصفات کے بارے میں فرماتے ہیں: '' جو بھی ''شاطن'' یعنی سرکش آپ کی نافرمانی کرتا؛ آپ اسے گرفتار کرتے پھر اسے بیڑیوں میں جکڑ کر جیل میں ڈال دیتے۔

* لعنت بھی خیر و بھلائی سے دور پر ہوتی ہے۔ شیطان ہر قسم کی خیر و بھلائی سے دور ہوتا ہے۔ یہ فیعال کے وزن پر ہے۔ اس کی نظر فعّال بھی آتی ہے۔ یہ صفت مبالغہ ہے۔ جیسے: القیّام اور القوّام؛ پس القیّام فیعال کے وزن پر ہے۔ اور القوّام فعّال کے وزن پر ہے۔

* پس شیطان ایک قوی اور ثابت شدہ وصف ہے؛ جو کہ خیر و بھلائی سے بکثرت دوری پر دلالت کرتا ہے۔ بخلاف اس کے جو کبھی کبھار خیر سے دور ہوتا ہے اور پھر اس کے قریب آجاتا ہے۔ یہ شیطان نہیں ہوسکتا۔ اس پر ان کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے: تشیطن یتشیطن شیطنۃ۔

* اس کے استقاق کے متعلق یہی بات صحیح اور درست ہے۔ اس میں حروف کی جنس میں بھی اتفاق پایا جاتا ہے۔ جیسے ابو جعفر سے مروی ہے؛ وہ کہتے ہیں: ''عامۃ عمی سے مشتق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر راضی نہیں ہوئے کہ انہیں فقط جانوروں سے تشبیہ دی جائے؛ حتی کہ فرمایا: ﴿بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا﴾ [فرقان]

''بلکہ وہ راستے کے اعتبار سے زیادہ گمراہ ہیں۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

* جیسے کہا جاتا ہے کہ سُرِّیَّۃٌ ؛ سِرٌّ سے ماخوذ ہے۔اس سے مراد نکاح ہے۔اور اگر اسے قیاس کے مطابق ماخوذ کیا جاتا تو فعیلۃ کے وزن پر سریرۃ آتا۔لیکن عربوں کی عادت ہے کہ وہ حرف مضاعف اور معتل کو آگے پیچھے لاتے ہیں۔
* اس کی ایک اور مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ﴾ ''اپنے کھانے کی طرف دیکھو: وہ باسی تک نہیں ہوا۔'' [البقرۃ ۲۵۹]
* اس ھاء میں احتمال ہے کہ یہ اصلی ہو؛ اسی لیے اسے 'حرف ''لم'' سے جزم دی گئی ہے۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ سکون کی ہاء ہو؛ جیسے کتابیہ' حسابیہ' اقتدہ میں ہے۔
* اہل لغت مفسرین اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: کہ وہ بدلا نہیں تھا۔

[مشترکہ معانی والفاظ کا مسئلہ]

* یہاں پر مقصود یہ ہے کہ: جب دو لفظوں میں اکثر حروف مشترک ہوں؛ اور ان کے بعض حروف مختلف ہوں؛ تو کہا جاتا ہے کہ: ان میں سے ایک لفظ دوسرے سے مشتق ہے۔اسے اشتقاق اکبر کہتے ہیں۔اور اشتقاق اوسط یہ ہے کہ: دو لفظوں میں حروف مشترکہ ہوں؛ مگر ان کی ترتیب مختلف ہو تو اسے اشتقاق الاوسط کہتے ہیں۔جیسے کوفیوں کا قول ہے کہ اسم سمۃ سے مشتق ہے۔

پس شیطان شطن سے مشتق ہے۔اور اشتقاق اکبر کے اعتبار سے یہ شاط یشیط کے باب سے ہے۔کیونکہ ان دونوں میں ''حرف ''شین اور طاء'' مشترک ہیں جب کہ نون اور یاء متقارب ہیں۔

* اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ الناس میں جنات اور انسانوں کی طرف سے ڈالے جانے والے وسوسوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔جو لوگوں کے سینوں وسوسے ڈالتے ہیں۔انسان پر یہ وسوسہ اس کی اپنی ذات کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے؛ اور کسی دوسرے کی طرف سے بھی۔

اس آیت کے معانی میں اپنی جگہ پر ایک مفصل اور لمبی بحث موجود ہے۔

* مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ صحاح میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب بندہ گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا؛ اگر وہ اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے ایک کامل نیکی لکھ دی جاتی ہے۔اور گر وہ اس پر عمل کرلے تو اس پر صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔اور جب وہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے نامہ میں ایک کامل نیکی لکھ دی جاتی ہے۔'' اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو دس گنا سے سات سو گنا تک؛ اور اس سے بھی کئی گنا زیادہ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔'' [1]

[1] البخاري:۸/ ۱۰۳؛ کتاب الرقاق، باب من هم بحسنة و بسیئة؛ مسلم:۱/ ۱۱۷؛کتاب الإیمان باب إذا هم العبد بحسنة کتبت، سنن الترمذي:٤/ ۳۳۰؛ کتاب التفسیر سورة الانعام۔ والحدیث في سنن الدارمي وسنن أحمد في مواضع کثیرة۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

* صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیشک اللہ تعالیٰ نے اس امت سے دل کے خیالات پر پکڑ اٹھالی ہے جب تک کہ وہ بات نہ کرے؛ یا پھر اس پر عمل نہ کرلے۔'' ❶

* صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب مؤذن اذان کہتا ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے اور مارے خوف کے وہ گوز مارتا جاتا ہے؛ تاکہ وہ اذان کی آواز نہ سنے۔ جب اذان ختم ہوجاتی ہے تو واپس آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب نماز کی اقامت کہی جاتی ہے تو پھر واپس آجاتا ہے تاکہ آدمی کے دل میں وسوسے ڈالے۔اوروہ کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر، فلاں بات یاد کر وہ تمام باتیں یاد جو اس کو یاد نہ تھیں یاد دلاتا ہے یہاں تک کہ آدمی بھول جاتا ہے کہ اس نے کس قدر نماز پڑھی۔ جب تم میں سے کسی ایک کے ساتھ ایسے ہوتو اسے چاہیے کہ دو سجدے کرلے۔'' ❷

* احادیث مبارکہ میں یہ بتادیا گیا ہے کہ ایسے وسواس اور خیالات اور یاد دہانیاں شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں۔ اوروہ انسان کو یوں بھلا دیتا ہے کہ اسے پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے۔اور پھر اس صورت میں سہو کے دوسجدے کرنے کا حکم دیا۔مگر اس پر اسے گنہگار نہیں کہا۔اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ خفیف وسواس پر نماز باطل نہیں ہوتی۔ہاں اگر وسوسے غالب آجائیں تو پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس انسان کو نماز دوبارہ پڑھنا چاہیے۔ابوعبداللہ بن حامد نے یہ قول اختیار کیا ہے۔لیکن صحیح مذہب وہی ہے جس پر جمہور کار بند ہیں۔اور یہ امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر سے بھی منصوص ہے۔کہ اس پر کوئی اعادہ نہیں۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث تمام وسوسوں کو عام اور مطلق ہے۔اوران میں نماز کو لوٹانے کا حکم نہیں دیا گیا۔لیکن اس قدر اس کا اجر ضرور کم ہوتا ہے۔

* حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:'' انسان کے لیے اس کی نماز میں اتنا ہی حصہ ہے جس قدر وہ نماز کو سمجھ کر پڑھتا ہے۔سنن میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے؛ آپ نے نماز پڑھی ؛ اور بہت ہی خفیف نماز پڑھی۔جب آپ سے اس بابت سوال کیا گیا؛ تو آپ نے پوچھا: کیا میں نے اس میں کوئی کمی کی ہے؟ کہنے لگے: نہیں۔

---

❶ البخارِي:۷/ ٤٦ کتاب الطلاقِ، باب الطلاقِ فِی الِإغلاقِ والکرہِ والسکرانِ، مسلِم:۱/ ۱۱٦ کتاب الِإیمانِ، باب تجاوزِ اللہِ عن حدِیثِ النفسِ۔سنن أبِی داود:۲/ ۳٥٥ کتاب الطلاقِ، باب فِی الوسوسۃِ بِالطلاقِ، سنن النسائِي:٦/ ۱۲۷؛ فِی موضِعینِ کِتاب الطلاقِ باب من طلق فِی نفسِہِ، سنن ابنِ ماجہ کِتاب الطلاقِ، باب من طلق فِی نفسِہِ ولم یتکلم، المسند ط۔ الحلبِي:۲/ ٤۲٥۔

❷ البخارِي:۱/ ۱۲۱ کِتاب الأذانِ، باب فضلِ التأذِینِ، وأولہ:إذا نودِی لِلصلاۃِ، مسلِم:۱/ ۲۹۱؛ کتاب الصلاۃِ، باب فضلِ الأذانِ وھربِ الشیطانِ عِند سماعِہِ، سنن النسائِي:۲/ ۲۱۹ ؛ کِتاب الأذانِ، باب فضلِ التأذِینِ، المسند ط۔المعارِفِ: ۱٦/ ٤۲ ط۔الحلبِي: ۲/ ٤٦۰، ٥۲۲۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

تو آپ نے فرمایا: ''بیشک میں نے وسوسوں کے آنے سے جلدی کی ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے: آپ نے فرمایا: ''بیشک کوئی انسان اپنی نماز ختم کرتا ہے تو اس کے نصیب میں اس کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے؛ نوواں حصہ؛ آٹھواں حصہ؛......حتی کہ آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔''

* یہ حدیث ابن حامد پر حجت ہے۔ کیونکہ اس کی کم مقدار آدھی ذکر کی گئی ہے۔ اور یہ بھی کیا گیا ہے؛ اس کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے۔

[ادائے واجب سے مقصود]

* ادائے واجب سے دو چیزیں مقصود ہوتی ہیں:

اول:...... برأت ذمہ: وہ اس طرح سے کہ اس سے وہ مذمت اور عقاب ختم ہو جاتے ہیں؛ جن کا ترک واجب کی وجہ سے وہ مستحق ٹھہرتا۔ تو اس صورت میں اس پر اعادہ واجب نہیں ہوتا۔ بیشک اعادہ کا مقصود ابھی باقی ہے؛ اور وہ ہے صرف اور صرف ثواب کا حصول۔ یہ نفلی عبادات کی شان ہے۔ لیکن نیکیاں حاصل ہونے سے برائیاں مٹ جاتی ہیں۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب عبادت قبول ہو؛ اور اس پر ثواب مرتب ہو۔ پس جس قدر اس کے لیے ثواب لکھا جائے گا؛ اسی قدر اس کے ماضی کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ اور جس چیز میں کوئی ثواب نہ ہو؛ اس سے گناہ بھی معاف نہیں ہوتے۔ بھلے اس سے ذمہ داری سے برأت ثابت بھی ہو جائے۔ جیسا کہ ایک ماثور حدیث میں ہے:

''کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جن کے لیے ان کے روزے سے صرف بھوک اور پیاس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا اور کتنے ہی تہجد گزار ایسے ہوتے ہیں جن کے لیے رات جاگنے کے علاوہ نصیب میں کچھ نہیں آتا۔''[1]

یہ کہہ سکتے ہیں: اس انسان نے تھکاوٹ اٹھائی۔ مگر اسے کوئی فائدہ نہ ملا۔ لیکن اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔ اور سزا سے بچ گیا۔ اور اپنے حال پر ہی باقی رہا۔ اس میں کسی خیر و بھلائی کا کوئی اضافہ نہیں ہوا۔

* بیشک روزہ کی مشروعیت کا مقصد تقوی کا حصول ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامٗا مَّعۡدُودَٰتٖ﴾ [البقرة ۱۸۳]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ رکھنا لکھ دیا گیا ہے، جیسے ان لوگوں پر لکھا گیا جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم بچ جاؤ۔ گنے ہوئے چند دنوں میں۔''

---

[1] سننِ ابنِ ماجه 1/539 كتاب الصِيامِ، باب ما جاء فِی الغِيبةِ والرفثِ لِلصائِمِ، وجاء الحدِيث فِيهِ بِلفظِ رب صائِم ليس له مِن صِيامِهِ...... اِلخ، وهو فِی: سننِ الدارِمِی 2/301؛ كتاب الرِقاقِ باب فِی المحافظة على الصومِ، ولفظه: كم مِن صائِم وجاء الحدِيث فِی المسندِ ط۔ المعارِفِ 17/35 وقال الشيخ أحمد شاكِر رحِمه الله: إِسناده صحِيح 18/204 وصححه أيضا، وصحح الألبانِی الحدِيث بِروايتينِ له فِی صحِيحِ الجامِعِ الصغِيرِ 3/174۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

* رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''روزہ ڈھال ہے، اس لیے نہ تو بری بات کرے اور نہ جہالت کی بات کرے؛ اگر کوئی شخص اس سے جھگڑا کرے یا گالی گلوچ کرے تو کہہ دے میں روزہ دار ہوں۔'' [صحیح بخاری: ج1: ح 1820]

امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: وہ یہ بات اپنے دل میں کہے؛ اور اسے کوئی جواب نہ دے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: وہ اپنی زبان سے جواب دے۔

یہ بھی فرق کیا گیا ہے کہ فرض روزہ میں زبان سے بول کر جواب دے؛ اور نفل روزہ میں اپنے دل میں ہی کہہ دے۔ اس لیے کہ فرض روزہ مشترک ہوتا ہے۔ اور نفل روزہ میں ریاء کا خوف محسوس ہوتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ اپنی زبان سے کہے؛ جیسے حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ مطلق قول زبان سے ادا کئے بغیر نہیں ہوسکتا۔ جب کہ نفس کے اندر کی بات مقید ہوتی ہے۔ جیسے یہ قول: ''جوان کے جی میں خیالات آئے۔''

پھر ارشاد فرمایا: ''جب تک بات نہ کرے؛ یا اس پر عمل نہ کر گزرے۔'' پس مطلق کلام وہ کلام ہے جو سنا جا سکتا ہو۔ جب وہ اپنی زبان سے کہے: میں روزہ سے ہوں؛ تو وہ اپنی زبان کو جواب سے روک رکھنے میں اپنے عذر کا اظہار کر رہا ہے۔ اس میں اس انسان کے لیے زیادہ زجر و توبیخ ہے جس نے اس کے ساتھ لڑائی شروع کی ہے۔

* صحیحین میں ہے؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو کوئی جھوٹی بات؛ اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے؛ تو اللہ تعالیٰ کو اس کا کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔'' ❶

آپ ﷺ نے واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ دار پر کھانا پینا غلے اور پانی کسی ضرورت کی وجہ سے حرام نہیں ٹھہرایا۔ جیسے آقا اپنے غلام کے ساتھ کرتا ہے۔ بلکہ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنا اور تقوی کا حصول ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا؛ اور ایسے کام کرتا ہے جن میں نہ ہی اللہ تعالیٰ کی محبت ہے نہ ہی رضامندی۔ تو پھر اس عمل پر اسے کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ لیکن اسے تارک عمل کی طرح سزا بھی نہیں ہوگی۔

* اللہ کی بارگاہ میں مقبول نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اسی لیے صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ؛ اور رمضان سے رمضان؛ درمیانی گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں جب تک کہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے۔'' ❷

---

❶ البخاري 3/26 کتاب الصوم باب من لم يدع قول الزور 8/17؛ کتاب الأدب، باب قول الله تعالىٰ: ﴿واجتنبوا قول الزور﴾؛ سنن أبي داود 2/412؛ کتاب الصوم باب الغيبة للصائم، والحديث في سنن الترمذي وابن ماجه والمسند۔

❷ مسلم 1/209 کتاب الطهارة، باب الصلوات الخمس، سنن الترمذي 1/138 کتاب الصلاة باب ما جاء في فضل الصلوات الخمس، وقال الترمذي: وفي الباب عن جابر وأنس وحنظلة الأسيدي، حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر تمام پانچ نمازیں سبھی گناہوں کا کفارہ بن جائیں تو جمعہ کی ضرورت باقی نہ رہے۔ لیکن گناہوں کا کفارہ مقبول نیکیاں بنتی ہیں۔

اکثر لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کے لیے ان کی نماز کا کچھ حصہ ثواب لکھا جاتا ہے۔ پس اس قدر گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے؛ اور باقی گناہوں کی معافی کے لیے ضرورت باقی رہتی ہے۔ کئی اسناد سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''انسان سے بروز قیامت سب سے پہلا سوال اس کے اعمال میں سے نماز کے متعلق ہوگا۔ اگر نماز مکمل ہوگی تو درست ؛ ورنہ کہا جائے گا: دیکھو کیا اس کی کوئی نفل نماز ہے؟ اگر اس کی کوئی نفل نماز ہوگی تو اس سے فرض کو پورا کردیا جائے گا۔ پھر یہی کچھ باقی تمام اعمال کے ساتھ ہوگا۔'' [1]

مطلق نفل نمازوں سے فرائض کی تکمیل؛ قیامت کے دن بدلہ کے طور پر ہوگی۔ پس جب وہ کچھ واجبات کو ترک کردے تو اس پر عقوبت کا مستحق ہوگا۔ اور اسی جنس سے اگر اس کی نفل عبادت بھی ہوگی؛ تو وہ فرض کے قائم مقام ہوجائے گی۔ اور اسے کوئی سزا نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کا ثواب کم ہوگا؛ اور نفل عبادت ہوگی تو وہ فرض کے قائم مقام ہو کر اس ثواب کو مکمل کردے گی۔ پس اس کو دنیا میں حکم دیا جاتا ہے کہ جو کام اس نے ناقص کیا ہو؛ اس سے جتنا ممکن ہوسکتا ہو؛ اسے دوہرائے۔ یا اس کا ازالہ کسی ایسی ممکنہ چیز سے کردے۔ جیسے نماز میں سہو کے دو سجدے۔ حج کے واجبات رہ جانے پر دم جبران۔ اور جیسے صدقہ فطر جو کہ لغو اور بیہودہ کلام سے طہارت کے لیے فرض کیا گیا ہے۔ یہ اس لیے کہ جب اس کے لیے واجب کو ادا کرنا ممکن ہو تو اس پر واجب کا ادا کرنا متعین ہوجاتا ہے۔ اس کے بغیر وہ اپنی ذمہ داری سے بری نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہی کام اس سے مطلوب ہوتا ہے۔ جیسے کہ اگر اس نے کوئی کام کیا ہی نہ ہو تو اس پر اس کام کا کرنا متعین ہوجاتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ اگر اس کے لیے کسی کام کا کرنا اس کے مقرر وقت میں متعذر ہوجائے۔ تو اس صورت میں نیکیوں کے علاوہ کوئی دوسری چیز باقی نہیں رہتی۔ [یعنی نفلی نیکیاں کرکے اس کمی کو پورا کرے۔]

[ترک واجب کا مسئلہ]

اسی لیے جمہور علمائے کرام رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ: جو کوئی نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب جان بوجھ کر چھوڑ دے؛ تو جب تک اس کے لیے ممکن ہے؛ وہ اس نماز کو دوبارہ ادا کرے گا؛ یعنی اس کے وقت میں ہی دوبارہ پڑھے

[1] سنن الترمذي 1/258؛ کتاب الصلاۃ، باب ما جاء أن أول ما یحاسب بہ العبد یوم القیامۃ الصلاۃ۔ وقال الترمذي: حدیث أبي ہریرۃ حدیث حسن غریب من ہذا الوجہ، وقد روی ہذا الحدیث من غیر ہذا الوجہ عن أبي ہریرۃ، والحدیث في سنن أبي داود 1/317؛ کتاب الصلاۃ، باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم: کل صلاۃ لا یتمہا صاحبہا، سنن النسائي 1/187؛ کتاب الصلاۃ، باب المحاسبۃ علی الصلاۃ، سنن ابن ماجہ 1/458 کتاب إقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا، باب ما جاء في أول ما یحاسب بہ العبد الصلاۃ، المسند ط۔ المعارف 26 - 15/19 وقال أحمد شاکر رحمہ اللہ: وإسنادہ صحیح، وتکلم علی الحدیث، والحدیث في المسند في مواضع أخری کثیرۃ۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

گا۔ یہ امام مالک؛ امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ لیکن امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ''کبھی کوئی ایسی چیز واجب ہوتی ہے جو سجدہ سہو سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اور یہ سجدہ سہو اس کا عوض بن جاتا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہے۔ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جو بھی چیز واجب ہے؛ اس کے ترک کرنے پر نماز باطل ہو جاتی ہے؛ خواہ وہ عمداً ترک کرے یا سہواً۔ ان کے نزدیک سجدہ سہو واجب نہیں۔ اور جس چیز کے بدلہ میں سجدہ سہو کرنے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے؛ وہ نہ ہی واجب ہوتی ہے اور نہ ہی نماز کو باطل کرنے والی۔ جب کہ اکثر علماء سجدہ سہو کو واجب کہتے ہیں ؛ جیسے امام مالک؛ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ۔ ان حضرات کا کہنا ہے: ''امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔'' اور کہتے ہیں: اگر نماز میں جان بوجھ کر کوئی چیز زیادہ کی جائے تو بالاتفاق وہ نماز باطل ہو جاتی ہے۔ مثلاً کوئی انسان عمداً پانچویں رکعت زیادہ پڑھ لے۔ یا نماز مکمل کرنے سے قبل عمداً سلام پھیر دے۔ ہاں اگر کوئی انسان بھول کر ایسا کر بیٹھے تو وہ سجدہ سہو کرے گا؛ یہ بات سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ پس ان سجدوں کی وجہ سے نماز کی بھول کی اصلاح ہو جائے گی عمد کی نہیں۔ ایسے ہی جو کچھ نماز میں کمی رہ گئی ہو۔ کیونکہ سجدہ سہو کبھی نماز میں کمی کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی زیادتی کی وجہ سے۔ جیسے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشہد اول بھول گئے تھے؛ تو آپ نے سجدہ سہو کیا تھا۔ لیکن اگر کوئی جان بوجھ کر ایسا کرے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا قول ہے۔ جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سجدہ سہو اس میں بھی واجب جس کے عمداً یا سہواً ترک کرنے سے نماز باطل نہ ہوتی ہو۔ وہ فرماتے ہیں: اس عمل کے ترک کرنے پر یہ غلط اور گنہگار رہے۔ جیسے نماز میں اطمینان وسکون اور سورہ فاتحہ کی تلاوت ترک کر دینا۔

اس مسئلہ میں اکثر علماء کا اختلاف ہے۔ ان کا کہنا ہے: جو کوئی جان بوجھ کر واجب ترک کر دے؛ تو جہاں تک ممکن ہو؛ اس پر اعادہ واجب ہے۔ کیونکہ اس نے وہ کام نہیں کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ حالانکہ وہ ایسا کرنے پر قادر تھا؛ پس اس سے یہ واجب ساقط نہیں ہو سکتا۔

صحیحین میں نماز میں غلطی کرنے والے سے متعلق حدیث روایت کی گئی ہے؛ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تھا؛ جاؤ اور نماز پڑھو؛ بیشک تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' اور پھر آپ نے اسے نماز میں اطمینان اختیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جو کوئی واجب کو ترک کر دے؛ تو اس کا فعل نماز نہیں کہلائے گا۔ بلکہ اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ اور شارع صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے اس کے نام کی نفی اس وقت تک نہیں کرتے جب تک اس کے کچھ واجبات ترک نہ کر دیے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان:

''بیشک تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' اس لیے تھا کہ اس نے نماز کے کچھ واجب ترک کر دیے تھے۔ [1]

---

[1] البخاري 8/135؛کتاب الإیمان والنذور، باب إذا حنث ناسیا في الإیمان، مسلم 1/298کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ في کل رکعۃ، سنن الترمذي 1/185؛ کتاب الصلاۃ، باب ما جاء في وصفۃ الصلاۃ، والحدیث فیھا عن رفاعۃ بن رافع وعن أبي ھریرۃ، سنن النسائي 2، 96کتاب الافتتاح باب فرض التکبیرۃ الاولی، سنن ابن ماجہ 1/336؛کتاب إقامۃ الصلاۃ، باب إتمام الصلاۃ۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اس کی نماز ایسے مکمل نماز نہیں تھی جس کے قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ﴾[النساء۱۰۳]

''جب تمہیں اطمینان حاصل ہو تو نماز قائم کرو۔''

اسی لیے جب اس فرمان میں حج پورا کرنے کا حکم دیا: ﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾[البقرہ ۱۹۶]

''اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا پورا ادا کرو۔''

تو شارع علیہ السلام پر اس کے تمام واجبات ادا کرنا لازم کر دیا۔ اگر کوئی واجب ترک کر دیا گیا تو ''دم جبران'' سے اس کا ازالہ کرنا واجب ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اس نے مامور بہ فعل کو پورے واجبات کے ساتھ ٹھیک سے ادا نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس پر اعادہ یا دم جبران سے ازالہ ممکن نہ ہوتا۔

ایسے جب آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھ رہا ہے؛ تو آپ نے اسے نماز دہرانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا: ''صف کے پیچھے اکیلے انسان کی نماز نہیں ہوتی۔'' [1]

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور امام اسحق بن راہویہ رحمہما اللہ کے علاوہ دیگر علمائے حدیث نے صحیح کہا ہے۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ: ''نماز میں غلط کار کی وہ حدیث جسے اہل سنن نے حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے؛ جس آپ نے نماز میں صرف متروکہ امور پر اس کا مؤاخذہ کیا تھا؛ اور باقی اعمال کو شمار کیا تھا؛ تو یہ انسان اس کی طرح تو نہیں ہو سکتا جس نے نماز پڑھی ہی نہ ہو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: ''ہم بھی تو یہی بات کہتے ہیں؛ جو کوئی نماز پڑھے؛ اور اس کے بعض واجبات کو ترک کر دے: وہ اس انسان کی طرح تو نہیں ہوتا؛ جو بالکل ہی نہ پڑھے۔ بلکہ اس نے جو کیا اتنے پر اسے ثواب ملے گا۔ اور جو اس سے رہ گیا ہے؛ اس پر سزا ملے گی۔ اور بیشک اسے اعادہ کا حکم اس لیے دیا جاتا ہے تا کہ ترک فعل کی وجہ سے لاحق ہونے والی عقوبت کا خاتمہ ہو جائے۔ کیونکہ واجب کو ترک کرنا اس عقوبت کا سبب ہے۔ جب اسے بعض واجبات کے ترک کرنے پر عقوبت کا سامنا ہو سکتا ہے تو پھر ان متروکہ واجبات کو بجا لانا لازم ٹھہرتا ہے۔ یا تو اس کا ازالہ کرے؛ یا پھر اس فعل کو اگر دوبارہ ادا کرنا ممکن ہے تو دوبارہ ادا کرے۔ بھلے کسی دوسرے کے ساتھ مل کر ادا کرے؛ اگر ممکن نہ ہو تو اکیلے ہی ادا کر دے۔

---

[1] قال الدكتور رشاد سالم: لم أجِد الحدِيث بِهذا اللفظِ ولِكن جاء الحدِيث عن علِي بنِ شيبان رضِی الله عنه فِی سننِ ابنِ ماجه 1/32 كِتاب إِقامةِ الصلاةِ، ......ولفظه: ......: فرأى رجلا فردا يصلِی خلف الصفِ، قال: فوقف عليهِ نبی اللهِ V حِين انصرف، قال: استقبِل صلاتك، لا صلاة لِلذِی خلف الصفِ، وجاء فِی التعلِيقِ فِی الزوائِدِ: إِسناده صحِيح ورِجاله ثِقات۔ والحدِيث فِی المسندِ ط۔ الحلبِی 4/23 موارِد الظمآنِ إِلى زوائِدِ ابنِ حِبان، ص 116 حدِيث رقم 401، 402 ط۔ السلفِی، وصحح الألبانِی الحدِيث فِی صحِيحِ الجامِعِ الصغِيرِ 1/322 وفِی رِواءِ الغلِيلِ 2/328؛ وتكلم طوِيلا على صلاةِ المنفرِدِ خلف الصفِ 2/323۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور اگر یہ کہا جائے کہ: اگر اس کا اکیلے وہ کام کرنا اطاعت گزاری نہ ہو تو پھر اسے کوئی ثواب نہیں ملے گا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: جب اس نے پہلی بار یہ فعل ادا کیا تھا؛ تو اسے پتہ نہیں تھا کہ ایسے کرنا جائز نہیں۔ یا وہ بھول گیا تھا۔ جیسے کوئی بغیر وضوء کے نماز پڑھ لے؛ یا قرأت بھول جائے؛ یا فرض سجدہ۔ تو اسے اتنے فعل پر ثواب ملے گا جتنا اس نے کر دیا ہے۔ اور بھول چوک پر اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ لیکن اسے دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے پہلے وہ کام نہیں کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ جیسے کوئی سویا ہوا انسان وقت پر بیدار ہو جائے۔ تو اسے نماز پڑھنے کا کہا جائے گا؛ کیونکہ نماز اس پر اپنے وقت پر فرض ہے؛ جب ایسا کرنا ممکن ہو۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو جس وقت وہ بیدار ہو ؛اسی وقت اسے نماز پڑھنے کا کہا جائے گا۔ ہاں جب اسے نماز دوبارہ پڑھنے کا کہا جاتا ہے؛ تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس فعل کا انفرادی صورت میں ادا کرنا جائز نہیں۔ پس اسے اس کے منفردانہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

اگر یہ کہا جائے: اگر کوئی انسان ترک واجب کے ساتھ جان بوجھ کر ایسا کرے؛ جس کے وجوب کا اس کو علم بھی ہو تو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: ایسا انسان عقاب کا مستحق ہے۔ کیونکہ وہ اس فعل کے کرنے سے گنہگار رہا ہے۔ پس اس کا گناہ بھی تارک فعل کے گناہ کی طرح ہوسکتا ہے۔ اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ اسے ثواب بھی دیا جائے گا۔ تو پھر بھی اسے وہ ایسے ثواب نہیں ملے گا جو عمل کو صحیح صحیح علی وجہ المطلوب ادا کرنے پر ملتا ہے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے جتنا کچھ اس نے صحیح کیا ہے؛ اس پر اسے ثواب ملے گا۔ یہ اس کے لیے ہے جسے پتہ ہو۔ جسے کوئی علم ہی نہ ہو کہ یہ واجب ہے اور یہ ممنوع ہے؛ تو اسے اس کے فعل پر ثواب ملے گا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (7) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (8)﴾

''جو کوئی ذرا بھر نیکی کرے گا؛ اسے دیکھ لے گا؛ اور جو کوئی ذرا بھر برائی کرے گا؛ اسے دیکھ لے گا۔''

پس قرآن کریم کی تلاوت؛ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے دعا کرنا تمام خیر کے کام ہیں۔ مسلمان کبھی قبلہ سے ہٹ کر نماز نہیں پڑھتا۔ اور نہ ہی بغیر وضوء اور بغیر رکوع و سجدہ کے نماز پڑھتا ہے؛ اگر کوئی ایسی حرکت کرے تو وہ اس پر عقاب اور مذمت کیے جانے کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ جب وہ کوئی ایسا کام کرے؛ اور اس کے ساتھ اسے یہ اعتراف بھی ہو کہ وہ گنہگار ہے: وہ شریعت کا مذاق؛ توہین اور ٹھٹھہ نہ کرنا چاہتا ہو؛ اور نہ ہی شریعت کے احکام کو حقیر سمجھتا ہو؛ بلکہ اس سے سستی سے ایسا ہو گیا ہو؛ تو جتنا کام اس نے درست کیا ہے؛ اس پر اسے ثواب ملے گا؛ جیسا کہ کوئی انسان حج میں کوئی ایسا واجب ترک کر دیتا ہے جس کا ازالہ دمِ جبران سے ہوسکتا ہو؛ لیکن اس کا ثواب ایسے نہیں ہوگا جیسے اگر انسان اس فعل کو بالکل اس طرح سے بجالائے جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔

[ایمان کی تقسیم کا مسئلہ]

اس سے اہل بدعت خوارج؛ اور مرجئہ کے شبہات کا جواب واضح ہو جاتا ہے؛ جو کہتے ہیں: ایمان بسیط ہے؛ اس کے حصے نہیں ہوسکتے۔ اور نہ ہی ایمان کم ہوتا یا بڑھتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب ایمان کا کوئی جزء چلا جاتا ہے تو سارا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ جو چیز مختلف اجزاء سے مرکب ہو؛ جب اس کا کوئی ایک جزء چلا جائے تو وہ ساری چیز چلی جاتی ہے۔ جیسے نماز؛ جب اس کا ایک واجب ترک کردیا جائے؛ تو ساری نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اس اصل سے ان کی مختلف راہیں/ اور مختلف فرقے نکلے ہیں۔ [1]

جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور اہل سنت و الجماعت کہتے ہیں: بیشک ایمان کم ہوتا اور بڑھتا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

''جہنم سے اس آدمی کو بھی نکالا جائے گا جس کے دل میں رائے کے دانے برابر بھی ایمان ہوگا۔'' [2]

پس اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں: جب اس کے واجبات میں سے کوئی چیز کم ہو جاتی ہے تو کمال اور تمام باقی نہیں رہتا۔ اس لیے اس نام کی نفی اس وقت جائز ہے جب اس سے مراد کمال ہو۔ پس اس انسان پر واجب ہوتا ہے کہ اس جزء کو پورا کردے۔ اگر واجب ترک کیا ہے تو اسے بجالائے۔ اور اگر گناہ کا کام کیا ہے تو اس سے توبہ واستغفار کرے۔ اس طرح یہ انسان ان اہل ایمان میں سے ہو جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے اس ثواب محض کے مستحق ٹھہرتے ہیں جو سزا سے خالی ہو۔ ہاں اگر وہ ان میں سے کوئی واجب ترک کردے؛ یا کسی حرام کام کا ارتکاب کردے؛ تو وہ اس پر سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اور نیک کام کرنے پر ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ یہاں پر نفی مجموعہ کی ہے؛ اس کے اجزاء میں سے ہر ایک جزء کی نفی نہیں ہے۔ جیسے جب دس میں سے ایک چلا جائے تو وہ دس باقی نہیں رہتے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ باقی نو بھی ختم ہوگئے ہیں۔

تمام اعمال میں سنت ایسے ہی وارد ہوئی ہے؛ جیسے نماز وغیرہ۔ انسان جس قدر نماز درست ادا کرتا ہے؛ اس پر اسے ثواب ملے گا؛ اور جو اس میں کمی رہ جاتی ہے؛ اس پر اسے سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حتی کہ اگر انسان کی نفل نماز ہوگی تو اس سے اس کمی کا ازالہ کیا جائے گا۔ اگر اس کے ادا کردہ افعال باطل ہوتے؛ ان کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہوتا؛ تو اسے اس پر کوئی ثواب نہ ملتا۔ اور نوافل سے اس کا ازالہ نہ ہوسکتا۔ پس سنن میں روایت کردہ نماز میں خطاء کار کی حدیث اسی پر دلالت

---

[1] علامہ اشعری ''مقالات اسلامیین؛ ۱/ ۱۹۸ '' پر فرماتے ہیں: مرجئہ اور جہمیہ کہتے ہیں: بیشک ایمان کی تبعیض نہیں ہوسکتی۔ اور نہ ہی اہل ایمان ایمان میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ مرجئہ میں سے صالحیہ کے نزدیک ایمان نہ ہی کم ہوتا ہے اور نہ ہی بڑھتا ہے۔ اور اشعری نے یہ بھی کہا ہے کہ: یونس السمری کے ساتھی ''السمریہ '' کا خیال ہے کہ: ایمان صرف اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے سامنے جھک جانے اور تکبر سے اجتناب کرنے اور اس سے محبت کرنے کا نام ہے۔ جس انسان میں یہ خصلتیں جمع ہو جائیں؛ وہ مؤمن ہے۔ اور اگر ان میں سے ایک خصلت بھی ترک کی تو وہ کافر جائے گا۔

[2] الحدیث عن عبدِ اللہِ بنِ مسعود رضِی اللہ عنہ فِی: مسلِم 1/93کتاب الإِیمانِ باب تحرِیمِ الکِبرِ وبیانِہِ، ولفظہ: لا یدخل النار أحد فِی قلبِہِ مِثقال حبۃِ خردل مِن اِیمان، ولا یدخل الجنۃ أحد فِی قلبِہِ مِثقال حبۃِ خردل مِن کِبریا۔ سننِ أبِی داود 4/84کتاب اللِباسِ، باب ما جا فِی الکِبرِ، سنن ابنِ ماجہ 1/22؛ المقدِمۃ باب فِی الإِیمانِ، کِتاب صِفۃِ جھنم۔ قال التِرمِذِی ھذا حدِیث حسن صحِیح، وذکرہ السیوطِی، وقال الألبانِی فِی صحِیحِ الجامِعِ الصغِیرِ: صحِیح وھو فِی مسندِ أحمد وسننِ النسائِیِ۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کرتی ہے۔ اگر اس میں کسی قدر کمی رہ جائے تو جتنے اعمال بجالائے ہیں؛ ان پر اسے ثواب ضرور ملے گا۔

اگر آپ یہ کہیں کہ: جب کسی عبادت کے ارکان میں سے کوئی رکن رہ جائے تو فقہائے کرام رحمہم اللہ علی الاطلاق کہتے ہیں: اس کی نماز باطل ہوگئی؛ روزہ باطل ہوگیا؛ حج باطل ہوگیا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: فقہاء یہ جملہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک باطل صحیح کی ضد ہے۔ اور ان کے عرف میں صحیح وہ ہے جس سے مقصود حاصل ہو جائے؛ اور اس پر حکم مرتب ہو۔ وہ حکم ہے: برأت ذمہ۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں: صحیح وہ ہے جس سے قضاء ساقط ہو جائے۔ پس ان کا باطل کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ: اس کی قضاء واجب ہے۔ یہ معنی ہرگز نہیں ہوتا کہ اسے اس فعل پر آخرت میں کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

کلام اللہ میں اور حدیث مبارک میں یہ نفی یوں ہی وارد ہوئی ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((لا یزنی الزانی حِین یزنی وهو مؤمِن ۔))

''زانی زنا نہیں کرتا؛ جب وہ زنا کرے اور وہ مؤمن ہو۔''❶

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((لا إِیمان لِمن لا أمانة له ، ولا دِین لِمن لا عهد له ۔))❷

''اس کا کوئی ایمان نہیں جس میں امانت دار نہیں؛ اور اس کا کوئی دین نہیں جو وعدہ وفا نہیں کرتا۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾[الانفال ۲]

''(اصل) مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾[الحجرات ۱۵]

''مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انھوں نے شک نہیں کیا اور انھوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔''

---

❶ البخاري 3/136 كتاب المظالم، باب النهي بغير إذن صاحبه، كتاب الحدود، باب إثم الزنا، مسلم 1/76 كتاب الإيمان، باب بيان نقصان الإيمان بالمعاصي، سنن أبي داود 4/306 كتاب السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه، سنن الترمذي 4/127 كتاب الإيمان، باب لا يزني الزاني وهو مؤمن، سنن ابن ماجه - 2/1298 كتاب الفتن، باب النهي عن النهب، سنن الدارمي 2/115 كتاب الأشربة باب في التغليظ لمن شرب الخمر۔

❷ الحديث عن أنس بن مالك رضي الله عنه في المسند، ط۔ الحلبي 3/135 وأوله: عن نس بن مالك قال: ما خاطبنا نبي الله صلى الله عليه وسلم إلا قال: لا إيمان لمن لا أمانة له۔ وهو أيضا فيه 3/154۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی واجب کے ترک کرنے یا حرام فعل کے ارتکاب پر ایمان کی نفی کرنا ایسے ہی جیسے چند دوسری چیزوں کی وجہ سے نفی وارد ہوئی ہے؛ جیسے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((لا صلاة إلا بأُم القرآن ۔)) ❶

''سورت فاتحہ پڑھے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔''

اور جیسے نماز میں خطا کار کے حق میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((ارجِع فصلِ فإنك لم تصلِ۔))[سبق تخريجه]

''جاؤ اور نماز پڑھو؛ بیشک تم نے نماز نہیں پڑھی۔''

اور صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے کو نماز دہرانے کا حکم دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((لا صلاة لِفذ خلف الصفِ ۔))[سبق تخريجه]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((من سمِع النِداء ثم لم يجب مِن غيرِ عذر فلا صلاة له۔)) ❷

''جو اذان کی آواز سنے؛ اور پھر بلا عذر مسجد نہ آئے تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

فقہائے کرام رحمہم اللہ میں سے جو کوئی یہ کہے: یہ نفی کمال کے لیے ہے۔

تو اس سے کہا جائے گا: اگر آپ کی مراد مستحب کمال ہے؛ تو یہ دو وجوہات کی بنا پر باطل ہے۔

اول : یہ چیز شارع علیہ السلام کے الفاظ میں کہیں بھی نہیں پائی جاتی کہ آپ انسان کے کسی ایسے فعل کی نفی کریں جو اس نے مطلوب واجب طریقہ پر ادا کیا ہو۔ اور پھر بعض مستحبات کے ترک کرنے کی وجہ سے اس کی نفی کر دیں۔ بلکہ شارع علیہ السلام کسی فعل کی نفی اس وقت تک نہیں کرتے جب تک اسے اس طرح ادا نہ کر دیا جائے جیسے وہ واجب ہوا ہے۔

دوم: اگر ترک مستحب کی وجہ سے نفی کی جائے؛ تو پھر عوام الناس کی نہ ہی کوئی نماز ہوگی اور نہ ہی روزہ۔ اس لیے کہ کمال کے مستحبات مختلف ہوتے ہیں۔ اور کوئی ایک بھی ایسے نماز نہیں پڑھ سکتا جیسے رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ تو

---

❶ البخاري 1/147؛ كتاب الأذانِ، باب وجوبِ القِراةِ لِلإمامِ والمأمومِ، مسلِم 1/295كتاب الصلاةِ، باب وجوبِ قِراة الفاتِحةِ فِى كلِ ركعة، سنن أبِى داود 1/301كتاب الصلاةِ، باب من ترك القِراة فِى صلاتِهِ بِفاتِحةِ الكِتابِ، ولفظه: ولا صلاة لِمن لم يقرأ بِفاتِحةِ الكِتابِ فصاعِدا۔ والحدِيث فِى سننِ التِرمِذِي والنسائِي وابنِ ماجه والدارِمِي والموطأ والمسندِ، وتكلم عليهِ الألبانِى كلاما مفصلا فِى إرواءِ الغلِيلِ 12- 2/10حدِيث رقم 302۔

❷ سننِ ابنِ ماجه 1/260كتاب المساجِدِ والجماعاتِ، باب التغلِيظِ فِى التخلفِ عنِ الجماعةِ، وجاء الحدِيث بِهذا اللفظِ مرة وبِلفظِ: من سمِع النِداء فلم يجِب فلا صلاة له، فِى المستدركِ لِلحاكِمِ 1/245كتاب الصلاةِ، وقال الحاكِم: صحِيح على شرطِ الشيخينِ ولم يخرِجاه، ووافقه الذهبِى، وصحح الألبانِى الحدِيث فِى إروا الغلِيلِ 338 - 2/337وتكلم عليهِ وعلى رِوايات أخرى له۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پھر کیا جو کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرح اپنی نماز مکمل نہ کر سکے تو اس کی نماز بالکل ہی نہیں ہوگی؟

اگر یہ کہا جائے کہ: یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو نماز میں کوئی فرض یا دیگر اس طرح کی چیز چھوڑ دیں؛ انہیں اعادہ نماز کا حکم دیا جائے گا۔ جبکہ اگر ایمان کا کچھ حصہ چھوڑ دیا جائے تو اسے اس کے اعادہ کا حکم نہیں دیا جاتا۔

تو اس سے کہا جائے گا: یہاں پر مطلق اعادہ کا معاملہ نہیں۔ بلکہ اسے ممکن چیز کا حکم دیا جائے گا۔ پس اگر اعادہ ممکن ہو تو اس کا اعادہ کیا جائے گا۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اسے اس کے علاوہ دیگر نیکیاں کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ جیسے اگر کوئی انسان جمعہ کی نماز چھوڑ دے؛ تو اسے ظہر کی نماز پڑھنے کا کہا جائے گا۔ اگرچہ ظہر کی نماز جمعہ کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ترکِ جمعہ کی وجہ سے حاصل ہونے والا گناہ ظہر کی وجہ سے ختم ہو جائے گا۔

ایسے ہی جو کوئی حج کے واجبات میں کوئی واجب عمداً ترک کر دے؛ تو جہاں تک ممکن ہوا سے وہ فعل اپنے وقت میں بجالانے کا حکم دیا جائے گا۔ اور اگر وقت ختم ہو جائے تو دمِ جبران سے اس کا ازالہ کیا جائے گا۔ لیکن اس سے وہ واجب چھوڑنے کا گناہ مطلق طور پر ساقط نہیں ہوگا۔ بلکہ اس سے بطور بدل کے یہی کچھ کرنا ممکن تھا۔ اس پر یہ بھی لازم ہوتا ہے کہ ایسی توبہ کرے جس سے واجب کے ترک کا گناہ دھل جائے۔ جیسے اگر کوئی حرام کام کرتا ہے؛ تو اس پر واجب ہوتا ہے کہ ایسی توبہ کرے جس سے اس کے گناہ دھل جائیں۔ اس کا طریقہ یہ بھی ہے کہ اتنی نیکیاں کرے جو اس کے گناہوں کو دھوڈالیں۔ ایسے ہی جو کوئی ایسا واجب ترک کر دے جس کا استدراک ممکن نہ ہو۔ اگر ممکن ہو تو پھر اس پر بذات خود وہ فعل بجالانا واجب ہو جاتا ہے۔

* ایسے ہی ہم کہتے ہیں: جو کوئی ایمان کے بعض واجبات ترک کر دے؛ بلکہ ہر وہ مامور جسے ترک کر دیا؛ تو یقیناً اس نے ایمان کا ایک جزء ترک کر دیا۔ تو حسب امکان اس کا استدراک کرے۔ اور اگر اس کا وقت ختم ہو جائے تو توبہ کر کے دوسری نیکیاں کرے۔ پس اسی وجہ سے علماء کرام کا اتفاق ہے کہ اس کے لیے خاص اور مشترک وقت میں نماز کا اعادہ ممکن ہے۔ جیسے کوئی انسان نماز عصر کا وقت داخل ہونے کے بعد ظہر کی نماز پڑھے۔ اور عصر کی نماز کو آسمان پر زردی پھیلنے تک مؤخر کر دے۔ پس اس انسان کی نماز تو صحیح ہو جائے گی؛ مگر اس پر تاخیر کا گناہ ہوگا۔ اس کا شمار ان مذموم لوگوں میں ہوگا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ o الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ [الماعون ۴۔۵]

''پس ان نمازیوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔ وہ جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ﴾ [مریم ۵۹]

''پھر ان کے بعد ایسے نالائق جانشین ان کی جگہ آئے جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بلاشک و شبہ نماز کے لیے اس کے واجب وقت سے تاخیر کرنا؛حقیقت میں نماز کو ضائع کرنا اور اسے بھلا دینا ہے۔اس بارے میں علماء کے مابین ہمیں کسی اختلاف کا کوئی علم نہیں ہوسکا۔اوراس بارے میں صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین ورحمہم اللہ علیہم سے آثار بھی وارد ہوئے ہیں۔

صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان حکمرانوں کے متعلق فرمایا؛ جونماز کواپنے وقت سے تاخیر کرکے پڑھیں گے؛:''تم اپنی نماز مقررہ وقت پر پڑھ لو؛ اوران کے ساتھ اپنی نمازوں کونفل بنادو۔''[1]

[نمازوں میں تاخیر]

یہ وہ لوگ تھے جوظہر کی نماز میں عصر تک تاخیر کرتے اورعصر کوآسمان میں زردی چھا جانے تک تاخیر کرتے۔اس تاخیر پرتو ان کی مذمت کی گئی ہے؛مگر یہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہیں جونماز کو بالکل ہی ترک کردیتے ہیں؛ یا سورج کے ڈوب جانے کے بعد پڑھتے ہیں۔ بیشک ان لوگوں سے رسول اللہ ﷺ نے جنگ لڑنے کا حکم دیا ہے۔جب کہ نماز میں تاخیر کرنے والوں سے جنگ لڑنے سے منع فرمایا ہے۔جب رسول اللہ ﷺ نے ان حکمرانوں کا تذکرہ کیا جو بری بری حرکتیں کریں گے؛ تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم تلواریں لیکران پرٹوٹ نہ پڑیں؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا:''جب تک وہ نماز کی پابندی کریں تم ایسا نہیں کرسکتے۔''[تخریج گزرچکی ہے]

رسول اللہ ﷺ خبر دے رہے ہیں کہ وہ نمازوں کے اوقات میں تاخیر کریں گے؛اورحکم دے رہیں کہ تم اپنے وقت پرنماز پڑھ لیا کرو؛ اوران کے ساتھ نمازیں دھرالیا کرو۔تو یہ حدیث ان کی نماز کے درست ہونے کی دلیل ہے۔اگر ان کی نماز بالکل ہی نہ ہوئی ہوتی توان سے لڑنے کا حکم دیا جاتا۔

صحیحین میں ثابت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من أدرك ركعة مِن العصرِ قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك العصر)) [2]

''جوکوئی سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے؛ تواس نے نمازعصر پالی۔''

حالانکہ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی نماز کے متعلق یہ بھی ارشادفرمایا:

((تِلك صلاة المنافِقِ، تِلك صلاة المنافِقِ، يرقب الشمس حتى إذا كانت بين قرني شيطان قام فنقر اربعا لا يذكر الله فِيها إلا قلِيلا ۔)) [3]

---

[1] مسلِم 14/449کتاب المساجِدِ ومواضِع الصلاۃ، باب کراھِیۃِ تأخِیرِ الصلاۃ، سننِ الدارِمِي 1/279کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ خلف من یؤخِر الصلاۃ عن وقتِها، المسند ط۔ الحلبِي 5/159۔

[2] البخارِي 1/116کتاب مواقِیتِ الصلاۃ وفضلِها باب من أدرك مِن الفجرِ ركعة، مسلِم 1/424کتاب المساجِدِ ومواضِعِ الصلاۃِ، باب من أدرك ركعة مِن الصلاۃ فقد أدرك الصلاۃ۔

[3] مسلِم 1/434کتاب المساجِدِ، باب استِحبابِ التبكِيرِ بِالعصرِ، سنن التِرمِذِي 1/107کتاب مواقِیتِ الصلاۃ، باب ما جاء فِي تعجِيلِ العصرِ، سنن النسائِي 1/203کتاب المواقِيتِ، باب التشدِيدِ فِي تأخِيرِ العصرِ، وقد سبق الحدِيث 4/31۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’وہ منافق کی نماز ہے؛ وہ منافق کی نماز ہے وہ انتظار کرتا رہتا ہے حتی کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان میں ہوتا ہے اٹھ کر چار ٹھونگیں مارتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتا ہے۔‘‘

اور صحیحین میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((من فاتته صلاة العصرِ فكأنما وتِر أهله وماله۔)) ❶

’’جس کی نماز عصر رہ گئی گویا کہ اس کے اہل خانہ اور مال سب تباہ ہوگئے۔‘‘

اور صحیحین میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((من ترك صلاة العصرِ فقد حبِط عمله ۔)) ❷

’’جس نے عصر کی نماز ترک کردی؛ اس کے اعمال تباہ ہوگئے۔‘‘

اور صحیحین میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((إن هـذِهِ الـصلاة عرِضت على من كان قبلكم فضيعوها ، فمن حافظ عليها كان له الأجر مرتينِ ۔)) ❸

’’بیشک یہ نماز تم سے پہلے لوگوں پر پیش کی گئی؛ مگر انہوں نے اسے ضائع کردیا؛ پس جو کوئی اس کی حفاظت کرے گا؛ تو اس کے لیے دوہرا اجر ہوگا۔‘‘

اور علمائے کرام رحمہم اللہ کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((من نام عن صلاة أو نسِيها فليصلِها إِذا ذكرها فإِن ذلِك وقتها ۔)) ❹

’’جو کوئی نماز کے وقت سویا رہے؛ یا بھول جائے؛ تو جب اسے یاد آجائے؛ وہ نماز پڑھ لے؛ یہی اس کا وقت ہے۔‘‘

پس سویا ہوا انسان جب بیدار ہو؛ وہ نماز پڑھ لے؛ اور بھولے ہوئے کو جب یاد آجائے تو وہ نماز پڑھ لے؛ جمہور

---

❶ البخارِي 1/111كِتاب الـمـواقِيتِ، باب إِثمِ من فاتته العصر ، مسلِم 1/435كِتـاب الـمساجِدِ، باب التغلِيظِ فِي تفوِيتِ صلاةِ العصرِ ، 1/436۔

❷ البخارِي 1/111كِتاب مواقِيتِ الصلاةِ، باب من ترك العصر ، سنن النسائِي 1/191 ، كِتاب الصلاةِ، باب من ترك صلاة العصرِ۔ وتكلم الألبانِي على الحدِيثِ فِي إِرواِ الغلِيلِ رقم 255۔۔

❸ مسلِم 1/568كِتاب صلاةِ المسافِرين ، باب الوقاتِ التِي نهِي عنِ الصلاةِ وفِي سننِ النسائِي 1/208كِتاب المواقِيتِ، باب تأخِيرِ المغرِبِ، المسند ط۔ الحلبِي - 6/396۔

❹ البخارِي 1/118۔كتاب مواقِيتِ الصلاةِ، باب من نسِي صلاة فليصلِ إِذا ذكرها ، مسلِم 1/477كِتاب المساجِدِ ومواضِعِ الـصلاةِ، بـاب قـضـاءِ الـصلاةِ الـفـائِـتِ ، والحدِيث فِي سننِ بِي داود والنسائِي والتِرمِذِي وابنِ ماجه والدارِمِي والمسنِدِ والموطأ، وانظر إِروا الغلِيلِ 293 - 1/291۔۔

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

جیسے امام مالک؛ احمد بن حنبل اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ اور دیگر کے نزدیک اس پر فوری طور پر فوت شدہ نماز قضاء ہے؛ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: سویا ہوا بھول جانے والا اس میں تاخیر بھی کر سکتا ہے۔اور جو کوئی نماز کے بعض واجبات بھول جائے؛ وہ ویسے ہی ہے جیسے ساری نماز بھول جانے والا۔ اگر اس نے نماز پڑھ لی؛ اور پھر اسے وقت نکل جانے کے بعد یاد آیا کہ اس نے بغیر وضوء کے نماز پڑھی ہے؛ تو وہ اس نماز کو دوبارہ پڑھے گا۔ جیسے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو نماز پڑھائی؛ اور پھر انہیں یاد آیا کہ وہ حالت جنابت میں تھے؛ تو انہوں نے اپنی نماز دوبارہ پڑھ لی؛ مگر مقتدیوں کو نماز دوبارہ پڑھنے کا نہیں کہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے کہ آپ کو سورج طلوع ہونے کے بعد یاد آیا۔ ❶

ایسے ہی اگر کوئی انسان نماز میں تاخیر کرتا ہے؛ اور وہ اس تأخیر کو جائز سمجھتا ہے؛ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب کے موقع پر کیا تھا۔ آپ نے سورج غائب ہو جانے کے بعد یہ نمازیں پڑھی تھیں۔ تو اس تاخیر کی کوئی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ یا تو آپ بھول گئے تھے۔ یا پھر آپ کے حق میں اتنی تاخیر کرنا اس لیے جائز تھا کہ آپ دشمن کے ساتھ جنگ میں مشغول تھے۔

اس مسئلہ میں علمائے کرام رحمہم اللہ کے تین اقوال ہیں: یہ بھی کہا گیا ہے کہ: حالت جنگ میں ہی نماز پڑھی جائے گی: اس میں تاخیر نہیں کی جائے گی۔ اور خندق میں جو تأخیر کی گئی تھی؛ وہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ یہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا مشہور مذہب ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے تقدیم اور تاخیر کا اختیار ہے۔ اس لیے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا تھا کہ وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پہنچ کر پڑھیں؛ تو ان میں سے ایک گروہ نے تاخیر کی؛ حتی کہ عصر کی نماز سورج غروب ہونے کے بعد پڑھی۔ اور ان میں سے ایک گروہ نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ ہم دشمن کی طرف جلدی سے نکل پڑیں؛ نماز کو اس کے وقت سے فوت کرنا مقصد نہیں تھا۔ تو انہوں نے راستے میں نماز پڑھ لی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی ایک گروہ پر بھی تنقید یا سختی نہیں کی۔ یہ حدیث صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے؛ اور اہل شام کے ایک گروہ کا مسلک ہے؛ اور امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ: وہ نماز میں تأخیر کرے گا؛ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے موقعہ پر کیا تھا۔ یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔ پس فی الجملہ جو کوئی بھی نماز میں تاخیر کرے؛ تو اسے معذور سمجھا جائے گا؛ یا تو اس کی بھول کی وجہ سے؛ یا پھر اجتہاد میں خطا کی وجہ سے۔ تو اس صورت میں وہ وقت کے بعد یہ نماز پڑھے گا۔ جیسے وہ انسان جو خیال کرتا ہو کہ سورج ابھی تک طلوع نہیں ہوا؛ اور وہ طلوع آفتاب تک نماز کو مؤخر کرتا ہے۔ یا جو خیال کرتا ہے کہ عصر کا وقت ابھی باقی ہے؛ اور وہ عصر کو مؤخر کرتا ہے حتی کہ سورج غروب ہو جاتا ہے۔ یہ انسان اب اسی وقت میں نماز پڑھ لے گا۔

---

❶ وانظر إِروا الغلِيلِ 1/293 وجاء الحدِيث مختصراً فِي سننِ أبِي داود 1/179 كتاب الصلاةِ باب من نام عنِ الصلاةِ أو نسِيها

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اکثر علماء کا قول ہے کہ اب سورج غروب ہونے تک نماز میں تاخیر کرنے کا جواز باقی نہیں رہا۔ اور جس کسی نے یہ کہا ہے کہ تاخیر کرنا جائز ہے؛ تو وہ پھر بھی نماز پڑھے گا؛ بھلے وہ اپنے اجتہاد سے تاخیر بھی کر دے۔ اور پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ: چونکہ اس نے اپنے اجتہاد سے تاخیر کی ہے؛ اس لیے اس کا شمار ان اہل وعید میں نہیں ہوگا جو اس حدیث میں مذکور ہیں:

((من ترك صلاة العصرِ فقد حبِط عمله ـ))[سبق تخریجه]

''جس نے عصر کی نماز ترک کر دی؛ اس کے اعمال تباہ ہوگئے۔''

پس بیشک بنا بر تأویل ایسا کرنے والا مجتہد خطا کار ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِن الله تجاوز لِي عن أمتِي الخطأ و النِسيان ـ))[سبق تخریجه]

''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے میری امت کے خطا ونسیان کو معاف کر دیا ہے۔''

یہ حدیث حسن ہے۔ نیز اس پر قرآن کریم اور صحیح احادیث مبارکہ دلالت کرتی ہیں۔

ہاں جو کوئی انسان کو اس کے واجب ہونے کا حکم جانتے ہوئے جان بوجھ کر فوت کر دے؛ یا اس کے بعض واجبات کو ترک کر دے؛ اور وہ ان کے واجب ہونے کا حکم جانتا بھی ہو۔ تو اس مسئلہ میں علمائے کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ لیکن ان تمام اقوال میں یہی کہا گیا ہے کہ: وقت کے فوت ہو جانے کے بعد بھی اس کا ادا کرنا صحیح ہوگا۔ اور ایسا کرنا اس کے پر واجب ہے۔ اور جو کچھ وہ کرے گا؛ اس پر اسے ثواب ملے گا؛ اور اس کے ترک کرنے پر اسے سزا جھیلنا پڑے گی۔ جیسے کوئی نماز ظہر میں عصر کے وقت تک تأخیر کرے؛ اور مغرب اور عشاء میں بلا عذر رات کے آخری حصہ تک تاخیر کرے۔

یہ قول امام احمد؛ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے: ہر نماز کو اس کے وقت میں دوہرانا واجب ہے۔ پس اگر وقت گزر گیا تب بھی اس کا اعادہ واجب ہوگا۔ جب کہ امام مالک رحمہ اللہ اور دیگر اہل مدینہ فرق کرتے ہیں؛ جو نماز وقت میں دوہرائی جائے گی؛ اور جو وقت گزرنے کے بعد دوہرائی جائے گی۔ پس جو چیز فرض نہ ہو؛ بلکہ واجب ہو؛ اسے وہ سنت کا نام دیتے ہیں۔ اور جب نماز کو اس وقت پر چھوڑ دیا جائے تو اس کے دوہرانے کا حکم دیتے ہیں؛ جیسے کوئی نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ اور جو چیز فرض ہو؛ جیسے رکوع؛ اور سجدہ؛ اور طہارت؛ تو ان کا تارک ایسے ہی ہے جیسے کسی نے نماز پڑھی ہی نہ ہو؛ اسے وقت کے بعد بھی دوہرایا جائے گا۔

بہت سارے لوگوں نے وقت میں اور وقت کے بعد اعادہ کی اس تقسیم کا انکار کیا ہے۔ علامہ مزنی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ پر تیس مسائل کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے؛ ان میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے۔ اور ایسے ہی مزنی رحمہ اللہ نے شیخ ابوبکر الابہری اور ان کے ساتھی قاضی عبدالوہاب رحمہما اللہ پر بھی رد کیا ہے۔ ان کا سارا سرمایہ ہے کہ: بیشک اگر نماز کو اس کے وقت میں ایسے ادا کر دیا جائے؛ جیسے حکم دیا گیا ہے؛ تو پھر اس پر کوئی اعادہ نہیں؛ نہ ہی وقت میں؛ اور نہ ہی وقت کے بعد۔ اور اگر ویسے نہ ادا کرے جیسے انسان کو حکم دیا گیا ہے؛ تو یہ نماز اس کے ذمہ میں باقی ہے۔ وہ اس کا اعادہ کرے گا؛ بھلے وہ وقت میں ہو یا وقت کے بعد۔ اور اہل مدینہ کہتے ہیں: اس کا وقت میں ادا کرنا واجب ہے؛ کسی ایک کے لیے ہرگز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ جائز نہیں کہ وہ اس کے وقت سے تاخیر کرے۔ اگر متروک عمل کا وقت مؤکد ہو؛ تو پھر اس کے بعد اس کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ کیونکہ وقت کے بعد اس کی تلافی ممکن نہیں رہی۔ پس بیشک نجاست کے ساتھ نماز پڑھنا؛ یا ننگے نماز پڑھنا؛ اس نماز سے بہتر ہے؛ جو وقت گزرنے کے بعد بلا نجاست پڑھی جائے۔ اگر ہم وقت کے بعد اسے نماز دہرانے کا حکم دیں گے؛ تو حقیقت میں ہم اسے اس کی پڑھی ہوئی نماز سے ناقص چیز کے بجالانے کا حکم دینے والے ہوں گے۔ جبکہ شارع اس بات کا حکم نہیں دیتا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی ارکان/فرائض میں سے کوئی رکن/فرض ترک کردے؛ تو وہ ویسے ہی ہے جس نے نماز پڑھی ہی نہ ہو؛ اسے وقت کے بعد بھی نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔

[فرق کی اصل بنیاد]

اس فرق کی بنیاد یہ ہے کہ نماز کے واجبات میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جنہیں ارکان کہا جاتا ہے؛ جن کے بغیر نماز پوری نہیں ہوتی۔ اور کچھ چیزوں کو واجب کہا جاتا ہے؛ جن کے بغیر بھی نماز مکمل ہو جاتی ہے؛ بھلے اس کا سبب بھول و نسیان ہو؛ یا مطلق طور پر کوئی سبب ہو۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان چیزوں کو بھی واجب کہتے ہیں جن کے ترک کرنے پر کسی بھی طرح نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوتا۔ پس جب اہل مدینہ اس میں ان امور کو واجب کہتے ہیں جن کے ترک کرنے اسی وقت اعادہ واجب ہوتا ہے؛ تو یہ شریعت کے زیادہ قریب تھا۔ امام احمد اور امام مالک رحمہما اللہ ان چیزوں کو واجب کہتے ہیں جن کے رہ جانے کی وجہ سے سجدہ سہو لازم آتا ہو؛ یا جن کا ازالہ سجدہ سہو سے ممکن ہو۔ پھر یہ واجب اگر جان بوجھ کر ترک کردیا جائے تو امام احمد رحمہ اللہ اپنے ظاہر مذہب میں اس کے اعادہ کو واجب کہتے ہیں؛ جیسے اگر کوئی کسی رکن کو ترک کردے۔ جیسے اگر کوئی تشہد اول ترک کردے؛ یا دو یا دو سے زیادہ تکبیریں چھوڑ دے۔ یا سری کی جگہ جہری اور جہری کی جگہ سری قرائت کردے۔

تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ حج کے واجبات میں سے کچھ ایسی چیزیں جن کے ترک کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ اور کچھ ایسے اعمال ہیں جن کے ترک کرنے پر حج فوت ہو جاتا ہے۔ ان کا ترک پر ازالہ نہیں ہوسکتا۔ جیسے وقوف عرفہ۔ پس ایسے ہی معاملہ نماز کا بھی ہے۔

تیسرے گروہ کا کہنا ہے: جس چیز کی ادائیگی کا حکم اللہ تعالیٰ نے متعین وقت میں دیا ہو؛ اسے بلا عذر ترک کیا گیا حتی کہ اس کا وقت ختم ہوگیا تو اس کام کے بعد میں کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جیسے جمعہ؛ اور وقوف عرفہ؛ اور رمی جمرات۔ پس بیشک کوئی فعل عبادت اپنے وقت کے بعد تب تک مشروع نہیں ہوتا جب تک شارع اسے مشروع قرار نہ دے۔ اور نہ ہی شارع کے حکم کے بغیر کوئی چیز واجب ہوتی ہے۔ اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اگر کسی سے وقوف عرفہ رہ گیا؛ حتی کہ دوسرے دن کی فجر طلوع ہوگئی؛ خواہ ایسا عذر کی وجہ سے ہوا ہو یا بلا عذر کے۔ تو وہ طلوع فجر کے بعد وقوف عرفہ نہیں کرے گا۔ اور ایسے ہی جو کوئی ایام منی میں جمرات کی رمی نہ کرسکے؛ تو وہ ایام منی کے بعد رمی نہیں کرے گا؛ بھلے اس کا عذر ہو یا نہ ہو۔ ایسے ہی جمعہ کی قضاء نہیں ہوتی؛ بھلے جمعہ عذر کی وجہ سے رہ گیا ہو یا بلا عذر۔ اگر سارے کے سارے شہر والے جمعہ نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پڑھیں تو ہفتہ والے دن وہ جمعہ نہیں پڑھ سکتے۔

جب کہ پانچ نمازوں کے بارے میں ثابت ہے کہ معذور کے لیے جب بھی ممکن ہو؛ وہ پڑھ لے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((من نام عن صلاة أو نسِيها فليصلِها إِذا ذكرها فإن ذلِك وقتها ؛ لا كفارة لها إلا ذلك۔)) [1]

''جو کوئی نماز کے وقت سویا رہے؛ یا بھول جائے؛ تو جب اسے یاد آ جائے؛ وہ نماز پڑھ لے؛ یہی اس کا وقت ہے؛ اس کے علاوہ اس کا کوئی کفارہ نہیں۔''

ایسے ہی رمضان کے روزے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسافر مریض اور حائض کو حکم دیا ہے کہ وہ اتنے ہی دن بعد میں دوسرے دنوں میں روزے رکھ لیں۔

ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کے مابین مشترک وقت ؛ عذر کی صورت میں ان نمازوں کے پڑھنے کے لیے جواز کا وقت ہے۔ اگر بغیر عذر کے انہیں اس وقت میں پڑھا گیا؛ تو ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا۔ لیکن پھر بھی یہ ایسے وقت میں پڑھی گئی ہیں؛ جو جملہ طور پر ان نمازوں کا وقت شمار ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ان حکمرانوں کے پیچھے نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے؛ جو نماز کو اپنے وقت سے تاخیر کرکے پڑھیں گے؛ اور ان سے جنگ کرنے سے منع کیا ہے؛ حالانکہ ان کی اور ان کے ظلم کی مذمت کی ہے۔ یہ حکمران ظہر میں عصر تک تاخیر کرتے تھے۔ تو شیعہ کا ایک گروہ آیا وہ پہلے وقت میں نمازیں جمع کرکے پڑھنے لگا۔ اب بلا عذر بھی ہمیشہ کے لیے ان کا یہی طریقہ کار ہے۔ پس وقت مشترک میں عذر کی وجہ سے جواز داخل ہوتا ہے۔ خواہ یہ عذر حکمرانوں کی تاویل ہو۔ مگر یہ نماز اصل وقت چھوڑنے کے گناہ کے باوجود صحیح ہوگی؛ جب تک کہ مطلق طور پر وقت ختم نہ ہو جائے۔ جیسے کوئی ماہ رمضان میں جان بوجھ کر روزے توڑ دے؛ اور کہے: میں شوال میں روزے رکھوں گا۔ یا پھر جان بوجھ کر نماز ظہر اور عصر میں تاخیر کرے۔ اور کہے: میں انہیں مغرب کے بعد پڑھوں گا۔ یا مغرب اور عشاء میں تاخیر کرے اور کہے میں فجر کے بعد پڑھوں گا۔ یہ فجر میں سورج طلوع ہونے کے بعد تک تاخیر کرے۔ تو یہ درحقیقت بلا عذر نمازوں کا ترک کرنا ہے۔ صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((من فاتته صلاة العصرِ فكأنما وتِر أهله وماله۔))[سبق تخريجه]

''جس کی نماز عصر رہ گئی گویا کہ اس کے اہل خانہ اور مال سب تباہ ہو گئے۔''

---

[1] البخارِي 1/118۔كتاب مواقِيتِ الصلاةِ، باب من نسِي صلاة فليصلِ إِذا ذكرها، مسلِم 1/477كتاب المساجِدِ ومواضِعِ الصلاةِ، باب قضاءِ الصلاةِ الفائِتِ، والحدِيث فِي سننِ بي داود والنسائِي والترمِذِي وابنِ ماجه والدارِمِي والمسندِ والموطأ، وانظر إِروا الغلِيلِ 293 - 1/291--

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اور یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((من ترك صلاة العصرِ فقد حبِط عمله ـ)) [سبق تخریجه]

''جس نے عصر کی نماز ترک کردی؛ اس کے اعمال تباہ ہوگئے۔''

اگر انسان کے لیے اس کا استدراک ممکن ہوتا تو اس کے اعمال تباہ نہ ہوتے۔ اور آپ کا یہ فرمان گرامی کہ:

((وتِر أهله وماله ـ))[سبق تخریجه]

''گویا کہ اس کے اہل خانہ اور مال سب تباہ ہوگئے۔''

یعنی وہ آدمی اکیلا رہ گیا؛ نہ اس کے اہل خانہ رہے اور نہ ہی مال۔ اگر اس کا رات میں ادا کرنا ممکن ہوتا تو وہ اپنے مال وعیال سے تنہا نہ رہ جاتا۔ حدیث میں آتا ہے:

((من أدرك ركعة مِن العصرِ قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك))[سبق تخریجه]

''جس نے سورج غروب ہونے سے قبل عصر کی ایک رکعت پالی؛ تو اس نے عصر کی نماز پالی۔''

اگر اس نماز کا مغرب کے بعد پڑھنا مطلق طور پر درست ہوتا؛ تو وہ نماز کو پالینے والا ہوتا۔ بھلے وہ ایک رکعت پائے یا نہ پائے۔ بیشک ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ جو کوئی ایک رکعت پالے؛ تو اس کی نماز گناہ کے بغیر ہی درست ہو جائے گی۔ بلکہ وہ عمداً تاخیر کرنے پر گنہگار ہوگا۔ اس پر صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں۔ بیشک آپ ﷺ نے نماز کو اس کے مقررہ وقت پر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ کہ عصر کی نماز کو آسمان میں زردی چھا جانے کے بعد تک مؤخر نہ کیا جائے۔ زردی پھیلنے سے پہلے اس نماز کا پڑھنا واجب ہے۔ حدیث میں ہے:

((صلوا الصلاة لِوقتِها ـ))

''نماز کو اس کے وقت پر ادا کرو۔''❶

تو معلوم ہوا کہ نماز کو پالینے سے اس میں بلا عذر دیر کرنے کا گناہ ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ انسان گناہ کے ساتھ ساتھ نماز پڑھنے والا بھی شمار ہوتا ہے۔ اگر یہ نماز مغرب کے بعد پڑھے تو بھی گناہ تو ہوگا؛ اور آسمان پر زردی چھا جانے کے بعد اور مغرب کے بعد پڑھنے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ: ان میں سے ایک کا گناہ زیادہ بڑا ہے۔ اور یہ بات سبھی جانتے ہیں نماز میں جتنی دیر کی جائے گی؛ اس میں اتنا ہی زیادہ گناہ ہوگا۔ پس تقدیم کے وجوب کے ساتھ اس کی قضاء جائز ہے۔ اور قضاء میں جتنی تاخیر کی جائے گی؛ اتنا ہی اس کا گناہ بھی زیادہ ہوتا جائے گا۔

اور جو کوئی نماز کے وقت سویا رہے؛ یا بھول جائے تو جب وہ بیدار ہو؛ یا اسے یاد آئے تو وہ نماز پڑھ لے۔ اس کے

---

❶ مسلِم 1/448ـ كتاب المساجِدِ ومواضِع الصلاةِ، باب كراهِيةِ تأخِيرِ الصلاةِ عن وقتِها المختار ـ سننِ أبِي داود 1/173 كتاب الصلاةِ، باب إذا أخر الإِمام الصلاة عنِ الوقتِ، سنن التِرمِذِي 1/113؛ كتاب مواقِيتِ الصلاةِ، باب ما جا فِي تعجِيلِ الصلاةِ إذا أخرها الإِمام، سنن ابنِ ماجه 1/398ـ كتاب إقامةِ الصلاةِ، باب ما جا فِيما إذا أخروا الصلاة عن وقتِها ـ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے یہی وقت ہے۔ اب اگر بغیر عذر کے تاخیر کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ جیسے وہ انسان گنہگار ہوگا جو فوری واجب حکم کی ادائیگی میں تاخیر کرے۔ لیکن بعد میں بھی اس کا یہ فعل درست ہوگا۔ اور اگر مغرب کے بعد نماز عصر پڑھنے کا یہی حکم ہوتا تو پھر غروب آفتاب کے ساتھ اس کے وقت کو مقید کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ یہ فرمان گرامی:

((من أدرك ركعة مِن العصرِ قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك))[سبق تخریجه]

''جس نے سورج غروب ہونے سے قبل عصر کی ایک رکعت پالی؛ تو اس نے عصر کی نماز پالی۔''

کوئی معنی یا فائدہ نہ دیتا۔ بلکہ یہ اس فوری واجب کی طرح ہوتی جس میں تاخیر کردی جائے۔ یا پھر مغرب کی نماز کی طرح ہوتی؛ جب اس میں عشاء تک کی تاخیر کردی جائے۔ یہ بات معلوم ہے کہ ایسا کرنا کبھی کبھار جائز ہی نہیں بلکہ سنت بھی ہوتا ہے؛ جیسے مزدلفہ کی رات۔ جیسے عرفہ کے دن عصر کی نماز میں تقدیم کرکے ظہر کے ساتھ پڑھنا سنت متواترہ او راجماع مسلمین سے ثابت ہے۔

جب کہ عصر کی نماز مغرب کے بعد پڑھنے کی اجازت غیر معذور کو کبھی بھی نہیں دی گئی۔ جیسے مغرب کی نماز سورج غروب ہونے سے پہلے پڑھنے کی اجازت ہرگز نہیں ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے: کوئی بھی حال ہو؛ تمام واجبات کو ترک کرکے نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا واجب ہے۔ اگر انسان کے لیے ممکن ہو کہ وہ تیمّم کرکے مقررہ وقت میں بغیر قرأت کے نماز پڑھ سکتا ہو تو پڑھ لے؛ بھلے رکوع اور سجدہ بھی پوری طرح اطمینان سے ادا نہ کرسکے۔ یا قبلہ کی طرف متوجہ نہ ہوسکے۔ یا ننگے بدن ہی نماز پڑھنا پڑے۔ اس کے لیے جیسے بھی ممکن ہو؛ اس کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اسے وقت کے بعد اتمام افعال کے ساتھ پڑھنے کی اجازت نہیں۔ یہ امور کتاب وسنت سے ثابت ہیں اور عام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ وقت تمام واجبات پر مقدم ہے۔ پس دریں صورت جس نے بغیر قرأت کے نماز پڑھ لی؛ یا جانتے بوجھتے بغیر سترہ [پردہ/ رکاوٹ] کے نماز پڑھ لی؛ یا اس طرح کی دیگر کسی بھی حالت میں؛ اب اگر اسے وقت کے بعد کہا جائے کہ وہ قرأت کے ساتھ اور سترہ رکھ کر نماز پڑھے؛ تو اسے اس چیز سے ادنیٰ کا حکم دیا جارہا ہے جو اس نے کردی ہے۔ پس اسی لیے جب انسان کے لیے ان دونوں احوال میں سے صرف ایک حال ممکن ہو تو اسے چاہیے کہ نماز کو اپنے وقت پر بغیر قرأت اور بغیر سترہ کے ہی پڑھ لے؛ اور اس کا وقت نکل جانے تک کا انتظار نہ کرے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ترک نماز کے استدراک کا امکان باقی نہیں رہا۔ رہا معذور انسان؛ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے امکانی وقت تک کی وسعت کی ہوئی ہے۔ پس جو کوئی نماز بھول جائے؛ یا نماز کے بعض واجبات بھول جائے؛ تو اسے جب بھی یاد آئے؛ وہ نماز پڑھ لے۔ اس کے حق میں اس کی ادائیگی کا وقت یہی ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ: اس کی نماز مقررہ وقت پر زیادہ کامل تھی۔

تو اس کا جواب یہ ہے: بالکل؛ لیکن اس وقت نیند یا بھول کی معذوری کی وجہ سے اس پر واجب ہی نہیں ہوئی۔ اس پر نماز پڑھنا اسی وقت واجب ہوا ہے جب وہ بیدار ہو یا پھر اسے یاد آجائے۔ جیسے ہم حائض کے حق میں کہتے ہیں: اگر وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عصر کے وقت میں پاک ہوجائے تو وہ عصر اور ظہر دونوں نمازیں پڑھنے کی مامور ہے۔ اوراس کا شمار ظہر اور عصر کو اپنے وقت پر ادا کرنے والوں میں ہوگا۔ ایسے ہی اگر وہ رات کے آخری حصہ میں پاک ہو تو وہ مغرب اور عشاء دونوں نمازیں پڑھے گی۔ مغرب اس کے حق میں ادا ٹھہرے گی؛ قضاء نہیں ہوگی۔ جیسے اصحاب رسول اللہ ﷺ مثلاً حضرت عبدالرحمن بن عوف؛ اور ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین؛ اس کا حکم دیا کرتے تھے؛ اور کسی ایک صحابی سے بھی اس کے خلاف منقول نہیں ہے۔

یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہاں معروف سنت یہی تھی۔ بیشک ایسے واقعات رسول اللہ ﷺ کے اور آپ کے خلفائے راشدین کے عہد مسعود میں بھی پیش آئے تھے۔ اور کتاب وسنت اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے معذور کے حق میں تین اوقات بتائے ہیں۔

یہ بھی ایک عذر ہے؛ اس میں امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ معذور کے حق میں وقت مشترک ہے۔ اسے جمع کی نیت کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اکثر علماء جیسے امام ابوحنیفہ ؛امام مالک اور امام اوران کے پرانے اصحاب رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ساتھیوں میں سے ایک گروہ جیسے خرقی رحمہ اللہ اور اس کے موافقین کا کہتے ہیں: قصر اور جمع میں نیت واجب ہے۔ جمہور علماء کہتے ہیں: نیت واجب نہیں ہے؛ نہ جمع کے لیے نہ انفراد کے لیے۔ یہ امام مالک' امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے قدماء اصحاب کا مذہب ہے۔ اور یہی بات درست بھی ہے۔ جیسا کہ یہ مسئلہ اپنی جگہ پر تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

لیکن حائض [حیض والی] کا معاملہ واضح کرتا ہے کہ اس کے لیے مامور بہ نماز کا اس کے علاوہ کسی دوسرے وقت میں پڑھنا ناممکن ہی نہیں تھا۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو اسے دوسری نمازوں کی قضاء کا حکم دیا جاتا؛ بھلے وہ حکم ایجابی ہو یا استحبابی ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ: بقیہ نمازیں تخفیفاً اس سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: اگر وہ اس نظریہ سے فوت شدہ نمازیں پڑھنا شروع کردے کہ وہ اس طرح سے نماز کا ثواب پائے گی؛ تو ایسا کرنا مشروع نہیں ہیں؛ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ اس کے لیے ممکن ہے کہ جتنا بھی ممکن ہو سکے نوافل پڑھ لے۔ کیونکہ اس کی جو فرض نمازیں [اس بیماری کے دوران] رہ گئی ہیں؛ یہ ان کے وقت میں ان کی مامور ہی نہیں تھی۔ اور فرض نمازیں صرف ان کے مامور بہ وقت میں ہی ادا ہوسکتی ہے۔ ان کا وقت ختم ہو جانے کے بعد ان کی ادائیگی جائز نہیں۔ ہر وہ انسان جو نیند یا نسیان کی وجہ سے معذور ہو؛ یا اس سے کوئی خطاء ہوگئی ہو؛ تو ان کو حکم ہے کہ دوسرے وقت میں یہ نمازیں پڑھ لیں۔ تو گویا کہ انہوں نے مامور بہ وقت میں ہی نمازیں ادا کی ہیں۔ جیسے مسافر اور مریض اور حائض کو رمضان کے روزے بعد میں رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ جب کہ [بلا عذر] رمضان میں افطار کرنے والے کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر وہ سارا سال بھی روزے رکھے؛ تب بھی اسے کفایت نہیں کریں گے۔

کہتے ہیں: اگر بھولے ہوئے انسان کو اسی وقت نماز پڑھنے کا حکم ہے جب اسے یاد آئے۔ اس سے پہلے اسے نماز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پڑھنے کا حکم نہیں۔ کیونکہ اس کے حق میں یاددھانی کا وقت ہی نماز کا وقت ہے۔تو اس نے اپنے وقت پر ہی نماز پڑھی ہے۔ایسے ہی جب سویا ہوا انسان بیدار ہو تو وہ اپنے وقت پر ہی نماز پڑھتا ہے۔

کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے کسی ایک کے لیے جائز نہیں رکھا کہ وہ نماز کو اس کے اوقات سے ہٹ کر ادا کرے۔اور[بلا عذر] وقت سے ہٹ کر پڑھی ہوئی نماز بالکل قبول نہیں ہوتی۔ یہی حال رمضان کے روزوں کا بھی ہے۔سنن میں صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''جس نے رمضان کا ایک روزہ بھی توڑ دیا؛ اگر وہ سارا سال بھی روزے رکھے؛ تب بھی اسے کفایت نہیں کریں گے۔''[1]

یہ حضرات کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ رمضان کے روزے غیر رمضان میں صرف معذور افراد سے قبول کرتے ہیں۔ جیسے: مریض؛ مسافر اور حائض۔اور جس پر مہینہ مشتبہ ہو جائے؛ اور اس نے [سمجھنے کی] کوشش کے باوجود رمضان کے بعد روزہ رکھ لیا تو اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول فرمائیں گے؛ جان بوجھ کر روزہ چھوڑنے والے کا عمل قبول نہیں فرماتے۔

کہتے ہیں: یہ انسان جس نے اپنی بیوی سے رمضان کے دنوں میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا تھا؛ رسول اللہ ﷺ نے اسے قضاء کا حکم نہیں دیا؛ بلکہ اسے صرف کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ایک ضعیف حدیث میں قضاء کا حکم بھی آیا ہے؛ مگر ثقہ علمائے کرام رحمہم اللہ جیسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔[2]

ایسے ہی جس انسان نے جان بوجھ کر قے کی تھی؛ اس کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے اسے دوبارہ روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔مگر اس حدیث کا مرفوع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہونا ثابت ہے۔اور اگر اس کا صحیح ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے؛ تو اس سے مراد وہ معذور ہوگا؛ جو عمداً قے کرنے کو جائز سمجھتا ہو۔ یا پھر وہ مریض مراد ہو جو جسے قے کرنے کی ضرورت ہو؛ تو اس نے ایسا کر لیا ہے۔کیونکہ عادۃً عمداً قے صرف عذر کی بنا پر ہی ہوتی ہے۔ ورنہ کوئی عاقل بلا ضرورت عمداً قے کو جائز نہیں سمجھتا۔ پس اس طرح قے کرنے والا اپنا ایسے ہی علاج کرنا چاہتا ہے جیسے دوائی کھا کر علاج کیا جاتا ہے۔اس انسان سے قضاء قبول ہوتی ہے؛ اور اسے اس کا حکم بھی دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے؛ اگرچہ اس کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔بہر حال ہر صورت اس کا معنی

---

[1] البخاري 3/32کتاب الصوم، باب إذا جامع في رمضان، سنن أبي داود 2/422۔كتاب الصوم باب التغليظ فيمن أفطر عمدا، سنن الترمذي 2/113كتاب الصوم، باب ما جا في الإفطار متعمدا۔

[2] انظر كلام ابن قدامة في المغني 3/109؛ عن حكم من جامع أهله في رمضان، ورأى فقهاء المذاهب فيها، ورأى وجوب القضاء لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال للمجامع وصم يوما مكانه۔رواه أبو داود بإسناده وابن ماجه والأثرم، وأما الكفارة فتلزمه للحديث المتفق عليه عن أبي هريرة - وانظر ما ذكره الألباني في إروا الغليل 4/88۔وكلامه على الحديثين ومخالفته لابن تيمية في مسلة القضاء فإنه استشهد بكلام ابن حجر في الفتح 4/150حيث قال: وبمجموع هذه الطرق تعرف أن لهذه الزيادة وهي قول النبي: وأمره أن يصوم يوما مكانه أصلا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہی ہے۔ ❶

بیشک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہی اعرابی والی وہ حدیث روایت کی ہے جس میں ہے:

''جس نے رمضان کا ایک روزہ بھی توڑ دیا؛ اگر وہ سارا سال بھی روزے رکھے؛ تب بھی اسے کفایت نہیں کریں گے۔''

پس ان احادیث کو اتفاق پر محمول کیا جائے گا؛ اختلاف پر نہیں۔ سلف صالحین اور متاخرین میں سے ایک گروہ کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے ساتھی ابو عبدالرحمٰن کا قول ہے۔ اور داؤد بن علی اور ابن حزم اور دیگر نے یہ قول اختیار کیا ہے۔

وہ کہتے ہیں: ہمارے ساتھ اختلاف کرنے والوں کے پاس ہرگز کوئی ایسی حجت نہیں ہے کہ اختلاف کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ ان میں سے اکثر حضرات کہتے ہیں: دوسرے حکم کے بغیر قضاء واجب نہیں ہوتی۔ اور یہاں پر کوئی دوسرا حکم موجود نہیں ہے۔

ہم صرف قضاء کے وجوب میں اختلاف نہیں کرتے؛ بلکہ ہمارا اختلاف اس قضاء کی قبولیت اور بلا وقت نماز کے درست ہونے میں ہے۔ ہم کہتے ہیں: پانچوں نمازیں اپنے وقت سے ہٹ کر مختص بھی ہیں اور مشترک بھی؛ موسع بھی ہیں؛ مضیق [تنگ وقت والی] بھی۔ جیسے جمعہ کو اس کے وقت سے ہٹ کر پڑھنا۔ اور جیسے حج کو وقت کے بغیر ادا کرنا۔ اور بغیر وقت کے جمرات کی رمی کرنا۔ وقت کسی عبادت کا وصف ہوتا ہے۔ اور سب سے زیادہ تاکیدی واجب ہوتا ہے۔ کوئی عبادت اس کے واجب طریقہ [مواصفات] کے بغیر کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔ ❷

اگر کوئی انسان بلا عذر غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھے؛ تو اس کی نماز محض باطل ہوگی۔ ایسے ہی اگر بلا عذر مشترک وقت سے پہلے نماز پڑھ لے تو وہ بھی باطل ہوگی۔ مثلاً کوئی انسان ظہر کی نماز زوال سے پہلے پڑھ لے۔ اور مغرب سورج غروب ہونے سے قبل پڑھ لے۔ اور اگر اس نے کسی تأویل کی بنا پر ایسے کیا ہے؛ جیسے کوئی قیدی یہ خیال کرے کہ رمضان کا مہینہ شروع ہوگیا ہے؛ تو وہ روزہ رکھ لے؛ اور مسافر بادل کے دن یا کسی اور وجہ اجتہاد کرکے ظہر زوال سے پہلے نماز پڑھ لے؛ غروب آفتاب سے قبل مغرب پڑھ لے۔ تو ان لوگوں پر اعادہ کے واجب ہونے کے بارے میں علمائے کرام رحمہم اللہ کے دو معروف قول ہیں۔ اس میں اختلاف امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے مذہب میں ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ علیہ کے مذہب میں معروف یہ ہے کہ: یہ نماز کفایت نہیں کرے گی۔ اگرچہ اس نے یہ نماز مشترکہ وقت میں پڑھی ہو؛ جیسے عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں پڑھا جائے۔ اور عشاء کی نماز شفق غائب ہونے سے قبل پڑھی جائے۔ امام احمد رحمہ اللہ علیہ کے مذہب کا صحیح قیاس

---

❶ انظر كلام الألباني على هذا الحديث في إروا الغليل 4/51۔ وقد صححه مرفوعاً ونصه: عن أبي هريرة، قال رسول الله ﷺ: ''من ذرعه القيء فليس عليه قضاء، ومن استقاء فليقض۔ على أن للحديث وجها آخر ضعيف، انظر 4/53۔

❷ انظر ما ذكره ابن حزم في وجوب القضاء على من استقاء وعدم وجوب القضاء على المتعمد للجماع في رمضان في المحلى 6/175۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ یہ نماز کفایت نہیں کرے گی۔ پس بیشک اگر کسی عذر کی وجہ سے نمازیں جمع کی گئی ہیں؛ تو اس میں نیت شرط نہیں ہے۔ اور یہ واضح منصوص حکم موجود ہے کہ اگر مسافر نے غیاب شفق سے قبل عشاء کی نماز پڑھ لے تو اس کفایت کر جائے گی؛ کیونکہ اس کے حق میں نمازیں جمع کرنا جائز ہے۔ اگر اس نے عشاء مغرب کے ساتھ نہ پڑھی ہو۔ پس مسافر اور اس کے امثال کے لیے ظہر میں تاخیر اور عصر میں تقدیم جائز ہے؛ اور ایسے ہی مغرب میں تاخیر اور عشاء میں تقدیم جائز ہے۔ جیسا کہ سلف صالحین سے منقول ہے۔ پس یہاں پر یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر دوسری نماز کو اس کے خاص وقت سے قبل ادا کیا گیا تو کفایت کر جائے گی۔

وہ کہتے ہیں: یہاں پر اختلاف ایسی نماز کے درست ہونے کے متعلق ہے۔ جیسے رمی جمرات کے متعلق اختلاف ہے کہ کیا وقت کے بعد بھی رمی کی جاسکتی ہے؟ پہلے علماء کہتے ہیں: جو آپ نے تقسیم کی ہے؛ جمعہ؛ رمی جمرات اور حج کی؛ تو شریعت میں ان اعمال کو ان کے متعین وقت کے بعد کسی بھی صورت میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی کوئی معذور اور نہ ہی غیر معذور۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ افعال زمانے کے ساتھ بھی ایسے ہی خاص ہیں جیسے وہ جگہ کے ساتھ خاص ہیں۔

[معذور اور غیر معذور کا فرق]

جبکہ پانچ نمازوں کا معذور کے لیے وقت گزرنے کے بعد قضاء کرنا جائز ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ غیر وقت میں بھی ان نمازوں کا پڑھنا درست ہے۔ اور وقت نماز کے لیے شرط نہیں ہے۔ جیسے یہ دوسری عبادات میں شرط ہے۔ جبکہ دوسرے حضرات کہتے ہیں: اس کے جواب میں دو توجیہات ہیں؛

اول: یہ کہا جائے کہ: تصور کیجیے معذور کے لیے وقت گزرنے کے بعد بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وسعت اور رحمت ہے۔ اور نیند میں پڑے انسان اور بھول جانے والے کا کوئی گناہ نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بیداری یا یاد آنے تک کی وسعت کر دی۔ کیونکہ اس وقت سے پہلے ان کے لیے نماز کا ادا کرنا ممکن ہی نہیں۔ تو اس میں کون سی ایسی چیز ہے جو اس کبیرہ گناہ کے مرتکب جان بوجھ کر نماز میں تاخیر کرنے والے کے لیے جواز پر دلالت کرتی ہے؛ جس کا کوئی عذر ہی نہیں۔ اگر حج ایک سال فوت ہو جائے تو اگلے سال میں اس کا ازالہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اگر رمی جمرات رہ جائے تو اس کا بدل موجود ہے؛ اور وہ جانور ذبح کر کے تقسیم کرنا۔ اور جب جمعہ رہ جائے تو اس کے بدلہ میں ظہر کی نماز پڑھی جائے۔ پس ایسے یہ معذور انسان اگر اس سے مقررہ وقت کی عبادات رہ جائیں تو اس کے لیے بھی اس کے متبادل امور مشروع ہیں جنہیں بجالایا جاسکتا ہے۔ اور اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ یہ اس کے حق اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ جب کہ غیر معذور کے لیے حج میں بدل موجود ہیں۔ اس لیے کہ حج میں نیابت جائز ہے۔ جب کوئی انسان مر جائے تو اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہے۔ بھلے یہ اس کی تقصیر اور کوتاہی کی وجہ سے رہ گیا ہو۔ کسی دوسرے کا اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہے۔ تو پھر اگر وہ خود اس کا کوئی جائز بدل تلاش کرے؛ یہ زیادہ اولی ہے۔ اس لیے کہ جو خون وہ خود بہائے گا؛ وہ کسی دوسرے کے خون بہانے سے زیادہ اولی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک جمعہ کا تعلق ہے؛ جب جمعہ رہ جائے تو بیشک وہ ظہر کی نماز پڑھ لے گا۔ کیونکہ ظہر ہر روز کا معتاد فریضہ ہے۔ یہ اس وجہ سے نہیں کہ جمعہ کا متبادل ہے۔ بلکہ ہر ایک پر ظہر کی نماز ادا کرنا یا جمعہ پڑھنا فرض/ واجب ہے۔ پس جب انسان کے لیے جمعہ ادا کرنا ممکن ہو تو جمعہ کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔ اگر اس نے ظہر کی نماز نہ پڑھی ہو۔ اگر جمعہ چھوٹ جائے تو پھر اس کے لیے ظہر کا پڑھنا ممکن رہتا ہے۔ تو اس پر نماز ظہر کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔ پس در ایں صورت اکثر علماء کے نزدیک اس کے لیے جائز نہیں ؛ ہاں اگر جمعہ کی نماز رہ جائے تو۔

جہاں تک فرض نمازوں کا تعلق ہے؛ تو ان میں کسی بھی حال میں نیابت ممکن نہیں ہو سکتی۔ ایسے ہی اگر رمضان کے روزوں پر انسان قادر ہو تو؛ ان میں نیابت ممکن نہیں۔ اگر ایسا نہیں تو اس سے روزے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر علماء کے نزدیک وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا۔ جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر کچھ بھی نہیں ہے۔ اور جو سنت میں وارد ہوا ہے کہ: اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے گا۔ تو یہ نذر وغیرہ میں ہے۔ جیسے خود ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس کی تفسیر کی ہے؛ جنہوں نے یہ روایت نقل کی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کے الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو آدمی انتقال کر جائے اور اس پر کچھ روزے لازم ہوں تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے رکھے۔"[1]

نذر اس کے ذمہ پر ہوتی ہے؛ اور وہی اس پر واجب بھی ہے۔ جبکہ رمضان کے روزے اس کے ذمہ میں نہیں ؛ اور نہ ہی اس پر واجب باقی رہے ہیں ؛ کیونکہ اس کی عاجز [اور معذوری کی وجہ سے] اس سے ساقط ہو گئے ہیں۔

جب اصل میں کسی ایک کی طرف سے نہ ہی کوئی رمضان کے روزے رکھ سکتا ہے؛ اور نہ ہی پانچ فرض نمازیں پڑھ سکتا ہے؛ تو پھر ان کا کوئی بدل بھی نہیں۔ بخلاف حج اور دوسرے اعمال کے۔ اسی لیے شارع نے ان کی قضاء میں معذور کے لیے اس کی حاجت کے پیش نظر اس پر رحمت اور وسعت کرتے ہوئے توسیع کی ہے۔ جبکہ ان دو کے علاوہ کسی اور کے لیے کوئی وسعت نہیں دی گئی۔ کیونکہ اس کے لیے اس کی قضاء کی ضرورت ہی نہیں ؛ کیونکہ اس کے لیے اس کا مشروع بدل موجود ہے۔ یا تو ظہر کے بدلے میں جمعہ ہے۔ یا پھر حج کے واجبات کی جگہ دمِ جبران ہے۔ یا پھر کسی دوسرے کا ادا کرنا ہے۔ جیسے میت کی طرف سے حج کرنا۔

پس اس سے نماز اور روزہ اور دیگر عبادات کے مابین ؛ اور معذور اور غیر معذور کے مابین فرق واضح ہوتا ہے۔ اور اس سے یہ واضح پتہ چلتا ہے کہ جو کوئی اس میں غیر معذور کے لیے بھی ویسے ہی وسعت سمجھتا ہے؛ جیسے معذور کے لیے وسعت ہے؛ تو وہ اپنے قیاس میں غلطی کا ارتکاب کر رہا ہے۔

[1] البخارِي 3/35کتاب الصومِ، باب من مات وعليهِ صوم؛ مسلِم 2/803کتاب الصِيامِ، باب قضاءِ الصِيامِ عنِ الميتِ، سنن أبِي داود 2/423؛ کتاب الصومِ، باب فِيمن مات وعليهِ صِيام، وقال أبو داود: هذا فِي النذرِ، وهو قول أحمد بنِ حنبل۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرا جواب : بیشک ہم نے ایسا قیاس نہیں کیا جس میں فرع کے حکم کو اصل سے نکال لایا ہو۔ بیشک جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے؛ وہ شرعی ادلہ سے ثابت ہے جن کی موجودگی میں کسی قیاس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے۔ لیکن ہم نے قیاس اس لیے ذکر کیا ہے تا کہ انسان کے تصور میں وہ صورت آجائے جو اس سلسلہ میں شریعت میں موجود ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ مسئلہ کو سمجھانے اور اس کا تصور بیان کرنے کے لیے مثالیں بیان کرتے ہیں۔ یہ بیان اس لیے نہیں ہوتا کہ یہ کوئی شرعی دلیل ہے۔

اس قیاس سے مراد یہ ہے کہ نماز کو اس کے وقت کے بعد ادا کرنا؛ جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس تاخیر کو حرام ٹھہرایا ہے؛ وہ ان عبادات کی ادائیگی کی منزلت پر ہے۔ یہاں پر مقصود ایک حکم کی تمثیل سے دوسرا حکم بیان کرنا ہے۔ تو اس سے پتہ چلا یہاں مقصود یہ ہے کہ: نماز اب باقی نہیں رہی جو قبول تو مگر صحیح نہ ہو۔ جیسے یہ عبادت نہ ہی قبول ہوتی ہے اور نہ ہی صحیح ہوتی ہے۔ بیشک جہلاء میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ گمان کرتے ہیں: اس سے مراد نماز کے معاملہ کی توہین/ یا اس میں نرمی ہے۔ اور یہ کہ جس کی نماز رہ جائے اس سے قضاء ساقط ہو جاتی ہے۔ تو ایسے بیوقوف لوگ نماز چھوڑنے کے داعی بن جاتے ہیں۔

یہ بات کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ جس کسی نے یہ کہا ہے کہ: جس نے نماز چھوڑ دی اس پر کوئی گناہ نہیں ہے؛ وہ کافر اور مرتد ہے؛ اس سے توبہ کروائی جائے گی۔ اگر وہ توبہ کر لے تو ٹھیک ؛ ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن جان بوجھ نماز چھوڑنا بالکل ایسے ہی ہے جیسے جان بوجھ رمضان کے روزے چھوڑنا۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اور مسلمانوں کے تمام گروہوں کا اجماع ہے: جو کوئی یہ کہے کہ میں دن کی نماز رات کو پڑھوں گا؛ وہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے کوئی کہے میں رمضان کے روزے شوال میں رکھوں گا۔ اگر وہ اپنے لیے ایسا کرنے کو جائز سمجھتا ہے؛ تو وہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے کوئی رمضان کے روزوں کو شوال تک مؤخر کرنا جائز سمجھتا ہے۔ اور دونوں سے باتفاق علماء توبہ کروائی جائے گی۔ اگر وہ توبہ کرلیں؛ اور نماز و روزہ کی بروقت ادائیگی کے واجب ہونے کا عقیدہ رکھیں تو ٹھیک ؛ ورنہ ان دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔

[بعض فاسد اعتقادات اور ان کے اسباب]

بہت سارے جہلاء اور عوام الناس کسی معمولی سے کام کی وجہ سے بھی ان نمازوں میں رات تک تاخیر کرنے کو جائز سمجھتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ رات میں ان کا نماز پڑھنا؛ کام کے ساتھ ساتھ دن میں نماز پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ نظریہ باتفاق مسلمین باطل ہے۔ بلکہ ایسا تصور کرنا کفر ہے۔ اور بعض لوگ صرف اس کے کمال افعال کی صورت میں ہی بروقت ادائیگی کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور اگر کوئی کمالِ افعال کے ساتھ تاخیر سے پڑھے تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ حالانکہ یہ باطل ہے۔ بلکہ اس کے کفر ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

ان فاسد اعتقادات کے سبب غیر معذور کے لیے قضاء تجویز کی گئی ہے۔ کسی کہنے والے کا یہ کہنا کہ: ایسی نماز صحیح اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مقبول ہوگی؛ بھلے وہ اس میں تاخیر پر گنہگار ہو؛ پس یہ لوگ سورج غروب ہونے کے بعد نماز عصر کی ادائیگی کو ایسے ہی سمجھتے ہیں جیسے آسمان پر زردی چھا جانے کے بعد اس کا پڑھنا۔ درحقیقت یہ ان دو چیزوں کو جمع کرنا ہے جن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے واضح طور پر فرق کیا ہے۔ اگر عوام الناس کو مسلمانوں کے اس اجماع کا علم ہو جائے کہ نماز کو [اس کے وقت سے] چھوڑنا ایسے ہی ہے جیسے رمضان کو چھوڑ دینا؛ تو پھر وہ نماز کو بروقت ادا کرنے کے لیے ہر طرح کی کوششیں بروئے کار لاتے۔

اس کے جملہ اسباب میں سے ہے بھی ہے کہ رمضان کے روزے تمام لوگوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ اور وقت بھی عبادت کے مطابق ہوتے؛ اس سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس کی شرائط بھی نماز کی طرح نہیں ہیں۔ جب کہ نماز کا وقت وسیع ہوتا ہے۔ تو بعض لوگ پہلے وقت میں نماز پڑھتے ہیں؛ اور بعض لوگ آخری وقت میں نماز پڑھتے ہیں۔ دونوں باتیں جائز ہیں۔ اور اس میں ایسے واجبات بھی ہیں جن کے بارے میں جاہل لوگ گمان کرتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے؛ مگر یہ کہ مطلق طور پر دوسرے واجبات کے ساتھ بجا لایا جائے۔ تو کہتے ہیں: یہ ہم وقت کے بعد بھی کر لیں گے۔ ان میں تاخیر کرنا وقت پر ان واجبات کو ادا کرنے سے بہتر ہے۔ یہ بہت بڑی جہالت ہے جس کی وجہ سے نماز فوت ہو جاتی ہے۔ نماز کو فوت کرنا بالاجماع حرام ہے۔ اور جو انسان نماز کو فوت کر دیتا ہے؛ اس کے لیے یہ کہنا جائز نہیں کہ تم پر کوئی حرج نہیں۔ یا تم سے یہ نماز ساقط ہوگئی۔ جو کوئی یہ بات کہے؛ تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ لیکن اسے یہ بتایا جائے گا کہ تمہارا معاملہ ایسے ہی ہے جیسے زانی اور قاتل کا اور رمضان میں دن دیہاڑے جان بوجھ کر روزہ توڑنے والے کا۔ جب تم نے کوئی ایسا گناہ کیا تو اب اس کے ازالہ کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو اس کے قائم مقام ہو۔ کیونکہ ایسا کرنا تو کبیرہ گناہ ہے۔ بلکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''دو نمازوں کو بلا عذر جمع کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔''

جب اتنا بڑا گناہ بلا عذر نمازیں جمع کر کے پڑھنے میں تو پھر بلا عذر انہیں فوت کر دینے کا کتنا بڑا گناہ ہوگا؟

پس اس صورت میں آپ پر توبہ کرنا لازم ہو جاتا ہے؛ مزید برآں کثرت کے ساتھ نیک اعمال کریں؛ جو اس کی قضاء سے گے نکل جائیں۔ پس کثرت کے ساتھ نفل نمازیں پڑھیں؛ یہ یقیناً آپ کی کوتاہی کا کفارہ بن جائیں گی۔ مگر اس کے باوجود آپ خطرہ پر ہیں۔ اور صدقہ کریں۔ کسی صحابی کو اس کے باغ نے مغرب کی نماز سے غافل کر دیا تھا تو اس نے اپنا وہ پورا باغ صدقہ کر دیا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی نمازِ عصر گھوڑوں کی دیکھ بھال کی وجہ سے فوت ہوگئی تھی۔ آپ اپنے گھوڑوں کو سہلا رہے تھے۔ تو پھر آپ نے اس کے کفارہ میں گھوڑوں کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔

پس جس کسی کی ایک نماز فوت ہوگئی تو اس نے کبیرہ گناہوں میں سے بہت بڑا گناہ کیا۔ اسے چاہیے کہ جس قدر اس کے لیے ممکن ہو توبہ اور نیک اعمال سے اس کا ازالہ کرے؛ اگرچہ اس نے قضاء پڑھ بھی لی ہو؛ مگر صرف قضاء پڑھ لینے سے یہ گناہ ختم نہیں ہوگا۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ: اس سے قضاء قبول نہیں کی جاتی؛ ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ ہم اسے کئی بار زیادہ پڑھنے کا کہتے ہیں۔تا کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کردے۔ ایسا نہیں کہ : قضاء کو سرے سے دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ اس لیے کہ قضاء میں تخفیف اور رحمت ہے۔ جیسے مسافر اور مریض کے حق میں رمضان میں[افطار ہے]۔ رحمت اور تخفیف معذور اور عاجز کے لیے ہوتی ہے۔کبیرہ گناہوں کے مرتکب ان لوگوں کے لیے نہیں ہوتی جو جان بوجھ دین اسلام میں کوتاہی/کمی کرتے ہوئے ان گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔

نماز اسلام کا ستون ہے۔کیا آپ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح احادیث میں ثابت ہے ؛ آپ سے کئی اسناد سے روایت کیا گیا ہے؛ جب آپ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا؛ جس پر حج واجب ہوگیا تھا؛ مگر وہ اس کے ادا کرنے سے عاجز آ گیا؛ اور جس نے روزے منت مانے تھی؛ یا حج کی منت مانی تھی؛ اور پھر وہ فوت ہوگیا؛ کیا یہ اعمال ان کی طرف سے ادا کئے جائیں گے ؛تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر تیری ماں/یا باپ پر کوئی قرض ہوتا ؛تو کیا تم وہ قرض اس کی طرف سے ادا کرتے ؟ عرض کیا: ہاں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا:''اللہ کا قرض زیادہ اس کا حقدار ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔''[1]

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ وہ بنی آدم میں سے معذور انسان کی طرف سے قضاء قبول فرمائیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب سے بڑے رحیم و کریم ہیں۔ اور آدمی بھی کسی دوسرے[مرجانے والے کی طرف] سے ایسی کوتاہی میں عذر قبول کرلیتے ہیں؛ تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی قبولیت کے زیادہ حق دار ہیں۔

اس سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ مرنے والے پر جو اس کے حقوق رہ گئے ہیں؛ ان کی قضاء دی جائے۔ بلاشک وشبہ میت کا قرضہ اس کے وارثوں پر قضاء/ادا کرنا واجب نہیں ہوتا۔لیکن اسے میت کے مال سے ادا کرنا ہوگا۔اور ایسے ہی میت نے جو کوئی نذر وغیرہ مانی ہو؛ اسے پورا کرنا اس کے وارثوں پر واجب نہیں۔

سائل نے اس عمل کے قبول ہونے اور کفایت کر جانے کے متعلق سوال کیا تھا۔اس واجب ہونے کا نہیں پوچھا تھا۔ پس ضروری تھا کہ اس کے سوال سے متعلق ہی جواب دیا جائے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ عبادات کی قضاء کا حکم ؛اور قضاء کو قبول کرلینا محض احسان اور رحمت ہیں۔اور یہ معذور کے ساتھ مناسب بھی ہے۔جب کہ کبیرہ گناہ مرتکب؛ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا؛ نہ ہی تخفیف کا مستحق ہے اور نہ ہی رحمت کا۔لیکن اگر وہ توبہ کرلے؛ تو اس کے لیے تمام کبیرہ گناہوں سے توبہ کرنے والوں میں اسوہ حسنہ ہے۔ پس اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری اور عبادت میں جتنا ممکن ہوسکتے خوب محنت اور کوشش کرے۔اور جو علماء اسے قضاء کا کہتے ہیں؛ وہ یہ نہیں کہتے کہ: صرف اس کی قضاء سے گناہ بھی ساقط ہوجائے گا۔ بلکہ ان کہنا یہ ہے کہ قضاء سے گناہ میں تخفیف ہوجائے گا۔ جب کہ نماز کو چھوڑ دینا اور اس میں تاخیر کرنا دوسرے ان تمام گناہوں کی طرح ہے جن سے توبہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یا پھر ان نیک اعمال کی ضرورت ہوتی ہے

[1] مسلِم 2/804کتاب الصِیامِ باب قضاءِ الصِیامِ عنِ المیتِ، سنن التِرمِذِي 2/110کتاب الصومِ، باب ما جاء فِي الصومِ عنِ المیتِ، قال التِرمِذِي: وفِي البابِ عن بریدة وابنِ عمر وعائِش حدِیث ابنِ عباس حدِیث حسن صحِیح۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جن سے گناہ مٹ جائیں۔ یا دیگر کوئی ایسا عمل کیا جائے جس سے سزا ساقط ہو جائے۔

ان مسائل کی تفصیل کی یہ جگہ نہیں ہے۔ یہاں پر یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ: جو چیز شیطان کی طرف سے ہو؛ جو انسان کی طاقت سے باہر ہو؛ تو وہ معاف ہے؛ جیسے بھول جانا؛ اور سوئے رہنا۔ یا اجتہاد میں غلطی کر جانا۔ اور اس طرح کے دیگر امور۔ اور امت کے اولین و آخرین میں سے جس کسی کی بھی کسی فعل پر مدح اور تعریف کی گئی ہے؛ اللہ تعالیٰ اس پر ثواب دیتے ہیں؛ اور اس کی قدر بلند کرتے ہیں۔ یہی چیز رسول اللہ ﷺ لیکر آئے ہیں۔ پس ثواب اسی چیز پر ملتا ہے جو رسول اللہ ﷺ لیکر آئے ہوں نصرت اسی کی ہوگی؛ جو آپ ﷺ کی نصرت کرے؛ اور سعادت مندی اس کی ہوگی جو آپ کی اطاعت کرے۔ اللہ تعالیٰ کی برکتیں اور ملائکہ کی دعائیں بھی آپ پر ایمان لانے والوں کے لیے ہیں۔ اور لوگوں کو اس کا دین سکھانے والوں کے لیے ہیں۔ اور حق اسی کے ساتھ گھومتا ہے جہاں بھی یہ موجود ہو۔ اور مخلوق میں حق کا سب سے بڑا عالم وہی ہوسکتا ہے جو آپ ﷺ کا زیادہ تابعدار ہو اور آپ ﷺ کی سنتوں کا زیادہ عالم اور ان پر عمل کرنے والا ہو۔ اور ہر وہ قول جو آپ ﷺ کے خلاف ہو؛ وہ یا تو منسوخ دین ہوگا۔ یا پھر بدلا ہوا جین ہوگا جو کہ کبھی مشروع نہیں ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو میں فرمایا تھا: ''ہم میں سب سے بہتر انسان وہ ہے جو اس دین کا زیادہ تابعدار ہو۔'' اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اور دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس بات پر آپ کی موافقت کی تھی۔

فصل: ...... اصحاب محمد ﷺ کی منزلت اور ان کے لیے استغفار کا حکم

جب سلف صالحین نے یہ بات کہی کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے تو شیعہ نے اس کے برعکس ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ نبی کریم ﷺ نے صحیح حدیث میں فرمایا ہے:

((لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ)) ...... ''میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔'' [سبق تخریجہ]

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ صحابہ کو گالی دینا حرام ہے۔ استغفار کا حکم اور گالی دینے کی مخالفت یہ دونوں عام حکم ہیں، کسی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''مسلم کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑنا کفر ہے۔'' [سبق تخریجہ]

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (الحجرات: 11)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو ایمان کے بعد فسق برا نام ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں''

یہاں پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مذاق اڑانے؛ طعنہ زنی کرنے اور عیب جوئی کرنے اور نام بگاڑنے سے منع فرمایا ہے۔ لمز: عیب اور طعنہ زنی کو کہتے ہیں۔

جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّلۡمِزُكَ فِی الصَّدَقَاتِ﴾ (التوبة:۵۸)

''اور بعض لوگ صدقات کے بارے میں آپ کو طعنہ دیتے ہیں۔''

یعنی آپ پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور عیب لگاتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ﴾[التوبة ۷۹]

''جو لوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَلۡمِزُوۡا اَنۡفُسَكُمۡ﴾[الحجرات ۱۱]

''آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ۔''

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنَاتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَیۡرًا﴾[النور ۱۲]

''اسے سنتے ہی مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰی بَارِئِكُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ﴾[البقرة ۵۴]

''اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو، اپنے آپ کو آپس میں قتل کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَیۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ﴾[الهمزة ۱]

''بڑی ہلاکت ہے ہر بہت طعنہ دینے والے، بہت عیب لگانے والے کے لیے۔''

همز: کہتے ہیں: شدت کے ساتھ عیب جوئی اور طعنہ زنی کرنے۔ اسی سے ہے: همز الأرض بعقبه: زمین کو اپنی ایڑی سے شدید ٹھوکر لگانا۔ اسی سے همزة: بھی ہے؛ یعنی سینے میں ٹھوکر لگانا۔ جب کہ عموماً مؤمنین کے لیے استغفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡبِكَ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنَاتِ﴾ [محمد ۱۹]

''اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی۔''

یقیناً اللہ تعالیٰ نے مردہ مؤمنین کے لیے نماز جنازہ پڑھنے [اور دعائے مغفرت و رحمت کرنے کا حکم دیا ہے]۔ اور نبی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کریم ﷺ منافقین کے لیے بھی استغفار کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کو اس سے روک دیا گیا۔ ❶

پر ہر وہ مسلمان جس کے بارے میں منافق ہونے کا علم نہ ہو اس پر نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے لیے استغفار کرنا جائز ہے۔ بھلے ان میں کوئی بدعات اور فسق و فجور کے کام بھی پائے جاتے ہوں۔ لیکن ہر ایک پر واجب نہیں ہے کہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔ اس لیے کہ بدعت کی طرف دعوت دینے والے یا کھلے عام گناہ کا کام کرنے والی کی نماز جنازہ نہ پڑھنے میں باقی لوگوں کے لیے تنبیہ اور ڈراوا ہے۔ پس نماز جنازہ پڑھنا ترک کرنا ان لوگوں کے لیے جائز ہے جن کا جنازہ چھوڑنا لوگوں کے لیے عبرت اور ڈر کا باعث ہوسکتا ہو۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے خودکشی کر لینے والے کے بارے میں فرمایا:

''اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔'' ❷

اور ایسے ہی ایک مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے بارے میں فرمایا:

''اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔'' ❸

ایسے ہی جب حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: آپ کا بیٹا ساری رات نہیں سویا؛ تو آپ نے پوچھا: ''کیا بدہضمی سے؟ انہوں نے کہا: ہاں بدہضمی کی وجہ سے۔'' آپ نے فرمایا: اگر وہ مرجاتا تو میں اس کی نماز جنازہ نہ پڑھتا؛ کیونکہ ایسا کرنا خودکشی ہے۔'' [یعنی اتنا زیادہ کھالینا جس سے بدہضمی ہو]۔

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا ایسے لوگوں پر صرف امام عام جنازہ پڑھنا ترک کرے گا؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ''اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔'' یا پھر یہ نماز کا ترک کرنا صرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص تھا؟ یا ان کے حق میں بھی مشروع ہے جن سے نماز جنازہ پڑھانے کا کہا جائے۔ اور پھر یہ اختلاف بھی ہے کہ یہ حکم امام بمعنی حاکم کے لیے ہے؛ یا پھر امام بمعنی فرض نمازیں پڑھانے والے امام کے ہے۔ اور پھر کیا یہ حکم صرف ان دو قسم کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے یا ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے۔ یہ مسائل اپنی جگہ پر تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں۔

بہر کیف اسلام کا اظہار کرنے والے مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں: یا تو وہ سچا مؤمن ہوگا یا پھر منافق ہوگا۔ جس کے منافق ہونے کا پتہ چل جائے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور نہ ہی اس کے لیے استغفار کیا جائے۔ اور جس کے نفاق

---

❶ فِی البخارِیِ 2/96 ؛ کتاب الجنائز باب ما یکرہ مِن الصلاۃِ علی المنافِقِین ، وھو فِی سننِ الترمِذِیِ النسائِیِ وأحمد وانظر کلام الألبانِي علیہِ فِی سِلسلۃِ الأحادِیثِ الصحِیحِ 3/123

❷ فِی سننِ الترمِذِیِ 2/265 ، کتاب الجنائِزِ باب ما جاء فِیمن یقتل نفسہ لم یصلِ علیہِ ، فِی سننِ النسائِیِ 4/53؛ کتاب الجنائِزِ باب ترکِ الصلاۃ علی من قتل نفسہ۔

❸ فِی سننِ أبِی داود 3/91 ؛ کِتاب الجِھادِ باب فِی تعظِیمِ الغلولِ ، سنن النسائِیِ 4/52کتاب الجنائِزِ ، باب الصلاۃ علی من غل ، سنن ابنِ ماجہ 2/950؛ کتاب الجِھادِ باب الغلولِ ، والحدِیث فِی المسندِ ط۔ الحلبِي 5/192؛ المستدرِك 2/127 ؛ وقال الحاکِم: صحِیح علی شرطِ الشیخینِ ، وضعف الألبانِی الحدِیث فِی إِروا الغلِیلِ 3/174؛ وتکلم علیہِ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا علم نہ ہو اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے اور اس کے لیے استغفار بھی کیا جائے۔ جب کسی ایک آدمی کو کسی کے منافق ہونے کا علم ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھے اس کی نماز جنازہ وہ پڑھے جسے اس کے نفاق کا علم نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس انسان کی نماز جنازہ نہیں پڑھا کرتے تھے جس کی نماز جنازہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نہ پڑھیں۔ اس لیے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ان منافقین کے بارے میں بتایا تھا جو آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔

یہ بھی جان لینا چاہیے کہ گناہ کی وجہ سے دنیا میں انسان کو ملنے والی عقوبت اور اس کی نماز جنازہ اور اس کے لیے استغفار کے مابین کوئی منافات نہیں ہے۔ اس لیے کہ چور؛ زانی؛ اور شرابی پر حد قائم کی جاتی ہے؛ مگر اس کے باوجود ان کے لیے دین و دنیا کی بھلائی کی دعا کی جاتی ہے؛ اور ان کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ سزائیں مجرمین کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ارادہ رحمت و احسان سے صادر ہوئی ہیں۔

اس لیے ایسے جرائم پر لوگوں کو سزا دینے والے کو چاہیے کہ وہ ان کے ساتھ رحمت اور احسان کا قصد کرے۔ جس طرح کہ باپ اپنے بچے کو ادب کی نیت سے سزا دیتا ہے۔ اور طبیب کا مقصد مریض کا علاج ہوتا ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہارے لیے والد کی منزلت پر ہوں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ [الأحزاب ٦]

''پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔''

حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں ہے: ﴿هو اب لهم﴾ ''آپ ان کے والد کی طرح ہیں۔'' اس پر وہ مشہور قرأت بھی دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ کی تبع میں ہی اہل ایمان کی مائیں تھیں۔ پس اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باپ کی طرح نہ ہوتے تو آپ کی ازواج مطہرات ماؤں کی طرح نہ ہوتیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام دین کے طبیب ہیں؛ اور قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے سینے کی بیماریوں کی شفا بنا کر نازل فرمایا ہے۔ پس جو کوئی لوگوں میں شرعی سزائیں نافذ کرے؛ وہ اس کا نائب یا خلیفہ ہوتا ہے۔ تو اسے چاہیے کہ سزا دینے میں مجرم کے ساتھ ویسے ہی سلوک کرے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾

---

[1] فِي سننِ أَبِي داود 1كِتاب الطهارةِ باب كراهِيةِ استِقبالِ القِبلةِ عِند قضاءِ الحاجةِ، و فِي: سننِ النسائِي 1/36؛ كتاب الطهارةِ، باب النهيِ عنِ الاستِطابةِ بِالروثِ، وفِي سننِ ابنِ ماجه 1/114؛ كتاب الطهارةِ، باب الاستِنجاءِ بِالحِجارةِ، المسندِ ط۔ المعارِفِ 13/100، 139 وصحح أحمد شاكِر الحدِيثين

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''تم لوگوں میں سے ان کے لیے بہترین لوگ ہو، تم انہیں زنجیروں میں جکڑ کر لاتے ہو تاکہ انہیں جنت میں داخل کر سکو۔'' [1]

اس آیت میں خبر دی گئی ہے کہ یہ امت بنی آدم میں سے بہترین امت ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگوں کو سزا دیتے ہیں انہیں قتل کرتے ہیں اور قیدی بناتے ہیں؛ اس سے مقصود ان کے ساتھ احسان کرنا ہوتا ہے۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی کرامت اور اس کی رضامندی کی طرف نکالنا ہے تاکہ جنت میں داخل ہوسکیں۔

یہی حال اہل بدعت روافض اور دوسرے لوگوں پر رد کا ہے۔ اگر اس سے مقصود ان کے لیے حق بیان کرنا، اور خلق کی ہدایت اور ان کے لیے رحمت اور ان کے ساتھ احسان نہ ہو تو پھر یہ عمل نیکی کا کام نہیں ہوسکتا۔ جب انسان بدعت یا گناہ کی مذمت میں سختی کرتا ہے تو اس سے مقصود اس گناہ یا بدعت میں موجود برائی کا بیان کرنا ہوتا ہے تاکہ لوگ اس سے بچ سکیں۔ جیسا کہ نصوص کی وعید میں پایا جاتا ہے۔ کبھی کسی گناہ کی وجہ سے کسی انسان سے لاتعلقی اختیار کی جاتی ہے، اس سے مقصود اس انسان کو خبردار کرنا اور گناہ و بدعت سے روکنا ہوتا ہے۔ یہ اس کے لیے رحمت اور احسان کا مظہر ہے تشفی اور انتقام کا مظہر نہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ سے قطع تعلقی کرلی تھی۔ جب غزوہ سے پیچھے رہ جانے والے اپنا اپنا عذر پیش کرنے کے لیے آئے؛ اور جھوٹی قسمیں اٹھا کر عذر پیش کرتے رہے۔ مگر یہ تین حضرات آئے اور انہوں نے سچ بولا؛ اور انہیں قطع تعلقی کی سزا سے دوچار ہونا پڑا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی سچائی کی برکت سے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

[تکفیر کے اصول]

اس کی بنیاد دو مسئلوں پر ہے:

پہلا مسئلہ: گناہ کی وجہ سے گنہگار کا کفر لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ خوارج کہتے ہیں۔ بلکہ ایسا انسان ہمیشہ جہنم میں بھی نہیں رہے گا؛ اور نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے محروم بھی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: وہ متأول جس کی نیت رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہو؛ اسے کافر نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ اگر وہ اجتہاد کرنے میں خطاء کا مرتکب ہوا ہو تو اسے فاسق بھی نہیں کہا جائے گا۔ لوگوں کے ہاں علمی مسائل میں یہ مشہور بات ہے۔ جب کہ اعتقادی مسائل میں بہت سارے لوگوں نے خطاء کرنے والوں کو کافر کہا ہے۔ اس قول کا قائل صحابہ کرام اور تابعین میں سے کوئی ایک بھی معلوم نہیں ہوسکا؛ اور نہ ہی مسلمان ائمہ میں سے کسی ایک نے ایسی بات کہی ہے۔ اصل میں یہ ان

[1] أورد هذا الأثر في: البخاري 6/37؛ كتاب التفسير، سورة آل عمران، باب كنتم خير أمة أخرجت للناس۔ وانظر تفسير ابن كثير للآية 2/77ط۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اہل بدعت کا قول ہے جو خود کوئی بدعت ایجاد کر لیتے ہیں' اور پھر جو کوئی اس بدعت میں ان کی مخالفت کرے اسے کافر کہنا شروع کر دیتے ہیں ۔ جیسے کہ خوارج اور معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ ۔ ائمہ کے متبعین میں بھی یہ بات کافی حد تک واقع ہوئی ہے۔جیسا کہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہم کے بعض ساتھیوں سے منقول ہے ۔

* یہ لوگ تکفیر میں اس مسلک پر عمل کرتے ہیں ۔ بسا اوقات مطلق طور پر اہل بدعت کی تکفیر کرتے ہیں۔پھر جو بھی ان کی راہ سے ہٹ جائے اسے اہل بدعت قرار دیتے ہیں ۔ یہ بالکل خوارج ؛معتزلہ اور جہمیہ کے قول کی طرح ہے۔ یہ قول بھی اصحاب مذاہب اربعہ کے کچھ گروہوں میں پایا جاتا ہے ۔لیکن یہ نہ تو ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا قول ہے اور نہ ہی مذاہب اربعہ میں سے کسی قابل اعتماد امام کا قول ۔ اس لیے کہ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ہر بدعتی کو کافر کہتا ہو۔ بلکہ ان ائمہ سے منقول صریح روایات اس کے متناقض ہیں ۔لیکن کبھی کبھار بعض ائمہ سے بعض مخصوص عقائد واقوال والوں کی تکفیر نقل کی جاتی ہے اس تکفیر سے مقصود ان کو ڈرانا ہوتا ہے ۔لیکن کفر یہ قول صادر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس نے بھی یہ قول کہہ دیا وہ کافر ہو گیا ؛ خصوصاً جب وہ انسان جہالت یا تأویل کا شکار بھی ہو۔ اس لیے کہ کسی متعین شخص کے حق میں کفر کا ثابت کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی کے حق میں آخرت میں عذاب اور وعید ثابت کرنا۔اس کی کئی شروط اور موانع ہیں ؛ ہم اپنی جگہ پر اس موضوع کو تفصیل سے بیان کر چکے ہیں ۔

* جب کوئی نفسِ امر میں کافر نہ ہو تو وہ منافق بھی نہ ہوگا۔تو پھر اس کا شمار مؤمنین میں ہوگا ؛ اس کے لیے استغفار کیا جائے گا اور رحم کی دعا بھی کی جائے گی ۔جیسا کہ ایک مسلم دعا کے دوران جب کہتا ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ (الحشر: ۱۰)

''اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے؛ اور ہم سے پہلے ایمان لانے والے ہمارے بھائیوں کو بھی ۔''

تو اس سے مراد وہ مومن ہوتا ہے جو گزشتہ زمانہ میں گزر چکا ہو۔قطع نظر اس سے کہ غلط تاویل کر کے وہ سنت کی خلاف ورزی کر چکا ہو یا کسی گناہ کا مرتکب ہوا ہو۔ بہرکیف گناہ کا مرتکب ہونے کے باوجود وہ آیت کے عموم میں داخل رہے گا اور اس سے خارج نہ ہوگا ؛ اور اس کا شمار ایمان میں سبقت لے جانے والے مؤمن بھائیوں میں ہوگا۔ اگرچہ اس کا شمار بہتر فرقوں میں ہی کیوں نہ ہوتا ہو، اس لیے کہ ہر فرقہ میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہوتے ہیں جو کافر نہیں ہوتے ، بلکہ وہ مومن ہوتے ہیں، اگرچہ گمراہی و گناہ گاری کے باعث عاصی مومنین کی طرح وعید کے مستحق ہوا کرتے ہیں۔

[کیا خوارج مشرک یا منافق تھے؟]

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو اپنی امت سے خارج نہیں کیا ؛ بلکہ اپنی امت میں شمار کیا ہے' اور نہ ہی انھیں دائمی جہنمی قرار دیا ہے ۔مذکورہ صدر قاعدہ ایک عظیم اصول ہے جسے ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس لیے کہ سنت کی جانب منسوب بعض فرقوں میں خوارج اور روافض کی قسم کی بدعات پائی جاتی ہیں ۔ یہ بات بھولنے نہ پائے کہ اصحاب رسول مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ ان خوارج کی تکفیر نہیں کرتے تھے جن کے خلاف وہ جنگ آزما تھے۔خوارج نے جب پہلی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرتبہ حَرُوراء نامی مقام پر جمع ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور اہل سنت و الجماعت سے خارج ہوگئے؛ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا:'' ہم پر تمہارا حق یہ ہے کہ ہم تمہیں اپنی مساجد میں آنے سے نہ روکیں؛ لیکن مالِ غنیمت کے حصہ سے تمہیں محروم کرتے ہیں۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خوارج کی طرف بھیجا اور آپ نے ان سے مناظرہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خوارج میں سے آدھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ آئے، جو باقی بچے ان کے خلاف آپ نے جنگ لڑی اوران کو زیر کیا۔ تاہم ان کی اولاد کو قیدی بنایا نہ ان کے مال کو مال غنیمت قرار دیا اور نہ ان کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا جو صحابہ کرام مسیلمہ جیسے مرتدین سے کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا خوارج کے ساتھ معاملہ مرتدین کے ساتھ معاملہ کے برعکس تھا۔ اس سلوک پر صحابہ کرام میں سے کسی ایک نے بھی انکار نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نزدیک خوارج کافر اور مرتد نہ تھے؛ اس پر صحابہ کرام کا اتفاق تھا۔

محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل بغاوت سے جہاد وقتال کی ذمہ داری اٹھائی۔ اور اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کیں۔ لیکن پھر بھی انہیں مسلمان ہی کہا؛ اوران کے متعلق اہل ایمان کے فیصلوں کے مطابق فیصلے کیے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسے ہی کیا۔

محمد بن نصر المروزی نے اپنی سند سے قیس بن مسلم طارق بن شہاب سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نہروان (واسط و بغداد کے درمیان ایک بڑا قصبہ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے جنگ لڑی تھی) کی لڑائی سے فارغ ہوئے تو میں آپ کے ہمراہ تھا۔ لوگوں نے دریافت کیا کیا خوارج مشرک ہیں؟ آپ نے فرمایا:'' وہ شرک سے تو بھاگے تھے۔'' لوگوں نے پوچھا کیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا: منافق تو اللہ کو بہت کم یاد کیا کرتے ہیں۔'' لوگوں نے دریافت کیا آخر خوارج ہیں کون؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا:

'' انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تھی اور ہم نے ان سے جنگ لڑی۔'' [سنن کبریٰ، بیہقی: ۸/ ۱۸۲]

محمد بن نصر المروزی نے اپنی سند سے ابووائل سے روایت کیا ہے؛ فرمایا: ایک آدمی نے کہا: جس دن مشرکین قتل ہوئے؛ تو چتکبرے خچر کی طرف کس کو بلایا گیا تھا؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:'' وہ لوگ شرک سے ہی تو بھاگے تھے۔

پھر کہا گیا: وہ منافقین ہیں۔''

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:'' منافقین تو اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔''

پھر پوچھا گیا: پھر وہ کون تھے؟ تو آپ نے فرمایا:'' وہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی؛ ہم نے ان سے جنگ لڑی۔''

اور [محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ اپنی سند سے حضرت حکیم بن جابر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں؛ فرمایا]:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہروان کی جنگ لڑی تو آپ سے پوچھا گیا: کیا وہ لوگ مشرک تھے؟
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ لوگ شرک سے ہی تو بھاگے تھے۔''
پھر کہا گیا: ''وہ منافقین ہیں۔''
تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''منافقین تو اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔''
پھر پوچھا گیا: پھر وہ کون تھے؟
تو آپ نے فرمایا: ''وہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے ہم سے جنگ کی؛ ہم نے ان سے جنگ کی۔ انہوں نے ہم سے لڑائی لڑی؛ ہم نے ان سے جنگ لڑی۔''

میں کہتا ہوں: یہ حدیث اور پہلی حدیث دونوں اس مسئلہ صاف اور صریح ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات حروریہ؛ خوارج اہل نہروان کے متعلق کہی تھی۔ جن کے بارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث منقول ہیں کہ آپ نے ان کی مذمت کی تھی؛ اور انہیں قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ لوگ حضرت عثمان؛ حضرت علی رضی اللہ عنہما اور ان دونوں حضرات سے محبت کرنے والوں کو کافر کہتے تھے۔ اور جو بھی ان کا ساتھ نہ دیتا؛ وہ ان کی نظر میں کافر ہوتا؛ اور اس کا دار؛ دار کفر شمار کرتے تھے۔ ان کے نزدیک دار الاسلام وہی تھا جو ان کے قبضہ میں تھا۔

علامہ اشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تکفیر پر خوارج کا اجماع ہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے اس وقت جنگ کی جب انہوں نے اپنی طرف سے جنگ کی ابتداء کی۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے قاتل کا مطالبہ کیا؛ تو انہوں نے کہا: ہم سب نے اسے قتل کیا ہے۔ پھر انہوں نے لوگوں کی چراگاہوں [مویشیوں] پر حملہ کر دیا۔ اسی لیے آپ نے ان کے متعلق یوں ارشاد فرمایا:

''وہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے ہم سے جنگ کی؛ ہم نے ان سے جنگ کی۔ انہوں نے ہم سے لڑائی لڑی؛ ہم نے ان سے جنگ لڑی۔''

اور آپ نے یہ بھی فرمایا: ''انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی؛ ہم نے ان سے جنگ لڑی۔''

صحابہ کرام اور علمائے اسلام اور بعد میں آنے والوں کا ان سے جنگ لڑنے پر اتفاق ہے؛ اس لیے کہ انہوں نے تمام مسلمانوں پر سرکشی کی ہے؛ سوائے ان لوگوں کے جو ان کے مذہب میں ان کے ہمنوا اور موافق ہیں۔ اور وہ اپنی طرف جنگ شروع کرتے ہیں۔ اور ان کے شر کا خاتمہ صرف قتال سے ہی ممکن ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے لیے چوروں او رڈاکوؤں سے زیادہ نقصان دہ تھے۔ کیونکہ راہزنوں کا مقصود صرف مال ہوتا ہے۔ اگر انہیں مال دے دیا جائے تو وہ کسی سے نہیں لڑتے؛ [یہ علیحدہ بات ہے کہ بعض لوگوں سے کسی اور وجہ سے لڑ پڑیں] جب کہ یہ خوارج دین کی وجہ سے لڑتے ہیں؛ حتی کہ لوگ کتاب و سنت اور اجماع صحابہ کو چھوڑ کر ان کی بدعات اور باطل تأویلات او رفاسد فہم قرآن کو قبول

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کرلیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واضح کردیا کہ خوارج مومن ہیں کافر و منافق نہیں۔ یہ بات بعض لوگوں کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ اس سے ابو اسحاق اسفرائنی اور اس کے اتباع کی تردید ہوتی ہے جن کا قول ہے کہ جو فرقہ ہماری تکفیر کرتا ہے ہم اس کو کافر قرار دیں گے۔ اس لیے کہ کفر کسی انسان کا حق نہیں، بلکہ اللہ کا حق ہے۔ انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ تکذیب کرنے والے کی تکذیب کرے۔ اور جو اس کی بیوی سے بدکاری کا ارتکاب کرے وہ اس کی بیوی سے زنا کرے، کیوں کہ یہ حرام ہے۔ بلکہ اگر کسی انسان کو اگر لواطت پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اسے بھی اس کام پر مجبور کرے۔ اور اگر کسی انسان کو زہریلی شراب پلا کر ہلاک کردیا جائے؛ اس سے لواطت کی جائے؛ تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ بھی جواباً ایسے ہی کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ ایسے ہی فرض کیجیے ایک عیسائی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی بکتا ہے تو کیا ہم حضرت مسیح کو گالی دینے پر تل جائیں۔

روافض اگر شیخین کی تکفیر کرتے ہیں، تو ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر نہیں کرسکتے۔ حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث سابقہ دونوں احادیث کے موافق ہے۔ ظاہر میں لگتا ہے کہ یہ یوم نہروان کا واقعہ ہے۔ اہل جمل اور اہل صفین کے بارے میں اس سے بھی اچھی باتیں کہی تھیں۔ سفیان جعفر بن محمد سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد امام باقر سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل یا صفین کے دن ایک شخص کو سنا جو بہت مبالغہ آمیزی سے کام لے رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سن کر یہ فرمایا:

''وہی بات کہو جو اچھی ہو، ہمارے مخالفین نے سمجھا تھا کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی، ادھر ہم نے یہ خیال کیا کہ وہ باغی ہیں۔ اس لیے ہم ان کے خلاف جنگ آزما ہوئے۔''

ابوجعفر سے روایت کیا گیا ہے کہ: ان سے کہا گیا کہ آپ نے ان لوگوں سے اسلحہ واپس لے لیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا: ''ایسا کرنا انہیں کچھ بھی کام نہ آیا۔''

مکحول روایت کرتے ہیں کہ اصحابِ علی رضی اللہ عنہ نے رفقاءِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا جو مقتول ہو چکے تھے کہ وہ کون ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا: ''وہ مومن ہیں۔''

عبدالواحد بن ابی عون کہتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اشتر نخعی کے ساتھ ٹیک لگائے جنگ صفین کے مقتولین کے پاس سے گزرے۔ اچانک دیکھا کہ حابس یمانی مقتول پڑے ہیں۔ [1] اشتر نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا حابس یمانی مقتولین میں پڑے ہیں۔ اور ان پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی علامت ہے۔ (یعنی یہ جنگ میں رفقائے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے) اللہ کی قسم! یہ بڑے پکے مومن تھے۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

[1] حابس بن ربیعۃ الیمانی رضی اللہ عنہ بڑے عابد و زاہد صحابی تھے۔ انھوں نے جنگ صفین میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا اور اسی جنگ میں مقتول ہوئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے الاصابہ میں ان کے حالات زندگی نقل کیے ہیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''وہ اب بھی مومن ہیں۔''

حضرت حابس اہل یمن میں سے تھے؛ اور بڑے ہی عابد وزاہد اور مجتہد انسان تھے۔

محمد بن یحییٰ کہتے ہیں: ہم سے محمد بن عبید نے بیان کیا؛ ان سے مختار بن نافع نے؛ وہ ابی مطر سے روایت کرتے ہیں؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ بدبخت کب اٹھے گا۔'' آپ سے پوچھا گیا: کونسا بدبخت؟

تو آپ نے فرمایا: ''جو مجھے قتل کرے گا۔''

پس ابن ملجم نے آپ کے سر پر تلوار کا وار کیا۔ مسلمانوں نے اس کو قتل کرنا چاہا؛ تو آپ نے منع کر دیا؛ اور فرمایا: اس کو قتل نہ کرنا۔ اگر میں ٹھیک ہوگیا تو زخم کا بدلہ ہوگا۔ اور اگر میں مر گیا تو اسے قتل کر دینا۔ اس پر ابن ملجم نے کہا: آپ تو مریں گے ہی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اس کی تمہیں کیا خبر ہے؟

تو وہ بولا: میری تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی۔'' [تارِیخ الطبرِی 5/143]

میں کہتا ہوں: حدیث عمار میں مروی ہے کہ جب انھوں نے یہ کہا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر شدید انکار کیا اور فرمایا: کیا تم اس رب کا انکار کرتے ہو جس پر عثمان رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے ہیں؟ اور انھیں واضح کیا کہ ان کا قول باطل ہے۔ اگرچہ خارجی لوگ یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ خونِ عثمان کے لیے لڑ رہے ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ تکفیر عثمان رضی اللہ عنہ کا شدت کے ساتھ انکار کیا کرتے تھے۔

رہے حضرت عمار رضی اللہ عنہ جو تاویل کے ساتھ اس بات کے قائل تھے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وضاحت کے بعد کہ ان کا قول باطل ہے، انھوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

[حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا مؤقف خوارج کے متعلق]

رہی اس بات کی دلیل کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوارج کی تکفیر کے قائل نہ تھے، تو وہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوارج کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نجدہ حروری کے پیچھے نماز ادا کر لیا کرتے تھے اور انھیں حدیث بھی بیان کرتے، انھیں فتویٰ بھی دیتے اور ان سے ایک مسلمان کی طرح بات چیت بھی کرتے تھے۔ چنانچہ نجدہ حروری نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چند مسائل پچھوا بھیجے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کا جواب عنایت فرمایا۔ یہ پوری حدیث صحیح بخاری میں مندرج ہے۔ [1] جیسا کہ آپ نے نافع بن ازرق کے چند مشہور

[1] یہ حدیث "صحیح مسلم" (۳/ ۱٤٤٤-۱٤٤٥) کتاب الجهاد و السير، باب النساء الغازيات يرضع لهن، میں یزید بن ہرمز کی روایت سے موجود ہے کہ نجدہ حروری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پانچ باتوں کی بابت لکھ بھیجا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر میں اسے کتمانِ علم نہ سمجھتا تو اسے کوئی جواب نہ لکھ بھیجتا۔ الحدیث

'مسند احمد' طبع "المعارف" میں یہ حدیث ارقام (۱۹٦۷، ۲۲۳۵، ٦۸۵، ۲۸۱۲ اور ۲۹۱٤) میں موجود ہے۔ احمد شاکر نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن بیہقی اور سنن شوکانی میں بھی ہے۔ بہرحال مجھے یہ حدیث صحیح بخاری میں نہیں ملی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سوالات کے جوابات دیئے تھے۔ ❶ نافع آپ کے ساتھ قرآن کے ذریعے یوں مناظرہ کیا کرتا تھا جیسے دو مسلمان ایک دوسرے سے کسی بات پر مناظرہ کرتے ہیں۔

غرض خوارج کے بارے میں مسلمانوں کا طرز یہی رہا، مسلمانوں نے انھیں ان مرتدین کے جیسا باور نہ کیا تھا جن کے ساتھ جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قتال کیا تھا۔ باوجود اس کے کہ صحیح احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قتال کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ''خوارج آسمان کے نیچے قتل ہونے والوں میں سب سے بدترین ہیں (اور) سب سے بہتر قتل ہونے والا وہ جسے یہ خوارج قتل کر دیں۔''

یہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے جسے امام ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ❷ یعنی خوارج مسلمانوں کے حق میں دوسروں سے زیادہ بدتر اور شریر ہیں۔ حتیٰ کہ اتنے شریر اور بدتر نہ یہود ہیں اور نہ نصاری ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ بدترین اجتہاد تھا کہ جو مسلمان بھی ان کی رائے کا ہم نوا نہ ہو، اسے قتل کر دینا جائز ہے۔ چنانچہ یہ مسلمانوں کو اس تاویل سے کافر قرار دے کر انھیں اور ان کے بیوی بچوں کو قتل کر دینا اور ان کے اموال لوٹ لینا حلال سمجھتے تھے۔ ان لوگوں نے اس بدتر گناہ کو اپنی عظیم ترین جہالت اور گمراہ کن بدعت کی بنا پر اپنا دین سمجھ رکھا تھا۔

لیکن اس سب کے باوجود بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین عظام رحمہم اللہ نہ انھیں کافر سمجھتے تھے نہ مرتد قرار دیتے تھے، اور نہ کسی قول و فعل سے ان پر ظلم و اعتدا ہی کرتے تھے۔ بلکہ ان خوارج کی بابت رب تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور ان کے ساتھ عادلانہ رویہ اپنائے رکھتے تھے اور شیعہ اور معتزلہ وغیرہ کے باقی بدعتی فرقوں اور اہل ہواء کے بارے

❶ نجدہ بن عامر حروری المتوفی ۶۹ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھ کر چند فقہی مسائل پوچھے تھے۔ سزکین نے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ "الانساب للبلاذری" (۱/ ۷۱۵) اور "لسان المیزان" لابن حجر (۶/ ۱۴۸) میں مذکور ہے۔ ہمیں ان مراسلات کا بعض حصہ "المدونۃ" (۳/ ۶) میں مذکور ملا ہے۔ اس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نافع کو بھی اس کے پوچھے گئے چند سوالات کے جوابات لکھ بھیجے تھے۔ (دیکھیں: العلل لابن حاتم الرازی: ۱/ ۳۰۷)

❷ سنن الترمذی، کتاب التفسیر من سورۃ آل عمران: ۴/ ۲۹۴۔ یہ حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی عبارت یہ ہے: ابوغالب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کے راستوں اور سیڑھیوں میں چند سروں کو لٹکتے دیکھا تو فرمایا: یہ دوزخ کے کتے ہیں۔ آسمان کی چھت تلے قتل ہونے والے یہ بدترین لوگ ہیں (اور) جنھیں یہ قتل کر دیں وہ سب سے بہتر قتل ہونے والے ہیں۔ پھر حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت آخر تک تلاوت کی: ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ (آل عمران: ۱۰۶) ''جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے۔'' میں نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے خود سنی ہے؟ انھوں نے فرمایا: اگر میں یہ حدیث ایک بار، یا دو بار، یہاں تک کہ سات بار فرمایا کہ اگر میں نے یہ حدیث سات بار تک نہ سنی ہوتی تو میں تم لوگوں کو یہ حدیث نہ سناتا۔''

مام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ یہ حدیث "سنن ابن ماجه" (۱/ ۶۲) المقدمة، باب فی ذکر الخوارج اور "مسند احمد" (۵/ ۲۵۳، ۲۵۶) طبع حلبی میں مطولاً ذکر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں بھی یہی مسلک ہے کہ جو بھی بہتر فرقوں کی تکفیر کا قائل ہوگا وہ کتاب وسنت کا مخالف اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین عظام رحمہم اللہ کے اجماع کا مخالف ہوگا۔ اس میں مستزاد یہ کہ بہتر فرقوں والی حدیث صحیحین میں مروی نہیں۔ ابن حزم وغیرہ نے تو اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، گو کہ دوسرے حضرات نے اس حدیث کو حسن یا صحیح بھی کہا ہے، جیسا کہ حاکم وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کو اہل سنن نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔ (1)

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''بہتر فرقے جہنم میں اور ایک فرقہ جنت میں ہوگا'' رب تعالیٰ کے ارشادات سے بڑا نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا﴾

(النساء: ۱۰)

''بے شک جو لوگ یتیموں کے اموال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھاتے اور وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرًا o﴾

(النساء: ۳۰)

''اور جو زیادتی اور ظلم سے ایسا کرے گا تو عنقریب ہم اسے آگ میں جھونکیں گے اور یہ اللہ پر ہمیشہ سے بہت آسان ہے۔''

ایسے افعال کے مرتکبین کے دخولِ نار کی بابت قرآن کریم کی اور بھی متعدد صریح نصوص موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی ہم کسی متعین شخص کے جہنمی ہونے کی گواہی نہیں دے سکتے کیونکہ اس کے توبہ تائب ہونے کا امکان ہے۔ یا ممکن ہے کہ اس کی ایسی نیکیاں ہوں جو اس کی برائیوں کو مٹا دیں یا رب تعالیٰ آفتوں اور مصیبتوں کے بدلے اس کی برائیوں کو مٹا دے وغیرہ وغیرہ کہ جس کی تفصیل گزشتہ میں مذکور ہو چکی ہے۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول پر ظاہر اور باطن کے اعتبار سے ایمان رکھنے والا، جس کا ارادہ حق کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی تعلیمات کی اتباع کا ہو، اگر وہ غلطی کر بیٹھے جبکہ اسے حق کا

(1) یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ سنن ابی داود (۴/ ۲۷۶) کتاب السنة، باب شرح السنة اور ''سنن الترمذی'' (۴/ ۱۳۴-۱۳۵) کتاب الایمان، باب افتراق هذه الامة میں مروی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: حدیث ابی ہریرہ صحیح اور حسن حدیث اور دیکھیں: ''سنن ابن ماجه'' (۲/ ۱۳۲۱) کتاب الفتن، باب افتراق الامم، ''مسند احمد'' طبع المعارف (۱۶/ ۱۶۹) احمد شاکر نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ امام سیوطی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ''المستدرك للحاكم'' (۱/ ۱۲۸) حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح اور مسلم کی شرط پر ہے اور علامہ ذہبی نے اس تصحیح کی موافقت کی ہے۔ ''السلسلة الصحيحة'' المجلد الاول، رقم الحديث: ۲۰۴، سنن ابی داود: ۴/ ۲۷۶، سنن الترمذی: ۴/ ۱۳۵، سنن ابن ماجه: ۲/ ۱۳۲۲، سنن الدارمی: ۲/ ۲۴۱، کتاب السیر، باب فی افتراق هذه الامة۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

عرفان نہ ہو، وہ اس بات کا کہ رب تعالیٰ اسے آخرت میں معاف رفمائے اس شخص سے زیادہ مستحق ہے، جو خطا کا جان بوجھ کر اور اس کے گناہ ہونے کو جاننے کے باوجود ارتکاب کرے۔ بے شک ایسا شخص نافرمان اور مستحق عذاب ہے۔ جبکہ پہلا شخص گناہ کے باب میں متعمد نہیں بلکہ خطا کار ہے اور رب تعالیٰ اس امت کے خطا اور نسیان سے درگزر کرنے والے ہیں۔

دنیا میں عقوبت مسلمان سے گناہ کے ضرر کو دور کرنے کے لیے ہے اگرچہ وہ آخرت میں اس سے بہتر ہو جسے دنیا میں عقوبت نہیں دی گئی۔ جیسا کہ حدود کے مرتکب مسلمان کو دنیا میں عقوبت دی جاتی ہے جبکہ ذمی یہود و نصاریٰ کو عقوبت نہیں دی جاتی۔ حالانکہ مسلمان بلاشبہ آخرت میں ان ذمیوں سے بہتر ہوں گے۔

اسی طرح وہ بدعتی بھی ہے جو اپنی خواہش کی خاطر بدعت پر چلتا ہے نا کہ اسے دین سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرتا ہے اور اپنی خواہش کے خلاف حق سے منہ موڑ لیتا ہے، رب تعالیٰ اسے اس کی خواہش نفس پر سزا دے گا۔ ایسا شخص دنیا و آخرت میں عقوبت کا مستحق ہوتا ہے۔ رہے وہ اسلاف جنھوں نے خوارج وغیرہ کو فاسق کہا ہے جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے خوارج کے بارے میں یہ آیت پڑھی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ o الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ وَ یَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ o﴾ (البقرۃ: ۲۶-۲۷)

''اور وہ اس کے ساتھ فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو، اسے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اس چیز کو قطع کرتے ہیں جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا کہ اسے ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔''

تو اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو قصداً گناہ اور فسق و فجور کا اور بدعت اور خواہش نفس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بالخصوص جب لوگوں میں تفرقہ پڑ جائے اور یہ آدمی اپنے لیے اور اپنے ساتھیوں کے لیے ریاست، سرداری اور بڑائی کا طلب گار ہو۔

جب کفار سے قتال کرنے والا مسلمان تین قسم کا ہوسکتا ہے: (۱) ایک وہ جو بہادر کہلوانے کے لیے لڑے (۲) دوسرا وہ جو قومی حمیت ے لیے لڑے اور (۳) تیسرا وہ جو ریا کاری اور دکھلاوے کے لیے لڑے اور ان تینوں میں سے کوئی بھی اللہ کا مجاہد نہیں۔ تو پھر ان بدعتیوں کا کیا حال ہوگا جو ان بدعات کی خاطر لڑتے اور جھگڑتے ہیں؟ (بھلا وہ مجاہد فی سبیل اللہ کیونکر ہو سکتے ہیں)۔ کہ یہ لوگ ان بدعات کا اظہار شجاعت اور غیرت وحمیت کے لیے ارتکاب کرتے ہیں اور بسا اوقات رب تعالیٰ کی ہدایت سے ہٹی ان خواہشات کی پیروی میں انھیں عقوبت بھی سہنی پڑتی ہے۔ جو صرف ان بدعات کے ارتکاب میں اجتہادی خطا کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں ایک ایسے علم میں کلام کروں جس کی بابت مجھے یہ کہا جائے کہ تم نے خطا کی، یہ مجھے ایسے علم میں کلام کرنے سے زیادہ محبوب ہے کہ جس کی بابت مجھے یہ کہا جائے کہ تم نے کفر کیا۔''

اہل بدعت کا ایک عیب یہ بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کافر کہنے میں لگے رہتے ہیں اور اہل علم کی قابل تعریف

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو خطاوار تو ٹھہراتے ہیں البتہ وہ ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک اس بات کو کفر سمجھتا ہے جو کفر ہوتی نہیں اور بسا اوقات وہ بات کفر بھی ہوتی ہے کیونکہ ان میں ایک پر تو یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس میں اللہ کے رسول کی تکذیب اور خالق باری تعالیٰ کو سب وشتم ہے جبکہ دوسرے پر یہ بات ابھی تک واضح نہیں ہوئی ہوتی۔ اس لیے ضروری نہیں کہ جس پر کفر کی دلیل واضح ہو، اس کے کافر کہنے سے دوسرا بھی ضرور ہی کافر کہے جسے ابھی تک کفر کی دلیل واضح نہیں ہوئی۔

جن باتوں کو لوگ ٹھہراتے ہیں، ان میں ان کے متعدد طرق ہیں، چنانچہ کوئی یہ کہتا ہے کہ کفر یہ نبی کریم ﷺ سے جانی گئی ضروریاتِ دین کی تکذیب کا نام ہے۔ پھر ضروریات دین اور علم ضروری کی تعیین میں بھی لوگ باہم مختلف ومتفرق ہیں۔

پھر کسی کے نزدیک کفر یہ رب تعالیٰ سے جہل کا نام ہے۔ پھر کبھی صفت سے جہالت کو موصوف سے جہالت کے جیسا قرار دیا جاتا ہے اور کبھی ان دونوں باتوں کو جدا جدا بھی رکھتے ہیں۔ پھر خود صفات کی نفی اور اثبات کے اعتبار سے بھی لوگ باہم مختلف ہیں۔

پھر بعض کے نزدیک کفر کی کوئی حد نہیں۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ کی لائی کسی بھی بات کی تکذیب ان کے نزدیک کفر ہے جیسے اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لانے کا انکار اور تکذیب کفر ہے۔ کیونکہ ان دونوں باتوں پر ایمان لانے کا نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے۔ ان کے علاوہ تکفیر کے اور بھی متعدد طرق ہیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ کفر کا تعلق رسالت سے بھی ہے۔ لہٰذا رسول کی تکذیب کفر ہے۔ اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے نزدیک بلکہ جملہ ائمۂ دین کے نزدیک باطن میں رسول کے سچا ہونے کا علم و اعتقاد رکھنے کے باوجود ظاہر میں اس پر سب وشتم کرنا، اس کے ساتھ بغض وعداوت رکھنا بھی کفر ہے۔ سوائے جہمیہ اور اس کے ہم نواؤں کے جیسے صالحی اور اشعری وغیرہ کہ ان کے نزدیک یہ ظاہر میں تو کفر ہے لیکن باطن میں کفر نہیں سوائے اس صورت کے جو جہل کو مستلزم ہو۔ وہ یوں کہ دل میں رب تعالیٰ کی تصدیق کا ایک ذرہ بھی باقی نہ رہا ہو اور یہ قول بھی اس اعتقاد پر مبنی ہے کہ ایمان فی القلب میں تفاضل نہیں اور دل میں ایمان کا بعض نہیں ہوتا۔ بے شک یہ قول نصوصِ صریحہ کے اور واقع کے بھی خلاف ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

[مرتکب کبیرہ اور بدعتی کی توبہ]

غرض اس مقام پر ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اہل بدعت میں سے جو بھی توبہ تائب ہوتا ہے، رب تعالیٰ بھی اسے معاف فرما دیتے ہیں۔ پھر جس گناہ کا تعلق اللہ اور اس کے رسول سے ہو، وہ خالص اللہ کا حق ہے۔ لہٰذا اس باب میں واجب ہے کہ آدمی رب تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کا طالب ہو اور رسول کی اتباع اس کے پیش نظر ہو، تا کہ اس کا عمل بالکل درست اور خالص ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ‏o بَلٰی مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَo﴾ (البقرۃ: ۱۱۱-۱۱۲)

''اور انھوں نے کہا جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے مگر جو یہودی ہوں گے یا نصاریٰ۔ یہ ان کی آرزوئیں ہی ہیں، کہہ دے لاؤ اپنی دلیل، اگر تم سچے ہو۔ کیوں نہیں، جس نے اپنا چہرہ اللہ کے تابع کر دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو تو اس کے لیے اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنۡ اَحۡسَنُ دِيۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحۡسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِيۡمَ خَلِيۡلًاo﴾ (النساء: ۱۲۵)

''اور دین کے لحاظ سے اس سے بہتر کون ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے تابع کر دیا، جب کہ وہ نیکی کرنے والا ہو اور اس نے ابراہیم کی ملت کی پیروی کی، جو ایک (اللہ کی) طرف ہو جانے والا تھا اور اللہ نے ابراہیم کو خاص دوست بنا لیا۔''

حضرات مفسرین اور ماہرین لغت نے اس آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جس نے بھی اپنے دین اور عمل کو خالص اللہ کے لیے کر لیا بلاشبہ وہ اپنے عمل میں ''محسن'' ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَقُلۡ اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِيَ لِلّٰهِ﴾ (آل عمران: ۲۰)

''تو کہہ دے میں نے اپنا چہرہ اللہ کے تابع کر دیا۔''

فراء اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِيَ کا مطلب اَخۡلَصۡتُ عَمَلِيۡ کے ساتھ بیان کرتا ہے (یعنی میں نے اپنا عمل خالص اللہ کے لیے کر لیا) اور زجاج اس کی تفسیر قَصَدۡتُ بِعِبَادَتِيۡ اِلَی اللّٰهِ کے لفظوں کے ساتھ بیان کرتا ہے یعنی ''میں نے اپنی عبادت کے ذریعے اللہ کا قصد کیا۔'' بلکہ اس کی تفسیر یہی ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ان آیات کی یہی توجیہ بیان کی گئی ہے۔

یہی وہ معنی ہے جس کے گرد پورا قرآن گھومتا ہے کیونکہ پورے قرآن میں رب تعالیٰ نے اسی بات کا تو حکم فرمایا ہے کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور رب تعالیٰ کی عبادت اس کے مامور کو بجا لانے اور اس کے محظور کے ترک کا نام ہی تو ہے کہ پہلی شق یہ دین کا اخلاص ہے اور اللہ کے لیے عمل کرنا ہے اور دوسری شق یہ صفت احسان ہے اور یہی عمل صالح ہے۔ اسی لیے تو جناب عمر رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اے اللہ! میرے سارے کے سارے عمل کو صالح اور خالص اپنی رضا کے لیے بنا دے اور اس میں کسی کا کچھ بھی نہ رکھ۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

یہی نرا خالص عمل ہوتا ہے جیسا کہ جناب فضیل بن عیاض ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (ھود: ۷) ''تا کہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔'' کی تفسیر ان الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ''کس نے خالص اللہ کے لیے اور درست عمل کیا۔'' اس پر لوگوں نے پوچھا: اے ابوعلی! عمل کا اخلاص اور درستی کیا چیز ہے؟ تو فرمایا: جب عمل خالص تو ہو مگر درست نہ ہو، تو بھی مقبول نہیں ہوتا اور جب درست وہ، مگر خالص نہ ہو تو بھی قبول نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ عمل خالص بھی وہ جائے اور درست بھی ہو جائے۔ پس خالص عمل وہ ہوتا ہے جو صرف اللہ کے لیے ہو اور درست عمل وہ ہوتا ہے جو سنت کے مطابق ہو۔

سنت کا امر اور بدعت سے نہی کہ یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ جو اعمالِ صالحہ میں سے سب سے افضل عمل ہے لہٰذا اس کا خالص اللہ کی رضا کے لیے اور سنت کے عین مطابق ہونا واجب ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ:

''جو نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے تو چاہیے کہ جس بات کا وہ حکم دے رہا ہے اسے جانتا ہو اور جس بات سے روک رہا ہے اسے جانتا ہو، اور جس بات کا وہ حکم دے رہا ہے اس بارے نرم دل ہو اور جس بات سے وہ منع کر رہا ہے اس بارے نرم دل ہو اور جس بات کا وہ حکم دے رہا ہے اس بارے بردبار ہو اور جس بات سے وہ منع کر رہا ہے اس بارے بردبار ہو۔''

پس علم، یہ امر سے قبل ہوگا اور رفق و ملاطفت یہ امر کرتے ہوئے ہوگی اور حلم و بردباری یہ امر کرنے کے بعد ہوگی۔ پس اگر تو اسے علم نہیں تو جو جانتا نہیں اس کے پیچھے نہ پڑے، اور اگر وہ اس بات کو جانتا ہے لیکن نرمی اور مہربانی سے محروم ہے تو یہ بے رحم اور سنگ دل طبیب کے جیسا ہے جو مریض پر سختی کرے گا اور مریض اس کی دوا دارو قبول کرنے پر تیار نہ ہو گا اور یہ اس استاذ، مودب اور اتالیق کی طرح ہے جو سختی سے کام لیتا ہے اور شاگرد اس کی بات قبول نہیں کرتا۔ رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ (طه: ٤٤)

''پس اس سے بات کرو، نرم بات، اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کر لے، یا ڈر جائے۔''

پھر جب انسان نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے؛ تو یہ بھی عادت کے مطابق ضروری ہے کہ اسے تکلیف دی جائے۔ ایسی صورت میں داعی پر لازم آتا ہے کہ وہ صبر کے وعفو درگزر سے کام لے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [لقمان]

''نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور اس مصیبت پر صبر کر جو تجھے پہنچے، یقیناً یہ ہمت کے کاموں سے ہے۔''

رب تعالیٰ نے متعدد مقامات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی ایذائیں برداشت کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

حالانکہ آپ ﷺ سب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کے سردار تھے۔ پس انسان پر سب سے پہلے یہ بات واجب ہے کہ اس کا نیکی کا حکم کرنا خالص اللہ کے لیے ہو اور اس امر بالمعروف سے اس کا قصد رب تعالیٰ کی طاعت و فرمانبرداری ہو اور وہ امور کی اصلاح چاہتا ہو یا دوسرے پر حجت قائم کرنا چاہتا ہو اور اگر اس کا مقصود اپنے لیے اور اپنی جماعت کے لیے ریاست و سیادت کی طلب یا دوسرے کی تحقیر و تنقیص ہو تو یہ کام غیرت [دینی] کے نام پر نہ ہوگا جو عند اللہ مقبول نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے شہرت اور دکھلاوے کے لیے یہ فریضہ سرانجام دیا تو اس کا یہ عمل رائیگاں جائے گا۔ پھر اگر اس کی دعوت ردّ کر دی جاتی ہے یا اس پر اسے اذیت دی جاتی ہے یا اسے اس بابت خطا کار قرار دیا جاتا ہے اور یہ کہ اس کی غرض فاسد ہے تو اس کا نفس بدلہ لینے کا تقاضا کرے گا اور شیطان اسے بہکانے آ پہنچے گا۔ یوں اس کا وہ عمل جس کا آغاز اللہ کی رضا کے لیے کیا گیا تھا، پھر وہ خواہش نفس بن گیا تو اس کا نفس اسے ستانے والے سے انتقام لینے پر ابھارے گا۔ بلکہ بسا اوقات وہ ستانے والے پر ظلم و اعتداء بھی کر بیٹھے گا۔

مختلف اقوال و مذاہب رکھنے والوں کے ساتھ بھی یوں ہی ہوا کرتا ہے، جب ان میں سے ہر ایک یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ حق اسی کے ساتھ ہے اور وہ سنت پر مستقیم ہے۔ تو ان میں سے اکثر اس ہوائے نفسی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ وہ عزت و وجاہت کا یا ریاست و سیادت کا، یا جو باتیں ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ان کا بدلہ لیں اور ان کا مقصد اب اعلائے کلمۃ اللہ نہیں رہ جاتا اور نہ انھیں اللہ کے دین کے سب پر غالب و قاہر ہونے کی پروا ہوتی ہے اور نہ یہ قصد ہوتا ہے کہ دین سارے کا سارا اللہ کا ہو جائے۔ بلکہ وہ اپنے مخالفین پر غضب ناک ہو رہے ہوتے ہیں چاہے وہ اپنے اجتہاد میں معذور ہی ہوں اور اللہ ان پر ذرا بھی ناراض نہ ہو اور اپنے ہم نواؤں پر مہربان ہو رہے ہوتے ہیں۔ چاہے وہ جاہل اور برے ارادہ کا مالک ہی کیوں نہ ہو۔ نہ تو اسے علم حاصل ہو اور نہ حسن ارادہ ہی نصیب ہو۔ بے شک یہ امر انھیں اس بات کے دروازے تک لے جاتا ہے کہ یہ ان لوگوں کے حمد سرا ہو رہے ہوتے ہیں جن کی اللہ اور اس کے رسول کے ہاں کوئی حمد و ستائش نہیں نہیں ہوتی اور یہ لوگ ان کی مذمت میں لگے ہوتے ہیں جن کی اللہ اور اس کے رسول کے ہاں مذمت نہیں ہوتی۔ پس ان کی دوستی بھی اور دشمنی بھی صرف خواہش نفس کے مطابق ہوتی ہے نا کہ اللہ اور اس کے رسول کے دین کے مطابق ہوتی ہے۔

یہ ان کافروں کا حال ہوتا ہے جو صرف خواہش کے پیرو ہوتے ہیں اور اس کسوٹی پر ان کے دوست اور دشمن ہوتے ہیں اور منگولوں کی زبان میں ''وفادار اور باغی'' ہوتے ہیں۔ ان کی نظروں میں اللہ اور رسول کے لیے دوستی یا دشمنی رکھنا نہیں ہوتا۔ یہیں سے لوگوں میں فتنے جنم لیتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الانفال: ۳۹)

''اور ان سے لڑو، یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین سب کا سب اللہ کے لیے ہو جائے۔''

اور دین سارے کا سارا اللہ کے لیے نہیں ہوتا تو فتنے سر اٹھاتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

[دین اور اختلاف کا وقوع]

دین کی اصل یہ ہے کہ محبت، نفرت، دوستی، دشمنی، عبادت و استعانت سب اللہ کے لیے ہو اور اللہ ہی سے ڈرنا ہو اسی سے امید ہو، اسی کی خاطر دے، اسی کے لیے روکے اور یہ بات صرف نبی کریم ﷺ کی پیروی سے ہی مل سکتی ہے کیونکہ آپ کا امر و نہی بھی دراصل اللہ ہی کا امر و نہی ہے۔ چنانچہ نبی سے دشمنی یہ اللہ سے دشمنی ہے، نبی کی طاعت، یہ اللہ کی طاعت ہے اور نبی کی نافرمانی اللہ کی ہی نافرمانی ہے۔

رہی خواہش پرستی تو بندہ اپنی خواہش کے ہاتھوں اندھا اور بہرا بن جاتا ہے، اسے کسی کام میں اللہ اور اس کے رسول کا استحضار نہیں رہتا اور نہ وہ رب کی رضا کا طلب گار ہی ہوتا ہے۔ نہ وہ اللہ رسول کے لیے راضی ہوتا ہے اور نہ ان کے لیے ناراضی ہوتا ہے۔ بلکہ راضی ہوتا ہے تو ہوائے نفس کے حصول پر۔ ناراض ہوتا ہے تو خواہش نفس پر زَد آنے پر اور اس کے ساتھ اسے دین میں یہ شبہات بھی پیش آنے لگتے ہیں کہ اس کی ناراضی اور رضا سنت کے عین موافق ہے اور وہ حق اور دین ہے۔

پھر فرض کیا کہ اگر حق اسی کے ساتھ تھا اور وہ خالص دین پر بھی تھا لیکن افسوس کہ اس کا قصد و ارادہ یہ نہ تھا کہ یہ دین سارے کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے اور اس کا کلمہ سر بلند ہو، بلکہ اس کا ارادہ اپنی ذات اور اپنی جماعت کی حمیت تھا، یا نمود و نمائش اور دکھلاوا تھا تاکہ اس کی تعریف ہو اور اس کی تعظیم کی جائے۔ یا اس نے یہ حق کام بھی دادِ شجاعت لینے کے لیے یا طبیعت کے مقتضٰی کی خاطر یا کسی دنیاوی غرض کے لیے کیا تو یہ کام بھی حق ہونے کے باوجود اللہ کے لیے نہ ہوگا اور نہ ایسا شخص مجاہد فی سبیل اللہ کہلوائے جانے کا سزاوار رہے گا۔ بھلا جو حق اور سنت پر مستقیم ہونے کا مدعی ہونے کے باوجود ایسا ہے تو جس کے ساتھ حق و باطل اور سنت و بدعت دونوں گڈ مڈ ہو چکے ہیں، وہ اس کی نظیر کیونکر بن سکتا ہے اور خود حق و باطل کے ورطوں میں غوطے کھانے والا حق والے کی نظیر کیونکر بن سکتا ہے اور ایسا شخص اپنے اس خصم کی نظیر بھی نہیں بن سکتا جو حق و باطل اور سنت و بدعت غرض سب رطب و یابس کو اٹھائے ہوئے ہیں۔

یہ ان اختلاف کرنے والوں کا حال ہے جنھوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ پھر ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کی۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ؁ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ؁﴾

(البینۃ: ۴۔۵)

''اور وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی، جدا جدا نہیں ہوئے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی دلیل آ گئی۔ اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں اور یہی مضبوط ملت کا دین ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (البقرة: ۲۱۳)

''لوگ ایک ہی امت تھے۔''

یعنی پھر انھوں نے اختلاف کیا جیسا کہ سورۂ یونس میں ہے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی قراءت میں اسی طرح ہے۔ جبکہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی تفسیر یہ ہے کہ وہ سب دین اسلام پر تھے اور ابن عطیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تفسیر نقل کرتے ہیں کہ وہ سب کفر پر تھے۔ ❶ لیکن یہ تفسیر کچھ بھی نہیں یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے غیر ثابت ہے۔ بلکہ ثابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کے درمیان دس نسلیں تھیں جو سب کی سب اسلام پر تھیں۔ سورۂ یونس میں ارشاد ہے:

﴿وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا﴾ (یونس: ۱۹)

''اور نہیں تھے لوگ مگر ایک ہی امت، پھر وہ جدا جدا ہو گئے۔''

یہاں رب تعالیٰ نے اس بات کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ جب پہلے سب ایک دین پر تھے تو بعد میں اختلاف کیوں کیا، جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا پہلا قول صحیح ہے۔ اب کتاب اللہ میں اختلاف کرنا دو طرح کا ہے:

(۱) ایک یہ کہ وہ سارا اختلاف ہی مذموم ہو جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ﴾ (البقرة: ۱۷۶)

''اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا ہے یقیناً وہ بہت دور کی مخالفت میں پڑے ہیں۔''

(۲) دوسرا یہ کہ اس اختلاف میں بعض حق پر اور بعض باطل پر ہوں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ لٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ (البقرة: ۲۵۳)

''یہ رسول، ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے کچھ وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور

---

❶ دیکھیں: تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۶۴-۳۶۵ طبعة الشعب۔ اس آیت کی تفسیر میں قتادہ سے مروی ہے کہ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً، یعنی سب ہدایت پر تھے۔ ﴿فَاخْتَلَفُوْا فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ﴾ (البقرة: ۲۱۳) ''پھر اللہ نے نبی بھیجے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے۔'' پس سب سے پہلے بھیجے جانے والے پیغمبر سیدنا نوح علیہ السلام تھے۔ مجاہد نے یوں ہی کہا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا پہلا قول ہے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی یہ تفسیر نقل کرتے ہیں: لوگ پہلے سب کے سب کافر تھے پھر اللہ نے خوش خبری دینے والے اور ڈرسنانے والے پیغمبر بھیجے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول ہے لیکن سند اور معنی کے اعتبار سے اصح قول پہلا ہی ہے کیونکہ لوگ پہلے ملت آدم علیہ السلام پر تھے یہاں تک کہ بتوں کو پوجنے لگے۔ تو رب تعالیٰ نے ان کی طرف سیدنا نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ یہ زمین کی طرف مبعوث ہو کر آنے والے رب تعالیٰ کے سب سے پہلے پیغمبر تھے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ان کے بعض کو اس نے درجوں میں بلند کیا اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح نشانیاں دیں اور اسے پاک روح کے ساتھ قوت بخشی۔ اور اگر اللہ چاہتا تو جو لوگ ان کے بعد تھے آپس میں نہ لڑتے، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آ چکیں اور لیکن انھوں نے اختلاف کیا تو ان میں سے کوئی تو وہ تھا جو ایمان لایا اور ان سے کوئی وہ تھا جس نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے اور لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔''

لیکن اختلاف کا لفظ جب مطلق بولا جاتا ہے تو وہ سب کا سب مذموم ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَ لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ o اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ولذلك خلقهم﴾ (ھود: ۱۱۸-۱۱۹)

''اور وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے۔ مگر جس پر تیرا رب رحم کرے؛ اور اسی لیے انہیں پیدا کیا ہے۔''

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''بے شک تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کیونکہ انھوں نے اپنے پیغمبروں سے کثرت کے ساتھ سوال کیے اور ان سے اختلاف کیا۔'' [یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے]

اس لیے اس مقام پر اختلاف کی تفسیر یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ سارے کا سارا ہی مذموم ہے۔ فراء کا قول ہے ان کے اختلاف کی دو صورتیں تھیں: (۱) بعض کا بعض کتاب سے انکار کرنا (۲) اور بعض کتاب کا بدلنا اور بات یہی ہے جو فراء نے کہی ہے۔ کیونکہ سب اختلاف کرنے والوں کے ساتھ حق اور باطل ملا جلا ہوتا ہے۔ پس ان میں سے ایک اس حق کا انکار کر رہا ہوتا ہے جو دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ اس باطل کی تصدیق کر رہا ہوتا ہے جو دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے اور یہی حق بات کو بدلنا ہے۔ پس ضروری ہے کہ اختلاف ان دونوں قسموں کو جامع ہو، اس لیے سب اسلاف نے اختلاف کی مختلف انواع ذکر کی ہیں۔ جیسے:

۱۔ اس دن میں اختلاف کرنا جس میں اجتماع ہوتا ہے اور یہ جمعہ کا دن ہے اور اس میں اختلاف کرتے ہوئے ایک جماعت نے یہ دن ''ہفتہ'' کو بنا لیا اور دوسری یہ دن ''اتوار'' کو بنا لیا۔ صحیحین میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہم (دنیا میں) سب سے آخر میں آنے والے (اور) قیامت میں سب سے پہلے (جنت میں جانے والے) ہیں حالانکہ انھیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں ان کے بعد دی گئی۔ پس یہ وہ دن ہے جس میں ان لوگوں نے اختلاف کیا اور اللہ نے ہمیں اس کی ہدایت دی اور لوگ اس میں ہمارے تابع ہیں۔ آج کا دن ہمارا ہے، کل کا یہود کا اور پرسوں کا نصاریٰ کا ہے۔'' [1]

---

[1] یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے: ''ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ہر سات دنوں میں ایک دن غسل کرے، جس میں وہ اپنا سر اور اپنا بدن دھوئے۔'' الحدیث۔ یہ حدیث صحیح البخاری (۲/ ۲) کتاب الجمعۃ اور (۴/ ۱۷۷) کتاب الانبیاء میں مذکور ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم (۲/ ۵۸۵، ۵۸۶)، مسند احمد (۷۲۱۳، ۷۳۰۸، ۷۳۹۵، ۸۴۸۴، ۱۵۳۷) طبعۃ المعارف میں اور سنن النسائی میں بھی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث اس ارشاد باری تعالیٰ کے عین مطابق وموافق ہے:

﴿فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ﴾ (البقرة: ۲۱۳)

''پھر جو لوگ ایمان لائے اللہ نے انھیں اپنے حکم سے حق میں سے اس بات کی ہدایت دی جس میں انھوں نے اختلاف کیا تھا۔''

صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز پڑھتے تھے تو یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ))

''اے اللہ! جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! اے چھپے اور کھلے کو جاننے والے! تو لوگوں میں ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ تو مجھے جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے تھے، اپنے حکم سے ان میں حق بات کی ہدایت دے۔ بے شک تو جسے چاہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔''

پہلی حدیث بتلاتی ہے کہ رب تعالیٰ نے ایمان والوں کو اختلاف سے بچا کر حق بات کی توفیق دی، لہٰذا نہ یہ یہود کے ساتھ ہیں اور نہ نصاریٰ کے ساتھ۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ اختلاف سارے کا سارا مذموم ہے۔

۲۔ اختلاف کی دوسری قسم قبلہ میں اختلاف کرنا ہے، چنانچہ کوئی مشرق کی طرف تو کوئی مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے اور یہ دونوں باتیں مذموم ہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے ان کو مشروع نہیں کیا۔

۳۔ تیسری قسم سیدنا ابراہیم علیہ السلام میں اختلاف کرنا ہے کہ کسی نے انھیں یہودی تو کسی نے نصرانی کہا۔ یہ دونوں باتیں ہی مذموم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (آل عمران: ٦٧)

''ابراہیم نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی، بلکہ ایک طرف والا فرماں بردار تھا اور مشرکوں سے نہ تھا۔''

۴۔ چوتھی قسم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام میں اختلاف کرنا ہے کہ یہود نے انھیں (معاذ اللہ) ولد الزنا کہا تو نصاریٰ نے الٰہ بنا دیا۔

۵۔ پانچویں قسم آسمانی کتابوں میں اختلاف کرنا ہے کہ کوئی ایک پر تو دوسرا کسی دوسری پر ایمان لے آیا۔

۶۔ چھٹی قسم دین میں اختلاف کرنا ہے کہ کسی نے کسی بات کو اور کسی نے کسی اور بات کو دین بنا لیا۔ رب تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی باب سے ہے:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَيْءٍ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰی لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰی شَيْءٍ﴾
(البقرة: ۱۱۳)

''اور یہودیوں نے کہا نصاریٰ کسی چیز پر نہیں ہیں اور نصاریٰ نے کہا یہودی کسی چیز پر نہیں ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ کے یہود اور نجران کے نصاریٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جھگڑا کیا۔ پس یہود بولے: نصاریٰ کسی بات پر نہیں جنت میں صرف یہودی داخل ہوں گے اور انھوں نے انجیل کا اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا بھی انکار کر دیا۔ ادھر نصاریٰ نے یہ کہا کہ یہود کسی بات پر نہیں اور ساتھ ہی تورات کا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا انکار کر دیا۔ اس پر رب تعالیٰ نے یہ اور اس سے پہلے والی آیت نازل فرمائی۔ ❶

یاد رہے کہ اہل بدعت کا اختلاف بھی اسی قبیل سے ہے چنانچہ خوارج کہتے ہیں کہ شیعہ حضرات کسی بات پر نہیں اور یہی بات شیعہ حضرات خوارج کے بارے میں کہتے ہیں۔ ادھر صفاتِ باری تعالیٰ کی نفی کرنے والے قدری کہتے ہیں کہ صفات کا اثبات کرنے والے کسی بات پر نہیں۔ جبکہ صفات کا اثبات کرنے والے جبری قدری کہتے ہیں کہ یہ نفی کرنے والے کسی بات پر نہیں۔ وعیدیہ کہتے ہیں کہ مرجئہ کسی بات پر نہیں اور مرجئہ کے نزدیک یہ وعیدیہ کسی بات پر نہیں۔ بلکہ یہ بات کسی قدر سنت کی طرف منسوب اصولیہ اور فروعیہ مذاہب والوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ کلابیہ کرامیہ کو کچھ نہیں مانتے اور کرامیہ کلابیہ کو کچھ نہیں سمجھتے۔ یہی قول اشعریہ اور سالمیہ کا بھی ایک دوسرے کے بارے میں ہے۔ چنانچہ ابو علی اہوازی سالمی نے اشعریہ کی مذمت میں جبکہ ابن عساکر اشعری نے سالمیہ کی مذمت میں مستقل ایک کتاب لکھی جس میں سالمیہ کے جملہ اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ ❷

ایسا ہی اہل مذاہب اربعہ میں بھی ہے۔ ان میں سے اکثر نے اصولی مقالات میں التباس سے کام لیا ہے اور ایک بات کو دوسری میں گڈ مڈ کر دیا ہے۔ چنانچہ بعض حنبلی، شافعی اور مالکی حضرات نے اپنے مذاہب کو اشعریہ اور سالمیہ وغیرہ کے بعض اصول میں خلط ملط کر دیا ہے اور اشعریہ اور سالمیہ کے بعض اقوال کو ان حضرات کے مذہب کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اسی طرح بعض علمائے احناف نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بعض مذاہب میں معتزلہ، کرامیہ اور کلابیہ کے بعض اصول میں رلا ملا دیا ہے اور اسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب باور کروایا ہے۔ یہ رفض و تشیع کی جنس میں سے ہے۔ لیکن یہ بعض علماء اور جماعتوں کی تفضیل میں تشیع ہے نا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی تفضیل میں تشیع ہے۔

تب پھر ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ''وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی شہادت دے اور اس شہادت سے اس کا اصل مقصد ایک اکیلے اللہ کی بلا شرکت غیرے عبادت کرنا اور اس کے رسول کی طاعت کرنا ہو۔ یہی اس کے عمل و عقیدہ کا مدار

---

❶ اس آیت کی تفسیر کے لیے دیکھیں: تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۲۳-۲۲۴، زاد المسیر: ۱/ ۱۳۳۔

❷ اس کتاب کا نام ''تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری'' ہے جو ابوالقاسم علی بن حسن بن ھبۃ اللہ بن عساکر الدمشقی المتوفی ۵۷۱ ہجری کی شہرۂ آفاق کتاب ہے۔ یہ کتاب دمشق سے ۱۳۴۷ ہجری کو طبع ہوئی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ہو اور وہ ہر حال میں نبی کریم ﷺ کی طاعت کرے اور اس بات کو بالضرور جانے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ لہٰذا مطلق صرف ایک ہی ذات کی مدد کے لیے کمربستہ ہو اور وہ نبی کریم ﷺ ہیں اور مطلق صرف ایک ہی جماعت کے لیے انتقام لے اور وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے۔ کیونکہ ہدایت صرف اور صرف نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہے۔ یہ حضرات کبھی خطا پر جمع نہیں ہوئے۔ بخلاف کسی بھی دوسرے صاحب مذہب عالم کے اصحاب و احباب کے کہ ان کا اجماع ہر حال میں حجت و ہدایت نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات ان کا اجماع خطا پر بھی واقع ہو جاتا ہے۔ بلکہ ان لوگوں کا وہ قول جو صرف انھی کا ہو اور امت میں سے کسی اور کا نہ ہو، وہ عموماً خطا ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دین جسے دے کر رب تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیجا ہے، وہ صرف ایک عالم اور اس کی جماعت کے سپرد نہیں اور اگر یہی بات ہوتی تو بلاشبہ یہ عالم نبی کریم ﷺ کی نظیر ہوتا جو ''امامِ'' معصوم کے بارے میں روافض کے قول کے مشابہ قول ہے۔

یہ بات لازم اور واجب ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے پورے دین کے اصول و فروع کے مذاہب کی طرف منسوب متبعین کے وجود سے قبل پورے پورے عالم و عارف ہوں اور یہ بات ممتنع اور محال ہے کہ یہ متبعین مذاہب ایک ایسی حق بات کو لے آئیں جو نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کے مخالف ہو، کیونکہ تعلیمات نبویہ کے مخالف ہر بات باطل ہے پھر یہ بات بھی ممتنع ہے کہ یہ متبعین مذاہب نبی کریم ﷺ کی طرف سے ایک ایسی بات کو جانتے ہوں جو حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کے مخالف ہو۔ کیونکہ یہ دونوں طبقے کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایک صاحب مذہب کا قول ...... بشرطیکہ وہ حق ہو...... نبی کریم ﷺ کی لائی تعلیمات سے ماخوذ اور ان اصحاب مذاہب کے وجود سے پہلے کا ہو۔ پس دین اسلام میں کہا گیا ہر وہ قول جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے مخالف ہو، اور ان میں سے کسی نے وہ قول کیا بھی نہ ہو بلکہ انھوں نے اس قول کے خلاف کہا ہو، بلاشبہ وہ قول باطل ہے۔

غرض یہاں یہ کہنا مقصود ہے کہ رب تعالیٰ یہ بیان فرمایا ہے کہ ان اختلاف کرنے والوں کے پاس روشن دلیل اور قطعی علم آ چکا تھا اور انھوں نے یہ اختلاف صرف ضد اور عناد میں کیا تھا، اسی لیے تو رب تعالیٰ نے ان کے اختلاف کی مذمت بیان فرمائی اور انھیں اس کی سزا بھی دی۔ کیونکہ نہ تو وہ مجتہد تھے اور نہ اپنے اجتہاد میں خطا پر تھے بلکہ قصد و ارادہ سے ضد و عناد پر اڑے ہوئے تھے، حق کو جانتے بھی تھے پھر بھی قول و عمل دونوں کے ساتھ حق سے روگرداں تھے۔ اس کی نظیر یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ (آل عمران: ۱۹)

''بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی انھوں نے اختلاف نہیں کیا مگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا، آپس میں ضد کی وجہ سے۔''

اس آیت کی تفسیر میں زجاج کا قول ہے کہ ان لوگوں نے باہمی ضد میں آ کر اختلاف کیا تھا نہ کہ دلیل و برہان کی جستجو میں۔اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ (یونس: ۹۳)

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو ٹھکانا دیا، باعزت ٹھکانا، اور انھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا، پھر انھوں نے آپس میں اختلاف نہیں کیا، یہاں تک کہ ان کے پاس علم آ گیا، بے شک تیرا رب ان کے درمیان قیامت کے دن اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ٥ وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ٥ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَّ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ٥ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ٥﴾ (الجاثية: ۱۶۔۲۰)

''جس نے کوئی نیک عمل کیا تو وہ اسی کے لیے ہے اور جس نے برائی کی سو اسی پر ہے، پھر تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔اور بلا شبہ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت دی اور انھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور انھیں جہانوں پر فضیلت بخشی۔اور انھیں (دین کے) معاملے میں واضح احکام عطا کیے، پھر انھوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا، آپس میں ضد کی وجہ سے، بے شک تیرا رب ان کے درمیان قیامت کے دن اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔پھر ہم نے تجھے (دین کے) معاملے میں ایک واضح راستے پر لگا دیا، سو اسی پر چل اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چل جو نہیں جانتے۔بلاشبہ وہ اللہ کے مقابلے میں ہرگز تیرے کسی کام نہ آئیں گے اور یقیناً ظالم لوگ، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں اور اللہ متقی لوگوں کا دوست ہے۔''

قرآن کریم کے یہ مواقع اس بات کو کھول کر بیان کرتے ہیں کہ ان اختلاف کرنے والوں نے علم اور روشن دلائل آ چکنے کے بعد ہی اختلاف کیا تھا اور اس سے غرض ظلم و زیادتی تھی۔نہ کہ اس لیے ان پر حق و باطل میں اشتباہ ہو گیا تھا۔

یہ مذموم اختلاف کرنے والے جملہ اہل ہواء و بدعت کا حال ہے۔جو حق ظاہر ہو جانے کے بعد ہی اختلاف کرتے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ہیں جبکہ ان کے پاس علم بھی آ چکا ہوتا ہے، تب یہ ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں۔

پھر مذموم اختلاف کرنے والے سب کے سب ایک دوسرے پر ظلم ڈھاتے ہیں اور ان کی حق بات کو جانتے بوجھتے جھٹلاتے ہیں اور اپنی باطل بات کی جانتے بوجھتے تصدیق کرتے ہیں۔

یہ سب مذموم لوگ ہیں۔ اسی لیے کتاب وسنت میں اختلاف کرنے والوں کی مطلق مذمت آئی ہے۔ کیونکہ یہ سب کے سب حق کے مخالف اور باطل کے پیروکار ہوتے ہیں۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے رسولوں کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ ایک ہی دین ...... دین اسلام ...... کی طرف دعوت دیں اور اس میں تفرقہ نہ ڈالیں اور یہی اولین و آخرین اور ان کے پیروکاروں کا دین ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ﴾ (الشوری: ۱۳)

''اس نے تمھارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا جس کا تاکیدی حکم اس نے نوح کو دیا اور جس کی وحی ہم نے تیری طرف کی اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا، یہ کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں جدا جدا نہ ہو جاؤ۔ مشرکوں پر وہ بات بھاری ہے جس کی طرف تو انھیں بلاتا ہے۔''

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝﴾ (المومنون: ۵۱-۵۳)

''اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو، یقیناً میں اسے جو تم کرتے ہو، خوب جاننے والا ہوں۔ اور بے شک یہ تمھاری امت ہے، جو ایک ہی امت ہے اور میں تمھارا رب ہوں، سو مجھ سے ڈرو۔ پھر وہ اپنے معاملے میں آپس میں کئی گروہ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ہر گروہ کے لوگ اسی پر خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔''

''زُبُرًا'' سے یہاں مراد کتابیں ہیں۔ یعنی ہر قوم نے کتاب اللہ کے سوا اپنی بنائی اور گھڑی ہوئی جعلی اور بدعتی کتاب کی پیروی کی۔ جس سے وہ باہم متفرق و مختلف ہو گئے کیونکہ اہل تفریق و اختلاف خالص دین حنیف پر نہیں ہوتے۔ جو خالص اسلام ہے۔ جو سارے کے سارے دین کو صرف اللہ کے لیے کرنے کا دوسرا نام ہے۔ جس کا ذکر اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِO﴾ (البينة: ۵)

''اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں اور یہی مضبوط ملت کا دین ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَO مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَO مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَO﴾ (الروم: ۳۰-۳۲)

''پس تو ایک طرف کا ہوکر اپنا چہرہ دین کے لیے سیدھا رکھ، اللہ کی اس فطرت کے مطابق، جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی پیدائش کو کسی طرح بدلنا (جائز) نہیں، یہی سیدھا دین ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور شرک کرنے والوں سے نہ ہو جاؤ۔ ان لوگوں سے جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی گروہ ہوگئے، ہر گروہ اسی پر جو ان کے پاس ہے، خوش ہیں۔''

اس آیت میں رب تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آپ ﷺ ان مشرکوں میں سے بنیں جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے خود کو گروہ در گروہ کر لیا تھا۔

یاد رہے کہ اس آیت میں ''مِنْ'' حرف جر کا اعادہ یہ بتلانے کے لیے ہے کہ دوسرا کلمہ ﴿مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا﴾ یہ پہلے کلمے ﴿مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ کا بدل ہے اور کلام میں مقصود ہمیشہ بدل ہوتا ہے جبکہ پہلا کلمہ یعنی مبدل منہ وہ بطور تمہید کے ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍO .... وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَO اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ﴾ (هود ۱۱۰-۱۱۹)

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، پھر اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر وہ بات نہ ہوتی جو تیرے رب کی طرف سے پہلے ہو چکی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور بے شک یہ لوگ اس کے بارے میں ایک بے چین رکھنے والے شک میں ہیں۔ ....اور اگر تیرا رب چاہتا تو یقیناً سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے۔ مگر جس پر تیرا رب رحم کرے اور اس نے انھیں اسی لیے پیدا کیا۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

پس رب تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ جن پر رب تعالیٰ رحمت فرماتے ہیں وہ اختلاف سے دور رہتے ہیں۔

قرآن کریم میں یہ مضمون متعدد مواقع پر مذکور ہے کہ سب پیغمبروں کا دین اسلام تھا۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (النمل: ۹۱)

''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ وَ وَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○﴾ (البقرة: ۱۳۱-۱۳۲)

''جب اس سے اس کے رب نے کہا فرماں بردار ہو جا، تو کہا میں رب العالمین کا فرماں بردار ہو گیا۔ اور اسی کی وصیت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو کی اور یعقوب نے بھی۔ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمھارے لیے یہ دین چن لیا ہے، تو تم ہرگز فوت نہ ہونا مگر اس حال میں کہ تم فرماں بردار ہو۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ○﴾ (یوسف: ۱۰۱)

''آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا یار و مددگار ہے، مجھے مسلم ہونے کی حالت میں فوت کر اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ قَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ○﴾ (یونس: ۸٤)

''اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسا کرو، اگر تم مسلمان ہو۔''

اور جادوگروں کے بارے میں فرمایا:

﴿رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ○﴾ (الاعراف: ۱۲٦)

''اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں اس حال میں فوت کر کہ فرماں بردار ہوں۔''

اور بلقیس کے بارے میں فرمایا:

﴿رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○﴾ (النمل: ٤٤)

''اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فرماں بردار ہوگئی۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ﴾ (المائدۃ: ٤٤)

’’اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے انبیاء جو فرماں بردار تھے، ان لوگوں کے لیے جو یہودی بنے اور رب والے اور علماء۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ بِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ﴾

(المائدۃ: ١١١)

’’اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، انھوں نے کہا ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ بے شک ہم فرماں بردار ہیں۔‘‘

صحیحین میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ’’ہم گروہ انبیاء ہیں، ہمارا دین ایک ہی ہے۔‘‘ [1]

غرض شرائع کا تنوع یہ دین کے ایک ہونے کو مانع نہیں اور وہ اسلام ہے۔ جیسے وہ دین جس کے ساتھ رب تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے، وہ اول و آخر ہر اعتبار سے اسلام ہی ہے۔ اول اول قبلہ بیت المقدس تھا جو بعد میں کعبہ مقرر کر دیا گیا۔ لیکن ان دونوں اوال میں دین ایک ہی رہا اور وہ ہے اسلام۔

ہم سے پہلے کے جملہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں بھی ایسی ہی ہیں اسی لیے رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں حق کو ذکر فرما کر فرمایا ہے کہ وہ ایک ہی ہے، البتہ باطل کئی قسم پر ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾

(الانعام: ١٥٣)

---

[1] مجھے یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ نہیں ملی۔ لیکن ’’صحیح البخاری‘‘ (٤/ ١٦٧) کتاب الانبیاء میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ’’میں دنیا اور آخرت میں سب لوگوں سے زیادہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے قریب ہوں اور انبیاء (ایک دوسرے کے) باپ شریک بھائی ہوتے ہیں جن کی مائیں تو جدا جدا ہیں اور ان کا دین ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی صفحہ پر قریب قریب انہی الفاظ کے ساتھ ایک اور حدیث بھی روایت کی ہے۔ ’’صحیح مسلم‘‘ (٤/ ١٨٣٧) کتاب الفضائل میں یہ حدیث ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ تین طرق سے مروی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے۔ امام ابن حجر ’’فتح الباری‘‘ (٦/ ٤٨٩) طبعۃ السلفیۃ میں لکھتے ہیں: علات: عین کے فتح کے ساتھ یہ سوکنوں کو کہتے ہیں، اور ان کا یہ نام اس لیے ہے گویا کہ خاوند ایک پر دوسری کو بیاہ کر سے پیتا ہے۔ کیونکہ ’’علات‘‘ یہ علل سے ہے اور علل یہ ایک دفعہ سیراب ہونے کے بعد دوسری دفعہ پینے کو کہتے ہیں اور علاتی اولاد باپ شریک کو کہتے ہیں جن کی مائیں تو جدا جدا ہوں مگر باپ ایک ہو۔ اسی معنی میں حدیث ’’سنن ابی داود‘‘ (٤/ ٣٠٢)، مسند احمد (٢/ ٣١٩، ٤٠٦) طبعۃ الحلبی اور ’’ترتیب مسند الطیالسی‘‘ (٢/ ٨٤) میں بھی ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

''اور یہ کہ بے شک یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ o صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ o﴾ (الفاتحة: ٦-٧)

''ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِجْتَبٰهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ o﴾ (النحل: ١٢١)

''اس نے اسے چن لیا اور اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا o﴾ (الفتح: ٢)

''اور تجھے سیدھے راستے پر چلائے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ﴾ (البقرة: ٢٥٧)

''اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے، وہ انھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے دوست باطل معبود ہیں، وہ انھیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لاتے ہیں۔''

غرض یہ بات کتاب اللہ کے مطابق ہے کہ مطلق اختلاف مذموم ہے بخلاف مقید اختلاف کے کہ اس کے بارے میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا﴾ (البقرة: ٢٥٣)

''اور لیکن انھوں نے اختلاف کیا تو ان میں سے کوئی تو وہ تھا جو ایمان لایا اور ان سے کوئی وہ تھا جس نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے۔''

یہ بات واضح ہے کہ یہ اختلاف اہل حق اور اہل باطل کے درمیان ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ﴾ (الحج: ۱۹)

''یہ دو جھگڑنے والے ہیں، جنھوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا۔''

صحیحین میں ثابت ہے کہ یہ آیت بدر کے دن لڑنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے چچازاد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ ہیں جو نبی کریم ﷺ کے چچازاد تھے۔ جبکہ اس دن مشرکین میں سے لڑنے والے عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ تھے جنھوں نے اہل ایمان سے مبارزت کی تھی۔ ❶

میں نے کتب اختلاف میں، جن میں لوگوں کے مقالات درج ہیں، خوب غور و تدبر کیا ہے۔ یا تو وہ محض نقل ہیں جیسے ابوالحسن الاشعری کی ''کتاب المقالات'' اور شہرستانی اور ابوعیسی الوراق کی ''الملل و النحل'' یا پھر ان میں بعض اقوال کی تائید ہے۔ اہل کلام کی، حسب اختلافِ طبقات، اکثر کتب و تصانیف کا حال یہی ہے۔ میں نے ان میں زیادہ تر جس اختلاف کو مذکور دیکھا ہے، وہ مذموم اختلاف ہی ہے۔ رہا وہ حق جسے دے کر رب تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بھیجا اور امت کے اکثر اسلاف بھی اسی پر ہیں۔ اس حق کے جمیع مسائل میں ایسا اختلاف دیکھنے کو نہیں ملتا۔ بلکہ یہ اہل کلام ایک ایک مسئلہ کے تحت متعدد اقوال نقل کرتے ہیں اور کتاب و سنت کا ایک قول بھی نقل نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ جانتے بوجھتے ان کو ذکر نہ کرتے تھے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ لوگ حق جانتے ہی نہ تھے اسی لیے ائمہ اسلاف اس علم کلام کی مذمت بیان کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل کلام میں سے جو لوگ منصف مزاج اور حاذق اور سمجھ دار تھے انھیں اخیر عمر میں جا کر علم کلام سے شک اور حیرت کے سوا اور کچھ نہ ملا، جس کا انھوں نے صاف صاف اقرار بھی کیا۔ کیونکہ انھیں ان اختلافات میں حق نہ ملا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ ان میں سے اکثر عوام کے اسی دین کی طرف لوٹ آئے جس پر پرانے بوڑھے اور بدوی لوگ تھے۔

چنانچہ ابوالمعالی نے عالم نزع میں یہ کہا: میں ایک گہرے سمندر میں اترا اور میں نے اہل اسلام اور ان کے علوم کو ترک کر دیا اور ان باتوں میں جا گھسا جس سے انھوں نے روکا تھا۔ اب اگر میرے رب کی رحمت نے مجھے نہ ڈھانپا تو ابن جوینی کے لیے ہلاکت ہے۔ گواہ رہو کہ میں اپنی ماں کے عقیدہ پر مر رہا ہوں۔ ابوحامد غزالی کا معاملہ بھی اخیر عمر میں شک اور حیرت پر ہی جا کر ٹھہر گیا تھا اور انھیں یہ کیفیت متکلمین و فلاسفہ کے طرق میں خوب غور و تدبر کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ چنانچہ موصوف عبادت و ریاضت اور زہد کے طرق پر چل پڑے اور اخیر عمر میں صرف ''صحیحین'' میں مشغول ہو کر رہ گئے۔

یہی حالت امام شہرستانی کی بھی ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ ان متکلمین کے مقالات و اختلاف کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور انھوں نے اپنی وہ شہرۂ آفاق کتاب ''نهاية الأقدام فی علم الكلام'' بھی لکھی اور اس میں یہ لکھا: مجھے اس ذات نے مشورہ دیا جس کا مشورہ غنیمت اور جس کا حکم بجا لانا حتمی ہے کہ میں ان کے لیے مشکلات الاصول میں سے

❶ صحیح البخاری، کتاب التفسیر: ۹/ ۸۶۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر: ٤/ ۲۳۲۳۔ دیکھیں: تفسیر ابن کثیر: ٥/ ٤٠١۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ان باتوں کو ایک کتاب میں رقم کروں جن کی بابت اہل عقل وفہم کو بھی اشکالات اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ لیکن شاید انھوں نے سوچ کو فربہی سمجھا اور بجھے انگاروں میں پھونک ماری۔ میری عمر کی قسم! میں سب تعلیم گاہوں میں گھوم گیا اور ان سب آثار پر نگاہ دوڑائی تو میں نے اس کے سوا اور نہ دیکھا کہ کوئی تو مارے حیرت کے انگشت بدنداں ہے اور کوئی ندامت سے دانت پیس رہا ہے۔

غرض موصوف شہرستانی بتلا رہے ہیں کہ انھیں متکلمی وفلاسفہ میں سے سوائے حیراں وسرگرداں کے اور شک وارتیاب میں غلطاں کے یا اپنے خودساختہ عقائد کی خطا ظاہر ہونے پر کف افسوس ملنے والے ندامت کے ماروں کے اور کوئی نہیں ملا۔

اب ان میں سے پہلی قسم کے متکلمین جہل بسیط کا شکار ہیں جو تہہ بہ تہہ اندھیروں کے جیسا ہے۔ کہ اس میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا اور دوسری قسم کے متکلمین جہل مرکب میں ڈوبے ہیں۔ پھر موصوف پر اپنا جہل عیاں ہوا تو بے حد نادم ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم موصوف شہرستانی کو دیکھتے ہیں کہ وہ مسائل کے تحت مختلف فرقوں کے اقوال ودلائل تو ذکر کرتے ہیں لیکن مارے حیرت کے کسی ایک قول کو ترجیح نہیں دے پاتے۔

یہی حال علامہ آمدی کا بھی ہے کہ ان پر توقف اور حیرت ہی غالب رہتی ہے۔

اب امام رازی کو ہی لے لیجیے کہ وہ ایک کتاب میں، بلکہ ایک ہی کتاب کی ایک جگہ میں ایک قول کی تائید کرتے نظر آتے ہیں جبکہ اسی کتاب کے دوسرے مقام پر یا پھر کسی اور کتاب میں اسی قول کی نقیض ذکر کر دیتے ہیں۔ یہ بات بالآخر انھیں شک اور حیرت کے دروازے پر لے گئے۔ اسی لیے جب یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ کامل ترین علم رب تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات وافعال سے متعلق علم ہے تو ساتھ ہی یہ بھی ذکر کر دیا جاتا ہے کہ ان سب باتوں پر چند اشکال بھی ہیں (کہ یہ اکثر متکلمین کا حال ہے)

میں نے متعدد مقامات پر امام رازی کے کلام کو اور انھیں اور دیگر متکلمین پر وارد ہونے والے اشکالات کو مفصل اور واضح ذکر کیا ہے۔ بے شک رب تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو حق دے کر بھیجا ہے اور اپنے بندوں کو فطرت پر پیدا کیا ہے۔ پس جس نے اپنی فطرت کو اس دین کے ساتھ مکمل کر لیا جسے دے کر رب تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا ہے تو اس نے ہدایت اور وہ یقین پا لیا جس میں کوئی شک بھی نہیں اور نہ کوئی تناقض ہی ہے۔ لیکن ان لوگوں نے اپنی عقلی فطرت اور سمعی شریعت دونوں کو برباد کر لیا جس کا سبب وہ شبہات اور اختلافات تھے جن میں وہ پڑ گئے تھے، جن کی نحوست سے یہ لوگ حق تک پہنچنے سے قاصر رہے۔ جیسا کہ میں نے ایک دوسرے مقام پر اس کی تفصیل ذکر کر دی ہے۔ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جب امام رازی نے یہ ذکر کیا تو یہ کہا: ''اور جو اس دروازے تک پہنچا اور جس نے یہ شراب پی لی۔'' [1]

---

[1] امام رازی کی یہ عبارت ''درء التعارض ......'' (۱/ ۱۶۰) میں یوں ہی مذکور ہے اور وہاں میں نے یہ بھی ذکر کیا ہے مجھے یہ کلام نہیں ملا۔ امام رازی کی دستیاب مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب میں ہمیں جو عبارت ملی ہے، وہ یہ ہے کہ امام ابن تیمیہ ذکر کرتے ہیں کہ رازی اپنی کتاب میں اس کلام کے ذریعے لذات کی اقسام کو ذکر کرتے تھے۔ یہ مخطوطہ ہندوستان میں موجود ہے۔ امام رازی کی تالیفات کے ذکر میں ''بروکلیمین'' نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ میں نے ''درء......'' پر اپنی تعلیق میں یہ لکھا ہے کہ امام ابن تیمیہ نے یہ ⇦⇦⇦

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عقلوں کی زیادہ سے زیادہ پہنچ بے بسی پر ہے اور علماء کی دوڑ گمراہی تک ہی ہے، ہماری روحیں ہمارے جسموں میں وحشت زدہ ہیں، ہمارا دنیا کا حاصل اور مآل اذیت اور وبال ہے۔ہمیں اپنی عمر بھر کی بحث و تحقیق سے سوائے قیل و قال کے جمع کرنے کے اور کچھ ہاتھ نہ آیا میں نے متکلمین کے طرق اور ان کے فلسفیانہ مناہج میں خوب غور کیا۔ سو میں نے دیکھا کہ ان میں کسی بیمار کے لیے شفا کا سامان اور کسی پیاسے کے لیے سیراب کے اسباب موجود نہیں اور میں نے صحیح ترین طریق قرآن کریم کا طریق پایا۔ اے مخاطب! تو رب تعالیٰ کی صفات کے اثبات کے باب میں یہ ارشادات باری تعالیٰ پڑھ:

﴿اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ﴾ (فاطر: ۱۰)

''اسی کی طرف ہر پاکیزہ بات چڑھتی ہے اور نیک عمل اسے بلند کرتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طه: ۵)

''وہ بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا۔''

اور نفی کی بابت یہ ارشاداتِ باری تعالیٰ پڑھو:

﴿لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ (الشوری: ۱۱)

''اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا﴾ (طه: ۱۱۰)

''اور وہ علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔''

پس جو بھی میرے جیسا تجربہ کرے گا وہ میرے جیسی معرفت بھی پائے گا۔

[علم کلام اور علماء کی بیزاری:]

بیشک امام رازی نے جو بتلایا وہ حق ہے اور وہ اپنی بات میں سچے ہیں کہ انھیں متکلمین و کلامیہ کے طرق سے بحث و تحقیق کر کے سوائے قیل و قال اور کچھ نہیں ملا۔ نہ تو ان میں بیمار کی شفا تھی اور نہ پیاسے کی سیرابی۔ امام رازی کی سب کتابوں کو نگاہِ تدبر سے دیکھ جائیے آپ کو اصول دین کا کوئی ایک مسئلہ بھی حق کے موافق نظر نہ آئے گا کہ جس پر معقول اور منقول دونوں دلالت کرتے ہوں۔ موصوف ایک مسئلہ کے تحت متعدد اقوال ذکر کرتے چلے جاتے ہیں، لیکن حق قول نہ وہ جانتے تھے اور نہ اسے ذکر ہی کیا۔ یہی حال دوسرے متکلمین و فلاسفہ کا بھی ہے۔ یہ کوئی امام رازی کی ہی خصوصیت نہیں اور نہ فلسفہ و کلام اس خوبی کا مالک ہے کہ وہ حق کی راہ دکھائے۔

⇐⇐ نص اپنی کتابوں میں کثرت کے ساتھ ذکر کی ہے۔ جیسے ''مجموع فتاوی الریاض'' (٤/ ٧١)، ''الفرقان بین الحق و الباطل'' (ص ٩٧)، ''معارج الوصول'' (ص ١٨٥)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

بے شک حق ایک ہی ہے جو رسولوں کی لائی شریعت سے باہر نہیں نکلتا اور وہ اس صریح عقل وفطرت کے بھی عین موافق ہے جس پر رب تعالیٰ نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ لیکن یہ متکلمین وفلاسفہ اس حق سے نا آشنا ہیں بلکہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اس دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود گروہوں میں بٹ گئے۔ ان لوگوں نے کتاب میں بھی اختلاف کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍo﴾ (البقرۃ: ۱۷۶)

''اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا ہے یقیناً وہ بہت دور کی مخالفت میں (پڑے) ہیں۔''

امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی قید کے دوران زنادقہ اور جہمیہ کے ان اقوال کا ردّ لکھا جن میں وہ متشابہات القرآن میں شک کرتے ہیں اور ان کی بے جا تاویل کرتے ہیں۔ چنانچہ امام موصوف نے اپنی اس کتاب کے خطبہ میں لکھا ہے: سب تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے رسولوں کے درمیانی زمانوں میں ان اہل علم کو باقی رکھا جنھوں نے بھٹکے ہوؤں کو ہدایت کی طرف بلایا، پھر ان کی ایذا رسانیوں پر صبر بھی کیا، وہ اللہ کی کتاب سے مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور اللہ کے نور سے بے راہوں اور اندھوں کو روشنی دکھاتے ہیں۔ چنانچہ ان خدا رسیدہ علماء نے کتنے ہی ابلیس کے ماروں کو حیاتِ نو بخشی اور کتنے ہی حیراں وسرگرداں گم گشتہ لوگوں کو راہ سجھائی، سو ان علماء نے لوگوں کا کتنا بھلا کیا اور لوگوں نے ان کے ساتھ کیا ہی برا کیا۔

یہ علماء کتاب اللہ سے غلو کرنے والوں کی تحریف اہل باطل کے غلط دعوؤں اور ان جاہلوں کی تاویلات کو دور کرتے ہیں جو بدعتوں کے علم بردار اور فتنوں کو بے لگام چھوڑ دینے والے ہیں۔ یہ کتاب اللہ سے اختلاف بھی رکھتے ہیں اور اس کے مخالف بھی ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ کتاب اللہ کو چھوڑ دینے پر متفق بھی ہیں۔ یہ لوگ بغیر علم کے اللہ پر جھوٹ بھی بولتے ہیں اور اللہ اور اس کی کتاب کے بارے کلام بھی کرتے ہیں۔'' متشابہ کلام کے ساتھ گفتگو ان کا وتیرہ ہے، اور نادان لوگوں کو اپنی تلبیسات میں پھنسا کر انھیں دھوکا دیتے ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل بجا لکھا ہے۔ کتب کلام میں کتاب اللہ سے اختلاف کرنے والے جن لوگوں کے مقالات مذکور ہیں، یا تو وہ محض نقل ہیں، یا پھر نقل، بحث اور جدال کا ذکر ہے۔ یہ سب اختلاف کرنے والے ایک بات کی موافقت تو دوسری کا ردّ کرتے ہیں پھر جو بات ان کی رائے کے موافق ہوا سے اس محکم کا درجہ دے دیتے ہیں جس کی اتباع واجب ہوتی ہے اور جو بات ان کی رائے کے مخالف ہو وہ ان کے نزدیک اس متشابہ کے حکم میں جس کی تاویل یا تفویض واجب ہو۔

علم کلام پر جس نے بھی لکھا اور ان میں ان نصوص کو ذکر کیا جو ان کا مستدل اور مخالف پر حجت کے دلائل ہیں آپ ان کتابوں میں ان متکلمین وفلاسفہ کا یہ طرز دیکھ سکتے ہیں، آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنی رائے کے مخالف نصوص کی ایسی تاویلات کریں گے کہ اگر وہ تاویلیں کوئی اور کرے تو یہ اس پر قیامت ڈھا دیں۔ یہ لوگ آیات قرآنیہ کی وہ تاویل کرتے ہیں جن کی بابت یہ یقیناً معلوم ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تاویل مراد نہ لی تھی اور نہ آیاتِ قرآنیہ کے الفاظ ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس تاویل پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ تاویل حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے مروی معروف تاویل وتفسیر اورخود دوسری نصوص کے بھی خلاف ہوتی ہے۔ اگر اس بارے میں جو کچھ میں جانتا ہوں، اس سب کو ذکر کروں تو بے شمار لوگوں کے نام گنوا دوں اور اس میں کسی مشہور معتزلی اور رافضی کو مستثنیٰ نہ کروں اور نہ سنت کی طرف منسوب کی کرامی، اشعری اور سالمی کو ہی معاف رکھو۔

یہی حال مذاہب اربعہ کے ان علماء کا بھی ہے جنھوں نے ان متکلمین وفلاسفہ کے طریق پر لکھا ہے۔ یہ سب میں نے ان کی کتابوں میں خود دیکھا ہے۔ مسائل صفات، قرآن، مسائل تقدیر، اسما واحکام اور ایمان واسلام کے مسائل اور وعدہ ووعید وغیرہ کے مسائل کی تحقیق میں یہ طرز واسلوب موجود ہے جو دیکھا جا سکتا ہے۔

ہم نے اپنی اس کتاب کے علاوہ دیگر کتب میں متعدد مقامات پر اس پر مفصل کلام کیا ہے جیسے ''درء تعارض العقل و النقل'' وغیرہ۔ اس بارے جامع ترین کتاب جس میں اصولِ دین میں اختلاف کرنے والوں کے مقالات مذکور ہیں، وہ ابوالحسن اشعری کی کتاب ہے جس میں ان لوگوں کے وہ مقالات اور ان کی وہ تفصیلات مذکور ہیں جو کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتی۔ موصوف نے اس کتاب میں اہل حدیث وسنت کے مذہب وکلام سے جو سمجھا ہے وہ رقم کیا ہے۔ اگرچہ موصوف خود ان لوگوں کے زیادہ قریب نہیں لیکن اس کے باوجود اصولِ دین کے مسائل جیسے قرآن، رؤیت باری تعالیٰ، صفات اور تقدیر وغیرہ کے بارے میں جو کچھ کتاب وسنت میں آتا ہے اور اس بارے جو کچھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے اقوال ہیں وہ اس کتاب میں نہیں ملتے۔ حالانکہ موصوف نے متکلمین کا جتنا کلام بھی وہ جانتے تھے اس سب کا استقصاء کرڈالا ہے۔

یاد رہے کہ کتاب وسنت میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لے کر آئے ہیں اور حضرات صحابہ وتابعین کے اقوال و آثار کہ ان سب کی معرفت ایک جدا علم ہے جس کو ان متکلمین اور اصولِ دین میں اختلاف کرنے والوں میں سے کوئی نہیں جانتا۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے ائمہ واسلاف اہل کلام کی مذمت پر متفق تھے کہ ان لوگوں کا کلام باطل کی تصدیق، حق کی تکذیب اور کتاب وسنت کی تکذیب پر مشتمل ہے۔ ان کے کلام کے مبنی بر کذب وافتراء اور خطا ضلال ہونے کی وجہ سے اہل حق نے ان کی مذمت کی۔ ان اسلاف نے کسی کے حق کلام کی کبھی مذمت نہیں کی۔ کیونکہ حق بات ہوتی ہی وہ ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہوں۔ بھلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی تعلیمات کو جاننے والے اسلاف ایسے کلام کی مذمت کیونکر کرسکتے ہیں۔

غرض متکلمین کے کلام میں ایک دوسرے کی نقیض اور خود اپنے اقوال کا فساد پایا جاتا ہے۔ ان کے کلام میں باطل ضرور ہوتا ہے۔ پھر ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے اقوال کو باطل قرار دینے کا قصد کرتا ہے اور ایک سادہ لوح قاری ان کے اقوال سے اس سے زیادہ کچھ حاصل نہیں کر پاتا کہ دلائل کا ایک انبار ہے جس میں کتاب اللہ سے اختلاف کرنے والے فرقوں کے اقوال کا ردّ ہے......

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

موصوف اشعری اس باب میں قابل ستائش ہیں کہ انھوں نے معتزلہ کی رسوائیوں اور ان کے کلام کے تناقض و فساد اس طرح آشکارا کیا ہے کہ کسی دوسرے نے نہیں کیا۔ کیونکہ پہلے خود معتزلی تھے اور موصوف نے چالیس برس تک ابو علی الجبائی سے علم کلام پڑھا تھا۔ موصوف بڑے ذہین تھے اسی لیے اعتزال سے رجوع کر لیا پھر ان کے ردّ میں ایک مفصل کتاب لکھی اور صفاتِ باری تعالیٰ کے اثبات میں ابن کلاب کے طریق کی تائید کی۔ کیونکہ ابن کلاب کا طریق معتزلہ سے زیادہ کتاب وسنت کے قریب ہے۔ کیونکہ معتزلہ کسی اور طریق کو جانتے ہی نہ تھے۔ لہٰذا وہ کتاب وسنت، صحابہ وتابعین کے اقوال اور ائمہ کی تفسیر قرآن کو جانتے ہی نہ تھے۔ بلاشبہ خالص سنت کا علم تو اسی طریق سے ملتا ہے۔

اسی لیے موصوف اشعری معتزلہ کے مفصل ملاقات ذکر کرتے ہیں، ہر ایک کا قول بیان کرتے ہیں اور ان کے چھوٹے بڑے ہر اختلاف کو عیاں کرتے ہیں جیسا کہ ابن ابی زید ❶ نے اصحابِ مالک کے مقالات کو ذکر کیا ہے اور جیسے کہ امام قدوری ❷ رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب کے اختلافات کو مفصل ذکر کیا ہے۔ موصوف اشعری اس کتاب میں خوارج و روافض کے مقالات کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ البتہ یہ مقالات خود اربابِ مقالات سے یا ان کی کتابوں کے واقف کاروں سے نقل نہیں کیے۔ لیکن اس کے باوجود بھی بے حد مفصل ہیں۔ موصوف ابن کلاب کا مقالہ بھی ان کی کتابوں کی خوب چھان بین کے بعد ذکر کرتے ہیں اور قرآن کے بارے لوگوں کے اختلاف کو متعدد کتب سے نقل کرتے ہیں۔

پھر جب اہل حدیث وسنت کا مقالہ آتا ہے تو اسے مجمل ذکر کرتے ہیں اور اس کا بھی اکثر حصہ انھوں نے زکریا بن یحییٰ الساجی ❸ سے لیا ہے۔ جبکہ بعض کو بغداد کے ان حنبلی علماء سے لیا ہے جنھوں نے ساجی سے اخذ کیا ہے۔ بھلا اب تفصیلی علم اور اجمالی علم میں بھی کوئی نسبت ہے؟ ایک اعتبار سے موصوف اس بات کے مشابہ ہیں کہ جیسے ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو تفصیلاً جبکہ تورات اور انجیل کے علم کو اجمالاً جانتے ہیں اور وہ بھی دوسروں کی منقولہ باتوں سے اور موصوف ایسے ہی

---

❶ ابو زید عبداللہ بن ابی زید عبدالرحمان النفزاوی، القیروانی، اپنے زمانہ میں مالکیہ کے امام اور ''مالک اصغر'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ذہبی کہتے ہیں: اصول میں اسلاف کے طرز پر تھے۔ کلام سے ناواقف اور تاویل نہ کرنے کے قائل تھے۔ ''الرسالة فی اعتقاد اهل السنة'' مشہور تصنیف ہے جو طبع ہو چکی ہے اور اس کی متعدد شروحات بھی آ چکی ہیں سن ولادت ۳۱۰ ہجری اور سن وفات ۳۸۶ ہجری ہے۔ (دیکھیں: شذرات الذهب: ۳/ ۱۳۱، الدیباج المذهب لابن فردون، ص: ۱۳۶، الاعلام: ٤/ ۲۳۰)

❷ ابو الحسین احمد بن محمد بن جعفر القدوری، عراق میں حنفیت کی ریاست وسیادت ان پر ختم تھی۔ فقہ حنفی میں ''المختصر'' لکھی جس نے ''مختصر قدوری'' کے نام سے دائمی شہرت پائی۔ یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔ بغداد میں ۳۶۲ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۴۲۸ ہجری میں بغداد ہی میں وفات پائی۔ (دیکھیں: وفیات الاعیان: ۱/ ۶۰-۶۱، الجواهر المضیة: ۱/ ۹۳-۹٤، النجوم الزاهرة: ٥/ ۲٤-۲٥، الاعلام: ۱/ ۲۰۶)

❸ ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ بن عبدالرحمان بن محمد بن عدی الضبی البصری الساجی۔ فقہائے شافعیہ میں سے ہیں۔ آپ کا شمار ثقہ اور حافظ رواۃِ حدیث میں ہوتا ہے۔ سن ولادت ۲۲۰ ہجری اور سن وفات ۳۰۷ ہجری ہے۔ ''کتاب اختلاف الفقهاء'' آپ کی مشہور کتاب ہے۔ (دیکھیں: طبقات الشافعیة: ۳/ ۲۹۹-۳۰۱، الاعلام: ۳/ ۸۱)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ہیں جیسے ایک حنفی یا شافعی، یا مالکی یا حنبلی اور اپنے اصول وفروع کو اور اپنے مذہب کے اختلاف اور اس کے دلائل کو بہ نسبت دوسرے مذہب کے اختلاف و دلائل اور اصول وفروع کے، زیادہ تفصیل کے ساتھ جانتا ہے اور دوسرے مذہب کا علم اسے صرف اجمالی ہی ہوتا ہے۔

موصوف اشعری کی اہل سنت و حدیث کے مذہب سے معرفت بھی ایسی ہی ہے جبکہ وہ متکلمین کو اور اختلاف پر لکھنے والوں کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اور وہ اپنے اصحاب جیسے قاضی ابوبکر، ابن فورک اور ابواسحاق وغیرہ سے زیادہ اس کو جانتے ہیں۔ جبکہ یہ مذکورہ علماء اس اختلاف کو ابوالمعالی اور ان جیسے علماء اور شہرستانی سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شہرستانی اہل سنت و حدیث کے مذہب کی بابت جو ذکر کرتے ہیں وہ موصوف اشعری کی ذکر کردہ معلومات سے ناقص ہے۔ کیونکہ اشعری نقل وتوجیہ دونوں کے اعتبار سے ان سب سے بڑے عالم ہیں۔ موصوف اس فقیہ کی طرح ہیں جو دوسرے فقہائے حدیث سے بڑا عالم ہوتا ہے حالانکہ وہ خود علمائے حدیث میں سے نہیں ہوتا۔ یا اس محدث کی طرح ہیں جو دوسرے محدثین سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے لیکن خود ائمہ فقہ میں سے نہیں ہوتا اور اس مقری کی طرح ہیں جو نحو واعراب کو دوسروں سے زیادہ جانتا ہے لیکن خود ائمہ نحاۃ میں سے نہیں ہوتا یا اسے نحوی جیسے ہیں جو قرآن کو دوسرے نحویوں سے زیادہ جانتا ہے لیکن وہ خود ائمہ قراء میں سے نہیں ہوتا۔ اس کی نظائر بے شمار ہیں۔

بہر حال اس مقام پر ہمارا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اختلاف کرنے والوں کی مذمت بیان کی ہے اور یہ قولی اختلاف کا بیان ہے۔ رہا عملی اختلاف تو وہ ہاتھ، تلوار، لاٹھی اور کوڑے وغیرہ کے ساتھ اختلاف ہے۔

اب خوارج، روافض اور معتزلہ ان دونوں قسم کے اختلافات کے ارتکاب میں داخل ہیں اور صرف دنیا کی جاہ و حشمت کے لیے لڑنے والے ملوک وسلاطین صرف دوسری قسم کے اختلاف میں داخل ہیں اور وہ لوگ جو علم میں کلام کرتے ہیں اور اپنے بدعتی اقوال کی دعوت نہیں دیتے اور اپنے مخالفین سے ہاتھ اور زبان سے لڑتے بھی نہیں۔ یہی لوگ اہل علم ہیں، ان کی خطا معاف ہوگی اور یہ مذموم اختلاف کرنے والوں میں سے بھی نہیں۔ البتہ بعض امور میں ان کے جیوں میں خواہش یا عدوان یا کوتاہی داخل ہو چکی ہوتی ہے۔ بے شک یہ ان کا گناہ ہے اور بندہ ہر امر میں صراطِ مستقیم کو لازم پکڑنے پر مامور ہے اور اس بات کی ہر نماز میں دعا مانگنے کو رب تعالیٰ نے ہمارے لیے مشروع قرار دیا ہے۔ بلاشبہ یہ سب سے افضل، سب سے زیادہ فرض اور ہر خیر کو سب سے زیادہ جامع دعا ہے کہ صراطِ مستقیم کی دعا مانگنے کا ہر بندہ محتاج ہے اسی لیے رب تعالیٰ نے ہر نماز میں یہ دعا مانگنا بندوں پر واجب کی ہے۔

کیونکہ اگرچہ بندے کو اجمالی ہدایت ملی ہوتی ہے جیسے اس بات کا اقرار کہ اسلام حق ہے اور رسول حق ہے لیکن پھر وہ بھی اپنے ہر قول وفعل اور اعتقاد میں تفصیلی ہدایت کا محتاج ہے جو اس کی نفی واثبات، بغض ومحبت امر ونہی اور مدحت و مذمت سب کو شامل ہے۔ بندہ ان سب امور میں اس بات کا محتاج ہے کہ رب تعالیٰ اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت دے۔ کیونکہ یہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا راستہ ہے جن پر رب تعالیٰ نے انعام کیا ہے اور یہ بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ بہت سے لوگوں ہیں جنھوں نے کلام کی مذمت کو مجمل سنا ہے، یا انھوں نے کسی جماعت کی مذمت کو مجمل سنا ہے یا انھوں نے کسی جماعت کی مذمت کو مجمل سنا ہے جبکہ وہ فقہاء، محدثین اور صوفیاء وغیرہ سے اس کی تفصیل کو نہیں جانتا اور جو کلام کے علم میں اوسط درجے کا ہے وہ ان کی ان غایات سے لاعلم ہے جو ان کے تفرقہ و اختلاف کا سبب ہیں۔ تم اسے ایک قول کی اور اس کے قائل کی مذمت کرتے بھی دیکھو گے جبکہ اسی کی دوسری عبارت کو قبول کرتے بھی دیکھو گے۔ وہ تفسیر، فقہ اور شروحِ حدیث کی کتابیں بھی پڑھتا ہے جن کی یہ مذمت کر رہا ہوتا ہے یا ان کتابوں میں یہ مذموم مقالات بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ انھی باتوں کو وہ ایک ایسے شخص سے قبول کر رہا ہوتا ہے جن کے ساتھ وہ حسن ظن رکھتا ہوتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے ان باتوں کو ایک اور عبارت سے، یا کسی آیت یا حدیث کی تفسیر کے ضمن میں ذکر کر دیا ہوتا ہے۔

غرض ایسا بہت ہے۔ سلامت وہی ہے جسے اللہ سلامت رکھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بہت سے لوگ چند ائمہ کی تعظیم کرتے ہیں، اور چند اقوال کی مذمت کرتے ہیں اور ان اقوال کے قائلین پر لعنت کرتے ہیں یا ان کی تکفیر کر رہے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض اقوال کے قائل وہ ائمہ بھی ہوتے ہیں جن کی یہ تعظیم کر رہا ہوتا ہے اور اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ائمہ ان اقوال کے قائل ہیں تو وہ یہ لعنت بازی بند کر دیں۔ جبکہ ان میں سے متعدد اقوال نبی کریم ﷺ کے بھی ہوتے ہیں جن کو یہ جانتا نہیں ہوتا۔

پھر اگر متکلمین سے یہ اقوال قبول کرنے والا مقلد ہو تو وہ اس کی پیروی کرتا ہے جس کی اس کے جی میں زیادہ قدر ہوتی ہے۔ پھر اگر اس کا یہ گمان ہو کہ ان متکلمین نے وہ باتیں بھی ثابت کی ہیں جن کو یہ ائمہ ثابت نہیں کر سکے تو یہ ان کی تقلید کرنے لگے۔ اگرچہ وہ یہ گمان بھی کرے کہ یہ ائمہ زیادہ جلیل القدر اور حق کو زیادہ جاننے والے، اور نبی کریم ﷺ کی زیادہ اتباع کرنے والے ہیں۔

اگر اسے اس قول کی بابت متکلمین کی حجت معلوم ہو جائے اور جن ائمہ کی یہ تعظیم کرتا ہے ان کی بابت اسے یہ بات پہنچے کہ ان کا قول اس کے خلاف ہے، یا ایک حدیث اس کے خلاف ہے تو وہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ اگر کسی ایک جانب کو ترجیح بھی دیتا ہے تو ناگواری سے دیتا ہے اور خود اس کے پاس اس ترجیح کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ بس اس کے جی میں جس کے بارے میں یہ بات آ جائے کہ یہی قول صحیح ہے، اسی کو اپنا لیتا ہے اور اس پر پکا ہو جاتا ہے۔ چاہے بعض متکلمین اس قول کے خلاف بھی ہوں۔

آدمی کا ان لوگوں کے اختلافات کو اور ان کے ایک دوسرے کو ردّ کرنے کو جاننا نافع ترین امور میں سے ہے چاہے وہ ایک دوسرے کے مقالہ کے فساد کے دلائل کو نہ بھی جانتے ہوں۔ کیونکہ ان میں سے کوئی تو ایسا ضرور ہوتا ہے جس کے مقالہ کو چند ایک جماعتوں نے فضیلت دی ہوتی ہے۔ پس جب وہ ایک دوسری جماعت کو دیکھتا ہے کہ وہ اس مقالہ کا ردّ کر رہی ہے تو وہ اس مقالہ کے فساد کو جان لیتا ہے اور یہ امر اس مقالہ میں موجود منکر اور باطل کے حق میں نہیں بن کر ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح جب وہ ان فرقوں کو ایک دوسرے کا ردّ کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو دونوں کے باطل عقائد کو بھی جان لیتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے یوں وہ ان جماعتوں کے باطل سے بچ جاتا ہے۔ پھر جس کے سامنے رب تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کو عیاں کر دیتا ہے۔ پھر یا تو وہ ان دونوں جماعتوں کے اقوال کے بالمقابل تیسرا قول کرتا ہے، یا پھر کسی کا ایک تو کسی کا دوسرا قول کرتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ یہی وہ قول ہے جس پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ تھے اور جس پر کتاب وسنت کی دلالت ہے۔ تو بلاشبہ رب تعالیٰ نے اس پر اپنا انعام پورا فرما دیا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے ایسے شخص کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دے دی ہے اور اسے اہل زیغ وضلال کی راہ سے دور رکھا ہے۔

اگر کسی پر نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات عیاں نہیں ہوتیں، تب بھی اس کا ان فرقوں کی گمراہی میں ان کی موافقت سے رکنا، یہ اس کے حق میں نعمت ہے اور اس نے کتاب وسنت کے اجمالی علم کی پناہ پکڑ لی ہے اور وہ اس مسئلہ میں کلام سے رک گیا ہے۔

آدمی جن باتوں کو نہیں جانتا، ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ آدمی لوگوں کی کہی ہر بات کی بابت حق بات کو نہیں جانتا ہوتا۔ تو لوگوں کو دیکھے گا کہ وہ مسائل احکام میں تفسیر اور شرحِ حدیث میں متعدد اقوال کر رہے ہوتے ہیں بلکہ وہ طب اور عربیت وغیرہ میں بھی مختلف اقوال کے مالک ہوتے ہیں۔ پھر بے شمار لوگ اختلاف کو تو ذکر کرتے ہیں مگر وہ حق بات کو نہیں جانتے ہوتے۔

پھر اہل فلسفہ میں اس قدر اختلاف اور تفرقہ ہے کہ حد وشمار میں نہیں آتا۔ کیونکہ متاخرین جیسے ابن سینا اور فارابی اور ان کے طرز پر چلنے والوں کے پاس جو فلسفہ ہے وہ ارسطو اور اس کے پیروکاروں کا فلسفہ ہے اور یہ ارسطو ہی تو ہے جو منطق، طبیعیات اور مابعد الطبیعیات کے علوم کا بانی ہے اور اسی فلسفہ کو لے کر غزالی، شہرستانی اور رازی وغیرہ چلے تھے جو فلاسفہ کے ہی مقالات تھے اور وہی ابن سینا کا کلام ہے۔

پھر فلاسفہ کی ان کے علاوہ بھی بے شمار قسمیں ہیں۔ اسی لیے قاضی ابوبکر نے ''دقائق الکلام'' میں اور ان سے پہلے ابو الحسن اشعری نے ''مقالات غیر الاسلامیین'' میں، جو ایک بڑی کتاب ہے اور ''مقالات الاسلامیین'' سے بھی بڑی کتاب ہے، فلاسفہ کے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں جن کو ابن سینا کے خوشہ چین ذکر تک نہیں کرتے۔ اسی طرح اشعری کے علاوہ جیسے ابوعیسی وراق، نوبختی، ابوعلی، ابوہاشم اور بے شمار متکلمین وفلاسفہ ہیں۔

غرض متکلمین کی کتابوں میں ایک دوسرے کا ردّ ہے اور جسے باطل مقالہ کے ردّ کی احتیاج نہیں اسے ان باتوں کے جاننے کی بھی احتیاج نہیں۔ کیونکہ ایک تو یہ باتیں اس کے دل پر گزری ہی نہیں، دوسرے وہاں کوئی ان باتوں کا مخاطب بھی نہیں اور کوئی اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا بھی نہیں جس میں یہ سب باتیں اور اختلافات مذکور ہیں۔ پھر جسے دوسروں کے دلائل کے ردّ کا فہم نہیں، وہ ان سے متنفع بھی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بسا اوقات جسے شبہ اور اعتراض کا تو علم ہو جائے لیکن اس کے فاسد ہونے کو نہ جانتا ہو، وہ نقصان اٹھاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

[متکلمین کی حالت:]

غرض یہ ہے وہ علم جو ان لوگوں کی کتابوں میں لکھا ہے۔ یہ لوگ باطل سے باطل کا ردّ کرتے ہیں اور وہ دونوں ڈ اقوال ہی باطل ہوتے ہیں۔ اسی لیے اکثر ائمہ سلف و خلف کے نزدیک یہ علم باطل اور مذموم ہے کیونکہ اس علم کے اکثر قائلین کو اپنے اقوال کا باطل ہونا معلوم ہی نہیں ہوتا۔

لیکن بہرحال یہ لوگ ایک دوسرے کے باطل کے عیوب کو بیان کرتے اور اس کی مذمت بیان کرتے ہیں جس سے کسی کا بھلا ہو جاتا ہے۔

جیسے ان لوگوں کا رب تعالیٰ کے اسماء اور احکام کے مسائل میں اور وعد و وعید میں ایک دوسرے سے اختلاف کرنا، چنانچہ خوارج اور معتزلہ کہتے ہیں: کبیرہ کا وہ مرتکب جس نے اس سے توبہ نہ کی ہو وہ مخلد فی النار ہوگا۔ اور اس کے پاس ذرہ برابر بھی ایمان نہیں ہوتا۔ پھر خوارج مرتکب کبیرہ کو کافر بھی کہتے ہیں، جبکہ معتزلہ حکم میں تو ان کے موافق ہیں البتہ مرتکب کبیرہ کا نام کافر رکھنے میں ان کے خلاف ہیں۔ ادھر مرجئہ مرتکب کبیرہ کو کامل الایمان مومن باور کرتے ہیں کہ اس کے ایمان میں کوئی کمی نہیں بلکہ اس کا ایمان نبیوں اور ولیوں کے ایمان جیسا ہے۔ یہ ''نام'' میں اختلاف کا بیان ہے۔ پھر مرتکبین کبیرہ کے بارے میں ان کے فقہاء وہ کہتے ہیں جو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض جہنم میں داخل ہوں گے اور بعض داخل نہیں ہوں گے جیسا کہ احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں؛ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کا اس بات پر اتفاق ہے۔

یہ لوگ مرتکبین کبائر کے اخروی حکم کی بابت اہل سنت والحدیث سے کوئی اختلاف نہیں کرتے، ان کا اختلاف صرف ان کا نام رکھنے کے بارے میں ہے اور اس کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ جو کہتا تو ہے مگر مرتکب نہیں ہوتا۔ اکثر مرجئہ کا قول ہے کہ ہم یہ نہیں جانتے کہ اہل قبلہ میں سے کوئی مرتکب کبیرہ جہنم میں داخل ہوگا اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ان میں سے کوئی جہنم میں نہیں داخل ہوگا۔ بلکہ دیگر فساق و فجار کے ساتھ اس کا جہنم میں داخل ہونا بھی ممکن ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی جہنم میں داخل نہ ہو، جبکہ بعض داخل بھی ہو سکتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ بھی قول ہے کہ گناہ کر کے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول ہونا قطعی امر نہیں۔ بلکہ ایسا شخص بھی جہنم میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ ان سب باتوں میں توقف کا شکار ہیں۔ اسی لیے انھیں ''الواقفة'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یہ اشعریہ میں سے قاضی ابوبکر وغیرہ کا قول ہے۔ یہ لوگ وعید کی نصوص اور ان کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور دوسرے لوگ وعید کی نصوص اور ان کے عموم سے ان کا معارضہ کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ فساق وعدہ کی نصوص میں داخل نہیں کیونکہ ان کی کوئی نیکی نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ متقین میں سے نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (المائدة: ۲۷)

''اس نے کہا بے شک اللہ متقی لوگوں ہی سے قبول کرتا ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى﴾ (البقرۃ: ۲٦٤)

''اپنے صدقے احسان رکھنے اور تکلیف پہنچانے سے برباد مت کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ (الحجرات: ۲)

''اپنی آوازیں نبی کی آواز کے اوپر بلند نہ کرو اور نہ بات کرنے میں اس کے لیے آواز اونچی کرو، تمھارے بعض کے بعض کے لیے آواز اونچی کرنے کی طرح، ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم شعور نہ رکھتے ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَا اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ (محمد: ۲۸)

''یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اس چیز کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اس کی خوشنودی کو برا جانا تو اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔''

یہ اور ان کے علاوہ دیگر نصوص بتلاتی ہیں کہ گزشتہ اعمال سیئات کی وجہ سے برباد اور اکارت ہو جاتے ہیں اور عمل صرف تقویٰ کے ساتھ ہی مقبول ہوتا ہے اور وعدہ صرف مومن کے لیے ہے جبکہ یہ لوگ مومن ہی نہیں جس کی دلیل یہ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (الانفال: ۲)

''(اصل) مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ (الحجرات: ۱۵)

''مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انھوں نے شک نہیں کیا اور انھوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ﴾ (السجدۃ: ۱۸)

''تو کیا وہ شخص جو مومن ہو وہ اس کی طرح ہے جو نافرمان ہو؟ برابر نہیں ہوتے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

پس فاسق مومن نہیں۔ لہٰذا وعدہ کی نصوص اسے شامل نہیں۔

اس کی دلیل یہ صحیح حدیث بھی ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''کوئی زانی زنا کرتے وقت مومن نہیں ہوتا اور کوئی شرابی شراب پیتے وقت مومن نہیں ہوتا اور کوئی چور چوری کرتے وقت مومن نہیں ہوتا۔''

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

''جس نے ہمارے ساتھ ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں اور جس نے ہم پر اسلحہ اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔''[1]

[اعمال کی قبولیت کی بحث:]

مرجئہ اپنے یہ دلائل پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ٥﴾ (المائدة: ٢٧)

''اس نے کہا بے شک اللہ متقی لوگوں ہی سے قبول کرتا ہے۔''

میں متقی سے مراد وہ شخص ہے جو شرک سے بچتا ہو، ان کے نزدیک اعمال صرف کفر سے ہی ضائع ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (الزمر: ٦٥)

''بلاشبہ اگر تو نے شریک ٹھہرایا تو یقیناً تیرا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ (المائدة: ٥)

''اور جو ایمان سے انکار کرے تو یقیناً اس کا عمل ضائع ہو گیا۔''

ان کی دلیل رب تعالیٰ کا ایک یہ ارشاد بھی ہے:

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ٥ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا﴾

(فاطر: ٣٢-٣٣)

---

[1] صحیح مسلم: ١/ ٩٩۔ مسند احمد: ١٨/ ١٠٠ طبعة المعارف۔ اور دوسری حدیث حضرت ابن عمر، حضرت ابوموسی اشعری اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور یہ حدیث ''صحیح البخاری'' (٩/ ٤) میں مروی ہے۔ اس کے علاوہ ''صحیح مسلم'' (١/ ٩٨) میں بھی مروی ہے۔ جبکہ مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا اور لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّ وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ''سنن ابی داود'' (٣/ ٣٧٠)، ''جامع ترمذی'' (٢/ ٣٨٩) اور ''مسند احمد'' میں متعدد مقامات پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ حسن اور صحیح ہے۔ اہل علم کے ہاں اسی حدیث پر علم ہے۔ ان کے نزدیک ملاوٹ کرنا مکروہ ہے اور بعض نے اسے حرام بھی کہا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''پھر ہم نے اس کتاب کے وارث اپنے وہ بندے بنائے جنھیں ہم نے چن لیا، پھر ان میں سے کوئی اپنے آپ پر ظلم کرنے والا ہے اور ان میں سے کوئی میانہ رو ہے اور ان میں سے کوئی نیکیوں میں آگے نکل جانے والا ہے، اللہ کے حکم سے۔ یہی بہت بڑا فضل ہے۔ ہمیشگی کے باغات، جن میں وہ داخل ہوں گے۔''

ان آیات میں رب تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ یہ تینوں قسم کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ بعض غالی مرجئہ کا قول ہے کہ اہل توحید میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ لیکن میں کسی معین شخص کو نہیں جانتا جو اس قول کا قائل رہا ہو۔ بعض نے یہ قول مقاتل بن سلیمان سے حکایت کیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ پھر یہ لوگ ان کے علاوہ دلیل میں یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

﴿فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى o لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى o الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى o﴾ (اللیل :)

''پس میں نے تمھیں ایک ایسی آگ سے ڈرا دیا ہے جو شعلے مارتی ہے۔ جس میں اس بڑے بدبخت کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا۔ جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔''

بعض جاہلوں نے اس آیت کو بھی دلیل بنایا ہے:

﴿ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ﴾ (الزمر: ١٦)

''یہ ہے وہ جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔''

ان کا کہنا ہے کہ وعید ایک شے ہے جس سے رب تعالیٰ تمھیں ڈراتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ رہا یہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ o﴾ (محمد: ٩)

''یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی تو اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔''

تو یہ آیت کفار کے حق میں ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ o ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ o﴾ (محمد: ٨-٩)

''اور جن لوگوں نے کفر کیا سو ان کی ہلاکت ہے اور اس نے ان کے اعمال برباد کر دیے۔ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی تو اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔''

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ o ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اِسۡرَارَهُمۡ ۝ فَكَيۡفَ اِذَا تَوَفَّتۡهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوۡا مَاۤ اَسۡخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوۡا رِضۡوَانَهٗ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ۝﴾ (محمد: ۲۵-۲۸)

''بے شک جو لوگ اپنی پیٹھوں پر پھر گئے، اس کے بعد کہ ان کے لیے سیدھا راستہ واضح ہو چکا، شیطان نے ان کے لیے (ان کا عمل) مزین کر دیا اور ان کے لیے مہلت لمبی بتائی۔ یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے ان لوگوں سے کہا جنھوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی، عنقریب ہم بعض کاموں میں تمھارا کہا مانیں گے اور اللہ ان کے چھپانے کو جانتا ہے۔ تو کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کریں گے، ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوں گے۔ یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اس چیز کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اس کی خوشنودی کو برا جانا تو اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔''

ان آیات میں رب تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ جو لوگ اپنے اسلام سے الٹے قدموں پھر گئے حالانکہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی تھی، تو انھیں شیطان نے ان کے عمل خوشنما بنائے اور انھیں جھوٹی امنگیں دلائیں۔ یعنی شیطان نے انھیں یہ آرزو دلائی کہ ان کی عمر لمبی ہوگی اور اس کا سبب یہ تھا کہ ان لوگوں نے ان کا ساتھ دینے کا ان سے وعدہ کیا تھا جو رب تعالیٰ کی نازل ہونے والی آیات کو ناپسند کرتے تھے۔ اسی لیے بعض اسلاف نے ''کَرِهُوۡا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ'' کی تفسیر میں اس آیت کا سبب نزول منافقین اور یہود کو قرار دیا ہے۔ وعیدیہ کا قول ہے کہ رب تعالیٰ نے صرف یہ کہا ہے کہ یہ لوگ اترنے والی آیات کو ناپسند کرتے ہیں اور کراہت کرنا یہ دل کا فعل ہے۔ جہمیہ کے نزدیک ایمان صرف دل کی تصدیق اور اس کے عمل کا نام ہے۔ یہ جہم، صالحی کا اور اشعری کا مشہور قول ہے اور یہی اکثر اشاعرہ کا بھی قول ہے۔ مرجئہ کے فقہاء کے نزدیک ایمان یہ دل کی تصدیق کے ساتھ زبان کے قول کو کہتے ہیں۔ جبکہ ان دونوں اقوال کے مطابق ان حضرات کے نزدیک دل کے اعمال ایمان میں سے نہیں جیسا کہ اعضاء و جوارح کے اعمال بھی ایمان میں سے نہیں۔

لہٰذا ان حضرات کے نزدیک ایک آدمی دل و زبان سے ایمان کی تصدیق کرنے کے باوجود ''مَا نَزَّلَ اللّٰهُ'' سے کراہت کرسکتا ہے اور ان کے نزدیک ایسا آدمی کافر نہ ہوگا۔ حالانکہ یہ آیت اسے بھی شامل ہے۔ لہٰذا جب یہ آیت اس کے کفر پر دلالت کر رہی ہے تو یہ آیت ان لوگوں کے قول کے فساد کو بھی بتلا رہی ہے۔

[متقی کون ہے؟ مفسرین کا اختلاف]

پھر یہ لوگ کہتے ہیں کہ مرجئہ کا یہ کہنا کہ متقی سے مراد وہ ہے جو شرک سے بچتا ہو، تو ان کا یہ قول قرآن کے خلاف ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ ظِلٰلٍ وَّعُيُوۡنٍ ۝ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشۡتَهُوۡنَ ۝﴾ (المرسلات: ۴۱-۴۲)

''یقیناً متقین سایوں اور چشموں میں ہوں گے۔ اور پھلوں میں، جس قسم میں سے وہ چاہیں گے۔''

اس کے علاوہ یہ بھی ارشادات ہیں:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍo﴾ (القمر: ٥٤)

''بے شک بچ کر چلنے والے باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الٓمّٓo ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَo الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَo وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَo﴾ (البقرة: ١-٤)

''الٓمّٓ۔ یہ کتاب، اس میں کوئی شک نہیں، بچنے والوں کے لیے سراسر ہدایت ہے۔ وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے اور اس میں سے، جو ہم نے انھیں دیا ہے، خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر وہی یقین رکھتے ہیں۔''

سیدہ مریم علیہا السلام فرماتی ہیں:

﴿اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّاo﴾ (مریم: ١٨)

''بے شک میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں، اگر تو کوئی ڈر رکھنے والا ہے۔''

یہاں پر سیدہ علیہا السلام نے شرک مراد نہیں لیا۔ بلکہ تقی سے وہ شخص مراد لیا ہے جو فسق و فجور کا مرتکب نہ ہوتا ہو۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاo وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق: ٣)

''اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔ اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ (الانفال: ٢٩)

''اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمھارے لیے (حق و باطل میں) فرق کرنے کی بڑی قوت بنا دے گا اور تم سے تمھاری برائیاں دور کر دے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَo﴾ (یوسف: ٩٠)

''بے شک جو ڈرے اور صبر کرے تو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (آل عمران: ۱۸۶)

''یقیناً تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے اور یقیناً تم ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا، ضرور بہت سی ایذا سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور متقی بنو تو بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں سے ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ o اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَّاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ o﴾ (الجاثیۃ: ۱۸-۱۹)

''پھر ہم نے تجھے (دین کے) معاملے میں ایک واضح راستے پر لگا دیا، سو اسی پر چل اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چل جو نہیں جانتے۔ بلاشبہ وہ اللہ کے مقابلے میں ہرگز تیرے کسی کام نہ آئیں گے اور یقیناً ظالم لوگ، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں اور اللہ متقی لوگوں کا دوست ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا o يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ (الاحزاب: ۷۰-۷۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور بالکل سیدھی بات کہو۔ وہ تمھارے لیے تمھارے اعمال درست کر دے گا اور تمھارے لیے تمھارے گناہ بخش دے گا۔''

کہ یہ لوگ ایمان لا چکے اور شرک سے بچ چکے تھے۔ لہٰذا انھیں دیا جانے والا بعد کا امر صرف شرک کا ترک کرنا نہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔''

کیا کوئی مسلمان اس بات کا قائل ہے کہ ایک ڈاکو اور مسافروں کی جان لینے والا بھی رب تعالیٰ سے اتنا ڈرتا ہے جتنا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ کیونکہ وہ شرک کا مرتکب نہیں اور یہ بے حیائیوں کے مرتکب، شراب نوش اور ظالم لوگ بھی رب تعالیٰ سے اتنا ہی ڈرتے ہیں جتنا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے؟

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے اسلاف جیسے حسن، عکرمہ، قتادہ اور مقاتل وغیرہ کا قول ہے:

''رب تعالیٰ سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کی طاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جائے اوراس کی ناشکری نہ کی جائے، اوراس کا ذکر کیا جائے، اسے بھولا نہ جائے۔

بعض اسلاف نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے واسطے سے یہ قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ تفسیر والبی میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''حَقَّ تُقٰتِہٖ'' یہ رب تعالیٰ کی عبادت میں محنت کوشش کرنے کا حق ادا کردینا ہے اور یہ کہ رب تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ ہو اور اللہ کے لیے انصاف پر کھڑا ہوا جائے، چاہے انصاف کی یہ گواہی خود اپنے خلاف، یا والدین اور اولاد کے خلاف ہی ہو۔

اور ایک جگہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ١٦)

''سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔''

یہ گزشتہ آیت کی تفسیر ہے اور جن اسلاف نے اس آیت کو گزشتہ کی ناسخ مانا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت ''حَقَّ تُقٰتِہٖ'' کی یہ مراد لینے کو رفع کرتی ہے کہ بندہ ایسا کرنے سے عاجز ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے ایسی کسی بات ک ہرگز بھی حکم نہیں دیا کہ جس کے بجالانے سے بندہ عاجز ہو۔ لہٰذا جو اس بات کا قائل ہو، وہ خطا پر ہے۔ پھر اسلاف کی اصطلاح میں لفظ ''نسخ'' کے اطلاق کے تحت متعدد معانی داخل ہیں اور اس میں حکم کا، اس کے ظاہر کا یا اس کی ظنی دلالت کا ہر قسم کا رفع داخل ہے، حتیٰ کہ اسلاف نے عام کی تخصیص کو اور بعض نے ایسے استثناء تک کو نسخ کہا ہے جس کا نزول متاخر ہوا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (الحج: ٥٢)

''اور ہم نے تجھ سے پہلے نہ کوئی رسول بھیجا اور نہ کوئی نبی مگر جب اس نے کوئی تمنا کی شیطان نے اس کی تمنا میں (خلل) ڈالا تو اللہ اس (خلل) کو جو شیطان ڈالتا ہے، مٹا دیتا ہے، پھر اللہ اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

کہ یہ ایک ایسی شے کا رفع ہے جس کا القاء شیطان نے کیا تھا اور اسے رب تعالیٰ نے نازل نہ فرمایا تھا۔ لیکن اس کی غایت یہ ہے کہ یہ گمان ہو گیا کہ اسے رب تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ رب تعالیٰ نے اس کے بھی نسخ کی خبر دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ وَ اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ﴾ (الاعراف: ٢٠١-٢٠٢)

''یقیناً جو لوگ ڈر گئے، جب انھیں شیطان کی طرف سے کوئی (برا) خیال چھوتا ہے وہ ہشیار ہو جاتے ہیں، پھر اچانک وہ بصیرت والے ہوتے ہیں۔ اور جو ان (شیطانوں) کے بھائی ہیں وہ انھیں گمراہی میں بڑھاتے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

رہتے ہیں، پھر وہ کمی نہیں کرتے۔''

اب جس شخص کو شیطان گمراہی کی طرف کھینچتا رہتا ہے، نہ تو اسے اللہ ہی یاد آتا ہے اور نہ وہ دیکھتا ہی ہے۔ بھلا ایسا شخص متقی کیسے ہوسکتا ہے؟ سورۂ طلاق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًاo وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق : ۳)

''اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔ اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابوذر! اگر سب کے سب لوگ اس آیت پر عمل کرنے لگیں تو یہ آیت انھیں کافی ہو جائے۔'' [1]

جب کوئی شخص طلاق کے معاملہ میں رب تعالیٰ کی حد سے تجاوز کر جاتا تھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے یہ فرماتے تھے کہ ''اگر تو اللہ سے ڈرتا ہوتا تو اللہ تیرے لیے نکلنے کا راستہ اور آسانی پیدا فرماتے۔''

یہ بات معلوم ہے کہ اس آیت میں تقویٰ سے مراد صرف شرک سے بچنا ہے۔ قرآن کریم کی آخری آیات میں سے ایک یہ بھی ہے، جس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَo﴾ (البقرۃ : ۲۸۱)

''اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو پورا دیا جائے گا جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

اب کیا اس دن سے ڈرنا یہ صرف شرک کو چھوڑ دینے کا نام ہے؟ چاہے اس کے بعد وہ ہر حرام کا مرتکب ہوتا پھرتے اور ہر واجب کو ترک کرتا رہے؟ طلق بن حبیب کا قول ہے۔ جنھیں سعید بن جبیر مرجی کہا کرتے تھے کہ:

''تقویٰ یہ ہے کہ تو رب تعالیٰ کے نور کی روشنی میں اس کی طاعت کرے، اس کی رحمت کی امید رکھے اور اس کے نور کی روشنی میں اس کی معصیت کو ترک کر دے اور اس کے عقاب و عتاب سے ڈرے۔''

غرض متقین وہ ہوتے ہیں جو نیکوکار، فرائض بجالانے والے اور محارم سے بچنے والے ہوتے ہیں۔ یہ وہ عالم علم ہے جسے ہر مسلمان نسل در نسل جانتا چلا آیا ہے اور قرآن و حدیث بھی اس بات کو مقتضی ہیں۔

مرجئہ کہتے ہیں: ''تمھارا اس آیت سے استدلال بھی درست نہیں ہے۔'' ارشاد ہے:

﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَo﴾ (السجدۃ : ۱۸)

[1] سنن ابن ماجہ: ۲/ ۱۴۱۲۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''تو کیا وہ شخص جو مومن ہو وہ اس کی طرح ہے جو نافرمان ہو؟ برابر نہیں ہوتے۔''

کیونکہ پوری آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں فاسق سے مراد مکذِّب ہے، کیونکہ آگے ارشاد ہے:

﴿وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰیهُمُ النَّارُ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِیْدُوْا فِیْهَا وَ قِیْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ۝﴾ (السجدۃ: ۲۰)

''اور رہے وہ جو نافرمان ہوئے؛ تو ان کا ٹھکانا آگ ہے، جب کبھی چاہیں گے کہ اس سے نکلیں اس میں لوٹا دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا آگ کا وہ عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔''

رب تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انھیں تکذیب کی پاداش میں عذابِ آخرت ہوگا اور یہ مکذِّب کا وصف ہے نا کہ عاصی کا۔ یہ لوگ جمہور کے ساتھ خوارج کو یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر مرتکب کبیرہ کافر ہوتا تو مرتد کہلاتا ہے اور اس کا قتل بھی واجب ہوتا۔ جبکہ رب تعالیٰ نے زانی کو کوڑے مارنے کا، چور کے ہاتھ کاٹنے کا اور تہمت طراز کو کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے اور سنت رسول شرابی کو کوڑے لگانے کی ہے۔ یہ صریح نصوص بتاتی ہیں کہ زانی، چور، شراب نوش اور تہمت طراز کافر اور واجب القتل مرتد نہیں ہیں۔ پس وہ انھیں کافر قرار دے گا وہ نص قرآنی اور سنت متواتر کا مخالف ہوگا۔

پھر ان کا خوارج اور معتزلہ کو یہ بھی کہنا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰۤی اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝﴾ (الحجرات: ۹-۱۰)

''اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پھر اگر وہ پلٹ آئے تو دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ مومن تو بھائی ہی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

کہ رب تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کو باہمی قتال اور ظلم و زیادتی کے باوجود ''مومنین'' کا نام دیا ہے اور ان میں صلح کرا دینے کا حکم بھی دیا ہے اور انھیں قتال نہ کرنے والے اس مسلمان کا بھائی قرار دیا ہے جو ان میں صلح جوئی کر رہا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ ظلم و زیادتی نہ تو ایمان سے خارج کر دیتی ہے اور نہ ایمانی بھائی چارے سے ہی نکال دیتی ہے۔ مرجئہ کہتے ہیں: ارشاد نبوی ﷺ: ''وہ ہم میں سے نہیں'' سے مراد یہ ہے کہ وہ ہم جیسا نہیں یا یہ کہ وہ ہمارے برگزیدہ اور نیکوکار لوگوں میں سے نہیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

پھر مرجئہ پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اچھا اگر ایک آدمی ملاوٹ نہیں کرتا اور مومنوں پر اسلحہ نہیں اٹھاتا آیا وہ نبی کریم ﷺ کے جیسا ہوگا؟ یا صرف اتنی بات کرنے سے وہ مومنین کے پسندیدہ لوگوں میں سے ہو جائے گا؟

مرجئہ یہ جواب دیتے ہیں کہ وعید کی نصوص عام ہیں۔ اب کوئی تو ہم میں سے عموم کے صیغوں کا منکر ہے تو کوئی انھیں ثابت کرتا ہے۔ جو ان صیغوں کو ثابت کرتا ہے، اس کا قول یہ ہے کہ ''وہ اس بات کو نہیں جانتا کہ یہ صیغے عام کے ہر فرد کو شامل ہیں۔ پس جسے تو عذاب نہ ہوگا، یہ صیغے اسے شامل نہ ہوں گے۔''

پھر جو ان میں سے ''واقفہ'' (یعنی توقف کے قائل) ہیں، ان سے کہا جاتا ہے کہ آپ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ وعید اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی شامل نہ ہو، تب پھر وعید کی نصوص کا معطل ہونا لازم آئے گا۔ کہ نہ تو ان میں سے خاص نص باقی رہے گی اور نہ عام ہی باقی رہے گی۔

غرض اس مقام پر ہمارا مقصود اس مسئلہ کا استیعاب و استیفاء نہیں۔ غرض صرف طرفین کے مناظروں کی ایک مثال پیش کرنا ہے جبکہ اہل سنت والجماعت اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متبعین ائمہ اسلام ان دونوں فرقوں کے بین بین ہیں۔ نہ تو وہ کسی اہل توحید کے مخلد فی النار ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ خوارج اور معتزلہ کا قول ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ میں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اسے بھی جہنم سے نکال لیا جائے گا اور کوئی نبی کریم ﷺ کی شفاعت کی برکت سے جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ کیونکہ آپ ﷺ اپنی امت کے مرتکبین کبائر کی شفاعت فرمائیں گے۔ ❶

[مرتکب کبیرہ کے متعلق بحث:]

اس باب میں اہل علم کے ہاں متواتر و مستفیض اور کثیر احادیث ہیں۔ یہ حضرات یہ نہیں کہتے کہ ہم احکامِ مطلقہ میں توقف کے قائل ہیں، بلکہ ہم جانتے ہیں کہ رب تعالیٰ بعض مرتکبین کبیرہ کو جہنم میں داخل فرمائیں گے۔ جبکہ بعض دوسرے متعدد اسباب کی بنا پر جہنم میں داخل نہیں ہوں گے۔ البتہ ان میں اختلاف ہے تو اس امر میں ہے کہ:

❀ آیا جو لوگ جہنم میں داخل ہوں گے وہ دخولِ جہنم کو مقتضی کسی سبب کی بنا پر داخل ہوں گے جیسے گناہوں کی عظمت و کثرت اور داخل نہ ہونے والے کسی ایسے سبب کی وجہ سے داخل نہ ہوں گے جو دخولِ نار میں مانع ہو، جیسے نیکیاں جو دخولِ نار کے معارض ہوں؟

---

❶ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''میری شفاعت میری امت کے مرتکبین کبائر کے لیے ہے۔'' (سنن ابی داود: ٤/ ٣٢٥، جامع الترمذی: ٤/ ٥٤) امام ترمذی فرماتے ہیں: اس باب میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے۔ یہ حدیث اس طریق سے حسن، صحیح اور غریب ہے۔ (مسند احمد: ٣/ ٢١٣) طبعة الحلبی اور اسی معنی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سنن ترمذی میں اور سنن ابن ماجہ (۲/۱۴۴۱) میں ہے۔ (دیکھیں: شرح العقیدة الطحاویة، ص: ١٩٨-٢٠٠ بتحقیق شعیب الارناؤط)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❀ یا یہ امر محض رب تعالیٰ کی حکمت ومشیت کے سپرد ہے کہ وہ اپنی حکمت واسباب کے تحت جو چاہتا ہے کرتا ہے؟

❀ یا یہ بات ہے کہ رب تعالیٰ دو ایک جیسوں میں محض اپنی مشیت سے فرق کرتا ہے، چنانچہ ایک تو معاف فرما دیتا ہے اور دوسرے کو نذر آتش کر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ ہر اعتبار سے پہلے کے مشابہ ومتماثل ہوتا ہے۔

غرض اس بارے ان حضرات کے دو اقوال ہیں جبکہ نصوص اور اسلاف کے اقوال پہلے قول کے موافق ہیں۔ ہم شخص معین کے بہشتی یا دوزخی ہونے میں توقف ضرور کرتے ہیں لہٰذا ہم کسی قطعی اور جزمی علم کے ساتھ اس کے جنتی یا جہنمی ہونے کی شہادت نہیں دیتے۔ کیونکہ ہم اس کے باطن کی حقیقت کا اور جس ایمان وعقیدہ پر وہ مرا ہے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ البتہ ہم نیکوکار کے جنتی ہونے کی امید کرتے ہیں اور برائیوں کے مرتکب پر ڈرتے ہیں۔ پھر ان کے شہادت بالجنۃ کی بابت تین اقوال ہیں:

۱۔ کوئی پیغمبروں کے سوا کسی کے حق میں بھی جنت کی شہادت کا قائل نہیں۔ یہ محمد بن حنفیہ اور اوزاعی کا قول ہے۔

۲۔ کوئی ہر اس مومن کے حق میں جنت کی شہادت دیتا ہے جس کے بارے میں نص آ گئی ہے۔ یہ اکثر اہل حدیث کا قول ہے۔

۳۔ جبکہ تیسرے لوگ وہ ہیں جو ان مذکورہ بالا دونوں طبقوں کے لیے بھی جنت کی شہادت دیتے ہیں وران کے حق میں بھی جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں جن کی ایمان والے شہادت دیتے ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔''

ارشاد نبوی ہے: ''عنقریب تم جنتیوں کو جہنمیوں سے پہچان لو گے۔'' لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کس بات کے ذریعے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اچھی اور بری تعریف کے ذریعے۔''[1]

نبی کریم ﷺ نے اس بات کی خبر دی کہ کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کو اس ذریعہ سے جانا جا سکتا ہے۔ ابوثور کہا کرتے تھے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ امام احمد جنت میں ہیں'' اور دلیل میں یہ حدیث پیش کیا کرتے تھے۔ غرض یہ موقع اس مسئلہ کی تفصیل کا نہیں ہے۔

ان کے نزدیک ایمان میں تفاضل پایا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک کا ایمان دوسرے کے ایمان سے زیادہ کامل ہو سکتا ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''سب سے کامل مؤمن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔''[2]

---

[1] اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

[2] یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ (دیکھیں: سنن ابی داود: ۴/ ۳۰۴، جامع الترمذی: ۲/ ۳۱۵، ۴/ ۱۲۲) امام ترمذی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: اس باب میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث بھی ہے اور حدیث ابی ہریرہ حسن اور صحیح ہے۔ یہ حدیث سنن الدارمی (۲/ ۳۲۳)، مسند احمد (۱۳/ ۱۳۳) طبعة المعارف میں بھی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان حضرات کا کہنا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (المائدة: ۲۷)

''اس نے کہا بے شک اللہ متقی لوگوں ہی سے قبول کرتا ہے۔''

کہ اس آیت میں متقی سے مراد وہ ہے جو اپنے اس عمل میں بھی ڈرتا رہتا ہو اور مراد گناہوں سے خالی ہونا نہیں ہے اور نہ صرف شرک سے خالی ہونا ہی مراد ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جو اپنے عمل میں ڈرتا رہے، اس کا عمل مقبول ہوتا ہے۔ چاہے اس کے دوسرے گناہ بھی ہوں۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (هود: ۱۱٤)

''اور دن کے دونوں کناروں میں نماز قائم کر اور رات کی کچھ گھڑیوں میں بھی، بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔''

گناہ گار سے اس کی نیکی قبول نہ کی جاتی ہوتی تو اس کی نیکی گناہ کو مٹاتی بھی نہ ہوتی۔ جبکہ کتاب اور سنت متواترہ میں یہ بات ثابت ہے کہ نیکیوں اور برائیوں کو باہم تولا جائے گا۔ پس اگر کبیرہ گناہ سرے سے نیکیوں کو مٹا ہی دیتے ہوتے تو نیکیاں ان کے ساتھ تلتی کیونکر؟ جبکہ صحیحین میں ثابت ہے کہ ''ایک رنڈی نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تو رب تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔''❶ اور یہ اس کتے کو پانی پلانے کی نیکی کی بدولت تھا۔

ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا دو میں سے ایک بیٹا مشرک نہ تھا لیکن عمدہ مال پیش کر کے اس نے رب تعالیٰ کے تقرب کا ارادہ نہ کیا تھا جیسا کہ ایک اثر میں وارد ہے، اس لیے رب تعالیٰ نے اس سے اس کی قربانی قبول نہ فرمائی۔

منافقوں کے حق میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ (التوبة: ٥٤)

''اور انھیں کوئی چیز اس سے مانع نہیں ہوئی کہ ان کی خرچ کی ہوئی چیزیں قبول کی جائیں مگر یہ بات کہ بے شک انھوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نماز کو نہیں آتے مگر اس طرح کہ سست ہوتے ہیں اور خرچ نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ ناخوش ہوتے ہیں۔''

رب تعالیٰ نے ان باتوں کو قبولِ نفقہ میں موانع قرار دیا ہے نا کہ مطلق ذنوب کو۔

اہل سنت وحدیث کا قول ہے: جس نے اس سے ایمان کی نفی کی ہے تو وہ بعض واجبات کے ترک کی بنا پر کی ہے اور

❶ صحیح البخاری: ٤/ ۱۷۳۔ حدیث کی عبارت یہ ہے: ''ایک دفعہ ایک کتا ایک کنویں کے گرد چکر لگا رہا تھا، پیاس اس کی جان نکالنے کو تھی کہ اچانک اسے بنی اسرائیل کی ایک رنڈی نے دیکھ لیا۔ پس اس نے اپنا جوتا اتار کر اس کے ذریعے اس کتے کو پانی پلایا تو رب تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔'' (صحیح مسلم: ٤/ ۱۷٦۱)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

عبادت سے اس کے بعض واجبات کی نفی سے اس کے نام کی نفی کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اب عبادت کامل بن کر باقی نہیں رہی۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب سرے سے عبادت ہی باقی نہیں رہی۔ بلکہ نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بعض ایمان باقی ہے اور اسی باقی ایمان کی بدولت وہ جہنم سے نکلے گا۔

پھر بعض عبادات میں واجب ہوتے ہیں جیسے، حج میں ایک واجب ایسا بھی ہے کہ جس کے ترک سے حج ناقص رہ جاتا ہے اور تارکِ واجب گناہ گار بھی ہوتا ہے۔ اس سے حج کا اعادہ تو لازم نہیں آتا البتہ دم دے دینے سے اس واجب کی تلافی ہو جاتی ہے۔ جیسے جمرات کی رمی کہ اگر اس کی تلافی نہ کی جائے تو یہ واجب ذمہ میں باقی رہ جاتا ہے۔ یہی حال ایمان کا ہے کہ گناہوں سے ناقص ہو جاتا ہے البتہ توبہ سے پھر مکمل ہو جاتا ہے۔ ہاں توبہ نہ کرنے سے ناقص ہی رہتا ہے اور بندہ گناہ گار بھی ہوتا ہے۔

پھر حج میں بعض افعال حرام بھی ہیں کہ جن کے ارتکاب سے حج ناقص ہو جاتا ہے البتہ باطل نہیں ہوتا۔ جیسے خوشبو لگانا، سلا لباس پہننا، کہ اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ البتہ صرف جماع ایک ایسا حرام فعل ہے جو حج کو فاسد کر دیتا ہے۔ اسی طرح صرف کفر محض ہی ہے جو پورے ایمان کو ختم کر دیتا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کچھ بھی ایمان باقی نہیں رہتا۔ ایسا کفر سب اعمال برباد اور اکارت کر دیتا ہے اور جو کفر اس سے کم درجے کا ہو، وہ بعض اعمال کو اکارت کرتا ہے جیسا کہ ''آیت من و اذی ''میں مذکور ہے کہ من واذی اس صدقہ کو باطل کر دیتے ہیں، نا کہ سب کے سب اعمال کو اور جو ''مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ'' کو ناپسند کرتے ہیں، وہ کافر ہیں اور دل کے اعمال جیسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اللہ کا خوف وغیرہ کہ یہ سب ایمان میں سے ہے۔ اور ''مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ'' سے کراہت کفر ہے اور ایمان کا سب سے مضبوط کڑا اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے بغض رکھنا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ﴾ (المجادلۃ: ۲۲)

''تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔''

اور سابق، مقتصد اور ظالم لنفسہ کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَہَا﴾ (الرعد: ۲۳)

''ہمیشگی کے باغات، جن میں وہ داخل ہوں گے۔''

یہ ارشاد اس بات سے مانع نہیں کہ ظالم لنفسہ کو پہلے عذاب ہو اور بعد میں اسے جنت میں داخل کر لیا جائے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا یَصْلٰہَآ اِلَّا الْاَشْقَی﴾ (اللیل: ۱۵)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

’’جس میں اس بڑے بدبخت کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا۔‘‘

اس بات سے خالی نہیں کہ صَلِیّ (یعنی دخول) سے مراد ایک طرح کا عذاب ہو۔ جیسا کہ ایک قول میں آتا ہے کہ جو جہنم میں داخل ہوگا آگ اسے چاروں طرف سے گھیر لے گی، البتہ جہنم کی آگ اہل قبلہ کے مواضع سجود کو نہ جلائے گی۔ یا یہ کہ وہ کوئی خاص قسم کی آگ ہو۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یُخَوِّفُ اللّٰہُ بِہٖ عِبَادَہٗ﴾ (الزمر: ١٦)

’’یہ ہے وہ جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔‘‘

یہ اس ارشاد نبوی کی طرح ہے جو چاند اور سورج کے بارے میں ہے کہ ’’بے شک یہ دونوں رب تعالیٰ کی نشانیاں ہیں رب تعالیٰ ان کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔‘‘ [1]

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا﴾ (الاسراء: ٥٩)

’’اور ہم نشانیاں دے کر نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کے لیے۔‘‘

اور وہ نشانیاں جن کے ذریعے رب تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں یہ اس شر کا سبب ہوتی ہیں جو لوگوں میں نازل ہوتا ہے۔ پس جو مامورات کو بجالا کر تقویٰ اختیار کرتا ہے، وہ اس شر سے بچ جاتا ہے اور اگر یہ ایسا شر ہو جس کی سرے سے کوئی حقیقت ہی نہ ہو تو کوئی بھی یہ جاننے پر اس سے نہ ڈرے کہ اس کے باطن میں تو کوئی شر نہیں اور ایسے خیالی شر سے صرف کوئی نادان، کم فہم جاہل ہی ڈرے جیسے کہ بچے جو صرف خیالی باتوں سے بھی ڈر جاتے ہیں۔ اب رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یُخَوِّفُ اللّٰہُ بِہٖ عِبَادَہٗ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ﴾ (الزمر: ١٦)

’’جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، اے میرے بندو! پس تم مجھ سے ڈرو۔‘‘

رب تعالیٰ نے بندوں کو مطلق ڈرایا ہے اور انھیں اپنے سے ڈرنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ وہ ڈرانے والی چیز کو نازل نہ فرمائے اور رسولوں کو ڈر سنانے اور خوش خبری دینے کے لیے بھیجا اور انذار یہ اس چیز کی خبر دینا ہے جس سے ڈرایا جارہا ہے۔ ایسی ڈرانے والی باتیں دنیا میں پائی گئی ہیں اور رب تعالیٰ نے گناہوں پر بے شمار امتوں کو سزا دی ہے۔ جن کے قصے کتاب اللہ میں مذکور ہیں اور جیسا کہ آیات سے اس کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے اور رب تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعدد مواقع پر جہنمیوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔ یہ سب باتیں اپنے موقع پر تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔

یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے اختلاف کرنے والوں کے سب اقوال باطل ہیں۔ جیسے، جب معتزلہ میں سے قدریہ

[1] صحیح البخاری: ٢/ ٣٦۔ صحیح مسلم: ٢/ ٦٢٨۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

اور جہمیہ میں سے جبریہ وغیرہ تقدیر میں نزاع کرتے ہیں تو سب کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا ارادہ یہ اس کی محبت ہے جو اس کی رضا ہے۔ پھر معتزلہ کا قول یہ ہے کہ رب تعالیٰ ایمان اور عمل صالح سے محبت کرتے ہیں اور کفر اور فسق وعصیان کو ناپسند کرتے ہیں لہٰذا رب تعالیٰ نے اس کا ارادہ نہیں کیا۔

اس کی دلیل میں وہ رب تعالیٰ کے یہ ارشادات پیش کرتے ہیں:

﴿وَلَا يَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ (الزمر: ۷)

''اور وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری پسند نہیں کرتا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ﴾ (النساء: ۱۰۸)

''جب وہ رات کو اس بات کا مشورہ کرتے ہیں جسے وہ پسند نہیں کرتا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ (البقرة: ۲۰۵)

''اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

حضرات فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نیک اعمال کی دو قسمیں ہیں: (۱) واجب (۲) اور مستحب

مستحب وہ عمل ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہو۔ اور منہی عنہ جملہ اعمال مکروہ ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول انھیں ناپسند کرتے ہیں۔ پھر کراہت کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) کراہت تحریمی (۲) کراہیت تنزیہی۔

محرمات کا ذکر کرتے ہوئے رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا﴾ (الاسراء: ۳۸)

''یہ سب کام، ان کا برا تیرے رب کے ہاں ہمیشہ سے ناپسندیدہ ہے۔''

صحیحین میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''رب تعالیٰ تمھارے لیے قیل وقال، کثرتِ سوال اور اضاعتِ مال کو ناپسند فرماتے ہیں۔''

اور صحیح بخاری میں ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے:

''رب تعالیٰ چھینک کو محبوب رکھتے ہیں اور جمائی کو ناپسند فرماتے ہیں۔''[1]

ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عالم میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو رب تعالیٰ کو ناپسند ہیں لہٰذا وہ رب تعالیٰ کی مراد نہ ہوں گی اور عالم میں جو باتیں رب تعالیٰ کی مراد نہیں ہیں، یہ وہ باتیں ہیں جن کی بابت

[1] صحیح البخاری: ۸/ ۴۹، جامع الترمذی: ۴/ ۱۸۰-۱۸۱، مسند احمد: ۱۴/ ۳۱-۳۳ طبعة المعارف، دیکھیں: محقق کی تعلیق: مسند احمد: ۱۸/ ۱۵۱۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امر و نہی میں سے کچھ بھی وارد نہیں۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ امر کا امر ہونا تب ہی عقل میں آتا ہے جب رب تعالیٰ نے اس کا ارادہ کیا ہو اور جس نے اس بات کو فرض کیا کہ آمر نے مامور بہ کو طلب تو کیا لیکن ارادہ نہ تھا اور نہ وہ طلب ارادہ کو مستلزم ہی تھی، تو اس نے ایک ایسی بات کا دعویٰ کیا جس کا فاسد ہونا بالضرور معلوم ہے اور ممتحن کے امر کی مثال دے کر جو استدلال کیا جاتا ہے تو ممتحن دراصل نہ تو مامور بہ کا طالب ہوتا ہے اور نہ باطن میں اس کا ارادہ کرنے والا ہی ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ ''مرید طالب'' ہے۔

ان لوگوں کا یہ کہنا بھی ہے کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ: ۱۸۵)

''اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (المائدۃ: ٦)

''اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے اور لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور تاکہ وہ اپنی نعمت تم پر پوری کرے، تاکہ تم شکر کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَ یَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ یَتُوْبَ عَلَیْكُمْ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ o وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ وَ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا o یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا o﴾ (النساء: ۲٦-۲۸)

''اللہ چاہتا ہے کہ تمھارے لیے کھول کر بیان کرے اور تمھیں ان لوگوں کے طریقوں کی ہدایت دے جو تم سے پہلے تھے اور تم پر مہربانی فرمائے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی فرمائے اور جو لوگ خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (سیدھے راستے سے) ہٹ جاؤ، بہت بڑا ہٹ جانا۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے (بوجھ) ہلکا کرے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳)

''اللہ تو چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کردے اے گھر والو! اور تمھیں پاک کر دے، خوب پاک کرنا۔''

کہ یہ سب وہ مرادات ہیں جن کا رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو امر کیا ہے۔ اب کوئی ان کو بجا لاتا ہے اور کوئی ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے سرتابی کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کبھی بندوں سے اس بات کا ارادہ بھی کرتے ہیں جو وہ بجا نہیں لاتے، جیسا کہ وہ انھیں اس بات کا بھی حکم دیتا ہے جس کو بجا نہیں لاتے۔

اب جہمیہ میں سے قدریہ جبریہ اوران کے پیروکاروں کا قول ہے: بلکہ رب تعالیٰ کا ارادہ موجود کو تو شامل ہے البتہ غیر موجود کو شامل نہیں۔ کیونکہ مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ ''رب تعالیٰ نے جو چاہا وہ ہوا اور نہ چاہا وہ نہ ہوا۔'' دوسرے ایسی بات کا ارادہ جس کے نہ ہونے کا علم ہو تمنا کہلاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ یُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ وَ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ﴾ (ابراھیم: ۲۷)

''اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔''

پس رب تعالیٰ جو چاہتے ہیں سو اس کو کیا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا﴾ (السجدۃ: ۱۳)

''اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے۔''

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے اس بات کو نہیں چاہا اور اس نے ہر ایک کی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا۔ اگرچہ اس نے اس بات کا امر بھی کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ﴾ (الانعام: ۱۲۵)

''تو وہ شخص جسے اللہ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت دے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ، نہایت گھٹا ہوا کر دیتا ہے، گویا وہ مشکل سے آسمان میں چڑھ رہا ہے۔''

معلوم وہا کہ رب تعالیٰ جیسے اسلام کے لیے شرح صدر کا ارادہ کرتا ہے اسی طرح گمراہ کرنے کا بھی ارادہ کرتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَ لَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ﴾ (ھود: ۳۴)

''اور میری نصیحت تمھیں نفع نہ دے گی اگر میں چاہوں کہ تمھیں نصیحت کروں، اگر اللہ یہ ارادہ رکھتا ہو کہ تمھیں گمراہ کرے۔''

یہ دلیل ہے کہ رب تعالیٰ نے گمراہ ہونے والے کے گمراہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ (الرعد: ۱۶)

''کہہ دے اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔''

پس بندوں کے موجودہ افعال وغیرہ میں سے جو بھی ہے اس کا خالق اللہ ہی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ان کا کہنا ہے کہ رب تعالیٰ نے جس چیز کا ارادہ کیا ہے، وہ اسے محبوب ہے اور وہ اس سے راضی ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ (البقرۃ: ۲۰۵) ''اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔'' سے مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کو فسادی محبوب نہیں نا کہ غیر مفسد۔ یا یہ مراد ہے کہ رب تعالیٰ کو وہ دین کے اعتبار سے محبوب نہیں۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَا يَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ (الزمر: ۷) ''اور وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری پسند نہیں کرتا۔'' سے مراد یہ ہے کہ غیر کافر پر نہیں بلکہ کافر پر غیر راضی ہے۔ یا یہ کہ اس کا غیر اسلام دین محبوب نہیں۔ دوسری ان سے نزاع کرنے والے معتزلہ وغیرہ کا قول ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ﴾ (النساء: ۱۰۸)

''جب وہ رات کو اس بات کا مشورہ کرتے ہیں جسے وہ پسند نہیں کرتا۔''

منافقوں کے بارے میں ہے اور یہ قول ان منافقوں پر حرام تھا۔ جو ان سے صادر ہوا۔ جس کی رب تعالیٰ نے خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ اس قول سے راضی نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ صادر ہونے والے معاصی پر راضی نہیں۔ اس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ (الزمر: ۷)

''اگر تم ناشکری کرو تو یقیناً اللہ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری پسند نہیں کرتا۔''

رب تعالیٰ نے اس ارشاد میں اس بات کی خبر دی ہے کہ رب تعالیٰ کفر کے وقوع کی تقدیر پر راضی نہیں اور یہ نہ کہا جائے کہ وہ ہر موجود پر ہی راضی ہوتا ہے۔

اور تمھارا یہ قول کہ ''وہ ان کے دین پر راضی نہیں۔'' تو کتاب اللہ میں رضا نفس فعل کے ساتھ معلق ہے۔ نا کہ کسی محذوف شے کے ساتھ اور تمھارے نزدیک اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ''وہ اس دین والے کو اس دین پر اجر دینے کا ارادہ نہیں رکھتا اور یہ بات معلوم ہے کہ ابلیس اور شیاطین اس اعتبار سے رب کے دین پر راضی نہیں۔ حالانکہ ابلیس کفر پر راضی اور اسے اختیار کیے ہوئے ہے اور وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایسی باتیں پسند کرتا ہے جو رب تعالیٰ کو مبغوض ہیں اور ایسی باتوں کو ناپسند کرتا ہے جو رب تعالیٰ کو محبوب ہیں۔

ابلیس کے بارے میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا﴾

(الکہف: ۵۰)

''تو کیا تم اسے اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں، وہ (شیطان) ظالموں کے لیے بطور بدل برا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يَابَنِيْ آدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌo وَاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌo﴾ (یٰسٓ: ۶۰-۶۱)

''کیا میں نے تمھیں تاکید نہ کی تھی اے اولادِ آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، یقیناً وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔''

ان کا کہنا ہے کہ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رب تعالیٰ کو ایمان اور عمل صالح محبوب ہے اور وہ متقین، محسنین، توابین، متطہرین اور مقسطین سے محبت کرتا ہے اور معاصی سے نہ محبت کرتا ہے اور نہ ان سے راضی ہی ہے۔ پس ہمارا امت کے اجماع سے استدلال کرنا یہ تمھارے اس قول سے استدلال کرنے سے زیادہ قوی ہے کہ ''جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا۔'' کیونکہ پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ نماز، صدقہ اور اعمالِ صالحہ پر راضی ہے اور یہ انھیں محبوب ہیں۔ جبکہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ فواحش اور ظلم سے نہ تو راضی ہیں اور نہ یہ انھیں پسند ہیں۔

پس تم لوگوں نے اپنے اس قول میں ''کفر وعصیان اور فسق و فجور میں سے جو بھی واقع ہوا، وہ اللہ اور اس کے رسول کو محبوب اور پسند ہے۔'' کتاب وسنت اور اجماع امت کی مخالفت کی ہے۔ تمھارا قول ہے کہ رب تعالیٰ نے ایمان والوں کو ایمان کی نعمت کے ساتھ خاص نہیں کیا بلکہ اس کی یہ نعمت کفار اور مومنین سب کے حق میں یکساں ہے۔ بلاشبہ یہ عقل و شرع دونوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَo﴾ (الحجرات: ۷)

''اور لیکن اللہ نے تمھارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اسے تمھارے دلوں میں مزین کر دیا اور اس نے کفر اور گناہ اور نافرمانی کو تمھارے لیے ناپسندیدہ بنا دیا، یہی لوگ ہدایت والے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَo﴾ (الحجرات: ۱۷)

''وہ تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے، کہہ دے مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کے لیے ہدایت دی، اگر تم سچے ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا﴾ (النور: ۲۱)

''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک نہ ہوتا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا﴾(الانعام ۵۳)

''اوراسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کی بعض کے ساتھ آزمائش کی ہے، تاکہ وہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہمارے درمیان میں سے احسان فرمایا ہے؟''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ﴾ (الانفال: ۲۴)

''اور جان لو کہ بے شک اللہ آدمی اوراس کے دل کے درمیان رکاوٹ بن جاتا ہے۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ (البقرة: ۱۲۸)

''اے ہمارے رب! اور ہمیں اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت اپنے لیے فرماں بردار بنا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ (ابراهيم: ۳۵-۳۶)

''اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بچا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔اے میرے رب! بے شک انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

(التکویر: ۲۸-۲۹)

''اس کے لیے جو تم میں سے چاہے کہ سیدھا چلے۔اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے، جو سب جہانوں کا رب ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝﴾ (المزمل: ۱۹)

''تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ بنا لے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝﴾ (الدهر: ۳۰)

''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے، یقیناً اللہ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

رب تعالیٰ نے ہمیں نماز میں یہ دعا مانگنے کا حکم دیا ہے:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ o صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ o﴾ (الفاتحة: ٦-٧)

''ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں۔''

ان انعام یافتہ لوگوں کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا o﴾ (النساء: ٦٩)

''تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین میں سے اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔''

مطلق انعام میں تو صرف مومنین داخل ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مومنوں کی طاعت گزاری ہی وہ شے ہے جس کا رب تعالیٰ نے ان پر انعام کیا ہے۔ ایمان والوں اور کفر والوں پر انعام برابر ہوتا تو دونوں کے دونوں صراطِ مستقیم پر ہوتے۔

اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ یہ صفت ہے نا کہ استثنا، کیونکہ یہاں ''غیر'' مجرور ہے۔ جیسا کہ عربوں کا قول ہے: اِنِّیْ لَاَمُرُّ بِالصَّادِقِ غَیْرَ الْکَاذِبِ''

(میں ایک سچے کے پاس سے گزرتا ہوں جو جھوٹا نہیں ہے)۔

پس مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ضالین یہ منعم علیہم (انعام یافتہ لوگوں) میں شامل و داخل نہیں ہیں کہ استثنا میں مغایرت ہوتی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا o﴾ (الكهف: ١٧)

''جسے اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے گمراہ کر دے، پھر تو اس کے لیے ہرگز کوئی رہنمائی کرنے والا دوست نہ پائے گا۔''

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ہدایت یافتہ وہی ہے جسے اللہ ہدایت دے اور اگر رب تعالیٰ کافر کو بھی ایک مومن کی طرح ہدایت سے نواز دیتا تو وہ کافر بھی ہدایت یافتہ ہوتا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ o رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ o﴾ (ابراهيم: ٤٠-٤١)

''اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی، اے ہمارے رب! اور میری دعا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

قبول کر۔ اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور ایمان والوں کو، جس دن حساب قائم ہوگا۔''

پس معلوم ہوگیا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نماز قائم کرنے والا بنانے والی ذات اللہ رب العزت کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ جَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً یَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا﴾ (السجدة: ٢٤)

''اور ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے، جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے، جب انھوں نے صبر کیا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ جَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً یَّدۡعُوۡنَ اِلَی النَّارِ﴾ (القصص: ٤١)

''اور ہم نے انھیں ایسے پیشوا بنایا جو آگ کی طرف بلاتے تھے۔''

سو یہ اللہ ہی ہے جس نے انھیں ائمہ ہدایت تو انھیں ائمہ ضلالت بنایا۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ﴾ (آل عمران: ١٥٩)

''پس اللہ کی طرف سے بڑی رحمت ہی کی وجہ سے تو ان کے لیے نرم ہوگیا ہے۔''

معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی یہ رب تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے تھی۔

اہل جنت کہیں گے:

﴿الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهۡتَدِیَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ﴾ (الاعراف: ٤٣)

''سب تعریف اللہ کی ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت دی اور ہم کبھی نہ تھے کہ ہدایت پاتے، اگر یہ نہ ہوتا کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی، بلاشبہ یقیناً ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے۔''

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِهِمۡ وَ اِخۡوَانِهِمۡ وَ اجۡتَبَیۡنٰهُمۡ وَ هَدَیۡنٰهُمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَی اللّٰهِ یَهۡدِیۡ بِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وَ لَوۡ اَشۡرَكُوۡا لَحَبِطَ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحُكۡمَ وَ النُّبُوَّةَ فَاِنۡ یَّكۡفُرۡ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدۡ وَكَّلۡنَا بِهَا قَوۡمًا لَّیۡسُوۡا بِهَا بِكٰفِرِیۡنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقۡتَدِهۡ﴾ (الانعام: ٨٧-٩٠)

''اور ان کے باپ دادا اور ان کی اولادوں اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو بھی اور ہم نے انھیں چنا اور انھیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے، وہ اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ہے چلاتا ہے اور اگر یہ لوگ شریک بناتے تو یقیناً ان سے ضائع ہو جاتا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی، پھر اگر یہ لوگ ان باتوں کا انکار کریں تو ہم نے ان کے لیے ایسے لوگ مقرر کیے ہیں جو کسی صورت ان کا انکار کرنے والے نہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی، سو تو ان کی ہدایت کی پیروی کر۔''

ان آیات میں رب تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ اس ہدایت کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے خاص کرتا ہے اور بتلایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں رب تعالیٰ نے ہدایت سے سرفراز فرمایا۔ پس معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ اس ہدایت سے ہدایت پانے والے کو ہی خاص کرتا ہے نا کہ اسے جسے یہ ہدایت نہیں ملی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہدایت یافتہ لوگ اس بات کے ساتھ خاص ہیں کہ رب تعالیٰ نے انھیں ہدایت دی ہے نا کہ وہ لوگ خاص ہیں جو ہدایت پر چلنے والے نہیں اور ہدایت جب بیان اور دعوت کے معنی میں ہو تو اس میں مومن اور کافر دونوں برابر ہوتے ہیں، جیسے رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدَى﴾ (فصلت: ۱۷)

اور ثمود کو ہم نے سیدھا راستہ دکھایا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھا رہنے کو پسند کیا۔''

اور جب یہ اس معنی میں ہو کہ اسے ہدایت یافتہ بنا دیا تو یہ صرف مومن کے ساتھ خاص ہوتی ہے اور یہی معنی اس ارشاد باری میں مطلوب ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (الفاتحة: ٦) ''ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (البقرة: ٢) ''بچنے والوں کے لیے سراسر ہدایت ہے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی تو ہدایت کہ جب وہ ذلالت وارشاد کے معنی میں ہو تو بالقوۃ ہوتی ہے تب یہ مومن و کافر میں مشترک ہوتی ہے اور کبھی یہ بالفعل ہوتی ہے، تب یہ صرف مومن کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔ جیسا کہ تم کہتے ہو: ''میں نے اسے سکھایا تو وہ سیکھ گیا اور میں نے اسے سکھایا تو وہ نہ سیکھا۔'' اسی طرح تمھارا یہ کہنا ہے: ''میں نے اسے ہدایت دی تو اس نے ہدایت لے لی اور میں نے اسے ہدایت دی تو اس نے ہدایت نہیں لی۔'' پس پہلی قسم کی ہدایت مومنوں کے ساتھ خاص ہے اور دوسری قسم کی ہدایت مشترک ہے۔

[ہدایت و گمراہی اور رب کی مشیئت]:

اور رب تعالیٰ کی تعلیم و ہدایت یہ بندوں کے ایک دوسرے کو تعلیم دینے کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ معلم کہتا ہے اور متعلّم ایسے اسباب کے ساتھ سیکھتا ہے جن پر معلم قادر نہیں ہوتا اور یہ رب تعالیٰ ہی ہے جو علم کو متعلمین کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ اسی لیے تو رب تعالیٰ یہ بات دعا کر کے مانگی جاتی ہے:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾

جب کہ یہ بات کسی بندہ بشر کے حق میں نہیں مانگی جاتی، کیونکہ بندے اس بات پر قادر ہی نہیں ہیں اور بندہ رب تعالیٰ سے یہ دعا مانگتا ہے کہ وہ علم وفہم نصیب کرے، شرح صدر سے نوازے اور ایمان اور عمل صالح کو اس کے نزدیک محبوب بنادے جبکہ یہ بات غیر اللہ سے نہیں مانگی جاتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (الزمر: ۲۲)

''تو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، سو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر ہے (کسی سخت دل کافر جیسا ہوسکتا ہے؟)''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ (الانعام: ۱۲۵)

''تو وہ شخص جسے اللہ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت دے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ، نہایت گھٹا ہوا کر دیتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ﴾ (الانبیاء: ۷۹)

''تو ہم نے وہ (فیصلہ) سلیمان کو سمجھا دیا۔''

رب تعالیٰ نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کو تفہیم کے ساتھ خاص فرمایا حالانکہ دونوں حاکم اور قاضی تھے اور دونوں میں سے ایک کو علم ظاہری کے ساتھ خاص نہ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ (الشمس: ۷-۸)

''اور نفس کی اور جس نے اسے ٹھیک بنایا! پھر اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیزگاری (کی پہچان) اس کے دل میں ڈال دی۔''

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان الفاظ کے ساتھ قسم اٹھایا کرتے تھے: ''لَا وَ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ'' [1]

''اس ذات کی قسم جو دلوں کو پلٹنے والی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''سب بندوں کے دل رب رحمان کی دو انگلیوں کے بیچ ہیں، اگر اللہ اسے سیدھا رکھنا

[1] صحیح البخاری: ۸/ ۱۲۸-۱۲۹۔ جامع الترمذی: ۳/ ۴۸۔ سنن النسائی: ۷/ ۳۔ سنن ابن ماجہ: ۱/ ۶۷۶۔ سنن الدارمی: ۲/ ۱۸۷۔ الموطا: ۲/ ۴۸۰۔ مسند احمد: ۷/ ۱۷، ۲۱۵، طبعة المعارف۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

چاہے تو اسے سیدھا کر دیتا ہے اور اگر اسے ٹیڑھا کرنا چاہے تو اسے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔‘‘ [1]

رب تعالیٰ مومنوں کی دعا کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران: ۸)

’’اے ہمارے رب! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر، اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی بے حد عطا کرنے والا ہے۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ لَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (الکہف: ۳۹)

’’اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو کیوں نہ کہا ’’جو اللہ نے چاہا، کچھ قوت نہیں مگر اللہ کی مدد سے۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا﴾ (یونس: ۹۹)

’’اور اگر تیرا رب چاہتا تو یقیناً جو لوگ زمین میں ہیں سب کے سب اکٹھے ایمان لے آتے۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (ھود: ۱۱۸)

’’اور اگر تیرا رب چاہتا تو یقیناً سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ (البقرۃ)

’’اور اگر اللہ چاہتا تو جو لوگ ان کے بعد تھے آپس میں نہ لڑتے، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آ چکیں۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا﴾ (السجدۃ: ۱۳)

’’اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] سنن ابن ماجہ: ۴/ ۱۸۲، ’’التعلیق‘‘ میں رقم ہے کہ ’’الزوائد‘‘ میں ہے کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور یہ حدیث مسند احمد (۴/ ۱۸۲) طبعۃ الحلبی میں مروی ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ’’کتاب السنۃ لابن عاصم (۱/ ۹۸-۹۹) طبعۃ المکتب الاسلامی: ۱۴/ ۱۹۸۰ کی تخریج میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور اس حدیث پر مفصل کلام بھی کیا ہے۔

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ﴾ (الانعام: ۱۱۲)

''اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا﴾ (الانعام: ۱۰۷)

''اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شریک نہ بناتے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ٥ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ٥﴾ (یٰسٓ: ۸-۹)

''بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں کئی طوق ڈال دیے ہیں، پس وہ ٹھوڑیوں تک ہیں، سوان کے سر اوپر کو اٹھا دیے ہوئے ہیں۔ اور ہم نے ان کے آگے سے ایک دیوار کر دی اور ان کے پیچھے سے ایک دیوار، پھر ہم نے انھیں ڈھانپ دیا تو وہ نہیں دیکھتے۔''

تقدیر کو ثابت کرنے والی آیات ونصوص بہت زیادہ ہیں جو سب کی سب معتزلہ وغیرہ قدریہ نافیہ کے قول کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں۔ ان دونوں فرقوں کے پاس نصوص ہیں اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی نصوص کی فاسد تاویلات کرتا ہے اور وہ ان نصوص کے ساتھ ایسی باتوں کو ملاتا ہے جن پر وہ نصوص دلالت ہی نہیں کرتیں۔

رہے حضرات اہل سنت وحدیث جو کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، ائمہ مسلم اور اہل سنت والحدیث کے علماء رحمہم اللہ ہیں، جو پوری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، اس میں سر مو بھی تحریف نہیں کرتے، وہ یہ کہتے ہیں کہ جو اللہ نے چاہا اور ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا۔'' اور یہ کہتے ہیں: ''رب تعالیٰ ہر شے کا خالق و مالک اور رب ہے۔ اس کے سوا سب اس کی مخلوق ہے اور اس کی قدرت ومشیت سے حادث ہے۔ اس کی حکومت و ملک میں وہ نہ ہوگا جو اس نے چاہا نہیں اور پیدا نہیں کیا۔ کسی میں رب تعالیٰ کو اس شے کے پیدا کرنے سے روکنے کی سکت نہیں جس کی تخلیق وتکوین کا اس نے ارادہ کر لیا ہے۔ کیونکہ اللہ ہی وہ واحد وقہار ذات ہے کہ جو:

﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَ مَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ٥﴾ (فاطر: ۲)

''جو کچھ اللہ لوگوں کے لیے رحمت میں سے کھول دے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جو بند کر دے تو اس کے بعد اسے کوئی کھولنے والا نہیں اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

ان حضرات کا قول ہے کہ رب تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کا حکم دیا ہے اور کفر وعصیان اور فسق و فجور سے روکا ہے اسے اپنا ہر مامور محبوب اور پسند ہے اور جس بات سے بھی اس نے روکا ہے وہ اسے ناپسند ہے اور وہ اس پر ناراض

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ وہ فساد کو پسند نہیں کرتا اور نہ اپنے بندوں سے کفر پر راضی ہے۔

یہ حضرات کہتے ہیں: رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جن باتوں کا بھی حکم دیا ہے اور ان سے ان باتوں پر عمل پیرا ہونے کا ارادہ کیا ہے، تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اس نے ان باتوں کو ان کے لیے پیدا کرنے کا اور ان پر ان کی اعانت کا بھی ارادہ کر لیا ہے بلکہ مامورین کی مامورات پر اعانت یہ اس کا دوسری نعمتوں کی طرح ایک فضل ہے اور وہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے خاص کر لے۔ گزشتہ دونوں جماعتوں (قدریہ اور جبریہ) سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ انھوں نے ان دو باتوں میں فرق نہیں کیا:

۱۔ ایک یہ کہ رب تعالیٰ اپنے بندوں میں کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرے۔

۲۔ دوسری یہ کہ وہ بندوں کو دیئے جانے والے امروں کا ارادہ کرے۔

جبکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ﴾ (الاعراف: ٥٤) ''سن لو! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے۔''

پس رب تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے۔ اس نے جو بھی پیدا فرمایا اپنے ارادے سے پیدا فرمایا ہے۔ پس اس نے جو چاہا وہ ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا۔ پس جو نہ ہوا تو بات یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کے پیدا کرنے کا ارادہ ہی نہ کیا تھا اور جو ہوا اس نے اس کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تھا اور وہ صرف اسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے جس کی بابت اسے پہلے سے علم ہو کہ وہ اسے پیدا کرے گا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کا علم معلوم کے مطابق ہے۔

[اعمال کا فرق:]

اب اللہ نے بندوں کو ان نیکیوں کا حکم دیا ہے جو نافع ہیں اور ان برائیوں سے روکا ہے جو مضر ہیں اور اللہ کو حسنات محبوب اور پسند ہیں جبکہ سیئات مبغوض اور ناپسند ہیں اور وہ ان کے مرتکبین پر ناراض ہے۔ چاہے یہ دونوں باتیں ہی اس کی مخلوق ہیں کہ اسی نے جرائیل علیہ السلام اور ابلیس دونوں کو پیدا کیا ہے۔ جبکہ جرائیل علیہ السلام اسے محبوب اور ابلیس اسے مبغوض ہے۔ اسی نے جنت و جہنم کو پیدا کیا ہے، اندھیرے اور روشنی بنائی ہے۔ سایہ اور گرمی پیدا کی ہے اور وہی موت و حیات کا خالق ہے۔ نر اور مادہ، اندھا اور بینا اسی کی مخلوق ہیں۔

اس کا ارشاد ہے:

﴿لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ٥﴾ (الحشر ۲۰)

''آگ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں، جو جنت والے ہیں، وہی اصل کامیاب ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ٥ وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ٥ وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُ٥ وَ مَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ﴾ (فاطر: ١٩-٢٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ اور نہ اندھیرے اور نہ روشنی۔ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ۔ اور نہ زندے برابر ہیں اور نہ مردے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَo مَا لَکُمْ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَo﴾ (القلم: ۳۵-۳۶)

''تو کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے؟ کیا ہے تمھیں، تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ کَالْفُجَّارِo﴾ (ص: ۲۸)

''کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے؟ یا کیا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَo﴾ (الجاثیة: ۲۱)

''یا وہ لوگ جنھوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا، انھوں نے گمان کر لیا ہے کہ ہم انھیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے؟ ان کا جینا اور ان کا مرنا برابر ہوگا؟ برا ہے جو وہ فیصلہ کر رہے ہیں۔''

طیب وخبیث چیزیں اسی اللہ نے پیدا کی ہیں حالانکہ دونوں ایک جیسی نہیں اور نہ پھل اور غلے بول و براز جیسے ہیں، پاک کلمے اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور عمل صالح انھیں اوپر اٹھاتے ہیں، وہ پاک ہے اور صرف پاک شے ہی قبول فرماتا ہے۔ وہ نظیف ہے اور نظافت کو پسند فرماتا ہے۔ جمیل ہے جمال کو محبوب رکھتا ہے ایسی بات نہیں کہ اس نے جو بھی پیدا کیا ہے، وہ اسی کی طرف چڑھتا بھی ہے۔ اسے صرف طیب ہی محبوب اور پسند ہے۔ جبکہ وہ اپنی جنت میں بھی انھیں ٹھہرائے گا جو جنت کے مناسب ہوں گے۔ اسی طرح جہنم بھی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَo﴾ (الزمر: ۷۳)

''تم پاکیزہ رہے، پس اس میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ رہنے والے۔''

ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ:

''جب جنتی صراط عبور کر لیں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان (بیچے) ایک پل پر کھڑے ہو جائیں گے،

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

وہاں ان کے دنیا میں ایک دوسرے پر کیے ظلموں کا بدلہ لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ان کی تہذیب و تنقیہ کر دیا جائے گا۔ پس وہ تہذیب و تنقیح کے بعد ہی جنت میں داخل ہوں گے۔'' ❶

جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾ (الزمر: ۷۳)

''تم پاکیزہ رہے، پس اس میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ رہنے والے۔''

جب ابلیس نے یہ کہا تھا:

﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ﴾ (الاعراف: ۱۲-۱۳)

''میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ فرمایا پھر اس سے اتر جا، تجھے روا نہیں کہ اس میں تکبر کرے۔ سو نکل جا، یقیناً تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے۔''

تو رب تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جنت والوں کو تکبر زیبا نہیں۔ صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا۔'' ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی اچھی ہو، کیا یہ بھی تکبر میں سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے، تکبر تو حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔'' [سبق تخریجہ]

یعنی رب تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ بندہ رب تعالیٰ کے لیے خود کو سنوارے اور آراستہ کر لے، جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف: ۳۱)

''ہر نماز کے وقت اپنی زینت لے لو۔''

لہٰذا بندے کا ننگا ہو کر نماز ادا کرنا رب تعالیٰ کو ناپسند ہوگا بلکہ اللہ کو تو عورت کا ننگے سر نماز پڑھنا بھی پسند نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''بالغہ کی نماز اوڑھنی اوڑھ کر ہی عند اللہ مقبول ہوتی ہے۔'' ❷

❶ صحیح البخاری: ۳/ ۱۲۸۔ اس حدیث کی عبارت یہ ہے: ''جب ایمان والے جہنم سے بچ جائیں گے تو انھیں جنت اور جہنم کے درمیان بچھے ایک پل پر روک دیا جائے گا، پس ان سے دنیا میں ایک دوسرے پر کیے مظالم کا بدلہ لیا جائے گا، یہاں تک کہ جب ان کا تنقیہ و تہذیب ہو جائے گی تو انھیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! ان میں سے ہر ایک اپنے جنت کے ٹھکانے کو اپنے دنیا کے ٹھکانے سے زیادہ جاننے والے ہوگا۔'' یہ حدیث ''صحیح البخاری'' (۸/ ۱۱۱) میں بھی ہے۔ (دیکھیں: مسند احمد: ۳/ ۱۳، ۵۷، ۶۳، ۷۴، طبعة الحلبی)

❷ جامع الترمذی: ۱/ ۲۳۴۔ سنن ابن ماجه: ۱/ ۲۱۳۔ مسند احمد: ۶/ ۲۱۸، ۲۵۹، ط: الحلبی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہی وجہ ہے کہ ننگے ہو کر طواف کرنے والے مشرکوں نے جب یہ کہا تھا کہ یہ امر الٰہی ہے تو رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف : ۲۸)

''بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ کے ذمے وہ بات لگاتے ہو جو تم نہیں جانتے۔''

لہٰذا نماز اور عبادت کے لیے اچھے کپڑے اور جوتے پہننا، اس تجمل میں سے ہے جو رب تعالیٰ کو محبوب ہے۔ لیکن اگر یہی تزئین کسی معصیت کے لیے ہو تو رب تعالیٰ کو ہرگز بھی محبوب نہیں۔ جس مومن کے دل کو رب تعالیٰ نے نورِ ایمان سے منور کر دیا ہوتا ہے، یہ نور اس کے چہرے سے عیاں ہوتا ہے اور اس پر محبت و ہیبت کو ڈال دیا جاتا ہے۔ جبکہ منافق کا حال اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔

رہی نری صورت، چاہے وہ حسین اور شہوت انگیز ہی ہو، جیسے مردوں کی عورتوں کے لیے شہوت اور عورتوں کی مردوں کے لیے شہوت اور چاہے وہ صورت شہوت انگیز نہ ہو، پس ایک صحیح حدیث میں آتا ہے:

''بے شک اللہ تمھاری صورتوں اور تمھارے مالوں کو نہیں دیکھتا، البتہ وہ تمھارے دلوں اور تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے۔'' [1]

لباس کی طرف نہ دیکھنا بھی اس حکم میں داخل ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِيًّا ○ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا ○﴾ (مریم : ۷۳-۷۴)

''اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان لوگوں سے کہتے ہیں جو ایمان لائے کہ دونوں گروہوں میں سے کون مقام میں بہتر اور مجلس کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔ اور ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے جو ساز و سامان میں اور دیکھنے میں کہیں اچھے تھے۔''

''الاثاث'' یہ لباس اور مال کو جبکہ ''الرِّئي'' صورت اور ظاہری حالت کو کہتے ہیں۔

[منافقین اور کفار بمقابلہ مؤمنین]:

منافقوں کے بارے میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○﴾

(المنافقون : ٤)

''اور جب تو انھیں دیکھے تجھے ان کے جسم اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو تو ان کی بات پر کان لگائے

[1] صحیح مسلم: ٤/ ١٩٨٧ ۔ سنن ابن ماجه: ٢/ ١٣٨٨ ۔ مسند احمد: ١٤/ ٢٧٧ ، رقم الحدیث: ٧٨١٤، طبعة الحلبی۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

گا، گویا وہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں، ہر بلند آواز کو اپنے خلاف گمان کرتے ہیں۔ یہی اصل دشمن ہیں، پس ان سے ہوشیار رہ۔ اللہ انھیں ہلاک کرے، کہاں بہکائے جا رہے ہیں۔''

اس آیت میں رب تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ منافقوں کے اجسام اور ظاہری صورتیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ابن اُبی ڈیل ڈول والا، فصیح و بلیغ اور صاحب زبان تھا۔'' مفسرین کا قول ہے کہ رب تعالیٰ نے منافقوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ خوبصورت اور خوش گفتار تھے، پھر یہ بیان فرمایا کہ استغفار اور عدمِ فہم میں وہ دیوار میں گاڑے ہوئے کھونٹوں کی طرح تھے، مراد یہ ہے کہ وہ بے ثمر درخت تھے بلکہ دیوار کے سہارے ٹکی کھونٹیاں تھے۔ پھر رب تعالیٰ نے ان کا یہ عیب بھی بیان فرمایا کہ وہ بزدل تھے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَۃٍ عَلَیْہِمْ ہُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْہُمْ قَاتَلَہُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ﴾

(المنافقون: ٤)

''ہر بلند آواز کو اپنے خلاف گمان کرتے ہیں۔ یہی اصل دشمن ہیں، پس ان سے ہوشیار رہ۔ اللہ انھیں ہلاک کرے، کہاں بہکائے جا رہے ہیں۔''

یعنی ذرا سی بھی آواز سنتے تو یہ گمان کرتے تھے کہ ان پر عذاب آنے والا ہے کیونکہ ان کے دل مرعوب تھے اور رب تعالیٰ نے ان کے جیوں کے بھید آشکارا فرما دیئے۔ اگر کوئی خوبرو شخص عند اللہ مبغوض اعمال کا عادی ہو تو رب تعالیٰ بھی اس سے بغض رکھتے ہیں اور اس کے جمال کی وجہ سے اسے محبوب نہیں رکھتے۔ کیونکہ رب تعالیٰ اس کی صورت کو نہیں دیکھتے بلکہ اس کے دل اور اس کے عمل کو دیکھتے ہیں۔

سیدنا یوسف الصدیق علیہ السلام اگرچہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ خوبصورت تھے اور ایک صحیح حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ ''انھیں حسن کا نصف عطا کیا گیا تھا۔''[1] لیکن صرف اسی بنا پر وہ دوسرے پیغمبروں جیسے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہم السلام سے افضل نہ تھے۔

اگرچہ سیدنا یوسف علیہ السلام ان پیغمبروں سے زیادہ خوبصورت تھے لیکن ان مذکورہ پیغمبروں کا ایمان اور اعمال سیدنا یوسف علیہ السلام کے ایمان اور اعمال سے افضل تھے۔ ان پیغمبروں کو صرف ایمان اور دعوت الی اللہ کی وجہ سے ستایا گیا تھا؛ انکے دشمن دراصل اللہ اور اس کے رسول کے دشمن تھے، ان پیغمبروں کا صبر رب تعالیٰ کی توحید، عبادت اور طاعت پر تھا۔ قرآن کریم میں مذکورہ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کے قصوں سے یہی حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔

جبکہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے اس بنا پر اذیت دی تھی کہ والد صاحب کو زیادہ پیارے اور ان کے

---

[1] صحیح مسلم: ۱/ ۱٤٥-۱٤۷، مسند احمد: ۳/ ۲۸٦ طبعة الحلبی، المستدرك للحاكم: ۲/ ٥۷۰۔
امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح اور مسلم کی شرط پر ہے، البتہ حضرات شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔ ''السلسلة الصحیحة'' (۳/ ٤۷۰) میں علامہ البانی رحمہ اللہ اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح اور مسلم کی شرط پر ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

زیادہ قریب تھے اور انھیں اپنے اس بھائی سے بے حد حسد تھا جو خالص ایک نفسانی جذبہ ہے۔ اور یہ ستانا دین کے لیے نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا ان عورتوں پر صبر کرنا جنھوں نے آپ کو پھسلانا چاہا تھا اور ان لوگوں پر صبر کرنا جنھوں نے آپ کو حبس بے جا میں رکھا تھا کہ آپ کا یہ صبر بھائیوں کی ایذا رسانی پر صبر سے زیادہ افضل تھا۔ کیونکہ آپ کا یہ صبر اپنے اختیار سے اور رب تعالیٰ کے قویٰ کی وجہ سے تھا تا کہ آپ سے کسی فعل حرام کا ارتکاب سرزد نہ ہو۔ جبکہ بھائیوں کی ایذا رسانی پر صبر غیر اختیار تھا اور وہ مصیبت پر صبر کرنے کی جنس میں سے ہے۔ جبکہ یہ صبر ایک مومن کے ان لوگوں پر صبر کرنے کی جنس میں سے ہے جو اسے برائی کرنے کو کہیں اور یہ اللہ کے لیے ایسا کرنے سے انکار کر دے اور یہ اللہ کی طاعت پر جما رہے اور اپنی خواہش اور شہوت کو دبائے رکھے۔ بلاشبہ یہ صبر افضل ہے۔

جبکہ سیدنا ابراہیم، سیدنا موسیٰ وعیسیٰ اور ہمارے پیغمبر علیہم السلام کا صبر، یہ کفار کی ایذا و عداوت پر اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے پر صبر کرنا تھا۔ جو صبر کی دیگر تمام انواع و اقسام سے افضل ہے۔ جیسا کہ ایمان اور توحید یہ صرف ترکِ زنا سے افضل ہے، اور جیسا کہ یہ جملہ طاعات افضل ہیں۔ لہٰذا ایمان و طاعت پر اور ان کی وجہ سے ایذا و عداوت پر صبر کرنا افضل ہے۔

پھر یہ دشمنانِ ایمان مومنوں کو مار ڈالنا چاہتے تھے، اور اس غرض کے لیے انھوں نے ہر طریقہ اختیار کیا، انھیں مومنوں سے سرے سے محبت تھی ہی نہیں۔ بخلاف سیدنا یوسف علیہ السلام کے کہ انھیں قید و بند کا ابتلا پیش آیا تھا (نا کہ قتل و ہلاکت کا) اور آپ کی محبت میں گرفتار عورت آپ کو اس سے زیادہ سزا دینے پر ہرگز تیار نہ تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ (یوسف: ۳)

''ہم تجھے سب سے اچھا بیان سناتے ہیں۔''

لفظ ''قصص'' چاہے یہ ''قص یقص'' سے مصدر ہو اور چاہے مصدر بمعنی ''مفعول''، یعنی قصص بمعنی مقصوص ہو کہ یہ بات صرف قصۂ یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ بلکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس سے زیادہ عظیم اور عمدہ ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے قصہ موسیٰ علیہ السلام کو قرآنِ کریم میں مکرر اور مبسوط و مفصل ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا جَآءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ﴾ (القصص: ۲۵)

''تو جب وہ اس کے پاس آیا اور اس کے سامنے حال بیان کیا۔''

اسی لیے فرمایا:

﴿بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ﴾ (یوسف: ۳)

''اس واسطے سے کہ ہم نے تیری طرف یہ قرآن وحی کیا ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پھر احسن القصص کے کلمات کو ''کسر'' کے ساتھ بھی قراءت کیا گیا ہے۔ تب پھر یہ امر صرف قصۂ یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص نہ ہوگا۔ بلکہ رب تعالیٰ کا بیان کردہ ہر قصہ ''احسن'' ہی ہوگا۔

رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''رب تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے'' تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ رب تعالیٰ کو کون سے اعمال محبوب اور کون سے غیر محبوب ہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تو فرمایا تھا کہ ''جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا۔'' یہ بات معلوم ہے کہ تکبر بندے کے کسب سے ہے اور یہ اس کی قدرت ومشیت کے تحت داخل ہے، جو ممنوع ہے اور حکم اس کی ضد (یعنی عاجزی وانکساری اختیار کرنے) کا ہے۔ سائل دراصل اس بات سے اندیشہ کر رہا تھا کہ مبادا یہ تزئین و آرائش مذموم اور ممنوع کبر میں داخل ہو، اسی لیے اس نے یہ عرض کیا تھا کہ اسے اپنے کپڑوں اور جوتوں کا خوبصورت ہونا پسند ہے۔ آیا یہ وہی ممنوع و مذموم کبر تو نہیں؟ کیونکہ جوتوں اور کپڑوں کا اچھا ہونا ایسا فعل ہے جو بندے کے کسب وفعل سے حاصل ہوتا ہے اور یہ ایسا فعل نہیں جو اس میں اس کے کسب کے بغیر پیدا ہوا ہو جیسے اس کی صورت کہ اس کی تخلیق میں آدمی کے کسب وفعل کا کوئی دخل نہیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سائل سے ارشاد فرمایا کہ ''رب تعالیٰ خود بھی جمیل ہے اور جمال کو پسند بھی فرماتا ہے۔'' یوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کو مبغوض کبر اور محبوب جمال کے درمیان فرق واضح فرما دیا۔

یہ بات معلوم ہے کہ رب تعالیٰ جب ایک شخص کو جسم وقوت اور عقل و ذکاء وغیرہ جیسی صفات میں، دوسرے سے افضل پیدا فرماتا ہے تو یہ اس دوسرے کے عنداللہ مبغوض ہونے کی دلیل نہیں ہوتا کیونکہ یہ باتیں بندے کے اختیار میں داخل نہیں۔ بلکہ یہ باتیں اس میں اس کے اختیار کے بغیر پیدا کی گئی ہیں۔ بخلاف اس کے دوسرے پر تکبر کرنے کے، کیونکہ یہ اس کا وہ عمل ہے جو اللہ کو مبغوض ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا تھا:

﴿فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا﴾ (الاعراف: ۱۳)

''کیوں کہ تیرے لیے یہ نہ ہوگا کہ تو اس میں تکبر کرے۔''

اسی طرح جس شخص کو رب تعالیٰ نے خوش رنگ، میانہ قامت اور خوبرو پیدا فرمای ہے تو یہ اس بندے کا کوئی ایسا فعل نہیں کہ جسے محمود یا مذموم کہا جا سکے یا اس پر ثواب وعقاب مرتب ہوتا ہو اور نہ اس پر اللہ اور اس کے رسول کی محبت یا بغض کا مدار ہے۔ جیسے کسی کا سیاہ فام، کوتاہ قامت یا دراز قد وغیرہ ہونا محمود یا مذموم فعل ہے، نہ اس پر ثواب وعقاب کا ترتب ہے اور نہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت یا بغض کا مدار ہی ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر اور نہ کسی سفید کو کسی سیاہ پر اور نہ کسی سیاہ کو کسی سفید پر کوئی فضیلت حاصل ہے مگر تقویٰ سے۔''

یہی وجہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ایمان سے خالی دلوں والے خوبرو اور جسیم وقوی منافقوں کو سوکھی اور بے ثمر لکڑیوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے تشبیہ دی ہے کہ ایسی لکڑی ناپسندیدہ ہی ہوتی ہے چاہے جتنی بھی بڑی ہو۔ یہی صورت اور قلب کا معاملہ ہے۔ البتہ بسا اوقات صورت ایمان اور عمل صالح میں معاون بن جاتی ہے جیسا کہ مال اور قوت۔ تب پھر جو آدمی ان چیزوں سے ایمان وطاعت میں مدد لیتا ہے اور معاصی سے بچتا ہے، تو اس کا جمال بھی اللہ کو محبوب ہوگا اور قوت اور مال بھی اور یہی اس کا وہ اصل جمال ہے جو رب تعالیٰ کو محبوب ہے چاہے بظاہر وہ سیاہ فام ہی ہو اور اگر وہ اس جمال کو اپنائے گا جو رب تعالیٰ کو محبوب ہوتا ہے تو اس کی یہ تزئین وتجمیل بھی عند اللہ محبوب ہوگی۔

غرض یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ رب تعالیٰ کو کیا محبوب اور پسند ہے جس سے بندوں کو اجر ملتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ بات معلوم ہے کہ مطلق ارادہ میں اور لوگوں میں موجود محبت میں فرق ہے۔ انسان ہر اس بات کا ارادہ کرنے والا ہے جو وہ اپنے اختیار سے کرسکتا ہے۔ چاہے وہ فعل اس کے نزدیک مبغوض اور مکروہ ہی ہو اور آدمی ایسی بات کا ارادہ محبوب شے تک پہنچنے کے لیے کرتا ہے، جیسے مریض کہ جو صحت کی طلب میں کڑوی اور ناپسندیدہ دوا بھی اپنے اختیار وارادہ سے کھاتا ہے چاہے اسے وہ دوا کھانے میں تکلیف ہی ہوتی ہو۔ کیونکہ یہ عافیت کا وسیلہ ہے جو اسے محبوب ہے اور رنج والم کے زوال کا بھی وسیلہ ہے۔

اب جہمیہ اور قدریہ اللہ کی مشیت اور محبت میں فرق نہیں کرتے کیونکہ یہ رب تعالیٰ کے لیے بعض امور مخلوق کے ساتھ محبت کو ثابت نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک رب تعالیٰ کا بندے کی توبہ سے خوش ہونا بھی ثابت نہیں۔ اس بات کا پہلا منکر جعد بن درہم تھا جسے خالد بن عبداللہ القسری نے (عین عید قربان کے دن عیدگاہ میں) یہ کہہ کر ذبح کر دیا تھا کہ ''تم لوگ اپنی اپنی قربانیاں کرو، اللہ تمھاری قربانیاں قبول کرے، البتہ میں جعد بن درہم کو ذبح کر کے اس کی قربانی کر رہا ہوں کیونکہ یہ اس بات کا قائل ہے کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں کیا اور ابراہیم علیہ السلام کو خلیل نہیں بنایا بے شک رب تعالیٰ جعد بن درہم کی باتوں سے بے حد بلند وبرتر ہے۔'' پھر منبر سے اتر کر جعد کو ذبح کر ڈالا۔

کیونکہ خُلّت یہ محبت کے تابع ہے۔ اب جو سرے سے محبت ہی کا منکر ہو اس کے نزدیک خُلّت کہاں سے ثابت ہو گی، لہٰذا جس کے نزدیک اللہ نہ محبت کرتا ہے اور نہ اس سے محبت کی جاتی ہے، اس کے نزدیک اللہ کا کوئی محبوب وخلیل بھی نہ ہوگا۔ جبکہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے اس اصل کو ثابت کیا ہے کہ ''رب تعالیٰ کو بعض امورِ مخلوقہ محبوب ہیں اور پسند ہیں اور بعض امور مبغوض اور ناپسند ہیں، اور یہ کہ بندوں کے بعض اعمال اسے پسند ہیں اور بعض ناپسند ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ (محمد ۲۸)

''یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اس چیز کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اس کی خوشنودی کو برا جانا تو اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾
(الفتح: ۱۸)

''بلاشبہ یقیناً اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے، تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا آسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ (الزخرف: ۵۵)

''پھر جب انھوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔''

''آسفونا'' کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''اغضبونا'' (یعنی جب انھوں نے ہمیں غضب دلایا) منقول ہے۔ ابن قتیبہ کا قول ہے کہ اسف یہ غضب کو کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: ''اسفت اسفا'' یعنی میں غصہ میں آیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (النساء: ۹۳)

''اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے، اس میں ہمیشہ رہنے والا ہے اور اللہ اس پر غصے ہوگیا اور اس نے اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے۔''

ایک صحیح حدیث میں متعدد طرق سے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''رب تعالیٰ بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جس کی سواری ایک ہلاکت خیز بیابان میں گم ہوگئی ہو، جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان بھی لدا تھا اور ڈھونڈنے کے باوجود اسے اپنی وہ سواری نہ ملی تھی، اور وہ موت کے انتظار میں ایک درخت کے نیچے پڑ کر سو گیا تھا، پس وہ بیدار ہوا تو اس نے اپنے سامنے اپنی سواری کھڑی دیکھی جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان (اسی طرح) موجود تھا۔ پس رب تعالیٰ بندے کی توبہ سے اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو اپنی (گم شدہ) سواری (کے ملنے) پر خوش ہوتا ہے۔''

بلاشبہ خوشی محبوب و مرغوب شے کے ملنے پر ہوتی ہے اور گناہ گار اپنے آقا سے بھاگے غلام کے جیسا ہوتا ہے اور جب وہ توبہ کر لیتا ہے تو ایسا ہوتا ہے جیسے بھاگا غلام اپنے آقا کے پاس اور اس کی تابع داری کی طرف لوٹ آیا ہو۔ رب تعالیٰ نے یہ مثال بیان کر کے واضح فرمایا ہے کہ رب تعالیٰ توبہ کرنے والے بندے سے کس قدر خوش ہوتے ہیں اور رب تعالیٰ کو توبہ سے کس قدر محبت اور معاصی سے کس قدر کراہت ہے اور یہ بھاگے غلام کی مثال پیش کرنے سے بڑی مثال ہے۔ کیونکہ ایک ہلاکت آفرین جنگل بیابان میں کھانا پینا لے کر گم ہو جانے والی سواری کے نہ ہونے سے بندے کو جس قدر اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے، وہ اللہ ہی جانتا ہے کہ ایک تو ویران علاقہ، بے آب و گیاہ میدان جہاں موت و ہلاکت کا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

امکان زیادہ قوی ہو، دوسرے سواری کھانے پینے سمیت جاتی رہے جو ڈھونڈنے پر بھی نہ ملی ہو اور ناامیدی موت کے یقینی ہونے میں تبدیل ہو رہی ہو، لیکن پھر اچانک بیدار ہونے پر وہ سواری سامنے کھڑی ہو تو آدمی کو اس سے ایسی فرحت و مسرت میسر آتی ہے جس کی تعبیر ممکن نہیں۔

یہ بات رب تعالیٰ کی اس توبہ کے ساتھ محبت کو بیان کرتی ہے جو ایمان اور عمل صالح کو متضمن ہو اور اس کے برخلاف کے ساتھ رب تعالیٰ کی کراہت کو بھی بیان کرتی ہے۔ جس میں جہمیہ اور قدریہ پر ردّ ہے جو اس بات کے منکر اور دونوں باتوں کے قائل نہیں کہ یہ دونوں جماعتیں سب باتوں کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کے اعتبار سے یکساں قرار دیتی ہیں۔ پھر قدریہ کا قول یہ ہے کہ رب تعالیٰ بندے کے نفع کا قصد کرتا ہے کیونکہ یہ حسن ہے اور بندے پر ظلم کا قصد نہیں کرتا کیونکہ یہ قبیح ہے اور جہمیہ کا قول ہے کہ جب رب تعالیٰ کی طرف نسبت کے اعتبار سے دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں تو رب تعالیٰ کے نزدیک کسی شے کا حَسَن یا قبیح ہونا ممتنع ٹھہرا۔ بلکہ یہ بات بندوں کے امورِ اضافیہ کی طرف راجع ہوگی۔

اب بندے کے اعتبار سے حسن وہ شے ہے جو اس کے مناسب ہو اور اس پر وہ ثواب مرتب ہوتا ہو جو اس کے مناسب ہو، اور قبیح وہ شے ہے جو اس کے برعکس ہو، یہیں سے ان لوگوں نے محبت کو اور ارادہ کو یکساں قرار دے دیا ہے۔ پس اگر یہ لوگ اس بات کو ثابت کرتے کہ رب تعالیٰ محبوب کے حصول پر خوش ہوتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی خبر دی ہے، تو ان پر اس کی حکمت ظاہر ہوتی اور یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ رب تعالیٰ کے جملہ افعال حکمت پر مبنی ہیں۔

اب جہمیہ کا قول ہے کہ جب رب تعالیٰ کی طرف نسبت کے اعتبار سے جملہ اشیاء برابر ہیں تو رب تعالیٰ کا کسی حکمت کے تحت کوئی فعل کرنا ممتنع ٹھہرا۔ اور معتزلہ کا قول یہ ہے کہ رب تعالیٰ ایسی حکمت کے تحت فعل کرتا ہے جو بندے کی طرف لوٹتی ہے۔ جہمیہ انھیں یہ کہتے ہیں کہ اب یہ حکمت یا تو اللہ کی طرف لوٹتی ہے، جس میں سے ایک بات ''حکم'' ہے؛ اور یا رب تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹتی۔ رہی پہلی صورت تو وہ تمھاری اپنی وضع کردہ اصل کے خلاف ہے اور دوسری صورت ازخود ممتنع ہے کیونکہ کسی کا حسن کو قبیح پر اختیار کرنا ممتنع ہے جب کہ فعل حسن میں ایسا معنی ہی نہ ہو جو اس کی طرف لوٹتا ہو۔ تاکہ فعل حسن اس کے مناسب ٹھہرے۔ بخلاف قبیح کے، پس جب اس کا منفی ہونا فرض کر لیا گیا تو اس کا کسی حکمت کی خاطر اس فعل کو کرنا بھی ممتنع ٹھہرا۔

پھر یہ صفت صفاتِ کمال میں سے سب سے بڑی صفت ہے، اسی طرح رب تعالیٰ کا محبوب لذاتہ ہونا رسولوں کے دین کی اصل ہے کیونکہ سب رسولوں نے رب تعالیٰ کی عبادت و وحدت کی دعوت دی ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور الٰہ وہ ہوتا ہے جو مستحق عبادت ہو اور عبادت صرف تعظیم اور محبت کی بنا پر کی جاتی ہے۔ وگرنہ جو کسی ملنے والے معاوضے کے بدلے دوسرے کا کام کرتا ہے، وہ اس کا ''عابد'' نہیں کہلاتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿یُحِبُّهُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَهٗۤ﴾ (المائدۃ: ۵۴)

''وہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرۃ: ۱۶۵)

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ سے محبت میں کہیں زیادہ ہیں۔''

اب رب تعالیٰ سے محبت کی اور اس کے محبوب ہونے کی نفی کرنے والوں کا آخری امر یہ ہے کہ ان کے نزدیک اللہ کے اعتبار سے اس کے دوستوں اور دشمنوں میں وئی رق نہ رہے گا اور نہ کفر و ایمان میں، نہ امر و نہی میں اور نہ مساجد اور شرک وفواحش کے اڈوں میں ہی کوئی فرق رہے گا۔

زیادہ سے زیادہ جو فرق وہ ثابت کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ یہ انسان کو حاصل ہونے والی لذت یا رنج والم کی ایک علامت ہے۔ پھر اگر یہ ان صوفیاء میں سے ہیں جن کے نزدیک کمال یہ حظوظِ نفس سے بالکلیہ دست بردار ہو جانے کا نام ہے اور وہ توحید ربوبیت میں مقامِ فناء میں داخل ہو چکے ہیں جس کی بابت ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ عارف وہ ہے جس کے نزدیک اچھائی اور برائی یکساں ہو جائے، اور یہ لوگ اس مقام کو ''عرفان'' کی انتہا سمجھتے ہیں۔ سو ان کے نزدیک بھی رب تعالیٰ کے اولیاء و اعداء میں اور ایمان و کفر میں اور رب تعالیٰ کی حمد و ثنا اور عبادت کرنے میں اور اسے سب وشتم کرنے میں اور اسے تین کا تیسرا اقرار دینے میں اور اسی طرح پیغمبر میں اور ابوجہل میں اور اسی طرح موسیٰ اور فرعون میں سرے سے کوئی فرق ہی نہ رہے گا اور نہ ہے۔

میں نے ایک دوسرے مقام پر یہ مضمون مفصل بیان کر دیا ہے۔

[دوبارہ متکلمین پر رد:]

پھر اگر یہ شخص متکلمین میں سے ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ مخلوقات میں سے جو بھی ہے وہ بندے کا حظ وحصہ ہے، تو یہ لوگ عبادت کے باب میں خود کو مجبورِ محض اور مسخر سمجھتے ہیں جنھیں عبادت کرنے پر زبردستی کی گئی ہے۔ انھیں عبادت سے بے حد گرانی ہے۔ ان کے دل شیطانوں کی چراگاہیں ہیں۔ ان کے دلوں میں یہ فاسد خیال پنپتا ہے کہ بھلا رب تعالیٰ ان احکامِ تکلیفیہ کے بغیر ہی ثواب کیوں نہیں دے دیتا؟ پس جب یہ خود کو یہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں زیادہ لذت ہے، تو یہ سب سے زیادہ ٹھنڈا اور سڑا ہوا جواب ہوتا ہے کہ ایسا جواب مناظروں میں دیا جاتا ہے۔

رہی اللہ رب العالمین کی ذات تو ہر ہر وجود اس کے فضل و احسان کا اقراری ہے۔ پھر یہ کہا جائے گا کبھی ''الذ'' کی طلب سے اکثرین کی شقاوت حاصل ہوتی ہے۔ جنت میں اس ''الذ'' کے بغیر ان کی ابتدائی تخلیق ان کے حق میں زیادہ عمدہ تھی۔ حالانکہ وہ لذاتِ عظیمہ کی تخلیق پر قادر بھی ہے۔ غرض اس طرح کے اور بھی متعدد جوابات دیئے جا سکتے ہیں۔

اور اگر وہ مرجئہ میں سے ہے، جن کا وعید پر ایمان کمزور ہے۔ جنھوں نے ترکِ واجبات اور محرمات میں اپنا نفس

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ڈھیلا چھوڑ رکھا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بدترین مخلوق ہو جاتے ہیں۔ بخلاف اس کے جو اللہ کی محبت کے ذریعے ایمان کی حلاوت کو پاتا ہے اور جانتا ہے کہ رب تعالیٰ کو عبادات محبوب ہیں اور یہ کہ اسے بعض افعال و اشخاص اگر محبوب ہیں تو ان میں سے بعض مبغوض بھی ہیں۔ چنانچہ وہ کسی پر راضی تو کسی پر ناراض ہے اور توبہ سے خوش ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ کہ جن سب باتوں کی نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ ''یہی وہ اسلام ہے جس کا بندہ لا الہ الا اللہ پڑھ کر اقرار کرتا ہے، اور اس کی گواہی دیتا ہے۔''

اب جو تو فرق کا قائل نہیں اس نے رب تعالیٰ کو ایک ایسا معبود قرار نہیں دیا جو محبوب بھی ہوتا ہے، وہ صرف اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ صرف وہی رب ہے اور یہ وہ شہادت ہے جو مشرکین بھی دیتے تھے۔ لیکن وہ لا الہ لا اللہ کی شہادت نہیں دیتے تھے۔ جبکہ انبیاء کرام علیہم السلام ایسی توحید الوہیت کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے جو توحید ربوبیت کو بھی متضمن تھی۔

رہی نری توحید ربوبیت، تو اس بات کے تو مشرک بھی قائل تھے کہ زمین اور آسمانوں کا خالق صرف اللہ ہے جیسا کہ رب تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر ان لوگوں کے بارے میں اس بات کی خبر دی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ (الزمر: ۳۸)

''اور اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو ضرور ہی کہیں گے: اللہ نے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ۝﴾ (یوسف: ۱۰۶)

''اور ان میں سے اکثر کا اللہ پر ایمان نہیں، مگر اس حال میں کہ وہ شریک بنانے والے ہوتے ہیں۔''

ہم نے ایک دوسرے مقام پر اس مضمون کو مفصل ذکر کر دیا ہوا ہے۔

[محبت الٰہی کا معیار:]

یہ لوگ ابتدا میں تو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، امر محبت کی تعظیم بھی کرتے ہیں اور سماع کو غناء، دف اور نو عمر لڑکیوں کے ساتھ پسند کرتے ہیں اور اس سب کو ''قربت'' باور کرتے ہیں۔ کیونکہ بزعم خویش یہ جملہ باتیں دلوں میں محبت الٰہی کی انگیخت کا ذریعہ ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہے تو ان کی محبت مشرکوں کی محبت جیسی ہے نا کہ موحدین کی محبت جیسی ہے۔ کیونکہ موحدین کی محبت نبی کریم ﷺ کی اتباع اور جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ (آل عمران: ۳۱)

''کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھیں تمھارے گناہ بخش دے گا۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ (التوبة : ٢٤)

''کہہ دے اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور رہنے کے مکانات، جنھیں تم پسند کرتے ہو، تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ (المائدة : ٥٤)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ عنقریب ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے، مومنوں پر بہت نرم ہوں گے، کافروں پر بہت سخت، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔''

اب ان لوگوں میں نہ تو سچی اتباع رسول پائی جاتی ہے اور نہ جہاد فی سبیل اللہ ہی پایا جاتا ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثروں کو سنت کی پیروی سے چڑ ھوتی ہے اور یہ جہاد سے سب سے زیادہ دُور رہتے ہیں۔ بلکہ یہ اعدائے اسلام کے معاون ہوتے ہیں۔ ان کا محبت الٰہی کا دعویٰ ان مشرکوں کی محبت کی جنس سے ہوتا ہے جن کے بارے میں رب تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً﴾ (الانفال : ٣٥)

''اور ان کی نماز اس گھر کے پاس سیٹیاں بجانے اور تالیاں بجانے کے سوا کبھی کچھ نہیں ہوتی۔''

اسی لیے ان لوگوں کو قصیدے سننا قرآن سننے سے کہیں زیادہ پسند ہوتا ہے۔ یہ اپنے مشائخ کو پکارنے اور ان کی قبروں کے پاس ان سے استغاثہ کرنے میں اور ان کی زندگی میں اور موت کے بعد انھیں پکارنے میں بے حد محنت اور کوشش کرتے ہیں جبکہ اتنی محنت کوشش رب تعالیٰ سے دعا مانگنے میں اور مساجد میں بیٹھ کر رب تعالیٰ سے استغاثہ کرنے میں نہیں کرتے۔

بے شک یہ سب مشرکین کے افعال ہیں نہ کہ مخلصین فی الدین کے، جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عظام رحمہم اللہ تھے۔ اب ایک فرقہ نے تو رب تعالیٰ کی صفت محبت کا ہی انکار کر دیا ہے اور دوسرا مشرکوں والی محبت میں جا پڑا۔ بلاشبہ یہ دونوں فرقے کتاب وسنت سے خارج ہیں۔

پس رب تعالیٰ کی محبت اس کی عبادت کی اصل ہے اور اس کی محبت میں شرک، اس کی عبادت میں شرک کی اصل ہے۔ سو ایک فرقہ یہود بے بہود کے مشابہ ہے اور ان میں یہود جیسا کبر موجود ہے اور دوسرے نصاریٰ کے مشابہ ہیں جن میں نصاریٰ کے شرک جیسا شرک پایا جاتا ہے۔

[دین میں غلو اور جہالت گمراہی کا سبب]:

نصاریٰ گمراہ ہیں۔ ان میں عبادت، رحمت اور رہبانیت ہے لیکن بغیر علم کے۔ اسی لیے یہ بغیر علم کے اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ وَ لَا تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الۡحَقَّ﴾ (النساء: ۱۷۱)

''اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ گزرو اور اللہ پر مت کہو مگر حق۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلۡ یٰٓاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ غَیۡرَ الۡحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوۡۤا اَہۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَ اَضَلُّوۡا کَثِیۡرًا وَّ ضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ۠﴾ (المائدۃ: ۷۷)

''کہہ دے اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق حد سے نہ بڑھو اور اس قوم کی خواہشوں کے پیچھے مت چلو جو اس سے پہلے گمراہ ہو چکے اور انھوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔''

سواء السبیل یعنی درمیانی راستہ اور یہی وہ قصد السبیل ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَ عَلَی اللّٰہِ قَصۡدُ السَّبِیۡلِ﴾ (النحل: ۹)

''اور سیدھا راستہ اللہ ہی پر (جا پہنچتا) ہے۔''

اور یہ صراطِ مستقیم ہے۔ پس رب تعالیٰ نے پہلے ان کا گمراہ ہونا بیان فرمایا پھر ان کی گمراہی کو ذکر فرمایا۔

اور ''اھواء'' یہ نفس کی ان خواہشات کو کہتے ہیں جو بغیر علم کے ہوں۔ پس جو بھی اپنے نفس کی ہر بات پر بغیر علم کے اور اسے مصلحت جان کر چلتا ہے وہ ''متبع ہواء'' ہے۔ رہا وہ علم جو عند اللہ بندے کے لیے آخرت میں مصلحت ہے تو یہ وہ علم ہے جو اللہ کے پیغمبر لے کر آئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکَ فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یَتَّبِعُوۡنَ اَہۡوَآءَہُمۡ ؕ وَ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ بِغَیۡرِ ہُدًی مِّنَ اللّٰہِ﴾ (القصص: ۵۰)

''پھر اگر وہ تیری بات قبول نہ کریں تو جان لے کہ وہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اوراللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَنۡ تَرۡضٰی عَنۡکَ الۡیَهُوۡدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ قُلۡ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰی وَ لَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَ هُمۡ بَعۡدَ الَّذِیۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیۡرٍ﴾

(البقرة: ١٢٠)

''اور تجھ سے یہودی و نصاری ہرگز راضی نہ ہوں گے حتی کہ تو ان کی ملت کی پیروی کرے۔ کہہ دے بیشک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔ اور اگر تو نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، اس علم کے بعد جو تیرے پاس آیا ہے، تو تیرے لیے اللہ سے چھڑانے میں نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔''

اوراللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاحۡکُمۡ بَیۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ هُمۡ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الۡحَقِّ﴾(المائدة: ٤٨)

''پس ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر، اس سے ہٹ کر جو حق میں سے تیرے پاس آیا ہے۔''

اوراللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ جَعَلۡنَاكَ عَلٰی شَرِیۡعَةٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ فَاتَّبِعۡهَا وَ لَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾

(الجاثية: ١٨)

''پھر ہم نے تجھے (دین کے) معاملے میں ایک واضح راستے پر لگا دیا، سو اسی پر چل اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چل جو نہیں جانتے۔''

اتحاد، حلول اور وحدت الوجود کے قائل بعض صوفیہ کے کلام پر ایک تبصرہ:

یہی وجہ ہے کہ صوفیا کے وہ مشائخ جو عارف اور اہل استقامت تھے، وہ علم و شرع کی اتباع کی کثرت کے ساتھ وصیت کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اکثر صوفیا کتاب و سنت کے علم کو لازم پکڑے بغیر صرف نفس کی محبت اور اس کے ارادہ و خواہش کے ساتھ رب تعالیٰ کی عبادت کی راہ پر چلے تھے۔ تب پھر وہ ایسے گمراہ ہوئے جیسے نصاریٰ گمراہ ہوتے تھے۔ اسی لیے بعض مشائخ کا -اور یہ ابوعمرو بن نجید [1] ہیں- قول ہے کہ ہر وہ وجد جس کی کتاب و سنت سے شہادت نہ ملتی ہو، باطل ہے۔

اور ''سہل'' [2] کا قول ہے: ''اتباع نبوی کے بغیر ہر عمل کی عیش ہے اور اقتدا کے ساتھ ہر عمل نفس پر عذاب ہے۔''

[1] یہ اسماعیل بن نجید بن احمد بن یوسف سُلمی ہیں۔ ابوعبدالرحمان السلمی ''طبقات الصوفية'' (ص ٤٥٤) میں کہتے ہیں: یہ میرے نانا ہیں۔ ان کی جنید بغدادی سے ملاقات ہے۔ اپنے وقت کے بڑے شیخ تھے۔ ۳۶۶ھ میں وفات پائی۔ (دیکھیں: القشيرية: ١/ ١٧١، الطبقات الكبرى: ١/ ١٠٣، طبقات الشافعية: ٣/ ٢٢، شذرات: ٣/ ٥٠)

[2] یہ ابومحمد سہل بن عبداللہ بن یونس تستری ہیں۔ بڑے صوفی تھے۔ ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔ (دیکھیں: طبقات الصوفية، ص: ٢٠٦-٢١١، الطبقات الكبرى: ١/ ٦٦-٦٨، صفة الصفوة: ٤/ ٤٦-٤٨)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ابوعثمان نیشاپوری کا قول ہے: ''جس نے قول و فعل میں سنت کو نفس پر حاکم بنایا اس نے حکمت کو اپنایا اور جس نے قول و فعل میں ہوا کہ نفس پر حاکم بنایا اس نے بدعت کا ارتکاب کیا کیونکہ رب تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں:

﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ (النور: ٥٤) ''اور اگر اس کا حکم مانو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔''

بعض صوفیا کا قول ہے کہ کوئی سنت میں سے کچھ صرف نفس کے کبر کی وجہ سے چھوڑتا ہے۔ جیسا کہ بعض کا قول ہے کہ جو بھی متبع رسول نہیں اس کا ہر فعل نفس کے ارادہ سے ہے اور وہ اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کا پیرو ہے اور یہی عیش نفس ہے جو کبر ہے اور یہ ان لوگوں کے اس قول کا ایک حصہ ہے۔ ارشاد ہے:

﴿لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ (الانعام: ١٢٤)

''ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ ہمیں اس جیسا دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔''

ان میں سے اکثر کا یہ گمان ہے کہ وہ اتباع رسول کے بغیر اپنی عبادت و ریاضت اور صفائے نفس سے پیغمبروں کے درجہ تک پہنچ جائیں گے۔ ان میں سے بعض فرقے تو خود کو پیغمبروں تک سے افضل گردانتے ہیں اور ان کے نزدیک ولی کا جو تصور ہے، وہ ولی پیغمبر سے بھی افضل ہے اور بعض کا یہ تک قول ہے کہ پیغمبر علم الٰہی کو خاتم الاولیاء کے چراغ سے حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ وہ اپنے تئیں خاتم الاولیاء سمجھے بیٹھا ہوتا ہے اور یہ علم درحقیقت فرعون کا یہ قول ہے: ''یہ وجود اور مشہود واجب بنفسہ ہے اس کا بنانے والا کوئی نہیں، لیکن یہ صرف اتنا ضرور کہتا ہے ک ان موجودات اور مشہودات کا بنانے والا اللہ ہے۔ جبکہ فرعون نے اس بات کا بالکلیہ انکار کر دیا تھا۔ لیکن باطن میں فرعون ان نام نہاد صوفیا سے بھی زیادہ عارف تھا اور یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ مخلوق کا وجود خالق کا وجود ہی ہے۔ جیسا کہ ابن عربی اور اس کے ہم نوا اتحادیہ کا قول ہے۔

غرض مقصود ان لوگوں کو ذکر کرنا ہے جو مشروع عبادت کو چھوڑ کر اس عبادت کی طرف چل دیئے جو ان کے ارادہ، ذوق، وجد، محبت اور ہواء کے ساتھ تھی۔ یوں یہ نصاریٰ جیسی متعدد گمراہیوں میں جا پڑے۔ چنانچہ کوئی تو اس بات کا مدعی بن بیٹھا کہ نبیوں کی کوئی ضرورت نہیں، ان کے طریقہ کے بغیر بھی اللہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ نبوت سے بھی افضل کسی بات کا مدعی ہے اور کسی نے یہ دعویٰ داغ دیا کہ اسے یا اس کے شیخ یا اس کی واصل جماعت کو بزعم خویش توحید کی حقیقت کے ساتھ اتحاد اور حلولِ خاص حاصل ہے۔

بلاشبہ یہی نصاریٰ کا قول ہے، جو غالی تھے، اسی طرح یہ عبادت گزار غالی بھی ہیں، اسی طرح روافض میں بھی غلو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں فرقوں کے اکثر لوگ اپنے لیے یا اپنے مشائخ کے لیے الوہیت کے مدعی ہیں۔ جیسا کہ اکثر اسماعیلیہ اپنے بنی عبیدہ کے ائمہ کے لیے الٰہیت کے مدعی ہیں۔ ان کے غالی بارہ اماموں کے لیے یا دوسرے اہل بیت وغیرہ کے لیے الٰہیت کے مدعی ہیں جیسے نصیریہ وغیرہ۔

ایسا ہی کچھ حال کتاب و سنت سے خارج عبادت و ریاضت اور صوفیت والے بدعتیوں کا ہے۔ ان کا ایک غالی فرقہ الٰہیت کا اور نبوت سے فویق کا مدعی ہے اور اگر وہ کوئی فلسفی ہے تو وہ نبی کریم ﷺ کے بعد بھی نبی کے وجود کو ممکن مانتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جیسے زندقہ کی وجہ سے مارنا جانے والا سہروردی ❶ اور ابن سبعین ❷ وغیرہ، جو نبوت کے طالب بن بیٹھے تھے۔
بخلاف اس کے جو اللہ کی لائی شریعت کو مانتا ہے اور مانتا ہے کہ شریعت کے ظاہر کو بدلنے کی کوئی صورت نہیں۔ وہ ختم نبوت کا بھی قائل ہے لیکن ولایت ختم نہیں ہوئی۔ لیکن افسوس کہ وہ ولایت کی بات ایسی باتیں مانتا ہے جو نبوت سے بھی برتر ہیں اور وہ نبیوں اور رسولوں کو بھی حاصل نہیں اور یہ کہ نبی بھی ولایت سے مستفید ہوتے ہیں۔

پھر ان میں سے کوئی حلول اور اتحاد کا قائل ہے۔ اس باب میں بھی ان میں آگے دو قسم کے لوگ ہیں:

ا۔ ایک وہ ہے جو عام اور مطلق حلول اور اتحاد کا قائل ہے جیسے ابن عربی وغیرہ۔ یہ لوگ ولایت کو نبوت سے افضل مانتے ہیں جیسا کہ ابن عربی کا یہ شعر ہے:

''مقامِ نبوت برزخ میں ہے جو رسول سے اوپر ہے البتہ ولی سے اوپر نہیں۔'' ❸

ابن العربی ''الفصوص'' ❹ میں کہتے ہیں: ''یہ علم خاتم الانبیاء والرسل کا ہے جس کے چراغ سے ہر پیغمبر نے علم لیا ہے اور ہر ولی نے اسے خاتم الاولیاء کے چراغ سے لیا ہے، حتیٰ کہ اگر اس علم کو رسول دیکھ لیتے تو اسے صرف خاتم الاولیاء کے چراغ سے لیتے۔ کیونکہ نبوت و رسالت -یعنی تشریع و نبوت- دونوں ختم ہو چکے ہیں جبکہ ولایت کبھی ختم نہ ہو گی۔ پھر رسول

❶ یہ شہاب الدین ابوالفتوح یحییٰ بن حسن بن اُمیر ک سہروردی ہے۔ سہرورد میں ۵۴۹ھ میں پیدا ہوا۔ اپنے اشراقی فلسفہ میں شہرت پائی۔ ۵۸۷ میں حلب میں قتل ہوا۔ (دیکھیں: وفیات الاعیان: ۵/ ۳۱۲-۳۱۸، الاعلام: ۹/ ۱۶۹-۱۷۰)

❷ امام ابن تیمیہ اپنی کتاب "درء تعارض العقل و النقل" (۵/ ۲۲) میں لکھتے ہیں: ان میں سے ہر ایک نبوت و رسالت کا مدعی بن بیٹھا یا وہ چاہتا تھا کہ اس کی نبوت و رسالت کا معاملہ بے غبار ہو جائے۔ مگر تلوار سے ڈر لگتا ہے۔ جیسا کہ سہروردی مقتول نے کیا تھا کہ وہ کہا کرتا تھا کہ میں اس وقت تک نہ مروں گا جب تک میرے بارے میں یہ نہ کہہ دیا جائے: ''قم فانذر'' (اٹھو اور ڈراؤ) اور ابن سبعین کہا کرتا تھا کہ ابن آمنہ ﷺ (یعنی نبی کریم ﷺ) نے یہ فرما کر کہ ''لا نبی بعدی'' نبوت کے راستے کو بند کر دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ غارِ حراء ڈھونڈتا تھا تا کہ اس میں اس پر بھی وحی اترے۔ شیخ الاسلام کے اس قول پر میں یہ کہتا ہوں کہ ڈاکٹر محمد علی ابوریان نے سہروردی کی کتاب 'ھیاکل النور" (ص ۱۱) طبعۃ التجاریۃ القاہرۃ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب حلب کی جامع مسجد میں مناقشہ کے دوران علماء نے سہروردی سے پوچھا کہ کیا رب تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے بعد کسی نبی کی تخلیق پر قادر ہے؟ تو اس نے یہ جواب دیا کہ اس ذات کی قدرت کی کوئی حد نہیں۔''
اور دکتور ابوالوفاء تفتازانی اپنے مقالہ "ابن سبعین و حکیم الاشراق" (ص ۲۹٦) میں لکھتے ہیں: سہروردی کی "کتاب التذکاری" طبعۃ القاہرۃ، اسی طرح ابن سبعین کا معاملہ ہے کہ وہ 'بدالعارف'' میں اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ نبوت ایک ممنوعہ رتبہ ہے جس کی کسی بھی طرح طمع نہیں کی جا سکتی اگرچہ انسان کی طبیعت میں یا اس کی جنس کی طبیعت میں یہ بات ہے کہ اسے بھی نبوت ملے۔ کیونکہ انبیاء بشر ہی تو ہیں۔'' (دیکھیں: گزشتہ مذکورہ دونوں مراجع اور اصول الفلسفۃ الاشراقیۃ، ص: ۳۰٤-۳۱۲ لابی ریان، مقدمۃ کتاب حکمۃ الاشراق للسھروردی، ص: ۱۱-۱۲ طبع پیرس، ۱۹۵۲، کتاب التلویحات، ص: ۹۵-۱۱۳ طبع استنبول، ۱۹٤۵)

❸ مجھے یہ شعر نہیں ملا البتہ اس کے ہم معنی شعر ملا ہے جو یہ ہے: ''نبوت کا آسمان برزخ میں ہے جو ولی سے نیچے ہے اور رسول سے اوپر ہے۔'' (دیکھیں: لطائف الاسرار لابن عربیؒ ص: ٤۹ تحقیق احمد زکی طبع دار الفکر العربی)

❹ دیکھیں: فصوص الحکم: ۱/ ٦۲۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ولی ہونے کے اعتبار سے خاتم الاولیاء کے چراغ کی روشنی میں ہی دیکھتے ہیں، اگرچہ خاتم الاولیاء حکم میں خاتم الرسل کی لائی تشریع کے تابع ہوتا ہے۔ لیکن یہ امر خاتم الاولیاء کے مقام و مرتبہ میں قدح کا باعث نہیں ہوتا اور نہ یہ بات ہمارے بیان کردہ مذہب کے مناقض ہی ہے کیونکہ ولی ایک اعتبار سے پیغمبر سے فروتر ہوتا ہے تو دوسرے اعتبار سے برتر ہوتا ہے۔

ابن عربی آگے لکھتے ہیں: ''جب نبی کریم ﷺ نے نبوت کی اینٹوں سے بنی ایک دیوار کے ساتھ تمثیل دی ہے، جو مکمل ہو چکی ہے، البتہ اس میں ایک اینٹ کی جگہ باقی ہے اور وہ جگہ خود آپ ﷺ ہیں تو پھر خاتم الاولیاء کے لیے بھی یہ خواب ضروری ہے۔ چنانچہ وہ نبی کریم ﷺ کی دی مثال کو دیکھتا ہے اور خود کو دیکھتا ہے کہ وہ اس دیوار میں دو اینٹوں کی جگہ ہے اور ان دو اینٹوں کی جگہ میں وہ خود کو موزوں دیکھتا ہے، تب جا کر وہ دیوار پوری ہوتی ہے اور خود کو دو اینٹوں کی جگہ کے برابر دیکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس دیوار کی ایک اینٹ سونے کی تو دوسری چاندی کی ہے۔ چاندی کی اینٹ اس کا ظاہر اور قابل اتباع ظاہری احکام ہیں۔ جیسا کہ اس نے اللہ سے سری طور پر ظاہری صورت والے احکام لیے ہیں جن کی اتباع کی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ امر کو ظاہر پر سمجھتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ ان احکام کو اسی نگاہ سے دیکھے اور وہ باطن میں سونے کی اینٹ کی جگہ ہے کیونکہ وہ اس سرچشمہ سے لیتا ہے جس سے رسول کے پاس وحی لانے والا فرشتہ لیتا ہے۔''

ابن عربی آگے لکھتے ہیں: ''جس بات کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اگر تم اس کو سمجھ گئے ہو تو تمھیں علم نافع حاصل ہو گیا۔''

میں کہتا ہوں کہ ہم نے متعدد مقامات پر ان باطل مسائل و عقائد کا مفصل ردّ ذکر کیا ہے۔ وہاں ہم نے ان کے ضلال و خیال اور نفاق و زندقہ کو طشت از بام کیا ہے۔

غرض ان میں سے جو اتحادِ خاص کے قائل ہیں، وہ صراحۃً ان باتوں کا اقرار کرتے ہیں۔

رہے وہ لوگ جن کے پاس نصوصِ ظاہرہ کا علم ہے اور ان کے نزدیک یہ آراء و افکار اس ظاہر کے متناقض ہیں جن پر عامۃ المسلمین قائم ہیں، وہ ان باتوں کو باطل اور ناجائز سمجھتا ہے جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

پھر اگر وہ رسول ﷺ کی اور قرآن کی تعظیم کرنے والا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا لیکن اس نے ان باتوں کو ظاہر نہیں کیا کیونکہ کسی بشر کو ان کو ظاہر کرنا ممکن نہیں۔

اور اگر وہ رسول ﷺ کی تعظیم کرنے والا نہیں تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ رسول کی حد سے آگے بڑھ گیا ہے اور یہ وہ گمراہی ہے جو جاہلوں لوگوں سے قدیم سے ظاہر ہوتی چلی آ رہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سید الطائفہ قدس اللہ روحہ حضرت جنید بن محمد بغدادی رحمہ اللہ [1] جیسے عارفین سے جب توحید کے

[1] یہ ابو القاسم جنید بن محمد بن جنید بغدادی خزار ہیں۔ والد صاحب نہاوند سے تھے۔ آپ آئینہ فروش تھے اسے لیے آپ کو قواریری بھی کہا جاتا تھا۔ آپ امام الصوفیہ تھے اور سید الطائفہ کا لقب پایا کیونکہ آپ نے اپنے مذہب کو کتاب و سنت کے قواعد کے مطابق ضبط کیا تھا۔ بغداد میں ۲۷۹ھ میں یا ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔ (دیکھیں: طبقات الصوفية، ص: ۱۵۵-۱۶۳، صفة الصفوة: ۲/ ۲۳۵-۲۴۰، وفیات الاعیان: ۱/ ۳۲۳-۳۲۵) موصوف کی توحید سے متعلق یہ عبارت "الرسالة القشيرية" (۱/ ۲۴-۲۵) میں مذکور ہے اور آپ کی طرف منسوب ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ''توحید یہ حدوث کو قِدَم سے جدا کر دینے کا نام ہے۔'' کیونکہ موصوف عارف تھے اور وہ بعض لوگوں کو دیکھ رہے تھے کہ وہ اتحاد تک کے قائل ہوئے جا رہے ہیں اور انھیں قدیم اور حادث میں تمیز تک نہیں رہی اور بعض لوگ ''فنا فی التوحید الربوبیت'' میں جا پڑے تھے جو مامور امور محظور کے درمیان فرق کو ختم کر دیتی ہے۔ چنانچہ حضرت جنید نے انھیں ایک دوسرے ''فرق'' کی طرف دعوت دی اور وہ ہے توحید الٰہیت جو مامور اور محظور میں فرق کرتی ہے۔ سو کسی نے آپ کی موافقت کی تو کسی نے مخالفت اور کوئی آپ کے کلام کو سرے سے سمجھا ہی نہیں۔

امام موصوف کے بعض کلام کو ابو سعید الاعرابی ❶ نے "طبقات النساك" میں ذکر کیا ہے۔ اعرابی جنید بغدادی کے اصحاب میں سے ہے اور ابو طالب مکی کے شیخ تھے۔ حدیث وغیرہ کے عالم اور زاہدین اور اہل حقائق کے اموال کے زبردست عارف تھے۔

امام موصوف جنید بغدادی نے حادث و قدیم میں اور مامور اور محظور میں جو فرق بیان کیا ہے اس سے بے شمار صوفیہ کی گمراہی ختم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گمراہ صوفیاء حضرت جنید کی مذمت کرتے تھے جیسے ابن عربی وغیرہ۔ کیونکہ ابن عربی نے ''الاسراء الی المقام الاسری'' نامی ایک کتاب لکھی ہے جس کا موضوع حدیث نفس اور نفس میں پیدا ہونے والی شیطانی وساوس ہیں۔ ابن عربی نے ان وساوس اور حدیث نفس کو پیغمبروں کی معراج کی طرح معراج قرار دیا ہے۔ ❷ اس کتاب میں انھوں نے حضرت جنید اور دیگر مشائخ کی خوب عیب جوئی بیان کی ہے۔ چنانچہ حضرت جنید رحمہ اللہ کے اس قول کہ ''توحید یہ حادث کو قدیم سے جدا کرنے کا نام ہے'' پر طعنہ زنی کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''میں پوچھتا ہوں اے جنید! دو چیزوں کے درمیان فرق و تمیز وہی شے کرے گی جو ان دونوں سے خارج ہو، اب تم یا تو قدیم ہو یا پھر حادث، دونوں صورتوں میں تم ان دونوں باتوں میں کیونکر تمیز کرو گے؟''

لیکن یہ ابن اعرابی کی جہالت ہے کیونکہ دو چیزوں میں فرق وہ کرے گا جو جانتا ہے کہ یہ اس سے جدا ہے۔ اس میں یہ شرط نہیں کہ وہ فارق تیسرا ہی ہو، بلکہ ہر آدمی جانتا ہے کہ میں کسی بھی دوسرے کا غیر ہوں۔ حالانکہ اس کے باوجود وہ اس

❶ یہ ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد بن اعرابی ہیں۔ سن پیدائش ۲۴۶ھ ہے۔ اصحابِ جنید میں سے تھے۔ ابو الحسن النوری کے اصحاب میں بھی شمار کیے جاتے ہیں۔ ۳۴۱ھ میں وفات پائی۔ سزکین آپ کی کتاب "طبقات النساك" کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے: ابونعیم نے "حلية الاولياء" میں اور ذہبی نے "تذكرة الحفاظ" میں اس کتاب سے خوب استفادہ کیا ہے۔ (دیکھیں: القشيرية: ۱/ ۱۶۵، طبقات الصوفية، ص: ۴۲۷-۴۳۰، شذرات الذهب: ۲/ ۳۵۴-۳۵۵، الاعلام: ۱/ ۹۹)

❷ ابن عربی کا یہ قول ''الاسراء'' (ص ۹-۱۰) پر مرقوم ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ایک دفعہ میں تو سو رہا تھا البتہ میرے وجود کا سر کھڑا تہجد پڑھ رہا تھا کہ رسولِ توفیق براقِ اخلاص کے ساتھ میرے پاس آیا تاکہ مجھے سیدھا راستہ دکھائے۔ اس براق پر ''فوز'' کے غدے اور اخلاص کی لگامیں تھیں۔ اس نے میرے گھر کی چھت کھولی۔ پھر میرے بدن کو چیرنے پھاڑنے لگا۔ چنانچہ اس نے میرا سینہ سکینہ کی چھری کے ساتھ چاک کیا اور مجھے اکوان کے حرم سے لے کر پاکیزہ باغوں کو لے گیا۔ میں نے براق کو اس کے دروازے حلقے سے باندھا اور شراب اور دودھ کی نہروں کے پاس آیا اور پورے دودھ کی میراث کو پیا، البتہ شراب نہ پی کہ مبادا نشہ میں آ کر اپنا راز کھول بیٹھوں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرے کے ہوتے ہوئے خود تیسرا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ رب العزت اپنے اور اپنے غیر میں تمیز فرماتا ہے جبکہ وہاں کوئی تیسرا نہیں ہوتا۔

حضرت جنید اور دوسرے مشائخ عارفین نے جس شے کی مذمت بیان کی ہے اس میں بے شمار لوگ جا پڑے ہیں۔ حتیٰ کہ قرآن، تفسیر، حدیث اور آثار کے جاننے والے بھی اس سے بچ نہ سکے اور اللہ اور اس کے رسول کی ظاہر و باطن سے تعظیم کرنے والے سنت رسول سے محبت اور اس کا دفاع کرنے والے بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے اور قصد و عمد سے اس غلطی میں جا پڑے اور اسے توحید کی انتہاء سمجھتے رہے۔ جیسا کہ "منازل السائرین" ❶ کے مصنف نے باایں علم و سنت اور دین و معرفت کے یہ بات ذکر کی ہے۔ موصوف نے اس کتاب میں اچھی اور بری ہر طرح کی باتیں لکھ دی ہیں۔ لیکن موصوف نے بات ''توحید ربوبیت میں فنا'' پر جا کر ختم کی ہے۔ پھر اس توحید کے ذکر پر ختم کی ہے جو دراصل ''اتحاد'' کا عقیدہ ہی ہے۔ اسی لیے پہلے وہ کہتے ہیں: ''باب التوحید: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (آل عمران: ۱۸) ''اللہ نے گواہی دی کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

توحید: یہ رب تعالیٰ کو حدث سے پاک قرار دینا ہے۔'' آگے لکھتے ہیں: علماء نے جو کہا سو کہا، اور محققین نے اس طریق میں توحید کی تصحیح کے لیے اور اس کے دوسرے حال اور مقام کے بیان کے لیے جس بات کی طرف جو اشارہ کیا سو کیا، سو وہ ساری کی ساری باتیں علتوں پر مشتمل ہیں۔

آگے لکھتے ہیں: توحید تین قسم پر ہے:

۱۔ ایک وہ توحید جو عوام کی ہے۔ یہ شواہد کے ساتھ درست ہو جاتی ہے۔
۲۔ دوسری وہ توحید جو خواص کی ہے۔ یہ حقائق سے ثابت ہوتی ہے۔
۳۔ اور تیسری وہ توحید جو قِدَم کے ساتھ قائم ہے، یہ اخص الخواص کی توحید ہے۔

رہی توحید کی پہلی تو یہ لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك له الاحد الصمد کی شہادت دینا ہے کہ وہ یکتا، بے نیاز ہے نہ اس کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا ہم سر ہے۔ یہ وہ ظاہری اور جلی توحید ہے جو شرکِ اعظم کی نفی کرتی ہے، اسی پر قبلہ قائم ہے، اسی سے ذمہ واجب اور جان و مال محفوظ و مامون ہوتے ہیں۔ دار الاسلام اور دار الکفر میں فصل اسی توحید سے ہوتا ہے، عامۃ الناس کا دین و ملت اسی سے درست ہوتا ہے، گو انھیں حسن استدلال حاصل نہ بھی ہو، البتہ وہ شبہ، حیرت اور شک سے محفوظ ہوں اور یہ توحید ایسی سچی شہادت کے ساتھ ہو جس کی تصحیح دل کرتا ہو۔

یہ عوام کی وہ توحید ہے جو شواہد سے درست ہو جاتی ہے اور شواہد سے مراد رسالت ہے اور صنائع سمع ہے واجب

❶ اس کتاب کے مصنف ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد بن علی ہروی انصاری ہیں۔ شیخ الاسلام لقب تھا۔ ہرات میں اہل سنت کے امام تھے۔ اپنے تبحر علمی اور فصاحت و شرافت کی بنا پر خطیب العجم کہلاتے تھے۔ ۴۸۱ھ میں وفات پائی۔ (دیکھیں: طبقات الحنابلة: ۲/ ۲۴۷-۲۴۸، الاعلام: ٤/ ۲٦۷، تذکرة الحفاظ: ۳/ ۱۱۸۳-۱۱۹۰، معجم المولفین: ٦/ ۱۳۳-۱۳٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں اور یہ توحید تبصرِ حق سے پائی جاتی ہے اور اس میں شواہد کے مشاہدہ سے بڑھ ہوتری آتی ہے۔

موصوف آگے لکھتے ہیں: رہی توحید کی دوسری قسم جو حقائق سے ثابت ہوتی ہے تو وہ خواص کی توحید ہے۔ یہ اسبابِ ظاہرہ کا اسقاط اور عقلی نزاعات سے اور شواہد کے ساتھ تعلق سے بلند تر ہو جاتا ہے۔ اس میں نہ تو توحید کی کوئی دلیل پیش کی جاتی ہے اور نہ توکل کا کوئی سبب اختیار کیا جاتا ہے اور نہ نجات کے لیے کسی وسیلہ کو ہی اپنایا جاتا ہے۔ اس میں آدمی صرف مشاہدہ کرنے والا ہوتا ہے جبکہ حق اس کے حکم و علم سے اور اشیاء کو ان کے مواقع پر رکھنے سے سابق ہوتا ہے، چنانچہ کبھی تو وہ اشیاء سے تعلق اختیار کرتا ہے اور کبھی انھیں ان کے نقوش میں چھپاتا ہے۔ وہ علل کی معرفت کو ثابت کرتا ہے اور حدث کے اسقاط کی راہ چلتا ہے۔ یہ خواص کی وہ توحدی ہے جو علم فناء کے ساتھ صحیح ہوتی ہے اور علم جمع میں اور نکھرتی ہے اور اربابِ جمع کی توحید کی طرف کھینچتی ہے۔

آگے لکھتے ہیں: رہی تیسری قسم کی توحید تو اسے حق تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ خاص کر لیا ہے اور وہ اپنی قدرت کی بنا پر اس کا مستحق بھی ہے اور اس میں سے اپنی پسندیدہ جماعت کے اسرار کی طرف ایک گونہ توحید کو ظاہر کیا ہے اور انھیں اس کی صفت کے بیان سے گنگ کر دیا ہے اور اس کے پھیلانے سے انھیں عاجز کر دیا ہے۔ یہی وہ حدیث ہے جو ''اسقاطِ حدث'' اور ''اثباتِ قِدَم'' کے الفاظ کے ساتھ خواص کی زبانوں پر اشارۃً موجود ہے۔ باوجودیکہ اس توحید میں یہ رمز ایک علت ہے اور یہ توحید اس علت کے اسقاط کے بغیر صحیح نہ ہوگی۔

یہ اس طریق کے علماء کی زبانوں پر اس توحید کی طرف اشارہ کرنے کا مدار و محور ہے۔ اگرچہ وہ اس کی خوب خوب تعریف بیان کریں اور اس کی فصلیں ذکر کریں، مگر عبارت و صراحت اس توحید کو اور زیادہ خفاء میں لے جاتی ہے اور بیان وصف سے نفور اور بڑھتا ہے۔ اس میں بسط و تفصیل زیادہ دشوار ہے۔ احوال و ریاضت والوں نے اسی توحید پر نگاہ جما رکھی ہے۔ اہل تعظیم کا قصد اسی توحید کی طرف ہے۔ عین جمع میں یہی متکلمین کا مطمح نظر ہے۔ اس پر اشارات جا کر فنا ہو جاتے ہیں۔ پھر زبان اسے بیان نہیں کر پاتی۔ کوئی عبارت اس کی طرف اشارہ کی اہل نہیں رہتی۔ کہ یہ توحید اس سے ماوراء ہو جاتی ہے کوئی مکوَّن اس کی طرف اشارہ یا کوئی خبر اسے لے یا کوئی سبب اس کا تحمل کرے۔

آگے لکھتے ہیں: ماضی میں ایک سائل نے مجھ سے جب توحید صوفیت کے بارے میں پوچھا تھا تو میں نے اسے ان تین قوافی میں جواب دیا تھا:

۱۔ یہ وہ توحید ہے جو اللہ واحد کو ہر ایک سے جدا کرے، کیونکہ اسے ایک کہنے والا ہر ایک (ہر دوسری شے سے) انکار کرنے والا ہے۔

۲۔ اس کی نعت بیان کرنے والے کی توحید عارضی ہے جسے واحد باطل کر دیتا ہے۔

۳۔ بندے کی اس کی توحید بیان کرنا اس کی توحید ہے اور اس کی نعت بیان کرنے والا دراصل طعن کرنے والا ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے متعدد مقامات پر ہروی اور اس جیسے لوگوں پر مفصل کلام کیا ہے البتہ ہم یہاں موقع کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مناسبت سے ایک بات پر تنبیہ بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ:

پہلی قسم کی توجیہ جسے ہروی نے ذکر کیا ہے۔ یہ انبیاء اور رسولوں کی لائی ہوئی توحید ہے۔ اسی کو لے کر آسمانی کتابیں اتری ہیں۔ اسی توحید کے ساتھ رب تعالیٰ نے اولین و آخرین کے رسولوں کو مبعوث فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاسْاَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ﴾ (الزخرف: ٤٥)

''اوران سے پوچھ جنھیں ہم نے تجھ سے پہلے اپنے رسولوں میں سے بھیجا، کیا ہم نے رحمان کے سوا کوئی معبود بنائے ہیں، جن کی عبادت کی جائے؟''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ﴾ (النحل: ٣٦)

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو، پھر ان میں سے کچھ وہ تھے جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر گمراہی ثابت ہوگئی۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (الانبیاء: ٢٥)

''اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو۔''

رب تعالیٰ پر رسول جیسے حضرت نوح، ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام وغیرہ کے بارے میں اس بات کی خبر دی ہے کہ انھوں نے اپنی اپنی قوم سے یہ کہا تھا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے کوئی تمھارا کوئی معبود نہیں۔ یہی سب سے پہلے رسول کی دعوت تھی تو یہی خاتم الانبیاء و الرسل علیہم السلام کی بھی دعوت تھی۔ ایک صحیح اور مشہور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کرتا رہوں۔ یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس جب وہ یہ شہادت دے لیں گے تو انھوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو مجھ سے محفوظ کر لیا مگر ان کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔'' [1]

اور فرمایا: ''جو اس حال میں مر گیا کہ وہ اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ جنت میں

[1] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

داخل ہوگا۔'' ❶

اور فرمایا: ''جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' ❷

پورا قرآن اس توحید کی تحقیق سے اور اس کی طرف دعوت دینے سے معمور ہے اور بتلاتا ہے کہ نجات و فلاح اسی توحید پر منحصر ہے اور اخروی سعادت اسی توحید سے ملے گی اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ اس توحید کی تحقیق میں لوگ باہم متفاضل ہیں۔ اس توحید کی حقیقت پورے دین کو خالص اللہ کے لیے کرنا ہے۔ اسی توحید میں فنا ہونا بقا سے ملا ہوا ہے وہ یہ کہ تو اپنے دل میں الٰہیت حق کو ثابت کرے اور ماسوا کی الٰہیت کی نفی کرے۔ یوں تو اپنے دل میں نفی اور اثبات کو جمع کرے اور کہے لا الہ الا اللہ۔ پس نفی یہ فنا ہے اور اثبات یہ بقاء ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو اس کی عبادت کے ذریعے اس کے ماسوا کی نفی کرے اور اس کی محبت سے ماسوا کی محبت کی نفی کرے، اس سے پناہ مانگ کر اس کے ماسوا سے استعاذہ کی نفی کرے، اس سے ڈر کر ماسوا کے ڈر کی نفی کرے، اس کی طاعت سے ماسوا کی طاعت کی نفی کرے۔ اسے موالات کر کے ماسوا سے موالات کی نفی کرے۔

اسی طرح اس سے سوال کر کے ماسوا سے سوال کرنے کی، اس پر توکل کر کے ماسوا پر توکل کرنے کی خود کو اس کے سپرد کر کے ماسوا کی طرف تفویض کی، اس کی طرف انابت کر کے ماسوا کی طرف انابت کی، اسے حاکم بنا کر ماسوا کو حاکم بنانے کی اور اسی کے آگے اپنے جھگڑے پیش کر کے ماسوا کی طرف جھگڑا لے جانے کی نفی کرے۔

صحیحین میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تہجد میں جب نماز کو کھڑے ہوتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ تکبیر کہنے کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((اَللّٰھُم لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ ، لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ ، وَقولُكَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ ، وَالنَّارُ حَقٌّ ، وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ ، وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ ، وَ السَّاعَةُ حَقٌّ۔اَللّٰھُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ ، وَبِكَ اٰمَنْتُ ، وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ ، وَبِكَ خَاصَمْتُ ، وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا يغفر الذنوب اِلَّا اَنْتَ))

[بخاری 568، مسلم: 769]

''اے اللہ! سب تعریف تیری ہی ہے، تو زمین اور آسمانوں کو اور جو ان میں ہے ان کو تھامنے والا ہے اور سب تعریف تیری ہی ہے تو آسمانوں اور زمین کا اور جو ان میں ہے ان سب کا نور ہے، سب تعریف تیری ہی ہے تو حق ہے، تیری بات حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیری ملاقات حق ہے، جنت حق ہے، جہنم حق ہے، انبیاء حق

❶ صحیح مسلم: ١/ ٥٥۔ مسند احمد: ١/ ٣٧٦ طبعة المعارف۔

❷ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں، محمد ﷺ حق ہیں، اے اللہ! میں نے خود کو تیرے سپرد کیا، تجھ پر ایمان لایا، تجھ پر بھروسا کیا اور تیری طرف رجوع ہوا اور تیری مدد سے جھگڑا اور تیری طرف فیصلہ لے گیا، پس تو مجھے بخش دے کہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں ہے۔'' [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ یُطْعِمُ وَ لَا یُطْعَمُ﴾ (الانعام ١٤)

''کہہ دے کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوست بناؤں جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے، حالانکہ وہ کھلاتا ہے اور اسے نہیں کھلایا جاتا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا﴾ (الانعام: ١١٤)

''تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور منصف تلاش کروں، حالانکہ اسی نے تمھاری طرف یہ کتاب مفصل نازل کی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْۤ اَعْبُدُ اَیُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝﴾ (الزمر: ٦٤-٦٦)

''کہہ دے پھر کیا تم مجھے غیر اللہ کے بارے میں حکم دیتے ہو کہ میں (ان کی) عبادت کروں اے جاہلو! اور بلاشبہ یقیناً تیری طرف وحی کی گئی اور ان لوگوں کی طرف بھی جو تجھ سے پہلے تھے کہ بلاشبہ اگر تو نے شریک ٹھہرایا تو یقیناً تیرا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا اور تو ضرور بالضرور خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائے گا۔ بلکہ اللہ ہی کی پھر عبادت کر اور شکر کرنے والوں سے ہو جا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا﴾ (الانعام: ١٦١-١٦٤)

---

[1] صحیح البخاری: ٢/ ٤٨-٤٩۔ صحیح مسلم: ١/ ٥٣٢-٥٣٤۔ یہ حدیث سنن ابی داود، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی اور الموطا میں بھی ہے۔ مسند احمد: ٤/ ٢٤٩-٢٥٠ طبعۃ المعارف۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

’’کہہ دے بے شک مجھے تو میرے رب نے سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر دی ہے، جو مضبوط دین ہے، ابراہیم کی ملت، جو ایک ہی طرف کا تھا اور مشرکوں سے نہ تھا۔ کہہ دے بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے، جو جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔ کہہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی رب تلاش کرو، حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔ اور کوئی جان کمائی نہیں کرتی مگر اپنے آپ پر۔‘‘

[قرآن اور توحید کا بیان:]

قرآن کریم میں یہ توحید کثرت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ یہ توحید دین کا اول و آخر اور اس کا ظاہر و باطن ہے پھر اس توحید کی سب سے اونچی چوٹ اولوالعزم رسولوں کو پھر رب تعالیٰ کے دو خلیلوں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ متعدد طرق سے ایک صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ’’رب تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔‘‘ [1]

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل رسول سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ’’خیر البریہ‘‘ کے بارے میں فرمایا کہ ’’وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں‘‘ اور آپ ہی وہ امام ہیں جنھیں رب تعالیٰ نے امام بنایا اور انھیں ’’امت‘‘ قرار دیا اور امت وہ قدوہ ہے جس کی پیروی کی جاتی ہے۔ کیونکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس توحید کو ثابت کیا تھا۔ آپ کی ملت حنیفیت تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ

[1] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ یہ حدیث حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ صحیح مسلم میں اس حدیث کی عبارت یہ ہے: ’’میں رب تعالیٰ کی طرف اس بات سے بری ہوتا ہوں کہ میرا تم میں سے کوئی خلیل ہو، بے شک اللہ نے مجھے خلیل بنایا ہے جیسا کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور اگر میں کسی کو اپنی امت میں سے خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ خبردار تم سے پہلوں نے اپنے پیغمبروں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجد بنالیا تھا۔ خبردار تم لوگ قبروں کو مسجد نہ بنانا۔ میں تمھیں اس بات سے منع کرتا ہوں۔‘‘

سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فی فضائل اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، فضل العباس رضی اللہ عنہ: ۱/ ۵۰ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کی عبارت یہ ہے: ’’رب تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا ہے جیسے کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ پس قیامت کے دن جنت میں میری اور ابراہیم علیہ السلام کی منزلیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گی۔ جبکہ عباس ہم دونوں کے درمیان، دو خلیلوں کے درمیان ایک مومن ہوگے۔

البتہ ’’الزوائد‘‘ میں اس حدیث پر جو حاشیہ ہے، وہ بتلاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع ہے۔ علامہ البانی نے اس حدیث کے بارے میں یوں ہی کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ (دیکھیں: ضعيف الجامع الصغير: ۲/ ۶۶)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

شَيْءٍ رَبَّنَآ عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ٥ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَآ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ٥ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ (الممتحنة: ٤-٦)

''یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے ایک اچھا نمونہ تھا، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم تم سے اور ان تمام چیزوں سے بری ہیں جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم تمھیں نہیں مانتے اور ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا، یہاں تک کہ تم اس اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ، مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے کہنا (تمھارے لیے نمونہ نہیں) کہ بے شک میں تیرے لیے بخشش کی دعا ضرور کروں گا اور میں تیرے لیے اللہ سے کسی چیز (کے دلوانے) کا مالک نہیں ہوں، اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر بھروسا کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں ان لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنا جنھوں نے کفر کیا اور ہمیں بخش دے اے ہمارے رب! یقیناً تو ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ بلا شبہ یقیناً تمھارے لیے ان میں اچھا نمونہ تھا، اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ٥ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ٥ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ٥﴾ (الزخرف: ٢٦-٢٨)

''اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا بیشک میں ان سے بالکل بری ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ سوائے اس کے جس نے مجھے پیدا کیا، بے شک وہ مجھے ضرور راستہ دکھائے گا۔ اور اس نے اس (توحید کی بات) کو اپنے پچھلوں میں باقی رہنے والی بات بنا دیا، تاکہ وہ رجوع کریں۔''

اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ فرماتے ہیں:

﴿يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ٥ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ٥ وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ٥ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ٥ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ٥ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ٥﴾ (الانعام: ٧٨-٨٣)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

’’اے میری قوم! بے شک میں اس سے بری ہوں جو تم شریک بناتے ہو۔ بے شک میں نے اپنا چہرہ اس کی طرف متوجہ کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، ایک (اللہ کی) طرف ہو کر اور میں مشرکوں سے نہیں۔ اور اس کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا، اس نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو، حالانکہ یقیناً اس نے مجھے ہدایت دی ہے اور میں اس سے نہیں ڈرتا جسے تم اس کے ساتھ شریک بناتے ہو، مگر یہ کہ میرا رب کچھ چاہے، میرے رب نے ہر چیز کا احاطہ علم سے کر رکھا ہے، تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اور میں اس سے کیسے ڈروں جسے تم نے شریک بنایا ہے، حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ بے شک تم نے اللہ کے ساتھ اس کو شریک بنایا ہے جس کی کوئی دلیل اس نے تم پر نہیں اتاری، تو دونوں گروہوں میں سے امن کا زیادہ حق دار کون ہے، اگر تم جانتے ہو۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلے میں دی، ہم درجوں میں بلند کرتے ہیں جسے چاہتے ہیں۔ بے شک تیرا رب کمال حکمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَالَ اَفَرَاَیْتُمْ مَا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَo اَنْتُمْ وَ آبَاؤُکُمُ الْاَقْدَمُوْنَo فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَo﴾ (الشعراء: ۷۵-۷۷)

’’کہا تو کیا تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے۔ تم اور تمھارے پہلے باپ دادا۔ سو بلاشبہ وہ میرے دشمن ہیں، سوائے رب العالمین کے۔‘‘

خلیل وہ ہوتا ہے جس کے دل میں اپنے دوست کی محبت گھر کر گئی ہو اور وہاں کسی اور کی محبت کا گزر نہ ہو، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

قَدْ تَخَلَّلْتَ مَسْلَكَ الرُّوْحِ مِنِّیْ
وَبِذَا سُمِّيَ الْخَلِیْلُ خَلِیْلًا

’’وہ میری روح کی گزرنے کی جگہ میں جا گھسی ہے اور اسی لیے خلیل کو خلیل کہتے ہیں۔‘‘

ایک قول یہ ہے کہ لفظ خلیل الخلة سے مشتق ہے، جس کا معنی فقر ہے۔ لہٰذا خلیل کا معنی فقیر ہوگا۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

وَاِنْ اَتَاهُ خَلِیْلٌ یَوْمَ مَسْغَبَةٍ
یَقُوْلُ لَا غَائِبٌ مَالِیْ وَلَا حَرَامٌ

’’اگر میرے ممدوح کے پاس قحط اور فاقہ کے دن کوئی فقیر آ جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ آج نہ تو میرا مال

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

غیر موجود ہے اور نہ حرام ہی ہے۔''

لیکن درست یہ ہے کہ لفظ الخُلّة سے مشتق ہے نا کہ اَلْخَلّة سے۔ البتہ یہ معنی دوسرے معنی کو مستلزم ہے، کیونکہ سیدنا خلیل علیہ السلام کی رب تعالیٰ سے محبت کا کمال، یہ عبودیت اور افتقار کی محبت ہے اور یہ رب کی اپنے بندے سے محبت کی طرح نہیں ہے کہ وہ استغنا اور احسان کی محبت ہوتی ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا۠﴾ (الاسراء: ۱۱۱)

''اور کہہ دے سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے نہ کوئی اولاد بنائی ہے اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ عاجز ہو جانے کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کی بڑائی بیان کر، خوب بڑائی بیان کرنا۔''

پس رب اپنے بندے کا عاجزی کی بنا پر دوست نہیں ہوتا جیسا کہ مخلوق ایک دوسرے کی دوست ہوتی ہے۔ بلکہ رب تعالیٰ اپنے بندے کا اس لیے دوست ہوتا ہے تاکہ اس کے ساتھ احسان کرے۔

[ولی کا معنی:]

الولی: یہ ولایت سے مشتق ہے اور ولایت یہ عداوت کی ضد ہے اور ولایت کی اصل محبت ہے اور عداوت کی اصل بغض ہے۔ لہٰذا ولی کو اس ولی سے مشتق ماننا جس کا معنی قرب ہے، تو یہ ولی کے معنی کا ایک جز ہوگا۔ کیونکہ ولی ولی کے قریب ہوتا ہے جبکہ دشمن دشمن سے دور ہوتا ہے۔ تو جب خلت یہ پورے دل میں محبت کے کمال کو مستلزم تھی تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ مناسب نہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سے کسی کو خلیل بناتے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن تمھارا (یہ) ساتھی (یعنی خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے خلیل ہیں۔

اسی لیے رب تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اس بات سے امتحان لیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر کے دکھائیں اور صحیح قول ہے مطابق ذبیح سیدنا ابراہیم کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جیسا کہ سورۂ ''صافات'' اور دوسری سورتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے اس بات کی دعا مانگی تھی کہ وہ آپ کو ایک نیک بیٹا عطا فرمائے تو رب تعالیٰ نے آپ کو اس بات کی خوش خبری دی کہ وہ آپ کو ایک نیک اور حلیم بیٹا عطا فرمائے گا، پس جب وہ بڑے ہو کر آپ کے ساتھ چلنے اور دوڑنے لگے تو رب تعالیٰ نے ان کو ذبح کر دینے کا حکم ارشاد فرمایا تاکہ آپ کے دل میں کسی بھی مخلوق کی ایسی محبت باقی نہ رہے جو رب تعالیٰ کی محبت کے مزاحم ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ان کے پہلونٹھے بیٹے کی قربانی مانگی تھی۔

تورات میں بھی اسی طرح ارشاد ہے: ''اپنے اکلوتے بچے کو ذبح کر۔'' ایک اور نسخہ میں ''پہلونٹھا'' کا لفظ بھی آتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔لیکن تحریف کرنے والوں نے ''اسحاق'' کے لفظ کو ساتھ ملا دیا جو باطل ہے کیونکہ مسلمانوں اور اہل کتاب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ''اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے ہیں، نہ تو وہ آپ کے اکلوتے بیٹے تھے اور نہ پہلوٹھے ہی تھے۔اکلوتے اور پہلونٹے تو جناب اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔

یہی وجہ ہے کہ رب تعالیٰ قرآن کریم میں ذبیح کے قصہ کو ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ۝﴾ (الصافات: ۱۱۲)

''اور ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی، جو نبی ہوگا، صالح لوگوں سے (ہوگا)۔''

اور ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِإِسْحٰقَ وَ مِنْ وَّرَآءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ۝﴾ (ھود: ۷۱)

''تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔''

بھلا یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ رب تعالیٰ پہلے ایک بیٹے کی خوش خبری دیں، پھر اسے ذبح کرنے کا حکم بھی دیں؟ سیدنا اسحاق علیہ السلام کی بشارت سیدہ سارہ علیہا السلام کے لیے تھی۔انھیں جناب اسماعیل علیہ السلام کے جننے پر سیدہ ہاجر علیہا السلام پر بے پناہ غیرت آتی تھی۔اس پر رب تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کا حکم ارشاد فرمایا کہ وہ جنابِ اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو لے کر مکہ چلے جائیں۔پھر جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمان آئے جو کہ فرشتے تھے، تو انھوں نے آپ کو جنابِ اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی۔بھلا رب تعالیٰ آپ کو جنابِ اسماعیل کو باقی رکھتے ہوئے جناب اسحاق علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم کیونکر فرما سکتے ہیں؟ کہ سیدنا سارہ علیہا السلام صرف اسماعیل علیہ السلام کو برداشت نہ فرماتی تھیں بلکہ انھیں دوسری عورت سے جناب ابراہیم علیہ السلام کا بیٹا ہونے پر غیرت آتی تھی، بھلا وہ اس بات کو کیونکر برداشت فرماتیں کہ ان کا بیٹا تو ذبح کر دیا جائے اور سوکن کا بیٹا زندہ اور باقی رہے؟ اور رب تعالیٰ جنابِ ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسا بیٹا ذبح کرنے کا حکم کیونکر فرما سکتے ہیں جس کی والدہ کو اس بیٹے کی بھی خوش خبری مرحمت فرمائی اور آگے اس بیٹے کی بھی اولاد -یعقوب علیہ السلام- ہونے کی خوش خبری بھی سنائی؟

پھر ذبح کا یہ حکم مکہ میں پورا کرنے کا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کعبہ میں اس مینڈھے کے دونوں سینگ دیکھے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے دربان سے ارشاد فرمایا: ''میں نے کعبہ میں مینڈھے کے دو سینگ دیکھے ہیں، سو تو ان دونوں سینگوں کو چھپا دے کیونکہ کعبہ میں ایسی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے جو نمازی کی توجہ کو بٹائے (اور ہٹائے)۔'' [1]

قرآن کریم کی اس بات پر نص ہے کہ کعبہ کو تعمیر کرنے والے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہیں۔جبکہ اس

---

[1] سنن ابی داود: ۲/ ۲۸۹-۲۹۰۔ معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ یہ حدیث ''مسند احمد'' (۴/ ۶۸) طبعۃ الحلبی میں بھی وارد ہے۔علامہ سیوطی ''الجامع الکبیر'' (۱/ ۳۱۶) میں حدیث روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مسند احمد، الجنان لضیاء مقدسی اور سنن بیہقی میں بنی سلیم کی ایک عورت کے واسطے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

وقت جناب اسحاق علیہ السلام شام میں تھے۔ ذبح کا حکم دینے سے مقصود یہ تھا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے دل میں غیر اللہ کی محبت بالکل باقی نہ رہے اور یہ حکم اس وقت تھا جب جناب ابراہیم علیہ السلام کا ایک ہی بیٹا تھا۔ پھر جب آپ کے دو بیٹے ہو گئے تھے تو یہ مقصود تبھی حاصل ہوسکتا تھا جب آپ کو دونوں کے بیک وقت ذبح کرنے کا حکم دیا جاتا۔ لہٰذا جو بھی جناب اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا قائل ہے وہ دراصل محرفین کتاب اللہ یہود کا خوشہ چین ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے بھی انھیں محرف قرار دیا ہے۔ ہم نے ایک مستقل رسالہ میں اس مسئلہ کو پوری شرح وبسط کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔

غرض اس مقام پر ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے یہ دونوں خلیل حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام توحید کے اعتبار سے اخص الخواص سے بھی اکمل ترین تھے۔ لہٰذا یہ بات جائز نہ ہوگی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں کوئی فردِ بشر ایسا بھی ہو جو کسی بھی پیغمبر سے زیادہ کام توحید والا ہو، چہ جائیکہ رسولوں، پھر ان میں سے بھی اولوالعزم پیغمبروں سے حتیٰ کہ خلیلین علیہما السلام سے بھی زیادہ کامل توحید والا ہو۔

حضرات خلیلین علیہما السلام کی توحید کا کمال یہ الوہیت کے صرف ایک اکیلے اللہ کے لیے ثابت کرنے سے تھا اور یہ توحید یہ ہے کہ دل میں غیر اللہ کے لیے سرے سے کچھ بھی باقی نہ رہے بلکہ بندہ ہر شے میں رب تعالیٰ کا دوست ہو، اس کے محبوب میں فنا اور اس کے مبغوض سے نفور اور اس کی رضا میں راضی ہو۔ اس کی ناراضی سے ناراض ہو اور وہی امر کرے جو اللہ کرے اور اسی سے روکے جس سے اللہ روکے۔

[خواص کی توحید اور فنا پر بحث:]

رہی دوسری قسم کی توحید جس کا نام موصوف نے ''خواص کی توحید'' رکھا ہے تو یہ توحید ربوبیت میں فنا ہونا ہے کہ بندہ اس بات کی شہادت دے کہ وہ اللہ اپنے ماسوا ہر شے کا رب ہے اور وہ اکیلا ہی ہر شے کا رب اور اس کا مالک ہے اور ''**فنا**'' جب یہ توحید الوہیت میں ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قلب پر اپنے معبود کا شہود، اس کی محبت اور اس ذکر غالب اور چھایا ہوا ہو، حتی کہ وہ کسی دوسری چیز کو محسوس نہ کرے۔ اور رب تعالیٰ نے جو اسباب اور حکمتیں ثابت فرمائی ہیں؛ ان کا اسے علم بھی ہو۔ اور وہ امر و نہی کے ساتھ ایک اکیلے اللہ کی بلاشرکت غیرے عبادت کرے۔ لیکن اس کے دل پر اللہ واحد کا شہود غالب ہو، جیسا کہ کہتے ہیں کہ: ''وہ اس کی موجودگی میں خود اپنے وجود سے، اور اپنے معبود کے ہوتے ہوئے اس کی عبادت سے اور اس کے مذکور کے ہوتے ہوئے، اس کے ذکر سے اور اس کے معروف کے ہوتے ہوئے اپنی معرفت سے بے خبر ہو گیا۔

جیسے کہا جاتا ہے کہ ایک آدمی کو دوسرے سے محبت تھی، ایک دوسرا محبوب دریا میں گر گیا تو محبّ نے بھی خود کو اس کے پیچھے دریا میں گرا لیا۔ اس پر محبوب نے پوچھا: میں تو اتفاقاً گرا تھا؛ بھلا تم نے خود کو کیوں گرا لیا؟ اس پر اس محبّ نے کہا: ''تمھاری وجہ سے میں خود سے غائب ہو گیا، تو میں نے یہ گمان کیا کہ تو ''میں'' ہے۔

ایسی فنا والے پر جب یہ کیفیت غالب آ جاتی ہے تو وہ معذور کہلاتا ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کے ذکر کے غلبہ کی وجہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوسری باتوں کے شعور سے وہ عاجز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حق کو سن کر مرنے یا بے ہوش ہو جانے والا معذور ہوتا ہے۔ جیسا کہ سدینا موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر رب تعالیٰ کی تجلی دیکھ کر بے ہوش ہو گئے تھے۔

البتہ یہ حال نہ تو ہر سالک کی غایت ہے اور نہ ہر سالک کو لازم ہے جیسے بعض لوگوں کا گمان ہے کہ ایسا ہر سالک کو لازم ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں۔ چنانچہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور سابقین اولین افضل ہیں لیکن یہ فنا ان حضرات میں سے کسی کو بھی لاحق نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ قرآن سنتے وقت نہ تو کسی کو موت کا حادثہ پیش آیا اور نہ وہ بے ہوش ہوا۔ یہ بے ہوشی وغیرہ تابعین میں شروع ہوئی تھی اور ان میں سے بھی بالخصوص بصریوں میں۔

بعض لوگوں نے اسے سیر عارفین کا منتہی اور غایت قرار دیا ہے۔ یہ ماقبل مذکورہ مؤقف سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ ابو یزید بسطامی ❶ کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے: ''(اس) جبہ میں صرف اللہ ہے'' اور یہ کہ ''بھلا ابو یزید کہا ہے؟ میں اتنے اتنے برسوں سے اسے تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔ ❷ تو علماء نے ان اقوال کو اسی باب سے قرار دیا ہے۔ اسی لیے ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب وہ ہوش میں آتے تھے تو ان باتوں پر انکار کرتے تھے۔

بلاشبہ یہ اور اس جیسی دیگر باتیں کفر ہیں۔ البتہ اگر کسی سبب سے عقل جاتی رہے تو آدمی ایسی باتوں میں معذور گردانا جاتا ہے۔ جیسے نیند اور بے ہوشی میں عقل زائل ہو جایا کرتی ہے اور غیر مکلّف ہونے کی حالت پر آدمی کا مواخذہ نہیں ہوا کرتا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ایسی باتیں عقل و تمیز کے کمزور ہونے کی وجہ سے صادر ہوتی ہیں۔

---

❶ یہ ابو یزید طیفور بن عیسی بسطامی ہیں جو ''بایزید'' کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے دور کے مشہور صوفی، متعدد و کثیر شطحیات کے مالک۔ زرکلی کہتے ہیں: بعض مستشرقین کا قول ہے کہ بایزید وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ آپ کے متوسلین طیفوریہ یا بسطامیہ کہلاتے تھے۔ سن پیدائش ۱۸۸ھ اور سن وفات ۲۶۱ھ ہے۔ (دیکھیں: طبقات الصوفية، ص: ٦٧-٧٤۔ الطبقات الكبرى: ١/ ٦٥-٦٦، صفة الصفوة: ٤/ ٨٩-٩٤۔ شذرات الذهب: ٢/ ١٤٣-١٤٤)

❷ دکتور عبدالرحمان بدوی نے اپنی کتاب ''شطحات الصوفیۃ'' میں بایزید بسطامی کے متعدد شطحات کو ذکر کیا ہے اور ''النور من کلمات ابی طیفور'' نامی رسالہ کو اس میں شائع کیا ہے جو سہلجی کی طرف منسوب ہے۔ مجھے اس رسالہ میں یہ عبارت مذکور ملی ہے کہ ذی النون کے اصحاب میں سے ایک صاحب بایزید کے پاس آئے تو انھوں نے پوچھا: کسے تلاش کرتے ہو؟ اس نے کہا: ابو یزید کو۔ تو کہنے لگے: اے نوجوان! میں خود انھیں چالیس برس سے ڈھونڈ رہا ہوں۔'' اس آدمی نے لوٹ کر جب ذاالنون کو یہ بات سنائی تو وہ غش کھا کر گر پڑے۔'' یہ عبارت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مذکورہ دوسری عبارت کے قریب قریب ہے۔ رہی پہلی عبارت تو وہ مجھے نہیں ملی۔ غالب یہ ہے کہ یہ منصور حلاج کی طرف منسوب عبارت ہے۔ (دیکھیں: المدخل الى التصوف الاسلامى للدكتور ابى الوفاء التفتازانى، ص: ١٢٩، طبعة دار الثقافة، القاهرة: ١٩٧٩) البتہ خود بایزید کی بھی ایسی ملتی جلتی عبارتیں ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بری عبارتیں ہیں۔ جیسے بایزید کا یہ قول ''سبحانی ما اعظم سلطانی'' (میں پاک ہوں اور میری حکومت کتنی عظیم ہے۔) (شطحات، ص: ١١١) اور جب ایک آدمی نے جب ان کے پاس یہ آیت تلاوت کی ''ان بطش ربك لشديد'' (بے شک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے) تو کہنے لگے: رب تعالیٰ کی حیات کی قسم! میری پکڑ اللہ کی پکڑ سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (شطحات، ص: ١١١) اسی طرح بایزید کا یہ قول بھی ہے: ''میں ایک مرتبہ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا پس جب میں اس تک پہنچا تو کیا دیکھا کہ وہ تو میرا طواف کر رہا ہے۔'' (شطحات، ص: ١٠٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہی وہ فنا جسے صاحب ''المنازل'' نے ذکر کیا ہے؛ تو وہ توحید ربوبیت میں فنا ہے نا کہ توحید الوہیت میں۔ موصوف اسباب وحکمتوں کی نفی کے ساتھ توحید ربوبیت کو ثابت کرتے ہیں۔ جیسا کہ قدریہ مجبرہ میں سے جہم بن صفوان اور اس کے پیروکاروں کا اور اشعری وغیرہ کا قول ہے۔ اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ اگرچہ صفات باری تعالیٰ کے بارے میں جہمیہ کے سب سے زیادہ مخالف تھے؛ چنانچہ انھوں نے ''الفاروق فی الفرق بین المثبتة و االمعطلة'' ❶ اور ''تکفیر الجھمیة'' ❷ اور ''ذم الکلام و اھله'' جیسی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ حتیٰ کہ آپ کو صفاتِ باری تعالیٰ کے اثبات میں غالی تک کہا جانے لگا تھا۔ لیکن افسوس کہ تقدیر کے بارے میں وہ جہمیہ کے ہم خیال تھے جو اسباب اور حکمتوں کی نفی کے قائل ہیں۔

اب صفات میں کلام ایک الگ چیز ہے اور تقدیر میں کلام الگ چیز۔ موصوف کے نزدیک یہ فنا؛ بقاء کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ فنا یہ حکمِ رب کے ماسوا کی جو اس کے ارادۂ شاملہ سے ہوتا ہے؛ جو بلا مُخَصِّص کے دو متماثلین میں سے ایک کی تخصیص کرتا ہے، کی نفی ہوتی ہے۔ اسی لیے موصوف مذکورہ کتاب کے ''باب التوبة'' ❸ میں ''لطائف اسرار التوبة'' کے تحت لکھتے ہیں:

''تیسرا لطیفہ:...... بندے کا مشاہدہ ٔ حکم۔ وہ اس بات کی گنجائش نہیں چھوڑتا کہ وہ کسی اچھی بات کو اچھا یا بری بات کو برا سمجھے۔ کیونکہ وہ ان تمام معانی سے اوپر ''معنی حکم'' تک پہنچا ہوا ہے۔'' یہاں پر مراد حکم قدری ہے، یعنی رب تعالیٰ کا ہر چیز کو اپنی قدرت اور ارادہ سے پیدا کرنا۔ کیونکہ جو وجود میں رب تعالیٰ کی طرف نسبت کے اعتبار سے فرق کو ثابت نہیں کرتا، بلکہ یہ کہتا ہے کہ جو بھی رب تعالیٰ کے علاوہ ہے وہ اسے محبوب ہے، اس کا پسندیدہ اور اس کی مراد ہے، اس کے نزدیک برابر ہے؛ کہ نہ کوئی شے اسے محبوب ہے اور نہ کوئی شے مبغوض ہے۔ کیونکہ اس کا مشاہدہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی طرف نسبت کے اعتبار سے نہ تو کسی اچھی کا استحسان ممکن ہے؛ اور نہ بری چیز کی قباحت۔ کیونکہ اس مذہب کے مطابق کوئی شے اگر اچھی یا بری ہے تو بندے کے اعتبار سے ہے نا کہ رب تعالیٰ کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ اچھی چیز وہ کہلائے گی جو بندے کے حال کے مناسب ہو اور بری چیز وہ ہوگی جو بندے کے حال کے غیر مناسب ہوگی۔

عین فنا میں وہ نہ تو اپنے وجود کی شہادت دیتا ہے اور نہ دوسرے کے وجود کی؛ بلکہ وہ صرف رب تعالیٰ کے فعل کی شہادت دیتا ہے؛ پس اس مشاہدہ کے وقت نہ تو کوئی چیز اچھی ہے اور ہی نہ بری۔ یہ ان قدریہ جہمیہ جبریہ کے نزدیک جو جہم بن صفوان اور اس کے ہم نواؤں کے پیروکاروں کے مذہب کے مطابق ہے۔

---

❶ محمد سعید افغانی نے ہروی کے بارے میں اپنی کتاب میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے اور ص ۱۰۲ پر لکھتے ہیں: ابن رجب نے ''الذیل علی طبقات الحنابلة'' میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ اسماعیل پاشا (۱/۴۵۲) اور علامہ سبکی نے بھی طبقات الشافعیة (۹/ ۲۰) میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

❷ ہروی انصاری نے اپنی کتاب ''ذم الکلام و اھله'' میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ (دیکھیں: کتاب الافغانی، ص: ۱۰۵)

❸ دیکھیں: منازل السائرین، ص: ۱۱۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

پھر یہ لوگ اس عقیدہ میں قدریہ کے ہمنوا ہیں کہ رب تعالیٰ کی مشیت و ارادہ اور محبت و رضا یکساں ہے۔

پھر منکرین تقدیر اس بات کے قائل ہیں کہ رب تعالیٰ کفر، عصیان اور فسق سے محبت نہیں کرتا، نہ تو وہ اس کا ارادہ کرتا ہے اور نہ اسے چاہتا ہی ہے۔ تو رب تعالیٰ کی حکومت اور بادشاہی میں ایسی باتیں بھی وجود میں آتی ہیں جن کو وہ نہیں چاہتا۔

جہمیہ جبریہ کا عقیدہ ہے کہ: ''ایسا نہیں؛ بلکہ وہ ہر چیز کو چاہتا ہے اور اس نے ان کا ارادہ بھی کیا ہے، ان سے محبت بھی کی ہے اور ان سے راضی بھی ہے۔

جبکہ حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ اور ان کے پیروکار رب تعالیٰ کی مشیت اور محبت میں فرق کرتے ہیں۔ رہا ارادہ تو کبھی وہ مشیت کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی محبت کے معنی میں ہوتا ہے۔ اشعری نے قائلین تقدیر اہل سنت سے دو قول نقل کیے ہیں:

۱۔ ایک ان لوگوں کا قول جو محبت اور رضا میں فرض کرتے ہیں۔

۲۔ اور دوسرا ان لوگوں کا قول جو ان دونوں باتوں کو برابر قرار دیتے ہیں۔

پھر اشعری نے ان دو میں سے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے۔ جبکہ ابو المعالی کہتے ہیں کہ: ''ابو الحسن نے ان دونوں باتوں کو برابر قرار دینے والے لوگوں کے قول کی تاویل کی ہے۔ لیکن میں نے ''الموجز'' میں خود پڑھا ہے کہ ابو المعالی نے سلیمان بن حرب، ابن کلاب، کرابیسی اور داؤد بن علی سے اشعری کا قول حکایت کیا ہے۔ اس طرح ابن عقیل کہتے ہیں: ''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ رب تعالیٰ کفر، فسق اور عصیان سے محبت نہیں کرتا۔ اور اشعری کے علاوہ کسی نے نہیں کہا کہ: ''رب تعالیٰ ان باتوں سے محبت رکھتا ہے۔''

جبکہ قاضی ابو یعلی رحمہ اللہ نے ''المعتمد'' میں اشعری کی موافقت کی ہے۔ اور ''المختصر'' میں دو اقوال ذکر کیے ہیں۔ اور ''المعتمد'' میں ابوبکر عبدالعزیز کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرق کے قائل ہیں۔ اور انھوں نے ابوبکر کے کلام کی باطل تاویل کی ہے۔ لیکن سب کے سب مذاہب والے اس بات پر متفق ہیں کہ رب تعالیٰ اطاعت پر ثواب اور معاصی پر سزا دیتے ہیں۔ اگرچہ رب تعالیٰ کی مشیت طاعت و معاصی دونوں کو شامل ہوتی ہے۔ اور وہ فرق کو بندوں کے اعتبار سے تسلیم کرتے ہیں۔ اور حقیقت و معرفت کے مدعی اور ان میں فنا کی بات کرنے والوں سے طلب کرتے ہیں کہ ان کی کوئی مراد نہ ہو، بلکہ ان کی مراد وہی ہے جو حق تعالیٰ کی مراد ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ: ''کمال یہ ہے کہ تو اپنے ارادہ کو فنا کر دے اور صرف اپنے رب کی ارادہ کے ساتھ باقی رہے۔''

ان کے نزدیک ساری کی ساری کائنات رب تعالیٰ کی طرف نسبت کے اعتبار سے ایک ہے پس نہ تو ان کے نزدیک کوئی چیز اچھی ہے اور نہ کوئی چیز بری۔ ان لوگوں کی یہ بات اگر عقلاً ممتنع ہے تو شرعاً بھی حرام ہے۔ یہاں پر مقصود ان لوگوں کا عقیدہ بیان کرنا ہے۔ اسی لیے شیخ الاسلام ان لوگوں کی توحید کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ توحید کی دوسری قسم ہے اور جو کہ ''ظاہری اسباب کا اسقاط'' ہے۔ ان کے نزدیک رب تعالیٰ نے کسی چیز کو کسی سبب سے پیدا نہیں کیا بلکہ وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو کرتا ہے؛ اپنی مرضی سے بغیر کسی سبب کے کرتا ہے۔

شیخ فرماتے ہیں: ''عقلی منازعاتِ اور مشاہداتی تعلق سے بالاتر ہونا یہ ہے کہ بندہ توحید میں کوئی دلیل نہ دے؛ اور نہ توکل میں کسی سبب کو اختیار کرے؛ اور نہ ہی نجات کا کوئی وسیلہ۔ اس لیے کہ ان لوگوں کے نزدیک وجود میں کوئی چیز سرے سے دوسری چیز کا سبب نہیں۔ نہ کوئی چیز کسی دوسری چیز کے لیے بنائی گئی ہے ورنہ کوسی کسی دوسرے چیز کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ:

❀......ان کے نزدیک شکم سیری کھانے کی وجہ سے نہیں،

❀......دل میں حاصل ہونے والا علم کسی دلیل سے نہیں،

❀......اور نہ متوکل کو حاصل ہونے والے رزق اور مدد کا کوئی سبب ہے۔ نہ اس میں اور نہ نفس امر میں،

❀......ان کے نزدیک اطاعت سبب ثواب اور معاصی سبب عقاب نہیں۔

لہٰذا نجات کے لیے کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف ایک ارادہ سے ہر حادث کا صدور ہوتا ہے اور دوسرے ارادہ سے جو پہلے عادی طور پر ملا ہوتا ہے، اس سے بھی حادث کا صدور ہوتا ہے، نا کہ یہ بات ہے کہ ایک صدور دوسرے کے معلق ہوتا ہے یا اس کا سبب یا اس کی حکمت ہوتا ہے بلکہ بطور عادت کے ایک صدور دوسرے صدور سے ملا ہوتا ہے اور ایک صدور کو دوسرے کی امارت وعلامت اور اس پر دلیل ٹھہرایا جاتا ہے۔ بایں معنی کہ جب دو عادۃً ملی ہوئی اشیائے حادثہ میں سے ایک پائی جاتی ہے تو دوسری اس کے ساتھ موجود ہوتی ہے اور دل میں حاصل ہونے والا علم اس دلیل سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ بھی جملہ اقترانات عادیہ میں سے ایک ہے۔ اسی لیے کہا: لہٰذا وہ مشاہد ہوگا کہ حق اپنے حکم اور علم سے اس سے سابق سے''یعنی وہ اس بات کا مشاہدہ کر رہا ہے کہ اس نے ایک ایسی بات جانی ہے جو آگے چل کر ہوگی اور وہ اس کا حکم دے گا۔ یعنی اس نے اس بات کا ارادہ کیا اس کا فیصلہ کیا اور اسے لکھ لیا۔ ان لوگوں کے پاس سوائے فلسفہ کے اور کوئی بات نہیں۔ اس مذہب کے اکثر قائلین دینوی اسباب کے تارک ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک سبب کا وجود اور عدم دونوں ایک ہیں۔

پھر ان میں سے بعض نے اخروی اسباب کو بھی ترک کر دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ''اگر تو اس بات کا علم اور حکم ہو چکا کہ ہم سعید ہیں تو ہم سعید ہیں اور اگر یہ بات سابق ہے کہ ہم شقی ہیں تو ہم شقی ہیں۔ لہٰذا عمل کرنا بے سود ہے۔ ان میں سے بعض نے اس فاسد اصل کی بنا پر دعا مانگنا چھوڑ دی۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کی یہ اصل کتاب وسنت کے اور اسلاف اور ائمہ دین کے اجماع کے مخالف ہے اور صریح معقول اور حس ومشاہدہ کے بھی خلاف ہے۔

نبی کریم ﷺ سے جب تقدیر کو دیکھتے ہوئے اسباب کو ترک کر دینے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے اس بات کو ردّ فرمایا، جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے جو بھی کہے مگر یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا جنت کا ٹھکانا اور اس کا دوزخ کا ٹھکانا معلوم ہے۔'' اس پر لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! پھر کیا ہم عمل کو چھوڑ نہ دیں اور لکھے پر تکیہ کر کے بیٹھ نہ رہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نہیں! عمل کیے جاؤ، پس ہر ایک، جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اس کی توفیق دیا گیا ہے۔'' ❶

ایک صحیح حدیث میں بھی مروی ہے کہ خدمت نبوی میں عرض کیا گیا:

''اے اللہ کے رسول! ذرا بتلایئے کہ آج لوگ جو محنت کرتے ہیں اور عمل کرتے ہیں کیا یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا ان پر فیصلہ کر دیا گیا ہے اور یہ بات ہو چکی ہے یا یہ ان کی مستقبل کی باتوں میں ان پر حجت ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کا ان پر فیصلہ کر دیا گیا ہے اور ان پر گزر چکی ہے۔'' لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! پھر کیا ہم عمل کو چھوڑ نہ دیں اور اپنے لکھے پر تکیہ نہ کر بیٹھیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نہیں، عمل کیے جاؤ کہ ہر ایک، جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے، اس کی توفیق دیا گیا ہے۔''

سنن میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ خدمت نبوی میں عرض کیا گیا:

ذرا بتلایئے کہ جن دواؤں سے ہم دوا دارو کرتے ہیں اور جن دموں سے ہم دم کرتے ہیں اور بچاؤ کی جن چیزوں سے ہم (گرمی سردی اور بھوک پیاس وغیرہ سے) بچاؤ کرتے ہیں کہ یہ چیزیں تقدیر کی کسی بات کو ٹالتی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ باتیں (اور ان کا اختیار کرنا اور ان کے ذریعے نفع حاصل کرنا کہ یہ) خود اللہ کی تقدیر میں سے ہیں۔'' ❷

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰٓی اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ (الاعراف: ۵۷)

''اور وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت سے پہلے بھیجتا ہے، اس حال میں کہ خوش خبری دینے والی ہیں، یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادل اٹھاتی ہیں تو ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف ہانکتے ہیں، پھر اس سے پانی اتارتے ہیں، پھر اس کے ساتھ ہر قسم کے کچھ پھل پیدا کرتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ (الجاثیة: ۵)

''اور اس رزق میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا، پھر اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا۔''

---

❶ صحیح البخاری: ۲/ ۹۶۔ صحیح مسلم: ۴/ ۲۰۳۹-۲۰۴۰۔ سنن ابی داود: ۴/ ۳۰۷-۳۰۸۔

❷ یہ حدیث اور اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ﴾ (التوبة: ١٤)

''ان سے لڑو، اللہ انھیں تمھارے ہاتھوں سے عذاب دے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا﴾ (التوبة: ٥٢)

''اور ہم تمھارے بارے میں انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ تمھیں اپنے پاس سے کوئی عذاب پہنچائے، یا ہمارے ہاتھوں سے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَ مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ٥﴾ (البقرة: ٢٦)

''وہ اس کے ساتھ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ (المائدة: ١٦)

''جس کے ساتھ اللہ سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے ان کو جو اس کی رضا کے پیچھے چلیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ٥﴾ (الشورى: ٥٢)

''بلاشبہ تو یقیناً سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ٥﴾ (الرعد: ٧) ''اور ہر قوم کے لیے ایک راستہ بتانے والا ہے۔''

پھر بھلا دلیل کیونکر مشاہد نہ ہوگی؟

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ﴾ (الزمر: ٦١)

''اور اللہ ان لوگوں کو جو ڈر گئے، ان کے کامیاب ہونے کی وجہ سے نجات دے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ (الطور: ٢١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد کسی بھی درجے کے ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان سے ان کے عمل میں کچھ کمی نہ کریں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ﴾ (یونس : ۹)

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے ان کی رہنمائی کرے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ (ابراهیم : ۱)

''الٓر ۔ایک کتاب ہے جسے ہم نے تیری طرف نازل کیا ہے، تاکہ تو لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائے، ان کے رب کے اذن سے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ﴾ (الحاقة : ۲٤)

''کھاؤ اور پیو مزے سے، ان اعمال کے عوض جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں آگے بھیجے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل : ۳۲)

''جنت میں داخل ہو جاؤ، اس کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ (الانفال : ۲۹)

''اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمھارے لیے (حق و باطل میں) فرق کرنے کی بڑی قوت بنا دے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق : ۲-۳)

''اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔ اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ (آل عمران : ۱۵۹)

''پس اللہ کی طرف سے بڑی رحمت ہی کی وجہ سے تو ان کے لیے نرم ہو گیا ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ﴾ (النساء: ۱۶۱)

''تو جو لوگ یہودی بن گئے، ان کے بڑے ظلم ہی کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں، جو ان کے لیے حلال کی گئی تھیں اور ان کے اللہ کے راستے سے بہت زیادہ روکنے کی وجہ سے۔ اور ان کے سود لینے کی وجہ سے، حالانکہ یقیناً انھیں اس سے منع کیا گیا تھا اور ان کے لوگوں کے اموال باطل طریقے کے ساتھ کھانے کی وجہ سے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝﴾ (الانعام: ۶)

''پھر ہم نے انھیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسرے زمانے کے لوگ پیدا کر دیے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (المائدة: ۸۵)

''تو اللہ نے اس کے بدلے میں جو انھوں نے کہا، انھیں ایسے باغات دیے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝﴾ (الدهر: ۱۲)

''اور انھیں ان کے صبر کرنے کے عوض جنت اور ریشم کا بدلہ عطا فرمایا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝﴾ (آل عمران: ۱۹۰)

''بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے بدلنے میں عقلوں والوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ (البقرة: ١٦٤)

''بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے بدلنے میں اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں وہ چیزیں لے کر چلتی ہیں جو لوگوں کو نفع دیتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر کیا ہوا ہے، ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں۔''

غرض قرآن کریم میں ایسی آیات بے شمار ہیں۔

صحیحین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

''قریب ہے کہ تم پیچھے رہو (یعنی دیر تک زندہ رہو) پس کچھ لوگ تم سے نفع اٹھائیں گے اور کچھ دوسرے لوگ تم سے نقصان اٹھائیں گے۔''[1]

بھلا اس بات کی گواہی دینا کیونکر ممکن ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنی توحید کی کوئی دلیل قائم نہیں کی اور نہ اپنے عذاب سے نجات کا کوئی وسیلہ مقرر فرمایا ہے اور بندوں میں متوکلین جو کرتے ہیں رب تعالیٰ نے ان کا کوئی سبب مقرر نہیں فرمایا۔

وہ اللہ مسبب الاسباب ہے، ہر چیز کا اس کے سبب کے ساتھ خالق ہے لیکن بقول ابو حامد غزالی اور ابو الفرج ابن جوزی کے ''یہ اسباب کہ ان کی طرف التفات توحید میں شرک ہے اور اسباب کو ان کے اسباب ہونے کی وجہ سے یہ عقل کا ایک گونہ بگاڑ ہے اور اسباب سے بالکلیہ اعراض یہ شریعت میں قدح ہے۔''

پھر توکل معنی کے اعتبار سے توحید کے معنی سے ملا اور جڑا ہوا ہے۔ یہی عقل و شرع کا مقتضی بھی ہے۔ چنانچہ ایک موحد متوکل بایں معنی اسباب کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کہ نہ تو وہ ان سے مطمئن ہے، نہ ان پر بھروسہ رکھتا ہے، نہ ان سے امید رکھتا ہے اور نہ ان سے خوف کھاتا ہے۔ کیونکہ وجود میں ایسا کوئی سبب نہیں جو حکم میں مستقل ہو، بلکہ ہر ایک سبب دیگر ایسے امور کا محتاج ہوتا ہے جو اس سے جڑے ہوتے ہیں اور اس کے ایسے موانع اور عوائق بھی ہوتے ہیں جو اس کے موجب کی راہ میں مانع ہوتے ہیں اور ایسا کوئی سبب نہیں جو ایک اکیلے اللہ کی مشیت کے بغیر احداث میں مستقل ہو۔ پس جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا، اور جو چاہا اسے ان اسباب کے ذریعے پیدا فرمایا جو خود اس نے پیدا فرمائے ہیں اور وہ اس چیز کی خلقت سے موانع کو ہٹا دیتا ہے۔ پس اس ذات کے سوا کسی دوسری چیز پر توکل جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَ عَلَى

[1] صحیح البخاری: ۲/ ۸۱۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (آل عمران : ١٦٠)

''اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تمھارا ساتھ چھوڑ دے تو وہ کون ہے جو اس کے بعد تمھاری مدد کرے گا اور اللہ ہی پر پس لازم ہے کہ مومن بھروسا کریں۔''

جو چیز اس کے علم اور حکم میں سابق ہو، وہ حق ہے، اسے علم ہے اور اس نے اس بات کا حکم دیا کہ اس کی پاک ذات فلاں فلاں چیز کو سبب کے ساتھ پیدا فرمائے گی، پس جو اس کے علم اور حکم کو دیکھتا ہے وہ اس بات کی شہادت دے کہ کہ حدوث یہ اس سبب سے ہے جو اس نے پیدا کیا ہے اور اگر اس نے حدوث کو اس ذات سے سبب کے بغیر مانا تو اس کا شہود اس کے علم اور حکم کے مطابق نہ ہوگا۔

پس جس نے اس بات کی شہادت دی کہ رب تعالیٰ نے والدین کے بغیر اولاد کو اپنے علم سابق وحکم سابق سے پیدا فرمایا ہے تو یہ اس کی اندھی شہادت ہے۔ بلکہ اسے اس بات کی شہادت دینی چاہیے کہ رب تعالیٰ کے علم اور حکم میں یہ بات سابق ہے کہ وہ اولاد کو والدین سے پیدا کرے گا اور والدین اولاد کے وجود کا سبب ہیں۔ تب پھر یہ کہنا کیونکر جائز ہوگا کہ اس کے علم اور حکم میں یہ بات سابق ہے کہ اس بچے کا حدوث بلا سبب ہوگا۔ جب اس کے علم اور حکم نے سبب کو ثابت کیا ہے، تب پھر آدمی ایسے امور کی شہادت کیونکر دے سکتا ہے جو اس کے علم اور حکم کے خلاف ہوں۔

پھر جن علل کی نفی کی جاتی ہے، ان کی دو قسمیں ہیں:

١۔ ایک یہ آدمی اسباب ہی پر اعتماد کرے اور ان پر توکل کرے تو یہ شرک اور حرام ہے۔

٢۔ دوسری یہ کہ آدمی ان اسباب کو ترک کر دے جن کے اختیار کرنے کا اسے حکم ہے، تو یہ بھی حرام ہے۔ بلکہ آدمی پر واجب ہے کہ وہ رب تعالیٰ ان اسباب کے ساتھ عبادت کرے جن کے اختیار کرنے کا اسے حکم دیا گیا ہے اور رب تعالیٰ پر اس بات میں توکل کرے کہ وہ مامورات پر اس کی اعانت کرے گا اور رب تعالیٰ وہ کرے گا جس پر بندہ بدون سبب کے قادر نہیں ہوتا۔

پس علت یہ اس بات کا ترک کرنا ہے جس کا رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے چاہے وہ امر ایجابی ہے یا استحبابی اور جو مامور کو حکم کے مطابق بجا لاتا ہے اس کے پاس کوئی علت نہیں ہوتی۔ البتہ اگر وہ مامور بہ کی حقیقت سے جاہل ہو تو یہ اس کی ایک علت ہے۔

قائل کا یہ قول کہ ''آدمی اسقاط حدث کی راہ پر چلے'' اگر تو اس قول سے اس کی مراد یہ ہے کہ اس سے حدوثِ چیز کی نفی کا اعتقاد ہو تو بلاشبہ یہ مکابرہ، رب تعالیٰ کی خلق کی تکذیب اور صانع کا انکار ہے اور اگر اس سے اس کی مراد قلبی سے حدث کا انکار ہے، تو میں اس محدث کی- جو ان کی مراد ہے- شہادت نہیں دیتا۔ کیونکہ یہ مامور اور حق کے خلاف ہے۔

بلکہ مجھے تو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی شہادت دوں اور شہادت دوں کہ محدثات کا حدث اس کی اس مشیت سے ہے کہ وہ مخلوق کو اسباب کے ذریعے پیدا کرتا ہے اور حکمت کے ذریعے پیدا کرتا ہے اور

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

مجھے اس بات کا حکم نہیں میں اپنے دل سے کسی چیز کے حدوث کی گواہی نہ دوں۔

قائل کا یہ قول کہ ''جو نہ تھا وہ فنا ہو جائے گا اور جو ہمیشہ سے تھا وہ باقی رہے گا'' اگر تو اس قول سے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ مامور بہ صورت پر باقت رہے گا، وہ یوں کہ وہ اس بات کی شہادت دے کہ حق تعالیٰ اپنے ماسوا ہر چیز کا خالق و محدث ہے اور اپنے پیدا کیے اسباب کے ذریعے محدث ہے اور جس حکمت کا اس نے ارادہ کیا ہے اس کے ذریعے محدث ہے، تو یہ حق ہے اور اگر اس کی مراد یہ ہے کہ میں کسی مخلوق کے وجود کی کبھی شہادت نہ دوں بلکہ صرف قدیم ذات کی ہی شہادت دوں تو یہ ایمان، توحید اور تحقیق میں نقص ہے اور یہ جہل و ضلال کے باب میں سے ہے اور جب یہ بات بندے کے قلب پر غالب آ جائے تو وہ معذور کہلاتا ہے اور اس کا اللہ اور اس کے رسول کے امر میں سے ہونا کتاب و سنت اور اجماع کے خلاف ہے۔

جب یہ ان کی مراد تھی تو موصوف نے یہ کہا ''یہ خواص کی وہ توحید ہے جو علم فنا کے ذریعے درست ہوتی ہے اور علم جمع میں نکھرتی ہے اور ارباب جمع کی توحید کی طرف کھینچتی ہے۔''

یہاں جمع سے مراد اس بات کی شہادت دینا ہے کہ ساری کی ساری چیزیں رب تعالیٰ کی خلق و مشیت میں جمع اور اس کے ارادہ سے صادر ہوتی ہیں۔ یہاں کسی مثال کو دوسری پر ترجیح نہیں اور نہ مامور اور محظور میں، حسن اور قبیح میں اور نہ اولیاء اللہ اور اعداء اللہ میں کوئی فرق ہے۔

اس جمع پر وقوف پر جنید وغیرہ اہل اللہ اور اہل حق نے انکار کیا ہے کہ وہ دوسرے فرق کا حکم کرتے ہیں جو اس جمع کے ساتھ اس بات کی شہادت دینا ہے کہ رب تعالیٰ نے مامور اور محظور میں فرق کیا ہے۔ چنانچہ ایک چیز اسے محبوب ہے تو دوسری مبغوض ہے۔ کسی پر ثواب دیتا ہے تو کسی پر عقاب۔ لہٰذا بندہ اللہ اور اس کے رسول کی محبوبات سے محبت کرے اور جن باتوں سے اللہ اور اس کے رسول کو بغض ہے، یہ بھی ان سے بغض رکھے اور جمع میں فرق اور فرق میں جمع کی شہادت دے۔ لہٰذا نہ تو جمع محض اور نہ فرقِ محض کی ہی شہادت دے۔

موصوف کا قول کہ ''یہ توحید اربابِ جمع کی توحید کی طرف کھینچتی ہے'' اس کی تفصیل آ جاتی ہے۔ ان لوگوں نے اسی چشمہ سے پیا ہے جس سے ان تقدیر کی نفی کرنے والوں نے پیا ہے کہ ان کا یہ قول ہے کہ ''امر یہ تازہ (اور غیر استعمال جدید) ہوتا ہے۔'' ان کا قول ہے کہ جب ایک چیز کی بابت اس کا علم اور حکم سابق ہے تو اس کے خلاف امر دینا ممتنع ہے اور ایسی چیز کا وجود میں آنا واجب ٹھہرا۔ اس قول میں دراصل امر و نہی دونوں کا ابطال ہے۔ لیکن یہ لوگ امر و نہی کی تعظیم کرنے والے تھے، ان کا گمان تھا کہ علم و حکم میں سابق چیز کا اثبات اس کے منافی ہے لہٰذا انھوں نے شرع کو تو ثابت کیا جبکہ تقدیر کی نفی کر دی۔

ان لوگوں کا بھی یہ اعتقاد ہے کہ لیکن انھوں نے تقدیر کا اثبات تو کیا لیکن تقدیر کی شہادت دینے والے سے اس بات کی نفی کر دی کہ وہ کسی چیز کو اچھا سمجھتے ہوئے اس کا امر کرے یا اسے برا سمجھتے ہوئے اس سے روکے۔ پس انھوں نے تقدیر

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کو ثابت کیا اور تقدیر کے شاہد سے شرع کو باطل ٹھہرایا۔ بلاشبہ یہ قول تقدیر کی نفی کرنے والوں کے قول سے بھی زیادہ دین اسلام کے خلاف ہے۔

ہم نے ان باتوں کو ایک اور مقام پر مفصل بیان کر دیا ہوا ہے۔ البتہ یہاں ذم اور عقاب کے اعتبار سے لوگوں کے اختلاف کو بیان کرنا مقصود ہے اور ہم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حال دو اصل کی طرف لوٹتا ہے۔

لوگوں نے جن باتوں میں بھی اختلاف کیا ہے، کیا ان میں سے ہر ایک کے لیے ان باتوں میں ایسا اجتہاد ممکن تھا جس سے انھیں حق کی معرفت مل جاتی؟ یہ لوگ اس باب میں دو قسم پر تھے: (۱) اجتہاد پر قادر اور (۲) اجتہاد پر غیر قادر؟

[توحید کی تیسری قسم:]

موصوف کا قول کہ ''توحید کی تیسری قسم وہ ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ خاص کر لیا ہے اور وہ اپنی قدرت کی وجہ سے اس توحید کا مستحق ہے...... الی آخر الکلام۔ یہ قول گزشتہ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر جنید وغیرہ ائمہ طریق نے انکار کیا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ قدیم اور حادث میں فرق نہیں کرتے، ان لوگوں کے قول کی حقیقت اتحاد اور حلولِ خاص کے سوا اور کچھ نہیں اور یہ جناب مسیح علیہ السلام کی بابت نصاریٰ کے قول کی جنس میں سے ہے اور وہ یہ کہ مُـوَحِّد ہی مُـوَحَّد ہو۔ یعنی اللہ کو سوائے اللہ کے اور کوئی واحد کہنے والا نہ ہو۔ ان کے نزدیک اللہ کے سوا ہر ایک اللہ کو واحد کہنے والا دراصل جاحد ہے۔ (جیسا کہ گزشتہ میں اس توحید کے ذکر کے تحت تین اشعار ذکر کیے گئے ہیں جو اسی معنی کو بیان کرتے ہیں)۔

یعنی جب بندہ توحید کی بات کرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ متکلم ہے اور وہ اپنی تعریف بیان کر رہا ہے اور وہ ایسی بات کا استعارہ کرتا ہے جس کا وہ اہل نہیں ہوتا۔ پس وہ اس کا تکلم کرتا ہے اور یہ وہ عاریت ہے جس کو واحد باطل کر دیتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنے وجود کے شہود سے فنا ہو جاتا ہے تو اس کی زبان پر تکلم کرنے والا خود حق باری تعالیٰ ہوتا ہے کیونکہ جو نہ تھا وہ فنا ہو چکا اور جو ہمیشہ سے تھا وہ باقی ہے۔ لہٰذا اب حق ہی اپنی ذات سے اپنی تعریف کر رہا ہے نا کہ بندے کے ذریعے اپنی تعریف کر رہا ہے۔ لہٰذا اب موحَّد ہی موحِّد ٹھہرے گا۔ اسی لیے یہ کہا اللہ کا اپنی توحید بیان کرنا ہی اس کی توحید ہے۔ یعنی خود اللہ اپنی توحید بیان کرے نا کہ مخلوق اس کی توحید بیان کرے۔ کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک مخلوق اس کی توحید کی ناطق مخلوق نہیں ہے۔ یہ جناب مسیح علیہ السلام کی بابت نصاریٰ کے اس قول کی طرح ہے کہ ''لاہوت نے ناسوت کی زبان سے تکلم کیا۔''

حقیقت امر یہ ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک جس نے بھی توحید کا تکلم یا تصور کیا اور وہ غیر اللہ کو بھی دیکھ رہا ہے تو وہ موحّد نہیں ہے اور جب وہ اپنے آپ سے بالکلیہ غائب اور فنا ہو گیا تو اس کے توحید فنا کا مقام کامل ہو جائے گا جو اسے اربابِ جمع کی توحید کی طرف کھینچ لے جائے گا۔ پھر حق باری تعالیٰ ہی توحید کا ناطق و متکلم ہوگا اور وہی موحِّد بھی ہوگا اور موحَّد بھی۔ نا کہ وہ غیر کا موحِّد ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس قوت کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ بندہ اور رب دونوں ایک حقیقت اور ایک چیز ٹھہریں اور یہ بعینہٖ اتحاد ہے۔ یوں لاہوت اور ناسوت متحد ہو جائیں گے جیسا کہ نصاریٰ کا قول ہے کہ جنابِ مسیح سے سنی جانے والی باتوں کا متکلم خود اللہ ہی ہے اور ان کے نزدیک جنھوں نے اللہ سے سنا وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام سے بھی افضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مطلق یا معیَّن حلول اور اتحاد کے قائل مشائخ کے کلام میں لاہوت اور ناسوت کی اصطلاح کثرت سے دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ لوگ ابن فارض کا قصیدہ پڑھتے تھے اور اس میں اتحادِ عام کو جو محقق کیا گیا ہے اس سے آراستہ ہوتے تھے۔ ان کے نزدیک وجود کی ہر چیز جائے ظہور وجلوہ ہے اس میں حق کی ذات ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا ان میں سے جو بھی کوئی اچھا نظارہ یا منظر دیکھتا تھا تو یہ شعر پڑھتا تھا:

''وہ ذات ہر آنکھ کے جھپکنے میں نئے جمال کے لباس میں جلوہ گر ہوتی ہے۔''

اور کوئی یہ شعر پڑھتا تھا:

''دور ہو کہ میری دونوں آنکھیں تم لوگوں کے ساتھ یکساں دیکھتی ہیں جب تم جوارح اور قوی کی آنکھ ہوتے ہو۔''

اور کوئی یہ شعر پڑھتا:

''میں ہر وجود میں تمھارا جمال دیکھتا ہوں اور ہر سمت سے تمھاری آواز سنتا ہوں۔

اور اگر میرے بدن پر میرا ہاتھ گردش کرتا ہے تو تمھیں لذت ملتی ہے کیونکہ درحقیقت میں تمھارا غیر نہیں ہوں۔''

غرض جب نصاریٰ کا قول مسلمانوں میں ظاہر ہونے لگا جو کہ باطل تھا اور اس کے بطلان کا ظہور بھی ہو گیا تو یہ اتحادیے بعینہٖ نصاریٰ کی طرح تو قول کر نہ سکے تو ان کے ہاں یہ قول یوں قرار پایا کہ اس کی شہادت تو دی جائے البتہ اسے بولا نہ جائے اور بیان نہ کیا جائے۔ ان کے نزدیک یہ وہ اسرار ہیں جو غیر مباح ہیں یعنی ان کو ظاہر نہیں کیا جاتا اور جو ظاہر کرے گا اسے قتل کیا جائے گا۔

چنانچہ ایک اتحادی یہ کہتا ہے کہ حلاج نے یہ راز ظاہر کیا تو اس کا قتل واجب ٹھہرا۔ اسی لیے موصوف نے یہ کہا کہ یہ توحید کی وہ قسم جسے حق تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے اور وہ اپنی قدرت کی وجہ سے اس کا مستحق ہے اور اپنے برگزیدہ لوگوں کی ایک جماعت پر اس کے چند اسرار کھولے اور انھیں اس کے بیان سے گنگ اور اس کے پھیلانے سے عاجز کر دیا۔

ان لوگوں کو یہ جواب دیا جائے گا کہ رب تعالیٰ کا خود اپنی توحید بیان کرنا یہ اس کا علم بنفسہٖ اور اس کا وہ کلام ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بارے میں خبر دیتا ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (آل عمران: ۱۸)

''اللہ نے گواہی دی کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ﴾ (طٰہٰ: ۱۴)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کر۔''

یہ رب تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جیسا کہ اس کی دیگر جملہ صفات جیسے حیات اور قدرت وغیرہ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔

یہ صفت دیگر صفات کی طرح نہ تو رب تعالیٰ کی ذات سے جدا ہوتی ہے اور نہ دوسرے کسی کی طرف منتقل ہوتی ہے بلکہ ایسا تو کسی مخلوق کے ساتھ بھی نہیں ہوتا کہ اس کی صفات اس کی ذات سے مفارق ہو کر دوسرے کسی کی طرف ہو جائیں تو بھلا خالق کی صفات کے ساتھ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے؟

[وحی: اللہ تعالیٰ کا کلام]

البتہ رب تعالیٰ اپنے علم اور کلام میں سے کچھ اپنے پیغمبروں پر نازل فرماتا ہے جیسا کہ اس نے قرآن کو خاتم الانبیاء و الرسل ﷺ پر نازل فرمایا جو اس کا کلام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (آل عمران: ١٨)

''اللہ نے گواہی دی کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی، اس حال میں کہ وہ انصاف پر قائم ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

پس رب تعالیٰ کی ذات خود اپنے لیے وحدانیت کی شہادت دے رہی ہے اور فرشتے بھی اس بات کی شہادت دے رہے ہیں اور اس کے اہل علم بندے بھی اس کی شہادت دے رہے ہیں اور یہ جملہ شہادتیں ایک دوسرے کے مطابق و موافق ہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ شہادت وہ ہے، یعنی یہ اس کی نوع ہے اور یہ بات نہیں کہ جو صفات مخلوق کی بعینہٖ خالق باری کی بھی صفات ہیں۔ البتہ رب تعالیٰ کا وہ کلام جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر اتارا ہے، جو کہ قرآن ہے جسے مسلمان پڑھتے ہیں اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام ہے جو مبلغین سے سنا جاتا ہے۔ کہ بندوں کا اس کی تلاوت کرنا اور ان کا ایک دوسرے سے اس قرآن کا سننا یہ ایسا نہیں جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے اس کا کلام سنا تھا۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے اس کا کلام بلا واسطہ سنا تھا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے نفسِ کلام باری تعالیٰ سنا تھا۔ جیسے کوئی متکلم سے اس کا کلام سنتا ہے یا جیسے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کا کلام سنتے تھے۔ اب سب لوگ اس قرآن کو مبلغین سے سنتے ہیں جیسا کہ حضرات تابعین اور تبع تابعین نبی کریم ﷺ کے کلام کو مبلغین سے سنتے تھے۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے اپنے رسول سے ارشاد فرمایا:

﴿بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (المائدۃ: ٦٧)

''پہنچا دے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

﴿لِيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ﴾ (الجن: ۲۸)

''تا کہ جان لے کہ بے شک انھوں نے واقعی اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں۔''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''میری طرف سے پہنچا دو چاہے ایک بات ہی ہو۔'' ❶

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''اللہ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے ہم سے ایک حدیث سنی پھر اسے اس تک پہنچایا جس نے اسے نہ سنا تھا پس بہت سے فقہ کے حامل غیر فقیہ ہوتے ہیں اور بہت سے فقہ کے حامل اس تک فقہ کو لے جاتے ہیں جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔'' ❷

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''کیا کوئی آدمی ہے جو مجھے اپنی قوم تک لے جائے تا کہ میں (انھیں) اپنے رب کا کلام پہنچا دوں، کیونکہ قریش نے مجھے اس بات سے روک دیا ہے کہ میں اپنے رب کا کلام دوسروں تک پہنچاؤں۔'' ❸

رہا ان لوگوں کا یہ قول کہ ''رب تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ لوگوں کی ایک جماعت پر اس کے کچھ اسرار کو ظاہر کیا ہے اور انھیں اس کے بیان سے گنگ اور اس کے پھیلانے سے عاجز کر دیا ہے۔''

تو ان لوگوں کی اس بات کا یہ جواب دیا جائے گا کہ رب تعالیٰ کے سب سے برگزیدہ بندے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور مرسلین عظام علیہم السلام ہیں۔ پھر نبیوں سے رسول افضل ہیں اور ان میں بھی اولوالعزم رسول زیادہ افضل ہیں اور اولوالعزم رسولوں میں سب سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں۔ لیکن آپ ﷺ پر تو رب تعالیٰ نے ان لوگوں کے اسرار کو ظاہر نہیں کیا حالانکہ آپ ﷺ کو سب بندوں سے زیادہ اور کامل ترین توحید کا عرفان حاصل تھا۔ لیکن اس سب کے باوجود رب تعالیٰ کے ان پیغمبروں نے اس کی توحید پر کلام بھی کیا، اس کو بیان کیا اور اسے پھیلایا بھی۔ کوئی آدمی کسی بھی نبی سے یا اس کے وارث سے یہ بات نقل نہیں کر سکتا کہ اس نبی نے اس بات کا دعویٰ کیا ہو کہ وہ ایک ایسی توحید جانتا ہے جسے بیان کرنا ممکن نہیں۔ بلکہ یہاں تو دل کی ہر بات کی تعبیر بیان کی جا سکتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ بسا اوقات اسے سمجھنے والے لوگ کم ہوتے ہیں۔

اب یا تو یہ کہا جائے کہ جناب محمد ﷺ کو رب تعالیٰ کی توحید کا جو عرفان حاصل تھا آپ ﷺ اسے بیان کرنے سے عاجز تھے، تو بلاشبہ یہ خلافِ واقع بات ہے۔

---

❶ صحیح البخاری: ٤/ ١٧٠۔ جامع الترمذی: ٤/ ١٤٧۔ مسند احمد: ٩/ ٢٥٠-٢٥١ طبعة المعارف۔

❷ جامع الترمذی: ٤/ ١٤١-١٤٢۔ سنن ابی داود: ٣/ ٤٨٣۔ سنن ابن ماجه: ١/ ٨٤-٨٦، مسند احمد: ٣/ ٢٢٥ طبعة الحلبی۔

❸ سنن ابی داود: ٤/ ٣٢٤۔ جامع الترمذی: ٤/ ٢٥٥۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن، صحیح اور غریب ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

پھر اگر تو یہ کہا کہ ان لوگوں کی بات کا مطلب یہ ہے کہ یہ ظاہر ہونے والی توحید دراصل رب تعالیٰ کی اپنی ذات ہے جو اپنے برگزیدہ بندوں کے ساتھ متحد ہو جانے یا ان میں حلول کر جانے کی وجہ سے ان کے جیبوں میں خود اپنی توحید بیان کرتا ہے، تو یہ بعینہٖ نصاریٰ والا قول ہے، جو عقل و شرع دونوں کے نزدیک باطل ہے۔

اگر اس سے یہ مراد ہے کہ رب تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنی ایسی توحید و معرفت اور ایسا ایمان دیتا ہے جو دوسروں کو نہیں دیتا تو یہ بات حق ہے لیکن یہ بات ضرور ہے کہ رب تعالیٰ ان کے دلوں میں جس بات کو قائم فرماتا ہے، وہ خود رب خالق کی ذات نہیں ہوتی بلکہ یہ اس کی ذات کا علم، اس کی محبت، اس کی معرفت اور اس کی توحید ہوتی ہے۔

اور مثل اعلیٰ کو پیش کر کے اس کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الروم: ٢٧)

''اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اونچی شان اسی کی ہے۔''

یعنی زمینوں اور آسمان والوں کے دلوں میں اس کی اعلیٰ مثال ہے اور اسے مثالِ جبی اور مثال علمی کہا جاتا ہے۔ بسا اوقات ایک ناقص العقل کو جب کسی سے بے پناہ محبت ہو جاتی ہے اور وہ اس کی محبت میں فنا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اسے اپنے قلب میں اس کے سوا اور کچھ نظر ہی نہیں آتا تو وہ یہ گمان کر بیٹھتا ہے کہ نفس محبوب اس کے دل میں آ گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ محبوب بہرحال ایک دوسری جگہ ہوتا ہے۔ جیسے اپنے گھر میں یا مسجد میں یا کسی بھی دوسری جگہ۔ البتہ اس محبّ کے قلب میں جو ہوتا ہے وہ اس کی مثال ہے نہ کہ اس کی ذات۔

لوگ ایسا بہت کہتے ہیں تو میرے دل میں بستا ہے، تو تو میرے جگر میں رہتا ہے۔ تو اس سے مراد مثال ہوتی ہے نا کہ اس کی ذات کیونکہ خود قائل کی مراد بھی اس کی ذات نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس دوسرے کی ذات اس سے جدا ہوتی ہے۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے ''تو میری آنکھوں کے سامنے ہے، یا تو ہمیشہ میری زبان پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے:

''تیری مثال میری آنکھوں میں ہے اور تیرا ذکر میرے منہ میں ہے اور تیرا ٹھکانا میرے دل میں ہے تب پھر تو مجھ سے اوجھل کیونکر ہے؟!''

اور ایک شاعر کہتا ہے:

''وہ میرے دل میں رہنے والا اور اسے آباد کرنے والا ہے۔ سو میں اسے بھولتا نہیں اور اسے یاد کرتا رہتا ہوں۔''

کہ یہاں آدمی نے اپنے محبوب کو اپنے دل کا باسی اور اس کا آباد کرنے والا قرار دیا ہے اور وہ اسے بھولتا نہیں اور یہ مراد نہیں کہ اب محبوب کی ذات اس کے دل میں آ گئی ہے جیسا کہ ایک گھر میں ایک رہنے والا آ بستا ہے۔ بلکہ حاصل ہنے والا یہ امر مثال علمی ہے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:

''یہ کتنی عجیب بات ہے کہ میں ان کا مشتاق ہوں اور ہر آنے جانے والے سے ان کا پوچھتا ہوں حالانکہ وہ

www.KitaboSunnat.com

میرے ساتھ ہیں اور میری آنکھ انھیں ڈھونڈتی ہے حالانکہ وہ میری آنکھ کی سیاہ پتلی میں رہتے ہیں اور میرا دل ان کا مشتاق ہے حالانکہ وہ میری پسلیوں میں یعنی میرے سینے میں رہتے ہیں۔''

[کیا اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل میں ہے؟]

اور قائل کا یہ قول بھی اسی باب سے ہے: ''قلب یہ رب کا گھر ہے۔'' اور ان کا یہ قول بھی جو کہ اسرائیلیات میں سے ہے، اسی باب سے ہے کہ ''نہ تو میری زمین مجھے سما سکتی ہے اور نہ میرا آسمان لیکن میرے ایک مومن متقی، پاک دامن متورع اور نرم بندے کا دل مجھے سما لیتا ہے۔''❶ یہاں بھی یہ مراد نہیں کہ رب تعالیٰ کی ذات ہر مومن بندے کے دل میں بستی ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ بندوں کے دلوں میں اس کی معرفت، محبت اور عبادت ہوتی ہے۔

اب خواب میں آدمی دوسرے کو اپنے سے ہم کلام اور مخاطب ہوتے دیکھتا ہے اور یہ نظر آنے والا اس کے گھر میں ہوتا ہے یا اپنی قبر میں مردہ ہوتا ہے، تو دراصل یہ اس کی مثال ہوتا ہے۔ اسی طرح آئینہ میں دیکھے جانے والے شمس وقمر اور نجوم وکواکب کا حال ہے۔ پھر بڑے آئینہ میں ان کے وجود بڑے، چھوٹے میں چھوٹے، گول میں گول اور صاف میں صاف ہوتے ہیں۔ یہ آئینہ سے قائم نظر آنے والی چیزوں کی مثال ہے۔ رہا آسمانوں میں موجود آفتاب کا وجود تو وہ چل کر آئینہ میں نہیں آ گیا۔

ایک دفعہ ان حضرات کے ایک شیخ نے مجھ سے اسی قسم کی باتیں کیں، وہ یہ گمان کرتا تھا کہ حلاج نے ''انا الحق'' اس لیے کہا تھا کہ وہ توحید کی اسی قسم کا مالک تھا۔ وہ شیخ کہتے ہیں کہ حلاج اور فرعون میں یہ فرق ہے کہ فرعون نے تو ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ (النازعات: ٢٤) ''پس اس نے کہا میں تمھارا سب سے اونچا رب ہوں۔'' کہا تھا اور خود اپنی ذات کی طرف اشارہ کیا تھا جبکہ حلاج اپنی ذات سے فنا ہو چکا تھا اور اب اس کی زبان پر ناطق ''حق'' تھا۔

اس پر میں نے پوچھا: اچھا کیا پھر حق تعالیٰ اس کے قلب میں تھے جو اس کی زبان سے بول رہے تھے۔ جیسا کہ ایک جن مرگی زدہ کی زبان سے بولتا ہے؟ یاد رہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حلاج وغیرہ مخلوقات کے دل سے جدا ہے بھلا حلاج وغیرہ کا دل رب تعالیٰ کو کیونکر سما سکتا ہے۔ پھر جن انسان کے بدن میں گھس کر اسے اس کے جملہ اعضاء سے غافل کر کے انھیں استعمال کرتا ہے۔ پس جن اس کی زبان سے جو بولتا ہے اور وہ اس کے اعضاء کے ساتھ جو کچھ کرتا ہے آدمی کو ان کی کوئی

❶ امام عجلونی ''کشف الخفاء'' (۲/ ۱۹۵) میں لکھتے ہیں: امام غزالی نے ''الاحیاء'' میں یہ بات ان الفاظ کے ساتھ کہی ہے: رب تعالیٰ فرماتے ہیں: مجھے نہ تو میرا آسمان سما سکا اور نہ میری زمین، البتہ میرے مومن نرم اور امین بندے کے دل نے مجھے سما لیا۔'' علامہ عراقی اس قول کی تخریج میں کہتے ہیں: میں نے اس کی کوئی اصل نہیں دیکھی، اور زرکشی کی پیرو صاحب ''الدرر'' نے بھی اس قول کی موافقت کی ہے۔ عجلوم امام ابن تیمیہ کا کلام نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''یہ قول اسرائیلیات میں مذکور ہے۔ اس کی نبی کریم ﷺ سے کوئی معروف اسناد نہیں۔'' آگے فرماتے ہیں: صاحب ''المقاصد'' اپنے شیخ کے ''الآلی'' میں مذکور قول کی پیروی میں کہتے ہیں: ''اس قول کی نبی کریم ﷺ سے کوئی معروف اسناد نہیں۔ علامہ سیوطی نے ''الدرر المنتشرة فی الاحادیث الشتهرة'' (ص ۱۷۵) میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔ کتاب ہذا کے محقق دکتور محمد بن لطفی الصباغ اس حدیث کی تعلیق میں لکھتے ہیں کہ ''یہ حدیث ''احادیث موضوعہ'' میں درج کی جانی چاہیے تھی۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

خبر نہیں ہوتی۔ پھر جن صرف اس کے دل میں ہی نہیں ہوتا۔ کیونکر قلب کے ساتھ جو بھی قائم ہوتا ہے وہ عرض ہوتا ہے نا کہ قائم بنفسہٖ کوئی موجود چیز ہوتی ہے۔ لہٰذا اس دل میں گھسا جن اس کی روح نہیں ہوتا۔

یہ لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ ذات حق تعالیٰ حلاج کے قلب کے ساتھ قائم ہوگئی تھی، مگر یہ بات ایک مخلوق کے حق میں ناممکن ہے۔ تو بھلا خالق باری تعالیٰ کے حق میں کیونکر ممکن ہوسکتی ہے؟

یہ لوگ بسا اوقات اس ارشاد نبوی سے بھی استدلال کرتے ہیں: ''جب امام ''سمع اللّٰہ لمن حمدہ'' کہے تو تم ''ربنا ولک الحمد'' کہو'' کیونکہ رب تعالیٰ نے ''سمع اللّٰہ لمن حمدہ'' اپنے پیغمبر کی زبان سے کہا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اس ارشاد سے وہ اتحاد اور حلول مراد نہیں ہے جو تم لیتے وہ بلکہ آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ رب تعالیٰ نے یہ کلام تم لوگوں تک اپنے رسول کی زبانی پہنچایا ہے اور تمھیں اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ حمد کرنے والے کی حمد کو سنتا ہے۔ لہٰذا تم اس کی حمد بیان کرو اور کہو ''ربنا ولک الحمد'' تاکہ رب تعالیٰ تمھاری دعا کو سنے۔ کیونکہ دعا سے پہلے حمد اس کے مقبول ہونے کا سبب ہے۔

یہ کہ ایک معروف بات ہے کہ ہمیشہ بھیجنے والا اپنے قاصد و پیامبر سے یہ کہتا آیا ہے کہ میری زبانی فلاں فلاں بات کہہ دینا اور پیامبر کہتے آئے ہیں کہ میں نے آپ کی زبانی فلاں فلاں بات کہہ دی ہے اور بھیجنے والا یہ بھی کہتا آیا ہے کہ میں نے تمھیں اپنے قاصد کی زبانی فلاں فلاں بات کہہ دی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ﴾ (الشوری: ۵۱)

''اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے، یا پردے کے پیچھے سے، یا یہ کہ وہ کوئی رسول بھیجے، پھر اپنے حکم کے ساتھ وحی کرے جو چاہے۔''

پس رب تعالیٰ جب فرشتوں یا رسولوں میں سے اپنے کسی پیامبر کو بھیجتا ہے تو وہ ان کے واسطہ سے اپنے بھیجے پیغام کا کلام کرنے والا اور اس کو بیان کرنے والا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ﴾ (التوبة: ۹۴)

''بے شک اللہ ہمیں تمھاری کچھ خبریں بتا چکا ہے۔''

یعنی اپنے رسول کے واسطہ سے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ (القیامة: ۱۸)

''تو جب ہم اسے پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کی پیروی کر۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

﴿نَتۡلُوۡا عَلَيۡكَ مِنۡ نَّبَاِ مُوۡسٰى وَ فِرۡعَوۡنَ بِالۡحَقِّ﴾ (القصص : ۳)

''ہم تجھ پر موسیٰ اور فرعون کی کچھ خبر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ وَ اِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ۝﴾ (یوسف : ۳)

''ہم تجھے سب سے اچھا بیان سناتے ہیں، اس واسطے سے کہ ہم نے تیری طرف یہ قرآن وحی کیا ہے اور بے شک تو اس سے پہلے یقیناً بے خبروں سے تھا۔''

یہ تلاوت و قراءت اور قصص جنابِ جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے تھی۔ رب تعالیٰ اپنے بھیجے رسول کے واسطے سے اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے اور اپنے حکم سے جو چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے۔ اسی لیے ان امور کا ذکر جمع کے صیغوں کے ساتھ آیا ہے۔ کیونکہ مطاع اپنے لشکر کے واسطے جو کرتا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''یہ ہم نے کیا ہے۔'' فرشتے یہ اللہ کے اس کے امر و خلق میں قاصد و پیامبر ہیں۔ لہٰذا رب تعالیٰ ان کے واسطے جو امر فرماتا ہے یا جو پیدا کرتا ہے اس بارے فرماتا ہے کہ ''یہ ہم نے کیا۔'' جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ۝﴾ (القیامۃ : ۱۸)

''تو جب ہم اسے پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کی پیروی کر۔''

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''یعنی اس قرآن کو تمھارے دل میں جمع کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ پھر ہم اسے تیری زبان سے پڑھیں گے۔ پس جب جبرائیل اس کو پڑھا کریں تو اسے توجہ سے سنا کر۔ یہاں تک کہ وہ پڑھ کر فارغ ہو جائیں گے۔''[1]

جیسا کہ ایک اور آیت میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّقۡضٰۤى اِلَيۡكَ وَحۡيُهٗ﴾ (طٰہٰ : ۱۱۴)

''اور قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کر، اس سے پہلے کہ تیری طرف اس کی وحی پوری کی جائے۔''

یعنی جناب جبرائیل کی قراءت کے ختم ہونے سے قبل اسے قراءت کرنے کی جلدی نہ فرمائیے۔ بلکہ ان کی قراءت کے ختم ہونے تک اسے سنیے۔ پھر اس کے بعد جو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے، اسے پڑھیے اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جمع کرنا ہمارے ذمے ہیں اور یہ کہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہم پڑھیں گے اور جب جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے جائیں تو اسے لوگوں کے سامنے بیان فرمائیے۔

---

[1] صحیح البخاری: ۱/ ۶۔ صحیح مسلم: ۱/ ۳۳۰-۳۳۱۔ مسند احمد: ۳/ ۲۷۸ طبعۃ المعارف۔ اس حدیث کو امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۵/ ۳۱۲ طبعۃ الشعب) میں بھی نقل کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

[مشار الیہ اور حدث کا قول]

رہا ان کا یہ قول کہ ''جس کی طرف اشارہ کرنے والوں کی زبانی اشارہ کیا جاتا ہے کہ یہ حدث کا اسقاط اور قِدَم کا اثبات ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''اس قول سے ان کی مراد محدَث کی نفی ہے کہ یہاں سوائے قدیم کے اور کوئی نہیں۔''

اب اس قول کی دو صورتیں ہیں۔ اگر تو ان کی یہ مراد ہے کہ محدَث کی نفی بالکلیہ ہے اور یہ کہ بندہ خود قدیم ہے تو یہ نصاریٰ کے قول سے بھی برا ہے۔ البتہ یہ نصاریٰ کے فرقہ یعقوبیہ کے قول کے قریب قریب ہے۔ چنانچہ یعقوبیہ کا قول ہے: ''لاہوت اور ناسوت گھل مل گئے اور باہم گڈمڈ ہو گئے اور ایک جوہر ایک اقنوم اور ایک طبیعت بن گئے۔'' اور بعض کہتے ہیں: ''جن دونوں ہاتھوں نے کیل ٹھونکا یہ وہی دونوں ہاتھ ہی تو ہیں جنھوں نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تھا۔''

جبکہ نسطوریہ اس بات کے قائل ہیں کہ لاہوت ناسوت میں حلول کر گیا تھا۔ ملکانیہ کا قول ہے کہ ''ایک شخص جس کا ایک اقنوم ہے اور دو طبیعتیں اور دو مشیئتیں ہیں۔'' اب ملکانیہ رب تعالیٰ کو لوہے اور آگ سے تشبیہ دیتے ہیں جبکہ نسطوریہ ظرف میں موجود پانی کے ساتھ اور یعقوبیہ دودھ ملے پانی اور شراب ملے پانی کے ساتھ رب تعالیٰ کو تشبیہ دیتے ہیں۔ [1]

اب اگر تو ''اسقاط الحدوث'' سے قائل کی مراد یہ ہے کہ محدَث معدوم ہے تو یہ مکابرہ ہے اور اگر اس سے مراد بندے کے قلب سے محدَث کا اسقاط ہے اور یہ کہ اس کے قلب میں سوائے قدیم کے اور کوئی باقی نہیں رہ گیا تو اگر تو اس سے مراد قدیم کی ذات ہے تو نسطوریہ نصاریٰ کا قول ہے اور اگر اس سے مراد رب تعالیٰ کی معرفت اس پر ایمان، اس کی توحید، یا اس کی مثل یا مثل علمی یا اس کا نور ہے تو یہ معنی صحیح ہے کیونکہ اہل توحید کے قلوب اس معنی سے معمور ہیں۔ لیکن ان کے دلوں میں رب تعالیٰ کی ذاتِ قدیم اور اس کے ساتھ قائم اس کی صفات نہیں ہیں۔

رہے اتحاد عام کے قائلین تو وہ کہتے ہیں: وجود میں صرف وجودِ قدیم ہی ہے اور یہ جہمیہ کا قول ہے۔ جو ابو اسماعیل کی مراد نہیں۔ کیونکہ انھوں نے اپنی کتابوں میں جابجا ان حلولی جہمیہ کی تکفیر کی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ رب تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے اور جن باتوں کے ساتھ بعض لوگوں کو وہ خاص کر لیتا ہے ان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اسی لیے ابو اسماعیل نے یہ کہا کہ ''وہ اپنے برگزیدہ لوگوں کی ایک جماعت پر ان اسرار کو ایک گونہ ظاہر کرتا ہے۔''

رؤیت باری تعالیٰ:

ان صوفیوں، اہل احوال اور عبادت گزاروں میں سے بے شمار لوگ اتحاد اور حلولِ خاص میں جا پڑے کہ ان پر اچانک ایسے احوال طاری ہوتے ہیں جن کی معرفت سے یہ لوگ عاجز ہوتے ہیں اور ان کی عقلیں ان میں تمیز کرنے سے بے بس ہوتی ہیں اور وہ اس حال کو حق تعالیٰ کی ذات گمان کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ بہت سارے یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی

---

[1] یعقوبیہ، نسطورہ اور ملکانیہ کے اقوال کے لیے دیکھیں شہرستانی کی: الملل و النحل: ۱/ ۲۰۳-۲۰۸۔ الفصل فی الملل و النحل: ۱/ ۱۱۰-۱۳۲۔ الجواب الصحیح لمن یدل دین المسیح لابن تیمیۃ: ۱۳۷۹-۱۹۵۹۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آنکھوں سے حق تعالیٰ کو دیکھا ہے اور بہت سارے اپنے تئیں رب سے کی باتیں اور رب تعالیٰ کی ناراضی کو حکایت کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ سب باتیں ان کے دل میں مثال علمی ہیں جو ہر ایک کے ایمان کے بقدر ہوتی ہے۔

خواب میں رب تعالیٰ کی رؤیت بھی اسی مثالِ علمی میں سے ہے کہ رب تعالیٰ مختلف صورتوں میں نظر آتا ہے اور وہ اسے اپنے ایمان کے بقدر دیکھتا ہے۔ لہٰذا جب نبی کریم ﷺ سب سے بڑے ایمان والے تھے تو آپ ﷺ نے رب تعالیٰ کو سب سے اچھی صورت میں دیکھا۔ یہ رؤیت منامی مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ جیسا کہ آپ ﷺ سے منقول و ماثور احادیث میں وارد ہے۔ ❶ رہی معراج کی رات تو اس بارے کسی معروف حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ آپ ﷺ نے اس رات رب تعالیٰ کو دیکھا۔ البتہ اس بات پر علماء محدثین کا اتفاق ہے کہ اس بارے جو حدیث مروی ہے وہ موضوع ہے۔ جسے خلال نے ابوعبید کے طریق سے روایت کیا ہے اور قاضی ابو یعلی نے "ابطال التاويل" میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔ رہی وہ حدیث جو نبی کریم ﷺ کے رؤیت باری تعالیٰ سے متعلق ہے تو امام اور ان کے اصحاب اس بارے کبھی تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اتباع میں یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا۔'' کیونکہ امام احمد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا۔

صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (وہ تو) نور (ہے) بھلا میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔''

یہ سوال حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کسی سے منقول نہیں۔ رہا عامۃ الناس کا یہ نقل کرنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم ﷺ سے یہی بات پوچھی تھی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! میں نے اپنے رب کو دیکھا۔'' اور یہ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سوال پر آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ ''میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا'' تو یہ جھوٹ ہے۔ اہل علم میں سے کسی نے بھی یہ روایت ذکر نہیں کی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ ایک سوال کے جواب میں مطلق نفی اور اثبات کے ساتھ جواب نہیں دے سکتے۔ آپ ﷺ اس بات سے منزہ اور بری ہیں۔ ❷

---

❶ امام احمد: ۴/ ۲۰۱، رقم: ۲۵۸۰، ۴/ ۲۲۱، رقم: ۲۶۳۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''میں نے اپنے پروردگار تبارک و تعالیٰ کو دیکھا ہے۔'' استاذ احمد شاکر نے ان دونوں احادیث کو صحیح کہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: یہ حدیث "مجمع الزوائد" (۱/ ۷۸) میں وارد ہے اور فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ ابوبکر عمرو بن عاصم نے "کتاب السنة" میں "باب ما ذکر من رؤیة النبی ﷺ ربه تعالیٰ" (ص ۱۸۸-۱۹۳) کے عنوان سے ایک فصل قائم کی ہے اور اس میں متعدد احادیث ذکر کی ہیں جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث (رقم ۴۳۳) بھی ہے۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، اور وہ کہتے ہیں: اس حدیث کو امام احمد، آجری (ص ۴۹۴) بیہقی (الاسماء و الصفات، ص: ۴۴۴) اور ضیاء مقدسی (المختارة) نے روایت کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ کے باقی احادیث رپ کلام کو وہاں دیکھ لیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے "صحیح الجامع الصغیر" (۳/ ۱۶۸) میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما پر یہ تعلیق ذکر کی ہے: ''یعنی آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا جیسا کہ دوسری روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔

❷ دیکھیں: کتاب الشریعة للآجری بتحقیق شیخ محمد حامد الفقی طبعة السنة المحمدیة، ص: ۴۹۱-۴۹۷۔ کتاب التوحید خزیمة، ص ۱۹۷-۲۳۰۔ تحقیق شیخ محمد زاهد الکوثری، طبعة السعادة۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو جب اس باب میں جناب ابوذر رضی اللہ عنہ دوسروں سے زیادہ جانتے تھے اس لیے امام احمد رحمہ اللہ نے ان کی پیروی کی۔ اس پر مستزاد یہ کہ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اور ثابت ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کو اپنے قلب سے دو مرتبہ دیکھا۔'' [1]

پھر کبھی تو امام احمد رحمہ اللہ لفظ رؤیت کو حدیث کی اتباع میں عین، قلب اور فواد کی قید کے بغیر مطلق ذکر کرتے ہیں اور کبھی مطلق رؤیت ذکر کرنے والے کے قول مستحسن قرار دیتے ہیں جو عین یا قلب کا ذکر نہیں کرتا۔ امام احمد کے اصحاب میں سے کسی ایک نے بھی ان سے رؤیت بالعین کو نقل نہیں کیا۔ خلال نے ''کتاب السنۃ'' میں امام احمد سے منقول اس قول کو ذکر کیا ہے۔

اسی طرح کسی ایک نے بھی صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رؤیت بالعین کو نقل نہیں کیا۔ بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یا تو رؤیت مطلقہ کی روایت ثابت ہے یا پھر رؤیت بالقلب کی روایت ثابت ہے۔

امام احمد کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے جن میں قاضی ابو یعلی اور ان کے متبعین شامل ہیں، رؤیت تعالیٰ سے متعلق امام احمد سے تین روایات کو ذکر کیا ہے۔

۱۔ ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان لوگوں نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اسی طرح اشعری اور ایک جماعت نے بھی اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ البتہ ان لوگوں نے اس بارے امام احمد سے اور نہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ایک بھی صریح لفظ ذکر کیا ہے۔ ہاں امام احمد رحمہ اللہ سے منقول اور ثابت جو قول ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول اور ثرابت قول کی جنس سے ہے۔

۲۔ دوسری روایت قلب کی قید کے ساتھ رؤیت کی ہے اور

۳۔ تیسری روایت مطلق ہے۔

رہی عین کی قید کے ساتھ رؤیت تو وہ نہ تو امام احمد رحمہ اللہ سے ثابت ہے اور نہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ثابت

---

[1] امام مسلم نے اپنی ''الصحیح'' (۱/ ۱۵۸-۱۵۹) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی دو آثار کو ذکر کیا ہے۔ (۱) ایک رؤیت بالقلب کا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (۲) اور دوسرا ابو العالیہ سے مروی ہے۔ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ (النجم:۱۱) ''دل نے جھوٹ نہیں بولا جو اس نے دیکھا۔'' اور ارشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾ (النجم:۱۳) ''حالانکہ بلاشبہ یقیناً اس نے اسے ایک اور بار اترتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان دونوں آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کو اپنے قلب سے دو مرتبہ دیکھا ہے۔ امام ترمذی ''الجامع'' (۵/۷۰) میں عکرمہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے قلب سے دیکھا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ اسی معنی میں یہ اثر ''مسند احمد'' (۳/ ۲۹٤) طبعۃ المعارف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ شیخ احمد شاکر اس کی تعلیق میں فرماتے ہیں اور اسے امام سیوطی رحمہ اللہ نے ''الدرر المنثور'' (٦/ ١٢٤) میں یہ روایت کی ہے۔ یہ روایت طبرانی اور ابن مردویہ نے بھی اور بیہقی نے ''الاسماء و الصفات'' میں ذکر کی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ رہے نبی کریم ﷺ کے سوا دوسرے تمام لوگ، تو امام احمد رحمہ اللہ نے اسلاف کا اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ کسی نے بھی رب تعالیٰ کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ صحیح مسلم میں ایک ثابت حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جان لو! بے شک تم میں سے کوئی بھی (اس دنیا کی زندگی میں نہ سوتے میں اور نہ جاگتے میں) اپنے رب کو ہرگز نہ دیکھے گا یہاں تک کہ اسے موت آلے گی۔'' [1]

غرض یہ موقع اس مسئلہ کی تفصیل کا نہیں۔

غرض یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ متعدد سالکین پر ایسے احوال طاری ہوتے ہیں جو اسے عشق الٰہی میں تباہ اور فنا کر دیتے ہیں۔ [2] یہاں تک کہ وہ یہ گمان کر بیٹھتا ہے کہ حق ذات وہی ہے۔

یا یہ کہ حق اس کی زبان پر ناطق ہے، یا وہ حق کو دیکھ رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن دراصل ان کا مخاطب اور مشاہد شیطان ہوتا ہے۔ پھر کوئی اس کے عرش پر نور کو چھایا دیکھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ عرش کے فرشتے ہیں حالانکہ وہ سب شیاطین ہوتے ہیں جن کو وہ اپنے تئیں عرش کے گرد دیکھتا ہے۔ یہ معاملہ کئی لوگوں کے ساتھ پیش آیا ہے۔

فصل ......رب تعالیٰ کی محبت

کئی جماعتوں نے اس بات کا تو اعتراف کیا ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات محبت کیے جانے کی مستحق ہے، لیکن وہ اس بات کے قائل نہیں کہ رب تعالیٰ اپنے غیر سے محبت کرتا ہے البتہ یہ محبت ارادۂ عامہ کے معنی میں ہے۔ کیونکہ مومنوں کا اپنے رب سے محبت کرنا یہ دلوں اور فطرتوں میں موجود ہے۔ کتاب وسنت اس پر شاہد ہے، امت کے اسلاف اور برگزیدہ لوگوں سے متواتر منقول بھی ہے اور عارفین باللہ کا اس بات پر اتفاق بھی ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ جنت میں رؤیت باری تعالیٰ کی لذت سب سے بڑی لذت ہوگی۔ صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی ندا کرے گا: ''اے جنت والو! اللہ کے ہاں تمھارے لیے ایک وعدہ ہے جسے وہ تمھارے ساتھ پورا کرنا چاہتا ہے۔'' وہ کہیں گے: وہ وعدہ کیا ہے؟ کیا اس نے ہمارے چہرے سفید نہیں کر دیئے، ہمارے اوزان بھاری نہیں کر دیئے، ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا اور ہمیں جہنم سے بچا نہیں دیا؟ اس پر رب تعالیٰ حجاب کو کھول دیں گے اور جنتی اسے دیکھیں گے۔ پس رب تعالیٰ نے انھیں اپنی زیارت سے

[1] صحیح مسلم: ٤/ ٢٢٤٥۔ سنن الترمذی: ٣/ ٣٤٥۔ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ''تم لوگ جانتے ہو کہ وہ اپنے رب کو ہرگز نہ دیکھے گا......الحدیث۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

[2] قاشانی کتاب ''اصطلاحات الصوفية'' (ص ٣٠، تحقیق دکتور محمد کمال جعفر طبعة الهيئة المصرية العامة لكتاب ١٩٨١ء) میں لکھتے ہیں: اصطلام: یہ دل پر غالب وہنے والے عشق وگرویدگی کو کہتے ہیں اور یہ حالت ''هيمان'' (عشق کی دیوانگی) کے قریب قریب ہوتی ہے۔ ابن عربی ''اصطلاحات الصوفية'' (ص ٢٤٠) میں لکھتے ہیں: اصطلام: یہ عشق کی ایک قسم ہے جو دل پر وارد ہوتی ہے۔ بندہ کے اس غلبہ وسلطان کے وقت پرسکون ہو جاتا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

زیادہ محبوب کوئی چیز نہ دی ہوگی۔''

امام نسائی وغیرہ نے ایک اور حدیث روایت کی ہے جس میں ارشاد ہے:

''(اے اللہ!) میں تجھ سے تیرے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت اور تیری ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں، جو ضرر و اضرار سے اور گمراہ کر دینے والے فتنہ سے خالی ہو۔''

پس نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ:''رب تعالیٰ نے انھیں اپنی زیارت سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہ دی ہوگی۔'' یہ بتلاتا ہے کہ رب تعالیٰ کی رؤیت سے حاصل ہونے والی لذت جنت کی ہر لذت سے زیادہ اور بڑی ہوگی۔ اس بات کا تجربہ انسان کو اس دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کے ذکر سے اور اس کی خوبیوں اور نعمتوں کو یاد کرنے سے جو لذت قلب میں حاصل ہوتی ہے وہ دنیا کی کسی دوسری چیز میں نہیں ہوتی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔''❶

اور آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:''اے بلال! ہمیں نماز سے راحت دو۔''❷

اور ایک حدیث میں ہے:

''جب تم جنت کے باغوں کے پاس سے گزرو تو (ان میں) خوب چرو۔'' لوگوں نے عرض کیا: جنت کے باغات کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''ذکر کی مجالس۔''❸

اسی باب میں سے یہ ارشاد نبوی بھی ہے:

''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''❹

کیونکہ یہاں سب سے بڑی مجلس ذکر قائم ہوا کرتی تھی۔

جہمیہ معتزلہ میں سے رؤیت باری تعالیٰ کے منکر اس لذتِ حاصلہ کے بھی منکر ہیں۔ اب جو لوگ رؤیت کی تاویل مزید علم سے کرتے ہیں، وہ اس لذت کی تفسیر اس علم کی لذت سے کرتے ہیں جیسا کہ دنیا میں اس کے ذکر سے لذت

❶ سنن النسائی: ۷/ ۵۸-۶۰۔ اس حدیث کے پہلے الفاظ یہ ہیں: دنیا میں سے جو چیز مجھے محبوب کی گئی ہے...... الحدیث۔ یہ حدیث ''مسند احمد'' (۳/ ۱۲۸، ۱۱۹، ۲۸۵، طبعة الحلبی) میں بھی ہے۔ علامہ سیوطی نے ''الجامع الصغیر'' میں مزید کہا ہے کہ یہ حدیث المستدرك للحاكم اور سنن البیہقی میں مذکور ہے، علامہ البانی نے ''صحیح الجامع'' (۳/ ۸۷) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ''مشكاة المصابيح للتبريزی'' (۲/ ۶۶۲، طبعة المكتب الاسلامی دمشق) کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔

❷ سنن ابی داود: ٤/ ٤٠٦۔ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ''مسند احمد'' (٥/ ٣٦٤) میں بھی ہے۔ علامہ البانی نے ''مشکاۃ المصابیح'' (۱/۳۹۳) میں اور ''صحیح الجامع الصغیر'' (٦/ ٢٨٤) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

❸ جامع الترمذی: ٥/ ١٩٤۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت حدیث کے بالمقابل حسن اور غریب ہے۔ (مسند احمد: ۳/ ۱۵۰ طبعة الحلبی)

❸ صحیح البخاری: ۲/ ٦١۔ جامع الترمذی: ٥/ ٣٧٦-٣٧٧۔ یہ حدیث سنن نسائی، موطا اور مسند احمد میں بھی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہوتی ہے۔ البتہ وہ لذت زیادہ کامل ہوگی۔

یہ قول فلاسفہ، صفاتِ باری تعالیٰ کی نفی کرنے والے متصوفین جیسے فارابی، ابو حامد اور ان جیسے لوگوں کا قول ہے۔ کیونکہ ان حضرات کی کتابوں جیسے ''الحیاء'' وغیرہ میں لکھا ہے کہ رب تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت اسی معنی میں ہے۔ ❶

فلاسفہ لذتِ عقلیہ کو ثابت کرتے ہیں اور ابونصر فارابی اور ان جیسے دوسرے فلاسفہ رؤیت باری تعالیٰ کو ثابت کرتے ہیں۔ البتہ اس کی تفسیر وہ اس مذکورہ معنی کے ساتھ کرتے ہیں۔

ابو المعالی اور ابن عقیل وغیرہ تو وہ لوگ رب تعالیٰ کو دیکھنے سے لذت کے حصول کے منکر ہیں اور یہ لذت موت کے بعد بھی ثابت ہے۔ البتہ یہ لوگ اس لذت کو ثابت کرنے سے قاصر ہیں جیسا کہ وہ لوگ دیگر لذات کو ثابت کرنے سے قاصر ہیں۔ ہم نے ایک دوسری جگہ اس کو مفصل ذکر کر دیا ہے۔

اب ابو المعالی جو رؤیت باری سے لذت کے حصول کے منکر ہیں، کہتے ہیں: یہ بات ممکن ہے کہ رب تعالیٰ کو دیکھنے کے ساتھ جنت کی بعض مخلوقات کے ذریعے لذت حاصل ہو۔ تو یہ لذت جو بعض مخلوق کے ذریعے ملی ہے، یہ رب تعالیٰ کی طرف دیکھنے کے ساتھ ہوگی۔

ابن عقیل نے ایک آدمی کو یوں دعا مانگتے سنا: ''اے اللہ! میں تجھ سے تیری طرف دیکھنے کی لذت کا سوال کرتا ہوں' تو ابن عقیل نے کہا: اچھا فرض کرو کہ اللہ کا چہرہ ہے تو کیا تم اس کی طرف دیکھنے کے ذریعے لذت حاصل کرو گے؟

یہ ابن عقیل کے منکر اقوال و آراء ہیں اور وہ اپنی آراء میں بہت رنگ بدلتے تھے۔ کیونکہ موصوف بڑے ذہین اور عالم فاضل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اقوال میں جہمیہ اور معتزلہ کے ہم رنگ اقوال بھی مل جاتے ہیں، جن میں سے ایک مذکورہ قول بھی ہے۔

اسی طرح ابو المعالی نے بھی اس قول کی بنا پر جہمیہ کی اس اصل پر رکھی ہے جس میں اشعری اور اس کے ہم نوا جیسے

---

❶ امام غزالی ''الاحیـــــاء'' (۱۴/ ۶۲-۷۶) میں اللہ کی طرف دیکھنے کی لذت پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''جان لے کہ لذات یہ ادراکات کے تابع ہوتی ہیں۔ اس کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''یہیں سے معلوم ہوگیا کہ علم بھی لذیذ ہے اور سب سے لذیذ تر علم، رب تعالیٰ کی ذات کا اور اس کی صفات و افعال کا اور اس کا اپنی مملکت میں جو عرش کی انتہا سے لے کر زمینوں کی حدوں تک ہے، تدبیر کرنے کی معرفت کا علم ہے اور یہ بات جان لینا از حد مناسب ہے کہ معرفت کی لذت یہ شہوت و غضب وغیرہ کی دیگر تمام لذات سے زیادہ قوی ہوتی ہے'' آگے لکھتے ہیں: جان لے کہ مدرکات کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک وہ جو خیال میں آ جاتے ہیں۔ (۲) اور دوسری قسم کے مدرکات وہ ہیں جو خیال میں نہیں آتے۔ جیسے رب تعالیٰ کی ذات اور ہر وہ چیز جس کا وجود نہ ہو۔ جیسے علم اور قدرت وغیرہ۔'' آگے لکھتے ہیں ''اور وہ جنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس وقت کو پا لیتا ہے۔ لیکن وہ وقت مبہم ہے کیونکہ اس میں رب تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور یہ تجلی کا انکشاف اس کے علم کے مطابق ہوگا۔ جیسا کہ آدمی کے خیال کے اعتبار سے شیشہ میں تجلی ہوتی ہے اور یہی وہ مشاہدہ اور تجلی ہے جس کا نام رؤیت ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

قاضی ابوبکر، قاضی ابو یعلی وغیرہ جہمیہ کے موافق ہیں کہ اللہ کی ذات محبوب نہیں اور وہ اپنی ذات سے محبت نہیں کرتا۔ جہمیہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ قول کر کے دراصل ہم صوفیہ کے ساتھ اختلاف کر رہے ہیں۔

بلاشبہ یہ قول جہم میں صفوان کی باقیات میں سے ہے۔ اسلام میں رب تعالیٰ کے محبّ یا محبوب ہونے کا انکار کرنے والا یہ پہلا شخص جہم بن صفوان اور اس کا شیخ جعد بن درہم تھا۔ اسی طرح جنابِ موسیٰ علیہ السلام کے کلیم اللہ ہونے کا اسلام میں پہلا منکر بھی یہی تھا۔ جہم صفات واسماء کی نفی کرتا تھا۔ پھر ان میں سے کوئی معتزلہ کی طرف پلٹ گیا۔ چنانچہ اس نے صفات کی تو نفی کی البتہ اسماء کی نفی سے گریز کی۔

یاد رہے کہ امت کے ائمہ واسلاف میں سے کسی کا بھی یہ قول نہیں۔ بلکہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رب تعالیٰ محبوب ہونے کا مستحق ہے اور رب تعالیٰ سے بڑھ کر محبوب ہونے کی مستحق کوئی بھی چیز نہیں۔ بلکہ اللہ کے سوا ہر چیز اس بات کی مستحق ہے کہ وہ غیر محبوب ہو، ہاں اللہ کی وجہ سے کوئی چیز محبوب ہو تو ہو۔ لہٰذا بندہ لباس پوشاک اور طعام وشراب میں سے جو چیز بھی محبوب رکھتا ہے تو چاہیے کہ صرف اسی لیے محبوب رکھے کہ وہ ان چیزوں سے رب تعالیٰ کی عبادت پر، جو اس کی محبت کو متضمن ہوتی ہے، استعانت لے گا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے مخلوق کو صرف اپنی عبادت کے لیے ہی پیدا کیا ہے اور ان میں شہوات کو اس لیے پیدا فرمایا ہے تاکہ وہ ان میں ان شہوتوں کو اپنائیں جو اس کی عبادت میں معین و مددگار ثابت ہوں اور جو اللہ کی عبادت نہیں کرتا وہ برباد اور ہلاک ہے۔ اللہ شرک کو اور اپنے ساتھ غیر کی عبادت کو کبھی معاف نہ کرے گا۔ تو بھلا جو اس کی عبادت کو معطل ہی کر بیٹھے جیسے فرعون اور اسی جیسے لوگ تو ان کا کیا حال ہوگا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ (النساء: ٤٨)

''بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا۔''

تعطیل بھی شرک سے کم نہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑی بری چیز ہے۔ لہٰذا جو اللہ کی عبادت کرنے سے کنیاتے، کتراتے اور تکبر کرتے ہیں وہ دوسروں کو شریک کر کے اس کی عبادت کرنے والوں سے بھی زیادہ بڑے مجرم ہیں۔ تو اللہ ان شرک کرنے والوں کو نہ بخشے گا تو ان سرے سے عبادت ہی نہ کرنے والوں کو تو بدرجۂ اولیٰ نہ بخشے گا۔ اب جو بھی مومن ہے، اس کے جی میں اللہ کی محبت ہے، چاہے وہ زبان سے اس کا انکار بھی کرتا ہو۔

اب اہل کلام میں سے، مومن ہونے کے باوجود اللہ کی محبت کا انکار کرنے والے اگر اپنی خلقی فطرت کی طرف لوٹ آئیں اور اللہ کی عبادت کے وقت اپنے دلوں کے احوال سے عبرت حاصل کریں، تو وہ اپنے دلوں میں رب تعالیٰ کی ایسی محبت پائیں گے جو اس کی قدرت کے علاوہ ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ دوسروں سے کہیں زیادہ اس کے علم، اس کی صفات اور اس کے ذکر میں نظر و فکر اور غور و تدبر کرنے والے ہوتے ہیں اور یہ باتیں اللہ محبت ہی تو ہیں۔ وگرنہ جو ذات محبوب نہ ہو، بھلا نفس اس کے ذکر کا حریص کیونکر ہوگا اور ذکر تب ہی کرے گا جب اس سے کوئی حاجت وابستہ ہو۔ اسی لیے تو کہتے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ہیں: ''جسے جس چیز سے محبت ہوتی ہے، وہ اس کا ذکر بھی بہت زیادہ کرتا ہے۔''

مومن بندہ اپنے مقاصد کے حصول میں اللہ کا محتاج ہے اور وہ اپنے دل میں اللہ کی محبت کو اس جذبہ کے علاوہ صورت میں پاتا ہے، وہ رب تعالیٰ کا اس لیے محتاج ہے کہ وہ اس کا رب ہے اور الٰہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ایاك نعبد و ایاك نستعین'' لہٰذا بندہ ضرور اللہ کی عبادت گزار بھی ہوگا اور اس سے مدد و اعانت کا طلب گار بھی ہوگا۔ اسی لیے ہر مومن پر نماز میں ان کلمات کے ساتھ دعا مانگنے کو فرض کر دیا گیا۔

پھر یہ کلمہ اللہ اور بندے کے درمیان ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رب تعالیٰ نے ۱۰۶ کتابیں نازل فرمائی ہیں پھر ان سب کے راز کو چار میں جمع فرما دیا۔ پھر چار کے راز کو قرآن میں اکٹھا کر دیا۔ پھر پورے قرآن کے راز کو سورۂ فاتحہ میں جمع کر دیا۔ پھر سورۂ فاتحہ کے راز کو ان دو کلمات ''ایاك نعبد و ایاك نستعین'' میں جمع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اس بات کو قرآن کریم میں متعدد مواقع پر دہرایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ (ھود: ۱۲۳)

''سو اس کی عبادت کر اور اس پر بھروسا کر۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ﴾ (ھود: ۸۸)

''میں نے اسی پر بھروسا کیا اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ مَتَابِ﴾ (الرعد: ۳۰)

''اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (الطلاق: ۲-۳)

''اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔ اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا اور جو کوئی اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اسے کافی ہے۔''

غرض قرآن کریم میں اس جیسی آیات بے شمار ہیں۔

اب یہ لوگ رب تعالیٰ کی محبت کی تاویل عبادت و طاعت سے محبت کے ساتھ کرتے ہیں۔

ان لوگوں سے یہ کہا جائے گا کہ فطری طور پر یہ بات ممتنع ہے کہ ایک انسان اپنے مطاع کی طاعت و عبادت سے محبت کرے مگر جب ہی جب وہ اللہ سے محبت کرنے والا ہو، وگرنہ جس کی ذات سے محبت نہ ہو، آدمی اس کی طاعت و

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

عبادت سے بھی محبت نہیں کرتا اور جو کسی مخلوق عوض کے لیے طاعت و عبادت سے محبت کرتا ہے تو وہ دراصل اسی عوض سے محبت کرتا ہے اور یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ ایک مومن کو کافر اور ظالم سے بغض ہوتا ہے لیکن بسا اوقات وہی مومن اجرت اور معاوضہ کے لیے اس ظالم و کافر کی مزدوری کر رہا ہوتا ہے۔ تو یہ مزدوری عوض کے لیے ہوتی ہے نا کہ اس سے محبت ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں مقصود صرف مزدوری اور معاوضہ ہے۔ لہٰذا جو اللہ سے صرف معاوضہ ہی چاہتا ہے وہ ہرگز بھی اس سے محبت کرنے والا نہیں ہوتا۔ جیسے معاوضہ کے لیے مزدوری کرنے والا۔

اب ہر محبوب یا بالذات محبوب ہوگا یا بالغیر محبوب ہوگا۔ اب جو بالغیر محبوب ہوگا تو وہاں دراصل محبوب وہ دوسرا غیر ہی ہوتا ہے اور یہ غیر محبوب تک وسیلہ کے لیے محبوب ہوتا ہے۔ پھر وسیلہ کبھی تو سخت مکروہ ہوتا ہے لیکن انسان مقصود تک پہنچنے کے لیے اسے برداشت کرتا ہے۔ جیسے عافیت سے محبت مریض کو کڑوی دوا پینے پر تیار کر دیتی ہے۔ لہٰذا یہ نہ کہا جائے گا کہ مریض کو وہ کڑوی دوا محبوب ہوتی ہے۔

اب اگر تو رب تعالیٰ اپنی نعمتوں کی بنا پر محبوب ہے تو یہ دراصل محبوب نہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرة: ١٦٥)

’’اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو غیر اللہ میں سے کچھ شریک بنا لیتے ہیں، وہ ان سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ سے محبت میں کہیں زیادہ ہیں۔‘‘

اس آیت میں رب تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ مومنوں کو رب تعالیٰ سے مشرکوں سے بھی زیادہ محبت ہے اور وہ مشرک بتوں سے اللہ کے جیسی محبت کرتے تھے اور یہ بات معلوم ہے کہ مشرکوں کو اپنے بتوں سے بڑی محبت تھی۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ﴾ (البقرة: ٩٣)

’’اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں اس بچھڑے کی محبت پلا دی گئی۔‘‘

اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان مشرکوں کو ان بتوں سے اپنے تئیں اس لیے بڑی محبت تھی کیونکہ انھیں وہ نافع اور ضار سمجھتے تھے بے شک یہ دونوں باتیں کسی چیز سے محبت کیے جانے کا سبب ہیں۔ لیکن جب یہ گمان کیا جائے کہ اس معبود میں صفاتِ کمالیہ بھی ہیں تو اس کے نافع ہونے سے قطع نظر اس سے زیادہ محبت کی جاتی ہے۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ:

’’اللہ سے محبت کرو اس لیے کہ وہ تمھیں نعمتوں سے نوازتا ہے اور مجھ سے اللہ کی محبت کی وجہ سے محبت کرو اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میرے اللہ اہل بیت سے میری محبت کی وجہ سے محبت کرو۔'' [1]

اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے کیونکہ رب تعالیٰ کو یہ باست پسند ہے کہ اس سے محض اس کی ذات کی وجہ سے محبت ی جائے گو کہ اس کے احسانات کی وجہ سے اس سے محبت کرنا واجب بھی ہے۔

قائل کا یہ قول کہ احسان کی وجہ سے محبت کرنا یہ عوام کی محبت ہے اور وہ خواص کی محبت ہے۔ تو یہ قول کچھ بھی نہیں۔ بلکہ ہر مومن اللہ سے بالذات محبت کرتا ہے چاہے زبان سے نہ بھی مانتا ہو اور جسے اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ محبوب نہ ہو تو وہ مومن نہیں۔

اب جو یہ کہتا ہے کہ میرے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی ایسی محبت نہیں، تو دو میں سے ایک بات ضرور لازم ہے۔

ا۔ یا تو وہ اپنی خبر دینے میں سچا ہے۔ تب پھر یہ مومن نہ ہوگا۔ کیونکہ جب یہی بات ابوجہل اور ابولہب وغیرہ نے کہی تھی اور وہ اپنی بات میں سچے بھی تھے، تو وہ کافر بھی کہلاتے۔ باوجودیکہ ان کے دلوں میں اللہ کی محبت تھی گو شرک کی آمیزش کے ساتھ ہی تھی۔ کیونکہ انھیں بتوں سے ایسی محبت تھی جیسے اللہ سے ہوتی ہے۔ اسی لیے انھیں نبی کریم ﷺ سے بغض و عداوت تھی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے انھیں ایک اکیلے اللہ کی بلا شرکت غیرے عبادت کی دعوت دی تھی اور جن بتوں سے وہ محبت کرتے تھے آپ ﷺ نے ان بتوں کا انکار فرمایا تھا اور انھیں اس بات سے روکا کہ وہ کسی چیز سے اللہ کی محبت کے جیسی محبت کریں۔ سو اس بات پر وہ کافر آپ ﷺ سے بغض رکھتے تھے۔ سو یہ اللہ کو چھوڑ کر اور بتوں کو معبود بنانے والے مشرک ان بتوں سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے تھے اور متعدد امور میں ان بتوں کو رب تعالیٰ پر ترجیح اور فضیلت دیتے تھے۔ حالانکہ یہ لوگ جانتے تھے کہ اعظم و اجل ذات اللہ ہی کی ہے لیکن ان کے نفس ان بتوں کو زیادہ چاہتے تھے۔

اب رب تعالیٰ نے جب بتوں سے محبت کرنے والے کو مشرکوں جیسی محبت کرنے والا قرار دیا ہے تو جو بتوں سے جتنا زیادہ محبت کرے گا وہ اتنا ہی بڑا مشرک و کافر بنتا چلا جائے گا۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (الانعام ۱۰۸)

''اور انھیں گالی نہ دو جنھیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، پس وہ زیادتی کرتے ہوئے کچھ جانے بغیر اللہ کو گالی دیں گے۔''

پس اگر یہ لوگ اپنے بتوں کی اللہ سے زیادہ تعظیم نہ کرتے ہوتے تو ان کے بتوں کو گالی پڑنے پر یہ کبھی بھی اللہ کو گالی

[1] جامع الترمذی: ۳/ ۳۲۹۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف اسی طریق سے جانتے ہیں۔ یہ حدیث ''المستدرک'' (۳/ ۱۴۹۔۱۵۰) میں بھی ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے البتہ شیخین نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔ البتہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''ضعیف الجامع الصغیر و زیادتہ'' (۱/ ۹۸) میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہ دیتے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ (الانعام: ۱۳۶)

''اور انھوں نے اللہ کے لیے ان چیزوں میں سے جو اس نے کھیتی اور چوپاؤں میں سے پیدا کی ہیں، ایک حصہ مقرر کیا، پس انھوں نے کہا یہ اللہ کے لیے ہے، ان کے خیال کے مطابق اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہے، پھر جو ان کے شرکا کے لیے ہے سو وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو اللہ کے لیے ہے سو وہ ان کے شریکوں کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔''

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے احد کے دن یہ کہا تھا: ''ہبل بلند وہ، ہبل بلند ہو۔'' اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم انھیں جواب کیوں نہیں دیتے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم کیا جواب دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم یہ کہو ''اللہ سب سے بلند اور سب سے بزرگ ہے۔'' اس پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ہمارے پاس عزیٰ ہے، تمھارا کوئی عزیٰ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم انھیں جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہم کیا جواب دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کہو: اللہ ہمارا مولی ہے، تمھارا کوئی مولیٰ نہیں۔'' [1]

بہت سارے لوگ بتوں کے نام کی قسمیں اٹھاتے ہیں، ان کے نام کی نذریں مانتے ہیں، ان کی محبت اور بغض میں دوسروں سے محبت اور بغض رکھتے ہیں۔ پھر ان کی قسم اٹھاتے ہوئے جھوٹ بھی نہیں بولتے اور ان کے نام کی نذروں کو پورا بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی لوگ اللہ کی نام کی قسم میں جھوٹ بھی بول جاتے ہیں اور اس کے نام کی نذریں بھی توڑ دیتے ہیں اور نہ اللہ کے لیے ایسی محبت اور نفرت کرتے ہیں جیسی محبت اور نفرت ان بتوں کے لیے کرتے ہیں۔

پس جو بھی یہ کہتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میرے دل میں ان کے ماسوا کی محبت سے زیادہ نہیں تو دو میں سے ایک بات لازم ہے، یا تو وہ اس بات میں سچا ہوگا تو کافر اور مخلد فی النار اور ان لوگوں میں سے ہوگا جنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لیے تھے اور ان سے اللہ کے ساتھ محبت جیسی محبت کرتے تھے۔ یا پھر وہ اپنی اس بات میں مبنی بر غلط ہوگا۔

بسا اوقات بندے کے دل میں ایسے معارف وارادات ہوتے ہیں جن کی اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔ پس دل میں کسی چیز کا وجود ایک چیز ہے۔ جبکہ اس کا ادراک ایک دوسری چیز ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں کا ایک اس بات کو دل میں حاصل کرنے میں لگا ہوتا ہے حالانکہ وہ بات اس کے دل میں پہلے سے موجود ہوتی ہے اور وہ اپنی جہالت کی وجہ سے بڑی مشقت اٹھاتا ہے۔ یہ نماز میں وسوسہ کھانے والے کے جیسا ہے۔ کیونکہ جو بھی ایک فعل اپنے اختیار سے کرتا ہے اور وہ اپنے فعل کو جانتا بھی ہے تو لازماً کہ وہ اس کی نیت بھی کرے گا۔ پس نیت یعنی ارادے بغیر اس کا وجود ممتنع ہے پس جو

[1] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جانتا ہے کہ وہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ تو اس کا ارادہ نماز کا ہی ہے۔ اس سے اس بات کا تصور ممکن نہیں کہ وہ بغیر ارادہ کے نماز میں کھڑا ہے۔ لہٰذا ایسے آدمی کا نیت کے حصول کی طلب کرنا اس کی جہالت ہے یعنی وہ اپنے جی میں نیت کے وجود اور اس کی حقیقت سے جاہل ہے۔

اسی طرح جو جانتا ہے کہ کل رمضان ہے اور وہ مسلمان اور روزے کے وجوب کا اعتقاد رکھتا ہے اور وہ روزے کا ارادہ کرنے والا ہے۔ پس یہی روزے کی نیت ہے اور جب وہ رات کا کھانا کھاتا ہے تو وہ روزہ کا ارادہ کرنے والے کی طرح کھانا کھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عید کی رات کھانا کھانے والے میں اور روزوں کے دنوں میں رات کا کھانا کھانے والے میں فرق ہے۔ کیونکہ عید کی رات معلوم ہے کہ کل روزہ نہیں۔ لہٰذا نہ تو اس کا روزہ کا ارادہ ہوتا ہے اور نہ اس کی نیت ہی ہوتی ہے اور نہ وہ روزہ کا ارادہ کرنے والے کے جیسا رات کا کھانا کھاتا ہے۔

اس کی مثال وہ شخص ہے جو کھاتا پیتا اور چلتا ہے، لباس پہنتا ہے اور سوار یر کرتا ہے۔ جبکہ وہ جانتا ہے کہ وہ یہ افعال کر رہا ہے۔ تو لامحالہ ان کا ارادہ بھی کرنے والا ہوگا اور یہی ارادہ ہی تو اس کی نیت ہے۔ پس اگر وہ اپنی زبان سے کہتا ہے: میں اس برتن میں ہاتھ ڈال کر ایک لقمہ لے کر کھانے کا ارادہ کرتا ہوں تو وہ لوگوں کے نزدیک احمق سمجھا جائے گا۔ اب جو نماز، طہارت اور صوم وغیرہ کی طاعات میں اس قسم کے الفاظ ادا کرتا ہے، وہ بھی ویسا ہی احمق ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود ہم بے شمار وسواسیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ان امور عبادیہ میں بے پناہ مشقت اٹھاتے ہیں اور اس نیت کے حصول کے لیے سخت محنت کرتے ہیں۔ بلکہ یہ معدے کی گہرائیوں سے زور مار کر قے کرنے والوں یا کڑوی دوائی کھانے والوں سے بھی زیادہ زور لگاتے نظر آتے ہیں۔

اسی طرح بے شمار معارف ایسے ہیں جو نفس انسان میں ضروری اور فطری طور پر موجود ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی وہ اس کی دلیل مانگ رہا ہوتا ہے تاکہ جی میں پائی جانے والی اس بات سے اعراض کر سکے اور شعور ہونے کے باوجود بے شعوری کا مظاہرہ کر سکے۔

اسی طرح بے شمار مومن ہیں جن کے دل اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے بھرے ہوتے ہیں لیکن جب وہ محبت کی نفی کرنے والے جہمیہ اور معتزلہ کے کلام پر ایک نظر ڈالتا ہے تو ان کے کلام کو صحیح اعتقاد کر بیٹھتا ہے کیونکہ وہ ان لوگوں کے شبہات کو صحیح سمجھ بیٹھتا ہے۔ یا محض ان کی تقلید میں انھیں صحیح باور کر لیتا ہے۔ چنانچہ وہ اس اعتقاد کے موجب کا قائل ہو کر دل کی بات کا منکر ہو جاتا ہے۔

کیونکہ محبت الٰہی کی نفی کرنے والے کہتے ہیں: محبت اسی بات کی وجہ سے کی جاتی ہے جو محبوب کے مناسب ہو، اب حادث اور قدیم میں، واجب اور ممکن میں اور خالق اور مخلوق میں کوئی مناسبت ہے ہی نہیں۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ لفظ ''مناسبت'' یہ مجمل ہے۔ کیونکہ یہ بھی کہتے ہیں: فلاں اور فلاں میں کوئی مناسبت نہیں۔ اسی طرح ''فلاں کے علم، سخاوت یا حکومت سے فلاں کے علم، سخاوت یا حکومت کو کوئی مناسبت نہیں۔'' مراد یہ ہوتی ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ نسبت اپنے حقیر و صغیر ہونے کی بنا پر نہ ہونے کے جیسی ہے جیسے کہ رائی کو پہاڑ سے کوئی نسبت نہیں اور مٹی کو رب الارباب سے کوئی نسبت نہیں۔

پس اگر تو حادث اور قدیم کے درمیان مناسبت نہ ہونے سے مراد یہ مونی ہے تو یہ معنی صحیح ہے۔ البتہ محبت اس نسبت کو مستلزم نہیں اور اگر مراد یہ ہے کہ قدیم میں ایسا کوئی معنی نہیں پایا جاتا جس کی وجہ سے محدث اس سے محبت کرے تو مسئلہ کی جڑ یہی معنی ہے۔ پس پھر اے معترض! تم نے یہ کیوں کہا کہ حادث اور قدیم میں ایسی کوئی بات نہیں جس کی بنا پر حادث قدیم سے محبت کرے؟ اور تم نے یہ کیوں کہا کہ قدیم ایسی کسی صفت سے متصف نہیں جو حادث کی اس کے ساتھ محبت کا باعث بنے؟

محبت نقص کو مستلزم نہیں۔ بلکہ یہ صفت کمال ہے۔ بلکہ یہ ارادہ کی اصل ہے۔ پس ہر ارادہ محبت کو مستلزم ہے کیونکہ کسی چیز کا محبوب ہونا یہ وسیلۂ محبوب کی وجہ سے ہی تو اس کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اگر فرض کیا کہ محبت نہ ہو تو ارادہ ممتنع ہو۔ کیونکہ محبت ارادہ کو لازم ہے اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی کو مستلزم ہوتی ہے۔ اسی طرح محبت ارادہ کو مستلزم ہے۔ پس جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو یہ محبت اس کے بعض متعلقات کے ارادہ کو متضمن ہوتی ہے۔

اسی لیے رب تعالیٰ کا اپنی مخلوقات کو پیدا کرنا حکمت پر مبنی ہے اور حکمت محبت و مراد ہوتی ہے۔ لہٰذا رب تعالیٰ نے جو پیدا کیا وہ کسی محبوب مراد کے لیے پیدا کیا۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ رب تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے محبت کرتا ہے پس وہ ان کے ساتھ احسان کرنا چاہتا ہے اور بندے اللہ سے محبت کرتے ہیں تو وہ اس کی عبادت و طاعت کرنا چاہتے ہیں۔

صحیحین میں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں اسے اپنی اولاد اور والدین اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ اب ہر مومن کے دل میں نبی کریم ﷺ کی وہ محبت ہوتی ہے جو کسی دوسرے سے نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اگر وہ اپنے کسی قرابت دار کو بھی سن لے کہ وہ نبی کریم ﷺ کو گالی دے رہا ہے تو اس پر اس قرابت دار سے عداوت کرنا اور اسے چھوڑ دینا بے حد آسان ہوتا ہے۔ بلکہ محبت رسول میں اسے قتل کر دینا بھی آسان ہوتا ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو سمجھو کہ وہ مومن نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ (المجادلة: ۲۲)

''تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کا خاندان۔ یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور انھیں اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ قوت بخشی ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

بلکہ رب تعالیٰ کا تو یہ بھی ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ (التوبۃ: ٢٤)

''کہہ دے اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور رہنے کے مکانات، جنھیں تم پسند کرتے ہو، تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔''

چنانچہ مال اور اہل وعیال اللہ اور رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہو رب تعالیٰ نے اسے ڈرایا ہے۔

صحیحین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''تین خصلتیں ایسی ہیں جس میں وہ موجود ہوں وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حلاوت پا لیتا ہے (۱) جسے اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو۔ (۲) جو کسی سے محبت کرے اور صرف اللہ کے لیے ہی محبت کرے۔ (۳) اور جسے کفر میں لوٹنا بعد اس بات کے کہ رب تعالیٰ نے اسے کفر سے نکال لیا ایسے ناپسند ہو جیسے آگ میں ڈال دیا جانا ناپسند ہو۔'' [1]

پس دل میں ایمان کی حلاوت کا پایا جانا یہ اس عوض کی محبت کی وجہ سے نہیں جو ابھی تک حاصل بھی نہیں ہوا۔ بلکہ اجرت کے لیے عمل کرنے والا عمل کرتے وقت تعب وتکان اور رنج والم کے سوا کچھ نہیں پاتا۔ پس اگر تو اللہ اور رسول کی محبت کا مطلب صرف آل کار حاصل ہونے والا اجر وثواب ہی ہوتا تو بندہ اس دار الامتحان والتکلیف میں اس محبت کی دل میں حلاوت کو ہرگز نہ پاتا اور یہ بات خلافِ شرع بھی ہے اور اس فطرت کے بھی خلاف ہے جس پر رب تعالیٰ نے بندوں کے قلوب کو پیدا فرمایا ہے۔ صحیحین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔'' اور صحیح مسلم میں مروی ہے کہ ''رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میں نے اپنے بندوں کو حنیف پیدا کیا ہے، پس شیطان انھیں اپنے جال میں پھنسا لیتے ہیں، پس وہ ان پر ان چیزوں کو حرام کر دیتے ہیں جن کو میں نے ان کے لیے حلال کیا تھا اور انھیں حکم دیتے ہیں کہ وہ میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہرائیں جن کی میں نے سند نہیں اتاری۔'' [2]

رب تعالیٰ نے بندوں کو ملت ابراہیم اور حنیفیت پر پیدا فرمایا ہے، اس کی اصل ایک اکیلے اللہ کی محبت ہے، اگر کوئی فطرت بگڑ نہ گئی ہو تو اس میں اللہ کی محبت موجود ہی ہوتی ہے۔ لیکن بسا اوقات تکبر، یا کسی غرضِ فاسد کی وجہ سے فطرت میں

---

[1] صحیح البخاری: ١/ ٨۔ صحیح مسلم: ١/ ٦٦۔ سنن ابن ماجہ: ٢/ ١٣٣٨۔

[2] صحیح مسلم: ٤/ ٢١٩٧-٢١٩٨۔ مسند احمد: ٤/ ١٦٢ طبعة الحلبی۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

بگاڑ بھی آ جاتا ہے۔ جیسا کہ فرعون بگڑا ہوا تھا۔ یا پھر اس فطرت میں بگاڑ غیر کو اس کی محبت میں شریک کرنے سے آتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ: ۱۶۵)

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو غیر اللہ میں سے کچھ شریک بنا لیتے ہیں، وہ ان سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں۔''

جبکہ رب تعالیٰ کی خالص کر کے عبادت کرنے والے اہل توحید کے دلوں میں اللہ کی محبت موجود ہوتی ہے۔ جس میں وہ کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔ اسی لیے رب تعالیٰ اپنے ہر فعل میں مطلق محمود ہے اور حامد پر احسان کرنے کی وجہ سے خاص حمد کا مستحق ہے جو حمد شکر ہے جبکہ پہلی قسم کی حمد اس کے ہر فعل پر ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ﴾ (الانعام: ۱)

''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور روشنی کو بنایا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (فاطر: ۱)

''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔''

اب حمد، ذم کی ضد ہے اور حمد، محمود کے ایسے محاسن کو بتلانا ہے جو اس کی محبت سے ملے ہوں جبکہ ذم، مذموم کی ایسی برائیاں بتلانا ہے جن میں اس کا بغض بھی شامل ہو۔ لہٰذا محمود کی حمد اس کی محبت کے ساتھ اور مذموم کی مذمت اس کے بغض کے ساتھ ہی ملی ہوئی ہے، پس دنیا اور آخرت میں حمد اس پاک ذات کی ہے۔

آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے جو الفاظ بولے تھے وہ ''الحمد للہ رب العالمین'' کے تھے اور انھوں نے رب تعالیٰ سے سب سے پہلے جو الفاظ سنے تھے وہ ''یرحمک ربک'' کے الفاظ تھے اور اہل جنت کی آخری دعا یہ ہوگی ''ان الحمد للہ رب العالمین'' اور سب سے پہلے جنھیں جنت کی طرف بلایا جائے گا، وہ ''حمد بیان کرنے والے'' ہوں گے اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ''حمد کے پرچم'' والے ہیں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام اور بعد کی ساری مخلوق اسی پرچم تلے ہوگی؛ مقامِ محمود والے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ یہی وہ مقام پر اولین و آخرت سب رشک کریں گے۔ لہٰذا عبادت معبود کی محبت کے ساتھ ہوتی ہے اور حمد بھی محمود کی محبت کی بنا پر ہی کی جاتی ہے۔ پس وہ پاک ذات محمود بھی ہے اور محبوب بھی۔

[نماز اور سورت فاتحہ کی تقسیم]

پھر فاتحہ کے پہلے نصف میں رب تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کا آخر اس کی عبادت پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اول ''الحمد لله رب العالمين'' ہے اور آخر ''اياك نعبد'' ہے جیسا کہ حدیث تقسیم میں ثابت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصفا نصف تقسیم کر دیا ہے۔ پس اس کا نصف میرا ہے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرا نصف میرے بندے کا ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔ بندہ کہتا ہے: الحمد لله رب العالمین تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔ بندہ کہتا ہے: الرحمان الرحیم تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری تعریف بیان کی۔ بندہ کہتا ہے مالك یوم الدین تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ بندہ کہتا ہے: ایاك نعبد و ایاك نستعین۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگا۔ بندہ کہتا ہے اهدنا الصراط المستقیم، آخر سورت تک، رب تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یہ باتیں میرے بندے کے لیے ہیں اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ ❶

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''میں نے اور مجھ سے پہلے کے نبیوں نے سب سے افضل جو کلمہ کہا ہے وہ یہ ہے لا اله الا اللّٰہ، وحده لا شریك له، له الملك، و له الحمد، و هو علی كل شیء قدیر۔ ❷ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی بادشاہت ہے، اس کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اس میں توحید و تحمید دونوں جمع ہیں۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (غافر: ٦٥)

''سو اسے پکارو، اس حال میں کہ اسی کے لیے دین کو خالص کرنے والے ہو، سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ: جب تو لا الہ الا اللہ کہے تو کہہ ''الحمد للہ رب العالمین۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس میں مذکور آیت کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے۔ ❸

❶ صحیح مسلم: ١/ ٢٩٦-٢٩٧۔ جامع الترمذی: ٤/ ٢٦٩۔

❷ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے حدیث ''الجامع الکبیر'' (١/ ١٢٨) اور ''کشف الخفاء'' (١/ ١٥٣) میں ذکر کی ہے۔ ارشاد ہے: ''عرفہ کے دن کی سب سے افضل دعا اور سب سے افضل دعا جو میں نے اور مجھ سے پہلے کے نبیوں نے مانگی ہے وہ یہ ہے ''لا الہ الا اللہ وحده لا شریك لہ'' شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ نے ''مسند احمد'' (۱۱/۱۸۰) کے حاشیہ میں اس حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا ہے: علامہ منذری رحمہ اللہ نے یہ حدیث ''الترغیب'' میں ترمذی کی روایت سے کی ہے اور امام ترمذی کی تحسین کو بھی نقل کیا ہے۔ رہی بیہقی میں روایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ تو اسے سیوطی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''ضعیف الجامع الصغیر'' (١/ ٣١٥) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

❸ امام طبری نے اپنی تفسیر (٢٤/ ٥٣ طبع بولاق) میں یہ اثر مسند ذکر کیا ہے اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۷/ ۱۴۵) میں اس پر اپنا کلام ذکر کیا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

سنن ابن ماجہ وغیرہ میں ارشاد نبوی ہے کہ ''افضل ذکر لا الہ الا اللہ اور افضل دعاء الحمد للہ ہے۔'' ❶

سنن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''ہر اہمیت والا امر کہ جس کی ابتدا الحمد للہ سے نہ کی جائے تو وہ ادھورا ہے۔'' ❷

اور یہ بھی ارشاد فرمایا: ''ہر خطبہ جس میں تشہد نہ ہو وہ دست بریدہ کی طرح ہے۔'' ❸

لہٰذا خطبوں میں رب تعالیٰ کی حمد و توحید بیان کرنا لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعوں اور عیدوں کے خطبے ان دو اصلوں پر مشتمل ہیں۔ نماز کے آخر کا تشہد بھی اسی طرح ہے کہ اس کا اول رب تعالیٰ کی ثنا اور آخر شہادتین پر مشتمل ہے۔

اب ثنا صرف محبوب کی ہی ہوتی ہے اور شیفتگی و فریفتگی بھی صرف محبوب سے ہی ہوتی ہے۔ ہم نے ان کلمات کے حقائق کو متعدد مقامات پر مفصل بیان کر دیا ہوا ہے۔

پھر جب بندے رب تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں اور اس سے محبت کرتے ہیں تو خود رب تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ خود اپنی حمد و ثنا بیان کریں اور اپنے سے محبت کریں، جیسا کہ افضل الخلائق سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے یہ کلمات ہیں:

((لَا أُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔))

''یا اللہ! میں تیری تعریف شمار نہیں کر سکتا تو ویسا ہی ہے جیسا کہ خود تو نے اپنی تعریف بیان کی ہے۔''

پس رب تعالیٰ نے خود اپنی جو ثنا بیان کی ہے اس سے کسی بھی ثنا کرنے والے کی ثنا بڑی نہیں ہو سکتی اور ثنا صرف محبت کے تحت ہی ہوتی ہے اور کسی محبوب کی اپنے محبّ سے محبت خود رب تعالیٰ کی اپنی ذات سے محبت سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا بندوں میں سے ہر ایک کی رب تعالیٰ کے ساتھ محبت، یہ خود رب تعالیٰ کی اپنے ساتھ محبت کرنے کے تابع ہے۔ پس رب تعالیٰ مقسطین، محسنین، صابرین، مومنین، توابین اور متطہرین وغیرہ سے محبت کرتا ہے اور توبہ کرنے والوں کی توبہ

---

❶ جامع الترمذی: ٥/ ١٣٠۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور غریب ہے اور ہم اسے صرف موسیٰ بن ابراہیم کی حدیث کے طریق سے ہی جانتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ٢/ ١٢٤٩) علامہ سیوطی نے ''الجامع الصغیر'' (١/ ٣٦٢) میں یہ حدیث ذکر کی ہے اور علامہ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔

❷ ''سنن ابی داود'' (٤/ ٣٦٠) ''سنن ابن ماجہ'' (١/ ٦١٠) میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ (ضعیف الجامع الصغیر: ٤/ ١٤٧-١٤٨) علامہ البانی نے ''ارواء الغلیل'' (١/ ٢٩-٣٢) میں اس حدیث پر مفصل کلام کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے اس حدیث کی بعض روایات کو صحیح کہا ہے اور بعض کو امام نووی نے حسن کہا ہے۔ (دیکھیں: جامع الرسائل: ١/ ١٠٨، کشف الخفاء: ٢/ ١١٩، لابن العجلونی، المقاصد الحسنة للسخاوی، ص: ٣٢٢)

❸ سنن ابی داود: ٣٦١۔ جامع الترمذی: ٢/ ٣٨٦۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور غریب ہے۔ (مسند احمد: ١٥/ ١٧٠ طبعة المعارف) شیخ احمد شاکر نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ امام سیوطی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ علامہ البانی نے ''صحیح الجامع الصغیر'' (٤/ ١٧٢) میں اور ''الاجوبة النافعة عن اسئلة لجنة مسجد الجامعة'' (ص ٥٦ طبعة المكتب الاسلامی بیروت) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

سے خوش ہوتا ہے اور یہ سب کچھ خود رب تعالیٰ کے اپنے سے محبت کرنے کے تابع ہے۔ لہٰذا جب ایک مومن اللہ کے لیے اس کی کسی مخلوق سے محبت کرتا ہے تو اس کی رسول اللہ ﷺ اور صالحین سے محبت بھی اللہ کے لیے محبت کرنے کے تابع ہوگی۔ تو بھلا خود رب تعالیٰ کو اپنی مخلوقات سے جو محبت ہے، اس کا عالم کیا ہوگا؟!

بے شک رب تعالیٰ اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ جو اس کی اپنی محبت کے تابع ہوتی ہے اور اس نے اپنی مخلوقات کو اپنی اس حکمت کے تحت پیدا فرمایا ہے جو اسے محبوب ہے۔

رب تعالیٰ نے جو چیز بھی پیدا فرمائی ہے، کسی حکمت کے لیے پیدا فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ﴾ (السجدة: ۷) ''اچھا بنایا ہر چیز کو جو اس نے پیدا کی۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ (النمل: ۸۸)

''اس اللہ کی کاری گری سے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا۔''

رب تعالیٰ کے اسماء میں سے جو بھی ہے، وہ لائق حمد ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ کے سب اسماء ''حسنیٰ'' ہیں اور ''حسنیٰ'' کا لفظ یہ ''سُــوأی'' (بدی اور برائی) کے خلاف ہے۔ پس رب تعالیٰ کے سب نام حسنہ ہیں اور حسن یہ محبوب اور ممدوح ہوتا ہے۔ پس خلق اور پیدائش سے مقصود وہ چیز ہے جو اسے محبوب اور پسند ہے اور یہ ایک ممدوح امر ہے۔ لیکن کبھی اس کے لوازم میں سے وہ چیز ہوتی ہے جو اس کی مراد ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کے محبوب چیز کے لوازم اور وسائل میں سے ہوتی ہے کیونکہ لازم کے بغیر ملزوم کا وجود ناممکن ہے۔ جیسا کہ حیات کے بغیر علم اور ارادہ کا وجود ممتنع ہے اور مولود کا مولود ہونے کے اعتبار سے بغیر ولادت کے وجود ممتنع ہے۔ ایک صحیح حدیث - حدیث استفتاح - میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اور خیر ساری کی ساری تیرے ہاتھ میں ہے اور شر تیری طرف (منسوب) نہیں ہے۔'' اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس بنا پر کہ یہ اعمال منہی عنہ ہیں، اس کے ذریعے تیرا قرب حاصل نہیں کیا جا سکتا اور ایک قول یہ ہے کہ مخلوق ہونے کی بنا پر ان کی نسبت تیری طرف نہ کی جائے گی۔

لہٰذا نرے شر کو جو مخلوق ہے اس کی خیر سے خالی کر کے رب تعالیٰ کی طرف کبھی نسبت نہ کی جائے گی۔ شر کو ان تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

۱۔ یا تو مخلوق کی طرف نسبت کر کے، جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ (الفلق: ۲) ''اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔''

۲۔ یا پھر فاعل کو حذف کر کے، جیسے ارشاد ہے:

﴿وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ (الجن: ۱۰)

''اور یہ کہ بے شک ہم نہیں جانتے کیا ان لوگوں کے ساتھ جو زمین میں ہیں، کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے، یا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ان کے رب نے ان کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔‘‘

اس معنی میں سورت فاتحہ کا یہ ارشاد بھی ہے:

﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ (الفاتحۃ: ٦)

’’ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں۔‘‘

۳۔ یا پھر شر کو کسی عموم میں داخل کر کے ذکر کیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ﴾ (الانعام: ١٠٢) ’’ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔‘‘

پس جب رب تعالیٰ کا کوئی اسم خاص ذکر کیا جائے تو اسے خیر کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جائے گا۔ جیسے رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں یہ اسماء ہیں: ضار، نافع، معطی، مانع، خافض، رافع، معز، مدل کہ یہاں دو اسموں کو عموم اور شمول کے ساتھ جمع کیا گیا ہے جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ وہ اکیلا ہی یہ سب افعال کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دو میں ایک اسم کے ساتھ رب تعالیٰ کو پکارنا جائز نہ ہوگا جیسے صرف ضار، مانع، خافض اور مذل کہہ کر دعا نہ مانگی جائے گی۔ بلکہ دونوں اسماء کو اکٹھا ذکر کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ رب تعالیٰ کی ہر نعمت اس کا فضل ہے (نا کہ بندے کا استحقاق) اور اس کی ہر سزا عدل ہے (نا کہ ظلم)۔

صحیحین میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

’’رب تعالیٰ کا داہنا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ خرچ کرنا اس میں کمی واقع نہیں کرتا۔ وہ دن رات فیض بہاتا ہے کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ وہ زمین اور آسمانوں کو پیدا کرنے کے وقت سے خرچ کرتا چلا آ رہا ہے کہ اس قدر خرچ کرنے نے بھی اس کے ہاتھ میں موجود کو کم نہیں کیا؟ اور ترازو (یعنی عدل) اس کے دوسرے ہاتھ میں ہے، پس وہ جھکاتا ہے اور بلند کرتا ہے۔‘‘

پس احسان یہ رب تعالیٰ کے داہنے ہاتھ میں ہے اور عدل اس کے دوسرے ہاتھ میں ہے اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے اور مبارک ہیں۔ جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

’’عدل کرنے والے روزِ قیامت رب تعالیٰ کے حضور رحمان کی داہنی جانب نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، جو لوگ کہ اپنے گھر والوں میں اور اپنے ماتحتوں میں عدل کرتے ہیں۔‘‘[1]

یہ موضوع ایک الگ تفصیل کا متقاضی ہے۔ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ رب تعالیٰ جب کسی مبغوض اور مکروہ چیز کو ایک ایسی حکمت کی بنا پر پیدا فرماتا ہے جو اسے محبوب اور پسند ہوتی ہے۔ تب وہ اپنی مخلوق کا اسے پیدا کرنے میں ارادہ

[1] یہ حدیث لفظوں کے معمولی اختلاف کے ساتھ ’’صحیح مسلم‘‘ (۳/ ۱٤٥٨) اور ’’سنن النسائی‘‘ (۸/ ۱۹٥-۱۹٦) میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان دونوں احادیث کے پہلے کلمات یہ ہیں: ’’انصاف کرنے والے نور کے منبروں پر ہوں گے ......‘‘ یہ حدیث ’’مسند احمد‘‘ (۹/ ۲٤۹-۲٥۰ طبعۃ المعارف) میں بھی مروی ہے۔

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

کرنے والا ہوتا ہے۔ اگرچہ اس نے بعض مخلوق ایسی بھی پیدا کی ہے جو اسے مبغوض اور ناپسند ہے۔

محبت اور مشیت کے درمیان یہی وہ فرق ہے جو اسلاف، محدثین اور فقہاء کا مذہب ہے اور یہی اکثر اہل سنت متکلمین حنفیہ اور کرامیہ کا اور متقدمین حنابلہ، مالکیہ اور شافعیہ کا بھی مذہب ہے۔ جیسا کہ ابوبکر عبدالعزیز نے اپنی کتاب ''المقنع'' میں ذکر کیا ہے اور یہ اشعری کے دو اقوال میں سے ایک ہے۔ اسی پر ابن جوزی کا اعتماد ہے اور انھوں نے قائل کے اس قول پر کہ ''وہ مومن کے لیے فساد کو محبوب نہیں رکھتا اور دین کی بنا پر اسے محبوب ہی رکھتا ہے۔'' ائمہ اسلاف کے مذہب کو راجح قرار دیا ہے۔ ابوالمعالی نے ذکر کیا ہے کہ یہ اسلاف کا قول ہے اور اہل اثبات میں سے سب سے پہلے جس نے ان دونوں باتوں کو ایک قرار دیا ہے، وہ ابوالحسن ہیں۔

جن کا یہ قول ہے کہ یہ مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کے متاخرین جیسے ابوالمعالی اور قاضی ابویعلی وغیرہ کا قول ہے تو وہ لوگ اس باب میں اشعری کے تابع ہیں۔ اس فرق سے یہ بات بھی عیاں ہوگئی کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) کسی مخلوق کی تخلیق کا ارادہ (۲) اور اپنے امر کرنے کا ارادہ۔ رہا مامور بہ تو وہ ارادۂ شرعیہ دینیہ کے ساتھ مراد ہے جو اس بات کو متضمن ہے کہ وہ اپنے امر سے محبت بھی کرتا ہے اور اسے پسند بھی کرتا ہے۔

یہی ہمارے اس قول کا معنی بھی ہے کہ ''وہ اپنے بندے سے ارادہ کرتا ہے۔'' سو وہ اس امر کو اپنے بندے سے یوں چاہتا ہے جیسے ایک خیرخواہ آمر اپنے منصوح مامور سے چاہتا ہے اور اسے کہتا ہے: ''یہ تیرے لیے بہتر ہے اور زیادہ نافع ہے۔'' چنانچہ جب بندہ وہ کام کر لیتا ہے تو رب تعالیٰ اسے محبوب رکھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں اور مخلوقات ارادہ خلقیہ کونیہ کے تحت مراد ہیں اور یہ ارادہ واقعہ ہونے والی مخلوقات کو تو متضمن ہے لیکن غیر واقع کو متضمن نہیں اور کبھی ایک چیز رب تعالیٰ کی مراد تو ہوتی ہے لیکن اسے محبوب نہیں ہوتی بلکہ وہ اس چیز کا محبوب کے وجود تک یا اس کے وجود کی شرط تک پہنچانے کے لیے ارادہ کرتا ہے۔ اس ارادہ خلقیہ کا ذکر اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ (الانعام: ۱۲۵)

''تو وہ شخص جسے اللہ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت دے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ، نہایت گھٹا ہوا کر دیتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ﴾ (ھود: ۳۴)

''اور میری نصیحت تمھیں نفع نہ دے گی اگر میں چاہوں کہ تمھیں نصیحت کروں، اگر اللہ یہ ارادہ رکھتا ہو کہ تمھیں گمراہ کرے، وہی تمھارا رب ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ مسلمانوں کا قول ہے کہ جو اس نے چاہا، وہ ہوا، اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا﴾ (السجدة: ١٣)

''اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے۔''

اور اس جیسی متعدد دوسری آیات میں بھی اسی ارادہ کا بیان ہے۔

رہا ارادۂ امریہ تو اس کا بیان اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے:

﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة: ١٨٥)

''اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ وَ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا٥ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا٥﴾ (النساء: ٢٧-٢٨)

''اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی فرمائے اور جو لوگ خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (سیدھے راستے سے) ہٹ جاؤ، بہت بڑا ہٹ جانا۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے (بوجھ) ہلکا کرے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ﴾ (المائدة: ٦)

''اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے اور لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور تاکہ وہ اپنی نعمت تم پر پوری کرے۔''

اس معنی پر مشتمل آیات بھی قرآن کریم میں بے شمار ہیں۔

جب یہ کہا جائے کہ کیا ''امر'' ارادہ کو مستلزم ہوتا ہے یا رب تعالیٰ اس بات کا بھی امر فرما دیتا ہے جو چاہتا نہیں اور اس کا ارادہ نہیں کیا ہوتا؟

تو اگر تو اس سوال کا یہ جواب دیا جائے کہ امر یہ پہلے ارادہ کو مستلزم نہیں، جو ''ارادۂ تخلیق'' ی ہے، تو پھر بات یہ ہوگی کہ ایسا نہیں ہے کہ رب تعالیٰ جس بات کا بھی امر کرتا ہے تو اس کے پیدا کرنے کا بھی ارادہ کرتا ہے اور عبد مامور کو اس کا فاعل بھی بنا دیتا ہے۔ قدریہ ایسے ارادۂ خداوندی کی نفی کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک رب تعالیٰ کسی بندے کو فاعل نہیں بناتا اور نہ وہ کسی بندے کے کسی فعل کا خالق ہی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جبکہ اہل سنت کے نزدیک وہ اللہ ہی ہے جو ابرار کو ابرار اور مسلمانوں کو مسلمان بناتا ہے اور ان کے نزدیک رب تعالیٰ جس بندکو امر کرتا ہے اور اسے اس فعل کا فاعل بناتا ہے تو وہ بندہ اس فعل کا فاعل بنتا ہے اور اگر وہ اس بندے کو اس فعل کا فاعل نہ بنائے تو وہ بندہ اس فعل کا فاعل نہیں بنتا۔ پس رب تعالیٰ نے اہل ایمان و طاعت سے ایمان اور طاعت دونوں کا امر اور خلق دونوں اعتبار سے ارادہ کیا ہے۔ پس، وہ انھیں امر بھی دیتا ہے اور اس امر پر ان کی اعانت بھی کرتا ہے اور انھیں اس فعل کا فاعل بناتا ہے۔ اگر رب تعالیٰ بندوں کی اپنی طاعت پر اعانت نہ فرماتا تو وہ اس کی طاعت نہ کرتے۔

رہے کافر اور نافرمان تو رب تعالیٰ نے انھیں طاعت کا امر فرمایا ہے لیکن انھیں مطیع نہیں بنایا اور نہ ان کی طاعت کو پیدا فرمانے کا ارادہ ہی کیا ہے۔ لیکن انھیں طاعت کا امر دیا ہے اور اس کا ان سے شرعی اور دینی ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ اگر یہ اس کی طاعت کرتے ہیں تو اس میں ان کی منفعت اور خیر ہے اور خود اس نے اس طاعت کو پیدا فرمانے کا ارادہ نہیں کیا کیونکہ اس میں اس کی حکمت ہے۔

جب رب تعالیٰ طاعت کے وجود کی تقدیر پر طاعت سے محبت کرتا ہے تو یہ ایک ایسے امر کو مستلزم ہوگا جو اسے ناپسند ہے یا ایسے امر کے فوات کو مستلزم ہوگا جو اسے اس سے زیادہ پسند ہوگا، اور اس کا دور کرنا اسے اس محبوب کے حصول سے زیادہ محبوب ہوگا۔ لہٰذا مکروہ کے دور کرنے کے لیے اس محبوب کو ترک کرنا اسے اس کے وجود سے زیادہ محبوب ہوگا۔ جیسا کہ محبوب کے وجود کو مستلزم مکروہ کا وجود، رب تعالیٰ اسے اس کی وجہ سے اپنی مراد بنالیتا ہے، جبکہ مکروہ جو وسیلہ ہو، اسے معدوم کرنے کے لیے اس کی اس چیز سے محبت دوسری چیز سے محبت سے زیادہ بڑی ہو۔

یہ بات بھی نہیں کہ تم جسے بھی نصیحت کرو تو تمھاری اس مامور بہ پر اس کی اعانت بھی لازم ہے۔ چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین ہمیشہ لوگوں کو نصیحت کرتے اور انھیں حکم دیتے چلے آئے ہیں اور انھیں ان باتوں کی طرف راہنمائی کرتے رہے ہیں جن پر عمل پیرا ہونا ان کے حق میں نافع اور خیر ہوتا ہے۔ لیکن وہ ان افعال پر ان کی معاونت نہیں کرتے حالانکہ وہ اس پر قادر ہوتے ہیں۔ لیکن ان حضرات کی حکمت کا مقتضی یہ ہوتا ہے کہ چند اسباب کی بنا پر وہ ایسا نہ کریں۔

اب رب تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کے منافی اس کی ایک ضد بھی ضرور ہوتی ہے اور اس چیز کا ایک ناگزیر لازم بھی ہوتا ہے۔ اب ضدین کا اجتماع یا لازم کے بغیر ملزوم کا وجود دونوں باتیں ممتنع ہیں۔ اب یہ دونوں ضدیں رب تعالیٰ کے مقدور میں ہیں اور اللہ ان کی تخلیق پر قادر ہے لیکن دوسرے کے عدم کی شرط پر۔ رہا ضدین کا اجتماع تو یہ بالذات ممتنع ہے۔ لہٰذا رب تعالیٰ کے اس بات پر قادر ہونے سے کہ وہ دونوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے، یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں میں سے ایک دوسرے کے ہوتے ہوئے موجود بھی ہوگی۔

اب بسا اوقات بندوں کو دو چیزوں میں تنافی یا تلازم کا علم نہیں ہوتا اور وہ امتناع کو نہیں جانتے ہوتے اور وہ اسے رب تعالیٰ کو محبوب اور مطلوب کے حصول کے ساتھ ممکن الوجود گمان کر بیٹھتے ہیں۔

یاد رہے کہ امکان کے علم میں اور امتناع کے عدمِ علم میں دونوں میں فرق ہے۔ اب بندوں کو امتناع کا عدمِ علم تو ہوتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے مگر امکان کا علم نہیں ہوتا اور عدم کا کوئی فاعل نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ اپنے عدمِ علم کی بنا پر عمل کر بیٹھتے ہیں جو جہالت ہے اور وہی کفر کی اصل ہے۔

رب تعالیٰ کی حکمت جب کسی چیز کی تخلیق کو مقتضی ہوتی ہے تو لازم ہے کہ وہ اس چیز کے لوازم کو بھی پیدا کرے اور اس کی اضداد کی نفی بھی کرے۔ پس جب قائل کہتا ہے کہ اس نے اس چیز کے ساتھ اس کی ضد اور منافی کو پیدا کیوں نہیں کیا؟ یا یہ کہے کہ اس کا لازم کیوں پایا جاتا ہے تو یہ اس کے حقائق سے عدم علم کی دلیل ہے۔

اور یہ ایسے کہنے کی طرح ہی ہے کہ بھلا رب تعالیٰ نے زید کو اپنے باپ کے پیدا ہونے سے پہلے کیوں نہ پیدا کیا؟ تو ایسے شخص سے کہا جائے گا کہ بیٹے کا باپ سے پہلے پیدا ہونا ممتنع ہے۔ بے شمار تفصیلی امور ایسے ہیں جن میں غور و تدبر کرنے سے لوگوں پر ان کی حکمت ظاہر جاتی ہے۔ جیسے کہ ان پر آنسوؤں کے کھاری، رال کے میٹھے اور کان کے پانی کے کڑوے ہونے کی اور سمندری پانی کے کھارے ہونے کی حکمت ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ غور و تدبر ان پر ان باتوں کی حکمت کو عیاں کرتا ہے جن کی حکمت سے وہ لاعلم ہوتے ہیں۔ پس جب آدمی دوسرے کو نحو، حکمت، طب یا فقہ وغیرہ میں زیادہ ماہر دیکھتا ہے تو ناقابل فہم مشکل امور کو اس کے حوالے کر دیتا ہے۔

پس رب العالمین کہ جس کی حکمت و رحمت نے عقلوں کو ششدر کر رکھا ہے، اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے، اس نے ہر چیز کو شمار بھی کر رکھا ہے اور وہ ارحم الراحمین اور احکم الحاکمین بھی ہے اور وہ بندوں پر ان کی ماؤں سے بھی زیادہ رحیم و کریم ہے، تو بھلا بندوں پر یہ بات کیوں واجب نہ ہوگی کہ جن باتوں کی حکمت سے وہ لاعلم ہیں ان کو رب تعالیٰ کے علم و حکمت کے حوالے کر دیں۔

ہم نے ان باتوں کو دوسرے مواقع پر مفصل بیان کر دیا ہوا ہے۔ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ کتاب اللہ میں اختلاف کرنے والے ایک دوسرے کے کلام کو ردّ کرتے ہیں اور سب کے کلام حق و باطل سے رلے ملے ہیں۔ اس کی ایک مثال اسماء، احکام اور وعد و وعید کی ہے اور دوسری مثال شرع اور تقدیر کی ہے۔

قرآن اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے:

اس کی تیسری مثال ''قرآن'' کی ہے۔ ائمہ اسلاف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے، بلکہ یہ وہ کلام ہے جس کا رب تعالیٰ نے اپنی قدرت و مشیت سے تکلم فرمایا ہے اور یہ قول کسی کا بھی نہیں کہ قرآن مخلوق یا قدیم ہے۔

پھر اسلاف کے بعد لوگوں کا قرآن میں اختلاف ہو گیا اور اس بارے دو قول ہو گئے۔ اول: یہ قرآن مخلوق ہے جسے اللہ نے اپنے غیر میں پیدا کیا ہے اور کوئی کلام اللہ کے ساتھ قائم نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کلام یہ فعل کی صفت ہے نا کہ ذات کی اور ان کی فعل سے مراد فاعل سے منفصل وہ فعل ہے جو کہ فاعل کی ذات سے قائم نہ ہو، لیکن یہ بات بالکل غیر معقول ہے، ایسا کوئی متکلم دیکھا نہیں گیا جس کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم نہ ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پھر بعض لوگ یہ کہتے ہیں: نہیں بلکہ یہ قرآن قدیم ہے اور ازل سے اور ابد تک اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور جب وہ قرآن کے ساتھ تکلم کرتا ہے تو اپنی قدرت و مشیت کے ساتھ کلام نہیں کرتا۔ اس کی موسیٰ علیہ السلام کو ندا ازلی تھی، اور اسی طرح اس کا یا ابراہیم، یا موسی اور یا عیسیٰ وغیرہ کہنا بھی ازلی تھا۔

پھر یہ دونوں جماعتیں ایک جماعت بن گئیں اور یہ کہنے لگیں کہ جو چیز قدیم ہو اس کا ازل سے حروف ہونا یا حروف اور اصوات ہونا ممتنع ہے، کیونکہ حروف متعاقب یعنی ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ہوتے ہیں۔ لہٰذا باء یہ سین سے پہلے اور رہی آواز تو وہ باقی نہیں رہتی، بلکہ وہ ایک چیز کے بعد ایک چیز ہوتی ہے، جیسے حرکت۔ لہٰذا یہ بات ممتنع ٹھہرے گی کہ جو آواز موسیٰ علیہ السلام نے سنی تھی وہ ازلی و ابدی ہو۔

پس یہ لوگ کہتے ہیں: اس کا کلام ایک معنی اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ یہ ہر مامور کا امر اور ہر منہی عنہ چیز کی نہی اور ہر دی جانے والی خبر کی خبر ہے۔ اگر اس ی تعبیر عربی زبان سے ہو تو وہ قرآن کہلائے گا، اگر یہ تعبیر عبرانی میں ہو تو تورات ٹھہرے گی اور اگر اس کی تعبیر سریانی میں ہو تو انجیل قرار پائے گی اور یہ کہ یہ معنی ہر مامور کا امر، ہر منہی عنہ کی نہی اور ہر دی جانے والی خبر کی خبر ہے اور اس کا امر یا نہی یا خبر ہونا، یہ رب تعالیٰ کی اضافی صفات ہیں۔ جیسے ہمارا یہ قول ہے کہ زید باپ بھی ہے اور چچا بھی اور ماموں بھی ہے اور یہ اس کی انواع نہیں ہیں اور کلام ان دونوں کی طرف منقسم نہیں ہوتا۔

ان لوگوں کا یہ قول بھی ہے کہ رب تعالیٰ نے نہ تو قرآن کا عربی کے ساتھ اور نہ تورات کا عبرانی کے ساتھ اور نہ انجیل کا سریانی کے ساتھ تکلم کیا ہے اور نہ موسی اور کسی اور نے اس سے اپنے کانوں کے ساتھ آواز ہی سنی ہے۔ البتہ رب تعالیٰ نے اس قرآن کو عربی میں دوسرے میں پیدا کیا ہے۔ یا اسے جبرئیل علیہ السلام یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے ایک معنی سے رب تعالیٰ کی مراد کو سمجھا یا جا سکے۔

لیکن جمہور کا ان لوگوں کو یہ جواب ہے کہ تمھارا یہ قول صریح منقول اور صحیح معقول دونوں کے ہی خلاف ہے۔ کیونکہ ہم اس بات کو ضرور بالضرور جانتے ہیں کہ جو معنی آیت الکرسی کا ہے، وہ معنی آیت دَین کا نہیں اور جو معنی ''قل ھو اللہ احد'' کا ہے وہ ''تبت یدا ابی لھب'' کا معنی نہیں۔ لوگوں نے جب تورات کا عربی زبان میں ترجمہ کیا، تو اس کے ایسے معانی بھی سامنے آئے جو قرآن میں نہیں تھے اور اس بات کو قطعی طور پر جانتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے بدر، احد اور خندق سے متعلق جو باتیں قرآن کریم میں نازل فرمائی ہیں وہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل نہیں فرمائیں، جیسا کہ رب تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یوم سبت کی تحریم کو، اسی طرح بچھڑے کے پجاریوں کے قتل کے امر کو نازل نہیں فرمایا۔ تب پھر رب تعالیٰ کا سارے کا سارا ''ایک معنیٰ'' کیونکر ہو سکتا ہے؟

پھر ہم یہ بھی بالضرور جانتے ہیں کہ کلام کے معانی اور حروف خبر اور انشاء کی طرف منقسم ہوتے ہیں۔ انشاء کی ایک طلب ہے جو امر اور نہی میں تقسیم ہوتی ہے۔ پھر جو طلب کی حقیقت ہے، وہ خبر کی حقیقت نہیں۔ تب پھر یہ کلام کی انواع و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اقسام کیونکر نہ ہوں گی بلکہ یہ کلام ان سب انواع واقسام کے ساتھ موصوف ہوگا؟

پھر رب تعالیٰ نے اس بات کی بھی خبر دی ہے کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اس شجر کے پاس تشریف لے گئے تھے تو رب تعالیٰ نے انھیں اس وقت وہ آواز دی تھی جو ازل میں نہ دی تھی۔ اسی طرح یہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ (الاعراف: ۱۱)

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تمھارا خاکہ بنایا، پھر ہم نے تمھاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (آل عمران: ۵۹)

''بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی طرح ہے کہ اسے تھوڑی سی مٹی سے بنایا، پھر اسے فرمایا ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ (البقرۃ: ۳۰) ''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا۔''

قرض قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مذکور ایسا کلام واضح کرتا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس مذکورہ کلام کے ساتھ اس وقت کلام فرمایا تھا۔ تب پھر وہ کلام ازلی اور ابدی کیونکر ہو سکتا ہے جو ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا اور ان ارشاداتِ مبارکہ میں رب تعالیٰ کا کلام لم یزل ولا یزال کیونکر ہو سکتا ہے؟!

﴿يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا﴾ (ھود: ۴۸)

''اے نوح! اتر جا ہماری طرف سے عظیم سلامتی کے ساتھ۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ (آل عمران: ۵۵)

''اے عیسیٰ! بے شک میں تجھے قبض کرنے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا﴾ (طٰہٰ: ۱۴)

''بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (المزمل: ۱-۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اے کپڑے میں لپٹنے والے! رات کو قیام کر مگر تھوڑا۔''

اب کوئی تو یہ کہتا ہے کہ یہ عربی قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے اور کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ کے کلام میں تعدد اور تبعض نہیں ہے لوگ ان سے پوچھتے ہیں کہ اچھا جب رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا تو کیا اس سارے کو سمجھایا تھا یا بعض کو؟ اگر تم یہ کہتے ہو کہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا سارا کلام سمجھا دیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام علم الٰہی کے جاننے والے بن گئے اور تم یہ کہتے ہو کہ بعض کو سمجھایا تھا تو کلام اللہ میں تبعض پیدا ہو گیا۔ حالانکہ تمھارے نزدیک کلام اللہ ایک ہی ہے اس میں تبعض نہیں۔

اسی طرح تمھارے نزدیک یہ عربی قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے، البتہ یہ اس کی تعبیر ہے۔ تب پھر یہ قرآن اللہ کے سارے کلام کی تعبیر ہے؟ اور یہ بات ممتنع ہے، یا بعض کلام کی تعبیر ہے؟ تو یہ بھی ممتنع ہے۔ غرض اس بات کی تفصیل میں جائیے تو بات بے حد لمبی ہو جائے گی۔

پھر دوسری جماعت نے جب دیکھا کہ یہ قول تو فاسد ہے، تو انھوں نے یہ قول کر لیا: ''یہ قرآن قدیم ہے اور یہ کہ یہ حروف، یا حروف اور اصوات ہے اور یہ عربی قرآن اللہ کا کلام ہے جیسا کہ خود کتاب و سنت اور مسلمانوں کا اجماع اس بات پر دلالت کرتا ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مواقع پر یہ امر مذکور ہے کہ یہ اتارا ہوا کلام قرآن ہے اور وہ کلام اللہ ہے اور عربی زبان میں ہے اور اس قول کے قائلین نے ان لوگوں پر لعنت ملامت کرنا شروع کی جو اس کے کلام اللہ ہونے کے منکر تھے۔ لیکن خود ان لوگوں نے دو قرآن ثابت کیے: (۱) قدیم اور (۲) دوسرا مخلوق۔ اور ان دو قرآنوں کے اثبات کے ذریعے ان منکروں پر خوب طعن و تشنیع کی۔ پھر ان منکروں نے ان لوگوں سے کہا: جب تم لوگوں نے قرآن عربی کو۔ جو کہ قدیم ہے۔ کلام اللہ ٹھہرایا؛ تو اس کا مخلوق ہونا لازم آیا، تب پھر تم معتزلہ کے ہم نوا بن گئے۔ کیونکہ تمھارا یہ قول کہ قرآن عربی قدیم ہے عقل صریح کے نزدیک ممتنع ہے۔ جس کا اسلاف میں سے کوئی بھی قائل نہیں اور ہم اور سب فرقے تم لوگوں کے اس قول پر انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تمھارا گھڑا ہوا بدعتی قول ہے جس کی بنا پر تم لوگوں نے معقول و منقول دونوں کی مخالفت کی ہے۔ وگرنہ بامعنیہ کے بعد آنے والی معین سین کیونکر قدیم اور ازلی ہو سکتی ہے اور یکے بعد دیگرے آنے والے حروف کیونکر قدیم ہو سکتے ہیں اور اس خاص وقت کی آواز کیونکر قدیم ہو سکتی ہے؟

یہ ائمہ اربعہ وغیرہ میں سے کسی کا بھی قول نہیں۔ اگرچہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے بعد متاخرین اصحاب نے یہ قول اختیار کیا ہے۔ ابن سالم اور ان کے اصحاب اور اہل کلام و حدیث کی ایک جماعت نے بھی یہ قول اپنایا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی کا شمار بھی اسلاف میں نہیں ہوتا۔ اگرچہ شہرستانی نے ''نہایۃ الاقدام'' میں ذکر کیا ہے کہ یہ اسلاف اور حنابلہ کا قول ہے۔ لیکن نہ تو یہ اسلاف کا قول ہے، نہ امام احمد کا، نہ ان کے قدیم اصحاب کا اور نہ جمہور کا ہی یہ قول ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

غرض ان میں سے وہ تو سالمیہ کے اور یہ کلابیہ کے موافق ٹھہرے۔ ان میں نزاعات اور خصومات بلکہ فتنے تک پیدا ہوئے اور ان سب کے قول کی اصل یہ ہے کہ ''قرآن قدیم ہے۔'' یہ بھی ایک بدعت ہے، اسلاف میں سے کوئی اس کا قائل نہیں۔ اسلاف کا قول تو یہ ہے کہ قرآن یہ اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے، اسی سے شروع ہوا ہے اور اسی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

ان لوگوں کا یہ پہلا قول کہ ''قرآن اللہ کا کلام ہے'' انھیں کافی تھا۔ کیونکہ کسی بھی متکلم کا کلام اس سے منفصل نہیں ہو سکتا۔ یہ بات معقول و منقول دونوں کے خلاف ہے اور جملہ صفات میں بھی یہ ممتنع ہے کہ موصوف ایک ایسی صفت سے متصف ہو جو اس کی ذات کے ساتھ قائم نہ ہو بلکہ وہ اس کی ذات سے جدا ہی ہو۔

رہا جہمیہ اور معتزلہ کا یہ گمان کہ رب تعالیٰ کا کلام، ارادہ، محبت، کراہت، رضا اور غضب وغیرہ کہ یہ سب صفات اس کی مخلوق اور اس سے جدا ہیں۔ جمہور اخلاف اور اسلاف نے ان کی اس بات پر انکار کیا ہے۔ بلکہ اسے کفر قرار دیا ہے جو رسول کی تکذیب کو متضمن ہے اور رب تعالیٰ جن صفات کا مستحق ہے ان کے انکار کو بھی شامل ہے۔ اسلاف کا کلام ان اقوال کا رد کرتا ہے اور ان باتوں کو کفر بتلاتا ہے۔ اسی طرح اسلاف یہ بھی نہیں کہتے کہ: رب تعالیٰ کا فرعون اور اس کی قوم پر غضب قدیم ہے اور نہ یہ بات ہے کہ رب تعالیٰ کا بندے کی توبہ سے خوش ہونا قدیم ہے۔

اس طرح رب تعالیٰ کی وہ جملہ صفات جو اس نے خود اپنے لیے بیان کی ہیں جیسے طاعت اور معصیت پر بندوں کو ان کی جزا دینا۔ اس کا راضی اور ناراض وغضب ناک ہونا کہ ان میں سے بھی کسی صفت کو اسلاف میں سے کسی نے بھی قدیم نہیں کہا۔ کیونکہ جزاء عمل سے پہلے نہیں ہوتی۔ قرآن اسی بات کو صریح بیان کرتا ہے کہ جزا کا سبب بندوں کے اعمال ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا آسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ (الزخرف: ۵۵)

''پھر جب انھوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَا اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ (محمد: ۲۸)

''یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اس چیز کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اس کی خوشنودی کو برا جانا تو اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران: ۳۱)

''کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

غرض اس جیسی متعدد آیات ہیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

بلکہ صحیحین میں حدیث شفاعت میں آتا ہے کہ سب کے سب رسول یہ کہیں گے: ''بے شک آج میرا رب ایسے غضب میں ہے کہ اس سے قبل وہ ایسا غضب ناک کبھی نہیں ہوا اور نہ آئندہ کبھی ایسا غضب ناک ہی ہوگا۔''

صحیحین میں حضرت خالد بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

''(ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رات کو برسنے والی بارش کے بعد فجر کی نماز پڑھائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز سے (فارغ ہوکر) پلٹے تو فرمایا: ''کیا تم لوگ جانتے ہو کہ آج رات تمھارے رب نے کیا فرمایا ہے؟'' ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''رب تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میرے بندوں میں سے کسی نے مجھ پر ایمان لا کر صبح کی ہے تو کسی نے میرا انکار کر کے صبح کی ہے۔'' پس جس نے تو یہ کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے سو وہ مجھ پر ایمان لانے والا اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے اور جس نے یہ کہا کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے، سو وہ میرے ساتھ کفر کرنے والا اور ستاروں پر ایمان رکھنے والا ہے۔''[1]

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب آتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبت کرنے لگتا ہوں۔''[2]

قرآن وحدیث میں اس کی بے پناہ تفصیل مذکور ہے۔ ہم نے ''درء تعارض العقل و النقل'' میں اس پر مفصل کلام کر دیا ہے۔

رب تعالیٰ نے قرآن کریم کے دس سے زیادہ مواقع پر ذکر فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو پکارا۔ اس پر جملہ اہل زبان اور سب لوگوں کا اتفاق ہے کہ نداء اور پکارنا آواز کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ اس بات کی خبر دیتے ہوئے کہ جب موسیٰ علیہ السلام درخت کے پاس آئے تو رب تعالیٰ نے آواز دی، فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝﴾

(النمل : ۸)

''تو جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے آواز دی گئی کہ برکت دی گئی ہے اسے جو آگ میں ہے اور جو اس کے

---

[1] یہ حدیث ''صحیح البخاری'' (۱/ ۱۶۵)، ''صحیح مسلم'' (۱/ ۸۳-۸۴)، ''سنن ابی داود'' (۴/ ۲۱) اور ''الموطا'' (۱/ ۱۹۲) میں الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

[2] صحیح البخاری: ۸/ ۱۰۵۔ اس حدیث کا اول متن یہ ہے: ''رب تعالیٰ فرماتے ہیں، جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی تو میرا اس سے اعلانِ جنگ ہے اور بندہ فرائض کی ادائیگی سے زیادہ کسی اور چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کرسکتا اور بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب آتا رہتا ہے......'' ''مسند احمد'' (۶/ ۲۵۶ طبعة حلبی) میں یہ حدیث سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اردگرد ہے اور اللہ پاک ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰیo اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ﴾ (طٰہٰ: ۱۱-۱۲)

’’تو جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے آواز دی گئی اے موسیٰ! بے شک میں ہی تیرا رب ہوں۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ (القصص: ۳۰)

’’تو جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے اس بابرکت قطعہ میں وادی کے دائیں کنارے سے ایک درخت سے آواز دی گئی۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ نَادَیْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ﴾ (مریم: ۵۲)

’’اور ہم نے اسے پہاڑ کی دائیں جانب سے آواز دی۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ مُوْسٰیo اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًیo﴾ (النازعات: ۱۶)

’’کیا تیرے پاس موسیٰ کی بات پہنچی ہے؟ جب اس کے رب نے اسے مقدس وادی طویٰ میں پکارا‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَیْنَا﴾ (القصص: ۴۶)

’’اور نہ تو پہاڑ کے کنارے پر تھا جب ہم نے آواز دی۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَo﴾ (القصص: ۶۲)

’’اور جس دن وہ انھیں آواز دے گا، پس کہے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جو تم گمان کرتے تھے؟‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَo﴾ (القصص: ۶۵)

’’اور جس دن وہ انھیں آواز دے گا، پس کہے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ﴾ (الاعراف: ۲۲) ’’اور ان دونوں کو ان کے رب نے آواز دی۔‘‘

پس جو اس بات کا قائل ہے کہ رب تعالیٰ ازل سے ابد تک منادی ہے تو اس نے قرآن اور عقل دونوں کی مخالفت کی

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

اور جس نے یہ کہا کہ اس نے بذاتِ خود ندا نہ دی تھی بلکہ اس نے درخت میں ندا کو پیدا کیا تھا؛ تو اس قول سے خود درخت وغیرہ کا یہ کہنا لازم آیا کہ ”اِنِّیْٓ اَنَّا اللّٰہُ“ (بے شک میں ہی اللہ ہوں)۔ اور یہ لوگوں کے اس قول کی طرح نہیں کہ جب بادشاہ ندا کرنے کا حکم دیتا ہے کہ منادی کی ندا کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ”امیر نے ندا کی۔“ کیونکہ امیر کا منادی یہ ندا کرتا ہے کہ امیر نے یہ یہ حکم دیا ہے اور سلطان نے یہ یہ فرمان جاری کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ نہ کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں تمھیں اس بات کا حکم دیتا ہوں اور اگر وہ ایسے کہے تو لوگ اس کی خبر لیں۔

یہاں منادی نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہا ہے:

﴿اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ﴾ (طه: ۱۴)

”بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔“

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (القصص: ۳۰)

”بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں، جو سارے جہانوں کا رب ہے۔“

اگر یہ پیغام فرشتے بھی رب تعالیٰ کی طرف سے دے رہا ہو تو اسے بھی ایسا کہنا جائز نہ ہوگا جیسا کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور جب رب تعالیٰ فرشتوں کو ندا کے ذریعے حکم دیتا تو یوں فرماتا ہے۔ جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”جب رب تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو یہ ندا کرتا ہے: میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں سو تم بھی اس سے محبت کرو، پھر جبرائیل آسمان میں یہ ندا کرتے ہیں: ”اللہ فلاں سے محبت کرتے ہیں سو تم بھی اس سے محبت کرو۔“ [1]

پس جبرئیل علیہ السلام جب آسمان میں ندا کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں: اللہ فلاں سے محبت کرتے ہیں سو تم بھی اس سے محبت کرو اور اللہ جب جبرئیل علیہ السلام کو ندا کرتے ہیں تو یہ فرماتے ہیں: ”اے جبرئیل میں فلاں سے محبت کرتا ہوں۔“ اسی لیے جب فرشتوں نے جناب زکریا علیہ السلام کو ندا کی تھی تو رب تعالیٰ نے اس کو یوں بیان فرماتا:

﴿فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى﴾ (آل عمران: ۳۹)

”تو فرشتوں نے اسے آواز دی، وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ بے شک اللہ تجھے یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔“

---

[1] یہ حدیث ”صحیح بخاری“ (۴/ ۱۱۱) میں الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مذکورہ حدیث کا باقی متن یہ ہے: ”سو تم بھی اس سے محبت کرو، پس آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین میں اس کی مقبولیت کو رکھ دیا جاتا ہے۔“ یہ حدیث ”صحیح البخاری“ (۸/ ۱۴)، ”صحیح مسلم“ (۴/ ۲۰۳۰)، ”جامع الترمذی“ (۴/ ۳۷۸) اور ”مسند احمد“ (۱۴/ ۴۸، طبعة المعارف) میں بھی مروی ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (آل عمران: ٤٢)

''اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے چن لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سب جہانوں کی عورتوں پر تجھے چن لیا ہے۔''

کسی مخلوق کے لیے ایسا کہنے کی ہرگز ربھی گنجائش نہیں ہے کہ ''انی انا اللہ رب العالمین'' اور نہ یہ کہنا جائز ہے: ''جو مجھے پکارے گا میں اس کی پکار سنوں گا۔ جو مجھ سے مانگے گا میں اسے دوں گا، اور جو مجھ سے بخشش چاہے گا میں اسے بخش دوں گا۔'' رب تعالیٰ جب کسی محل میں ایک صفت پیدا فرماتے ہیں تو وہ محل اس صفت کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ جب کسی محل میں علم یا قدرت یا حیات یا حرکت یا رنگ یا سمع یا بصر وغیرہ کو پیدا فرماتے ہیں تو وہ محل اس صفت علم کے ساتھ علم بن جاتا ہے۔ اسی طرح قادر، زندہ، متحرک، متلون، سامع اور بصیر بن جاتا ہے اور رب تعالیٰ ان صفات کے ساتھ متصف نہیں ہوتا جن کو وہ مخلوقات میں پیدا کرتا ہے، بلکہ ان صفات کے ساتھ متصف ہوتا ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائل ہوتی ہیں۔ بلکہ ہر موصوف تبھی موصوف بنتا ہے جب وہ صفت اس کی ذات کے ساتھ قائم ہو، نہ کہ اس صفت کے ساتھ موصوف کہلاتا ہے جو اس ذات کے ساتھ قائم نہ ہو بلکہ دوسرے کی ذات کے ساتھ قائم ہو۔

پس اگر وہ ندا اس شجر میں پیدا کی گئی ہوتی تو پھر یہ کہنے والا کہ ''انی انا اللہ'' وہ شجرہ ہوتا اور جب وہ کلام جسے رب تعالیٰ نے دوسرے میں پیدا کیا ہے، وہ اللہ کا کلام ہے تو لازم آیا کہ روزِ قیامت رب تعالیٰ انسانی اعضاء کو جو گویائی دے گا اور وہ بولیں گے تو یہ بھی اللہ کا ہی کلام ہوگا۔ اسی طرح کنکریوں کی تسبیح بھی اس کا کلام کہلائے گی اور مکہ کی راہ میں پڑے نبی کریم ﷺ کو سلام کہنے والے پتھر کا کلام بھی اسی اللہ کا ہوگا۔ بلکہ یہ تک لازم آئے گا کہ وجود میں آنے والا ہر کلام اسی کا ہے۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

[حلولیہ اور اتحادیہ پر رد:]

حلولیہ اور اتحادیہ جیسے ابن عربی وغیرہ کے قول کا ردّ اور جواب بھی اسی طریق پر ہے۔ جو یہ کہتا ہے:

''وجود میں آنے والا ہر کلام اللہ کا کلام ہے چاہے وہ نثر ہے یا نظم ہمارے لیے دونوں باتیں برابر ہیں۔''[1]

اسی لیے سلیمان بن داؤد ہاشمی کا قول ہے'' جو یہ کہتا ہے کہ ''اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ'' (طه: ١٤) یہ قول مخلوق ہے؛ تو اس کا یہ قول فرعون کے اس قول کی جنس میں سے ہے: ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى'' (النازعات: ٤٢) مخلوق ہونے کے اعتبار سے یہ دونوں قول یکساں ہیں۔ ہاشمی کہتا ہے: اس سے واجب ٹھہرتا ہے کہ جس میں یہ قول

[1] ابن عربی کا یہ شعر ''الفتوحات المکیة'' (٤/ ١٤١ ط: دار الکتب العربیة الکبری القاهرة ١٣٢٩ ھ) میں مذکور ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پیدا کیا گیا ہے، وہی مخلوق اس قول کی قائل ہو۔ جیسا کہ فرعون اپنے قول کا قائل تھا۔ ❶

رہا ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ''کلام یہ فعل کی صفت ہے'' تو یہ نری تلبیس اور دجل ہے۔

ان سے پوچھا جائے کہ کیا تمھاری اس قول سے یہ مراد ہے کہ وہ کلام مفعول اور متکلم سے منفصل ہے، یا یہ مراد ہے کہ وہ کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے؟

اگر تمھاری مراد پہلا قول ہے تو وہ باطل ہے، ایسے کلام والا کوئی متکلم کبھی دیکھا نہیں گیا کہ اس کا کلام اس کی ذات سے منفصل ہو، بلکہ خود فعل کا بھی فاعل سے قائم ہونا لازم ہے جیسا کہ اسلاف اور اکثر ائمہ کا قول ہے۔ فاعل سے جدا مفعول ہوتا ہے نا کہ اس کا فعل۔

پس مخلوق رب تعالیٰ کی ذات سے جدا ہے اور یہ منفصل مخلوق اس کا فعل خلق نہیں ہے بلکہ اس کا یہ فعل خلق آسمانوں اور زمینوں کے لیے ہے نہ کہ وہ فعل خود آسمان اور زمین ہے۔ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ خلق ہی مخلوق ہے تو وہ دراصل ایسے متعدد امور سے بھاگے ہیں جن بزعم خویش محذور ہیں اور بات یہ ہے کہ جس محذور سے بھاگ کر یہ لوگ اس قول کی طرف گئے ہیں یہ اس محذور سے بدتر اور زیادہ برا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کا قول ہے کہ اگر فعل خلق غیر مخلوق ہے تو پھر یا تو حادث یا پھر قدیم ہے۔ اگر قدیم ہے تو مخلوق کا قدیم ہونا لازم آیا اور اگر حادث ہے تو ایک اور خلق لازم آئے گی۔ جو تسلسل کو لازم ہے۔

علماء نے اس کے اس خیال کا یہ جواب دیا ہے کہ تمھارا یہ قول خود تمھاری بنائی اصل کے ذریعے ٹوٹ رہا ہے۔ وہ یوں کہ تم لوگ اس بات کے قائل ہو کہ رب تعالیٰ ارادۂ قدیمہ کے ساتھ ارادہ کرتا ہے اور مرادات ساری کی ساری حادث ہیں۔ تو جب یہ جائز ہے تو پھر یہ کیوں نہیں جائز کہ فعل خلق تو قدیم ہو اور مخلوق حادث ہو؟ اور اگر یہ بات جائز نہیں بلکہ ارادہ یہ مراد سے ملا ہوتا ہے تو رب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث کے قیام کا جواز لازم آیا۔ تب پھر یہ بات بھی جائز ہو گی کہ رب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ایسا فعل خلق قائم ہو جو مخلوق سے ملا ہو۔ تب پھر دونوں تقدیروں پر تمھارے قول کا فاسد ہونا لازم آیا۔

اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ ''فعل خلق یہ حادث ہے تو پھر تم لوگوں نے یہ کیوں کہا کہ وہ ایک اور فعل خلق کا محتاج ہے۔ کیونکہ تم لوگ تو اس بات کے قائل ہو کہ مخلوقات ساری کی ساری حادث ہیں اور وہ حادث خلق کی محتاج نہیں۔ تب پھر یہ بات کیوں جائز نہیں کہ یہ مخلوقات ایک حادث مخلوق کے ذریعے پیدا ہوئی ہوں؟ اور انھیں ایک اور خلق کی حاجت نہ ہو۔

یہ بات معلوم ہے کہ مخلوقات کا خلق حادث کے ساتھ حدوث یہ ساری مخلوقات کے سرے سے کسی خلق کے بغیر

❶ یہ ابو ایوب سلیمان بن داؤد بن داؤد بن علی الہاشمی ہیں۔ امام شافعی اور ابن عیینہ سے حدیث روایت کرتے ہیں جبکہ امام بخاری نے ''کتاب خلق الافعال'' میں اور ابو حاتم اور امام احمد وغیرہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔ ہاشمی ثقہ اور صدوق ہیں ۲۱۹ھ میں یا ۲۲۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ (دیکھیں: تهذيب التهذيب: ٤/ ١٨٧-١٨٨، شذرات الذهب: ٢/ ٤٥، العبر: ١/ ٣٧٦-٣٧٧)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

حدوث میں آنے سے زیادہ عقل کے قریب ہے۔ پس اگر ہر حادث کسی دوسری خلق کا محتاج ہوتا تو اس سے تمھارا قول باطل ٹھہرتا اور اگر مخلوقات میں ایسی مخلوقات بھی ہوتیں جو خلق کی محتاج نہ ہوتیں تو یہ بات جائز ہوتی کہ پیدائش اور خلق بذاتِ خود کسی دوسری خلق کی محتاج نہیں۔

ہم نے متعدد مقامات پر اس بحث کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دیا ہوا ہے۔ یہاں کتاب اللہ میں اختلاف کرنے والوں کی ایک مثال بیان کرنا مقصود ہے۔ جن میں سے ہر ایک کا قول حق و باطل کے ساتھ رلا ملا ہے اور درست قول وہ ہے جس پر کتاب وسنت اور صحابہ وتابعین کے اقوال دلالت کرتے ہیں۔

[علم دین حاصل کرنے طرق:]

علم اور دین حاصل کرنے کے لوگوں کے ہاں تین طریقے ہیں۔ ان میں سے دو تو بدعتی طریقے ہیں جبکہ ایک شرعی طریقہ ہے۔ شرعی طریقہ ہے: نبی کریم ﷺ کی لائی تعلیمات میں پر غور وفکر کرنا، اس کے دلائل سے استدلال کرنا اور اس کے موجب پر عمل کرنا ہے۔ لہٰذا ایک تو وہ علم ضروری ہے جو نبی کریم ﷺ لے کر آئے ہیں اور دوسرے آپ ﷺ نے اس پر جو عمل کر دکھایا ہے اس کی اقتدا لازم ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک بات پر کفایت جائز نہ ہوگی۔

پھر شرعی طریقہ عقلی دلائل اور یقینی براہین پر مشتمل ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے وہ عقلی براہین بیان فرماتے ہیں جن پر سمع موقوف ہے۔ رسولوں نے لوگوں کے سامنے ان عقلیات کو بیان فرمایا ہے جن کے وہ محتاج ہیں۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان فرمائی ہے اور یہی وہ صراط مستقیم ہے جس کے سوال کرنے کا رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔

اب ذیل میں دوسرے دو بدعتی طریقوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان میں سے ایک بدعتی کلام اور بدعتی رائے والوں کا طریق ہے کہ اس طریق میں باطل کی کثرت ہے۔ اس طریق والے اللہ اور اس کے رسولوں کے امروں میں بے پناہ کوتاہی کرتے ہیں۔ سو یہ لوگ جہاں فسادِ علم کا شکار ہوتے ہیں وہیں فسادِ عمل کی راہ پر بھی گامزن ہوتے ہیں۔ یہ لوگ باطل یہودیت کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔

دوسرا طریق بدعتی تصوف وریاضت اور عبادت وتصوف کا ہے۔ یہ لوگ باطل نصرانیت کی طرف مائل نظر آتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ جب کوئی انسان کے ذکر کردہ طریق سے اپنے نفس کو صاف اور شفاف کر لیتا ہے تو اس پر سیکھے بنا علوم کا فیضان ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر لوگوں کی عبادت بدعت پر مبنی ہوتی ہے بلکہ تعلیم رسول ﷺ کے خلاف ہوتی ہے۔ سو یہ لوگ ایک طرف فساد علم میں پڑے ہوتے ہیں تو دوسری طرف ناقص علم میں ڈوبے ہوتے ہیں، کیونکہ انھیں نبی کریم ﷺ کی لائی تعلیمات کا سرے سے علم ہی نہیں ہوتا۔ غرض یہ دونوں قسم کے لوگ ایک دوسرے کی ردّ وقدح میں لگے رہتے ہیں اور اپنے تئیں خود متبع رسول باور کیے بیٹھے ہوتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن رسول ﷺ ان میں سے کسی فرقہ کے موافق تعلیم لے کر نہیں آیا ہوتا، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ إِبْرٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (آل عمران: ٦٧)

''ابراہیم نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی، بلکہ ایک طرف والا فرماں بردار تھا اور مشرکوں سے نہ تھا۔''

اسی طرح نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب ان بدعتی اہل کلام و رائے میں سے اور نہ بدعتی عبادت و تصوف والوں کے کسی طریق پر ہی تھے، بلکہ رب تعالیٰ نے جس کتاب وحکمت کے ساتھ آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا، اس طریق پر تھے۔

اہل نظر اور اہل ریاضت کا ردّ:

بے شمار اہل نظر اس بات کے قائل ہیں کہ محض نظر وفکر سے ہی علم حاصل ہو جاتا ہے اور اس میں عبادت، دین اور تزکیہ نفس وغیرہ میں سے کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں جبکہ بے شمار اہل ارادہ اس گمان میں ہیں کہ نری ریاضت سے معارف حاصل ہو جاتے ہیں اور اس کے لیے تعلم، نظر اور قرآن وحدیث میں تدبر کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔

لیکن یہ دونوں فریق ہی غلطی پر ہیں بلکہ تزکیہ نفس، عمل بالعلم اور رب کے تقویٰ کو حصولِ علم میں عظیم تاثیر حاصل ہے۔ البتہ مجرد عمل بھی بدون تدبر کے اور نبی کریم ﷺ کی لائی تعلیمات میں بدون نظر وفہم کے غیر مفید ہوتا ہے۔ اس لیے بنا علم کے عبادت عموماً عبادت بن نہیں پاتی کیونکہ ایسے آدمی کو نبی کریم ﷺ کی خصوصیت کا علم نہیں ہوتا۔ چاہے اسے اس جہت سے اس بات کا علم نہ بھی ہو۔

اسی طرح بسا اوقات نظر و استدلال سے بھی مطلوب حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ اسے علم کے ساتھ حاصل نہ کیا جائے اور مطابق ونافع تعلم عمل کے ساتھ ہی حاصل ہوتا ہے۔ وگرنہ رب تعالیٰ کا قول ہے:

﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ﴾ (الصف: ٥)

''پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ (النساء: ١٥٥)

''اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلاف میں محفوظ ہیں، بلکہ اللہ نے ان پر ان کے کفر کی وجہ سے مہر کر دی۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (المطففين: ١٤)

''ہرگز نہیں، بلکہ زنگ بن کر چھا گیا ہے ان کے دلوں پر جو وہ کماتے تھے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَوَ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۰۰)

''اور کیا ان لوگوں کی رہنمائی جو زمین کے وارث اس کے رہنے والوں کے بعد بنتے ہیں، اس بات نے نہیں کی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے انھیں سزا دیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں تو وہ نہیں سنتے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا وَّ لَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ (النساء: ٦٦-٦٨)

''اور اگر ہم واقعی ان پر فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو، یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو وہ ایسا نہ کرتے مگر ان میں سے تھوڑے اور اگر وہ واقعی اس پر عمل کرتے جو انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے لیے بہتر اور زیادہ ثابت قدم رکھنے والا ہوتا۔ اور اس وقت ہم یقیناً انھیں اپنے پاس سے بہت بڑا اجر دیتے۔ اور یقیناً ہم انھیں سیدھے راستے پر چلاتے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

(المائدۃ: ۱۵-۱٦)

''بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آئی ہے۔ جس کے ساتھ اللہ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیچھے چلیں، سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے اور انھیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور انھیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۳۸)

''یہ لوگوں کے لیے ایک وضاحت ہے اور بچنے والوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۲)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''یہ کتاب، اس میں کوئی شک نہیں، بچنے والوں کے لیے سراسر ہدایت ہے۔''

اسی طرح اگر کسی نے عباداتِ شرعیہ کے بغیر بھوک پیاس کاٹی، شب بیداری کی، خلوت و ریاضت کی اور صحت و سکوت کیا تو وہ ہدایت نہ پائے گا۔ چاہے اس نے رسول کی جہت سے علم غیب حاصل نہیں کیا۔

نبی کریم ﷺ جو وحی سے قبل سب سے کامل عقل والے، سب سے زیادہ پاکیزہ نفس والے اور وحی کے بعد سب سے افضل تھے، رب تعالیٰ انھیں یہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ (الشوری: ۵۲)

''اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کی وحی کی، تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے اور لیکن ہم نے اسے ایک ایسی روشنی بنا دیا ہے جس کے ساتھ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں راہ دکھاتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ وَ اِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْۤ اِلَيَّ رَبِّيْ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ۝﴾ (سبا: ۵۰)

''کہہ دے اگر میں گمراہ ہوا تو اپنی جان ہی پر گمراہ ہوں گا اور اگر میں نے ہدایت پائی تو اسی کی وجہ سے جو میرا رب میری طرف وحی بھیجتا ہے، یقیناً وہ سب کچھ سننے والا، قریب ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى۝ وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى۝﴾ (طٰہٰ: ۱۲۳-۱۲۶)

''پھر اگر کبھی واقعی تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کے پیچھے چلا تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ مصیبت میں پڑے گا۔ اور جس نے میری نصیحت سے منہ پھیرا تو بے شک اس کے لیے تنگ گزران ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دیکھنے والا تھا۔ وہ فرمائے گا اسی طرح تیرے پاس ہماری آیات آئیں تو تو انھیں بھول گیا اور اسی طرح آج تو بھلایا جائے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۝﴾ (الزخرف: ۳۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''اور جو شخص رحمٰن کی نصیحت سے اندھا بن جائے ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں، پھر وہ اس کے ساتھ رہنے والا ہوتا ہے۔''

ذکر سے مراد نازل کردہ ذکر اور ''یعش'' سے مراد قرآن کی طرف عدمِ التفات اور رب تعالیٰ کے عقاب سے بے خوفی ہے۔ اسی معنی میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ﴾ (الانبیاء: ۵۰)

''اور یہ ایک بابرکت نصیحت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ﴾ (الانبیاء: ۲)

''ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نصیحت نہیں آتی جو نئی ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ﴾ (طٰہٰ: ۱۲۴)

''اور جس نے میری نصیحت سے منہ پھیرا۔''

پھر یہ ارشاد فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ (طٰہٰ: ۱۲۶)

''اسی طرح تیرے پاس ہماری آیات آئیں تو تو انھیں بھول گیا اور اسی طرح آج تو بھلایا جائے گا۔''

غرض جو بھی قرآن سے بے التفاتی کرے گا رب تعالیٰ اس پر شیطان کو مسلط فرما دے گا۔ چاہے وہ جتنی بھی عبادت کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''یعش'' کی تفسیر ''یعمی'' (اندھا ہونا) مروی ہے۔ عطا اور زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں: یعنی ''اس کی آنکھوں تاریک ہو جائیں۔'' یہ ابن قتیبہ کا مختار قول ہے اور انھوں نے اس قول کو ''اعراض'' کے ساتھ تفسیر کرنے پر راجح قرار دیا ہے۔ عَشَا یہ نگاہ کی کمزوری کو کہتے ہیں۔ اسی لیے یہاں یَعْشُ کہا گیا ہے۔ ضحاک کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں اس سے ''اعراض'' مراد ہے۔ یہ قتادہ کا قول ہے۔ فراء اور زجاج نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ [1]

معنی کے اعتبار سے یہ تفسیر صحیح ہے۔ کیونکہ ''یَعْشُ'' یہ اعراض کے معنی کو متضمن ہے۔ اسی لیے اسے ''عَنْ'' حرفِ جر کے ساتھ متعدی لایا گیا ہے۔ جیسا کہ اعراض کرنے پر اور کسی کی خوبیوں کی نگاہ نہ کرنے پر کہا جاتا ہے ''اَنْتَ اَعْمٰی عَنْ مَحَاسِنِ فُلَانٍ'' (تو فلاں کی خوبیوں سے اندھا ہے)۔ لہٰذا یعش سے مراد اعشی عنها ہے اور یہ اندھا ہونے سے کم درجہ کا ہوتا ہے۔ یعنی کمزور نگاہ سے دیکھنا یہ ان گمراہوں کا حال ہے جو قرآن سے منتفع نہیں ہوتے، کہ یہ لوگ

[1] زاد المسیر لابن الجوزی: ۷/ ۳۱۴-۳۱۵۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

قرآن میں اس طرح نگاہ نہیں ڈالتے جس طرح وہ اپنے اسلاف کے کلام میں نگاہ ڈالتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک قرآن میں غور کرنے سے مقصود حاصل نہیں ہتا۔ یہ لوگ قرآن سے اندھے بنے۔ سو ان پر شیطانوں کو مسلط کر دیا گیا جو ہر وقت انھیں چمٹے رہتے ہیں، رہا ہدایت سے روکتے ہیں اور یہ خود کو اس سب کے باوجود راہِ ہدایت پر باور کرتے ہیں۔

اسی لیے تمھیں کتاب وسنت سے ہٹنے والوں کے کام میں علم واعتبار دونوں کے اعتبار سے کبھی حق کا بیان نہ ملے گا۔ کیونکہ ان کے کلام میں شیطانی وساوس کی کثرت ہوتی ہے۔

ایک شخص نے جو بڑا ذہین، عالم و فاضل اور دین ومعرفت والا تھا، بارہا مجھ سے کہا کہ اس نے ایک آدمی سے جس کا اس نے میرے سامنے نام بھی لیا تھا اور اہل نظر وکلام کے اکابر میں سے تھا، ابن خطیب کی ''مُحَصَّل'' اور ابن سینا کی ''اشارات'' سے چند اسباق پڑھے۔ اس کا بیان ہے کہ جب میں نے اپنے حال پر غور کیا تو وہ متغیر تھا۔ حالانکہ اس سے قبل وہ نور و ہدایت والا تھا اور اب اسے برے برے خواب بھی آنے لگے تھے۔ ایک مرتبہ صاحب نسخہ نے اسے اس برے حال میں دیکھ لیا تو اسے بتلایا کہ اب مجھے برے خواب آتے ہیں اور یہ سب ان کتابوں کی وجہ سے ہے۔ جمہور مسلمان جانتے ہیں کہ ابن سینا کی ''اشارات'' الحاد سے بھری پڑی ہے۔ البتہ ''محصل'' کے بارے میں اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں ایسی بحوث ہیں جو مقصود تک لے جاتی ہیں۔

اس کتاب پر میں نے یہ لکھا ہے: ''محصل فی اصول الدین اس کو حاصل کرنے کے بعد جو ملتا ہے، وہ یہ ہے: ایک ایسی اصل جو بدون دین کے ہے، ضلالتوں اور کھلے شک کی اصل ہے، اس میں زیادہ تر شیطانوں کی وحی ہے۔ مجھ سے اکثر اس بات کا سوال کیا گیا ہے کہ میں محصّل پر کچھ لکھوں اور اس کے مندرجات کی حقیقت واضح کر کے حق کو بیان کروں۔ غرض میں نے پھر اس کتاب پر لکھا بھی جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ [1] اسی طرح میں نے ایک دوسرے موقع پر ''اشارات'' پر بھی مفصل کلام کیا ہے۔ [2]

البتہ یہاں ہم محصَّل پر اور اہل کلام کی دیگر تمام کتابوں پر بطور تنبیہ کے چند جملے ضرور رقم کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ رازی اور اس کے ہم نوا کلابیہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کی کتابوں میں، اسی طرح معتزلہ، شیعہ اور فلاسفہ کی کتابوں میں دین کے وہ اصول نہیں ملتے جن کو لے کر نبی کریم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تھے بلکہ ان میں باطل سے آلودہ حق کا ذکر ملتا ہے۔

---

[1] ابن عبدالہادی نے ''العقود الدریة'' (ص ۳۷) میں لکھا ہے: امام ابن تیمیہ نے محصَّل کے اوّل کی ایک جلد میں شرح لکھی ہے۔ ابن قیم نے اس کتاب کا ''اسماء مؤلفات ابن تیمیة'' (ص ۱۹) میں ذکر کیا ہے اور مقصود رازی کی کتاب ''محصَّل افکار المتقدمین و المتاخرین'' میں ہے۔

[2] امام ابن تیمیہ ''کتاب الصفدیة'' (۲/ ۲۸۱) میں لکھتے ہیں: اس بارے ہم نے بعض اہل نظر کے کلام کو ایک دوسرے مقام پر ذکر کیا ہے، اس میں ہم نے ''المحصَّل''، ''منطق الاشارات'' اور ''منطق الیونانی'' پر مختصر و مفصل کلام کیا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

تمھارے لیے یہی ایک مسئلہ کہ ''رب تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کو پیدا کیا ہے'' بطور کے مثال کے کافی ہے کہ اس کتاب میں اس مسئلہ کی بابت صرف قدریہ، جہمیہ اور دہریوں کا ہی قول ملتا ہے۔ یا تو یہ وہ علت ہے جسے فلاسفہ دہریہ ثابت کرتے ہیں، یا وہ قادر ہے جسے معتزلہ اور جہمیہ ثابت کرتے ہیں۔ پھر اگر وہ کلابیہ میں سے ہے تو کلابیہ والا ارادہ ثابت کرتا ہے۔ان اقوال کے حقائق جاننے والے کے سامنے یہ بات عیاں ہے کہ یہ اقوال کتاب وسنت اور ائمہ اسلاف کے اجماع کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ عقل صریح کے بھی خلاف ہیں۔

پھر نبوتوں کے بارے میں ان لوگوں کے اقوال کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ چنانچہ متفلسفہ اپنی اس اصل فاسد کے مطابق نبوت کو ثابت کرتے ہیں کہ نبوت ایک قدسی طاقت ہے جو بعض نفوس کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ ان نفوس میں علم کو پانے کی طاقت وقوت زیادہ ہوتی ہے اور ان کی عالم میں تاثیر بھی زیادہ قوی ہوتی ہے اور ان میں تخیل کی طاقت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ صور متخیلہ اور اصواتِ متخیلہ میں ان کو سمجھتی ہیں۔ان متفلسفیوں کے نزدیک ایک نبی کے یہ تین خواص ہوتے ہیں۔ لہٰذا جو بھی ان خواص کے ساتھ متصف ہوگا وہ قدسی و علمی قوت والا نبی ہوگا اور ہیولی میں تاثیر، نفس میں اصوات کا تصور کہ یہ کلام اللہ ہے اور ان کے نزدیک نفس میں متخیل بعض صورتیں ملائکۃ اللہ ہیں۔

عالم کو معتبر جاننے والے کے نزدیک یہ بات معلوم ہے کہ یہ قدر بے شمار لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ بے شمار لوگوں کو ان تین ذکر کردہ اور مجوزہ خصائص میں سے حصہ ملا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں نے نبی بننے کی طمع کی۔ اسی لیے ان لوگوں نے نبوت کو کسبی بتلایا۔ان لوگوں نے یہ قول صرف اس لیے کیا تھا کہ یہ لوگ اللہ کے لیے جزئیات کے علم کو، قدرت کو اور ایسے کلام کو ثابت نہیں کرتے جس سے فرشتوں کے ساتھ کلام کرتا ہے اور فرشتے وہ کلام لے کر پیغمبروں پر اترتے ہیں۔

پھر جہمیہ اور معتزلہ کبھی تو ان کا لوگوں کا کمزور ردّ کرتے ہیں اور کبھی پورا پورا ردّ کرتے ہیں؛ کیونکہ یہ لوگ صانع عالم کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ دو متماثل اشیاء میں سے ایک کو بلا مرجّح کے راجح کر دیتا ہے۔ انھوں نے ایک قادر ومختار کو بلا مرجّح کے راجح کرنے والا قرار دے دیا۔ان میں سے اکثر کا یہ گمان ہے کہ قدرت اور دائمی تام کے وجود کے باوجود فعل کا وجود واجب نہیں۔ یہ لوگ موجب بالذات سے گھبراتے ہیں۔ پھر موجب بالذات کا لفظ مجمل ہے۔اور فلاسفہ نے اس کی باطل تفصیل بیان کی ہے۔ کیونکہ وہ موجب بالذات کو صفات سے خالی اور اپنے مفعولات کو مستلزم بنا کر ثابت کرتے ہیں؛ تاکہ کوئی چیز اس سے متاخر نہ ہو اور انھوں نے اس کے لیے ایسی وحدت کو ثابت کیا جو اس کی صفات اور اس کے ساتھ قائم افعال کی نفی کو متضمن ہے۔ان کا قول ہے کہ واحد سے واحد کا صدور ہی ممکن ہے۔ان کے پیش کردہ واحد کی حقیقت نہ تو اذہان میں پائی جاتی ہے اور نہ اعیان میں۔

ہم نے ان مذاہب پر اور ان کے بطلان پر دیگر مواقع میں مفصل کلام کر دیا ہے؛ اور بتایا ہے کہ اس بارے اکثر لوگ تناقض اور اضطراب کا شکار ہیں اور یہ کہ ان کا یہ دعویٰ کہ وہ دراصل ازل اور ابد میں معلول کی علت ہے، کئی اعتبار سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فاسد ہے۔

البتہ جب یہ کہا جائے کہ وہ بایں معنی موجب بالذات ہے کہ وہ اپنی قدرت اور مشیت سے جو کرنا چاہتا ہے اسے واجب اور موجود کرتا ہے۔ تو یہ اپنی قدرت اور مشیت کے ساتھ فاعل ٹھہرا۔ تب پھر اسے موجب بالذات کا نام دینا لفظی نزاع کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ اکثر جہمیہ اور قدریہ اس بات کے قائل نہیں کہ اس کی قدرت و مشیت سے مقدور کا وجود لازم ہوتا ہے۔ بلکہ کبھی وہ مقدور حاصل ہوتا ہے اور کبھی حاصل نہیں بھی ہوتا۔ پس اگر وہ حاصل ہوتا ہے تو وہ بلا مرجّح کے اسے ترجیح دیتا ہے۔

ان امور کی تفصیل دوسرے مواقع پر کر دی گئی ہے۔ یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ جہمیہ ایک ایسی نبوت کو ثابت کرتے ہیں جو صاحب نبوت میں کسی فضل و کمال کو اور اس کے کسی اختصاص کو ثابت نہیں کرتی اور وہ نبوت کسی صفت کمال کو مستلزم و خاص نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا جاہل بھی نبی بن سکتا ہے۔

پھر کٹر جہمیہ کے نزدیک اللہ اپنے غیر میں کلام کو پیدا کرتا ہے؛ اور فرشتہ اسے لے کر اترتا ہے۔ پھر کلابیہ کے نزدیک نبوت کا نبی کی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ بایں معنی کہ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے۔ ان کا نبوت کے بارے میں وہی عقیدہ ہے جو افعالِ عباد کے احکام کی بابت ہے؛ کہ حکم کا کوئی معنی نہیں، یہ تو بس قائم بالذات ایک معنی کا بندے کے متعلق ہو جاتا ہے۔ وہ اس سے متعلق قائم بالذات معنی کو ایمان؛ اعمال صالحہ؛ اور ان خاص امتیازی امور میں ثابت نہیں کرتے جو انہیں برائیوں سے جدا کرتے جن کی وجہ سے ان کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسا ہی ان کا عقیدہ نبوت میں بھی ہے۔

[معتزلہ اور ان کے امثال کا فاسد قیاس:]

پھر معتزلہ اور ان کے ہم نوا اللہ کے لیے اس کے بندوں پر قیاس کر کے ایک شریعت کو ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اللہ پر اسی جنس کے احکام واجب کرتے ہیں جو بندوں پر واجب ہوتے ہیں۔ اور اللہ پر اسی جنس کے احکام حرام قرار دیتے ہیں جو وہ بندوں پر حرام ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے امر و نہی، اس کی محبت و کراہت اور رضا اور ناراضگی کا اعمال پر کوئی اثر نہیں مانتے؛ بلکہ یہ اس کی صفاتِ ثابتہ ہیں جو بغیر خطاب کے ہیں۔ جبکہ خطاب تو وہ حقائق کو وا کرنے والا ہوتا ہے جیسے کسی شخص کا شمس و قمر اور نجوم و کواکب کی صفات وغیرہ کے بارے میں خبر دینا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ اس نے اپنے فرشتوں میں سے اور لوگوں میں سے اپنے رسول چن لیے ہیں۔ لفظ ''اصطفاء'' یہ تصفیہ سے بابِ افتعال کا مصدر ہے۔ جیسا کہ اختیار، یہ الخیرہ سے بابِ افتعال کا مصدر ہے۔ پس رب تعالیٰ اسے ہی اختیار فرماتے ہیں جو مصطفیٰ (چنا ہوا) ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رسالته﴾ (الانعام: ۱۲۴)

''اللہ زیادہ جاننے والا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھتا ہے۔''

اب کس کو نبی اور رسول بنانا ہے اور کس کو نہیں بنانا وہ اس بات کو خوب جانتا ہے۔ اگر ہر ایک نبی اور رسول بننے کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اہل ہوتا تو یہ اصطفاء و اختیار ممتنع ٹھہرتا۔

رسول کس کو متعین کرنا ہے اور کون دوسرے سے زیادہ رسالت کا مستحق ہے وہ اس بات کو زیادہ جانتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم اس پر دلالت کرتا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ پر اچانک وحی آئی اور آپ ﷺ اس سے گھبرا اٹھے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ:

> ''ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بات کہتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بے ہنر کے لیے کماتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کی مصیبتوں پر (دوسروں کی) مدد کرتے ہیں۔'' [تخریج گزر چکی ہے]

(سبحان اللہ!) سیدہ خدیجہ ام المومنین رضی اللہ عنہا ان جہمیہ سے کہیں زیادہ عقل و علم کی مالک تھیں کہ انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ جس بندے میں رب تعالیٰ نے اپنے عدل و احسان کی بنا پر ایسے شریفانہ اخلاق ودیعت فرما رکھے تھے رب تعالیٰ اسے رسوا نہ کرے گا کہ رب تعالیٰ کی حکمت اس کا انکار کرتی ہے۔

جبکہ ان جہمیہ کے نزدیک اللہ اس بات کو نہیں جانتا بلکہ کبھی وہ رسوا اور بدترین جیسے ابوجہل وغیرہ کو نبی بنا دیتا ہے۔ اسی لیے مازری ❶ اور دیگر نے (معاذ اللہ) سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر [اس کلام کا] انکار کر ڈالا۔ جیسے انھوں نے ہرقل کے استدلال کا انکار کر دیا تھا جس کا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مشہور اور صحیح حدیث میں آتا ہے۔ جبکہ اس نے نبی کریم ﷺ کی صفات سے آپ ﷺ کے سچا رسول ہونے پر استدلال کیا تھا۔ ❷ رب تعالیٰ جب کسی کو رسول بنا لیتے ہیں تو اسے چند ایسی دوسری صفات کے ساتھ فضیلت دیتے ہیں جو اس میں رسول بننے سے قبل نہیں ہوتیں۔ حضرت موسیٰ و عیسیٰ و حضرت محمد علیہم السلام کے نبوت کے بعد کے احوال و صفات میں غور کرنے والے پر یہ باتیں بالکل واضح اور عیاں ہیں اور یہ صفات ان رسولوں پر نازل ہونے والی وحی کے علاوہ کی ہیں۔ لہٰذا یہ نہ کہا جائے گا کہ نبوت احکامِ فعلیہ کی طرح محض ایک اضافی وصف ہے جیسا کہ جہمیہ کا قول ہے۔

اسی لیے جب رازی وغیرہ جیسے اہل نظر و کلام کے پاس جہمیہ، قدریہ اور فلاسفہ کے سوا اور کسی کا قول تھا ہی نہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی تفاسیر اور دیگر جملہ کتب میں جتنے بھی اقوال لکھے ہیں وہ سب باطل ہیں، ان میں کسی نے حق

---

❶ یہ ابوعبداللہ محمد بن علی بن عمر تمیمی مازری ہے، محدث اور فقہائے مالکیہ میں سے ہیں۔ جزیرہ صقلیہ کے علاقہ مازر کی طرف منسوب ہو کر مازری کہلائے۔ سن پیدائش ۴۵۵ھ اور سن وفات ۵۳۶ھ ہے۔ "الكشف و الانباء فى الرد على الاحياء للغزالى" آپ کی مشہور کتاب ہے۔ (دیکھیں: وفيات الاعيان: ۳/ ۴۱۳، الديباج المذهب لابن فرحون، ص: ۲۷۹-۲۸۱، شذرات الذهب: ۴/ ۱۱۴، العبر: ۴/ ۱۰۰-۱۰۱، الاعلام: ۷/ ۱۶۴، سيرة الغزالى، ص: ۷۲-۷۳)

❷ صحيح البخارى: ۱/ ۴-۶۔ صحيح مسلم: ۳/ ۱۳۹۳۔ مسند احمد: ۴/ ۱۱۰-۱۱۴ طبعة المعارف۔ احمد شاکر رحمہ اللہ (ص ۱۱۰ پر) لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام مسلم نے مغازی میں، ابوداؤد نے ادب میں، ترمذی نے استیذان میں اور نسائی نے تفسیر میں روایت کیا ہے۔ جبکہ ابن ماجہ نے یہ حدیث روایت ہی نہیں کی جیسا کہ قسطلانی نے "شرح البخارى" (۱/ ۷۰) میں کہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قول نقل نہیں کیا؛ جیسا کہ ''ہلال'' [نیا چاند] کی تفسیر۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ﴾ (البقرة : ۱۸۹)

''وہ تجھ سے نئے چاند کے متعلق پوچھتے ہیں، فرمادیں: لوگوں کے لیے اور حج کے لیے وقت معلوم کرنے کے ذریعے ہیں۔''

پس انہوں نے اس میں اہل حساب کا ذکر نقل کیا ہے۔اور اسے فلاسفہ کا قول قرار دیا ہے۔اور جہمیہ کا عقیدہ ذکر کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: ''قادر مختار میں روشنی پیدا ہوتی ہے جس کا نہ کوئی سبب ہوتا ہے اور نہ ہی حکمت۔''❶

اسی طرح رازی جب بارش پر کلام کرتا ہے تو ان لوگوں کا کلام اور عقیدہ ذکر کرتا ہے جن کے نزدیک بارش صرف اوپر چڑھنے والے آبی بخارات سے حاصل ہوتی ہے جو فضا میں جمع ہوتے ہیں۔اور ان کا عقیدہ بھی ذکر کرتے ہیں جو کہتے ہیں: ''بارش کو اس فاعل مختار نے بلاسبب پیدا کیا ہے۔'' اور ایک قول یہ ذکر کرتے ہیں: ''بارش افلاک سے نازل ہوتی ہے۔'' پھر لطف کی بات یہ ہے کہ موصوف اپنی تفسیر میں تو اس قول کو ذکر کرتے ہیں❷ لیکن ایک دوسری جگہ میں جزم کے ساتھ اسے فاسد قول بھی قرار دیتے ہیں۔

یاد رہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ، ائمہ مسلمین بلکہ سلف و خلف جملہ اہل علم مسلمانوں میں سے کسی کا بھی یہ قول نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بارش بادلوں سے اترتی ہے۔

لغت اور قرآن میں ''سماء'' ہر بلند چیز کو کہتے ہیں۔ یہ بلند چیز کا اسم جنس ہے۔ یہ صرف اسی چیز کے ساتھ متعین ہوتا ہے جس کی طرف اس کی اضافت کر دی جاتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ﴾ (الحج : ۱۵)

''تو وہ ایک رسی آسمان کی طرف لٹکائے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ (الانعام : ۹۹)

''اور وہی ہے جس نے آسمانوں سے پانی اتارا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ﴾ (الملك : ۱۶)

---

❶ رازی کے اس قول کو اس کی تفسیر ''التفسیر الکبیر'' یا ''مفاتیح الغیب'' (۵/ ۱۳۲-۱۳۶) میں دیکھیں۔ چنانچہ رازی (ص ۱۳۲ پر) لکھتے ہیں: ''رہا سال تو اس سے مراد تو یہ آفتاب کی اس حرکت سے حاصل ہونے والا زمانہ ہے جو فلک کے ایک معین نقطہ سے اس کی حاصل ہونے والی حرکت سے ہوتا ہے جو فلک کی حرکت کے خلاف ہوتی ہے یہاں تک کہ آفتاب اسی معین نقطہ کی طرف لوٹ آتا ہے......''

❷ دیکھیں: تفسیر الرازی: ٤/ ۲۲۳۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے۔''

ان تینوں مواقع میں سماء سے مراد بلندی ہے۔ پھر یہاں ایک جگہ یہ لفظ چھت وغیرہ کے ساتھ متعین ہوا ہے۔ تو دوسری جگہ بادلوں کے ساتھ؛ جبکہ تیسری جگہ پورے جہاں سے اوپر کے ساتھ متعین ہو رہا ہے۔ پس ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ (الانعام:۹۹) میں سماء سے مراد بلندی ہے قطع نظر کسی معین جسم کے۔ لیکن دوسری آیات میں رب تعالیٰ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ بارش بادلوں سے نازل ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد گرامی ہے:

﴿اَفَرَاَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَo ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَo﴾

(الواقعة: ٦٨-٦٩)

''پھر کیا تم نے دیکھا وہ پانی جو تم پیتے ہو؟ کیا تم نے اسے بادل سے اتارا ہے، یا ہم ہی اتارنے والے ہیں؟''

مزن یا سحاب یعنی بادل کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ﴾ (النور: ٤٣)

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ بادل کو چلاتا ہے، پھر اسے آپس میں ملاتا ہے، پھر اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس کے درمیان سے نکل رہی ہے۔''

اَلْوَدْقَ یہ مطر یعنی بارش کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ﴾ (الروم: ٤٨)

''اللہ وہ ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں، پھر اسے آسمان میں پھیلا دیتا ہے جیسے چاہتا ہے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ پس تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس کے درمیان سے نکل رہی ہے۔''

اس آیت میں رب تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ بادلوں کو آسمان میں پھیلاتا ہے۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن میں کہیں بھی ''سماء'' سے مراد افلاک نہیں۔ کیونکہ بادل افلاک میں نہیں پھیلائے جاتے بلکہ لوگ خود مشاہدہ کرتے ہیں کہ بادل فضاء میں پھیلتے ہیں اور بسا اوقات آدمی پہاڑ وغیرہ کسی بلند جگہ ہوتا ہے اور وہ اپنے نیچے ان بادلوں کو پھیلتے دیکھتا ہے اور ان سے بارش بھی برس رہی ہوتی ہے۔ جبکہ سورج بادلوں سے اوپر ہے۔

اب رازی میاں خود بھی تو کسی ایک قول پر قائم نہیں رہتے بلکہ یہاں ایک قول کی تائید کرتے ہیں تو وہاں چند اسباب کی بنا پر اس کے مناقض دوسرے قول کی تائید کر رہے ہوتے ہیں۔

بے شمار لوگ قرآن سے ایسی باتیں بھی سمجھتے ہیں جن پر خود قرآن کی دلالت نہیں ہو رہی ہوتی۔ بلاشبہ وہ ایک فاسد

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

معنی ہوتا ہے اور یہ لوگ اس معنی کو عقل کے معارض قرار دے رہے ہوتے ہیں ہم نے "درء تعارض العقل و النقل" میں جو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ہے، اس مضمون کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ وہاں ہم نے کتاب وسنت کے بظاہر خلاف عام عقلیات کو ذکر کیا ہے، وہاں ہم نے بتلایا ہے کہ عقل ونقل میں تعارض تب ہی واضح ہوتا ہے جب معقولِ فاسد کا وقوع ہو۔ اہل بدعت کے کلام کا اکثر یہی حال ہوتا ہے۔ یا پھر ایسا تب ہوتا ہے جب کسی غیر شرعی بات کو شرع شریف کی طرف منسوب کر دیا جائے جیسے موضوع حدیث یا فہم فاسد پر کسی نص کی دلالت نہ ہو، یا باطل اجماع کا حوالہ دیا جائے۔

یہیں سے بہت سے لوگوں نے احکام نجومیہ کی مذمت بیان کی ہے۔ بلاشبہ یہ عقل وشرع دونوں کے نزدیک مذموم ہے اور اس میں درستی سے کہیں زیادہ خطا سرزد ہوتی ہے اور جو اپنے تصرفات میں اللہ اور رسول کے احکام سے روگردانی کر کے ان پر اعتماد کرتا ہے وہ دنیا وآخرت میں خسارہ اٹھاتا ہے۔

لیکن ان لوگوں نے ان احکام نجومیہ کے ردّ میں جہمیہ وغیرہ کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ یوں کہ ان کا دعویٰ ہے کہ سرے سے علویات کا سفلیات میں کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کا یہ دعوی یا تو جہمیہ کے طریق پر ہے لیکن یہ طریق عاداتِ اقترانیہ [ملی جلی عادات] کی نفی نہیں کرتا۔ اگرچہ سبب اور مسبب اور حکمت کو بھی ثابت نہیں کرتا اور یا ان لوگوں کا یہ دعویٰ عادت کی نفی پر مبنی ہے [یعنی عادت میں ایسا کام نہیں ہوتا]۔

پھر کبھی یہ لوگ افلاک کے مستدیر ہونے میں نزاع کر رہے ہوتے ہیں اور افلاک کی ایک اور ہی شکل ہونے کے دعوے دار ہوتے ہیں۔ ہم نے اس بارے پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں اس بات کو واضح کر دیا ہوا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین عظام رحمہم اللہ وغیرہ علماء مسلمین کے نزدیک افلاک مستدیر ہیں، جیسا کہ مستند اسانید کے ساتھ ان حضرات سے یہ بات ثابت ہے اور وہ اسانید اپنی جگہ مذکور ہیں۔ بلکہ متعدد علماء نے جو منقولات میں سب سے زیادہ اس بات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے۔ (1) جیسے ابو الحسین بن منادی، (2) جو امام احمد کے اصحاب میں طبقہ ثانیہ کے علماء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ موصوف نے چار سو کے قریب کتابیں لکھیں ہیں۔ اسی طرح ابن حزم اندلسی اور ابن جوزی وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے۔

کتاب وسنت کی بھی اسی پر دلالت ہے۔ جیسا کہ "الاحاطۃ" میں اس کو مفصل ذکر کر دیا گیا ہے۔ (3)

---

(1) دیکھیں: المسئلة العرشية في فتاوى الرياض: ٦/ ٥٤٥-٥٨٣۔ خاصة، ص: ٥٥٧ لابن تيمية۔ مذکورہ کتاب (٦/ ٥٨٦-٥٩١) میں امام موصوف نے ایک سوال کے جواب میں یہ ساری تفصیل لکھی ہے۔

(2) یہ ابو الحسین احمد بن جعفر بن محمد بن المنادی ہیں۔ سن پیدائش ۲۵۶ھ اور سن وفات ۳۳۶ھ ہے۔ تفسیر اور حدیث کے عالم بغداد کے علماء حنابلہ کے اکابر میں شمار ہوتے تھے۔ (دیکھیں: طبقات الحنابلة: ٢/ ٣-٦)

(3) ابن الہادی نے اپنی کتاب "العقود الدرية" (ص ٥١) میں امام ابن تیمیہ کی مؤلفات میں "الاحاطة الكبرى" کو اور ص ۵۲ میں "الاحاطة الصغرى" کو شمار کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح سلف و خلف کے ہاں یہ بات معروف ہے کہ رب تعالیٰ بارش کو ہواء سے اور اوپر چڑھنے والے آبی بخارات سے پیدا فرماتے ہیں؛ رب تعالیٰ کا بارش کو ہوا اور بخارات سے پیدا کرنا، انسان کو نطفہ سے پیدا کرنے کی طرح ہے۔ اور جیسے رب تعالیٰ درختوں اور کھیتیوں کو گھٹلی اور بیج سے پیدا فرماتے ہیں۔ اور عقلاء کا اتفاق ہے کہ صرف مادہ کا وجود اس سے تخلیق کو واجب نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے لیے ایسی صورت کا ہونا ضروری ہے جس کے ڈھنگ پر اسے پیدا کیا جاتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ قادر و مختار اور حکیم پر دلیل ہے؛ جو بارش کو ایک معلوم شدہ مقدار پر اس کی ضرورت کے وقت پیدا فرماتا ہے۔ پھر وہی بارش کی جگہ سے اس پانی کو بنجر زمینوں کی طرف لے جاتا ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَی الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ اَنْفُسُهُمْ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ﴾ (السجدة : ۲۷)

''اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ بیشک ہم پانی کو چٹیل زمین کی طرف چلاتے ہیں، پھر اس کے ذریعے کھیتی نکالتے ہیں جس میں سے ان کے چوپائے کھاتے ہیں اور وہ خود بھی، تو کیا یہ نہیں دیکھتے؟''

اب بنجر زمینوں پر بقدرِ کفایت بارش نہیں برستی جیسا کہ مصر کی زمینوں پر بھی نہیں برستی ہے۔ کیونکہ اگر مصری زمینوں پر معتاد بارش برسے تو وہ اسے کافی نہیں رہتی کیونکہ مصری زمینیں ابلیزی [نرم] [1] ہوتی ہیں۔ اور اگر ان زمینوں پر زیادہ بارش برسے جیسے مہینہ بھر بارش ہوتی رہے؛ تو آبادیاں برباد ہو جائیں۔ اس لیے یہ بات رب تعالیٰ کی حکمت و رحمت میں سے تھی کہ بارش دور پار برسے، پھر وہ پانی کھنچتا ہوا ان زمینوں تک آ پہنچے۔

ان آیات سے خالق باری تعالیٰ کے علم، قدرت، مشیت، حکمت پر اور اس مادہ کے اثبات پر استدلال کیا جاتا ہے جس سے رب سبحانہ وتعالیٰ بارش، انسان، حیوان، شجر، حجر وغیرہ کو پیدا فرماتا ہے جو اس کی حکمت پر دلالت کرتا ہے۔

ہم ایسی کسی چیز کو ہرگز نہیں جانتے جو کسی نہ کسی مادہ سے پیدا نہ کی گئی ہو۔ اور رب تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب میں ایسی کسی مخلوق کی خبر نہیں دی جو کسی مادہ سے پیدا نہ کی گئی ہو۔

اسی طرح آفتاب وغیرہ کو گرہن لگنا کہ یہ کسی حادثہ کا سبب نہیں اس پر نصوص صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔ کتب صحاح میں متعدد طرق سے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''آفتاب اور ماہتاب کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے نہیں گہناتے، البتہ یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جن کے ذریعے رب تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں۔ پس جب تم ان دونوں کو (گہناتے) دیکھو تو نماز کی طرف لپکو۔'' [سبق تخریجہ]

صحیح حدیث میں یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے صلوٰۃ کسوف کی ہر رکعت میں ایک رکوع زائد کیا تھا اور

---

[1] ابلیز: مصری زمینوں کی وہ گارا اور مٹی جو دریائے نیل کا پانی اترنے کے بعد کناروں پر رہ جاتی ہے۔ ایسی زمین کو ''ارضِ ابلیز'' کہا جاتا ہے۔ (دیکھیں: المنجد العربی فی اللغة، ص: ۴۸)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے اس نماز کی رکعات کو اس قدر طویل ادا فرمایا کہ جماعت والی کوئی دوسری نماز اس قدر طویل نہیں فرمائی۔ اور آفتاب کے گہنا جانے پر آپ ﷺ نے نماز، ذکر، دعا، صدقہ، استغفار اور غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ ❶

نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''رب تعالیٰ ان دونوں نشانیوں کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں'' یہ رب تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے:

﴿وَ مَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا﴾ (الاسراء: ٥٩)

''اور ہم نشانیاں دے کر نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کے لیے۔''

اسی لیے ''آیات'' کے ظہور پر عموماً نمازیں ادا کرنا مشروع قرار دیا گیا ہے۔ جیسے ستاروں کا ٹوٹنا، زلزلے وغیرہ اور تخویف اسی چیز کے ذریعے ہوتی ہے جو ڈرانے والے شر کا سبب ہو۔ جیسے زلزلہ، آندھی۔ وگرنہ جس چیز کا عدم اور وجود یکساں ہو اس کے ذریعے تخویف حاصل نہیں ہوتی۔ پس یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کسوف باعث شر ہے۔ پھر کبھی اس سے شر ظاہر بھی ہو جاتا ہے۔ اور کسوف میں بھی وہی قول ہے جو دیگر سارے اسباب کی بابت ہے۔ کہ آیا یہ سبب ہی ہے؟ جیسا کہ جمہور امت کا قول ہے۔ یا پھر یہ محض اقترانِ عادت ہے جیسا کہ جہمیہ کا قول ہے؟

پھر نبی کریم ﷺ نے اسباب شر کے وقوع کے وقت ان عبادات کی خبر دی ہے جن کے ذریعہ ان اسباب شر کو ہٹایا جا سکتا ہے۔ یہ عبادات یا تو اس خیر کو قوی کرتی ہیں جس کا سبب منعقد ہو چکا ہے، یا پھر اس شر کے سبب کو دور کر دیتی ہیں، یا اس شر کو کمزور کر دیتی ہیں جس کا سبب منعقد ہو چکا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''دعا اور بلاء ایک دوسرے سے ملتی ہیں تو زمین اور آسمان کے درمیان ایک دوسرے سے جھگڑتی ہیں۔'' ❷

اس بات کا اعتراف فلاسفہ کو بھی ہے۔ لیکن ان کا یہ اعتراف کیا اس بنا پر ہے کہ رب تعالیٰ اس بلا کو اپنی حکمت و قدرت سے ہٹاتا ہے، یا یہ اقرار اس بنا پر ہے کہ قوائے نفسانیہ اثر انداز ہوتے ہیں؟ اس باب میں ان لوگوں کا یہ اقرار ان کے خود ساختہ اصول پر مبنی ہے۔ بطلیموس ❸ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا یہ قول ہے: ''عبادت گاہوں میں مختلف زبانوں میں آوازوں کا شور افلاکِ مستدیرہ کی گرہوں کو کھول دیتا ہے۔''

❶ دیکھیں: ارواء الغلیل: ۳/ ۱۲۶-۱۳۲۔ اس مقام پر اس بارے وارد احادیث کا اور شیخ البانی رحمہ اللہ کی ان پر تعلقات کا مفصل ذکر ہے۔

❷ مجھے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ تو نہیں ملی۔ البتہ "الترغیب" (۳/ ۱٤۲ طبعة مصطفی محمد عمارة) میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''کوئی احتیاط (اور تدبیر) تقدیر کے بالمقابل کام نہیں آتی اور دعا اترنے والی مصیبت میں اور جو ابھی تک نہیں اتری اس میں کام آتی ہے اور بلا اترتی ہے تو دعا سے ملتی ہے۔ سو یہ دونوں قیامت تک لڑتی رہیں گے۔'' امام منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو بزار، طبرانی اور حاکم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

❸ بطلیموس قلوذی۔ مشہور عالم افلاک۔ فلکیات کے موضوع پر لکھی مشہور کتاب "المجسطی" اسی بطلیموس کی تصنیف ہے۔ ریاض میں امامت کا درجہ رکھتا تھا۔ آں جہانی نے دو رومی شہنشاہوں "اَنْدَرْیَاسِیُوس" اور "اَنْطَمِیُوس" کا زمانہ پایا۔ "اَیْرَقُس" ⇐⇐⇐

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

بقراط کا یہ قول منقول ہے: ''جان لے کہ ہماری طب ہیکلوں کے ارباب کے سامنے ایسے ہی ہے جیسے بڑھیوں کی طب ہماری طب کے سامنے ہے۔''

ان لوگوں کو طبیعت اور فلکیات سے ماوراء قوت کا اعتراف تھا؛ اور یہ صرف قوائے نفسانیہ نہ تھے جیسا کہ ابن سینا اور فلاسفہ کی ایک جماعت کا عقیدہ ہے۔ بلکہ عالم علوی اور سفلی کو فرشتوں نے بھر رکھا ہے اور جنوں کی تعداد بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ رب تعالیٰ نے اپنی قدرت و مشیت سے اس عالَم کی تدبیر فرشتوں کے سپرد فرما رکھی ہے۔ کتاب و سنت کے بے شمار دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں اور دلائل عقلیہ بھی یہی بتلاتے ہیں۔

فرشتے یہ ایک زندہ اور جان دار مخلوق ہیں جنھیں قوتِ نطق حاصل ہے، یہ کسی غیر کے ساتھ قائم اعراض نہیں ہیں جیسا کہ بے شمار فلاسفہ گمان کیے بیٹھے ہیں اور یہ صرف عقولِ عشرہ یا نفوسِ تسعہ نہیں ہیں۔ یہ عقیدہ بے شمار دلائل کی روشنی میں باطل ہیں۔ [1]

رہے ''مجردات مفارقات'' جن کو یہ فلاسفہ ثابت کرتے ہیں، تو اس سے سوائے نفس ناطقہ کے ان لوگوں کے ہاتھ اور کچھ بھی نہیں آتا۔ بیشک یہ نفس ناطقہ بھی بدن کو چھوڑ دیتا ہے۔ یوں ان لوگوں کے ہاں اس کے بعد زیادہ سے زیادہ اذہان میں پائے جانے والے مجرداتِ معقولہ ہی ثابت ہوتے ہیں اور وہ ''کلیاتِ معقولہ'' ہیں۔ لیکن ان کا گمان ہے کہ یہ معقولات خارج میں بھی ثابت ہیں۔ جیسا کہ افلاطون کے ساتھیوں کا یہ گمان ہے کہ مُثُل افلاطونیہ خارج میں ثابت ہیں۔ یوں کلیاتِ قدیمہ ازلیہ ابدیہ مفارقہ ثابت ہوتی ہیں جیسا کہ انسان کلی۔

لیکن یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ انھوں نے یہ گمان کر لیا کہ جو اذہان میں پایا جاتا ہے، وہ خارج میں اعیان کی صورت میں بھی پایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ جن جواہر عقلیہ کو ثابت کرتے ہیں وہ چار ہیں: (۱) عقل (۲) نفس (۳) مادہ (۴) اور صورت۔ جبکہ ان کی ایک جماعت جیسے افلاطون کے ساتھی جن جواہر عقلیہ کو ثابت کرتے ہیں، وہ یہ ہیں: دہر، خیر اور مادہ اولیٰ جو صورت کے معارض ہوتا ہے۔

یہ لوگ جتنے بھی جواہر عقلیہ ثابت کرتے ہیں جب ان میں خوب غور و خوض اور خوب تحقیق کی جاتی ہے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ یہ نفس میں پائے جانے والے امورِ معقولہ ہیں جن کا نفس میں تصور کیا جاتا ہے۔ یہ قلب میں پیدا ہونے والے معقولات ہیں جو خارج میں موجود اپنی جزئیات سے خالی ہوتے ہیں۔ عقل ہمیشہ اعیانِ معینہ مشہودہ سے کلیات

⇐⇐ کے بعد دو سواسی سال تک اس کے علوم کا چرچا رہا۔ آن جہانی کی کتاب ''مجسطی'' تیرہ مقالات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب پر سب سے پہلے یحییٰ بن خالد بن برمد نے توجہ دی اور اس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ (دیکھیں: تاریخ الحکماء، ص: ۹۵-۹۶، طبقات الاطباء، ص: ۳۵-۳۸، الفهرست لابن الندیم، ص: ٦٧، خطط المقریزی: ۱/ ۱۵٤)

[1] دیکھیں: المقارنة بین الغزالی و ابن تیمیة، ص: ۸۹-۹۲۔ اس مقام پر امام موصوف ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فلاسفہ کے اس قول کا کہ ''ملائکہ یہ عقول اور نفوس ہیں'' بھرپور ردّ کیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: الرد علی المنطقیین، ص: ٤۹۳-٤۹۹ اور الصفدیة ۱/ ۱۹٦-۲۰۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشترکہ عقلیہ کو کھینچ نکالتی ہے۔ جیسا کہ عقل زید، عمرو اور بکر کا تصور کرتی ہے۔ پھر وہ ایک انسان کا تصور کرتی ہے جو کلی مشترک ہوتا ہے اور وہ مشترک کلی زید، عمرو اور بکر تینوں پر منطبق ہوتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ مشترک کلی صرف اس کے قلب اور ذہن میں ہی ہوتی ہے؛ جبکہ خارج میں مشترکہ کلی کے طور پر ایسا کوئی انسان نہیں پایا جاتا جس میں زید، عمرو، بکر وغیرہ سب کے سب یکساں طور پر شریک ہوں۔ بلکہ ہر انسان اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے دوسرے انسان سے ممتاز اور جدا ہوتا ہے نہ کہ دونوں مشترک ہوتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ انسانیت اور حیوانیت مشترک ہوتی ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس میں حیوانیت اور انسانیت ہے۔ جو انسانیت اور حیوانیت کے مشابہ ہوتی ہے اور وہ دونوں انسانیت اور حیوانیت کے مسمی میں مشترک ہیں۔ اور یہ مسمی جب کسی مشترک کلی کو اخذ کرتا ہے تو صرف ذہن میں ہوتا ہے۔ اور کبھی اطلاق کی شرط کے ساتھ مطلق پایا جاتا ہے۔ اکثر عقلاء کے نزدیک یہ صرف ذہن میں ہی پایا جاتا ہے۔ سوائے اس کے جو خارج میں افلاطونی مثالیں ثابت کرتا ہے اور کبھی خارج میں اطلاق کی شرط کے بغیر مطلق پایا جاتا ہے۔ اس طور پر کہ وہ معینات کو باری باری لیتا ہے۔ اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز خارج میں موجود ہے۔ جبکہ وہ خارج میں معین مقید اور مخصوص طور پر پائی جاتی ہے۔ پس کہا جاتا ہے کہ (مثلاً) وہ انسان ہے اور یہ حیوان ہے اور وہ گھوڑا ہے۔ رہا اس کا خارج میں وجود؛ کہ وہ خارج میں مشترک بھی ہو؛ تو یہ باطل ہے۔

اس لیے ان لوگوں کے نزدیک معروف یہ ہے کہ کلیات یہ اذہان میں تو ثابت ہیں لیکن اعیان میں نہیں۔ اور جو یہ کہتا ہے کہ کلی طبیعی خارج میں موجود ہے تو اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ جو چیز کلی ہے جب وہ ذہن میں ہو تو خارج میں پائی جاتی ہے۔ لیکن خارج میں کوئی کلی نہیں پائی جاتی۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسے کہا جائے: ''ذہن جس بات کا تصور کرتا ہے کبھی وہ خارج میں بھی پایا جاتا ہے اور کبھی نہیں بھی پایا جاتا۔'' یہ مراد نہیں کہ ذہن میں جو نفس صورت پائی جاتی ہے خارج میں بھی بعینہ وہی پائی جاتی ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ذہن جس بات کا تصور کرتا ہے کبھی وہ خارج میں بھی پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ خارج میں تصورِ ذہنی کی امثال پائی جاتی ہیں۔

جیسا کہ انسان تصور کرتا ہے کہ وہ ایک گھر بنا رہا ہے، یا کوئی کام کر رہا ہے اور آدمی دوسرے سے یہ کہتا ہے کہ تو نے وہی کر دکھایا جو میرے جی میں ہے یا تو نے وہ کام کیا جو میرے نفس میں ہے۔ ایک موقع حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ: ''میں نے اپنے دل میں ایک بات کرنے کی تیاری کی لیکن جناب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فی البدیہ اس سے بہتر بات کہہ دی۔''

یہ سب باتیں لوگوں میں معروف ہیں کہ ایک چیز کا نفس میں وجود ہوتا ہے۔ جبکہ اس کی ''مثالِ مطابق'' علم میں ہوتی ہے اور ایک لفظ اس مثالِ علمی پر دلالت کرنے والا ہوتا ہے۔ پھر اس لفظ کے مطابق ایک خط ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے: ''اس کا اعیان میں ایک وجود ہے اور ایک وجود اذہان میں ہے۔ جبکہ ایک وجود لسان پر، ایک وجود

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

بنان میں اور ایک وجود عینی اور علمی اور منطقی اور رسمی ہے۔ جیسے شمس اور کعبہ جو خارج میں موجود ہیں۔ پھر انسان شمس کو دیکھ کر نفس میں اس کا تصور بناتا ہے، پھر شمس اور کعبہ کو ورق پر لکھتا ہے۔ پس جب وہ لکھ لیتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ''یہ رہا آسمان میں آفتاب؛ اور یہ رہا وہ کعبہ جس کی طرف رخ کر کے مسلمان نماز پڑھتے ہیں؛ کہ اس وقت لکھے لفظوں والا شمس اور کعبہ مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ ان الفاظ کا معروف معنی مراد ہوتا ہے۔

جیسے ایک آدمی ''یا زید'' پکارتا ہے، تو وہ آواز کو نہیں پکارتا۔ اور جب کہتا ہے ''میں نے زید کو مارا'' تو مراد حروف کو مارنا نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ معروف ہے کہ جب اسماء بولے جاتے ہیں مراد وہ مسمیات ہوتے ہیں جن پر اسماء دلالت کر رہے ہوتے ہیں۔ اور جب اسماء لکھے جاتے ہیں تو خط سے وہ مراد ہوتا ہے جو لفظ سے مراد ہوتا ہے اور جب ورق پر لکھے لفظ کو کہا جاتا ہے کہ یہ حجاز کا کعبہ ہے تو مراد اسم لفظی کا وہ مسمّٰی ہوتا ہے جو خط کے مطابق ہوتا ہے۔

اس کی مثالیں بے شمار ہیں جن کو ہر ایک جانتا ہے۔ اور جب نفس کے اندر موجودات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ خارج میں بعینہٖ یہ موجود نہیں ہے؛ تو وہ نفس میں تصور کے اعتبار سے خارج میں موجود ہوتا ہے لیکن یہ اس کے اسی طرح مطابق ہوتا ہے جیسے معلوم علم کے مطابق ہوتا ہے۔

جب ''کلی طبعی فی الخارج'' کہا جاتا ہے تو وہ اس اعتبار سے یعنی خارج میں وہ پایا جاتا ہے کہ جس کے مطابق یہ کلی طبیعی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ایسا مطلق ہے جو کسی شرط کے بغیر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ معینات کے مطابق ہوگا۔ بخلاف مطلق بشرط الاطلاق کے؛ کہ وہ معینات کے مطابق نہیں ہوتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ خارج میں ایک امر کلی ہے جو بعینہٖ مشترک ہے اور وہ مشترک دونوں معینات میں موجود ہے تو یہ قطعاً باطل ہے۔ اگرچہ یہ ایک جماعت کا قول ہے اور انھوں نے ایسی ماہیات کو ثابت کیا ہے جو خارج میں معینات سے خالی ہوتی ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ: ''اس ماہیت کو دوسری چیزوں سے ڈھانپ رکھا ہوتا ہے اور یہ کہ ماہیت کے اسباب، وجود کے اسباب کے علاوہ ہیں۔

ہم نے منطق پر کلام میں اور ''اشارات'' پر کلام میں اس پر مفصل گفتگو کر دی ہے اور بتلایا ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو بات اذہان میں متصور ہوتی ہے، وہ اعیان میں موجود نہیں ہوتی۔ اور جس نے ماہیت سے مراد ما فی الذہن کو اور وجود سے مراد ما فی الخارج کو لیا ہے تو وہ اپنے اس قول میں درستی پر ہے۔ کہ وجود یہ ماہیت کے مغایر ہے۔ البتہ جب اس نے ماہیت سے مراد ما فی الخارج کو اور وجود سے بھی ما فی الخارج کو مراد لیا ہے اور اسی طرح ماہیت سے ما فی الذہن کو اور وجود سے ما فی الخارج کو مراد لیا ہے اور اس بات کا دعوی کیا ہے کہ ذہن میں بھی دو چیزیں ہیں اور خارج میں بھی دو چیزیں ہیں اور وہ وجود اور ماہیت ہے۔ تو یہ ایک ایسا خیال ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں اور اس تفصیل سے اس مقام پر پیدا ہونے والا شبہ بھی جاتا رہتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

[دلیل کی اقسام:]

لفظ ''ماہیت'' یہ سائل کے قول ''مَا هُوَ'' سے ماخوذ ہے اور ''مَا هُوَ'' کے ذریعے سائل کے تصور کا مسئول سے سوال کیا جاتا ہے تاکہ وہ اس کا جواب دے اور ماہیت یہ کسی چیز کی فی نفسہٖ ماہیت کو کہتے ہیں اور معنی جس پر لفظ کے ذریعے دلالت کی جاتی ہے اس کا لفظ کے مطابق ہونا لازم ہے۔ لہٰذا لفظ کی اس معنی پر دلالت تین قسم کی ہوگی:

(۱) دلالت مطابقی، جب لفظ اس پورے معنی پر دلالت کر رہا ہو۔

(۲) دلالت تضمنی، جب لفظ معنی کے بعض حصہ پر دلالت کر رہا ہو۔

(۳) دلالت التزام، جب لفظ اس معنی کے لازم پر دلالت کر رہا ہو۔

البتہ دلالت مطابقی یہ لفظ کے معنی موضوع لہ پر دلالت نہیں ہوتی؛ جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے۔ اور نہ دلالت تضمنی لفظ کو جزء معنی میں استعمال کرنے کا نام ہے۔ اور نہ دلالت التزامی لفظ کو معنی کے لازم میں استعمال کرنے کا نام ہے۔ بلکہ لفظ کے معنی موضوع لہ میں اور لفظ سے متکلم کی مراد لینے میں اور سننے والا اس لفظ کو کسی معنی پر محمول کرتا ہے، ان سب باتوں میں فرق ہونا لازم ہے۔ پس متکلم ایک لفظ کو جب کسی معنی میں استعمال کرتا ہے تو یہ وہ معنی ہوتا ہے جس کو متکلم نے اس لفظ سے مراد لیا ہوتا ہے اور اسے معنی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ متکلم نے اس پر توجہ دی ہوتی ہے اور اس کا قصد اور ارادہ کیا ہوتا ہے۔ وہ معنی لفظ سے متکلم کی مراد اور اس کا مقصود ہوتا ہے۔

پھر کبھی لفظ اپنے معنی موضوع لہ میں بھی استعمال ہوتا ہے؛ یہ اس کا حقیقی معنی ہوتا ہے اور کبھی معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے، تب یہ معنی مجاز ہوتا ہے۔ اور کبھی مجاز پورے لفظ کو بعض معنی میں استعمال کرنے کے باب سے ہوتا ہے اور کبھی ملزوم کے لازم میں استعمال کے باب سے ہوتا ہے؛ اور کبھی اس کے علاوہ ہوتا ہے۔

یہ سب لفظ کی مجموعی معنی پر دلالت میں سے ہے۔ اسے دلالت مطابقی کہتے ہیں؛ چاہے یہ دلالت حقیقی ہو یا مجازی یا اس کے علاوہ۔ پھر یہ معنی، جس پر لفظ کی دلالت ہوتی ہے، جب لفظ کا جزء ہو، یہ دلالت تضمنی کہلائے گی، کیونکہ لفظ اس خبر کو متضمن ہوتا ہے اور لفظ کی اس معنی کے لازم پر دلالت دلالتِ التزامی کہلاتی ہے۔ پس ہر لفظ جب وہ اپنے پورے معنی میں استعمال ہو تو یہ دلالتِ مطابقی ہوگی۔ کیونکہ یہاں لفظ معنی کے مطابق ہے چاہے وہ لفظ جس بھی لغت کا ہو، چاہے اسے حقیقت کہا جائے یا مجاز۔

پس ماہیت کہ جسے متکلم اس لفظ سے مراد لیتا ہے، وہ لفظ کی اس معنی و ماہیت پر دلالت مطابقی ہوتی ہے اور اگر وہ دلالت ماہیت کے داخل پر ہو تو دلالت تضمنی ہوگی اور اگر وہ دلالت ماہیت کے لازم پر ہوگی تو وہ دلالت التزامی ہوگی جبکہ وہ لازم ماہیت سے خارج ہو۔

جب یہ کہا جائے کہ صفات ذاتیہ وہ ہوتی ہیں جو ماہیت میں داخل اور ماہیت سے خارج ہوں۔ اور داخل سے مراد لفظ کی دلالت تضمنی ہو اور خارج سے مراد لفظ کی دلالت التزامی ہو، تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ دخول اور خروج متکلم کے تصور

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق ہے۔ پس جس نے حیوانِ ناطق کا تصور کیا اور اسے انسان کہا تو اس کی مجموع پر دلالت دلالتِ مطابقی ہوگی اور کسی ایک پر دلالت تضمنی ہوگی اور لازم پر دلالت التزامی ہوگی؛ جیسے اس کا ضاحک [ہنستا ہوا] ہونا۔ اور جب اس نے ہنستے ہوئے انسان کا تصور کیا تو مجموع پر دلالت تو مطابقی ہوگی؛ اور کسی ایک پر دلالت تضمنی ہوگی اور لازم پر دلالت جیسے اس کا ناطق ہونا التزامی دلالت ہوگی۔

رہی خارج میں موصوف کو لازم صفات، تو بعض اس کی حقیقت و ماہیت میں داخل ہوں گی اور بعض اس کی حقیقت و ماہیت سے خارج ہوں گی۔ اب ''داخل'' ذاتی صفات کہلائیں گی۔ جبکہ خارج کی دو قسمیں ہوں گی:

(۱) ایک وہ جو ماہیت اور وجود دونوں کو لازم ہوں۔

(۲) دوسری وہ جو وجود کو تو لازم ہوں مگر ماہیت کو لازم نہ ہوں۔

ہم نے متعدد مواقع پر ان سب پر تفصیلی کلام کر دیا ہے۔ اور یونانی منطق جن غلطیوں کا مجموعہ ہے ان کو بھی آشکار کر دیا ہے کہ کون سی غلطی اس فن کے معلم اول سے اور کون سے غلطی متاخرین سے سرزد ہوئی ہیں اور اس فن کے ائمہ میں سے ایک ایک کا نام لیکر جیسے ابن سینا اور ابوالبرکات وغیرہ؛ ان کی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے۔

یہ بھی واضح کیا ہے کہ ایک تو ان میں سے ہر ایک کے کلام میں بذاتِ خود غلطیاں ہیں؛ اور یہ بھی بتلایا ہے کہ پھر ان سب نے ایک دوسرے کا ردّ کیونکر کیا ہے؟ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی یہ تقسیم سراسر باطل ہے کہ موصوف کی لازم صفات تین قسموں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ سوائے ایک صورت کے کہ جب ذہن میں موجود ماہیت کا اعتبار کیا جائے نہ کہ خارج میں موجود ماہیت کا اعتبار کیا جائے۔

اسی طرح ان کی اس تقسیم پر یہ تفریع بھی باطل ہے کہ انسان جنس اور فصل سے مرکب ہے؛ یہ ذہنی ترکیب ہے جس کا خارج میں کوئی وجود اور حقیقت نہیں۔ اور انسان کا حیوان اور ناطق سے مرکب ہونا، یہ اس کے حیوان اور ضاحک سے مرکب ہونے کی طرح ہے۔ جبکہ دونوں صفات کو لازم اور ملزوم ٹھہرایا جائے اور ضاحک بالقوۃ اور ناطق بالقوۃ مراد لیا جائے۔

اگر یہ کہا جائے کہ انسان خارج میں ان اشیاء سے مرکب ہے اور مراد یہ ہو کہ انسان ان دونوں باتوں سے موصوف ہے تو یہ صحیح ہے۔ اسی طرح جب انسان کو لازم صفات کے درمیان کہ جن کے بغیر انسان ہوتا ہی نہیں جیسے حیوانیت اور ناطقیت اور ضاحکیت وغیرہ، کہ ان کے درمیان اور بعض انسان کی عارضی صفات میں فرق کیا جائے جیسے کالا یا سفید یا عربی یا عجمی ہونا وغیرہ۔ تو یہ تفریق بھی صحیح ہے۔

[مرکب اور اس کی صفات لازمہ:]

البتہ جب یہ کہا جائے کہ انسان اپنی صفاتِ لازمہ کے ساتھ مرکب ہے جو اس کے اجزاء ہیں۔ اور وہ صفات اس سے تقدمِ ذاتی کے ساتھ متقدم ہیں- بیشک کل سے جزء پہلے ہوتا ہے اور مفرد مرکب سے پہلے ہوتا ہے- اور اس سے خارج میں ترکیب مراد لی جائے؛ تو یہ سب تخلیط (یعنی خلط ملط کر دینا) ہے۔ کیونکہ صفت موصوف کے تابع ہوتی ہے۔ تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر بھلا کسی بھی اعتبار سے صفات موصوف پر مقدم کیونکر ہوسکتی ہے؟

جب یہ کہا جائے کہ انسان حیوانیت اور ناطقیت سے یا حیوان اور ناطق سے مرکب ہے؛ اور مراد یہ ہو کہ انسان دو جوہروں سے مرکب ہے جو اپنے اپنے نفس کے ساتھ قائم ہیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ ایک موصوف میں جس قدر صفات ہوں اس میں اسی قدر جواہر بھی ہوں۔ تب پھر انسان میں مثلاً یہ یہ جوہر ہوں گے:

❀......وہ جسم ہے۔

❀......وہ حساس ہے۔

❀......وہ نامی (نمو پانے اور بڑھنے والا) ہے۔

❀......وہ متحرک بالارادہ ہے۔

❀......وہ ناطق ہے۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن اس قول کا خطا ہونا معلوم ہے، بلکہ انسان ایک جوہر ہے جو قائم بنفسہ اور ان صفات کے ساتھ موصوف ہے اور کہا جائے گا کہ انسان یہ ایک جسم، ناطق، متحرک بالارادہ اور نامی وجود ہے۔

اگر اس سے یہ مراد ہو کہ انسان دو عرضوں سے مرکب ہے تو پھر یاد رہے کہ انسان ایک جوہر ہے اور جوہر اَعراضِ لاحقہ سے مرکب نہیں ہوا کرتا چہ جائیکہ وہ اَعراض سابقہ متقدمہ سے مرکب ہو۔

ہم نے متعدد مقامات پر ان سب باتوں کی تفصیل ذکر کر دی ہے۔ یہاں اتنا بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ فلاسفہ اکثر جس غلطی کا شکار ہوتے ہیں، کہ یہ لوگ پہلے اپنے ذہنوں میں چند امور معقولہ ذہنیہ کو مقرر کر لیتے ہیں، پھر بعینہٖ انھی امور کو خارج میں موجود قرار دینے لگتے ہیں۔ چنانچہ:

فیثا غورس کے ساتھیوں نے یہاں سے غلطی کی کہ انھوں نے خارج میں اعدادِ مجردہ کا قول اختیار کیا۔

افلاطون کے ساتھیوں نے مُثُلِ افلاطونیہ کے اثبات سے اپنی غلطی کی بنیاد رکھی۔

جبکہ ارسطو کے ساتھیوں کی غلطی یہاں سے تھی کہ انھوں نے جواہر معقولہ مجردہ فی الخارج کو جواہرِ موجودہ محسوسہ کے مقارن قرار دے دیا جیسے مادہ اور صورت اور خارج میں وجود پر زائد ماہیت۔

ان لوگوں نے جب اس ماہیت کو ثابت کیا تو ان سے کہا گیا کہ کیا یہ ماہیت ذہن میں ہے یا خارج میں ہے؟ پس انھوں نے دونوں میں سے جس کو بھی ثابت کیا اسی میں ان کی غلطی ظاہر ہوگئی اور اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس ماہیت کو خارج اور ذہن دونوں سے قطع نظر مطلق ثابت کرتے ہیں یا دونوں سے زیادہ عام ثابت کرتے ہیں، تو ان دونوں باتوں کا جواب یہ ہے کہ کسی بات سے قطع نظر کر لینے سے نفس امر میں حقائق نہیں بدلا کرتے نہ تو ذہن میں اور نہ خارج میں۔

دونوں سے زیادہ عام ہونا بھی ذہن میں ہی ہوتا ہے کیونکہ جب تم ایک ایسی ماہیت فرض کرو گے کہ جو نہ تو ذہن میں ہو نہ خارج میں؛ تو ایسی ماہیت تو صرف ذہنی ہوتی ہے نا کہ خارجی۔ یعنی یہ تقدیر ذہن میں ہے۔ نہ کہ جس ماہیت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ذہن میں نہیں، وہ ذہن میں ہوتی ہے۔ بلکہ انسان جب کسی ماہیت کا ذہن میں تصور کرتا ہے جس کی تقدیر اسے ممکن ہوتی ہے، وہ اس کے ذہن میں ذہن نہیں ہوتی باوجودیکہ اس کی تقدیر کا اس کے ذہن میں نہ ہونا بھی تو اس کے ذہن میں ہی ہوتا ہے، چاہے وہ تقدیر ممتنع ہی ہو۔

بلکہ ان دونوں ماہیتوں میں فرق کرنا واجب ہوتا ہے:

۱۔ وہ ماہیت جو ذہن میں ہونے کے ساتھ مقید ہو۔

۲۔ وہ ماہیت جو مطلق ہو، جو نہ تو ذہن میں مقدر ہو اور نہ خارج میں۔ باوجودیکہ اس بات کا علم بھی ہوتا ہے کہ ایسی مطلق ماہیت صرف ذہن میں ہی ہوتی ہے گو کہ ذہن ایسی ماہیت کے ذہن میں ہونے سے اعراض بھی کر رہا ہو۔ پس ماہیت کا ذہن میں ہونا ایک اور چیز ہے اور اس کے ذہن میں ہونے کا علم ہونا ایک اور چیز ہے۔

یہ فلاسفہ چند چیزوں کو متصور اور مقدر کرتے ہیں جو صرف ذہن میں ہی ہوتی ہیں۔ لیکن انسان جس وقت ذہن میں کسی بات کا تصور اور اسے مقدر کر رہا ہوتا ہے تو اسے اس بات کا شعور نہیں ہوتا کہ وہ اس کے ذہن میں بھی ہے یا نہیں؟ جیسے انسان خارج میں ایک چیز دیکھتا ہے اور وہ اس چیز کے دیکھنے میں ایسا مشغول ہو جاتا ہے کہ اسے اس بات کا بھی دھیان نہیں رہتا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کیفیت کو فنا کا نام دیا ہے جس میں وہ مذکور کی وجہ سے اس کی یاد سے فنا ہو جاتا ہے اور اپنے محبوب کی وجہ سے اس محبت سے اور اپنے معبود کی وجہ سے اس کی عبادت سے فنا ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جیسے وہ ایک ایسی چیز فرض کر لیتا ہے جو خلافِ واقع ہوتی ہے جیسے یاقوت کا پہاڑ، پارے کا سمندر وغیرہ فرض کر لینا (جو حقیقت میں پائے ہی نہیں جاتے)۔ غرض خلافِ واقعہ امور کو فرض کرنا یہ اعتقاداتِ باطلہ کو فرض کرنا ہے۔ اور اعتقاداتِ باطلہ صرف اذہان میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا جو کسی ایسی ماہیت کو فرض کرتا ہے جو نہ تو ذہن میں ہو اور نہ خارج میں؛ تو وہ ایسے ہی ہے جو کسی ایسے موجود کو فرض کرتا ہے کہ جو نہ تو واجب ہو نہ ممکن۔ نہ قدیم ہو اور نہ حادث اور نہ قائم بنفسہٖ ہو اور نہ قائم بالغیر ہو۔ بلاشبہ یہ تقدیر ذہن میں ہی ہوتی ہے۔

ہم نے اس پر مفصل کلام کر دیا ہے۔ اور یہ واضح کیا ہے کہ بہت سے اہل نظر کا تقدیراتِ ذہنیہ سے امکاناتِ خارجیہ پر استدلال کرنا باطل و فاسد ہے۔ جیسے رازی وغیرہ کا قول ہے کہ ''ہم لوگ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ موجود یا تو عالَم میں داخل ہے یا اس سے خارج؛ اور یا نہ تو عالم میں داخل ہے اور نہ اس سے خارج؛ اور ہر موجود یا تو اپنے غیر کے مباین ہے یا اس کے موافق ہے اور یا نہ تو مباین ہے اور نہ موافق۔ یہ قول تیسری قسم کے ممکن ہونے پر دلالت کرتا ہے۔''

اسی طرح جب ہم کہتے ہیں: ہر موجود یا تو متحیز بنفسہٖ ہے یا متحیز بالغیر۔ یا نہ متحیز اور نہ قائم بالمتحیز۔ تو یہ قول تیسری قسم کے امکان پر دلالت کرتا ہے؛ مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ یہ کہنا قائل کے اس قول کی طرح ہے: ''ہر موجود یا تو قائم بنفسہٖ ہے یا قائم بالغیر؛ یا پھر نہ قائم بنفسہٖ ہے یا نہ قائم بالغیر۔ کہ یہ قول تیسری قسم کے امکان پر دلالت کرتا ہے جو غلط ہے۔''

اسی طرح یہ کہنا کہ ہر موجود یا تو قدیم ہے یا محدث؛ اور یا نہ قدیم ہے اور نہ حادث۔ اور ہر موجود یا تو واجب ہے یا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ممکن ہے اور یا نہ واجب ہے اور نہ ممکن ؛ یہ غلط ہے۔ یہی حکم اس جیسے دیگر تمام اقوال کا ہے۔

یہ لوگ غلطی کا شکار یہاں سے ہوئے ہیں کہ انھوں نے یہ گمان کر لیا کہ محض ذہن میں کسی چیز کو مقدر اور فرض کر لینا اس کے خارجی وجود کو مقتضی ہے۔ حالانکہ بات یہ نہیں۔ بلکہ ذہن تو متعدد ایسے ممتنع امور کو بھی فرض کر لیتا ہے جن کا خارج میں وجود جائز اور ممکن نہیں ہوتا؛ اور یہ تقدیرات صرف ذہن میں ہوتی ہیں نہ کہ خارج میں۔

[اجتہادی مسائل میں غلطی :]

دوسرے مقام پر مفصل مذکور ہیں۔ یہاں ہمارا مقصود یہ بتلانا ہے کہ لوگوں نے ذم اور عقاب کی جہت سے اختلاف کیا ہے اور ہم نے بتلا دیا کہ حال دو اصلوں کی طرف لوٹتا ہے:

۱۔ آیا لوگ جن باتوں میں بھی اختلاف کرتے ہیں کیا ان میں سے ہر ایک کے لیے یہ ممکن ہے وہ ایسا اجتہاد بھی کر سکے جس سے اسے حق کی معرفت حاصل ہو جائے۔

۲۔ یا یہ کہ لوگ اس باب میں دو قسم پر ہیں: (۱) ایک وہ جو معرفت حق پر قادر ہیں (۲) اور دوسرے وہ جو معرفت حق پر قادر نہیں ہیں۔

دوسری اصل: وہ مجتہد جو حق کی معرفت سے عاجز آ گیا ہو' کیا اسے اللہ تعالیٰ سزا دے گا؛ یا اگر وہ اپنی استطاعت بھر کوششیں بروئے کار لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے؛ اور پھر بھی کسی قدر معرفت حق سے عاجز آ جائے تو اللہ تعالیٰ اسے سزا نہیں دیں گے؟

* جب ان دونوں اصلوں کی معرفت حاصل ہو جائے؛ تو پھر پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں کی جانے والی اکثر طعنہ زنی کی روایات جھوٹ پر مبنی ہیں۔ اور جو سچی روایات ہیں ان کی زیادہ سے زیادہ حد یہ ہو سکتی ہے کہ وہ گناہ اور غلطی ہوں' یا خطاء ہوں؛ تو ان کی خطائیں مغفور لہم (بخشی ہوئی) ہیں۔ گناہ کی مغفرت کے کئی ایک اسباب ہوتے ہیں۔ کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ قطعی طور پر ان میں سے کسی ایک کے بارے میں کہے: اس نے گناہ کا ایسا کام کیا جو لازمی طور پر جہنم میں جانے کا موجب تھا۔

خصوصی طور پر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک پر طعن کیا جاتا ہے تو وہ چیز ان کے محاسن اور فضل میں سے ہوتی ہے۔ یہ ہماری طرف سے مجمل جواب ہے۔

پھر اب ہم رافضی کے ذکر کردہ مطاعن کا تفصیلی جواب دیں گے؛ جیسا کہ اپنے زمانے کے بڑے رافضی نے اپنی اس کتاب [منہاج الکرامہ] میں ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اس نے لکھا ہے کہ کلبی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے عیوب اور برائیوں پر ''مثالب صحابہ'' نام کی ایک کتاب تحریر کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل: ...... حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر رافضی کی عیب جوئی اور اعتراضات

[اشکال]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: دوسرے لوگوں نے اور بھی بہت ساری چیزیں ذکر کی ہیں؛ ہم ان میں سے چند ایک چیزیں ذکر کریں گے۔ ان میں سے ایک روایت ہے کہ: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے منبر پر کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی بنا پر غلطی سے محفوظ رہتے تھے اور میرے سامنے شیطان حائل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر میں سیدھا چلوں تو میری مدد کیجیے اور اگر سیدھی راہ سے بھٹک جاؤں تو مجھے جادۂ مستقیم پر ڈال دو۔'' ایسے شخص کی خلافت کیوں کر درست ہوگی جو رعیت سے سیدھا کرنے کی فرمائش کر رہا ہو؛ حالانکہ رعیت کو اس کی ضرورت ہے۔'' [انتھی کلام الرافضی]

[جواب]: ہم کہتے ہیں: رافضی مصنف جس بات کو موجب طعن قرار دے رہا ہے حقیقت میں یہ روایت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت و فضیلت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ اقتدار کے طالب اور ظالم نہ تھے۔ اور نہ ہی آپ حکومت کے طلب گار (خواہش مند) تھے۔ بلکہ آپ لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر میں اللہ و رسول کی اطاعت پر قائم رہوں تو میری مدد کیجیے اور اگر اس سے بھٹک جاؤں تو جبراً مجھے سیدھی راہ پر لائیے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ: ''جب تک میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا رہوں تم میرے مطیع رہو؛ اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت نہیں۔'' ❶

جو شیطان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی راہ میں حائل ہوا کرتا تھا، وہ تمام بنی آدم کی راہ میں حائل ہوتا ہے۔ کوئی بھی ایسا انسان نہیں ہے مگر اس کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک جن ساتھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے۔'' ہر شخص کے ساتھ دو ساتھی ہر وقت لگے رہتے ہیں، ایک جنوں میں سے اور ایک ملائکہ سے۔ آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کیا آپ کے ساتھ بھی؟ تو آپ نے فرمایا: ''ہاں میرے ساتھ بھی؛ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد فرمائی؛ اور وہ مسلمان ہو گیا؛ اب وہ مجھے بھلائی کے علاوہ کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔'' ❷

دو انصاری مرد آپ کے قریب سے گزرے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو کر رہے تھے۔ تو آپ نے ان سے فرمایا: ''تم دونوں ٹھہرو، یہ صفیہ بنت حیی [میری بیوی] ہے۔

اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

''مجھے اندیشہ محسوس ہوا کہ شیطان تمہارے دل میں کوئی شبہ ڈال دے۔ بیشک شیطان انسان کے رگ و پے میں خون کی طرح جاری و ساری ہوتا ہے۔'' ❸

---

❶ سیرۃ ابن ھشام (ص:٦٧١)۔ ❷ مسلم، کتاب صفات المنافقین۔ باب تحریش الشیطان (ح: ٢٨١٤)

❸ صحیح بخاری، کتاب الاعتکاف، باب ھل یدرأ المعتکف عن نفسه (حدیث: ٢٠٣٩)، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب بیان انه یستحب لمن رؤی خالیا بامرأة (حدیث: ٢١٧٤، ٢١٧٥)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ: میں ایسے معصوم نہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے؛ یہ بات حق ہے۔

[خلیفہ کی شرعی حیثیت]:

[اعتراض]: معترض کا یہ کہنا کہ: اسکی امامت کیسے جائز ہوسکتی ہے جو سیدھی راہ پر چلنے کے لیے رعیت سے مدد طلب کرتا ہو۔''

[جواب]: یہ کسی جاہل کا ہی کلام ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ حاکم رب نہیں ہوتا کہ وہ رعیت سے بے نیاز ہوجائے۔ اور نہ ہی وہ رعایا کی طرف رسول ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور مخلوق کے مابین ایک واسطہ ہو۔ بلکہ رعایا نیکی وتقویٰ کے ان کاموں میں خلیفہ کے ساتھ تعاون کرتی ہے جن میں دین یا دنیا کی مصلحت ہو۔ ان کا آپس میں باہم مدد کرنا بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ امیر قافلہ جو لوگوں کو لے کر راستے پر چلتا ہے۔ اگر وہ انہیں لیکر سیدھے راستے پر چلتا رہے تو لوگ اس کے پیچھے چلتے رہتے ہیں۔ اور اگر وہ غلطی کر جائے تو لوگ اسے سمجھاتے اور خبردار کرتے ہیں؛ اور سیدھی راہ دیکھاتے ہیں۔ اور اگر راستہ میں انہیں کوئی چور یا ڈاکو پیش آجائیں تو وہ قافلے کو بچانے میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن جب یہی امیر کارواں علم وقدرت اور رحم دلی میں کامل ہو تو لوگوں کے احوال کے اعتبار سے زیادہ مناسب اور بہتر ہوتا ہے۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ امام صلوٰۃ اگر نماز کے ارکان ٹھیک ادا کرتا ہے تو مقتدی اس کی پیروی کرتے ہیں اور اگر وہ بھول جاتا ہے تو تسبیح کہہ کر اس کی راہنمائی کرکے اسے راہ راست پر لایا جاتا ہے۔

اس کی تیسری مثال حاجیوں کے مرشد و رہنما کی ہے۔ جب تک وہ سیدھی راہ پر چلتا رہے تو لوگ اس کے پیچھے چلتے رہتے ہیں اور اگر وہ غلطی کرے تو لوگ اس کی اصلاح کردیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ امام یا حاکم سے دین نہیں لیتے؛ بلکہ تمام ائمہ اور امت کے لوگ دین کتاب وسنت سے سیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف کے وقت معاملہ کو کتاب وسنت پر پیش کرنے کا حکم دیا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [النساء ۵۹]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔''

پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اختلاف کے وقت اپنا معاملہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر لوٹا دیں؛ ائمہ اور حکمرانوں کی طرف لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔ اس لیے کہ ان کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

’’بیشک اطاعت نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ہوگی۔‘‘ ❶

اور ارشاد فرمایا: ’’خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہوگی۔‘‘ [المسند ٥/ ٦٦]

مزید فرمایا: ’’جو کوئی تمہیں اللہ کی نافرمانی کا حکم دے؛ تو اس کی بات نہ مانو۔‘‘ [المسند ٣/ ٦٧]۔

❀ معترض کا یہ کہنا کہ: اسکی امامت کیسے جائز ہوسکتی ہے جو سیدھی راہ پر چلنے کے لیے رعیت سے مدد طلب کرتا ہو؛ حالانکہ رعیت کو اس کی حاجت وضرورت ہو؟‘‘

❀ یہ اعتراض تمام باہم تعاون کرنے والوں اور کسی کام میں بوقت ضرورت شرکت کرنے والوں پر ہے۔ یہاں تک کہ تجارت اور صناعت گری پر بھی یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ نماز کے امام کی یہی منزلت ہوتی ہے۔ ماموین کو امام کی ضرورت ہوتی ہے۔ امام ہی ان کی طرف سے سہو وغیرہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ایسے ہی جمہور کے نزدیک قرأت کی ذمہ داری بھی صرف امام پر عائد ہوتی ہے۔ امام جب بھول جاتا ہے تو اپنے مقتدیوں سے مدد طلب کرتا ہے؛ اور لوگ اسے تنبیہ کرتے اور اس کی اصلاح کرتے؛ اور اسے سیدھی راہ پر لاتے ہیں۔ اگر وہ نماز میں کوئی ایسی غلطی کرے؛ جس سے نماز کی شرعی کیفیت سے خارج ہوجائے تو لوگوں پر اس کی اتباع نہیں۔ اس طرح کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

❀ پھر اس کے جواب میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی رعیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ مدد طلب کی اور انھیں مدد طلب کرنے کی ضرورت بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔ نیز یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی رعیت کی زیادہ رہنمائی کی اور ان کی رعیت بھی ہمیشہ ان کی مطیع فرمان رہی۔ (اور رعیت کو یہ موقع کم ہی حاصل ہوا کہ انھوں نے کسی وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رہنمائی کی ہو)۔ اس لیے کہ لوگ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی مسئلہ پر اختلاف کرتے تو آپ ان پر حجت قائم کرتے؛ اور لوگ پھر آپ کی طرف رجوع کر لیتے۔ جیسا کہ آپ نے مانعین زکوۃ کے مسئلہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حجت قائم کی۔ اس طرح کی دیگر بھی کئی مثالیں ہیں۔

اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عوام کو کسی بات کا حکم دیتے تو وہ آپ کی اطاعت کرتے۔ بخلاف ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حد تک اپنی رعایا کو جادۂ مستقیم پر نہ لا سکے اور ان کی رعیت چنداں اطاعت کیش بھی نہ تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امہات الاولاد (وہ لونڈیاں جو صاحب اولاد ہو جائیں) کے بارے میں فرمایا کہ میں اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے متفق ہوں کہ ان کو فروخت نہ کیا جائے۔

پھر آپ نے فروخت کرنے کا حکم دے دیا۔‘‘ تو آپ کے قاضی عبیدہ سلمانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، (حدیث:١٣٩٩، ١٤٠٠)، صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الدعاء الی الشھادتین، (حدیث:٢٠)

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفقہ رائے آپ کے انفرادی قول سے ہمیں زیادہ عزیز ہے۔''❷

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''خلفاء سابقین کے زمانہ میں تم جس طرح فیصلے کیا کرتے تھے اب بھی کرتے رہو۔ میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ لوگ یا تو ایک جماعت بن جائیں یا میں بھی اپنے اصحاب و رفقاء کی طرح موت سے ہم کنار ہو جاؤں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رعایا اکثر آپ کی مخالفت اور نافرمانی کیا کرتی تھی۔ لوگ آپ کو ایسے مشورے دیا کرتے جس میں آپ کی رائے ان کے خلاف ہوتی؛ [آپ بھی ان کی مخالفت کرتے] پھر آپ کو پتہ چلتا کہ ان کی رائے درست ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کئی امور میں مشورہ دیا۔ مثلاً آپ نے مشورہ دیا تھا کہ بیعت حاصل کیے بغیر مدینہ سے باہر نہ نکلیں۔ اور کوفہ نہ جانے کا بھی مشورہ دیا تھا۔ صفین کے موقع پر جنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اور یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول نہ کریں۔ ان کے علاوہ کئی امور ایسے ہیں جن میں آپ نے مشورہ دیا تھا۔

کوئی عقل مند آدمی اس سے اختلاف نہیں کر سکتا کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں حالات جس طرح منظم تھے یہ انتظام و انصرام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مفقود تھا۔ اگر یہ سب کچھ کمال حکمران اور کمال رعیت کی وجہ سے تھا تو پھر سابقہ خلفاء رضی اللہ عنہم اور ان کی رعیت افضل ٹھہرے۔

اگر یہ صرف والی یا حکمران کا کمال تھا تو بھی ان سابقہ خلفاء کے حق میں یہ فضل و کمال زیادہ بلیغ ہے۔ اور اگر ایسا رعیت میں نقص کی زیادتی کی وجہ سے تھا تو پھر مطلب یہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رعیت حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی رعیت کی نسبت بہت زیادہ ناقص تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رعیت جو آپ کے ساتھ مل کر جنگیں لڑ رہی تھی؛ اور آپ کی امامت کا اقرار کرتی تھی؛ ان سے خلفاء ثلاثہ کی امامت کا اقرار کرنے والی رعیت زیادہ افضل تھی۔ تو اس سے لازم آیا کہ سابقہ تین خلفاء میں سے ہر ایک خلیفہ افضل ہو۔

مزید برآں جیسا نظم و ضبط حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں حاصل ہوا؛ ایسا نظم و ضبط حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں نہیں تھا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ کی رعیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رعیت سے افضل ہو۔ امیر معاویہ کی رعیت شیعان عثمان رضی اللہ عنہما کہلاتے تھے۔ ان میں وہ نواصب بھی تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض و نفرت رکھتے تھے۔ پس شیعان عثمان رضی اللہ عنہ شیعان علی رضی اللہ عنہ سے افضل ٹھہرے۔ پس ہر لحاظ سے یہ لازم آتا ہے کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہوں۔ اور اس سے رافضیوں کے مذہب کا فساد بھی لازم آتا ہے۔ اس لیے رافضی دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ سے افضل ہیں۔ اور وہ شیعہ جو آپ کے ساتھ مل کر برسر پیکار رہے؛ وہ ان لوگوں سے افضل تھے جنہوں نے سابقہ تین خلفاء رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی۔ اصحاب معاویہ رضی اللہ عنہ کی تو بات ہی بہت دور کی ہے۔ سبھی لوگ

❶ مصنف عبد الرزاق (١٣٢٢٤)، کتاب الأم للشافعی (٧/ ١٧٥)، سنن کبریٰ بیهقی (١٠/ ٣٤٨)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بالاتفاق یہ جانتے ہیں کہ خلفاء ثلاثہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے دور میں جو نظم وضبط اور کنٹرول تھا؛ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں نہیں ہو سکا۔ تو پھر یہ حکمران وامام کیسے کامل ہو سکتا ہے اور یہ رعیت کیسے کامل ہو سکتی ہے؟۔ بقول شیعہ۔ جب کہ ان کے دور میں بدانتظامی اور بدنظمی کا دور دورہ ہو۔ اور رعیت انتہائی ناقص ہی نہیں بلکہ شیعہ اعتقاد کے مطابق کافر وفاسق بھی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے احباب واصحاب میں وہ شجاعت؛ جوانمردی؛ بہادری؛ سخاوت؛ کرم نوازی علم اور دین داری نہیں تھی جو کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے احباب واصحاب اور رعیت میں تھی۔ پس اس وجہ سے یہ لوگ نہ ہی دنیاوی امور میں اصلح تھے اور نہ ہی دینی امور میں۔ اس کے ساتھ ہی شیعہ کے قول کے مطابق ان کا کوئی امام معصوم قدرت وشوکت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر نہ تھا۔ تو پھر جب یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدھے نہیں رہے؛ تو دوسرے ائمہ جو آپ سے قدرت وشوکت اور عصمت میں کم تھے؛ ان کے ساتھ بدرجہ اولی استقامت کے ساتھ نہیں رہے ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قوم ہی انتہائی فسادی شریر اور ناقص ہے۔

شیعہ حضرات کہتے ہیں: ''معصوم کی عصمت اس لیے واجب ہوتی ہے کہ اس میں مکلفین کے لیے لطف ومہربانی اور ان کی مصلحت ہوتی ہے۔'' جب یہ معلوم ہوگیا کہ غیر شیعہ کی مصلحت ہر زمانے میں شیعہ کی مصلحت سے بہتر رہی ہے۔ اور ان پر مہربانی ہر دور میں شیعہ پر مہربانی کی نسبت بڑھ کر رہی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ شیعہ جس عصمت کے دعویدار ہیں وہ عصمت سرے سے باطل ہے۔ پس یہ بھی واضح ہوگیا کہ پھر امت کو ایسے امام کی کوئی ضرورت نہیں [جس سے کوئی مصلحت حاصل نہ ہوتی ہو] اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا وہ حق تھا؛ اور آپ کے دور میں مصلحتیں بدرجہ اتم پوری ہو رہی تھیں۔ اور ہر طرف عدل وانصاف کا دور دورہ تھا۔

فصل:......قولِ ابوبکر رضی اللہ عنہ میری بیعت واپس کردو

[اشکال] : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میری بیعت واپس کردو، میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تم میں موجود ہیں۔'' اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق تھی تو اس کا واپس کرنا گناہ تھا اور اگر مبنی برحق نہ تھی تو ان پر طعن لازم ٹھہرا۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب] : ہم کہتے ہیں کہ: یہ روایت صریح کذب اور بے سند ہے۔ کتب حدیث میں کوئی ایسی روایت موجود نہیں۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ تم میں موجود ہیں۔ بلکہ صحیح سند کے ساتھ تاریخ میں ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سقیفہ کے دن فرمایا تھا: ''ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ یا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' بلکہ آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم میں سب سے بہتر ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی سب سے زیادہ آپ کو چاہتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر میری گردن ماردی جائے' تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی؛ اور یہ میرے نزدیک اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ مجھے اس قوم پر امیر بنادیا جائے جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔''[1]

[1] بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لو کنت متخذا خلیلا" (ح:۳۶۶۸)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہم یہ بھی کہتے ہیں: اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا ہوتا کہ: تم میں علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں'' تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جگہ انہیں امیر بنایا ہوتا؛ اس لیے کہ لوگ آپ کی اطاعت گزاری پر ہوتے ۔[خلیفہ وامام کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ امامت و خلافت کی ذمہ داریوں سے دست بردار ہوجائے۔ یہ ایک قسم کا انکسار بھی ہے جس سے آپ کی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہیں آتا]

[اعتراض]: شیعہ کا کہنا ہے کہ:''اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق تھی تو اس کا واپس کرنا گناہ تھا۔''

[جواب]: اگر یہ ثابت ہوجائے کہ آپ نے ایسا کچھ فرمایا تھا؛ اگر حق کا معنی جائز ہے تو جائز کا ترک کرنا بھی جائز ہے۔اور اگر حق کا معنی واجب ہے تو پھر یہ ظاہر ہے کہ لوگوں نے نہ ہی آپ کو اس منصب سے ہٹایا' اور نہ ہی آپ کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ بنایا[تو واجب اپنی جگہ پر پورا ہورہا]۔اگر آپ کی بیعت ترک کردیتے اور کسی دوسرے کو امیر بنادیتے تو پھر یہ منصب آپ پر واجب نہ ہوتا۔انسان کبھی خرید و فروخت یا کرایہ داری کا عقد کرتا ہے۔ یہ معاہدہ حق ہوتا ہے۔پھر وہ انسان اس معاہدہ کو ختم کرنا چاہتا ہے؛ اس کی وجہ اس کی تواضع ؛ اور اس بوجھ کے اٹھانے سے اپنی سبکدوشی مقصود ہوتی ہے۔اگرچہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا اس کا زیادہ حق دار نہ بھی ہو۔کسی انسان کی تواضع سے اس کا حق ساقط نہیں ہوتا۔

فصل:......کیا بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ عاجلانہ اقدام تھا؟

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ایک عاجلانہ اقدام تھا جس کے شر سے اللہ نے بچالیا،اگر کوئی اور شخص اس کا مرتکب ہوتو اسے قتل کردو۔اگر آپ کی امامت صحیح تھی تو پھر اس پر قتل کا استحقاق نہ ہوتا۔پس اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طعن لازم آتا ہے ۔اور اگر یہ امامت وخلافت باطل تھی تو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما دونوں پر ایک ساتھ طعن لازم آتا ہے۔''[انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: ہم کہتے ہیں: یہ قول افتراء پردازی اور کذب کا آئینہ دار ہے۔اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ:''کسی انسان کو یہ بات دھوکہ میں نہ ڈالے کہ وہ کہے:'' حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت ایک عاجلانہ اقدام تھا؛ جسے فوری طور پر پورا کیا گیا۔بلکہ یہ جلدی اس لیے عمل میں آئی تھی کہ آپ پہلے سے مقرر شدہ تھے۔''لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جلد بازی کے شر سے محفوظ رکھا۔اور تم میں کوئی انسان ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مانند نہیں ہے جس کے لیے گردنیں ماری جائیں۔''

اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں بغیر کسی انتظار یا تاخیر کے جلدی اس لیے کی گئی کہ آپ پہلے سے خلافت کے لیے متعین تھے۔جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے:''اور تم میں کوئی انسان ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مانند نہیں ہے جس کے لیے گردنیں ماری جائیں۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت تمام صحابہ پر عیاں تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی آپ کو تمام صحابہ پر مقدم کرنا سب کو معلوم تھا۔آپ کے متعین ہونے کی نصوص کی موجودگی نے مشورہ یا تاخیر سے بے نیاز کردیا تھا۔بخلاف دوسرے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کے۔کسی دوسرے کی بیعت مشورہ؛ انتظار اور مہلت کے بغیر جائز نہیں۔

اس کی تفسیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشہور خطبہ میں آئی ہے؛ یہ خطبہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔ یہ خطبہ آپ نے عمر کے آخری ایام میں حج سے واپس آکر دیا تھا۔ اہل علم کے ہاں یہ خطبہ مشہور ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ:

''میں مہاجرین کے کچھ لوگوں کو پڑھا رہا تھا جن میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ایک دن میں منیٰ میں ان کی رہائش پر بیٹھا ہوا تھا؛اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے پاس تھے اس حج میں (جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے) آخری بار کیا تھا۔عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ میرے پاس لوٹ کر آئے اور کہا کہ: کاش! تم اس شخص کو دیکھتے جو آج امیرالمومنین کے پاس آیا اور کہا کہ: اے امیرالمومنین! آپ کو فلاں کے متعلق خبر ہے؟ جو کہتا ہے کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ مرجائیں تو میں فلاں کی بیعت کرلوں ۔ اللہ کی قسم! ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اتفاقیہ تھی جو پوری ہوگئی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا؛ اور کہا کہ ان شاء اللہ میں شام کے وقت لوگوں میں کھڑا ہوں گا اور ان کو ڈراؤں گا جو مسلمانوں کے امور کو غصب کرنا چاہتے ہیں۔''

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے کہا: اے امیرالمومنین ایسا نہ کیجئے؛ اس لیے کہ موسم حج میں عام اوباش اور پست قسم کے لوگ جمع ہوجاتے ہیں۔جس وقت آپ کھڑے ہوں گے تو اس قسم کے لوگوں کی اکثریت آپ کے پاس ہوگی۔اور مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کھڑے ہوکر جو بات کہیں گے اس کو اڑا کر دوسری طرف لے جائیں گے؛ اور اس کی حفاظت نہیں کریں گے اور اس کو اس کے (مناسب) مقام پر نہیں رکھیں گے۔ اس لیے آپ انتظار کریں یہاں تک کہ مدینہ پہنچیں۔ اس لیے کہ مدینہ دار ہجرت و دار سنت ہے۔ صرف سمجھدار اور سربرآوردہ لوگوں کے سامنے آپ جو کہنا چاہیں کہیں تاکہ اہل علم آپ کی گفتگو کو محفوظ رکھیں۔ اور اس کو اس کے مناسب مقام پر رکھیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اللہ کی قسم! اگر اللہ نے چاہا تو مدینہ میں سب سے پہلے میں یہی بیان کروں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: ہم لوگ ذی الحجہ کے آخر میں مدینہ پہنچے۔ جب جمعہ کا دن آیا تو آفتاب کے ڈھلتے ہی ہم مسجد کی طرف جلدی سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ میں نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کو منبر کے ستون کے پاس بیٹھا ہوا پایا۔ میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا میرا گھٹنا ان کے گھٹنے سے ملا ہوا تھا۔فوراً ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب آئے ۔جب میں نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو میں نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آج حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک ایسی بات کہیں گے جو آپ جب سے خلیفہ ہوئے ہیں انہوں نے کبھی نہیں کہی ہوگی۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے میری بات سے انکار کیا اور کہا کہ مجھے امید نہیں ہے کہ ایسی بات کہیں گے جو اس سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پہلے نہ کہی ہو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ گئے، جب لوگ خاموش ہوگئے تو آپ کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد بیان کی جس کا وہ مستحق ہے پھر کہا: اما بعد!

''میں تم سے ایسی بات کہنے والا ہوں جس کا کہنا میرے بس کا کام نہ تھا۔ میں یہ نہیں جانتا کہ شاید میری موت سے پہلے [یہ آخری] خطاب ہو۔ جس نے اس کو سمجھا اور یاد کیا تو وہ جہاں بھی پہنچے دوسروں سے بیان کرے۔ اور جس شخص کو خطرہ ہو کہ وہ اس کو نہیں سمجھے گا تو میں کسی کے لیے حلال نہیں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے متعلق جھوٹ بولے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا اور ان پر اپنی کتاب نازل کی۔ اللہ نے جو آیات نازل کیں ان میں رجم کی بھی آیت تھی؛ ہم نے اس کو پڑھا؛ سمجھا اور محفوظ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کیا اور ہم نے بھی ان کے بعد سنگسار کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مدت دراز کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک کہنے والا کہے گا: اللہ کی قسم! ہم آیت رجم کتاب اللہ میں نہیں پاتے وہ اس فرض کو چھوڑ کر گمراہ ہوگا جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ اور رجم کتاب اللہ میں زنا کرنے والے مرد و عورت پر جبکہ شادی شدہ ہوں واجب ہے؛ بشرطیکہ گواہ قائم ہو جائیں یا حمل قرار پا جائے یا اقرار کر لیا جائے۔

پھر ہم کتاب اللہ میں جو پڑھتے تھے اس میں یہ بھی تھا کہ تم اپنے باپوں سے نفرت نہ کرو کیونکہ تمہارا اپنے باپوں سے نفرت کرنا تمہارے لیے کفر ہے یا یہ فرمایا کہ: ''بے شک تمہارے لیے یہ کفر ہے کہ تم اپنے باپوں سے نفرت کرو۔''

پھر سن لو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو، جس طرح عیسی بن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا گیا ہے اور تم صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔''

پھر کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ تم میں سے کوئی کہتا ہے کہ: اللہ کی قسم! اگر عمر مر جائیں تو میں فلاں کی بیعت کرلوں۔ تمہیں کوئی شخص یہ کہہ کر دھوکہ نہ دے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اتفاقیہ تھی اور پھر پوری ہوگئی۔ سن لو کہ وہ ایسی ہی تھی لیکن اللہ نے اس کے شر سے محفوظ رکھا اور تم میں سے کوئی شخص نہیں ہے جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی فضیلت ہو۔ جس شخص نے کسی کے ہاتھ پر مسلمانوں سے مشورہ کئے بغیر بیعت کر لی تو اس کی بیعت نہ کی جائے اس خوف سے کہ وہ قتل کر دیے جائیں گے۔ جس وقت اللہ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دے دی تو اس وقت وہ ہم سب سے بہتر تھے۔ مگر انصار نے ہماری مخالفت کی اور سارے لوگ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوگئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی ہماری مخالفت کی۔ اور مہاجرین ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے تو میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا:

اے ابوبکر! ہم لوگ اپنے انصار بھائیوں کے پاس چلیں۔ ہم لوگ انصار کے پاس جانے کے ارادے سے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

چلے جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ان میں سے دو نیک بخت آدمی ہم سے ملے۔ ان دونوں نے وہ بیان کیا جس کی طرف وہ لوگ مائل تھے۔ پھر انہوں نے پوچھا: اے جماعت مہاجرین کہاں کا قصد ہے؟ ہم نے کہا کہ: اپنے انصار بھائیوں کے پاس جانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا: تمہارے لیے مناسب نہیں کہ ان کے قریب جاؤ۔ تم اپنے امر کا فیصلہ کرو۔

میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہم ان کے پاس جائیں گے۔ چنانچہ ہم چلے یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ہم ان کے پاس پہنچے؛ تو ایک آدمی کو ان کے درمیان دیکھا کہ کمبل میں لپٹا ہوا ہے۔ میں نے کہا: یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ سعد بن عبادہ۔ میں نے کہا کہ: ان کو کیا ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا: ان کو بخار ہے۔ ہم تھوڑی دیر بیٹھے تھے کہ ان کا خطیب کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور اللہ کی حمد وثنا کرنے لگا جس کا وہ سزاوار ہے۔ پھر کہا امابعد!

’’ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں اور تم اے مہاجرین وہ گروہ ہو کہ تمہاری قوم کے کچھ آدمی فقر کی حالت میں اس ارادہ سے نکلے کہ ہمیں ہماری جماعت کو جڑ سے جدا کر دیں اور ہماری حکومت ہم سے لے لیں۔ جب وہ خاموش ہوا تو میں نے بولنا چاہا۔ میں نے ایک بات سوچ رکھی کہ جس کو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کرنا چاہتا تھا۔ اور میں ان کا ایک حد تک لحاظ کرتا تھا۔ جب میں نے بولنا چاہا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی؛ وہ مجھ سے زیادہ بردبار اور باوقار تھے۔

اللہ کی قسم جو بات میری سمجھ میں اچھی معلوم ہوتی تھی اسی طرح یا اس سے بہتر پیرایہ میں فی البدیہہ بیان کی یہاں تک کہ وہ چپ ہوگئے۔ انہوں نے کہا کہ: ’’تم لوگوں نے جو خوبیاں بیان کی ہیں تم ان کے اہل ہو لیکن یہ امر (خلافت) صرف قریش کے لیے مخصوص ہے۔ یہ لوگ عرب میں نسب اور گھر کے لحاظ سے اوسط ہیں۔ میں تمہارے لیے ان دو آدمیوں میں ایک سے راضی ہوں ان دونوں میں کسی سے بیعت کر لو۔ چنانچہ انہوں نے میرا اور ابوعبیدہ بن جراح کا ہاتھ پکڑا اور وہ ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ (عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) مجھے اس کے علاوہ ان کی کوئی بات ناگوار نہ ہوئی۔

اللہ کی قسم! میں اس جماعت کی سرداری پر جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں اپنی گردن اڑائے جانے کو ترجیح دیتا تھا؛ یا اللہ! مگر میرا یہ نفس موت کے وقت مجھے اس چیز کو اچھا کر دکھائے جس کو میں اب نہیں پاتا ہوں۔

انصار میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ: ہم اس کی جڑ اور اس کے بڑے ستون ہیں۔ اے قریش ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔ شور وغل زیادہ ہوا اور آوازیں بلند ہوئیں؛ یہاں تک کہ مجھے اختلاف کا خوف ہوا میں نے کہا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ بڑھائیے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے ان سے بیعت کی اور مہاجرین نے بھی بیعت کی پھر انصار نے ان سے بیعت کی۔ اور ہم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ پر غالب

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

آ گئے۔

کسی کہنے والے نے کہا کہ: تم نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالا۔ میں نے کہا: اللہ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا جو معاملہ ہوا تھا ہمیں اندیشہ ہوا کہ اگر ہم قوم سے جدا ہوئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی تو یہ لوگ ہمارے پیچھے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے اس صورت میں یا تو ہم کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے جو ہماری مرضی کے خلاف ہوتا۔ یا ہم اسکی مخالفت کرتے اور فساد ہوتا۔ جس نے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی سے بیعت کی اس کی پیروی نہ کی جائے اور نہ اس کی جس نے بیعت کی؛ اس خوف کہ وہ قتل کئے جائیں گے۔'' [صحيح بخاري:ح ١٧٤٤]

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: راستے میں ملنے والے یہ دو آدمی حضرت عویمر بن ساعدہ اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ دونوں حضرات بدری صحابہ تھے۔

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہم اس کی جڑ اور اس کے بڑے ستون ہیں؛ اے قریش! ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے'' یہ جملہ کہنے والے حضرت حباب ابن منذر رضی اللہ عنہ تھے۔ [صحيح بخاري ٥/ ٦]

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے؛ فرماتی ہیں:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مقام سنح پر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے دل میں تو یہی بات آئی تھی کہ اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو دوبارہ مبعوث کرے گا اور آپ لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر ہو کر سوار آئے یہاں تک کہ گھوڑے سے اترے اور مسجد میں داخل ہوئے۔ کسی سے گفتگو نہ کی۔ یہاں تک کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد کیا۔ آپ کو یمنی چادر اڑھائی گئی تھی۔ آپ کے چہرے سے چادر اٹھائی پھر آپ پر جھکے اور آپ کے چہرے کو بوسہ دیا پھر روئے اور فرمایا اے اللہ کے نبی آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! آپ نے پاکیزہ زندگی گزاری' اور پاکیزہ موت پائی۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں کرے گا۔

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر نکلے [اور عمر لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے،] ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے قسم اٹھانے والے! آرام سے۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تشہد پڑھا لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے؛ اور عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا: اما بعد!

''تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا۔ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اللہ زندہ ہے، نہیں مرے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ [الزمر ۳۰]

''یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾

[آل عمران ۱٤٤]

''(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف رسول ہی ہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو جائیں تو اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاگے اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا عنقریب اللہ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔''

(یہ سن کر) سب لوگ بے اختیار رونے لگے۔''

(راوی کا بیان ہے) سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ: ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے ہو۔ پھر حضرت ابوبکر و عمر بن خطاب اور ابوعبیدہ بن جراح حضرت سعد رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کرنی چاہی لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو روک دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اللہ کی قسم! میں نے یہ ارادہ اس لیے کیا تھا کہ میں نے ایک ایسا کلام سوچا تھا جو میرے نزدیک بہت اچھا تھا مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ وہاں تک ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں پہنچیں گے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسا کلام کیا جیسے بہت بڑا فصیح و بلیغ آدمی گفتگو کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ ہم لوگ امیر بنیں گے تم وزیر رہو۔ اس پر حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں؛ اللہ کی قسم! ہم یہ نہ کریں گے بلکہ ایک امیر ہم میں سے بنے گا ایک امیر تم میں سے مقرر کیا جائے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ ہم امیر و صدر بنیں گے اور تم وزیر؛ اس لیے کہ قریش باعتبار مقام و مرتبہ کے تمام عرب میں عمدہ برتر اور فضائل کے لحاظ سے بڑے اور بزرگ تر ہیں۔ لہذا تم عمر یا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما کی بیعت کرلو۔'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: ''جی نہیں ہم تو آپ کی بیعت کریں گے؛ آپ ہمارے سردار اور ہم سب میں بہتر اور ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان سے بیعت کرلی اور لوگوں نے بھی آپ سے بیعت کی۔ جس پر ایک کہنے والے نے کہا تم نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے ہی اسے قتل کر دیا ہے۔''

اسی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو تقریر ہوئی اس سے اللہ تعالیٰ نے بہت نفع پہنچایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی کرنے سے ڈرایا۔ ان میں جو نفاق تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے دور کیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ہدایت دکھائی۔ اور جو حق ان پر تھا وہ ان کو بتلایا۔'' [صحیح بخاری:ح ٨٨٤]

صحیح بخاری میں زہری حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا خطبہ سنا جب کہ وہ منبر پر بیٹھے؛ اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دوسرا دن تھا۔ انہوں نے خطبہ پڑھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے، کچھ نہیں بول رہے تھے، انہوں نے کہا کہ:

''میں امید کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہیں گے، یہاں تک کہ ہمارے بعد انتقال فرمائیں گے۔ پھر اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے تو اللہ نے تمہارے سامنے نور پیدا کر دیا ہے کہ جس کے ذریعے تم ہدایت پاتے ہو۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو غار میں آپ کے ساتھی تھے؛ مسلمانوں میں سے تمہارے امور کے مالک ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لیے اٹھو اور ان کی بیعت کرو۔''

ان میں سے ایک جماعت اس سے پہلے سقیفہ بنی ساعدہ ہی میں بیعت کر چکی تھی اور عام بیعت منبر پر ہوئی۔

زہری نے حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ:

''میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہتے ہوئے سنا کہ منبر پر چڑھیے اور برابر کہتے رہے، یہاں تک کہ وہ منبر پر چڑھے اور لوگوں نے عام بیعت کی۔'' [البخاری:ح٧٢١٩]

اس خطبہ میں ایک دوسری سند کیساتھ یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''جو کچھ تمہارے پاس ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لیے اس کو اختیار کر لیا ہے جو کچھ اس کے پاس ہے۔ یہ اللہ کی کتاب تمہارے پاس موجود ہے؛ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ہدایت عطا فرمائی۔ اس کو مضبوطی سے پکڑ لو؛ تو تم اسی راستے کی طرف ہدایت پا لوگے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت دی تھی۔''

فصل:......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کی تمنا

[اعتراض] : شیعہ مصنف لکھتا ہے:''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت کہا:''اے کاش! میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ہوتا کہ کیا انصار کا بھی خلافت میں کوئی حصہ ہے؟ اس میں دلیل ہے کہ آپ کو اپنی خلافت کے بارے میں شک تھا؛ لہٰذا آپ کی امامت درست ثابت نہیں ہوتی۔'' [انتہی کلام الرافضی]

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

[جواب]: ہم کہتے ہیں: یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر صریح کذب وجھوٹ ہے۔آپ نے ایسی کوئی بھی بات ارشاد نہیں فرمائی۔اور یہ بات بھی سبھی جانتے ہیں جو انسان کسی بھی مسئلہ میں کسی منقول روایت سے استدلال کرتا اور حجت پیش کرتا ہے' تو اس کے لیے لازم ہوتا ہے کہ وہ روایت کی سند بھی ذکر کرے تاکہ اس کی حجت پوری ہوسکے۔تو پھر یہ کیسے مناسب ہے کہ سابقین اولین پر ایک ایسی روایت کی وجہ سے طعن کریں جس کی کوئی سند ہی نہیں ہے؟

مزید برآں یہ شیعہ کے اس دعوی کے خلاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نص صریح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔اس لیے کہ جب نص نصریح کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو چکے تھے تو پھر انصار کا کیا حق باقی رہا؟اور نہ ہی اس معاملہ میں کوئی شک والی بات باقی رہتی ہے۔

فصل:......حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور موت کے وقت تمنا کا الزام

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عندالموت کہا:''اے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور میں اینٹ میں ایک تنکا ہوتا۔'' جبکہ اہل سنت یہ روایت بیان کرتے ہیں: قریب الموت شخص اپنی آخری آرام گاہ جنت یا جہنم کو دیکھ لیتا ہے۔'' [انتھی کلام الرافضی]

[جواب]: ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہرگز یہ منقول نہیں۔روایت یقیناً جھوٹ پر مبنی ہے۔بلکہ آپ سے ثابت ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی شاعر کا یہ شعر پڑھا تھا:

لَعَمْرُكَ مَا يُغْنِيْ الثَّرَاءُ عَنِ الْفَتٰى   اِذَا حَشْرَجَتْ يَوْمًا وَ ضَاقَ بِهَا الصَّدْرُ

''تمہاری زندگی کی قسم! دولت اس وقت کسی کام نہیں جب آدمی آخری وقت میں غرغرانے لگے اور سانس سینے میں تنگ ہو جائے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اپنے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا۔اس طرح نہیں بلکہ یوں کہو:

﴿وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾ (ق) ❶

''اور سکرات موت سچ مچ طاری ہوگئی، یہ وہی ہیں جس سے تو منہ موڑا کرتا تھا۔''

باقی رہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ ''اے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔'' تو آپ نے یہ حالت صحت میں فرمایا تھا نہ کہ مرض الموت میں۔یہ قول ائمہ سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے انھوں نے خوف الٰہی اور خوف قیامت کے باعث یہ کلمات ارشاد فرمائے تھے۔حتی کہ بعض علماء کرام رحمہم اللہ نے یہاں تک کہا ہے:

''اگر انہیں حساب و کتاب کے بعد جنت میں داخل ہونے یا پھر مٹی ہو جانے کا اختیار دیا جائے۔تو میں مٹی ہو جانے کو اختیار کرتا۔''

---

❶ الزھد للامام احمد(ص:۱۰۹)، طبقات ابن سعد(۳/ ۱۹۷)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ میں (انسان ہونے کے بجائے) ایک درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔''

[مسند احمد ۵/ ۱۷۳]

ابونعیم رحمہ اللہ نے حلیۃ الأولیاء میں نقل کیا ہے: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر مجھے جنت و دوزخ کے درمیان کھڑا کر کے کہا جاتا کہ تم ان دونوں میں سے کسی ایک میں جانا چاہتے ہو یا راکھ ہونے کو پسند کرتے ہو تو میں راکھ ہو جانے کو ترجیح دیتا۔'' [حلیه ۱/ ۱۳۳]

حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی نے کہا: میں نہیں چاہتا کہ میں اصحاب یمین میں سے ہو جاؤں' بلکہ میں چاہتا ہوں کہ میں اصحاب مقربین میں سے ہو جاؤں۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لیکن یہاں ایک ایسا آدمی بھی ہے جو چاہتا ہے کہ اگر وہ مر جائے تو اسے دوبارہ اٹھایا ہی نہ جائے۔'' اس سے مراد خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اپنی ذات تھی۔''

اس موضوع میں بڑا طویل کلام ہے کہ کیا ایسے کہنا مشروع ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل کا کوئی دوسرا موقع دیکھیں گے۔ لیکن کسی انسان کی زبان سے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے نکلنے والا کلام اس کے ایمان پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خوف زدہ کی مغفرت کر دی تھی جس نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا تھا کہ:

''جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا۔ اور زیادہ یاد یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اس نے کہا]: پھر میری راکھ بنانا۔ اور آدھی راکھ ہوا میں اڑا دینا۔ اور آدھی راکھ سمندر میں پھینک دینا۔ کیونکہ میں نے اللہ کے پاس کوئی نیکی نہیں بھیجی۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ مجھے بہت سخت عذاب دے۔ پھر ان سے وعدہ لیا۔ پس انہوں نے اللہ کی قسم اس کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ تو اللہ عزوجل نے فرمایا: تجھے ایسا کرنے پر کس چیز نے برانگیختہ کیا؟ اس نے عرض کیا: اے میرے رب! تیرے خوف نے۔ تو اللہ نے اس کی مغفرت فرما دی۔''[1]

جب انسان کے قدرت اور معاد میں شک کے باوجود اس کے ساتھ جو کچھ کیا گیا' اس پر اللہ تعالیٰ اپنے خوف کی وجہ سے اس کی مغفرت کر دی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا خوف گناہوں کی بخشش کے بڑے اور اہم ترین اسباب میں سے ہے۔

---

[1] بخاری ۹/ ۱۴۵؛ کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی: یریدون أن یبدلوا کلام اللہ؛ مسلم 4/2109؛ کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالی، والحدیث أیضاً فی سنن ابن ماجه 2/1421؛ کتاب الزهد باب ذکر التوبة، المسند ط۔الحلبی: 3/77؛ 5/4۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

فصل:......کلام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر تنقید؛ اور اس پر ردّ

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے کاش! سقیفہ بنی ساعدہ کے دن میں دو شخصوں میں سے کسی ایک کی بیعت کر کے اس کو امیر بنا دیتا اور خود وزیر بن جاتا۔ یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ آپ خلافت کے اہل نہیں تھے اور نہ ہی اپنی ذات کے لیے امامت و خلافت پر راضی تھے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: اگر آپ نے یہ جملہ کہا ہو تو پھر یہ سب سے واضح دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام نہ تھے۔ اس لیے کہ یہ جملہ کہنے والا انسان خوف الٰہی کی بنا پر ایسے کہہ رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو اس سے حق ولایت میں کوئی کوتاہی ہو جائے۔

❀ ہم کہتے ہیں کہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات از راہ فروتنی و انکساری اور خوف الٰہی کے پیش نظر کہی تھی۔ یعنی اگر آپ کے علاوہ کوئی اور خلیفہ بن جاتا اور آپ اس کے وزیر ہوتے تو اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتے۔ اگر اس حالت میں ان کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نص صریح ہوتی تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتے اور ان دو آدمیوں کا نام نہ لیتے۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے متعلق نص صریح کے ہوتے ہوئے جیسا کہ تمہارا خیال ہے ان دو اشخاص کو خلیفہ بنانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق امامت ضائع ہو جاتا؛ اور آپ ایک ظالم (جو بلا استحقاق خلیفہ بن گیا) کے وزیر ٹھہرتے؛ اور اس طرح دوسروں کی دنیا کے عوض اپنی آخرت فروخت کر دیتے۔ حالانکہ جو شخص اپنے اندر خوفِ الٰہی رکھتا ہو اور اپنے ذمہ داری ادا کرنا چاہتا ہو وہ ہرگز ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کو مرنے والا اپنا قرض ادا کرنے کی وصیت کر جائے۔ وارث یہ سوچ کہ اس کا مستحق فلاں شخص ہے۔ تو وہ قرض دیگر کسی کو اس قرض خواہ کے پاس بھیج دے۔ پھر کہے: ہائے افسوس میں نے یہ قرض اس آدمی کے ہاتھ بھیجا ہوتا جس کا قرض اس سے زیادہ ہے۔ اور اسے یہ خوف محسوس ہو رہا ہو کہ کہیں پہلا قاصد حق پورا ادا نہ کرے۔ یا اس میں کمی بیشی یا خیانت کرے۔ اور وہاں پر ایک شخص موجود ہو؛ جو قرض خواہ ہو؛ اور اس کا دعوی ہو کہ مستحق انسان کے بجائے وہ اس قرض کا حق دار ہے۔ اگر وارث کو علم ہوتا کہ واقعی یہی انسان قرض کا مستحق ہے۔ تو وہ اسے ادا کر دیتا اور اسے غائب انسان کی طرف قاصد بھیجنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

فصل:......جیش اسامہ رضی اللہ عنہ اور رافضی کا جھوٹا دعوی

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت کی حالت میں متعدد بار فرمایا: اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر بھیج دو۔ اللہ اس پر لعنت کرے جو اس لشکر میں شامل نہ ہو۔ تینوں اصحاب اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو اس میں شرکت کرنے سے روک دیا۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: اس قصہ کے جھوٹ ہونے پر اتفاق ہے۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص جانتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ یہ صاف جھوٹ ہے۔اہل علم مؤرخین اور محدثین میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ حضرت ابوبکر اور عثمان رضی اللہ عنہما حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھے۔البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں آتا ہے۔

❀ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جیش اسامہ رضی اللہ عنہ میں کیوں کر بھیج سکتے تھے جب کہ مرض وفات میں آپ نے انھیں نمازیں پڑھانے کے لیے امام مقرر کیا تھا۔آپ کی مرض کی ابتداء جمعرات والے دن سے ہوئی۔پھر آنے والی جمعرات اور اس کے بعد پیر تک نقل متواتر کے مطابق ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بارہ دن تک نماز پڑھائی۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک یا دو نمازیں نہیں پڑھائیں' اور نہ ہی صرف ایک یا دو دن امامت کی ہے؛ حتی کہ اس سے رافضی دعوی میں تلبیس کا موقع پیدا ہو جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بغیر آپ کو آگے کر دیا تھا۔بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی پوری مدت آپ ہی نمازیں پڑھاتے رہے۔لوگوں کا اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات والی مرض میں لوگوں کو نماز نہیں پڑھائی۔اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی دوسرا ان کا امام بھی نہیں بنا۔آپ نے کئی دن تک لوگوں کو نمازیں پڑھائیں۔ان میں سب سے کم جو تعداد بتائی جاتی ہے' وہ سترہ نمازوں کی ہے[کہ آپ نے لوگوں کو سترہ نمازیں پڑھائیں]۔آپ نے جمعرات کو لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھائی۔اور جمعہ کا خطبہ بھی آپ نے دیا۔اس بارے میں صحیح احادیث تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔پھر آپ پیر کے دن فجر کی نماز تک لوگوں کو نمازیں پڑھاتے رہے۔

سوموار کے دن علی الصبح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ ہٹا کر دیکھا کہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو قریب تھا کہ اپنی نماز میں فتنہ میں پڑ جائیں' مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پردہ نیچے گرا دیا؛ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کام تھا۔پھر پیر کے دن ہی زوال کے قریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا۔[إنا لله و إنا إليه راجعون ـ إنك ميت و إنهم ميتون]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ: آپ نے اس سے کہیں زیادہ نمازیں پڑھائیں۔پہلے جمعہ سے آپ نے نماز پڑھانی شروع کی۔اس لحاظ سے بیماری کی پوری مدت آپ نے ہی نماز پڑھائی۔سوائے ایک وقت کی نماز کے۔اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری میں کچھ افاقہ محسوس کیا۔آپ آگے بڑھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی دائیں جانب کیا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کر رہے تھے۔

سوموار کے دن علی الصبح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ ہٹا کر دیکھا کہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔اس وقت آپ کا چہرہ مبارک یوں چمک رہا تھا جیسے قرآن کا ورق۔جب آپ نے لوگوں کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا تو اس سے بہت خوش ہوئے۔[1] اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں نہیں دیکھا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالامامة (حدیث: ٦٨٠)، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب استخلاف الامام، (حدیث:٤١٩)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے آخری با جماعت نماز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے ادا کی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی اور کے پیچھے آپ نے آخری نماز پڑھی۔ [صحیح بات یہی ہے کہ کوئی اور نہیں تھا وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی تھے]۔

پھر ایسی حالت میں یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ ایک طرف انہیں لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کیا جائے اور دوسری طرف لوگوں کو نمازیں پڑھانے کے لیے امام مقرر کیا جائے۔؟

رسول اللہ ﷺ نے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنی بیماری سے پہلے تیار کیا تھا۔ اس لشکر کے امیر عام حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس میں زیادہ تعداد مہاجرین کی تھی۔ اس لشکر میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس لشکر کی تعداد تین ہزار تھی۔ انہیں حکم ملا تھا کہ فلسطین کے نواحی علاقہ موتہ پر جا کر حملہ کریں۔ جہاں پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن رواحہ اور جعفر طیار رضی اللہ عنہم اجمعین شہید ہوئے تھے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جہاد کے لیے تیار ہوئے اور آپ اسی بوجھ کا شکار جرف تک نکلے۔ تو رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی وجہ سے کئی دن تک جرف میں پڑاؤ کیے رہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا؛ اور آپ سے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کی برکت پر نصرت و عافیت کے ساتھ چلو۔ پھر وہاں جا کر حملہ کرو جہاں پر حملہ کرنے کا حکم میں نے دیا ہے۔''

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ بہت کمزور ہوگئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت سے نوازے گا' مجھے اجازت دیجیے کہ میں کچھ دن یہاں پر رک جاؤں؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے دے۔ اگر میں اس حالت میں چل پڑا تو میرے دل میں آپ کے متعلق بے چینی اور ملال رہے گا۔ اور مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں آپ کے متعلق لوگوں سے پوچھتا رہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ اس پر خاموش رہے۔ اس کے کچھ دن بعد رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا۔

جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ نے جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد روانہ کیا تھا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لشکر کے ساتھ نہ بھیجنے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مدبر آدمی تھے، جن کی مدینہ میں اس وقت شدید ضرورت تھی۔ تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دے دی تھی۔ ❶

پھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اس طرف چل پڑے جہاں کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا۔ اس لشکر کی وجہ سے دشمن پر بہت بڑی مصیبت آئی۔ اور آپ کو بہت بڑی غنیمت حاصل ہوئی۔ اور آپ نے اپنے والد کے قاتل کو قتل کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس لشکر کو امن و سلامتی اور عافیت کے ساتھ مدینہ واپس لوٹا دیا۔

جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تو آپ نے کہا:

❶ تاریخ الاسلام، للذہبی (عہد الخلفاء الراشدین، ص:۱۹۔۲۰) طبقات ابن سعد (۴/ ۶۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''میں اس جھنڈے کو کبھی بھی نہیں کھول سکتا جسے رسول اللہ ﷺ نے روانہ فرمایا تھا۔''

اس لیے کہ بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لشکر بھیجنے سے روکا تھا۔ کیونکہ انہیں خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں لوگ نبی کریم ﷺ کی موت کی وجہ سے اس لشکر میں طمع کرنے لگیں۔'' مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس لشکر کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کی موت کے فوراً بعد بھی یہ لوگ جہاد کر رہے ہیں؛ [تو لوگوں کے دلوں میں خوف بیٹھ گیا] اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس لشکر کی وجہ سے اس دین کی مدد فرمائی اور مؤمنین کے دلوں کو قوت و استقامت عطا کی۔ کافروں اور منافقوں کو ذلیل کیا۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کمال ایمان؛ کمال معرفت' تدبر؛ اصابت رائے؛ اور یقین کی علامت تھی۔

فصل:...... نبی کریم ﷺ اور منصبِ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے کہ:'' نبی کریم ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کبھی کوئی خدمت تفویض نہیں کی تھی۔ البتہ عمرو بن العاص اور اسامہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو بعض کاموں پر مامور فرمایا تھا۔ جب سورۂ توبہ دے کر آپ کو مکہ روانہ کیا تو تین دن بعد بحکم وحی آپ کو واپس بلا لیا۔ پھر کوئی عاقل آپ کی امامت پر کیسے راضی ہوسکتا ہے جب کہ نبی کریم ﷺ سورت توبہ کی دس آیات لوگوں تک پہنچانے کے لیے آپ پر راضی نہیں؟'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: ہم کہتے ہیں: یہ جھوٹ کی کھلی ہوئی مثال ہے۔ مفسرین' محدثین وفقہاء؛ سیرت نگاران اور مؤرخین سبھی جانتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے ۹ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر کیا تھا؛ جو آپ کی عظیم خصوصیت ہے۔

اسلام میں یہ پہلا حج ہے جو مدینہ طیبہ سے ادا کیا گیا۔ اس سے پہلے اسلام میں حج نہیں تھا سوائے اس حج کے جو حضرت عتاب بن اسید بن العاص بن امیہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں مکہ مکرمہ سے ادا کیا گیا۔ اس لیے کہ مکہ سن آٹھ ہجری میں فتح ہوا۔ پھر اس سال کا حج عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی امارت میں ادا ہوا۔ انہیں نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ پر اپنا عامل بنایا تھا۔ پھر سن نو ہجری میں غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا۔ اس حج میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے موسم حج میں آوازیں لگانے کا حکم دیا کہ: اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہ کرے اور ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کیا جائے۔

اس امارت جیسی امارت نبی کریم ﷺ نے کسی دوسرے کو عطا نہیں فرمائی۔ پس آپ کو یہ امارت و ولایت ملنا آپ کی خصوصیت شمار ہوتی ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج پر کسی کو ایسے امیر مقرر نہیں کیا جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔

ایسے ہی نمازوں کا امام مقرر کرنا بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی انفرادی خصوصیت ہے۔ اس حج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ماتحت تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا کر ملے تو آپ نے دریافت فرمایا: کیا امیر ہو کر آئے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ہیں یا مامور؟ ❶ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا: مامور۔اس حج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھا کرتے تھے۔اور آپ کے حکم کی ایسے ہی پیروی کیا کرتے تھے جیسے باقی مسلمان آپ کے حکم کے تابع تھے۔اس حج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باقی لوگوں کے ساتھ مل کر جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے منادی کی۔[

البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت سورۂ توبہ کے احکام کو پہنچانا اور پھیلانا ہے۔] ❷

جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ولایت کے علاوہ دوسرے لوگوں کی ولایت میں دوسرے لوگ بھی برابر کے شریک ہوا کرتے تھے۔ جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت ۔اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت میں دوسرے لوگ بھی شریک ہیں۔ بخلاف ابوبکر رضی اللہ عنہ کے؛ یہ ولایت آپ کی خصوصیت شمار ہوتی ہے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو امیر مقرر نہیں فرمایا؛ نہ ہی عمرو بن عاص کو اور نہ ہی اسامہ بن زید کو۔ رضی اللہ عنہما ۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو آپ پر امیر بنانے کا قصہ محض جھوٹ ہے۔اس کے جھوٹ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ جہاں تک حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے واقعہ کا تعلق ہے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذات سلاسل میں ان کو بنی عذرہ کی جانب بھیجا تھا۔ ❸

یہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ننھیال کا قبیلہ تھا اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متوقع تھے کہ یہ لوگ آپ کی اطاعت اختیار کر کے اسلام قبول کرلیں گے۔ پھر ان کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ہمراہ تھے۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:''ایک دوسرے کی اطاعت کریں اور آپس میں اختلاف پیدا نہ کریں۔'' ❹

---

❶ سیرۃ ابن ہشام(ص:٦١٢)، تفسیر طبری(١٤/ ١٠٧)

❷ اس کے دوسبب تھے جن کی جانب قبل ازیں اشارہ کیا جا چکا ہے۔(۱) اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ سورۂ توبہ میں مشرکین کے ساتھ باندھے ہوئے سابقہ عہد و پیان کو توڑنے کا اعلان کیا گیا ہے۔عربوں کے یہاں دستور تھا کہ عہد شکنی کا اعلان حاکم خود کرتا تھا یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار۔ لہٰذا رشتہ دار ہونے کی بنا پر یہ خدمت سیدنا علی کو تفویض ہوئی۔ (۲) اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح وستائش فرمائی ہے، ارشاد ہوتا ہے:﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ (التوبۃ:۴۰) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ان فضائل و مناقب کا اظہار ان کے بھائی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ہو۔ہمیں روافض میں سے ایسے لوگوں کا علم ہے کہ اگر قرآن کریم میں یہ آیت نہ ہوتی تو وہ اسلام چھوڑ کر یہودی یا مجوسی ہوجاتے۔''

❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات السلاسل، (ح:٤٣٥٨) ، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ۔ باب من فضائل ابی بکر الصدیق (ح: ٢٣٨٤)۔

❹ البخارِي فِي كِتابِ الأحكامِ والجِهادِ والأدبِ والمغازِي ؛فِي طبعِ د. البغا فِي الأرقامِ: 2873، 4088 - 4086، 5773، 6751 ؛ وهو فِي مسلِم 3/1358 ، ؛ كتاب الجِهادِ والسِيرِ باب فِي الأمرِ بِالتيسِيرِ وتركِ التنفِيرِ ؛ وهو فِي المسندِ ط. الحلبِي 4/41-

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جب یہ لوگ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے جا ملے تو انہوں نے کہا: میں اپنے ساتھیوں کی جماعت کراؤں گا اور تم اپنے ساتھیوں کی جماعت کراؤ۔'' اس پر عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بلکہ میں تم دونوں جماعتوں کی امامت کراؤں گا۔ اس لیے کہ آپ میرے لیے مدد بن کر آئے ہیں۔''

تب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کی اطاعت کروں' اور اگر تم میری بات نہیں بھی مانو گے تو میں تمہاری اطاعت کروں گا۔'' اس پر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہاری نافرمانی کروں گا۔''

اصل میں آپ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کرنا چاہتے تھے۔مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ایسے نہ کیا جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے میں مصلحت اسی میں تھی کہ اختلاف سے بچا جائے۔'' [ابن ھشام، ص ۶۵۱]

پس یہ سب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ حالانکہ سب لوگ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ یہ اکابر حضرات ابوبکر و عمر؛ و ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

یہ بات ان کی فضیلت اور اصلاح پسندی کی علامت ہے۔اس لیے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اس مصلحت کے پیش نظر امیر بنایا جا چکا تھا کہ ان کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے شاید وہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ کسی مصلحت کے پیش نظر افضل کی موجودگی میں مفضول کو امیر بنانا جائز ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کا انتقام لینے کے لیے امیر لشکر مقرر کیا تھا۔ اس لیے کہ غزوہ موتہ میں آپ کے والد شہید ہو چکے تھے۔

یہ بات تواتر کے ساتھ منقول اور ثابت شدہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی دوسرا صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب' آپ کا خاص الخواص اور دن ورات میں آپ کے ساتھ رہنے والا' اعلانیہ و پوشیدہ کاموں میں شریک و سہیم نہیں تھا۔اور نہ ہی آپ کے علاوہ کوئی دوسرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپ سے پہلے بولنے کی جرأت کرسکتا۔آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حکم بھی دیتے' منع بھی کرتے؛ خطبہ اور فتوی بھی دیتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے افعال پر راضی ہوتے ہوئے انہیں برقرار رکھتے۔ (1)

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے آگے بڑھنا نہیں تھا؛ بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور آپکی اجازت سے تھا۔ اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعاون اور آپ کی طرف سے تبلیغ کی ادائیگی؛ اور آپ کے احکام کی تنفیذ تھی۔اس لیے کہ آپ:

❀ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

---

(1) یہ بات سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں شمار ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی ہوتے سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو شرف رفاقت حاصل ہوا کرتا تھا، اس لیے کہ زندگی میں سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پہلے وزیر اور بعد از وفات خلیفہ اوّل تھے۔ہجرت کے وقت سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے۔ جنگ بدر میں جو سائبان لگایا گیا تھا اس میں بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے رفیق تھے۔۹ھ میں امیر الحج مقرر ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ شرف امامت سے مشرف ہوئے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ صحابہ میں عظیم رتبہ پر فائز تھے۔علاوہ ازیں غزوہ فزارہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امیر لشکر مقرر کیا، دیکھیے: روایت سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ، المنتقی حدیث نمبر:۲۸۳۳، بحوالہ مسلم و مسند احمد و ابوداؤد۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❀ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تمام صحابہ سے بڑھ کر محبوب تھے۔

❀ رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے تابعدار و فرمانبردار تھے۔

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے کہ:''جب سورۂ توبہ دے کر آپ کو مکہ روانہ کیا تو تین دن واپس بلا لیا۔''

[جواب]: بیان کردہ قصہ کا جھوٹ ہونا صاف ظاہر ہے۔اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے آپ کو سن نو ہجری میں امیر حج بنایا تو آپ ایسے ہی امیر رہے یہاں تک کہ آپ نے حج ادا کیا؛ اور پھر حج پورا کرنے کے بعد مدینہ واپس لوٹ گئے۔ اس حج میں آپ نے نبی کریم ﷺ کے احکام نافذ کیے۔ اس لیے کہ اس وقت تک مشرکین بھی حج کیا کرتے تھے۔ بیت اللہ کا ننگا طواف ہوتا تھا۔ نبی کریم ﷺ اور مشرکین کے مابین مطلق عہد و پیمان تھے۔آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا۔اور آپ کو حکم دیا کہ آپ اعلان کریں کہ:

❀ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہ کرے۔

❀ بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر نہ کیا جائے۔

اس سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ منادی کرائی۔اور حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے ایک تھے جنہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے یہ اعلان کیا۔لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حج کے لیے نکل چکے تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کے پیچھے بھیجا تاکہ مشرکین کے عہد و میثاق انہیں واپس لوٹا سکیں۔

کہتے ہیں:عربوں کی عادت تھی کہ عہد و پیمان وہی لوگ ختم کرتے تھے جو خود یہ عہد باندھتے یا پھر ان کے قریبی رشتہ داروں میں سے کوئی ایک ان معاہدوں کو ختم کرنے کا اعلان کرتا۔تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے روانہ فرمایا تاکہ آپ مشرکین کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان ختم کرنے کا اعلان کردیں۔آپ کو بھیجنے کی کوئی دوسری وجہ نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور جملہ امور حج میں آپ کی اتباع کرتے رہے۔جس طرح کے باقی تمام رعیت آپ کی اطاعت کررہی تھی۔

یہ واقعہ غزوہ تبوک کے بعد کا ہے' جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں نائب بنایا گیا تھا۔اور رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا:''کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔''

پھر اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنایا۔اور پھر آپ کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کا مامور بنا کر روانہ فرمایا۔اس میں دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خلیفہ نہیں تھے؛ سوائے گنتی کے ان چند دنوں کے جب آپ مدینہ سے باہر تھے۔ پھر سن نو ہجری میں حج کے موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ پر امیر مقرر کردیا۔

پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی؛ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہم اجمعین کو یمن روانہ فرمایا۔حضرت ابوموسی اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اس وقت واپس آئے جب آپ ﷺ حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ان میں سے ہر ایک نے [غائبانہ طور پر] نبی کریم ﷺ کی نیت پر احرام باندھا اور تلبیہ کہا تھا۔جب کہ حضرت

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں واپس تشریف لائے۔

فصل:......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جہالت کا الزام؛ اور اس کا ردّ

[اعتراض] : شیعہ مصنف کا قول ہے: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چور کا بایاں ہاتھ کاٹ ڈالا۔ انھیں اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ چوری کی سزا میں دایاں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔''

[جواب] : ہم کہتے ہیں کہ: اس سے زیادہ جھوٹی بات اور کیا ہوگی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو یہ بات معلوم نہ ہو۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسے جائز تصور کرتے ہوں اس لیے کہ قرآن میں صراحتاً دائیں ہاتھ کی تصریح نہیں ہے۔ البتہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ تصریح مذکور ہے؛ اسکے الفاظ یہ ہیں: ﴿ فَاقْطَعُوْا اَیْمَانَهُمَا ﴾ ''پس ان کے دائیں ہاتھ کاٹ ڈالو۔''

نبی کریم ﷺ کا تعامل بھی یہی رہا ہے۔ مگر اس کی کیا دلیل کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چور کا بائیاں ہاتھ قطع کیا تھا۔ اور اس کی اسناد کہاں ہیں؟ ہمارے پاس علماء آثار کی تصانیف موجود ہیں مگر یہ بات کسی میں بھی مذکور نہیں۔ اختلافی مسائل کے بارے میں جو کتب تحریر کی گئی ہیں ان میں بھی اس روایت کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ حالانکہ سب علماء حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عظمت وفضیلت کے قائل ہیں۔

فصل:......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آگ سے جلانے کا واقعہ

[اعتراض] : رافضی قلم کار لکھتا ہے: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فجاءہ سُلمی [1] کو زندہ جلا دیا تھا، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے آگ سے جلانے سے منع کیا ہے۔''

[جواب] : ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زنادقہ کو نذر آتش کر دینا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے زیادہ مشہور ومعروف ہے۔ روایات صحیحہ میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں غالی شیعہ اور زنادقہ کی ایک جماعت کو پیش کیا گیا تو آپ نے انھیں جلا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو فرمایا: ''اگر علی رضی اللہ عنہ کی جگہ میں ہوتا تو ہرگز یوں نہ کرتا، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو عذاب الٰہی میں مبتلا کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ میں انھیں قتل کر دیتا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''جو اپنے دین کو بدل ڈالے اسے قتل کر دو۔'' [2]

---

[1] اس شخص کا اصلی نام ایاس بن عبداللہ بن عبد یا لیل تھا، یہ فتنۂ ارتداد کے زمانہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ میں مسلم ہوں اور مرتدین کے خلاف جہاد کرنا چاہتا ہوں مجھے سواری عنایت فرمائیے اور میری مدد کیجیے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے سواری اور اسلحہ جنگ عطا کیا، اس نے قبیلہ بنی سلیم و عامر و ہوازن کے مسلمانوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے طریفہ بن حاجز کو اسے سزا دینے کے لیے بھیجا، چنانچہ طریفہ نے اس کے ہمراہیوں سمیت اسے ٹھکانے لگا کر مسلمانوں کو اس کے شر سے بچا لیا۔

[2] صحیح بخاری، کتاب استتابة المرتدين، باب حكم المرتد والمرتدة (حديث: ٦٩٢٢)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب حضرت رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''ام فضل کے بیٹے پر افسوس ہے؛ کیسی بات کی۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو پوری ایک جماعت کو آگ میں جلا ڈالا تھا۔ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فعل برا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل اس سے بھی بڑھ کر برا ہے۔ اور اگر حاکم کے ایسے فیصلوں پر انکار نہیں کیا جا سکتا تو پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر بھی کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

فصل: ......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جہالت کا بہتان اور اس کا ردّ

[اعتراض]: شیعہ مضمون نگار رقم طراز ہے: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ اکثر شرعی احکام سے نابلد تھے، کلالہ کی میراث کا مسئلہ بھی آپ کو معلوم نہ تھا۔ اسی لیے اس کے متعلق فرمایا: ''میں اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر درست ہوا تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہوا تو شیطان کی طرف سے ہے۔'' ایسے ہی دادی کی میراث کے بارے میں ستر فیصلے دیے۔ اس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کوتاہ علمی کا ثبوت ملتا ہے۔''

[جواب]: ہم کہتے ہیں: یہ عظیم بہتان ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی ہستی پر شریعت کے مسائل کیسے مخفی رہ سکتے ہیں حالانکہ عہد نبوت میں آپ کے سوا کوئی شخص فتویٰ نہ دیتا تھا اور نہ فیصلہ صادر کیا کرتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ امور میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ آپ سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے زیادہ خاص الخواص میں سے نہیں تھا۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شرعی مسائل سے نابلد ہوں؟ بہت سارے علماء کرام جن میں سے ایک منصور بن عبدالجبار السمعانی بھی ہیں، نے اس بات پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اعلم الامت تھے۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ آپ کے عہد خلافت میں جب بھی کسی بات میں کچھ اختلاف پیدا ہوا تو آپ نے کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا حل تجویز کیا۔

چنانچہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور مقام تدفین پر روشنی ڈال کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایمان پر ثابت قدم رکھا۔[1] اور اس پر آیت قرآنی سے استشہاد کیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے واضح کیا کہ مانعین زکوۃ کے خلاف جنگ آزما ہونا شرعاً ضروری ہے۔[2]

آپ نے بدلائل ثابت کیا کہ خلافت خاندان قریش میں محدود رہنی چاہیے۔[3]

مدینہ طیبہ سے کیے جانے والے پہلے حج پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امیر بنایا۔ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز اور حج کے مسائل سے کما حقہ باخبر نہ ہوتے تو آپ انھیں امیر الحج نہ بناتے۔ ایسے ہی آپ کو نمازوں کی ادائیگی کے لیے امام بنایا

---

1. سنن ابن ماجۃ، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ و دفنہ صلی اللہ علیہ وسلم، (حدیث:۱۶۲۸)
2. صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، (ح:۱۳۹۹، ۱۴۰۰)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، (حدیث:۲۰)
3. صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب رجم الحبلی فی الزنا(حدیث:۶۸۳۰)، مطولاً

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

گیا۔اگر نماز کے مسائل میں آپ کی وسعت علم نہ ہوتی تو آپ کو امام صلوٰۃ مقرر نہ فرماتے۔ حالانکہ حج کے مسائل عبادات میں سب سے مشکل ہیں۔ پھر یہ کہ آپ نے حج اور نماز میں کسی بھی صحابی کو اپنا نائب مقرر نہیں کیا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے زکوٰۃ کے بارے میں جو کتاب مرتب کرائی تھی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حاصل کی تھی۔ ❶ زکوٰۃ کے بارے میں جس قدر احادیث روایت کی گئی ہیں یہ ان سب میں صحیح تر ہے۔فقہاء نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے عین برخلاف کسی شرعی مسئلہ میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے غلطی سرزد نہیں ہوئی تھی۔ ❷

جبکہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت سارے مسائل میں کئی ایک غلطیاں ہوئیں۔اس کی تفصیل اپنے مقام پر موجود ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین کئی ایک مسائل میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ مثال کے طور پر:

میراث کے مسائل میں سے: دادا کے ساتھ بھائی کی میراث؛ عمریتین کا مسئلہ؛ عول کا مسئلہ۔

طلاق کے مسائل میں سے: ایک مجلس میں تین طلاق؛ حرام کہہ کر طلاق؛ بریہ اور خلیہ اور طلاق بتہ کا مسئلہ۔ اور ان کے علاوہ طلاق کے دیگر مسائل۔

جن مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین اختلاف ہوا تھا یہ اختلاف آج تک اپنی جگہ پر امت میں موجود ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں اختلاف فقط اجتہادی مسئلہ تھا۔ان میں سے ہر ایک اپنے بھائی کے اجتہاد اور اس کی رائے کا احترام کرتا تھا۔ جیسا کہ فقہاء کرام اہل علم و دین میں اختلاف ہوتا ہے۔

جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت اختلاف زیادہ سخت ہوگیا؛ یہاں تک کہ آپس میں درشت کلامی تک نوبت پہنچی؛ مگر نہ ہی کوئی ہاتھا پائی ہوئی اور نہ ہی سنگ و سناں کا استعمال ہوا؛ اور نہ ہی کوئی دیگر اس طرح کا معاملہ ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت یہ اختلاف بہت بڑھ گیا؛ بات تیر و تفنگ تک جا پہنچی اور مسلمان اپنی تلواروں سے اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل کرنے لگے۔

جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد مسعود میں مسائل دین میں سے کسی ایک مسئلہ میں اختلاف کے پختہ ہونے کی

---

❶ صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم (حدیث: ۱۴۵۴، ۱۴۵۱)

❷ بفرض محال اگر مسائل میں سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ سے غلطی سرزد ہوتی تو اس سے آپ کی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہ پڑتا، اس لیے کہ آپ غیر معصوم بشر تھے۔ یہی حال سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا تھا آپ سے غلطیاں سرزد ہوئیں اور ان سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا، آپ نے یہ فتویٰ دیا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت اَبعد الاجلین ہے۔ (سنن کبریٰ بیهقی (۷/ ۴۳۰)، المغنی (۱۱/ ۲۸۹)، کتاب الام للشافعی (۷/ ۱۷۳) یہ فتویٰ اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح غیر معصوم تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خبر نہیں ملتی۔ اس کی وجہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کمال علم و عدل اور ان دلائل کی معرفت تھی جن سے اختلاف کی جڑیں ہی ختم ہوسکتی ہیں۔ آپ کے دور میں جب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین اختلاف پیدا ہوتا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایسے دلائل سے اس کا مقابلہ کرتے کہ آپ کی حجت فیصلہ کن ثابت ہوتی اور نزاع و اختلاف ختم ہوجاتا۔ اکثر و بیشتر فیصلہ کن دلائل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ہی ملتے تھے۔ آپ کی موجودگی میں بہت کم ایسا ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا کوئی دوسرا صحابی اپنی رائے کا اظہار کرتا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسے برقرار رکھتے تھے۔

یہ دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کی رعیت؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی رعیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی رعیت؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی رعیت سے افضل تھے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے افضل ترین لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر ان کی رعیت تھی۔ پھر وہ اقوال جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موت کے بعد آپ سے اختلاف کیا گیا ہے؛ ان میں اختلاف کرنے والے کے مقابلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہی راجح ہے۔ اس کی مثال دادا کے ساتھ بھائی کی میراث کے مسئلہ کو لیجیے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ دادا کی موجودگی میں بھائی کو وراثت سے ساقط قرار دیتے ہیں۔ اس مسئلہ میں علماء کے کئی طوائف کا یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی مسلک پر ہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ایک گروہ؛ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی جیسے شافعیہ میں سے: ابو العباس ابن سریج رحمۃ اللہ علیہ اور حنابلہ میں سے ابوحفص البرمکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے' اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے۔ رحمۃ اللہ علیہم۔

اور جو لوگ دادا کے ساتھ بھائی کو وراثت دینے کا کہتے ہیں' جیسے حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما؛ ان کے مابین اختلاف بڑا مشہور ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے قول میں دوسرے کے خلاف کہہ رہا ہے۔ اور اس قول میں باقی سارے صحابہ سے منفرد ہے۔ اس بارے میں ہم نے کئی جگہ پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔ اور اس بارے میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔ اور ہم نے واضح کیا ہے کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف ہی حق اور ثواب ہے اور یہی وہ راجح قول ہے جس پر شرعی دلائل کئی طرح سے دلالت کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

ایسے ہی جو مسائل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں موجود تھے وہی حق تھے۔ مثال کے طور پر: حج کو فسخ کرکے عمرہ میں تبدیل کرتے ہوئے حج تمتع کرنا؛ اور ایک لفظ میں دی ہوئی تین طلاق کو ایک سمجھنا کہ اس سے صرف ایک ہی طلاق لازم آتی ہے؛ یہی راجح ہے نہ کہ فسخ کو حرام کہنا اور تین طلاق کو تین لازم سمجھنا۔ اس لیے کہ کتاب و سنت اس پر دلالت کرتے ہیں جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں تھا۔ نہ کہ کسی مخالف کا قول [اس پر کوئی توجہ نہیں دی جائے گی۔]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مقام کمال پر فائز تھے؛ آپ صرف یہی نہیں کہ اس امت کے ہر ولی سے افضل ہیں' بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد جتنے بھی لوگ حاکم بنے ہیں' ان میں سب سے افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ اولین و آخرین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ترین ہستی ہیں۔

صحیحین میں ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پا جاتا تو اس کا خلیفہ ونائب نبی ہوتا تھا۔اور میرے بعد کوئی نبی نہیں؛ اور عنقریب میرے بعد خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔صحابہ نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جس کے ہاتھ پر پہلے بیعت کرلو اسے پورا کرو۔'' [مسلم:ح ۲۷٦]

یہ بات سبھی جانتے ہیں جو کوئی فاضل کے بعد امور کی زمام کار سنبھالتا ہے' جب اس میں پہلے کی سیاست کی نسبت کچھ کمی یا نقص ہو تو وہ کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ جب کوئی بادشاہ اپنے سے پہلے بادشاہ کی جگہ ملکی نظم ونسق سنبھالتا ہے؛ یا کسی قاضی کے بعد کوئی قاضی بنتا ہے؛ یا کسی شیخ کے بعد کوئی شیخ مسند نشین ہوتا ہے تو اس کے احوال سے بھی یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔اس لیے کہ بعد والے میں اگر کوئی نقص ہو تو وہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔اور پہلے نے معاملات کو جس نظم ونسق کے ساتھ سنبھال رکھا ہوتا ہے' اس میں تبدیلی آجاتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ؛ جو کہ ساری کائنات میں کامل سیاسی رہنما بھی تھے: کے بعد حاکم بنے۔تو اسلام میں کسی بھی لحاظ سے کوئی نقص یا کمی ظاہر نہیں ہوئی۔ بلکہ آپ نے مرتدین سے قتال کیا؛ اور معاملات کو اسی طرح بحال کیا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھے۔اور لوگ جس دروازہ سے اسلام سے نکل گئے تھے آپ نے وہیں سے دوبارہ انہیں اسلام میں داخل کیا۔ پھر اہل کتاب کفار سے جہاد شروع کیا۔اور جو امور امت پر مخفی رہ گئے تھے ان کی تعلیم دی؛ اور جب ان میں کمزوری پیدا ہوگئی تھی تو انہیں طاقتور بنایا۔اور جب بزدلی دکھانے لگے تو انہیں ہمت دلائی اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔اور ان کے ساتھ ایسے چلتے رہے جس میں لوگوں کے دین اور دنیا کی اصلاح تھی۔پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے تعلیم' دین اور قوت وطاقت کے ہر میدان میں اس امت کی اصلاح کی۔اور آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس امت کے لیے ان کے دین کی حفاظت کا ذریعہ بن گئے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے صحیح حق دار تھے۔

[حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مسئلہ کلالہ:]

[اعتراض]: شیعہ کا یہ کہنا:''ابوبکر رضی اللہ عنہ کلالہ کی میراث سے آگاہ نہ تھے؛ اور اس مسئلہ میں اپنی رائے سے کہتے تھے۔''

[جواب]: اس کا جواب یہ ہے کہ یہی بات آپ کے عظیم عالم ہونے کی دلیل ہے۔آپ نے کلالہ کے بارے میں جو موقف اختیار کیا تھا؛ بعد میں جمہور علماء نے یہی مؤقف اختیار کیا ہے اور انہوں نے کلالہ کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی ہے۔کلالہ وہ ہے جسکی اولاد ہو نہ والد۔جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کرنا تمام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے جیسے: حضرت ابوبکر؛ حضرت عمر؛ حضرت عثمان؛ حضرت علی؛ حضرت عبداللہ بن مسعود؛ زید بن ثابت؛ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ۔ لیکن جو رائے حق کے موافق ہو' اس پر صاحب رائے کے لیے دو اجر ہوتے ہیں جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ رائے اس رائے سے بہتر ہے جس میں صرف ایک ہی اجر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قیس بن عبادہ رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

''یہ جو آپ سفر کرتے ہیں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑائی کے لیے) تو اس کے متعلق ہمیں بتلائیں کہ کیا اس کا کوئی عہد ہے جو آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا تھا؟ یا آپ اپنی رائے سے ایسا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کوئی عہد نہیں لیا لیکن یہ تو میری ذاتی رائے ہے۔''[1]

اگر ایسی رائے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے مابین اتنا خون خرابہ ہوا ہو؛ صاحب رائے کے امام اور خلیفہ ہونے میں مانع نہیں ہوسکتی تو پھر وہ رائے کیسے مانع ہوسکتی ہے جس کے صحیح ہونے پر جمہور علماء کرام رحمہم اللہ کا اتفاق ہو۔''

رافضی نے شروع میں جو کہا ہے کہ آپ نے دادا کی میراث کے بارے میں ستر سے زیادہ فیصلے دیے؛ تو جان لینا چاہیے کہ یہ سب صاف جھوٹ ہے۔ نہ ہی یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے؛ اور نہ ہی آپ سے منقول ہے۔ بلکہ اس قول کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا رافضیوں کی جہالت اور جھوٹ کی انتہاء ہے۔ ہاں ؛ بعض لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے دادا کی میراث کے بارے میں ستر سے زائد فیصلے کیے۔ مگر اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنا بھی باطل ہے۔ اس لیے کہ آپ کی خلافت میں ستر ایسے دادا فوت ہی نہیں ہوئے جن کے پوتوں کے بھائی بھی ہوں۔ اس لیے کہ ان واقعات کی وجہ سے احتمال ہوسکتا تھا کہ آپ نے مختلف فیصلے دیے ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ جھوٹ ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دادا کو باپ کی مثل قرار دیتے ہیں، یہ متعدد صحابہ کا قول ہے۔ اور بہت سارے فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض شافعیہ اور بعض حنابلہ جیسے ابوحفص البرمکی بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں۔ امام

[1] مسلم 4/2143؛ کتاب صِفاتِ المنافِقِين وأحكامِهِم، أول الكتابِ الحديثان رقم 9، 10؛ ان دو روایات میں سے پہلی روایت کے الفاظ یوں ہیں: حضرت قیس بن عباد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''ہم نے عمار سے عرض کیا کیا تم نے اپنے قتال (معاویہ و علی کے درمیان جنگ) میں اپنی رائے سے شرکت کی تھی؟ [حالانکہ رائے میں خطا بھی ہوتی ہے اور درستگی بھی] یا یہ کوئی وعدہ تھا جس کا تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا ہو؟ انہوں نے کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کوئی ایسا وعدہ نہیں لیا جس کا وعدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں سے نہ لیا ہو۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیشک میرے صحابہ میں بارہ منافق ایسے ہیں جو جنت میں داخل نہ ہوں گے اور نہ ہی اس کی خوشبو پائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہوجائے ان میں سے آٹھ کے لیے دبیلہ [آگ کا شعلہ] کافی ہوگا؛ جو ان کے کندھوں سے ظاہر ہوگا یہاں تک کہ ان کی چھاتیاں توڑ کر نکل جائے گا۔'' [راوی غندر کہتے ہیں:] اور چار کے بارے میں مجھے یاد نہیں رہا کہ شعبہ نے ان کے بارے میں کیا کہا۔'' امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی شرح میں 17/125 پر فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ''بیشک میرے صحابہ میں'' اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو صحابیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔'' وجاء الحدِيث مختصرا ما ذكره ابن تيمية هنا فِي: سننِ أبِي داود 4/300؛ كتاب السنةِ، باب ما يدل على تركِ الكلامِ فِي الفِتنةِ۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے۔دلیل کے اعتبار سے یہی مسلک قوی تر ہے۔اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ:''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فتوی دینے میں غلطی کی تھی۔بخلاف دوسرے صحابہ کرام کے۔

[اور جو لوگ دادا کے ساتھ بھائی کو بھی وارث بناتے ہیں؛ ان میں حضرت علی؛ زید؛ ابن مسعود اور ایک روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہم اجمعین شامل ہیں۔اس میں انہوں نے جمہور فقہاء سے اختلاف کیا ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کیا ہے]۔پس دادا کی میراث کے مسئلہ میں لوگ یا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فتوی پر عمل پیرا ہیں یا پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قول پر؛ جس کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی فیصلہ دیا کرتے تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دادا کے بارے میں جو نظریہ اختیار کیا ہے ائمہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حق حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے باہر نہیں ہے۔حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاضی تھے۔حالانکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا قول حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قول سے زیادہ راجح ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ دادا کی میراث میں توقف کرتے تھے۔آپ فرمایا کرتے تھے:

''میں چاہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے تین مسئلے کھل کر بیان کیے ہوتے: دادا کی میراث؛ کلالہ؛ اور سود کے ابواب۔''

جب اس بات پر مسلمانوں کا اجماع قائم ہو چکا ہے کہ جد اعلیٰ چچا کی نسبت اولیٰ ہے،تو جد ادنیٰ بھائیوں سے اولیٰ ہو گا۔جو لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ بھائی دادا کے شریک ہوتے ہیں ان کے اقوال میں شدید تناقض پایا جاتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی ایک مواقع پر دادا کو باپ کہا ہے؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ﴾[الاعراف ۲۷]

''جیسے تمہارے والدین کو جنت سے نکالا۔''

اور فرمایا: ﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ﴾[الحج ۷۸]

''تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی امت۔''

اور فرمایا: ﴿یا بنی اسرائیل﴾

اور فرمایا: ﴿یا بنی آدم﴾ یہ الفاظ قرآن میں کئی ایک مقامات پر استعمال ہوئے ہیں۔

جب پوتا بیٹا بن سکتا ہے؛ تو دادا باپ بھی بن سکتا ہے۔اور اس لیے کہ دادا کے باپ کے قائم مقام ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے بیشک ولد الام ساقط ہو جاتا ہے؛ اور اسے باقی تمام عصبات پر ترجیح حاصل ہوتی ہے بیٹوں کے علاوہ؛ جیسے باپ۔دادا بھی بیٹوں کے ساتھ چھٹا حصہ لے گا جیسے باپ لیتا ہے۔اور فرائض اور عصبہ دونوں بیٹیوں میں جمع ہوں گے جیسے باپ میں ہوتے ہیں۔

جہاں تک عمریتین کا مسئلہ ہے؛ یعنی شوہر اور والدین؛ یا بیوی اور والدین؛ پس بیشک اس صورت میں ماں باقی مال

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

سے تیسرا حصہ لے گی؛ اور بقیہ مال والد کے لیے ہوگا۔اور اگر اس کے ساتھ دادا موجود ہو تو وہ سارے مال میں سے تیسرا حصہ لے گی۔ ❶ جمہور صحابہ اور علماء کا یہی مذہب ہے؛ سوائے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے؛ اس لیے کہ ماں دادا کی نسبت زیادہ قریبی ہوتی ہے۔اور دادی کی مثال بھی دادا کی طرح ہے۔ ماں والد کے ساتھ تیسرا حصہ لے گی۔اور دادی دادا کے ساتھ صرف چھٹا حصہ لے گی۔اس سے دادا کو تقویت ملتی ہے۔اس لیے کہ بھائی جدِ ادنی کے ساتھ ایسے ہی ہیں جیسے چچا جدِ اعلی کے ساتھ۔

مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جدِ اعلی کو اعمام پر مقدم کیا جائے گا۔ ایسے ہی جدِ ادنی [قریبی دادا] کو بھائیوں پر ترجیح ہوگی۔اس لیے کہ بھائیوں کی دادا کے ساتھ نسبت ایسے ہی ہوتی ہے جیسے چچاؤں کی نسبت پردادا کے ساتھ۔اس لیے کہ اگر بھائی؛ باپ کے بیٹے ہونے کے اعتبار کے دادا کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں؛ تو بھتیجوں کے متعلق بھی ایسے ہی فیصلہ کیا جائے گا۔جیسے پوتے اپنے والد کے قائم مقام ہوتے ہیں؛ تو باپ کے بھائیوں کا بھی ایسے ہی مسلہ ہوگا۔اور اس کے برعکس بیٹے ہیں۔جب دادا کے لیے بیٹوں کے ساتھ حصہ مقرر ہے؛ تو پوتوں کے ساتھ بھی اس کا حصہ ویسے ہی ہوگا۔

جبکہ وہ حجت جو حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہما سے روایت کی جاتی ہے کہ بھائی دادا کے ساتھ شریک ہوگا۔وہ اسے درخت کے تنے سے تشبیہ دیتے ہیں جس سے ڈالے؛ اور ڈالوں سے شاخیں نکلتی ہیں۔کوئی بھی ٹہنی تنے کی نسبت ڈالے کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔اور پھر اس نہر سے تشبیہ دیتے ہیں جس سے دوسری نہر نکالی گئی ہو۔اور پھر ان کے آگے تالاب بنے ہوں۔پس یہ تالاب اصل نہر کی نسبت فرعی نہر کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

اس سارے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ: بھائی دادا کی نسبت میت کے زیادہ قریبی ہوتے ہیں۔

اور جو کوئی شریعت کے اصولوں پر تدبر کرے گا؛ تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت ابوبکر اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی دلیل و حجت کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔اس لیے کہ ان کی دلیل اگر صحیح ہے تو پھر بھتیجے دادا کی نسبت زیادہ قریبی ہوں گے۔اور چچا پردادا کی نسبت زیادہ قریبی ہوگا۔اس لیے کہ بھائیوں کی دادا سے ویسے ہی نسبت ہوتی ہے؛ چچاؤں کی نسبت پردادا سے۔پس جب مسلمانوں کا اجماع ہوگیا کہ پردادا چچا کی نسبت زیادہ قریبی ہوتا ہے؛ تو دادا کا بھائیوں کی نسبت قریبی ہونا زیادہ اولی ہے۔

---

❶ صحیح البخاری 7/ 106؛ اس روایت میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ شراب کی حرمت نازل ہوچکی ہے اور وہ پانچ چیزوں سے بنتی ہے انگور، کھجور، گندم، جو اور شہد'' اس روایت میں ہے:''......اور تین باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق میں چاہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے جدا نہ ہوتے جب تک کہ ان کو خوب اچھی طرح بیان نہ فرمادیتے: ایک دادا کا ترکہ، دوسرا کلالہ کا بیان، تیسرے سود کے مسائل۔''

نیز دیکھیں: صحیح مسلم 4 / 2322؛ کتاب التفسیر؛ باب فی نزول تحریم الخمر؛ سنن ابی داؤد 3/ 444؛ کتاب الاشربۃ ؛فی تحریم الخمر۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ ایک مستقل حجت ہے؛ جس کا تقاضا ہے کہ دادا کو بھائیوں پر ترجیح حاصل ہو۔ایسے ہی جو لوگ چچازاد بھائیوں کی مشارکت کے قائل ہیں ان کے اقوال میں ٹکراؤ اور تناقض پایا جاتا ہے۔ اور اس پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ اس مسئلہ کو وہ تمام لوگ جانتے ہیں جنہیں علم الفرائض سے شغف ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ دادا کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول صحیح ترین اقوال میں سے ہے۔ اور آپ کے اقوال ہمیشہ صحیح ہوا کرتے ہیں۔

فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول: سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ

[اعتراض] : شیعہ مصنف لکھتا ہے:''ابوبکر رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ سے کیا نسبت جو فرمایا کرتے تھے:''میرے مفقود (فوت) ہو جانے سے پہلے جو دریافت کرنا ہو کرلو۔ مجھ سے آسمان کے راستوں کے بارے میں پوچھئے کیوں کہ مجھے زمین کے راستوں سے ان کا زیادہ علم ہے۔ ابوالبختری کا بیان ہے میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے منبر پر بیٹھے دیکھا۔ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ، تلوار اور عمامہ زیب تن کر رکھا تھا۔ انگلی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ اسی دوران آپ نے شکم مبارک سے کپڑا اٹھا کر فرمایا:'' مجھے گم پانے سے پہلے جو پوچھنا چاہو پوچھ لو۔ بیشک میرے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان علمِ غفیر ہے۔ بیشک یہ علم کا خزانہ ہے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی مجھے وحی الٰہی کے علاوہ کوئی جام نہیں پلایا۔ اللہ کی قسم! اگر میں تکیہ موڑ کر اس پر بیٹھ جاؤں تو اہل تورات کو تورات مطابق فتوی دوں اور اہل انجیل کو ان کی انجیل کے مطابق فتوی دوں؛ یہاں تک کہ اللہ کے حکم سے تورات اور انجیل بولنے لگ جائیں؛ اور وہ زبان حال سے کہیں: علی نے سچ کہا۔ میں تمہیں اس کے مطابق فتوی دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں نازل کی۔ اور تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہو؛ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔'' [انتھی کلام الرافضی]

[جواب] : ہم کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا:''مجھ سے پوچھو۔'' اس ارشاد کی وجہ یہ تھی کہ آپ اہل کوفہ سے مخاطب تھے' اور کوفہ والے جاہل تھے اور آپ انھیں دین کے مسائل و احکام سکھانا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ ان میں جہلاء کی اکثریت تھی ان لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔ آپ کے منبر کے گرد اکابر صحابہ موجود رہتے تھے؛ جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھا تھا اور تعلیم پائی تھی۔ اور آپ کی رعیت امت بھر میں زیادہ صاحب علم اور دین دار تر تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخاطب عوام تابعین میں سے تھے، بلکہ یوں کہیے کہ ان میں بہت سے بدترین تابعین میں سے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی مذمت بیان کرتے اور ان پر بددعا کیا کرتے تھے۔ جب کہ مکہ و مدینہ اور شام و بصرہ کے تابعین کوفہ والوں سے بدرجہا بہتر تھے۔

* خلفاء اربعہ سے منقول فتاویٰ جمع کیے جا چکے ہیں۔ ان میں سے حضرت ابوبکر و عمر کے فتاوی قرین صحت و صواب اور ان کے علم و فضل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ عمر رضی اللہ عنہ کے فتاوی سے بھی صحیح تر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ میں سے مخالف نص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قضایا کی نسبت تعداد میں کم ہیں۔ آج تک کوئی ایسی نص

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

معلوم نہیں ہوسکی جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ مسائل کے خلاف ہو۔خلافتِ صدیقی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی مشتبہ مسائل کی وضاحت فرمایا کرتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں صحابہ کا اختلاف معروف نہیں ہے۔

[شیعہ مصنف کی ابوالبختری سے بیان کردہ روایت] صریح کذب ہے۔ایسے اقوال کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ بیشک حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب کی خوب معرفت رکھتے تھے۔اس لیے آپ اہل کتاب کے معاملات کا فیصلہ تورات وانجیل کی روشنی میں کرنے کے مجاز نہ تھے۔[بلکہ صرف قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کرنا آپ کے لیے ناگزیر تھا۔❶] مسلمانوں کا اجماع ہے کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسری شریعت کے مطابق لوگوں میں فیصلہ کرے۔اگر یہودی اور عیسائی بھی مسلمانوں کے پاس اپنے جھگڑے لے کر آئیں تو انہیں چاہیے کہ ان لوگوں کے مابین بھی کتاب اللہ یعنی قرآن کریم میں نازل کردہ احکام الٰہیہ کے مطابق فیصلہ کریں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾

[المائدۃ ۴۱۔۴۲]

''اے رسول! آپ ان لوگوں کے پیچھے نہ کڑھئے جو کفر میں سبقت لے جا رہے ہیں خواہ وہ ان منافقوں میں سے ہوں جو زبانی تو ایمان کا دعوی کرتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کے دل میں ایمان نہیں۔اور یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو غلط باتیں سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جو اب تک آپ

❶ قرآنی احکام کو منسوخ کرکے یہود کے شرائع واحکام کو معمول بہا ٹھہرانا یہود کی دیرینہ خواہش ہے جو ماضی ہی میں ختم نہیں ہوئی، بلکہ مستقبل تک جاری وساری ہے۔ہم قبل ازیں شیعہ کی معتبر کتاب کافی کلینی...... جو شیعہ کے یہاں بخاری کے مرتبہ سے کم نہیں...... سے نقل کر چکے ہیں کہ اس کے ایک باب کا عنوان ہے ''جب ائمہ کا بول بالا ہوگا تو وہ داؤد اور آل داؤد کے مطابق فیصلے کیا کریں گے، گواہ کی حاجت نہ ہوگی''، ہم بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کی آخری رسالت کا یہ حشر نہ ہونے دے اور اس سے اسے محفوظ و مصئون رکھے۔آمین

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کے پاس نہیں آئے وہ کلمات کو اصلی موقف کو چھوڑ کر انہیں تبدیل کر دیا کرتے ہیں، کہتے کہ اگر تم یہ حکم دیئے جاؤ تو قبول کر لینا اگر یہ حکم نہ دیئے جاؤ تو الگ تھلگ رہنا۔ اور جس کا خراب کرنا اللہ کو منظور ہو تو آپ اس کے لیے خدائی ہدایت میں سے کسی چیز کے مختار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا نہیں؛ ان کے لیے دنیا میں بھی بڑی ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بڑی سخت سزا ہے۔ یہ کان لگا کر جھوٹ کے سننے والے ؛ اور جی بھر کر حرام کے کھانے والے ہیں اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اختیار ہے خواہ ان کے مابین فیصلہ کرو خواہ ان کو ٹال دو۔ اگر آپ ان سے منہ پھیرو گے تو بھی یہ آپ کو ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں، یقیناً عدل والوں کے ساتھ اللہ محبت رکھتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ٥ وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ﴾ [المائدۃ ۴۸۔۴۹]

''آپ ان کے مابین اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکم کیجئے اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جائیے جو آپ کے پاس آچکا ہے۔ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتے لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمہیں دیا ہے؛ تاکہ اس میں تمہیں آزمائے تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے، پھر وہ تمہیں ہر وہ چیز بتا دے گا، جس میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے۔ آپ ان کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجیے اور ان سے ہوشیار رہیے کہ کہیں یہ آپ کو اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کریں اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو یقین کریں کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے ہی ڈالے اور اکثر لوگ نافرمان ہی ہوتے ہیں۔''

جب کتاب وسنت کی روشنی میں یہ معلوم ہے کہ یہود و نصاری کے درمیان فیصلہ کرنے والے مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کتاب اللہ سے ہٹ کر کوئی فیصلہ کرے۔ خواہ یہ فیصلہ تورات و انجیل کے موافق ہو یا نہ ہو۔ تو پھر جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب اس بات کو منسوب کرتا ہے کہ آپ یہود و نصاریٰ کے باہمی معاملات کا فیصلہ تورات و انجیل کے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

مطابق کیا کرتے تھے؛ یا اس کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے؛ اور اس پر ان کی مدح بھی کرتا ہے یا تو وہ بہت بڑا جاہل ہے اور یا زندیق وملحد ہے کہ اس مدح کے پردے میں آپ پر جرح وقدح وارد کرنے کا خواہاں ہے۔ اس لیے کہ یہ بات مدح وثواب کی موجب نہیں، بلکہ ذم وعقاب کا باعث ہے۔

فصل:......فضائل حضرت علی رضی اللہ عنہ پر رافضی کے کلام پر تبصرہ

شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''محدث بیہقی اپنی سند کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو شخص حضرت آدم علیہ السلام کا علم، نوح علیہ السلام کا تقویٰ، ابراہیم علیہ السلام کا حلم، موسیٰ علیہ السلام کا رعب ودبدبہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طاعت وعبادت کو دیکھنا چاہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء سابقہ کے متفرق خصائل کو صرف ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت کر دیا ہے۔'' [رافضی کا دعوی ختم ہوا]۔

- پہلا جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے، اگر شیعہ اپنے دعوی میں سچے ہیں تو اس کی سند ذکر کریں۔ امام بیہقی فضائل میں ضعیف تو کیا موضوع احادیث تک بیان کر دیتے ہیں۔ جس طرح ان جیسے دوسرے اہل علم نے بھی کیا ہے۔
- دوسرا جواب: یہ حدیث محدثین کے نزدیک بلاشبہ کذب وموضوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فضائل علی رضی اللہ عنہ کی احادیث کے حریص ہونے کے باوجود امام نسائی رحمہ اللہ جیسے محدثین نے بھی اسے ذکر نہیں کیا۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الخصائص میں فضائل علی رضی اللہ عنہ سے متعلق روایات کو جمع کر دیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی متعدد احادیث آپ کے فضائل میں ذکر کی ہیں جن میں سے بعض ضعیف بلکہ موضوع بھی ہیں۔ مگر یہ حدیث کسی نے بھی ذکر نہیں کی۔

فصل:......علم علی رضی اللہ عنہ اور من گھڑت روایت

[کج فھمی]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''ابو عمر زاہد [1] کا قول ہے کہ: ابو العباس نے کہا: ہمیں حضرت شیث علیہ السلام سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی نبی ایسا معلوم نہیں جس نے یہ الفاظ کہے ہوں کہ ''جو پوچھنا چاہو مجھ سے پوچھ لو۔'' البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ اکابر صحابہ مثلاً ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما آپ سے مسائل دریافت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سوالات کا سلسلہ رک گیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے کمیل بن زیاد! میری ذات میں علم کی فراوانی ہے، اے کاش! اس علم کا کوئی حامل ہوتا۔''

[جواب]: اگر اس روایت کی نقل ثعلب سے درست بھی ثابت ہو جائے؛ تو یہ بے سند ہونے کی وجہ سے قابل احتجاج نہیں۔ ثعلب ان ائمہ حدیث میں سے نہیں ہے جنہیں صحیح وسقیم روایات کا علم ہوتا ہے؛ تاکہ یہ کہنا بجا ہوتا کہ یہ روایت ثعلب

[1] ابو عمر زاہد المتوفی (۲۶۱-۳۴۵) کا اصلی نام محمد بن عبد الواحد بن ابو ہاشم المطرز المعروف غلام ثعلب ہے۔ ابو العباس کا نام احمد بن یحییٰ ثعلب المتوفی (۲۰۰-۲۹۱) ہے۔ یہ ابو عمر زاہد کا استاد ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے ہاں صحیح ہے۔'' جیسے امام احمد بن حنبل؛ یحیٰ بن معین اور امام بخاری جیسے محدث؛[جب یہ لوگ کہتے ہیں کہ: فلاں حدیث صحیح ہے تو اسے صحیح تسلیم کرلیا جاتا ہے]۔ بڑے بڑے فقہاء جو کہ [علم وفقہ وتقوی میں] ثعلب سے بہت آگے ہیں؛ بے اصل احادیث ذکر کرتے ہیں تو پھر ثعلب کی حیثیت ہی کیا ہے؟ مزید یہ کہ ثعلب نے یہ روایت ایسے لوگوں سے سنی ہے جو اپنے اساتذہ کا نام ہی بیان نہیں کرتے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد مدینہ کا نہیں ؛ اور نہ ہی حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانے کا ہے؛ بلکہ آپ نے یہ الفاظ کوفہ میں ارشاد فرمائے۔ آپ کوفہ کے لوگوں کو کہا کرتے تھے کہ آپ سے دینی مسائل پوچھیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ دینی علم حاصل کرنے میں بہت زیادہ کوتاہی کرتے تھے۔ اس لیے آپ لوگوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ علم دین حاصل کریں اور علمی مسائل پوچھا کریں۔ اس کی دلیل کمیل کی روایت ہے۔❶ اس میں شک وہ شبہ نہیں کہ کمیل تابعین میں سے ہیں اور آپ کو کوفہ میں ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ دیکھتے تھے کہ ان لوگوں میں طالب علمی کے دعویٰ کے باوجود علم کے حصول میں کوتاہی پائی جاتی ہے۔ اسی لیے آپ نے یہ کلمات مہاجرین و انصار کے سامنے ارشاد نہیں فرمائے ؛ بلکہ آپ ان لوگوں کی مدح و تعریف کیا کرتے تھے۔

جہاں تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی دریافت نہیں کیا کرتے تھے۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ سنت محمودہ تھی کہ آپ صحابہ کرام ؛حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف؛ حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت اور دوسرے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کی مجلس شوریٰ میں اسی طرح تھے جس طرح باقی لوگ۔ حضرت ابوبکر یا حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں سے کوئی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی ایسا خاص مشورہ نہیں کیا کرتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا تھا۔ جیسا کہ سنن میں مذکور ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ مجھ کو اس پر عمل کی توفیق بخشتا جس قدر چاہتا[اور مجھے اس سے فائدہ پہنچتا]۔ اور جب کوئی اور مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا تو میں اسکو قسم دیتا؛ جب وہ قسم کھا لیتا تو مجھے یقین آجاتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا انکا کہنا ہے کہ:'' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:'' کوئی بندہ ایسا نہیں جو کوئی گناہ کر بیٹھے اور پھر اچھی طرح وضو کر کے کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھے اور پھر اللہ سے

❶ کمیل بن زیادِ بنِ نهيكِ النخعي، تابِعي ثِقة، مِن أصحابِ علِيِ بنِ أبِي طالِب رضِي الله عنه، شهِد صِفين مع علِي، وقتله الحجاج سن 82ھـ؛ قال ابن حجر: كان ثِقة قلِيل الحدِيثِ، وقال ابن حبان فِي الضعفاءِ: لا يحتج بِهِ، انظر ترجمته فِي تهذِيبِ التهذِيبِ 448 - 8/447، الأعلامِ 6/93۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

معافی چاہے اور اللہ اس کو بخش نہ دے۔''❶

فصل: ......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے قصاص؟

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شرعی حدود کو ترک کر دیا تھا۔ چنانچہ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا، جو کہ مسلمان تھا تو اس سے قصاص نہیں لیا تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے جس دن مالک بن نویرہ کو قتل کیا اس رات اس کی بیوی سے شادی کر لی؛ اور اس سے ہم بستر بھی ہوئے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قبول نہ کیا۔''

[جواب]: اس کے جواب میں کئی باتیں کہی جا سکتی ہیں:

پہلی بات: اگر کسی بے گناہ کے قتل کا قاتل سے قصاص نہ لینا ایسا جرم ہے جس کی وجہ سے حکمران یا امام پر انکار کیا جا سکتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف حامیان عثمان رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی دلیل یہی ہو گی کہ وہ آپ کا قصاص لینے سے قاصر رہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مالک بن نویرہ جیسے زمین بھر کے لوگوں سے بدرجہا افضل تھے۔ آپ مسلمانوں کے خلیفہ تھے؛ آپ کو بحالت مظلومی بغیر کسی وجہ کے شہید کیا گیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلوں سے قصاص نہ لیا۔ اسی وجہ سے شیعانِ عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں شریک نہ ہوئے۔

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان کو قتل کرنے میں معذور تھے؛ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عذر مالک بن نویرہ کے قاتل کو قتل نہ کرنے میں اس سے زیادہ قوی ہے۔ [شیعہ کو چاہیے کہ اہل سنت کی طرح ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما دونوں کو معذور قرار دیں]۔

اور اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کوئی عذر نہیں تھا تو پھر قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو چھوٹ دینے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی کوئی عذر نہیں ہے۔ البتہ جو کچھ رافضی کرتے ہیں کہ اس چھوٹے سے معاملہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر تو اعتراض کرتے ہیں، مگر اتنے بڑے معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اعتراض نہیں کرتے؛ تو یہ ان کی جہالت کی انتہاء اور عقیدہ و اقوال میں تناقض کا نتیجہ ہے۔

---

❶ [سنن ابوداؤد: ج1: ح 1517] حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ مجھ کو اس پر عمل کی توفیق بخشتا جس قدر چاہتا۔ اور جب کوئی اور مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا تو میں اس کو قسم دیتا جب وہ قسم کھا لیتا؛ تو مجھے یقین آ جاتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا انکا کہنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی بندہ ایسا نہیں جو کوئی گناہ کر بیٹھے اور پھر اچھی طرح وضو کر کے کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھے اور پھر اللہ سے معافی چاہے اور اللہ اس کو بخش نہ دے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد قرآن کی یہ آیت پڑھی: ﴿والذین إذا فعلوا فاحشۃ أو ظلموا أنفسھم ذکروا اللہ﴾ [آل عمران: 135]......آخر آیت تک۔ والحدیث فی سننِ الترمذِی 1/252؛ کتاب الصلاۃ باب ما جاء فِی الصلاۃِ عِند التوبۃِ، وقال الترمذِی: ''حدیث علِی حدیث حسن لا نعرفہ إلا مِن ھذا الوجہ، سننِ ابنِ ماجہ 1/446؛ کتاب إقامۃِ الصلاۃِ والسننِ فِیھا، باب ما جاء فِی أن الصلاۃ کفارۃ۔ المسندِ ط۔ المعارِف 1/154؛ وصحح أحمد شاکِر ھذِہِ الرِوایاتِ۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ایسے ہی شیعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ جب عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان کو قتل کر دیا تو انھوں نے عبید اللہ سے قصاص نہ لیا۔ اس کا یہی جواب ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح معذور تھے۔ ❶

اگر کوئی یہ کہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے میں معذور تھے۔ اس لیے کہ قصاص لینے کی شرائط پوری طرح نہیں پائی جاتی تھیں۔ ایسا یا تو اس وجہ سے تھا کہ آپ متعین قاتلوں کو نہیں جانتے تھے۔ یا پھر اس کی یہ وجہ تھی کہ قاتلین بڑی قوت اور طاقت والے تھے۔ یا پھر اس طرح کا کوئی دیگر عذر بھی ہو سکتا ہے۔

تو کہا جائے گا کہ: یہی حال مالک بن نویرہ کے قتل کے متعلق بھی تھا؛ اس میں بھی پوری شروط نہیں پائی جاتی تھیں۔ اور ہرمزان کے قاتل کو بھی شبہ کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا؛ کیونکہ شبہات کی وجہ سے حد نافذ نہیں کی جا سکتی۔

اگر شیعہ کہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا' اور ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن عمر رحمہ اللہ کے قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ حالانکہ جن لوگوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا تھا ان کے جواب میں ایسی دلیل پیش کی گئی جس کے سامنے انہوں نے سر تسلیم خم کر لیا؛ اس کی وجہ یہ تھی کہ حق آپ کے ساتھ تھا؛ اور ایسے معاملات میں اجتہاد جائز تھا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کا بدلہ لینے کا مشورہ نہ مانا تو ان کے اور فریق مخالف [یعنی مشورہ دینے والوں] کے مابین جنگیں برپا ہوئیں۔ ان سے کوئی بھی انسان لاعلم نہیں ہے۔ جنگ صفین اور جنگ جمل کے مقابلہ میں قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا بہت آسان تھا۔ اگر یہاں پر آپ کے لیے اجتہاد جائز تھا؛ تو پھر ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہما کو بھی بدرجہ اولی اجتہاد کا حق حاصل تھا۔

اگر شیعہ کہیں کہ: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مباح الدم تھے۔''

تو ان کے جواب میں کہا جائے گا کہ: اس میں کوئی بھی شک نہیں کر سکتا کہ مالک بن نویرہ کا مباح الدم ہونا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مباح الدم ہونے کی نسبت زیادہ واضح تھا۔ بلکہ مالک بن نویرہ کے بارے میں معصوم الدم ہونا ہی معلوم

---

❶ ہرمزان کے قتل کے لیے دیکھیے ''العواصم من القواصم، ص: ۱۰۶، ۱۰۸۔ محبّ الدین خطیب رحمہ اللہ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہرمزان کی قصاص میں عبید اللہ بن عمر کے قتل سے رک جانے پر اعتراض کرنا باطل ہے۔ اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی بہت بڑی تعداد موجود تھی؛ اور معاملہ اپنی ابتداء میں تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ہرمزان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھا؛ وہ بھی خنجر اٹھائے ہوئے تھا جو کہ اس کی قمیص کے نیچے سے برآمد ہوا۔ اسی وجہ سے عبید اللہ نے اسے قتل کیا۔ اور اس وقت ابھی حضرت عثمان خلیفہ نہیں بنے تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے میں ہرمزان کی ظاہری حالت کی وجہ سے انہیں یہ حق حاصل نہیں ہوتا تھا کہ وہ عبید اللہ کو قتل کر دیں۔ استاذ محبّ الدین خطیب رحمہ اللہ نے طبری رحمہ اللہ کے حوالہ سے قماذبان بن ہرمزان سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن عمر کو اس کی دسترس میں دے دیا تھا۔ اور فرمایا تھا: ''اے بیٹے! یہ تمہارے باپ کا قاتل ہے۔ اور تم اس کے متعلق فیصلہ کرنے کے ہم سے زیادہ حق دار ہو۔ اسے لے جاؤ اور قتل کر دو۔ مگر قماذبان سے اسے معاف کر دیا۔'')

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔ ہمارے ہاں ایسی کوئی بات ثابت نہیں ہوسکی۔ جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تواتر کے ساتھ کتاب و سنت سے ثابت ہے کہ آپ معصوم الدم تھے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور مالک بن نویرہ [1] کے مابین اتنا بڑا فرق ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی صحیح جانتا ہے۔

جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مباح الدم کہتے ہیں ان کے لیے یہ ہرگز ممکن نہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو معصوم الدم ثابت کرسکیں۔ اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا معصوم الدم ہونا حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے معصوم الدم ہونے کی بہ نسبت زیادہ ظاہر ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی نسبت سے موجبات قتل سے بہت زیادہ دور تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والوں کا شبہ حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو قتل کرنے والوں کے شبہ کی نسبت انتہائی بودا اور کمزور تھا۔ اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی مسلمان کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے اپنی خلافت کے لیے کسی سے جھگڑا کیا اور نہ ہی اپنے خلافت پر کسی سے جنگ وقتال کے لیے مدد طلب کی۔

تو پھر اگر یہ کہنا جائز ہوسکتا ہے کہ جس نے اپنی خلافت کے لیے مسلمانوں کی بڑی تعداد کو قتل کیا؛ وہ اپنے اس فعل میں مجتہد تھا تو پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ معصوم الدم تھے۔ اس لیے کہ آپ اموال اور ولایات کے امور میں بدرجہ اولی اپنے افعال وتصرفات میں مجتہد تھے۔

مالک بن نویرہ کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ معصوم الدم تھا؛ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے تاویل کی بنیاد پر قتل کردیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے لیے آپ کو قتل کرنا مباح نہ تھا۔ جیسا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے لا إلـہ إلا اللہ کہنے کے بعد ایک انسان کو قتل کردیا تھا۔ آپ فرماتے ہیں: جب ہم واپس ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ:

---

[1] مالک بن نویرہ یربوعی تمیمی؛ (البدایہ و النہایہ 6/ 321؛ الاعلام 6/ 145؛ یہ سجاح کے لیے شعر گھڑتا تھا۔ جب وہ جزیرہ سے آئی؛ اور مسیلمہ کذاب سے اس کا رابطہ ہوا؛ اور پھر وہ اپنے علاقے میں واپس چلی گئی۔ اس پر مالک بن نویرہ کو ندامت ہوئی۔ اور اس سلسلہ میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا۔ اس وقت اس نے بطاح نامی ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر نے اسے جالیا۔ حضرت خالد نے لوگوں میں اسلام کی طرف واپسی کے اعلان کے لیے مہلت دینے کا اعلان کرنے کے لیے اپنے گشتی دستے بھیجے۔ چنانچہ بنو تمیم کے سردار اطاعت گزاری کیساتھ اور سر تسلیم خم کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔ اور انہوں نے اپنی زکواۃ ادا کردی۔ سوائے مالک بن نویرہ کے۔ وہ اس وقت تک حیرانگی کا شکار تھا۔ چنانچہ اسے اس کے ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کرکے پیش کیا گیا۔ اب دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ وعظ و نصیحت کے بعد ان کو خیموں میں رکھا گیا؛ رات بہت ٹھنڈی تھی۔ تو حضرت خالد بن ولید نے اعلان کیا کہ اپنے قیدیوں کے لیے تپش کا سامان کرو۔ لوگ غلط سمجھے؛ اور انہوں نے قیدیوں کو قتل کردیا۔ ضرار بن ازور نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ'' زکواۃ اور نماز دونوں ایک ہی چیز ہیں۔'' اس پر مالک نے کہا: '' یہ تمہارے ساتھی کا گمان تھا۔'' اس کا اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا۔ تو حضرت خالد نے اس گستاخی کی پاداش میں اسے قتل کروادیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اے اسامہ کیا تو نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی قتل کر دیا، اے اسامہ کیا تو نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی قتل کر دیا، اے اسامہ کیا تو نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی قتل کر دیا۔'' [

[وقد سبق تخریجہ ؛صحیح بخاری ، ج٣ ح١٧٨٠]

نبی کریم ﷺ اس قتل کا انکار کر رہے ہیں؛ مگر اس کے باوجود آپ نے اسامہ سے نہ قصاص لیا؛ نہ ہی دیت واجب کی اور نہ ہی کفارہ ادا کرنے کا کہا۔

محمد بن جریر طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے: [اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں]:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ [النساء ٩٤]

''جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔''

آپ فرماتے ہیں: یہ آیت مرداس کے بارے میں نازل ہوئی۔ مرداس غطفان کا ایک آدمی تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ایک لشکر اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا؛ اس پر امیر لشکر غالب لیثی تھے۔[اس قوم کے] کچھ لوگ بھاگے مگر وہ نہیں بھاگا؛ انہوں نے کہا: میں ایمان لا چکا ہوں۔ صبح کے وقت لشکر کے گھوڑے سوار وہاں پہنچ گئے؛ انہوں نے سلام کیا' مگر ان لوگوں نے اسے قتل کر کے اس کا مال لے لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا مال واپس کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی اس کے گھر والوں کو دیت بھی ادا کی جائے۔ اور مؤمنین کو منع کر دیا گیا کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں۔

ایسے ہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب تأویل کی وجہ سے بنو جذیمہ کو قتل کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے اپنے دست مبارک اٹھا کر اللہ کی بارگاہ میں دعا کی:

''اے اللہ! جو کچھ خالد نے کیا ہے' میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔''[البخاری ٤/ ١٠٠]

مگر اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا؛ چونکہ آپ متأول تھے۔ جب نبی کریم ﷺ تاویل کی وجہ سے بنو جذیمہ کے کئی مؤمنین کے قاتل کو قتل نہیں کر رہے؛ تو پھر یہ بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے حجت کیسے نہیں ہو سکتی کہ آپ نے تاویل کی وجہ سے مالک بن نویرہ کو قتل کرنے والے کو قتل نہ کیا۔''

اس سے پہلے رافضی کا اعتراض گزر چکا ہے جو اس نے بنو جذیمہ کے معاملہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر کیا تھا۔ رافضی کو پتہ ہے کہ [بنو جذیمہ کے مسئلہ پر] نبی کریم ﷺ نے آپ کو قتل نہیں کیا۔ تو پھر اس چیز کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں حجت کیسے تسلیم نہیں کر سکتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کوئی ہوائے نفس کی پیروی میں لگتا ہوتا ہے اسے اس کی گمراہی اندھا کر دیتی ہے۔[اور وہ کبھی راہ حق پر نہیں آ سکتا]۔

❁ شیعہ مصنف کا کہنا کہ: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

❀ جواب: اس میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ تھا۔ اس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کیا جائے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ آپ کو قتل کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑے عالم نہیں تھے۔ اہل سنت اور شیعہ دونوں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر واجب نہیں تھا کہ وہ اپنی رائے چھوڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی اتباع کریں۔ اور کسی شرعی دلیل کی روشنی میں یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے راجح ہے۔ تو اب کسی کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ وہ اس معاملہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں عیب شمار کرے؟ ایسا وہی شخص کرسکتا ہے جو لوگوں میں سے سب سے کم علم و دین رکھتا ہو۔

ہمارے ہاں کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ معاملہ کی صورتحال ایسی تھی جس کی وجہ سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا واجب ہو رہا ہوتا۔

رافضی مصنف کا یہ کہنا کہ: ''انہوں نے مالک بن نویرہ کے قتل کی رات ہی اس کی بیوی سے شادی کر لی۔''

❀ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بالفرض اگر اسے ثابت مان بھی لیا جائے تو تاویل اس بنا پر رجم کرنے میں مانع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ: فقہاء کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے کہ فوتگی [بیوگی] کی عدت کیا ہے؟ اور کیا یہ عدت کافر کے لیے بھی ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔ ایسے ہی ذمی عورت کی عدت وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس میں بھی مسلمانوں کے ہاں دو قول مشہور ہیں۔ بخلاف طلاق کی عدت کے۔ اگر طلاق میں وطی کا سبب موجود ہو تو برأت رحم تک انتظار واجب ہے۔ جبکہ وفات کی عدت صرف عقد نکاح کر لینے سے واجب ہو جاتی ہے۔ لیکن پھر اگر دخول سے پہلے شوہر مر جائے تو کیا کافر کی عدت بھی ہوگی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ اور ایسے ہی اگر کافر نے دخول بھی کیا اور دخول کے بعد ایک حیض آ گیا ہو [تو کیا اس پر عدت ہوگی یا نہیں؟]۔

یہ مسائل اس وقت ہیں جب کافر اصلی کافر ہو [یعنی مرتد نہ ہو]۔ جب کہ مرتد اگر قتل کر دیا جائے؛ یا اپنے ارتداد پر ہی مر جائے؛ تو اس صورت میں امام شافعی؛ امام احمد؛ ابو یوسف؛ اور محمد رحمہم اللہ کے ہاں اس پر کوئی عدت وفات نہیں۔ بلکہ وہ اسے فُرقہ ء بائنہ شمار کرتے ہیں۔ اس لیے کہ شوہر کے مرتد ہونے سے نکاح باطل ہو گیا تھا۔ یہ جدائی امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے ہاں طلاق نہیں ہے۔ جب کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ کے ہاں طلاق ہے۔ اسی وجہ سے اس پر عدت وفات کو واجب نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس پر دائمی جدائی کی عدت شمار کرتے ہیں۔ اور اگر اس مرتد نے عورت کے ساتھ دخول نہیں کیا تھا تو پھر اس پر کوئی عدت نہیں ہے۔ جیسا کہ اگر وہ دخول سے پہلے طلاق دے دیتا تو اس پر کوئی عدت نہ ہوتی۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ کو مرتد سمجھ کر قتل کیا تھا۔ اگر مالک بن نویرہ نے اپنی بیوی سے اس سے پہلے دخول نہیں کیا تھا تو پھر تمام علماء کے نزدیک اس پر کوئی عدت نہیں تھی۔ اور اگر اس کے ساتھ دخول کیا تھا تو پھر بھی بعض علماء کرام کے نزدیک اس پر ایک حیض کی عدت تھی؛ اس لیے کہ استبراء رحم واجب ہے۔ تو ایسا بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوسکتا ہے کہ اسے اس سے پہلے حیض آچکا ہو۔ اور بعض فقہاء کہتے ہیں کہ کچھ دن کا حیض آجانا بھی کافی ہے۔ اس لحاظ سے اگر وہ حیض کے آخری ایام میں بھی تھی تو تب بھی برأت رحم ہو چکی تھی۔

خلاصہ ء کلام! ہم اس معاملہ کی گہرائیوں سے واقف نہیں ۔ کیا یہ ایسا معاملہ تھا کہ اس میں اجتہاد جائز ہے یا نہیں ؟ ایسی باتوں میں طعن کرنا بغیر علم کے بات کہنا ہے۔ اور بغیر علم کے بات کہنے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔

فصل: ...... میراثِ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر اعتراض

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک کی جاگیر نہ دے کر ارشاد رسول ﷺ کی خلاف ورزی کی۔ اور آپ کو خلیفہ رسول کہا جاتا ہے؛ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو خلیفہ نہیں بنایا۔''

[جواب]: ہم کہتے ہیں کہ: بعض جاہل شیعہ کے سوا سب اہل اسلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے۔ اس بارے میں تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔ ہم نے وہاں پر ثابت کیا ہے کہ عدم توریث والی حدیث نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور اس بارے میں رافضیوں کا کلام قطعی طور پر باطل ہے۔

ایسے ہی فدک کے مسئلہ پر بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد کے خلفاء اسی قول پر گامزن رہے ۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اموال فدک میں سے کچھ بھی اپنے لیے نہیں رکھا اور نہ ہی اس میں سے کچھ اپنے اہل خانہ کو دیا۔ اور نہ ہی کوئی زمین اپنے پاس روک کر رکھی۔ بلکہ بنی ہاشم کو اس سے کئی گنا بڑھ چڑھ کر زیادہ دیا۔

پھر اگر کوئی معترض کہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے بنی ہاشم سے مال روکا کرتے تھے۔ حتی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بصرہ کا آدھا مال لے گئے۔ تو شیعہ کے پاس اس اعتراض کا اس کے سوا کوئی جواب نہ ہوگا کہ: آپ عادل اور نیک حکمران تھے' اور آپ کا ارادہ صرف حق کا تھا۔ اس لیے آپ کو متہم نہیں کیا جاسکتا۔

یہ جواب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں زیادہ اولی اور مناسب ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر محبت کرنے والے اور آپ کے حقوق کا خیال رکھتے تھے۔

کسی انسان کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بدگمانی اور ہویٰ سے بری قرار دینا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی برأت سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے عادل حکمران تھے جو کہ اپنی ذات کے لیے کچھ بھی تصرف نہیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ آپ کی تمام تر کوششیں مسلمانوں کی خیر و بھلائی کے لیے ہوا کرتی تھیں۔ آپ نے اپنی ذات کے لیے کوئی مال نہیں لیا۔ بلکہ وہ مال مسلمانوں کا تھا۔ جب کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اسے اپنی ذات کے لیے طلب کر رہی تھیں۔ یہ بات ہم ضرورت کے تحت جانتے ہیں کہ حکمران اپنے حریف سے بڑھ کر خواہشات نفس سے دور ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حریف جس چیز کا طلب گار ہوتا ہے وہ اپنی ذات کے لیے طلب کرتا ہے۔ جب کہ اس بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا علم حضرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علم سے بڑھ کر ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ ان چیزوں کی جانکاری اور عدل وانصاف کے قائم کرنے کے زیادہ حق دار تھے۔ جو کوئی اس معاملہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑا عالم اور عادل کہے؛ وہ لوگوں میں سب سے بڑا جاہل ہے۔ خصوصاً جب کہ جمہور مسلمین کی اس مسئلہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے میں کوئی غرض ہی نہیں تھی۔ تمام ائمہ اور فقہاء کا متفقہ مسئلہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنا مال وراثت میں نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ یہ تمام حضرات سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عزت وقدر کرتے ہیں اور آپ کی عظمت کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ کسی فرمان کو لوگوں کے اقوال کے مقابلہ میں ترک بھی نہیں کرتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم بھی نہیں دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور سے اپنا دین اخذ کریں۔ نہ ہی آپ کے اقارب سے' اور نہ ہی غیر اقارب سے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کا حکم دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جو عورت کو اپنا بڑا بنالیں۔'' ❶

تو پھر امت کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم شدہ سنت چھوڑ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے منقول حکایات کو مان لیں کہ آپ نے اپنی میراث طلب کی تھی؛ اس لیے کہ آپ کو یقین تھا کہ انہیں وراثت ملے گی۔ ❷

---

❶ [رواہ البخاری ٦/ ٢٨] حضرت حسن ابی بکرہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے مجھے بہت فائدہ پہنچایا یعنی جنگ جمل کے دن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر میں شریک تھا قریب تھا کہ میں مسلمانوں سے لڑتا کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آ گیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کی بیٹی کے تخت نشین ہونے کی خبر سن کر فرمایا تھا کہ: ''بھلا وہ قوم کس طرح کامیاب ہوسکتی ہے جو اپنا کام ایک عورت کے حوالے کردے۔'' وجاء الحدیث مختصرا فِی البخارِي 9/55؛ کتاب الفِتنِ، باب حدثنا عثمان بن الهیثمِ، والحدِیث أیضاً فِی سننِ التِرمذِي 3/360؛ کتاب الفِتنِ، و سننِ النسائِي 8/200؛کتاب آدابِ القضاءِ، باب النهیِ عنِ استِعمالِ النِساءِ، والحدِیث فِی المسندِ ؛ط۔ الحلبِي، مع اختِلاف فِی اللفظِ تملِکهم امرأة، انظر 5/38۔

❷ شیعہ عالم ابن المیثم لکھتا ہے: جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد محترم کی میراث طلب کرنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچیں؛ تو آپ نے فرمایا: ''بیشک آپ کو وہی کچھ ملے گا جو آپ کے والد محترم لیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک سے اپنے اہل خانہ کے لیے غلہ لیا کرتے تھے۔ باقی غرباء میں تقسیم کر دیتے یا مجاہدین کی ضروریات میں خرچ کر دیتے۔ لہٰذا آپ بتائیں کہ آپ اس باغ میں کیسے تصرف کریں گی۔ انہوں نے کہا: میں اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلوں گی۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ سے وعدہ رہا کہ میں ایسے ہی تصرف کروں گا جیسے آپ کے والد گرامی کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم کیا تم اس میں ایسے ہی تصرف کرو گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! میں ضرور ویسا ہی تصرف کروں گا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے اللہ گواہ ہو جا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس باغ کا غلہ لے کر اہل بیت کی ضروریات پوری کرتے اور باقی ماندہ تقسیم کر دیتے۔'' تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان سے یہ عہد لینے کے بعد اس پر راضی ہوگئیں۔'' دیکھیں: شرح نہج البلاغہ از ابن میثم البحرانی ؛ ص 107؛ الدرۃ النجفیۃ از الدنبلی ص 331۔ الشیعۃ و اھل البیت از احسان الٰھی ظھیر 84۔

کشف الغمہ میں ہے: ''اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اے فاطمہ! آپ ہمارے نبی کی بیٹی ہیں؛ آپ میرے مال میں سے جو مرضی چاہیں لے لیں؛ مگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں میں ویسے ہی تصرف کروں گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تصرف فرمایا کرتے تھے۔'' [کشف الغمہ / بحث جاگیر فدک]

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

فصل:......خلیفۂ رسول ﷺ

❀ جہاں تک آپ کو خلیفہ رسول اللہ ﷺ کہنے کا تعلق ہے تو حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں نے خلیفہ رسول پکارنا شروع کیا۔ اگر خلیفہ سے مراد وہ ہے جسے اپنے بعد نائب بنایا جائے تو پھر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اپنا نائب مقرر کیا تھا؛ جیسا کہ اہل سنت والجماعت میں سے بعض علماء کرام کہتے ہیں۔

اگر خلیفہ سے مراد وہ ہے جو خود کسی کا قائم مقام بن جائے ؛ اگرچہ اسے نائب نہ بھی بنایا گیا ہو؛ جیسا کہ جمہور علماء کا قول ہے۔تو پھر اس نام کے لیے استخلاف کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔کتاب و سنت کے دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ خلیفہ اسے کہتے ہیں جو دوسرے کا قائم مقام بن جائے خواہ اسے نائب بنایا جائے یا نہ بنایا جائے ۔[اس کی مثالیں:]اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِھِمْ لِنَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ [یونس ۱۴]

’’پھر ان کے بعد ہم نے زمین میں تمہیں ان کے جانشین کیا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔‘‘

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ﴾ [الأنعام ۱۶۵]

’’وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْکُمْ مَّلٰٓئِکَۃً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ﴾ [الزخرف ۶۰]

’’اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ فرشتے کر دیتے جو زمین میں جانشینی کرتے۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اذْکُرُوْٓا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ﴾ [الأعراف ۶۹]

’’اور تم وہ وقت یاد کرو کہ جب اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد جانشین بنایا۔‘‘

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ﴾ [الأعراف ۷۴]

’’جب قوم عاد کے بعد تمہیں اللہ نے جانشین بنایا۔‘‘

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْہِ ھٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ﴾ [الأعراف ۱۴۲]

’’اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا کہ میرے بعد قوم میں میرے جانشین رہنا۔‘‘

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ﴾ [الفرقان ٦٢]

''اور اسی نے رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا بنایا؛ یہ اس کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرنا چاہیے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ﴾ [یونس ٦]

''بلا شبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں ......''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾

[الأعراف ١٢٩]

''قریب ہے کہ اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے تم کو اس زمین کا خلیفہ بنا دے گا پھر تمہارا طرز عمل دیکھے گا۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ [النور ٥٥]

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ﴾ [البقرة ٣٠]

''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ﴾ [ص ٢٦]

''اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا۔''

ان آیات میں اکثر جگہ پر مراد یہ ہے کہ دوسرا پہلے کا خلیفہ ہو۔ اگرچہ پہلے والے نے اسے اپنا نائب نہ بھی بنایا ہو۔ خلیفہ کو خلیفہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے سے پہلے والے کے بعد میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے بنایا ہے کہ ایک دوسرے کی جگہ لیتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں ۔ جیسے دن اور رات آگے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ دن رات کے بعد آتا ہے اور رات دن کے بعد آتی ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہونا نہیں ؛ جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ ہم نے دوسری جگہ پر اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لوگ مسلمان حکمرانوں کو خلفاء کہتے ہیں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم پر میری سنت واجب ہے' اور میرے بعد میرے ہدایت و رشد یافتہ خلفاء کی سنت واجب ہے۔''

[ابو داؤد ٤/ ٢٨٠؛ وقد سبق تخریجه]

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہیں بنایا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کسی ایک متعین کو خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا: ''اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کروں تو مجھ سے قبل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اور اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو مجھ سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بھی کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔''

مگر اس کے باوجود آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں مخاطب کیا کرتے تھے: یا خلیفہ رسول اللہ!

ایسے ہی بنی امیہ اور بنی عباس کے خلفاء کا معاملہ ہے۔ ان میں سے بہت سارے ایسے ہو گزرے ہیں جنہیں ان سے پہلے کے خلفاء نے اپنا نائب نہیں بنایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ خلیفہ بعد میں آنے والوں کے لیے عام ہے۔

ایک حدیث میں ہے -اگر یہ صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو-: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں چاہتا تھا کہ میں دیکھ لیتا'' اور پھر یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ: ''اللہ تعالیٰ میرے خلفاء پر رحمت نازل کرے۔'' پوچھا گیا: یارسول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: جو میری سنتوں کو زندہ کریں گے' اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیں گے۔'' [الجامع الکبیر ١/ ٥٣٥]

اگر یہ روایت صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اس مسئلہ میں حجت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اگر صحیح سند کے ساتھ یہ قول ثابت نہ بھی ہو تب بھی جس نے یہ روایت وضع کی ہے وہ جانتا تھا کہ خلیفہ کا لفظ اس کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو کسی کا جانشین بنے۔ اگرچہ اسے پہلے والے نے اپنی جگہ خلیفہ مقرر نہ بھی کیا ہو۔ پس جب وہ اس کا قائم مقام ہو جائے' اور بعض امور نبھانے میں اس کی جگہ لے لے؛ تو اسے اس معاملہ میں خلیفہ کہا جائے گا۔

❀❀ پانچویں جلد ختم ہوئی ❀❀

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فصل :......حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا آخری کلام اور شیعہ کا اعتراض

[اعتراض] : رافضی قلم کار کا قول ہے: ''ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں عمر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت یہ الفاظ کہے: اے کاش! میں ایک مینڈھا ہوتا تو لوگ اپنی مرضی سے میری قیمت لگاتے ؛ پھر ان کی قوم کا سب سے محبوب انسان ان کے پاس آتا؛ وہ مجھے ذبح کرتے ؛ اور پھر مجھ آدھے کو بھون ڈالتے' اور آدھے کا سالن تیار کر لیتے ۔ اور پھر مجھے کھا لیتے ؛ میں کچرا ہوتا مگر بشر نہ ہوتا۔ یہ تو اسی طرح ہوا جیسے کافر بروز قیامت کہے گا:﴿یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا﴾۔''اے کاش میں مٹی ہوتا۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عندالموت کہا:''اگر میرے پاس اتنا سونا ہوتا جس سے ساری کائنات بھر جاتی تو عذاب الٰہی سے بچنے کے لیے اسے فدیہ کے طور پر دے دیتا۔''

یہ بعینہٖ ایسے ہے جس طرح قرآن پاک میں فرمایا:

﴿وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ﴾

[الزمر ۴۷]۔

''اگر ظالموں کے پاس تمام روئے زمین کی چیزیں ہوں اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو، تو بھی بدترین سزا کے بدلے فدیہ ادا کر دیتے۔''

❀ ایک طرف عندالموت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو پیش نظر رکھیے، دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ملاحظہ ہو کہ آپ اپنے آخری وقت میں فرماتے تھے کہ:''میں محمد اور آپ کی جماعت سے کب ملوں گا؟ میں کب قیامت کو پہنچوں گا کہ جس دن بدبختوں کو اٹھایا جائے گا۔''شہید ہوتے وقت فرمایا:

''فُزْتُ وَ رَبِّ الْکَعْبَةِ''''رب کعبہ کی قسم! میں نے اپنی مراد پالی۔''[انتہیٰ کلام الرافضی]

[جواب] : یہ ہے کہ مندرجہ بالا قول قائل کی جہالت کا آئینہ دار ہے۔ یہ اقوال جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیے گئے ہیں ایسے اقوال تو ان لوگوں سے بھی منقول ہیں جو حضرت ابوبکر و عمر و عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے مرتبہ سے فروتر تھے۔ بلکہ بعض ان خوارج نے بھی ایسے الفاظ کہے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے تھے۔ ایسے ہی جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آخری وقت تھا اور آپ کی بیوی نے''وَاحَرَبَاہُ''(ہائے غم وافسوس) کہا؛ تو آپ نے فرمایا:''وَاطَرَبَاہُ۔''(واہ خوشی کی بات) میں کل اپنے احباب سے ملوں گا؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت سے مل جاؤں گا۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر اس وقت بد دعا بھی کی تھی جب ان کے مابین تقسیم اراضی کے مسئلہ میں اختلاف ہوا۔آپ نے فرمایا:" اللھم اکفنی بلالا و ذویہ ۔" اس پر ایک سال کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہا۔[1]

ابو نعیم نے الحلیۃ میں قطیعی سے روایت کیا ہے-وہ کہتا ہے: مجھ سے حسن بن عبداللہ نے حدیث بیان کی؛وہ کہتا ہے: مجھ عامر بن سیار نے حدیث بیان کی؛ وہ کہتا ہے: مجھ سے عبد الحمید بن بہرام نے حدیث بیان کی؛ وہ شہر بن حوسب سے روایت کرتا ہے؛ وہ عبدالرحمن بن غنم سے وہ حارث بن عمیرہ فرماتے ہیں:

"حضرت معاذ؛ ابوعبیدہ، شرحبیل بن حسنہ اور ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہم اجمعین ایک ہی دن میں زخمی ہوئے ۔تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: بیشک یہ تمہارے رب کی رحمت؛ اور تمہارے نبی کی دعا ہے؛ اور تم سے پہلے نیکوکاروں کا قبض کرنا ہے۔اے اللہ! آل معاذ کو اس رحمت سے وافر نصیب عطا فرما۔"

ابھی شام نہیں ہوئی تھی کہ آپ کا سب سے پیارا بیٹا عبدالرحمن -جس کے نام پر آپ اپنی کنیت رکھتے تھے- زخمی ہوگیا۔ یہ بیٹا آپ کو تمام مخلوق سے بڑھ کر محبوب تھا۔ جب آپ مسجد سے واپس آئے تو اسے انتہائی تکلیف کی حالت میں دیکھا۔آپ نے پوچھا: اے عبدالرحمن! آپ کیسے ہیں؟ اس نے کہا: اے ابا جی! حق آپ کے رب کی طرف سے ہے' آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوجانا۔"[مراد یہ ہے کہ موت رب کی طرف سے آتی ہے؛ آپ صبر سے کام لینا]۔

تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:"ان شاء اللہ آپ مجھے بھی صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

پھر رات کو اس کی روح قبض ہوگئی؛ اور اگلے دن صبح دفن کر دیا گیا۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ خود بھی زخمی تھے۔آپ کو موت

---

[1] یہ واقعہ ابو عبید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب"الاموال ص ۱۸؛ بتحقیق محمد خلیل ھراس؛ پر نقل کیا ہے۔اس میں ہے:"حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ جو بستیاں بغیر جنگ کے فتح ہوئی ہیں؛ ان کی اراضی ہم میں تقسیم کردیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسے نہیں کروں گا؛ بلکہ اسے بیت المال میں روک کر رکھوں گا؛ تاکہ عام مسلمان ان سے مستفید ہوں۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس پر اصرار کیا کہ آپ اسے تقسیم کیجیے۔تو آپ نے دعا کی:" یا اللہ! میرے لیے بلال اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کافی ہو جا۔" اس پر ایک سال کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہا۔" شیخ خلیل علیہ السلام فرماتے ہیں:" ہم اس چیز کا سوچ بھی نہیں سکتے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے موت کی بد دعا کی ہو۔اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے؛ جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ فرمایا کرتے تھے:" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں؛ اور انہوں نے ہمارے سردار [یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ] کو آزاد کیا ہے۔لیکن ممکن ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ: اللہ تعالیٰ ان کے مابین اس جھگڑے کا حل نکال دے۔مزید دیکھیں:[أخبار عمر رضی اللہ عنہ؛ از علی و ناجی طنطاوی ص ۱۱۳] اس طرح حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے دور خلافت میں کیا۔پھر حضرت علی علیہ السلام نے بھی اس باغ کا انتظام اسی طریقے پر چلایا۔"[شرح نہج البلاغۃ: ۵/ ۱۰۷۔ الدرۃ النجفیۃ: ۳۳۱۔] جناب حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"اللہ کی قسم! اگر معاملہ میرے ہاتھ میں آجائے تو میں اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔"[شرح نہج البلاغۃ: ۱۶/ ۲۲۰ (ومن کتاب لہ الی عثمان بن حنیف الأنصاری)۔ الصوارم المھرقۃ ۲۴۳۔ مبر: ۷۵۔]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے وقت اتنی سخت تکلیف ہوئی کہ اتنی تکلیف کسی کو بھی نہ ہوئی ہوگی۔اور جب کبھی آپ کو تھوڑا افاقہ ہوتا تو آپ اپنی آنکھیں کھولتے اور فرماتے: اے میرے رب! اب مجھے موت دے دے؛ اے اللہ تیری عزت کی قسم! تو جانتا ہے کہ میرا دل تجھ سے محبت کرتا ہے۔'' [الحلیة ۱/ ۲۴۰]۔

ایسے ہی یہ قول:'' فُزْتُ وَ رَبِّ الْکَعْبَةِ ،''رب کعبہ کی قسم! میں نے اپنی مراد پالی۔'' یہ قول ایسے لوگوں نے بھی کہا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت ہی فروتر تھے۔ یہ جملہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس وقت کہا تھا جب آپ کو بئر معونہ کے موقع پر شہید کر دیا گیا۔ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ کے ساتھ نجد کی طرف بھیجا تھا۔

سیرت نگار علمائے کرام کا کہنا ہے کہ آپ کو جبار بن سلمی نے زخمی کیا تھا؛ یہ زخم آپ کے لیے کارگر ثابت ہوا۔ جب آپ کو ضرب لگی تو کہا: فزت واللہ ! اللہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا؛ تو جبار نے کہا: یہ کیا کہہ رہا ہے: اللہ کی قسم میں نے مراد پالی؟ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: روایت کیا گیا ہے کہ ملائکہ نے آپ کو دفن کیا تھا۔''

[مختصر السیرة لابن ھشام ۳/ ۱۹۶]۔

ایسے ہی جب شبیب الخارجی پر وار کیا گیا تو وہ کہنے لگا:''اے میرے رب! میں تیری طرف جلدی کر رہا ہوں تا کہ تو راضی ہوجائے۔''

میں اپنے ساتھیوں میں سے ایک آدمی کو جانتا ہوں جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو وہ کہنے لگا: اے میرے محبوب! میں تیری طرف آرہا ہوں۔ یہی کہتا رہا یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کرگئی۔اس طرح کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خوف؛ تو بخاری میں ہے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب نیزہ لگا تو درد سے کراہنے لگے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کو تسلی دے رہے تھے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

''امیر المومنین! کوئی فکر کی بات نہیں؛ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور آپ نے بہترین رفیق ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا۔ جب نبی کریم رضی اللہ عنہما کا آخری وقت آیا تو وہ آپ سے راضی تھے۔ پھر آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہے اور آخر وقت تک وہ بھی آپ سے خوش رہے۔ پھر آپ مسلمانوں کی صحبت میں رہے اور اگر آپ ان سے تشریف لے جائیں گے تو سب امت آپ سے راضی ہوگی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''آپ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحبت کا جو ذکر کیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر عظیم احسان ہے۔ میری یہ بے قراری تم اور تمہارے اصحاب کی وجہ سے ہے۔ اللہ کی قسم! اگر میرے پاس روئے زمین کی دولت ہوتی تو میں عذاب الٰہی کو دیکھنے سے قبل اسے فدیہ کے طور پر دے ڈالتا۔''[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب عمر بن الخطاب، (ح:۳۶۹۲)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ میں ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ابن عباس! دیکھو تو مجھ پر کون حملہ آور ہوا ہے؟ وہ تھوڑی دیر تک ادھر ادھر دیکھتے رہے، پھر انہوں نے کہا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے غلام نے آپ پر حملہ کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کیا اس کاریگر نے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جی ہاں! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو غارت کرے میں نے تو اس کو ایک مناسب بات بتائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری موت کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر نہیں کی جو اسلام کے پیرو ہونے کا دعویٰ کرتا ہو، بلاشبہ تم اور تمہارے والد ماجد اس بات کو پسند کرتے تھے کہ مدینہ منورہ میں غلام بہت ہو جائیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس سب سے زیادہ غلام تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم چاہو تو میں ایسا کروں؛ یعنی اگر چاہو تو میں ان کو قتل کر دوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: ''تو جھوٹ بولتا ہے کیونکہ جب وہ تمہاری زبان میں گفتگو کرنے لگے اور تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھنے لگے اور تمہاری طرح حج کرنے لگے، تو پھر تم ان کو قتل نہیں کر سکتے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر لے جایا گیا۔ لوگوں کے رنج والم کا یہ حال تھا کہ گویا ان کو اس دن سے پہلے کوئی مصیبت ہی نہ پہنچی تھی۔ کوئی کہتا فکر کی کچھ بات نہیں اچھے ہو جائیں گے۔ اور کوئی کہتا مجھے ان کی زندگی کی کوئی آس نہیں ہے۔ پھر چھواروں کا بھیگا ہوا پانی لایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکو نوش فرمایا، تو وہ ان کے پیٹ سے نکل گیا۔ اس کے بعد دودھ لایا گیا انہوں نے نوش فرمایا تو وہ بھی شکم مبارک سے نکل گیا۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ وہ اب زندہ نہ رہیں گے۔ پھر ہم سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں اور لوگ بھی آ رہے تھے۔ اکثر لوگ آپ کی تعریف کرنے لگے۔ پھر ایک جوان شخص آیا اس نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے خوشخبری ہو اس لیے کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور اسلام قبول کرنے میں تقدم حاصل ہوا جس کو آپ خود بھی جانتے ہیں۔ جب آپ خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے انصاف کیا اور آخر کار شہادت پائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ یہ سب باتیں مجھ پر برابر ہو جائیں نہ عذاب ہو نہ ثواب۔ جب وہ شخص لوٹا تو اس کا تہبند زمین پر لٹک رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ؛ چنانچہ وہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اے بھتیجے اپنا کپڑا اونچا کر کہ یہ بات کپڑے کو صاف رکھے گی اور اللہ تعالیٰ کو بھی پسند ہے۔''

پھر آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا: دیکھو مجھ پر لوگوں کا کتنا قرض ہے؟ لوگوں نے حساب لگایا۔ تو تقریبا چھیاسی ہزار قرضہ تھا۔ فرمایا: اگر اس قرض کی ادائیگی کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد کا مال کافی ہو تو انہی کے مال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے اسے ادا کرنا۔ وگرنہ پھر بنی عدی بن کعب سے مانگنا۔ اگر ان کا مال بھی ناکافی ہو تو قریش سے طلب کر لینا۔ اس کے سوا کسی اور سے قرض لے کر میرا قرض ادا نہ کرنا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں جاؤ اور کہو کہ عمر رضی اللہ عنہ آپ کو سلام کہتا ہے۔ امیر المومنین نہ کہنا کیونکہ اب میں امیر نہیں ہوں۔ اور کہنا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ سے اس بات کی اجازت مانگتا ہے کہ اسے اپنے دوستوں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے پہنچ کر سلام کے بعد اندر آنے کی اجازت چاہی (اجازت ملنے پر) اندر گئے تو ام المومنین رضی اللہ عنہا کو روتے ہوئے دیکھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سلام کہتے ہیں؛ اور اس بات کی اجازت چاہتے ہیں کہ اپنے دوستوں کے پاس دفن کئے جائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''اس جگہ کو میں نے اپنے لیے اٹھا رکھا تھا؛ مگر اب میں ان کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ واپس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اٹھاؤ؛ تو ایک شخص نے ان کو اپنے سہارے لگا کر بٹھا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ: کیا جواب لائے ہو؟

انہوں نے کہا کہ امیر المومنین وہی جو آپ چاہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دیدی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے میں کسی چیز کو اس سے زیادہ اہم خیال نہ کرتا تھا۔ پس جب میں مر جاؤں تو مجھے اٹھانا؛ اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کر کے کہنا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اجازت چاہتا ہے؛ اگر وہ اجازت دیدیں تو مجھے اندر لے جانا اور اگر وہ واپس کر دیں تو مجھ کو واپس مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔'' [صحیح بخاری: ح 914]۔

مذکورہ صدر حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے راضی ہے، اور آپ کے عدل و انصاف کا اقرار کر رہے ہیں۔ اور جب آپ کا انتقال ہوا تو گویا کہ تمام مسلمانوں کو ایسی مصیبت پہنچی جو کہ اس سے پہلے نہ پہنچی ہو۔ اس لیے کہ مسلمان آپ کی بہت زیادہ تعظیم کیا کرتے تھے۔

صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو وہ تمہیں چاہتے ہوں تم ان کے لیے دعا کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں، تمہارے بدترین حکام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور جو تم سے بغض رکھتے ہوں، جن پر تم لعنت بھیجتے ہو اور جو تم پر لعنت بھیجتے ہوں'' [صحیح مسلم ؛حدیث:١٨٥٥]۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں میں سے کسی نے قتل نہیں کیا؛ اس لیے کہ مسلمان تمام آپ پر راضی تھے۔ آپ کو قتل کرنے والا ایک کافر فارسی مجوسی تھا۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

باقی رہا عذاب الٰہی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خوف تو یہ ان کے کمال علم کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر: ۲۸)

''بندگان الٰہی میں سے اصحاب علم ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔''

حدیث میں آیا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ میں ہنڈیا کی طرح جوش پایا جاتا تھا۔ [1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورت نساء تلاوت کی۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے:

﴿فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِکَ عَلٰی ہٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا﴾ [النساء ٤١]۔

''پس کیا حال ہوگا جس وقت کہ ہر امت میں سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔''

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس کرو؛ [ٹھہر جاؤ]؛ اس وقت آپ کی آنکھیں اشکبار ہو رہی تھیں۔ [البخاري ٦/ ١٩٦]۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ﴾ [الأحقاف ٩]۔

''آپ فرما دیجئے! میں کوئی انوکھا پیغمبر نہیں نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔''

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تو آپ نے فرمایا: ''اللہ کا رسول ہونے کے باوجود مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا۔'' [2]

جامع الترمذی میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ اور میں وہ باتیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چرچراتا ہے اور چرچرانا اس کا حق ہے۔ اس میں چار انگلی کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں ہے کہ وہاں کوئی فرشتہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیشانی رکھ کر سجدہ ریز نہ ہو۔ اللہ کی قسم! اگر تم لوگ وہ کچھ جاننے لگو جو میں جانتا ہوں تو کم ہنستے اور

---

[1] سنن ابی داؤد۔ کتاب الصلاۃ، باب البکاء فی الصلاۃ (حدیث: ۹۰٤)، سنن نسائی (۱۲۱۵)

[2] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت، (حدیث: ۱۲٤۳، ۷۰۱۸)

یہ پوری حدیث اس طرح ہے: ''خارجہ بن زید بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ انصار کی ایک عورت ام علاء نے بیان کیا جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی کہ: ''مہاجرین نے انصار کی تقسیم کا قرعہ ڈالا؛ ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ آئے۔ ہم نے ان کو اپنے گھر میں اتارا اور ان کو بیماری لاحق ہوگئی جس میں وفات پائی اور نہلا کر کفن پہنائے گئے؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے کہا: ''اے ابوالسائب تم پر اللہ کی رحمت ہو تمہارے متعلق میری شہادت ہے کہ اللہ نے تمہیں معزز بنایا۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تمہیں کیسے پتہ چلا؟ میں نے کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، پھر کون ہے جس کو اللہ تعالیٰ معزز بنائے گا۔'' آپ نے فرمایا: ''ان پر موت آئی ہے واللہ میں اس کے لیے خیر کا امیدوار ہوں واللہ میں یقین کے ساتھ نہیں جانتا ہوں حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔'' ام علاء نے کہا کہ: ''واللہ میں نے اس کے بعد کسی کے متعلق کبھی بھی پاک ہونے کی شہادت نہیں دی۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

زیادہ روتے اور بستروں پر عورتوں سے لذت نہ حاصل کرتے؛ جنگلوں کی طرف نکل جاتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں نے تمنا کی کہ کاش! میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔'' [جامع ترمذی: ح198]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ○وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ﴾ [المؤمنون ٥٧-٥٩]

''یقیناً جولوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ یقیناً جولوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

''کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں اور خوف رکھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے صدیق کی بیٹی! نہیں؛ بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے نماز پڑھتے صدقہ دیتے اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان سے قبول نہ کیا جائے۔''

[جامع ترمذی٥/ ٣٢٧؛ ابن ماجه ٢/ ١٤٠٤]

❁ رہا رافضی کا قول کہ: یہ کافر کے اس قول کی طرح ہے کہ جب وہ کہے گا:

﴿یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ [النباء٤٠]

''میرے لیے کاش! میں مٹی ہو جاتا۔''

ایسے کہنا رافضی کی جہالت کی نشانی ہے۔ بیشک کافر بروز قیامت یہ کلمات اس وقت کہے گا جب اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی؛ اور نہ ہی اسے کوئی نیکی نفع دے گی۔ جب کہ دنیا میں اگر کوئی ایسی بات کہتا ہے تو دنیا دار العمل ہے؛ یہاں پر اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ایسے کہہ سکتا ہے' اور اس خوف پر اسے ثواب ملے گا۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے بھی ایسے کلمات کہے تھے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَالَتْ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا﴾ [مریم ٢٣]

''بولی کاش! میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بسری ہو جاتی۔''

یہ ایسے نہیں ہے جیسے قیامت والے دن موت کی تمنا کی جائے گی۔ اور اسے جہنمیوں کے قول کی طرح بھی قرار نہیں دیا جا سکتا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ کہیں گے:

﴿وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ﴾۔[الزخرف ٧٧]

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''اوروہ آواز لگائیں گے اے مالک تمہارے رب کو معاملہ ختم کر دینا چاہیے۔''

ایسے ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴾ [الزمر۴۷]

''اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو روئے زمین پر ہے اوراس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو، تو بھی بدترین سزا کے بدلے میں قیامت کے دن یہ سب کچھ دے دیں اوران کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوگا جس کا گمان بھی انہیں نہ ہوگا۔''

یہ معاملہ آخرت کے متعلق خبر کا تھا؛ جب توبہ کرنا یا ڈرنا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ جب کہ دنیا کی زندگی کا معاملہ مختلف ہے۔ ظاہر ہے کہ مومن کا دنیا میں اللہ سے ڈرنا ان اعمال میں سے ہے جن پر اللہ تعالیٰ ثواب سے نوازے گا۔ جو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے قیامت والے دن امن میں رکھیں گے۔ جوکوئی مؤمن کے دنیا میں اللہ سے ڈرنے کو کافر کے بروز آخرت اللہ سے خائف ہونے کے برابر کرتا ہے۔ وہ اسی انسان کی مانند ہے نور وظلمت اور دھوپ و سایہ؛ زندہ اور مردہ کو مساوی شمار کرتا ہے۔

جو شخص امارت وخلافت سے بہرہ ور ہو کر عدل وانصاف کی راہ پر گامزن رہے؛ اورلوگ اس کے عدل وانصاف کی گواہی بھی دیتے ہوں؛ مگراس کے باوصف اللہ سے ڈرتا ہو کہ مبادا وہ کسی پر ظلم کر چکا ہو۔ وہ اس شخص کی نسبت افضل ہے جس کی رعیت اسے ظالم تصور کرتی ہو اوراس کے باوجود وہ اپنے اعمال پر ناز کرتا ہو؛ اوراپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے امن میں سمجھتا ہو۔ حالانکہ یہ دونوں اہل جنت میں سے بھی ہوسکتے ہیں۔

خوارج جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے تھے' وہ اعتقاد رکھتے تھے کہ آپ ظالم ہیں' اس لیے قتل کیے جانے کے مستحق ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے اس نظریہ میں گمراہ اور غلطی پر تھے۔ مگراس کے باوجود وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعظیم کرتے تھے' آپ کی حسن سیرت کے معترف اورعدل وانصاف کے مداح تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عدل میں ضرب المثل تھے۔ حتی کہ کہا جاتا ہے: دونوں عمر کی سیرت۔ اس میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مثال بیان کی جاتی ہے اورانہیں برابر سمجھا جاتا ہے۔ یہ اہل علم محدثین جیسے امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا قول ہے۔ یا اس سے مراد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما لیے جاتے ہیں؛ جیسا کہ اہل لغت کا ایک گروہ مراد لیتا ہے۔ جیسے ابوعبید وغیرہ۔ ہر دو اعتبار سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس مثال میں شمار ہوتے ہیں۔

یہ بات بھی سبھی جانتے ہیں کہ کسی انسان کے اپنے نفس پر گواہی دینے سے زیادہ اہمیت اس کی رعیت کی اس کے لیے گواہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

شَهِيدًا﴾ [البقرة ۱۴۳]

''ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو جائیں۔''

صحیحین میں ہے نبی ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کا ذکر خیر کیا؛ آپ ﷺ نے فرمایا: ''واجب ہوگئی۔''

پھر ایک دوسرا جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی برائی بیان کی؛ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''واجب ہوگئی۔'' لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے اس کے متعلق بھی فرمایا: واجب ہوگئی اور دوسرے کے متعلق بھی فرمایا کہ: ''واجب ہوگئی'' اس سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

جس جنازہ کی تم نے تعریف بیان کی؛ اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ اور جس جنازہ کی تم نے برائی بیان کی؛ اس پر جہنم واجب ہوگئی؛ ''تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔''[1]

مسند میں ایک حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' قریب ہے کہ تم اہل جہنم میں سے اہل جنت کو پہچان لو۔'' لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''لوگوں کے اچھی تعریف کرنے اور برائی بیان کرنے سے۔''[2]

یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رعایا مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رعیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رعیت سے بہت افضل تھی۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رعیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رعیت کا ایک جزء اور حصہ تھی۔ یہ تمام لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف؛ زہد و ورع؛ اور سیاست کی تعریف کرتے؛ اور آپ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور پوری امت صدیاں گزرنے کے باوجود آپ کے زہد و تقوی اور عدل و انصاف کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ اور کسی ایک کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کوئی آپ کے عدل و انصاف پر طعن کرتا ہو۔

رافضی بھی اس پر طعن نہیں کرتے۔ بلکہ جب انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کیا؛ تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کو گناہ شمار کرنا شروع کر دیا۔ اور پھر ان چیزوں کی تلاش میں لگ گئے جن کو یہ اپنے تئیں ظلم سمجھتے تھے؛ مگر انہیں کوئی ظلم نہ مل سکا۔

جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اہل سنت والجماعت بھرپور محبت کرتے اور آپ سے دوستی رکھتے ہیں۔ اور گواہی دیتے ہیں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین میں سے تھے۔ لیکن آپ کی آدھی رعایا آپ کے عادل ہونے پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ خوارج آپ کی تکفیر کرتے ہیں۔ خوارج کے علاوہ دوسرے لوگ اہل بیت اور غیر اہل بیت آپ سے انصاف نہ ملنے کی شکایت کرتے ہیں۔ شیعان عثمان کہتے ہیں کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ظلم کرنے والوں میں

---

[1] صحیح بخاری: ۲/ ۹۷؛ مسلم ۲/ ۶۵۶۔

[2] مسند أحمد ۳/ ۴۱۶؛ وابن ماجة ۲/ ۱۴۱۱۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

سے ایک ہیں۔

خلاصہ کلام کہ! جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف کو ظہور و پذیرائی حاصل ہوئی؛ اس طرح آپ کے عدل وانصاف کے ساتھ نہ ہوسکا؛ بلکہ اس کے قریب بھی نہیں پہنچ سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اقارب میں سے کسی ایک کو بھی ولایت نہیں سونپی۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اقارب کو ولایت سونپی؛ جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اقارب کو ولایت سونپی تھی۔ مگر اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوف محسوس کررہے ہیں کہ کہیں ان سے کسی پر ظلم نہ ہوگیا ہو۔ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑے عادل اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے۔ یہ بات دلیل ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے باوجود کہ آپ کی رعیت آپ سے راضی تھی؛ پھر بھی آپ کو خوف تھا کہیں کوئی ظلم نہ ہوگیا ہو۔ اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رعیت آپ سے شاکی تھی؛ اور آپ اپنی رعیت سے شاکی تھے؛ اور ان کے ظلم بیان کرتے تھے۔ اور ان پر بددعا کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ فرمایا کرتے تھے: میں ان سے نفرت کرتے ہوں' اور یہ مجھ سے بغض رکھتے ہیں۔ اور پھر آپ نے اپنے شیعہ پر بددعا کی:

''اے اللہ! میں ان سے ملول ہوگیا ہوں' تو انہیں مجھ سے ملول کردے۔ اے اللہ! مجھے ان کے بدلے میں بہتر ساتھی عطا فرما؛ اور میرے بدلے ان کو برا حکمران عطا فرما۔''

''تو اب جان جان لینا چاہیے کہ کون سا فریق امن کا زیادہ حق دار ہے؛ اگر تم کچھ جانتے ہو؟[1]

فصل:......وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مؤقف

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: اصحابِ کتب ستہ نے اپنی اسناد سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا:''قلم دوات لاؤ کہ میں تمھیں کچھ لکھ دوں، جس کی موجودگی میں تم میرے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کے حواس بجا نہیں ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ جب شوروغل بپا ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہاں سے چلے جاؤ نبی کے پاس شوروغل زیب نہیں دیتا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا مصیبت

---

[1] امام جعفر صادق کے والد فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے فرمایا: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نعش پر پردہ ڈالا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کہا:''اللہ تجھ پر اپنی رحمت نازل کرے۔'' [مسند احمد (۵/ ۱۷۳)] یہ صحیح ترین روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت نے حضرت عمر فاروق کی نعش کا احاطہ کرلیا اور آپ کے لیے دعائے خیر کرنے لگے۔ اتنے میں ایک شخص نے اچانک آ کر میرا کندھا تھام لیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے حضرت عمر کے لیے رحم کی دعا فرمائی اور کہا:'' اے عمر تو نے اپنے پیچھے کوئی آدمی نہیں چھوڑا جس کے اعمال کو لے کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا مجھے تجھ سے عزیز تر ہو۔'' یہ روایت بھی بہت صحیح ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں: صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (ح:۳۶۷۷۔۳۶۸۵) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ۔ باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ (ح:۲۳۸۹)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

تو یہ ہے کہ نبی کریم کو لکھوانے کا موقع نہ مل سکا۔'' جب نبی کریم ﷺ کا انتقال ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ فوت نہیں ہوئے اور نہ ہی فوت ہوں گے یہاں تک کہ آپ لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیں۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا اور یہ آیت پڑھی: ﴿اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ﴾۔[الزمر ۳۰] ''بیشک آپ بھی مرنے والے ہیں اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾۔[آل عمران ۱۴۴] ''اگر آپ کا انتقال ہو جائے' یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے۔''

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سن کر کہا گویا میں نے قبل ازیں یہ آیت نہیں سنی تھی۔'' [انتہی کلام الرافضی]

جواب: ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم و فضل صحابہ میں مسلم تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرا کوئی صحابی اس ضمن میں آپ کا ہم سر نہ تھا۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

''اُمَمِ سابقہ میں کچھ لوگ مُلہم ہوا کرتے تھے۔ میری امت میں اگر کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہے۔'' ❶

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ماضی کی امتیں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ان میں کچھ لوگ مُلہم ہوا کرتے تھے۔ بیشک میری امت میں اگر کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہے۔''

اور امام بخاری ہی نے ایک دوسری روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

''بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو اللہ تعالیٰ شرف مکالمہ سے مشرف فرماتے تھے۔ میری امت میں اگر کوئی ایسا شخص ہوا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ ❷

سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے:

''حالت خواب میں مجھے دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا گیا میں نے خوب سیر ہو کر پیا یہاں تک کہ سیری کا اثر میرے ناخنوں میں ظاہر ہونے لگا جو دودھ بچ گیا وہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ صحابہ نے دریافت کیا۔ پھر آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر فرمائی؟ فرمایا:'' دودھ سے علم مراد ہے۔'' ❸

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:'' میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو میرے روبرو پیش کیا جا رہا ہے؛ یہ لوگ قمیص پہنے آئے تھے۔ بعض لوگوں کی قمیص چھاتی تک آتی تھی اور بعض کی کم و بیش۔ اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ دامن کشاں گزرے صحابہ نے پوچھا پھر آپ نے اس سے کیا مراد لیا؟ تو فرمایا:'' دین۔'' ❹

❶ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل عمر بن الخطاب (حدیث:۲۳۹۸)۔

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ۔ باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (ح:۳۶۸۹)

❸ صحیح بخاری، حوالہ سابق(حدیث:۳۶۸۱)، صحیح مسلم۔ حوالہ سابق، (حدیث:۳۶۹۱)۔

❹ صحیح بخاری حوالہ سابق(حدیث:۳۶۹۱)، صحیح مسلم، حوالہ سابق (حدیث: ۲۳۹۰)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے تین اقوال منشائے ایزدی کے موافق نکلے:

۱۔ مقام ابراہیم کے بارے میں۔

۲۔ پردہ سے متعلق۔

۳۔ بدر کے قیدیوں کے بارے میں۔ ❶

صحیح بخاری میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے اپنے پرودگار سے تین باتوں میں موافقت کی (ایک مرتبہ) میں نے کہا کہ یارسول اللہ! کاش، ہم مقام ابراہیم کو مصلی بناتے، پس اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾۔[البقرۃ ۱۲۵]

''مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو۔''

اور حجاب کی آیت بھی میری خواہش کے مطابق نازل ہوئی۔ کیونکہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش آپ اپنی بیویوں کو پردہ کرنے کا حکم دیں، اس لیے کہ ان سے ہر نیک و بد گفتگو کرتا ہے۔ پس حجاب کی آیت نازل ہوئی۔ اور ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپ پر نسوانی جوش میں آکر جمع ہوئیں، تو میں نے ان سے کہا کہ اگر تم باز نہ آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو طلاق دے دیں گے، تو عنقریب آپ کا پروردگار تم سے اچھی بیویاں آپ کو بدلے میں دے گا، جو مسلمان ہوں گی، تب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ﴾۔[التحریم ۵]

''اگر وہ (پیغمبر) تمہیں طلاق دے دیں تو بہت جلد انہیں ان کا رب تمہارے بدلے تم سے بہتر بیویاں عنایت فرمائے گا۔'' ❷

واقعۂ قرطاس:

قرطاس کا واقعہ ❸ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا لکھنا چاہتے تھے؛ دوسرے مقام پر اس کی مکمل وضاحت ہے۔ بخاری و مسلم میں بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تفصیلاً مذکور ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ نے بیماری کی حالت میں فرمایا: پنے باپ اور بھائی کو بلاؤ کہ میں کچھ لکھ دوں۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد بعض لوگ یہ کہیں کہ میں امامت و خلافت کے لیے زیادہ موزوں ہوں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور

❶ ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت صرف صحیح مسلم (حدیث:۲۳۹۹) میں ہے۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی القبلۃ (حدیث:۴۰۲)، میں اساری بدر کی جگہ دوسری بات کا ذکر ہے۔

❷ صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر ۳۹۳۔

❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ (ح:۴۴۳۲)، صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ترک الوصیۃ، لمن لیس لہ شی (ح:۱۶۳۷)، من حدیث عبدا اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اہل ایمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے۔ ❶

صحیح بخاری میں قاسم بن محمد سے روایت ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''ہائے میرا سر!'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ''اگر یہ واقعہ میری زندگی میں پیش آیا تو میں آپ کے حق میں دعائے مغفرت کروں گا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مقام افسوس ہے اللہ کی قسم! آپ چاہتے ہیں کہ میں مرجاؤں۔ اگر میں مرگئی تو آپ اسی روز اور شادی کرلیں گے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے سر میں تکلیف ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کو بلا کر ایک عہد نامہ تحریر کرنا چاہتا ہوں۔ مبادا کوئی خلافت کا حریص اٹھ کھڑا ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان ایسا نہیں چاہتے۔'' ❷

صحیح مسلم میں ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ اگر آپ کسی کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتے تو کسے مقرر کرتے؟ آپ نے جواباً فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ کو، پھر پوچھا گیا، ان کے بعد کس کو؟'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو'' پھر پوچھا گیا ان کے بعد کس کو؟ کہا ''ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو۔'' ❸

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ آپ یہ حکم شدت مرض کی وجہ سے دے رہے ہیں یا حسب معمول (بقائمی ہوش وحواس) صحیح حالت میں یہ بات فرما رہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام بیمار پڑ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ مرض اور نبوت و رسالت کے مابین کوئی منافات نہیں۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شک میں مبتلا تھے اور جزم و وثوق سے یہ بات نہیں فرما رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شک میں مبتلا ہو سکتے ہیں کیوں کہ نبی کے سوا کوئی شخص معصوم نہیں۔ بنابریں وہ اس بات کو جائز سمجھتے تھے کہ آپ شدت بخار کی وجہ سے یہ گفتگو فرما رہے ہوں۔ اس لیے کہ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے۔ آپ کو پتہ نہ چل سکا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام شدت مرض کی وجہ سے ہے جیسا کہ مریض کے ساتھ حالت مرض میں ہوتا ہے؛ یا آپ کا عام عرف کے مطابق کلام تھا جس کی اطاعت کرنی واجب تھی۔ ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی شک پر مبنی تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ دلیل و برہان سے آپ کی وفات ثابت ہوگئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ عہد نامہ لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے جس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہو چکا تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ اب لوگ شک میں مبتلا ہو گئے ہیں تو آپ نے سوچا کہ اب یہ عہد نامہ لکھنے سے بھی شک کا ازالہ نہ ہوگا۔ لہٰذا اب اس کے لکھنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ حسب ارادہ ان کو کسی شخصیت پر جمع کردیں گے جس کا اظہار آپ نے ان الفاظ میں کیا: ''وَیَابَی اللّٰہُ

❶ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق (حدیث:۲۳۸۷)۔

❷ صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب ما رخص للمریض ان یقول انی وجع، (حدیث:۵٦٦٦)۔

❸ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل ابی بکر الصدیق، (حدیث:۲۳۸۵)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَکْرٍ“ ❶

”اللہ تعالیٰ اور مؤمنین انکار کرتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی خلیفہ ہو۔“

حدیث قرطاس کی مزید توضیح:

حضرت ابن عباس کا قول کہ: ”مصیبت اس انسان کے لیے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد لکھنے میں حائل ہوا۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ عہد نامہ کا نہ لکھنا ان لوگوں کے لیے باعث مصیبت ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شک کرتے ہیں؛ یا ان پر یہ امر مشتبہ ہے اگر آپ عہد نامہ لکھوا دیتے تو شک کا ازالہ ہو جاتا۔ جن کے نزدیک آپ کی خلافت برحق ہے ان کے نزدیک عدم کتابت سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ وللہ الحمد۔

بخلاف ازیں جن لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا عہد لکھنے والے تھے وہ علماء اہل سنت و شیعہ ہر دو کے نزدیک بالاتفاق گمراہ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل الامت تھے۔ لہٰذا آپ کی موجودگی میں دوسرا کوئی شخص خلیفہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ شیعہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا حق دار خیال کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبل ازیں ایک نص جلی کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر چکے تھے، لہٰذا عہد نامہ لکھنے کی مطلقاً ضرورت نہ تھی۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب (بقول شیعہ) امت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور و معروف (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے متعلق) نص کو چھپانے کی مرتکب ہو چکی تھی۔ [اس کا جواب یہ ہے کہ اگر واقعی ایسا ہی تھا] تو پھر وہ اس عہد نامہ کو بھی بڑی آسانی سے چھپا سکتے تھے جس میں حاضرین کی تعداد بے حد قلیل تھی۔

نیز یہ کہ لوگوں کے شک کی بنا پر آپ عہد نامہ کو تاوفات کیوں کر ملتوی کر سکتے تھے؟ نیز عہد نامہ میں جو کچھ آپ لکھنا چاہتے تھے اگر وہ کوئی واجب الاظہار بات ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہر کیف اسے لکھوا کر رہتے اور کسی شک کرنے والے کے قول کو بھی لائق التفات قرار نہ دیتے۔ اس لیے کہ تمام خلق سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جاتی تھی۔ جب آپ نے کتابت ترک کر دی تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ دین کی کوئی ضروری بات نہ تھی۔ اور نہ ہی کوئی ایسی بات تھی جس کا لکھنا واجب ہوتا۔ اس لیے کہ اگر کوئی واجب چیز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ضرور تحریر کروا دیتے۔

اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کوئی معاملہ مشتبہ ہو گیا تھا؛ اور پھر واضح ہو گیا؛ یا آپ کو بعض امور میں شک ہوا تھا؛ تو پھر بھی یہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا جو ایسے معاملات میں فتویٰ دے یا فیصلہ کرے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دوسرا فتویٰ دے چکے ہوں۔

[[ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فتویٰ کے خلاف فیصلہ صادر کر سکتے ہیں تو کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے غلطی کا صدور نہیں ہو سکتا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے شنیع تر ہے، اس

❶ صحیح مسلم ـ کتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل ابی بکر الصدیق (حدیث:۲۳۸۷)۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ شک میں مبتلا ہوئے تھے اور علی رضی اللہ عنہ نے پورے جزم و یقین کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حکم صادر کیا تھا]]

یہ دونوں فعل ایسی اجتہادی خطا سے تعلق رکھتے ہیں جو اللہ کے ہاں قابل عفو و درگزر ہے۔ مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ ایک حاملہ عورت کے بارے میں جس کا خاوند فوت ہو چکا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دیا تھا کہ اس کی عدت اَبْعد الاجلین ہے۔ [1] حالانکہ اس ضمن میں صحیحین میں ثابت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ: ابو سنابل بن بعکک نے سبیعہ اسلمیہ کے بارے میں یہ فتوی دیا ہے؛ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابو سنابل نے جھوٹ بولا۔ تم اب جس سے چاہو نکاح کرلو۔'' سُبَیعہ کی روایت بالکل صحیح ہے۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتوی کو رد کیا ہے۔ اس لیے کہ ابو سنابل اہل اجتہاد میں سے نہ تھا' اور نہ ہی اس کے لیے یہ مناسب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی فتوی دیتا۔

حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اگرچہ اس کا فتوی دیا ہے۔ مگر یہ آپ کا اجتہادی فیصلہ تھا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما تک نہ پہنچ سکی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں اہل اجتہاد کے سارے اجتہادات کا معاملہ اسی طرح ہے۔ جب وہ اجتہاد کر کے کوئی فیصلہ کریں' یا فتوی دیں' یا کسی چیز کا حکم دیں؛ اور سنت نبویہ اس کے خلاف ہو؛ اور انہیں سنت کا علم نہ ہو سکا ہو تو وہ اپنے اجتہاد پر ثواب کے مستحق ہیں۔ وہ حسب استطاعت اپنے اجتہاد میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت گزار ہیں۔ اور اس پر بھی ان کے لیے اجر ہے۔ اور ان میں سے جنہوں نے اجتہاد کیا اور حق کو بھی پہنچ گئے تو ان کے لیے دوہرا اجر ہے۔

لوگوں کا اس میں اختلاف ہے۔ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر اجتہاد کرنے والا حق پر ہے؟ یا ان میں سے حق کو کوئی ایک ہی پا سکتا ہے؟ اس میں فیصلہ کن بات یہ ہے کہ: اگر حق پانے سے مراد اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے تو پھر ہر متقی اور خوفِ الٰہی رکھنے والا مجتہد حق پانے والا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے بڑھ کر مکلّف نہیں ٹھہراتے۔ اب یہ مجتہد اس معاملہ میں حق تک رسائی سے عاجز آ گیا ہے' لہٰذا اس سے امر ساقط ہے۔ اور اگر حق پانے والے سے مراد اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مراد تک رسائی اور اس کی معرفت ہے: تو پھر ان میں سے حق پانے والا کوئی ایک ہی ہو

---

[1] سنن کبری بیہقی (۷/ ۴۳۰)، کتاب الام للشافعی (۷/ ۱۷۳)۔

[2] البخاری (ح: ۵۳۱۸)، مسلم (ح: ۱۴۸۵)۔ اس واقعہ کا اختصار یہ ہے کہ: یہ سبیعہ عورت سعد بن خولہ کے نکاح میں تھی؛ ان کی وفات حج الوداع میں ہوگئی؛ وفات کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد وضع حمل ہوگیا؛ پس جب وہ نفاس سے فارغ ہوگئی تو اس نے پیغام نکاح دینے والوں کے لیے بناؤ سنگار کیا؛ تو ابو السنابل بن بعکک اس کے پاس آیا؛......اللہ کی قسم تو اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتی جب تک تجھ پر چار ماہ دس دن نہ گزر جائیں ...... یہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتوی دیا کہ وضع حمل ہوتے ہی آزاد ہو چکی ہوں اور مجھے نکاح کا حکم دیا۔'' [اختصرہ دراوی]

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

سکتا ہے۔اس لیے کہ اس معاملہ میں حق تو صرف ایک ہی ہوسکتا ہے۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے قبلہ کا رخ متعین کرنے میں دو اجتہاد کرنے والوں کی ۔ جب ان میں سے ہر ایک کسی ایک سمت کو قبلہ مان لے ۔تو ان میں سے ہر ایک کا مقصد اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے ۔ اور جس طرف کو بھی قبلہ سمجھ کر وہ نماز پڑھ لیں گے تو ان سے نماز کا فریضہ ساقط ہوجائے گا۔ لیکن ان میں سے جس نے قبلہ کا صحیح تعین کیا وہ ایک ہی ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے کہ وہ کسی کو معرفت حق اور اس پر عمل کرنے کی توفیق اور قدرت سے نواز دے۔ ایسے انسان کا اجر بھی بہت زیادہ ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''فرمایا طاقتور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے بہتر اور پسندیدہ ہے؛ اور ان میں سے ہر ایک میں خیر ہے۔'' [مسلم]

ایسے ہی جس عورت کے ساتھ مہر مقرر کیے بغیر نکاح کیا جائے اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا تھا کہ خاوند کی موت کی صورت میں عورت کا مہر ساقط ہو جاتا ہے [1] حالانکہ بروَع بنت واشق نامی عورت کے بارے میں نبی ﷺ نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے وہ مہر دیا جائے گا جو ان کے خاندان میں عام طور سے رائج ہے۔ [2]

ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لانے کا ارادہ کیا تھا۔ جب نبی کریم ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا تو یہ ارادہ ترک کردیا۔ [3]

ایسے ہی جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تہجد کی نماز پڑھنے کا کہا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقدیر سے احتجاج کیا۔ جب آپ نے فرمایا: کیا تم تہجد نہیں پڑھتے ؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بیشک ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں ۔ جب اللہ تعالیٰ کا ہمیں جگانے کا ارادہ ہوتا ہے تو ہم جاگ جاتے ہیں ۔تو نبی کریم ﷺ پیٹھ پھیر کر چلے گئے اور آپ اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے فرما رہے تھے:''انسان بہت زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے۔''

اس قسم کے اور بھی واقعات ہیں۔ ایسے واقعات جب مبنی بر اجتہاد ہوں تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ یا دیگر اہل علم کی شان میں کچھ قدح وارد نہیں ہوتی۔ خصوصاً جب کہ وہ حق کی طرف رجوع بھی کرلیں۔تو ایسے ہی اس طرح کے واقعات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی موجب ِقدح نہیں ہوسکتے۔ جبکہ آپ نے حق واضح ہونے کے بعد اس کی طرف رجوع بھی کرلیا ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جن امور سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رجوع کرنا ضروری تھا وہ ان امور کی نسبت تعداد میں بہت زیادہ ہیں جن سے رجوع کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ناگزیر تھا۔ اس کے باوصف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکثر امور سے

---

[1] مصنف عبد الرزاق، (۱۱۷۳۷)، (۱۱۷۳۸)، سنن کبری بیهقی (۷/ ۲۴۷)، سنن سعید بن منصور (۹۲۰)

[2] سنن ابی داؤد ، کتاب النکاح ، باب فیمن تزوج و لم یسم لها صداقا" (حدیث: (۲۱۱۴ ، ۲۱۱۶)، سنن ترمذی، (۱۱۴۵)، سنن نسائی (۳۳۵۴)، سنن ابن ماجه (۱۸۹۱)۔

[3] البخاری، باب ذکر اصهار النبی ﷺ (ح:۳۷۲۹)، مسلم ؛ باب من فضائل فاطمة ، (ح:۲۴۴۹)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رجوع کر لیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رجوع صرف بعض امور سے ثابت ہے۔

جن امور سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رجوع کیا ان میں ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا بھی شامل ہے، جہاں تک دیگر مسائل کا تعلق ہے، مثلاً یہ مسئلہ کہ حاملہ عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت **اَبْعَدُ الْاَجَلَیْن** ہے، نیز یہ مسئلہ جس عورت کا مہر مقرر نہ ہوا اور اس کا خاوند فوت ہو جائے تو اسے مہر نہیں دیا جائے گا۔ علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے اور بیوی کہے کہ میں طلاق کی بجائے خاوند کے گھر میں آباد رہنا چاہتی ہوں تو اس کے باوجود عورت مطلقہ ہو جائے گی۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو اختیار دیا تھا اور ان پر طلاق واقعہ نہ ہوئی۔ [1] حضرت علی رضی اللہ عنہ تادم موت ان مسائل پر قائم رہے اور ان سے رجوع نہ کیا۔

جن مسائل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رجوع کرنا ثابت نہیں وہ کثیر التعداد ہیں، امام شافعی نے اس قسم کے مسائل اپنی کتاب ''اختلاف علی وعبداللہ'' میں اور محمد بن نصر المروزی نے کتاب ''رفع الیدین فی الصلوۃ'' میں ذکر کیے ہیں۔ اس قسم کے اکثر مسائل ان کتب میں مذکور ہیں جن میں باسند یا بے سند اقوال صحابہ بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً مصنف عبدالرزاق، سنن سعید بن منصور، مصنف وکیع، مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ، سنن الاثرم، مسائل حرب، عبداللہ بن احمد، صالح، کتاب ابن المنذر، ابن جریر الطبری، ابن نصر اور ابن حزم و دیگر مصنفین رحمہم اللہ۔

فصل:...... فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور فدک کے متعلق مؤقف

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فدک کی بابت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بات چیت کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں ایک کاغذ لکھ کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔ جب وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں سے لوٹیں تو راستہ میں عمر (رضی اللہ عنہ) ملے اور وہ کاغذ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے لے کر جلا ڈالا۔ اس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں بددعا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابولؤلؤ نے عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ آپ نے حدود اللہ کو معطل کر دیا؛ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر حد نہیں لگائی۔ ازواج مطہرات کو اس سے زیادہ مال دیا کرتے تھے جس قدر عطا کرنا ضروری تھا، عائشہ وحفصہ کو سالانہ دس ہزار درہم دیا کرتے تھے۔ شراب پینے والے کو ملک بدر کر کے شرعی حکم کی خلاف ورزی کیا کرتے تھے۔ آپ کو شرعی احکام کا علم بہت ہی کم تھا۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: ہم کہتے ہیں: اللہ کی قسم! یہ روافض کا بدترین خودساختہ جھوٹ ہے؛ اس کے جھوٹ ہونے میں کوئی بھی عالم شک نہیں کر سکتا۔ یہ روایت کسی بھی عالم نے ذکر نہیں کیا۔ نہ ہی اس روایت کی کوئی معروف سند ہے؛ نہ ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدک کسی کو لکھ کر دیا؛ نہ ہی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور نہ ہی کسی دوسرے کو۔ اور نہ ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عمر رضی اللہ عنہ پر بددعا کی۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب من خیر ازواجه (حدیث:٥٢٦٢)، صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب بیان ان تخییره لامرته لا یکون طلاقاً، (حدیث: ١٤٧٧)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نیز جو کچھ ابولؤلؤ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا؛ وہ آپ کے حق میں کرامت ہے۔ ❶

لیکن یہ اس سے بڑھ کر ہے جو ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا؛ اور جو کچھ قاتلان حسین رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ کیا۔ اس لیے کہ ابولؤلؤ کافر تھا اس نے ایک مؤمن کو قتل کیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کفار اہل ایمان کو قتل کرتے ہیں۔ یہ شہادت ہے جو اس شہادت سے کہیں بڑھ کر ہے جس میں کوئی مسلمان کسی مسلمان کو قتل کر دے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابو لؤلؤ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تقریباً ساڑھے بارہ سال کے بعد قتل کیا۔ تو پھر یہ کیسے پتہ چلا کیا آپ کا قتل اس بددعا کا نتیجہ تھا جو اتنا لمبا عرصہ پہلے ہو چکی تھی۔ جب کوئی کسی مسلمان کے لیے بددعا کرے کہ اسے کوئی کافر قتل کر دے' تو حقیقت میں یہ اس پر بددعا نہیں ہوتی؛ بلکہ اس کے حق میں نیک دعا ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں سے کسی ایک کے لیے بھی ایسی ہی دعا کیا کرتے تھے؛ آپ فرمایا کرتے تھے: ''یا اللہ! فلاں کی مغفرت کر دے۔'' تو صحابہ کرام کہتے: اے کاش یہ فائدہ ہمیں حاصل ہوا ہوتا۔ اس لیے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان الفاظ میں دعا کیا کرتے تو وہ کچھ عرصہ میں ہی شہید ہو جاتا۔ ❷

اب اگر کوئی یہ کہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل صفین اور خوارج پر ظلم کیا؛ انہوں نے حضرت پر بددعا کی؛ ان ملجم نے جو کچھ کیا وہ اسی بددعا کا نتیجہ تھا؛ تو معقول ہونے کے لحاظ سے یہ قول پہلے قول سے کچھ بعید نہ ہوگا۔ اور ایسے ہی اگر یہ کہا جائے کہ آل سفیان بن حرب نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ پر بددعا کی تھی؛ اسی کے نتیجہ میں آپ کو شہید کر دیا گیا۔

فدک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کوئی غرض نہ تھی۔ نہ ہی آپ نے اس میں سے کچھ اپنی ذات کے لیے لیا؛ اور نہ ہی اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کے لیے کچھ لیا۔ اور نہ ہی اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے محروم رکھنے میں انہیں کوئی فائدہ تھا۔ بلکہ آپ اہل بیت کو عطیات سے نوازنے میں باقی تمام لوگوں پر مقدم رکھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ

❶ اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر اپنی رحمت نازل فرمائے، وہ اس بات پر اظہار حیرت کر رہے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مجوسی کے ہاتھوں شہید ہونا بھی شیعہ کے نزدیک ایک جرم ہے، انھیں کیا معلوم تھا کہ شیعہ سیدنا عمر کے قاتل مجوسی کو بابا شجاع الدین کہہ کر پکاریں گے۔ شیعہ کے مشہور شیخ احمد بن اسحاق احوص نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اظہار مسرت کرنے کے لیے اس مجوسی کے اعزاز میں جشن کا ایک دن مقرر کیا اور اس کا نام ''عید بابا شجاع الدین'' رکھا۔ فاروق اعظم کے یوم شہادت کو "عید اکبر" "و یوم التسلیۃ" اور "یوم المفاخرہ" کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔

❷ البخاری 5/ 130؛ کتاب المغازی؛ باب غزوۃ خیبر۔ 9/ 7-8؛ کتاب الدیات؛ باب إذا قتل نفسہ خطأ فلادیۃ لہ۔ مسلم کتاب الجہاد والسیر باب غزوۃ خیبر۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے......تو جماعت میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے عامر کاش تم اپنے اشعار سناتے وہ سواری سے اتر پڑے اور حدی پڑھنے لگے،...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ تو عرض کیا: ''میں عامر ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ کا رب آپ پر رحم کرے۔'' کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے لیے بطور خاص مغفرت کی دعا کرتے تو وہ شہید ہو جاتا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کاش اس عامر سے آپ ہمیں اور فائدہ پہنچاتے۔......اس روایت میں ہے: حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو اپنی ہی تلوار سے زخم لگ گیا جس کے کی تکلیف سے وفات پا گئے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جب عطیات دینے کے لیے رجسٹر تیار کیا گیا؛ تو اس میں لوگوں کے نام لکھے گئے۔ لوگوں نے کہا: ہم آپ کے نام سے شروع کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں؛ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب سے شروع کرو۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کا نام اسی جگہ پر لکھا گیا جس مقام سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا۔ آپ نے بنو ہاشم سے نام لکھنے شروع کیے؛ پھر ان کے ساتھ بنو عبدالمطلب ملائے گئے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''بیشک بنو ہاشم اور بنو مطلب دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ یہ نہ ہی ہم سے جاہلیت میں جدا ہوئے اور نہ ہی اسلام میں۔''

لہٰذا اس رجسٹر میں عباس؛ علی اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کو پہلے درجہ میں رکھا گیا۔ اور ان کے لیے ان کے ہم پلہ باقی تمام قبائل کے لوگوں سے بڑھ کر وظیفہ مقرر کیا۔ آپ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے عبد اللہ پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ اس پر آپ کے بیٹے کو غصہ بھی آیا اور انہوں نے کہا: آپ مجھ پر اسامہ بن زید کو ترجیح دے رہے ہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ تجھ سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھا۔ اور اس کا باپ تیرے باپ سے بڑھ کر محبوب تھا۔''

تمام سیرت و سوانح نگار علماء کرام رحمہم اللہ کے ہاں مشہور ہے کہ آپ بنی ہاشم کو باقی تمام لوگوں پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ اس میں کوئی دو انسان اختلاف نہیں کر سکتے۔ جس انسان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داروں کے ساتھ یہ سلوک ہو؛ تو کیا اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرے۔ اور پھر جنتی عورتوں کی سردار دختر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنے سے معمولی مال کے لیے ظلم کرتا؛ اور انہیں تکلیف دیتا جب ان کے بیٹوں کو اس مال سے کئی گنا بڑھ چڑھ کر دے رہا ہے۔ اور ان لوگوں کو بھی دیتا ہے جن کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی دور کا تعلق ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی نوازتا ہے۔

پھر یہ بھی ایک عادت چلتی آرہی ہے کہ ملک و ریاست کے طلب گار عورتوں کے ساتھ تعرض نہیں کرتے۔ بلکہ ان کا ہر لحاظ سے اکرام کرتے ہیں؛ اس لیے کہ خواتین اقتدار کی اہل نہیں ہیں۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ مردوں کو تو عطیات سے نوازا جائے مگر عورت کو اس کے حق سے محروم رکھا جائے۔ حالانکہ اس کو محروم رکھنے میں اصل میں کوئی دینی یا دنیاوی غرض نہ ہو۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور شرعی حدود میں سہل انگاری کا الزام:

[اعتراض]: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرعی حدود کو معطل کر دیا تھا اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر حد قائم نہ کی۔''

[جواب] : جمہور علماء نے اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حق بجانب قرار دیا ہے۔ جب شہادت کا نصاب کامل نہ ہو تو حد مجرم کی بجائے گواہوں پر لگائی جائے گی۔ جن حضرات نے اس کے علاوہ کوئی دوسری بات کہی ہے؛ ان کا بھی اس

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ مسئلہ اجتہادی تھا۔اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہوا تھا آپ نے قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص نہ لیکر شرعی حدود کو معطل کیا تھا۔اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ قدح وارد نہیں ہوسکتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بدرجہ اولی کوئی قدح نہیں کی جاسکتی۔

جو کچھ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا؛ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ایسا کیا گیا تھا؛ اورصحابہ نے اس کی تائید کی تھی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے اور انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی تھی۔اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تین گواہوں پر حد قذف لگائی جاچکی تھی تو ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے از سر نو پھر کہنا شروع کیا کہ اللہ کی قسم! مغیرہ نے زنا کیا ہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پر حد قذف لگانے کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی بجائے اب مغیرہ رضی اللہ عنہ کو رجم کرنا چاہیے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ایک گواہ ہیں،اور قبل ازیں شہادت دے چکے ہیں۔اب ان کی تکرار شہادت چوتھے گواہ کے قائم مقام ہے، بایں طور چار گواہ پورے ہو گئے لہٰذا رجم واجب ہے۔لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر حد نہ لگائی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر رضا مند تھے کہ ان پر پہلی بار حد لگائی جائے ؛ دوسری بار نہیں ؛ ورنہ آپ پہلی بار بھی اس سے ایسے ہی منع کر سکتے تھے جیسے دوسری بار منع کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لوگ آتے اور آپ سے مراجعہ وتکرار کرتے اور کتاب وسنت سے دلائل پیش کرتے۔ پس عمر رضی اللہ عنہ [جب دیکھتے کہ حق ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ہے تو] اپنے قول سے رجوع کرتے۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی طرح بھی کتاب اللہ سے آگے بڑھنے والے نہیں تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر آئے اور اپنے بھتیجے حر بن قیس بن حصن کے ہاں اترے۔اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قریب رکھتے تھے۔اور قراء خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس کے مشیر ہوتے تھے۔عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: اے بھتیجے! کیا امیر المومنین کے یہاں تیری رسائی ہے؟ تو میرے لیے اجازت لے سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ عنقریب تمہارے لیے اجازت لوں گا۔''

ابن عباس کا بیان ہے: انہوں نے عیینہ کے لیے اجازت لی، جب وہ اندر آئے تو کہا کہ: اے ابن خطاب! اللہ کی قسم! تم ہمیں نہ تو زیادہ مال دیتے ہو اور نہ ہمارے ساتھ عدل کے ساتھ فیصلہ کرتے ہو۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان پر غصہ آ گیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ الجھ پڑیں،تو حر نے کہا: ''امیر المومنین! اللہ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾ [الأعراف ۱۹۹]

''معافی کو قبول کریں اور نیکیوں کا حکم دیں اور جاہلوں سے درگزر کیجیے۔'' یہ شخص جہلاء میں سے ہے۔

اللہ کی قسم! جونہی یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پڑھی انہوں نے اس آیت کے خلاف نہیں کیا، اور کتاب

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اللہ کے پاس بہت زیادہ رکنے والے تھے (یعنی بہت زیادہ عمل کرنے والے تھے)۔''❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ آپ کو حدود شریعت میں کسی ملامت گر کی ملامت کی کوئی پرواہ نہ ہوتی۔ اپنے بیٹے پر شراب کی حد لگائی۔ واقعہ یہ تھا کہ ان کا بیٹا مصر میں شراب نوشی کا مرتکب ہوا، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے چپکے سے گھر میں ہی اس پر حد لگا دی۔ حالانکہ باقی لوگوں پر علانیہ حد لگائی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انھوں نے عمرو بن عاص کو ڈانٹا؛ اس لیے کہ انہوں نے آپ کے بیٹے سے بے جا محبت کا ثبوت دیا تھا؛ اور اپنے بیٹے کو مدینہ بلا کر دوبارہ حد لگائی۔ جب حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے انہیں بھی ڈانٹ دیا۔ اور بعض روایات میں جو کہا گیا ہے کہ آپ نے مرنے کے بعد اپنے بیٹے کو کوڑے لگائے یہ آپ پر جھوٹا الزام ہے۔ اور میت کو سزا دینا ہرگز جائز نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق شرعی حدود قائم کرنے کی خبریں تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ آپ شرعی حدود میں کسی کی ملامت کی پروا نہ کرتے تھے۔ یہ واقعات اتنی کثرت کیساتھ ہیں کہ ان کا یہاں پر ذکر کرنا دشوار ہے۔

اور پھر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کونسی غرض ہوسکتی تھی کہ ان پر حد قائم نہ کرتے۔ جب کہ آپ کے عدل و انصاف کے بارے میں مشہور ہے؛ اور آپ راہ حق سے ادھر ادھر نہ ہوا کرتے تھے۔

فصل:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے عطیات

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''عمر رضی اللہ عنہ ازواج مطہرات کو اس سے زیادہ مال دیا کرتے تھے جس قدر عطا کرنا ضروری تھا، عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما کو سالانہ دس ہزار درہم دیا کرتے تھے۔''

[جواب]: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو آپ نسبتاً کم دیا کرتے تھے۔ اس لیے کہ آپ ان کی بیٹی تھیں۔ جیسا کہ اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کم دیا کرتے تھے۔ یہ عدل و انصاف میں آپ کے کمال احتیاط؛ خوف الٰہی؛ اور اپنے نفس کو خواہشات سے روک کر رکھنے کی علامت ہے۔ عطیہ جات دینے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فضیلت کے مسلک پر عمل پیرا تھے۔ آپ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو باقی خواتین کی نسبت بڑھ چڑھ کر دیا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ بنی ہاشم کو آل ابی طالب اور آل عباس کو بھی سب سے پہلے دیتے اور سب سے زیادہ دیتے۔ جب کسی انسان کی فضیلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ثابت ہوجاتا تو آپ اس کے استحقاق اور اسلام میں سبقت کی وجہ سے اسے زیادہ نوازا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:''اس مال کے حق دار ہونے میں سب لوگ مساوی ہیں۔ البتہ ہر شخص کی اپنی اپنی ضروریات ہوتی ہیں۔ پھر اسلام کی راہ میں صعوبات اٹھانے اور سبقت اسلام کا بھی لحاظ ہے۔ اور لوگوں کو اسلام میں سبقت بھی حاصل

❶ البخاری فی موضعین 6/60 کتاب التفسیر سورۃ الاعراف 9/94 کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے۔آپ کسی ایسے آدمی کو نہیں دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ پر تہمت آئے کہ آپ اپنے اہل قرابت یا دوست واحباب کو زیادہ نوازتے ہیں۔بلکہ آپ اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کم دیا کرتے تھے۔اللہ کی قسم! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کی رورعایت یا الفت ومحبت کی اساس پر کسی کو زیادہ عطیہ جات دینے سے متہم نہ تھے۔آپ جن لوگوں کو ترجیح دیتے تو اس کا سبب بھی محض دینی ہوا کرتا تھا۔اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی تمام گھروں پر ترجیح دیا کرتے تھے۔

یہ آپ کی سیرت کا ایسا روشن پہلو ہے جس پر آپ کے بعد نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عمل ہوسکا؛ اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے؛ اور نہ ہی ان دونوں سے ہٹ کر کسی اور سے۔اگر آپ پر اس لحاظ سے جرح وقدح کی جاسکتی ہے کہ آپ ازواج مطہرات کو زیادہ دیا کرتے تھے تو پھر یہ اعتراض بھی ہونا چاہیے تھا کہ آپ اہل بیت کے مردوں کو بھی فضیلت دیا کرتے تھے؛ اور انہیں باقی لوگوں پر ترجیح دیتے اور مقدم رکھتے تھے۔

[حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ملک بدری کی سزا پر عمل]

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''عمر شراب پینے والے کو ملک بدر کر کے شرعی حکم کی خلاف ورزی کیا کرتے تھے۔''

[جواب]: بیشک شرعی حکم کی خلاف ورزی وہاں ہوتی ہے جہاں اللہ کے حکم کا الٹ کیا جائے؛ یا اللہ تعالیٰ کے واجب کردہ امور کو ساقط قرار دیا جائے؛ یا پھر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھا جاتا ہو۔جب کہ شراب نوشی کی حد میں جلاوطنی کا حکم تعزیری ہے جو کہ حاکم کی صواب دید پر موقوف ہے[اس میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے]۔اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے والے کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی؛ ان ہی اس کی مقدار مقرر ہے اور نہ ہی طریقہ کار۔ بلکہ اس میں لاٹھی اور جوتے سے مارنا بھی جائز ہے۔اور کپڑے کے کونے اور کھجور کی ٹہنی سے بھی مارا جاسکتا ہے۔جب کہ زنا اور بہتان تراشی کی سزا میں کوڑے سے مارا جائے گا۔

جبکہ تعداد کے لحاظ سے صحابہ سے شراب کی حد کی بابت چالیس اور اسّی کوڑے مارنے کی روایات ملتی ہیں۔صحیحین میں ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ان دونوں پر عمل کر سکتے ہیں اور یہ دونوں سنت ہیں۔

اس میں علماء کرام کے دو قول ہیں۔بعض علماء کا قول ہے کہ چالیس سے زیادہ کوڑے مارنا واجب ہے۔امام ابوحنیفہ اور مالک رحمہما اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: شراب نوشی کی سزا اصل میں تعزیر ہے۔حاکم وقت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اس سے زیادہ سزا دے یا پھر اسے ترک کردے۔یہ مصلحت پر مبنی ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چالیس پر اضافہ کرنا حاکم کی مرضی پر منحصر ہے۔یہی مسلک زیادہ ظاہر ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ شراب پینے والے کا سر منڈوا کر جلا وطن کر دیا کرتے تھے۔ایسا کرنا بھی تعزیر کے باب میں سے ہی تھا۔حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جو شخص چوتھی مرتبہ شراب پئے اس کو قتل کر دو۔[1]

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب اذا تتابع فی شرب الخمر(ح: ٤٤٨٢) الترمذی، کتاب الحدود، باب من شرب الخمر فاجلدوه، (ح: ١٤٤٤)، ابن ماجة، کتاب الحدود۔ باب من شرب الخمر مراراً، (ح: ٢٥٧٢)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس بات پر علماء کرام کے مابین اختلاف ہے کہ آیا قتل کا حکم منسوخ ہو چکا ہے یا ہنوز باقی ہے؟ جب بھی حاکم وقت اس کی ضرورت محسوس کرے تو وہ ایسا کرسکتا ہے۔ اس میں تین اقوال ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ چالیس سے زیادہ کوڑے لگایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: ''اگر کسی شخص پر حد لگائی جائے اور وہ مرجائے تو مجھے اس کا کچھ افسوس نہیں البتہ اگر شراب پینے والا حد لگانے سے مرجائے تو میں اس کی دیت ادا کروں گا؛ کیوں کہ یہ حد ہم نے اپنی رائے سے مقرر کی ہے۔''[1] یہ روایت امام شافعی نے ذکر کی ہے۔ اور اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ حاکم اپنے اجتہاد کی بنا پر تعزیر میں اضافہ کرنے کا مجاز ہے۔ پھر اس کی بنیاد ایک دوسرے مسئلہ پر ہے؛ وہ مسئلہ ہے کہ: جس پر حد یا تعزیر قائم کی جائے اور پھر وہ مرجائے تو کیا اس کی دیت ادا کی جائے گی یا نہیں؟ اس پر علماء کرام رحمہم اللہ کا اتفاق ہے کہ طے شدہ واجب حد اگر موت کا سبب بن جائے تو اس پر کوئی دیت نہیں؛ اس لیے کہ اسے پورا کرنا واجب تھا۔ جیسا کہ قصاص۔ اور غیر طے شدہ جیسے تعزیر اور میاں کا بیوی کو سزا دینا؛ اور سوار کا چوپائے کو چابک لگانا؛ اور بچے کو تأدیب دینے والے کی سزا؛ اس میں تین اقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ کسی بھی حال میں اس پر دیت نہیں آئے گی۔ اس لیے کہ اس کے لیے سزا دینا مباح تھا۔ یہ امام احمد اور امام مالک کا قول ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ: اس پر غیر واجب مباح میں دیت واجب ہوگی۔ اس لیے کہ اسے سزا ترک کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ غیر مقدر میں دیت ادا کرے گا۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اس لیے کہ غیر مقدر سے ظاہر ہوتا ہے کہ تلف ہونے کی صورت میں دیت ادا کرے گا۔

فصل: ......حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حاملہ کو سنگسار کرنے کا حکم: اعتراض اور ردّ

[اعتراض]: شیعہ لکھتا ہے: ''عمر رضی اللہ عنہ شرعی احکام سے نابلد تھے۔ ایک حاملہ عورت کو جب سنگسار کرنے کا حکم دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے روکا اور فرمایا: ''اگر تمہیں اس عورت کو سزا دینے کا حق و اختیار حاصل ہے لیکن اس کے جنین پر تمہارا کوئی اختیار نہیں۔ تو آپ سزا دینے سے رک گئے؛ اور فرمایا: ''اگر علی نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہوجاتا۔''

[جواب]: ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ واقعہ درست ہے تو ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے حاملہ ہونے کا علم نہ ہو۔ کیوں کہ ایسے امور میں اصل عدم علم ہے۔ اور جب حاکم کو کسی قتل کا رجم کی مستحق عورت کے قتل ہونے کا علم نہ ہو؛ اور بعض لوگ اس کے حال کو جانتے ہوں؛ تو یہ بھی ان جملہ غیبی امور میں سے شمار ہوگا جس کی خبر لوگوں کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اور یہی اسی جنس سے ہے جیسے گواہ کسی غائبانہ بات کی گواہی دیتے ہیں۔ ایسا ہوتا بھی ضروری ہے؛ ایسا انبیاء کرام یا ائمہ کے ساتھ بھی پیش آسکتا ہے۔ اسی لیے اس کا شمار کلیہ شرعیہ میں نہیں ہوتا۔

[1] سنن ابی داؤد، حوالہ سابق (ح:٤٤٨٦)، سنن ابن ماجة۔ کتاب الحدود، باب حد السکران (ح:٢٥٦٩)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

* اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ کو یہ حکم یاد نہ رہا ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یاد دلا دیا تو آپ کو یاد آ گیا؛ تو آپ حد نافذ کرنے سے رک گئے۔ اس لیے کہ اگر آپ کی رائے یہ ہوتی کہ حاملہ کو رجم کیا جا سکتا ہے تو آپ اسے رجم کر دیتے۔ اور اس بارے میں کسی کی رائے کی کوئی پرواہ نہ کرتے۔ اس سے قبل غامدیہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی سنت موجود بھی تھی؛ غامدیہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ: وہ زنا سے حامل ہے [لہٰذا اس پر شرعی حد قائم کر کے اسے گناہ سے پاک کیا جائے]۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ یہاں تک کہ بچہ پیدا ہو جائے۔'' [اس کے بعد حد قائم ہوگی]۔ [مسلم ۳/ ۱۳۲۳]۔

* اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ مسئلہ آپ پر مخفی رہ گیا تھا؛ مگر بعد میں ظاہر ہو گیا؛ تو ایسے معاملات کی بنا پر ائمہ ہدایت کو ہدف طعن و ملامت بنانا کہاں تک قرین انصاف ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں اور اہل ذمہ کی سیاست کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ آپ لوگوں کے حقوق ادا کرتے' اور شرعی حدود قائم کرتے؛ اور تمام لوگوں کے مابین فیصلے کیا کرتے۔ آپ کے دور میں اسلام خوب پھیلا۔ اور اسلام کو وہ غلبہ اور شوکت نصیب ہوئی جو اس سے پہلے نہ ہوئی تھی۔ آپ ہمیشہ فیصلے کرتے اور فتوی دیتے۔ اگر آپ کے پاس وافر علم نہ ہوتا تو ہرگز ایسا نہ کر سکتے۔ پھر جب آپ پر لاکھوں مسائل میں سے کوئی ایک مسئلہ مخفی رہ جائے' اور پھر جب واضح ہو جائے یا آپ کو یاد دلانے سے یاد آ جائے تو اس میں عیب کی کون سی بات ہے؟ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس سے کئی گنا مسائل مخفی رہے۔ ان میں سے کتنے ہی مسائل ایسے ہیں جن کا مرتے دم تک آپ کو علم نہ ہو سکا۔

آپ کے علم و عدل اور بچوں کے ساتھ کمال رحمت کا واقعہ سنیے!

* آپ بچوں کے لیے اس وقت تک وظیفہ مقرر نہیں کرتے تھے جب تک کہ وہ دودھ چھوڑ نہ دے۔ آپ فرمایا کرتے تھے اس کے لیے دودھ ہی کافی ہے۔'' پھر آپ نے ایک عورت کو سنا جو کہ اپنے بچے سے قبل از وقت دودھ چھڑانا چاہتی تھی تا کہ اس کے لیے وظیفہ مقرر کیا جائے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے لوگوں میں منادی کرا دی: ''بیشک امیر المؤمنین نے دودھ پیتے اور دودھ چھٹے بچے کے لیے وظیفہ مقرر کرنے کا اعلان کیا ہے۔''

[اس واقعہ پر غور کیجیے اور اندازہ لگائیے]: بچے کو تکلیف دینا اس کی ماں کی طرف سے تھا؛ اس میں امیر المؤمنین کا کوئی دخل نہیں تھا۔ لیکن آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ دودھ پیتے بچوں کے لیے بھی وظیفہ مقرر کر دیا جائے تا کہ لوگ اپنے بچوں کو ایذا نہ دیں۔ یہ مسلمانوں کی اولاد کے ساتھ آپ کا احسان تھا۔

---

[1] آپ کے اجتہاد کا یہ حال ہے کہ جنگ جمل و صفین میں نوے ہزار انسان کو تہ تیغ کر دیا اس کے مقابلے میں حضرت عمر کا قصور صرف یہ تھا کہ آپ نے حاملہ کو سنگسار کرنے کا حکم دے کر ایک ولد الحرام کو قتل کرنا چاہا تھا اور وہ ابھی قتل نہیں کیا گیا تھا اس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جرم آپ کے مقابلے میں عظیم تر تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ جہاں تک ممکن ہو سکے کہ سزا صرف مجرم سے تجاوز نہ کرے تو ایسا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اگر مجرم کی سزا ترک کرنے میں بڑا فساد ہو اور اس کو بھی سزا مل رہی ہے جس کا کوئی جرم نہیں ہے ؛ تو اس صورت میں بڑے فساد کو ختم کرتے ہوئے چھوٹے فساد پر عمل کر لیا جائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف پر منجنیق سے سنگ باری کی۔ حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ منجنیق سے سنگ باری کا نشانہ بچے اور عورتیں بھی بنتے تھے۔

صحیحین میں صعب بن جثامہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حربی مشرکوں کے بارے میں دریافت کیا کہ ان پر شبخون مارا جاتا ہے تو ان کی عورتیں بچے بھی قتل ہو جاتے ہیں تو آپ نے جواب دیا: ''وہ بھی انہیں میں سے ہیں۔'' [صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 270]

اگر کوئی حامل عورت لوگوں کی معصوم جانوں اور اموال پر حملہ آور ہو؛ اور انہیں نقصان پہنچائے ؛ اور اس کے قتل کیے بغیر اس سے لوگوں کی حفاظت ممکن نہ ہو؛ تو پھر اسے قتل کر دیا جائے گا بھلے اس کا حمل بھی اس کے ساتھ ہی قتل ہو جائے۔

اگر یہ بات مان لی جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حد قائم کرنے کا حکم بھی اسی باب اور خیال سے تھا؛ یہاں تک کہ آپ کے لیے واضح ہو گیا کہ یہ عورت ایسی نہیں ہے؛ تو پھر بھی یہ جنگ جمل و صفین کے فساد سے بڑھ کر نہ تھا۔ ان جنگوں میں کئی اقسام کے بڑے بڑے فساد ظاہر ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد اور غور و فکر کے باوجود یہ خیال نہ کر سکے تھے کہ معاملہ یہاں تک پہنچے گا۔ اگر آپ کو پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو آپ کبھی بھی ایسا نہ کرتے ؛ جیسا کہ آخری زندگی میں آپ خود فرمایا کرتے تھے۔

پاگل لڑکی کو سنگسار کرنے کا حکم :

[اعتراض] : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''عمر نے ایک مجنون عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجنون مرفوع القلم ہوتا ہے، یہاں تک کہ ہوش میں آئے ، یہ سن کر اس سے عمر باز آ گئے اور کہا اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔''

[جواب]: ہم کہتے ہیں کہ '' لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَكَ عُمَرُ '' کا اضافہ معروف نہیں ہے۔ پاگل لڑکی کو رجم کرنے کا حکم دو احتمال سے خالی نہیں :

۱۔ آپ کو اس لڑکی کے پاگل ہونے کا علم نہیں تھا۔ تو اس سے آپ کے شرعی احکام کا عالم ہونے پر طعن نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ آپ کو یہ حکم بھول گیا تھا؛ پھر جب یاد دلایا گیا تو آپ کو یاد آ گیا۔

یا کسی کا یہ بھی خیال ہوسکتا ہے کہ شرعی سزائیں دنیا میں ضرر سے بچنے کے لیے تجویز کی گئی ہیں ۔ اور جب مجنون دوسرے مجانین یا عقلاء پر ظلم و تعدی کا ارتکاب کر رہا ہو؛ تو اس کے شر سے بچنے کے لیے اسے سزا دی جاسکتی ہے۔ زنا بھی ایک قسم کی سرکشی اور عداوت ہے۔ اس پر سزا دی جانی چاہیے؛ حتی کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ اللہ کی قائم کردہ حدیں ہیں ؛ جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہ صرف مکلّف پر ہی قائم کی جاسکتی ہیں۔

شریعت میں بچوں کے نماز ترک کرنے پر ان کے لیے سزا موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب لڑکا سات سال کا ہوجائے تو اسکو نماز پڑھنے کی تاکید کرو اور جب دس سال کا ہوجائے تو نماز نہ پڑھنے پر اسکو مارو؛ اور ان کے بستر علیحدہ کردو۔'' [1]

ایسے ہی مجنون اگر دوسرے لوگوں پر حملہ کرتا ہو؛ اور اس کے قتل کیے بغیر اس کے حملوں سے دفاع ممکن نہ ہو' تو اسے قتل کیا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی اگر چوپایہ بھی لوگوں پر حملہ کرتا ہو' اور اس کو مارے بغیر جان محفوظ کرنا ممکن نہ ہو تو اسے مارا جاسکتا ہے۔ اور اگر یہ حیوان کسی کی ہی ملکیت ہو تو اس کے مارنے والے پر مالک کے لیے کوئی تاوان نہیں۔ یہ جمہور علماء امام مالک؛ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مارنے والا مالک کو تاوان ادا کرے گا؛ اس لیے کہ اس نے مصلحت کے تحت قتل کیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے [کوئی جانور] لڑائی میں مارا جائے [تو اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا]۔ جب کہ جمہور کہتے ہیں: لڑائی میں انسان اسے اپنی وجہ سے مارتا ہے' جانور کی تعدی کی وجہ سے نہیں مارتا۔ جب کہ اس موقعہ پر جانور کی تعدی کی وجہ سے اسے مارا گیا ہے؛ [اس میں اپنی کسی غرض کا دخل نہیں]۔

خلاصہ کلام! غیر مکلّف جیسے: بچہ' پاگل اور جانور کو اس کی ضرر سے بچنے کے لیے قتل کرنا بالاتفاق نصوص کی روشنی میں جائز ہے۔ ہاں بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے: جنگ؛ شب خون مارنا؛ منجنیق وغیرہ سے حملہ کرنا؛ اور ان کے حملوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے انہیں قتل کرنا۔

وہ حدیث جس میں آتا ہے: ''تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس سے یہ کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ ان پر حد قائم نہیں کی جاسکتی۔ اِلا یہ کہ اس کے لیے ایک اور مقدمہ قائم کیا جائے؛ یہ کہا جائے کہ: ''جس کے اعمال لکھے نہیں جاتے؛ یعنی جو مرفوع القلم ہے؛ اس پر کوئی حد بھی نہیں ہے۔ اس مقدمہ میں ایک الجھاؤ ہے۔ وہ یہ کہ: کبھی کبھار مرفوع القلم کو بھی سزا دی جاتی ہے۔ اور کبھی سزا نہیں دی جاتی۔ ان دونوں صورتوں کے مابین فرق کرنے کے لیے انتہائی خفی علم کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی مجنوں کسی عورت کے ساتھ زبردستی کرنا چاہے؛ اور اس کو قتل کیے بغیر اس سے نجات حاصل کرنا ممکن نہ ہو' تو اس کے لیے اس پاگل کو قتل کرنا جائز ہے۔ بلکہ اہل علم کے اجماع اور سنت کی روشنی میں اس عورت پر ایسا کرنا لازم ہوجاتا ہے۔ اگر بعض مجتہدین کا یہ اعتقاد ہو کہ زنا کرنا بھی زیادتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عدوان سے تعبیر کیا ہے' فرمایا:

﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ [المؤمنون۷]

''جو اس کے سوا کچھ اور چاہیں وہی حد سے تجاوز کر جانے والے ہیں۔''

---

[1] سنن ابوداد: ح491؛ 1/193؛ کتابِ الصلاۃ بابِ متی یؤمر الغلام بِالصلاۃِ، المسند ط۔ المعارِف 10/217؛ وانظر تعلِیق المحقِقِ رحِمہ اللہ علی الحدِیثِ، وقولہ: إسنادہ صحِیح وما ذکرہ مِن أن الحدِیث فِی: المستدرکِ 1/197۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پس اس حکم کی روشنی میں مجنون کو قتل کیا جائے گا؛ تاکہ اس پر واضح ہو جائے کہ یہ اللہ کی مقرر کردہ حد ہے۔ اور یہ حد اسی وقت قائم ہو سکتی ہے جب مجرم کو اس فعل کے حرام ہونے کا علم ہو۔ مجنوں کو تو حلت و حرمت کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ [یہ کہنے والے پر اس کا] یہ قول اتنا برا وہی سمجھے گا؛ جس سے اس خود کسی دوسرے پر اس سے بھی قبیح حرکت ہوئی ہو۔''

اگر کوئی کہنے والا کہے کہ: مسلمانوں کو قتال کرنا ان کے لیے سزا ہے۔ اور یہ سزا اس وقت تک نہیں دی جا سکتی جب تک انہیں حرام یا واجب ہونے کا علم نہ ہو۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے برسر پیکار تھے؛ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا بھی کوئی گناہ ہے۔ تو پھر جس چیز کو وہ گناہ نہیں سمجھتے تھے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان سے جنگ کرنا جائز نہ تھا۔ اگرچہ وہ غلطی پر تھے؛ تاہم زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے انہوں نے واجب اطاعت کو ترک کر دیا تھا۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ یا بہت سارے لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت و متابعت ان پر واجب ہے۔ وہ ایسے شبہات اور تاویلات کا شکار تھے جو کہ اس اطاعت کے واجب ہونے کے علم میں رکاوٹ تھے۔ تو پھر ایسے انسان کو معصوم الدم ہونے کے باوجود قتل کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے جو یہ جانتا ہی نہ ہو کہ اس نے کوئی واجب ترک کیا ہے؟ یا اس نے کسی حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے؟ اگر یہ تمام امور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت میں باعث طعن و قدح نہیں ہو سکتے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایسے معمولی امور ان کی خلافت و امامت میں سببِ قدح کیسے ہو سکتے ہیں؟

خاص کر یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ترکِ واجب پر قتال اس وقت مشروع ہوتا ہے جب قتال کی وجہ سے پیدا ہونے والی خرابی اس ترکِ واجب کی خرابی سے کم تر ہو۔ اور قتال کرنے کی مصلحت اس کے ترک کرنے کی مصلحت سے بڑھ کر ہو۔ جب کہ معاملہ ایسا نہیں تھا۔ اس لیے کہ اس قتال سے مطلوب اطاعت حاصل نہ ہو سکی۔ بلکہ اس وجہ سے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیادہ نافرمانی کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کی جماعت سے خوارج کا پورا لشکر آپ کی نافرمانی کرتے ہوئے نکل گیا۔ اور بہت سارے آپ کے لشکر کے کمانڈر ہی آپ سے لڑنے لگے۔ ان میں سے اکثر لوگ آپ کی مطلق اطاعت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس قتال سے پہلے وہ قتال کے بعد کی بہ نسبت زیادہ فرمانبردار و اطاعت گزار تھے۔

- اگر یہ کہا جائے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں مجتہد تھے؛ اور آپ کا خیال تھا کہ شاید اس قتال سے لوگ آپ کی اطاعت میں داخل ہو جائیں گے۔
- تو اس کا جواب یہ ہے کہ: جب ایسا اجتہاد قابل مغفرت و بخشش ہو سکتا ہے؛ حالانکہ اس اجتہاد کی وجہ سے ہزاروں مسلمان قتل ہوئے؛ خرابی و فساد ہی پیدا ہوا؛ کوئی اصلاح یا خیر کا کام نہ ہو سکا۔ تو پھر کیا ایک آدمی کے قتل کے بارے میں اجتہاد قابل مغفرت نہیں ہو سکتا جب کہ اس ایک آدمی کو قتل کرنے کی وجہ سے مصلحت بھی حاصل ہوتی ہو؛ اور لوگوں کو بے حیائی و برائی کے کاموں سے روکنے کے لیے زجر و تنبیہ کا سامان بھی ہو رہا ہو؟ حالانکہ آپ نے پھر اس آدمی کو قتل بھی نہیں کیا؛ صرف قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا؛ بعد میں اسے چھوڑ دیا گیا۔

حکمران یا ولی امر کو احکام حدود کی جزئیات کی معرفت کی بہ نسبت عام سیاست کے کلی احکام کی معرفت کی ضرورت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہیں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ بات مخفی نہ تھی کہ مجنون مکلّف نہیں ہوتا۔ لیکن اشکال یہ تھا کہ کیا: غیر مکلّف کو فساد ختم کرنے کے لیے سزا دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یہی شک وشبہ کا مقام تھا۔

بیشک شریعت میں کئی ایک مواقع پر فساد کے ختم کرنے کے لیے غیر مکلّف کو سزا دینے کا جواز موجود ہے۔ اور لوگوں کی مصلحتوں کے پیش نظر عقل کا بھی تقاضا ہے کہ ایسا ہونا چاہیے۔ وہ لڑکا جسے حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا؛ اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ جس وقت قتل کیا گیا' اس وقت تک بلوغ کی عمر کو نہیں پہنچا تھا۔ لیکن اسے قتل اس لیے کیا گیا کہ اس کی بداعمالیوں سے اس کے والدین کو نجات دلائی جائے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا﴾ [الكهف ٨٠]

''یہ انہیں اپنی سرکشی اور کفر سے عاجز و پریشان نہ کردے۔'']]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ سونے والے سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہوجائے۔ مجنوں سے یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہوجائے۔ بچہ پر سے یہاں تک کہ بڑا (بالغ) ہوجائے۔''[1]

اس حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ان پر کوئی تاوان یا ضمان نہیں۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اگر یہ تین اقسام کے لوگ کسی جان کو ضائع کردیں؛ یا کسی کا مال ضائع کردیں تو ان پر تاوان ہوگا۔ جہاں تک سزا ختم ہونے کا تعلق ہے؛ یعنی ان میں سے اگر کوئی ایک زنا کرے؛ یا چوری کرے یا رہزنی کرے۔ تو اس کے بارے میں علیحدہ دلیل سے علم حاصل ہوگا؛ اس حدیث سے نہیں۔

اسی وجہ سے علماء کرام رحمہم اللہ کا اتفاق ہے پاگل اور چھوٹا بچہ جنہیں کوتمیز نہ ہو؛ ان پر بدنی عبادات نہیں ہیں۔ جیسے نماز روزہ اور حج۔ اور ان کے اموال میں حقوق جیسے: ان کے اخراجات؛ خرید وفروخت کے واجب ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ البتہ زکواۃ کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور علماء کی ایک جماعت رحمہم اللہ کا خیال ہے کہ اس پر نماز کی طرح زکواۃ بھی واجب نہیں۔ جب کہ جمہور علماء کرام رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ زکواۃ اور مالی حقوق جیسے عشر؛ صدقۃ الفطر وغیرہ واجب ہیں۔ امام مالک؛ امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔ اور یہ جمہور صحابہ کا قول بھی ہے۔

پس جب غیر مکلّف کے بارے میں واجبات کا اشتباہ ہے کہ کیا اس کے مال میں بعض مالی حقوق واجب ہوتے ہیں یا نہیں؟ تو یہی معاملہ بعض عقوبات کا بھی ہے۔ اس میں بھی اشتباہ ہے کہ کیا غیر مکلّف پر بعض عقوبات لاگو ہوسکتی ہیں یا نہیں؟ اس لیے کہ واجبات میں سے بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو بالاتفاق اس غیر مکلّف کے ذمہ پر ہوتی ہیں۔ اور بعض کے بارے میں شبہ ہے کہ کیا یہ بھی واجب حقوق کی طرح ہیں یا نہیں؟

ایسے ہی عقوبات کا مسئلہ بھی ہے۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جن پر کوئی عقوبت نہیں ہے؛ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

[1] سنن ابوداؤد: جلد سوم: ح 1007

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

جیسے کہ اسلام کی وجہ سے قتل کرنا۔ پاگل کو اسلام قبول نہ کرنے پر قتل نہیں کیا جاسکتا۔اور بعض چیزوں میں غیر مکلّف کے لیے بھی عقوبت وسزا موجود ہے ؛ جیسے کہ اس کا لوگوں پر حملہ آور ہونا؛[جان و مال میں لوگوں کو نقصان پہنچانا وغیرہ]۔اور بعض امور ایسے ہیں جن کے بارے میں شبہ ہے۔اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ غیر مکلّف بچہ جو کہ امتیاز کرسکتا ہوُا سے فحاشی کا کام کرنے پر انتہائی سخت سزا دی جائے گی۔یہی حال مجنون کا ہے ؛ اسے اس کے بعض افعال پر سزا دی جائے گی تا کہ وہ آئندہ کے لیے ڈر جائے۔ یہ امور شریعت میں معلوم شدہ ہیں۔لیکن ان کا شمار ان ظاہری امور میں نہیں ہوتا جن کا علم مخفی رہ جانے پر کسی کو طعنہ زنی کا نشانہ بنایا جائے؛حتی کہ وہ اس کا علم حاصل کرلے۔

مزید برآں اکثر مجانین یا بہت سارے مجانین کو بعض احوال میں افاقہ حاصل ہوتا ہے‘ اوراس وقت ان کی عقل کام کر رہی ہوتی ہے۔تو شاید اس عورت کے متعلق بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی خیال ہو کہ اس نے افاقہ اور عقل کے وقت زنا کیا ہوگا۔اس لیے کہ لفظ مجنون اس کے لیے بھی بولا جاتا ہے ؛ جس پر پاگل پن کا مکمل غلبہ ہو؛ اوراس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جو جسے ہلکا پھلکا پاگل پن ہو؛[یا پھر جسے کبھی پاگل پن کا دورہ ہوتا ہواور کبھی افاقہ ہوجاتا ہو]۔

خلاصہ کلام ! رافضی مصنف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا دیگر اصحاب کے بارے میں جو مطاعن ذکر کیے ہیں ؛ ان کا مرجع دو چیزیں ہیں:

ا۔علم کا نقص ۲۔دین کا نقص

ابھی ہم انہیں ہی چیزوں کا تذکرہ کررہے تھے۔شیعہ مصنف نے جتنے بھی امور ذکر کیے ہیں ؛ جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے میراث کا روکنا؛ اپنے احباب واقارب کو نوازنا؛ حدود شریعت کا خاتمہ؛ اوران کے علاوہ جتنے بھی امور ہیں‘ ان کا مرجع یہ ہے کہ آپ [یعنی حضرت عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم]عادل نہیں تھے۔ بلکہ آپ ظالم تھے۔یہ بات تو عام وخاص سبھی جانتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عدل وانصاف سے آفاق عالم کو بھر دیا تھا۔یہاں تک عدل وانصاف میں آپ کی ضرب المثل بیان کی جاتی تھی۔حتی کہ کہا جاتا ہے : دونوں عمر کی سیرت ۔ان دو میں سے ایک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ۔ یہ اہل علم محدثین جیسے امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر حضرات اہل علم کا قول ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما لیے جاتے ہیں ؛ جیسا کہ اہل لغت کا ایک گروہ مراد لیتا ہے۔جیسے ابو عبید رحمہ اللہ وغیرہ۔

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے فضائل:

کسی انسان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ خوارج انتہائی سرکش ہونے کے باوجود حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی سیرت پر راضی ہیں۔ایسے ہی پہلے دور کے شیعان علی رضی اللہ عنہ بھی آپ پر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو افضلیت دیا کرتے تھے۔ابن بطہ نے حسن بن عرفہ سے ذکر کیا ہے؛ وہ کہتے ہیں: مجھ سے کثیر بن مروان فلسطینی نے بیان حدیث بیان کی؛ وہ انس بن سفیان سے؛ وہ غالب بن عبداللہ العقیلی سے روایت کرتے ہیں ؛ آپ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی کر دیے گئے تو لوگ آپ کے پاس عیادت کے لیے حاضر ہوئے۔ان میں سے ایک ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آخری گھڑیاں تھیں؛ اور آپ رو رہے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: اے امیر المؤمنین ! آپ کو کس چیز نے رلا دیا ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم ! میں دنیا کے افسوس پر نہیں رو رہا؛ اور نہ ہی مجھے دنیا کا کوئی شوق ہے۔ لیکن مجھے قیامت کی سختیوں کا خوف محسوس ہو رہا ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے امیر المؤمنین ! اللہ کی قسم ! آپ اسلام لائے تو آپ کا اسلام لانا فتح تھی۔ پھر آپ کو امیر بنایا گیا؛ تو آپ کی امارت بھی فتح سے عبارت تھی۔ آپ نے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیا۔ مسلمانوں کے کوئی دو آدمی بھی ایسے نہیں ہیں جن کے مابین کوئی رنجش ہو؛ تو ان کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے تو وہ آپ کی بات پر راضی ہو جاتے ہیں' اور اس پر قناعت کر لیتے ہیں۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے بیٹھا دو۔''

جب آپ کو بیٹھا دیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اپنی بات دھراؤ۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: درست ہے؛ میں دھراتا ہوں۔ اور اپنی بات دھرا دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے ابن عباس ! کیا آپ میرے لیے قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس بات کی گواہی دیں گے؟

آپ نے فرمایا: ہاں اے امیر المؤمنین ! میں اللہ کے ہاں آپ کے حق میں اس بات کی گواہی دوں گا۔ اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ بھی آپ کے لیے اس بات کی گواہی دیں گے۔ اس وقت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ وہاں پر تشریف فرما تھے۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا: ہاں اے امیر المؤمنین۔'' [1] [رواه ابن جوزي في مناقب عمر ١٩٣]۔

یہ لوگ جو صبح و شام علم کی تلاش میں رہتے ہیں؛ ان کی کسی ایک کے ساتھ کوئی غرض نہیں ہوتی۔ بلکہ کبھی کسی کے قول کو

---

[1] حضرت علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے والی امیر بنے تو انہوں نے لوگوں کو اسلام پر مضبوطی سے عمل پیرا کیا اور خود بھی عمل پیرا ہو گئے حتی کہ اسلام خوب مضبوط اور توانا ہو گیا۔'' [نهج البلاغة: ٨٩١۔ ح: ٤٥٧۔ باب المختار من حكم امير المومنين ...... خصائص الأئمة: ١٢٤] شارحین نہج البلاغہ نے اس قول کی شرح کی ہے۔ ان میں سے میثم البحرانی الدنبلی کہتا ہے: ''اس کا مطلب ہے کہ اسلام اسی طرح پائیدار اور مضبوط ہو گیا جیسے اونٹ پوری مضبوطی سے جم کر اپنے باڑہ میں بیٹھ جاتا ہے۔'' [شرح نهج البلاغة: ٥/ ٤٦٣۔ الدرة النجفية: ٣٩٤۔]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ تو ہم نے ان کے احکامات سنے اور ان کی اطاعت و خیر خواہی کی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت پسندیدہ سیرت و کردار اور اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔'' [الغارات للثقفي: ١/ ٣٠٧۔]

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ترجیح دیتے ہیں' اور کبھی کسی امام کے قول کو۔ جیسے بھی شریعت کے دلائل وارد ہوتے ہیں' ایسے فیصلہ کرتے ہیں۔ جیسے حضرت سعید بن المسیب ؛ اور فقہاء مدینہ۔ جیسے عروہ بن زبیر؛ قاسم بن محمد؛ علی ابن الحسین ؛ ابوبکر بن عبد الرحمٰن ؛ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ؛ سلیمان بن یسار؛ خارجہ بن زید؛ اور سالم بن عبد اللہ بن عمر رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ دوسرے علماء وفقہاء۔

ان کے بعد جیسے : ابن شہاب الزہری ؛ یحی بن سعید؛ ابوزناد؛ ربیعہ ؛ مالک بن انس؛ ابن ابی ذئب ؛ اور عبدالعزیز الماجشون وغیرہم رحمہم اللہ۔

جیسے طاؤس الیمانی ؛ مجاہد؛ عطاء؛ سعید بن جبیر؛ عبید بن عمیر؛ عکرمہ مولی ابن عباس وغیرہم رحمہم اللہ۔

ان کے بعد: عمرو بن دینار؛ ابن جریج ؛ ابن عیینہ وغیرہم رحمہم اللہ۔ اہل مکہ میں سے۔

جیسے : حضرت حسن بصری ؛ محمد بن سیرین ؛ جابر بن زید ابو الشعثاء ؛ مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر ؛ ایوب السختیانی ؛ عبداللہ بن عون؛ سلیمان التیمی ؛ قتادہ؛ سعید بن ابی عروبہ؛ حماد بن سلمہ؛ حماد بن زید وغیرہم رحمہم اللہ۔ اور ان کے امثال۔

پھر ان کے بعد جیسے: علقمہ؛ اسود؛ شریح القاضی ؛ وغیرہم رحمہم اللہ۔ اور ان کے امثال۔

پھر ان کے بعد جیسے : ابراہیم النخعی ؛ عامر الشعبی ؛ حکم بن عتیبہ ؛ منصور بن المعتمر ؛ سفیان الثوری ؛ ابوحنیفہ؛ ابن ابی لیلی ؛ شریک؛ وکیع بن الجراح ؛ ابو یوسف اور محمد بن الحسن وغیرہم رحمہم اللہ۔ اور ان کے امثال۔

پھر ان کے بعد: امام شافعی ؛ احمد بن حنبل ؛ اسحاق بن راہویہ ؛ ابو عبید القاسم بن سلام؛ اور حمیدی عبد اللہ بن الزبیر؛ ابو ثور؛ محمد بن نصر المروزی؛ محمد بن جریر الطبری ؛ ابو بکر ابن المنذر ؛ وغیرہم رحمہم اللہ۔ اور ان کے امثال۔

ان کے علاوہ علماء کرام کی اتنی بڑی تعداد ہے جن کی صحیح گنتی کو اللہ ہی جانتا ہے۔ جن تعلق مسلمانوں کی کئی اصناف سے ہے۔ یہ تمام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدل وانصاف اور آپ کے علم کے معترف ومداح ہیں۔

[علمائے کرام اور مناقب حضرت عمر رضی اللہ عنہ]

بعض علماء کرام نے مناقب عمر رضی اللہ عنہ پر منفرد کتابیں لکھی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں میں آپ کی سیرت کی طرح کسی کی سیرت متعارف نہیں ہوسکی۔ ابو المعالی علی الجوینی رحمہ اللہ نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: '' آسمان نے آپ جیسا کوئی دوسرا عبقری نہیں دیکھا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں: '' اپنی مجالس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذکر سے زینت بخشو۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: '' لوگوں میں سب سے زیادہ صاحب فراست تین افراد ہیں:

۱۔ '' حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی ؛ جب اس نے اپنے والد سے کہا تھا:

﴿یَاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ﴾ [القصص ۲۶]

'' ابا جی! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجئے، کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانتدار ہو۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا [جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا]۔

۳۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب انہوں نے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔'' [مستدرك ۳/ ۹۰]

یہ تمام علماء کرام جن کا ہم نے ذکر کیا ہے؛ یہ سبھی جانتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عدل و انصاف آپ کے بعد آنے والے خلفاء کی نسبت زیادہ کامل و مکمل تھا۔ اور بعد میں آنے والوں کی نسبت آپ کا علم بھی کامل و اتم تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد آنے والے خلفاء کی سیرت کے مابین جو فرق ہے اسے ہر خاص و عام جانتا ہے۔ بیشک آپ کے اعمال ظاہر ہیں' اور آپ کی سیرت بڑی صاف اور واضح ہے۔ جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حسن نیت؛ ارادہ و قصد عدل؛ عدم غرض؛ ہوائے نفس کی سرکوبی ایسے ٹپکتی ہوئی نظر آتی ہے کہ اس کی مثال بعد میں آنے والوں کی سیرت میں نہیں ملتی۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا:

''جب تم سے شیطان کسی راستہ میں چلتے ہوئے ملتا ہے تو وہ تمہارے راستہ کو چھوڑ کر کسی اور راہ پر چلنے لگتا ہے۔'' ❶

اس لیے کہ شیطان انسان پر اس کی خواہشات نفس کی وجہ سے ہاتھ ڈالتا ہے؛ جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان خواہشات کا سر کچلنے والے تھے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

''اگر میں تم میں مبعوث نہ کیا جاتا تو پھر عمر رضی اللہ عنہ کو مبعوث کیا جاتا۔'' ❷

اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ عمر کی زبان پر حق کو جاری کر دیا ہے۔'' ❸

کئی ایک مواقع پر آپ کے رائے رب کی رائے کے موافق ہوئی ؛ اور اللہ تعالیٰ نے اس پر قرآن نازل فرمایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم کہا کرتے تھے:

''سکینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے جاری ہوتا ہے۔'' ❹

---

❶ صحیح بخاری: جلد دوم: ح 897۔ کتاب بدء الخلق ؛ باب صفة ابلیس و جنوده ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ [ایک مرتبہ] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کی اور [اس وقت] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی کچھ عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہی تھیں اور اونچی آوازوں سے خوب زور سے گفتگو کر رہی تھیں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت مانگی تو وہ اٹھ کر جلدی سے پردہ میں چلی گئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہنستے ہوئے آنے کی اجازت دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ تبسم ریز رہیں [اس وقت باعث تبسم کیا ہے]؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:......اس روایت میں ہے......: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! جب تمہیں شیطان کسی راستہ میں چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو تمہارے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر ہو لیتا ہے۔''

❷ فضائل الصحابة للأمام أحمد ۱/ ٤۲۸ ۔ یہ روایت بہت ضعیف ہے؛ امام احمد نے مسند میں ایک اور روایت بھی نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''لوکان بعدی نبی لکان عمر ۔'' اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔'' ٤/ ١٥٤؛ والحاکم ۳/ ۸۵؛ والترمذیح ۳٦۸٦۔

❸ سنن أبي داؤد ۳/ ۱۹۱؛ والترمذي ٥/ ۲۸۰۔ ❹ رواه أحمد ۲/ ۱٤۷۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

یہ سب کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کمال علم وعدل کی وجہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾ [الأنعام ۱۱۵]

''آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو علم اور عدل کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ جو بھی علم وعدل میں جتنا کامل ہوتا؛ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لائے پیغام کے اتنا ہی زیادہ قریب ہوتا۔ اور یہ وصف دوسرے لوگوں سے بڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں نمایاں تھا۔ جب کہ عمل اور عدل میں یہ وصف تقریباً ہر کسی میں پایا جاتا ہے۔ جب کہ علم میں یہ وصف آپ کی رائے اور مسلمانوں کی مصلحتوں سے علم؛ اور ان امور سے معلوم ہوسکتا ہے جو مسلمانوں کی دنیا اور دین میں ان کے لیے نفع بخش یا نقصان دہ ہوں۔ اور ان اختلاف مسائل کی معرفت سے معلوم ہوسکتا ہے جن میں آپ کا بھی ایک قول ہو؛ اور کسی دوسرے کا بھی اس میں کوئی قول ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اختلافی مسائل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اصابت رائے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی رائے سے کہیں بڑھ کر درست [اور زیادہ تعداد میں] ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل مدینہ آپ کے قول کی طرف زیادہ مائل ہوا کرتے تھے۔ اور اہل مدینہ کا مذہب باقی تمام بلاد و امصار کے مذہب پر راجح ہوتا ہے۔ اس لیے کہ پہلی تین صدیوں تک کسی بھی اسلامی شہر میں اہل مدینہ سے بڑھ کر علماء اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاننے والے نہیں ہوا کرتے تھے۔ اور اہل مدینہ کا بالاتفاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول پر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ جب کہ اہل کوفہ کا پچھلا طبقہ جن کا شمار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں ہوتا ہے؛ یہ لوگ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ یہ اہل کوفہ کے افضل ترین لوگ تھے۔ حتی کہ اہل کوفہ کے قضاۃ قاضی شریح؛ عبیدہ سلمانی رحمہم اللہ اور ان کے امثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو صرف اکیلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح دیا کرتے تھے۔

❀ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے کبھی بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا؛ مگر مجھے یوں لگتا تھا کہ آپ کی پیشانی پر ایک فرشتہ ہے؛ جو کہ آپ کو راہ راست پر چلاتا رہتا ہے۔''❶

❀ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم یہ رائے رکھتے تھے:

''سکینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے جاری ہوتا ہے۔''❷

❀ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام پیش قدمی کرنے والے انسان کی طرح ہوا کرتا تھا؛ وہ آگے ہی آگے بڑھتا جارہا تھا۔ جتنا آگے بڑھتا اتنا قریب ہوتا جاتا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کردیے گئے تو اسلام پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے کی طرح ہوگیا؛ اور اب وہ دور ہی ہوتا جارہا ہے۔''❸

❶ ذکرہ في مجمع الزوائد ۹/ ۷۲۔ وقال: رواہ الطبراني ؛ أنظر : فضائل الصحابة ۱/ ۲۴۷۔

❷ فضائل الصحابة؛ ۱/ ۲۴۹؛ الریاض النضرۃ ۱/ ۲۷۰۔ [اس سے ملتا جلتا اثر ابن عمر کی روایت سے پچھلے صفحہ پر بھی گزر چکا ہے]۔

❸ دیکھیں: البخاري ۵/ ۱۱۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

❀ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے ہم عزت میں ہی رہے۔'' ❶

❀ آپ ہی کا قول ہے؛ جب صالحین کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مبارک ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو؛ آپ کا اسلام لانا اسلام کی نصرت تھی؛ اور آپ کی حکومت اسلام کی فتح تھی۔'' ❷

❀ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہم سب میں سے کتاب اللہ کے زیادہ جاننے والے تھے؛ اللہ کے دین کی سب سے زیادہ سمجھ رکھنے والے تھے؛ اللہ کی قسم! یہ بات سب لوگوں کے لیے واضح ہے۔'' ❸

❀ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں اور کائنات کے سارے لوگوں کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری ہو جائے۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ نے فرمایا: میں خیال کرتا ہوں کہ نو حصے علم چلا گیا۔ اور میں کہتا ہوں کہ: آپ کے زخمی ہونے کے دن سے نو حصے علم چلا گیا تھا۔'' ❹

[مناقب عمر رضی اللہ عنہ صحابہ و تابعین کی نظر میں]:

❀ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب لوگوں کے مابین اختلاف واقع ہو جائے تو دیکھو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کیا تھا؟ پس آپ کی رائے کو قبول کرلو۔'' ❺

❀ ابو عثمان نہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بیشک حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک میزان تھے؛ آپ ادھر ادھر کی باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔'' فضائل کی کتابوں میں ان سے کئی گنا زیادہ فضائل صحیح اور ثابت شدہ اسناد کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں۔ جن میں جھوٹوں کی من گھڑت اور خود ساختہ روایات نہیں ہیں۔ جو کتابیں اس وقت موجود ہیں' ان میں یہ فضائل کثرت کے ساتھ اور ثابت شدہ اسناد کے ساتھ موجود ہیں۔ [وللہ الحمد]

❀ عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھ سے اباجی نے حدیث بیان کی؛ وہ کہتے ہیں ہم سے یحی بن سعید نے؛ ان سے اسماعیل بن ابی خالد نے؛ ان سے قیس بن حازم نے حدیث بیان کی؛ وہ کہتے ہیں: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے ہم عزت میں ہی رہے۔''

❀ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی:

''یا اللہ! اسلام کو ابوجہل یا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام سے تقویت پہنچا۔'' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

❶ فضائل الصحابة برقم ٣٤٠۔ ❷ مجمع الزوائد ٩/ ٦٩۔

❸ مجمع الزوائد ٩/ ٦٩۔ تاريخ عمر ابن خطاب ص ٢١٤۔

❹ فضائل الصحابة ١/ ٣٦٤۔

❺ فضائل الصحابة ١/ ٢٥٩۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری صبح نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام لائے۔'' ❶

❀ نضر ؛عکرمہ رحمہ اللہ سے ؛ اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو مشرکین کہنے لگے: آج یہ لوگ ہمارے برابر ہوگئے۔[آج ان لوگوں نے ہم سے انتقام لے لیا] ❷

❀ احمد بن منیع نے روایت کیا ہے......حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلامی قلعہ کی ایک مضبوط دیوار تھے۔اس قلعہ میں لوگ داخل ہوا کرتے تھے ؛ یہاں سے کوئی باہر نہیں نکلتا تھا۔جب آپ قتل کردیے گئے تو اس دیوار میں نقب لگ گئی۔آج کل لوگ یہاں سے نکلنا شروع ہوگئے ہیں۔'' ❸

❀ ابن بطہ رحمہ اللہ نے معروف اسناد کے ساتھ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے ؛ آپ فرماتی ہیں: جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا ہے' اسلام کمزور ہوگیا ہے۔''

❀ حضرت سفیان الثوری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے : حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہے:حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام پیش قدمی کرنے والے انسان کی طرح ہوا کرتا تھا؛ وہ آگے ہی آگے بڑھتا جارہا تھا۔جتنا آگے بڑھتا اتنا قریب ہوتا جاتا۔جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کردیے گئے تو اسلام پیٹھ پھیر بھاگنے والے کی طرح ہوگیا؛ اوراب وہ دور ہی ہوتا جارہا ہے۔''

❀ ابن ماجشون کی سند سے روایت کیا گیا ہے' انہیں عبد الواحد بن ابی عون نے خبردی؛ وہ قاسم بن محمد سے روایت کرتے ہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:''جس کسی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلام کی بے نیازی اور فائدہ کے لیے پیدا کیا تھا۔اللہ کی قسم ! آپ اپنی مثال آپ تھے۔آپ نے اپنے معاصرین کے لیے کسی مثالیں چھوڑی ہیں۔''

❀ محمد ابن اسحق رحمہ اللہ اپنی کتاب''السیرۃ'' میں فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ انتہائی غیرت مند انسان تھے ؛ اپنے پیچھے کا خیال نہیں کیا کرتے تھے ؛آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا دفاع کیا یہاں تک کہ وہ عزت سے رہنے لگے۔''

❀ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے :''ہم کعبۃ اللہ کے پاس نماز نہیں پڑھ سکتے تھے؛ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔جب آپ اسلام لائے تو مشرکین سے لڑنا شروع کیا؛ یہاں تک کہ آپ نے کعبہ کے پاس نماز ادا کی ؛ اورہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کی۔''

❀ محمد بن عبید الطنافسی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے؛ ان سے اسماعیل نے ؛ ان سے قیس بن حازم نے بیان کیا؛ وہ کہتے ہیں: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:''جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے ہم عزت میں ہی

---

❶ جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1649؛ ابن ماجۃ ۱/ ۳۹۔

❷ رواہ أحمد في الفضائل ۱/ ۲٤۸۔ والحاکم في المستدرک ۳/ ۸۵۔

❸ الطبقات الکبری لابن سعد ۳/ ۳۷۳۔ تاریخ دمشق لابن عساکر ٤٤/ ٤٦٠۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

رہے۔ اللہ کی قسم ہم کھل کر بیت اللہ میں نماز نہ پڑھ سکتے تھے؛ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو آپ نے مشرکین سے لڑنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہم بیت اللہ کے پاس جا کر نماز پڑھنے لگے۔''

❀ کئی اسناد سے روایت کیا گیا ہے؛ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق جاری کر دیا؛ اور آپ حق ہی کہتے ہیں۔''اور ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل اور زبان پر حق جاری کر دیا ہے۔''یا آپ کی زبان اور دل پر چلا دیا ہے۔''

یہ جملہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا گیا ہے۔

❀ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ماضی کی امتیں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ان میں کچھ لوگ مُلہم ہوا کرتے تھے۔ بیشک میری امت میں اگر کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہے۔'' [اس کی تخریج گزر چکی ہے]۔

❀ طارق بن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں:''کوئی انسان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے حدیث بیان کرتا؛ اور وہ اس میں کوئی جھوٹ بولتا تو آپ اس سے کہتے رک جاؤ۔ پھر وہ آپ سے حدیث بیان کرتا تو آپ فرماتے: اس سے رک جاؤ۔ پھر وہ آدمی کہتا:''میں نے جو بھی حدیث آپ سے بیان کی ہے' وہ تمام حق ہے؛ سوائے ان چیزوں کے جہاں پر آپ نے مجھے رک جانے کا حکم دیا۔''

❀ ابن وہب نے یحی بن ایوب سے روایت کیا ہے' وہ ابن عجلان سے نقل کرتے ہیں وہ نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں؛ آپ فرماتے ہیں: بیشک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر روانہ فرمایا؛ اور اس پر ساریہ نامی ایک آدمی کو امیر مقرر فرمایا۔ پس ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک آپ منبر پر چلانے لگے: اے ساریہ! پہاڑ کی طرف پلٹو۔ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف دیکھو۔ جب اس لشکر کی طرف سے پیامبر آیا تو آپ نے احوال دریافت فرمائے۔ اس آدمی نے کہا: اے امیر المؤمنین! ہمارا دشمن سے آمنا سامنا ہوا؛ انہوں نے ہمیں شکست دیدی۔ پس اچانک ہم نے ایک چیخنے والے کی آواز سنی! اے ساریہ پہاڑ کی طرف پلٹو۔ اے ساریہ پہاڑ کی طرف دیکھو۔ پس ہم نے اپنی پشتیں پھاڑ کی طرف کر دیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دیدی۔ تو پھر حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: حضرت آپ نے ہی منبر پر یہ آواز لگائی تھی۔''

❀ صحیح بخاری میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے اپنے پرودگار سے تین باتوں میں موافقت کی۔ (ایک مرتبہ) میں نے کہا کہ: یا رسول اللہ! کاش! ہم مقام ابراہیم کو مصلی بنا لیتے، پس اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾۔[البقرۃ ۱۲۵]

''اور مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اور حجاب کی آیت بھی میری خواہش کے مطابق نازل ہوئی۔ کیونکہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کاش آپ اپنی بیویوں کو پردہ کرنے کا حکم دیں، اس لیے کہ ان سے ہر نیک و بد گفتگو کرتا ہے۔ پس حجاب کی آیت نازل ہوئی۔ اور ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی بیویاں آپ پر نسوانی جوش میں آ کر جمع ہوئیں، تو میں نے ان سے کہا کہ اگر تم باز نہ آئیں تو آپ ﷺ تم کو طلاق دے دیں گے، تو عنقریب آپ کا پروردگار تم سے اچھی بیویاں آپ کو بدلے میں دے گا، جو مسلمان ہوں گی، تب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ﴾ [التحریم ۵]

''اگر پیغمبر تمہیں طلاق دے دیں تو بہت جلد انہیں ان کا رب تمہارے بدلے تم سے بہتر بیویاں عنایت فرمائے گا۔'' ❶

❀ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے: جب عبداللہ بن ابی ابن سلول [منافق] مر گیا تو آنحضرت ﷺ سے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی گئی۔ آپ نے چلنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دامن پکڑ کر عرض کیا: یارسول اللہ! آپ منافق کی نماز پڑھا رہے ہیں اور دعائے مغفرت فرما رہے ہیں؛ تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ﴾ ❷ [التوبة ۸۴]

''ان منافقوں سے جو بھی مرے کبھی بھی اس کی نماز نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر جاؤ۔''

اور یہ آیت بھی اسی موقع پر نازل ہوئی:

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾۔ [التوبة ۸۰]

''آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی دعائے مغفرت کریں مگر اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔''

---

❶ صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 393۔

❷ صحیح بخاری: جلد دوم میں پوری روایت اس طرح ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو اس کا بیٹا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ: اپنا کرتہ اس کے کفن کے لیے دیدیجئے آپ نے دے دیا۔ پھر وہ کہنے لگا کہ آپ اس کی نماز جنازہ بھی پڑھا دیجئے آپ نے چلنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ منافق کی نماز پڑھا رہے ہیں اور دعائے مغفرت فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو اس سے منع فرمایا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھ کو اختیار دیا ہے کہ میں ان کے لیے دعائے مغفرت کروں یا نہ کروں؛ اور اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ اگر ان کے لیے ستر بار بھی دعائے مغفرت کی جائے گی تو بھی میں ان کو نہیں بخشوں گا۔ لہٰذا میں اس کے لیے ستر بار سے زیادہ مغفرت چاہوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ تو منافق ہے آخر آپ نے نماز پڑھا دی۔ چنانچہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ: ان منافقوں سے جو بھی مرے اس کی نماز نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر جاؤ۔'' [صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1813]

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

❀ حضرت قیس نے طارق بن شہاب سے روایت کیا ہے' وہ فرماتے ہیں: ہم کہا کرتے تھے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر فرشتہ باتیں کرتا ہے۔''

❀ امام مجاہد سے روایت ہے فرماتے ہیں: ''جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی رائے کا اظہار کرتے تو اس کے مطابق قرآن نازل ہو جاتا۔''

❀ صحیحین میں ہے: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو میرے روبرو پیش کیا جا رہا ہے؛ اور ان لوگوں نے قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ بعض لوگوں کی قمیص چھاتی تک آتی تھی اور بعض کی کم و بیش۔ اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مجھ پر پیش کیا گیا؛ آپ اپنی قمیص کھینچتے ہوئے جا رہے تھے۔ صحابہ نے پوچھا پھر آپ نے اس سے کیا مراد لیا؟ تو فرمایا: ''دین۔'' [البخاری ۹/۳۱؛ مسلم ۴/۱۸۵۹]۔

❀ صحیحین میں ہی روایت ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حالت خواب میں مجھے دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا گیا میں نے خوب سیر ہو کر پیا یہاں تک کہ سیری کا اثر میرے ناخنوں میں ظاہر ہونے لگا جو دودھ بچ گیا وہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ صحابہ نے دریافت کیا۔ پھر آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر فرمائی؟ فرمایا: ''دودھ سے علم مراد ہے۔'' ❶

❀ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''ایک بار میں سویا ہوا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو ایک کنویں پر دیکھا جس پر ایک ڈول رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ میں نے اس سے پانی کھینچا جس قدر اللہ نے چاہا۔ پھر ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ نے اس ڈول کو لے لیا اور اس نے ایک یا دو ڈول کھینچے؛ ان کے کھینچنے میں کمزوری تھی، اللہ ان کو معاف فرمائے۔ پھر وہ ڈول چرخ بن گیا؛ اور اس کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لے لیا۔ میں نے کسی طاقتور آدمی کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرح پانی کھینچتے ہوئے نہیں دیکھا۔ حتی کہ لوگوں نے اونٹوں کے پینے کے حوض بھر لیے۔'' ❷

❀ عبداللہ بن احمد کہتے ہیں: ہم سے حسن بن حماد نے بیان کیا؛ ان سے وکیع نے اور ان سے اعمش نے ان سے شقیق نے بیان کیا آپ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں اور کائنات کے سارے لوگوں کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری ہو جائے۔'' اعمش کہتے ہیں: مجھے یہ بات بڑی اچھوت محسوس ہوئی۔ میں نے اس کا ذکر ابراہیم سے کیا؛ تو آپ نے فرمایا: پس کیا تم اس بات کا انکار کر رہے ہو؛ میں اس سے بھی افضل بات تمہیں بتاؤں؟ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: ''میں خیال کرتا ہوں کہ نو حصے علم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلا گیا۔''

❀ ابن بطہ رحمہ اللہ نے اپنی ثابت شدہ سند سے ابن عیینہ اور حماد بن سلمہ سے عبداللہ بن عمیر کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:

---

❶ صحیح بخاری، حوالہ سابق (حدیث: ۳۶۸۱)، صحیح مسلم۔ حوالہ سابق، (حدیث: ۳۶۹۱)۔

❷ صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1921۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

زید بن وہب سے روایت ہے کہ: ایک آدمی کو معقل بن مقرن ابوعمیرہ نے ایک آیت پڑھائی ۔ اور عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی ایک آدمی کو ایک آیت پڑھائی۔ ان دونوں آدمیوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا: ''تو آپ نے ایک سے دریافت کیا تمہیں کس نے یہ آیت پڑھائی ہے؟ اس نے کہا: معقل بن مقرن ابوعمیرہ نے۔ دوسرے سے پوچھا: تمہیں کس نے یہ آیت پڑھائی ہے؟ اس نے کہا: عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رونے لگ گئے یہاں تک آپ کے آنسو بہہ پڑے۔ اور پھر فرمانے لگے: ''ایسے ہی پڑھو جیسے عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے تمہیں پڑھایا ہے۔ بیشک عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ ہم سب سے بڑھ کر قرآن کی تلاوت کرنے والے اور اللہ کے دین کو جاننے والے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلامی قلعہ کی ایک مضبوط دیوار تھے۔ اس قلعہ میں لوگ داخل ہوا کرتے تھے؛ یہاں سے کوئی باہر نہیں نکلتا تھا۔ جب آپ قتل کردیے گئے تو اس دیوار میں ایسی نقب لگ گئی کہ کسی کے لیے اس کو پُر کرنا ممکن نہ رہا۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی راستے پر چلتے تو ہم آپ کی اتباع کرتے؛ اور اسے ایک آسان راستہ پاتے۔ اور جب کبھی اگر صالحین کا تذکرہ کیا جائے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے مبارک ہے؛ تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے مبارک ہے؛ تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے مبارک ہے۔

❀ عبداللہ بن احمد اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب لوگوں کے مابین کسی مسئلہ میں اختلاف ہوجائے تو پھر دیکھو کہ حضرت عمر نے کیا کیا ہے؛ اس کو لے لو۔'' [طبقات ابن سعد ۳/۳۷۱]

❀ ابن مہدی نے حماد بن زید رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے' وہ کہتے ہیں: خالد الحذاء رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کاربند ہیں' وہ اس سے پہلے کی سنت کی ناسخ ہے۔

❀ ابن بطہ رحمہ اللہ نے اپنی سند سے صالح المرادی سے نقل کیا ہے' وہ عبد خیر سے نقل کرتے ہیں؛ آپ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ دیکھا؛ آپ نے عصر کی نماز پڑھی؛ اہل نجران کے آپ کے پیچھے دو صفیں بنائیں۔ جب آپ نے نماز پڑھ لی تو ان میں سے ایک آدمی نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے ایک تحریر نکال کر حضرت کے ہاتھ میں دیدی۔ جب آپ نے وہ تحریر پڑھی تو آپ کے آنسو چھلک پڑے۔ پھر آپ نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور ان سے مخاطب ہوکر کہنے لگے: ''اے اہل نجران؛ یا فرمایا: اے میرے دوستو! اللہ کی قسم! یہ میرے ہاتھ کی تحریر ہے؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہ تحریر لکھوائی تھی۔ وہ لوگ کہنے لگے: اے امیر المؤمنین! اس میں جو کچھ تحریر ہے' وہ ہمیں دیجیے۔ پس میں آپ کے قریب ہوا اور [میں نے اپنے دل میں] کہا: ''اگر آپ عمر رضی اللہ عنہ پر رد کرنے والے ہوئے؛ تو آج کے دن رد کریں گے۔ آپ فرمانے لگے: ''جو کچھ عمر رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا ہے' میں اس میں سے کسی چیز پر بھی رد کرنے والا نہیں ہوں۔ بیشک عمر رضی اللہ عنہ اپنے معاملات میں ہدایت و رشد کے پیکر تھے۔ بیشک عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ آپ کو دیا ہے وہ اس سے بہت بہتر ہے جو آپ سے لیا ہے۔ اور جو کچھ آپ سے لیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپ کو دیا ہے۔اور جو کچھ عمر رضی اللہ عنہ نے لیا ہے اس کا ان کی ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا؛ کیونکہ آپ نے اپنی ذات کے لیے کچھ بھی نہیں لیا؛ آپ نے جو کچھ لیا وہ مسلمانوں کی جماعت کے لیے لیا تھا۔'' [تاریخ عمر بن خطاب؛ابن جوزی ص۲۱۳]

❀ امام احمد اور امام ترمذی اور دوسرے محدثین رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:''لو كان بعدي نبي لكان عمربن الخطاب ۔''

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتا۔'' ❶

❀ ایسی ہی روایت ابن بطہ نے بھی نقل کی ہے۔عقبہ بن مالک الخطمي فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''لو كان غيري نبي لكان عمربن الخطاب ۔''

''اگر میرے علاوہ کوئی دوسرا نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتا۔''

❀ اور ایک روایت کے الفاظ یہ بھی ہیں:'' اگر مجھے تم لوگوں میں مبعوث نہ کیا جاتا تو پھر عمر بن خطاب کو مبعوث کیا جاتا۔''

❀ عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ اپنی سند سے سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ کہتے ہیں: حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو کافی دن تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی خبر نہ ملی تو آپ نے ایک عورت سے بات کی؛ اس عورت کے پیٹ میں شیطان تھا؛ اس نے کہا: اچھا جب میرا شیطان آئے گا تو میں اس سے پوچھ کر بتاؤں گی۔[جب شیطان آگیا اور اس سے پوچھا؛ تو] اس نے کہا:'' میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں لپٹے ہوئے صدقہ کے اونٹوں کو سہلاتے ہوئے دیکھا۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان جب بھی آپ کو دیکھتا تو اپنی گدی کے بل گر جاتا۔اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے آگے ایک فرشتہ ہوا کرتا تھا۔اور جبریل امین آپ کی زبان پر بولا کرتے تھے۔''

❀ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت طلب کی۔اس وقت کچھ عورتیں قریش کی (یعنی ازواج مطہرات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں؛ اور باتیں کرنے میں ان کی آوازیں آپ سے بلند ہو رہی تھیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (آپ سے)اجازت طلب کی اور ان عورتوں نے ان کی آواز سنی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور پردہ میں ہوگئیں ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی ۔چنانچہ وہ اندر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

❶ الحاكم ٣/ ٨٥؛ والترمذي ح ٣٦٨٦؛ 5/281 ؛ كتابِ المناقِبِ باب مناقِبِ أبِي حفص عمر بنِ الخطابِ، وقال التِرمِذي، وهذا حدِيث حسن غريب لا نعرفه إلا مِن حدِيثِ مِشرح بنِ عاهان، وجاء الحدِيث فِي المسندِ ط۔ الحلبِي 4/154، المستدرك لِلحاكِمِ 3/85۔وتكلم الألبانِي على الحدِيثِ فِي سِلسِلةِ الأحادِيثِ الصحِيحةِ رقم 327وحسنه۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے دانتوں کو ہمیشہ ہنسائے؛ آپ اس وقت کیوں مسکرا رہے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان عورتوں کی حالت پر مجھ کو تعجب ہے (میرے پاس بیٹھی ہوئی شور مچار ہی تھیں)۔تمہاری آواز سنتے ہی پردہ میں چلی گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ اس بات کے زیادہ مستحق تھے کہ وہ آپ سے ڈریں۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان عورتوں کو مخاطب کر کے کہا:'' اے اپنی جان کی دشمن عورتو! کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ سے نہیں ڈرتیں؟

انہوں نے کہا: ہاں؛ تم سے اس لیے ڈرتی ہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کی بہ نسبت عادت کے سخت اور سخت گو ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:'' اے خطاب کے بیٹے! کوئی اور بات کرو ان کو چھوڑو مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!'' جب تم سے شیطان کسی راستہ میں چلتے ہوئے ملتا ہے تو وہ تمہارے راستہ کو چھوڑ کر کسی اور راہ پر چلنے لگتا ہے۔'' [صحیح بخاری:ح897]

❀ ایک دوسری حدیث میں ہے:''شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ پا کر بھاگ جاتا ہے۔'' [ترمذی ۵/۲۸۴]

❀ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی سند سے امام مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں: [وہ کہتے ہیں:] ہم کہا کرتے تھے :'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امارت کے دور میں شیاطین باندھ دیے گئے تھے جب آپ قتل کر دیے گئے تو شیاطین چھلانگیں لگاتے پھرتے ہیں۔''

یہ باب بہت طویل ہے۔ اس لیے علماء کرام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان کرنے کے لیے کئی مجلد کتابیں لکھی ہیں۔ جیسے ابن جوزی اور عمر بن شبہ اور دوسرے علماء کرام۔ اور امام احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ اہل علم رحمہم اللہ۔ اور جیسے کہ خیثمہ بن سلیمان کی تالیف: فضائل الصحابہ؛ امام دار قطنی اور بیہقی وغیرہ کی تصنیفات۔

[حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست وبصیرت اور حکمت]:

❀ قضاء کے معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف خط بڑا مشہور ہے۔ یہ خط علماء کرام رحمہ اللہ کے ہاں بڑا متداول ہے۔ اسے بنیاد بنا کر انہوں نے فقہ اور اصول فقہ کے علوم کی عمارت کھڑی کی ہے۔ اس کی اسناد میں سے ایک ابن بطہ اور ابو عبید کی سند بھی ہے۔ ان کے علاوہ بھی اس خط کی کئی اسناد ثابت ہیں جیسے کثیر بن ہشام کی سند؛ جعفر بن برقان سے؛ آپ فرماتے ہیں: حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف خط [1] لکھا تھا: [اس میں ہے]:

[1] یہ خط محبّ الطبری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الریاض النضرة ۲/ ۸۲ '' پر نقل کیا ہے۔ اور طنطاوی برادران کی کتاب ''اخبار عمر'' میں بھی ص ۲۱۷ پر اس کا ذکر موجود ہے؛ انہوں نے یہ خط ''البیان و التبیین '' ۲/ ۳۷ ؛ اور مفتاح الافکار ص ۸۹ ؛ اور عیون الاخبار ۱/ ۶۶ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ مزید برآں دیکھیں: صبح الاعشی ۱/ ۱۹۳ ؛ نہایة الارب ۶/ ۲۵۷ ۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اما بعد ......! قضاء[عدلیہ کا کام] ایک محکم فریضہ اور سنتِ متبع ہے۔ جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ پیش کیا جائے تو پہلے اسے اچھے طرح سمجھ لو۔اس لیے کہ حق کی بات کرنا تمہیں اس وقت تک نفع نہیں پہنچائے گی جب تک حق کو نافذ نہ کردیا جائے ۔اپنی مجلس میں اور اپنے سامنے اور اپنے فیصلہ کرنے میں لوگوں کے مابین مساوات قائم کرو۔ یہاں تک کہ کوئی بڑا آدمی تمہارے متعلق کوئی طمع نہ کرنے لگے؛ اور کمزور تیرے عدل سے مایوس نہ ہو۔ گواہی دعوی کرنے والے پر ہے اور قسم منکر پر ہے۔ مسلمانوں کے مابین صلح کرانا جائز ہے۔ سوائے اس صلح کے جس میں کسی حرام کو حلال کیا جائے یا کسی حلال کو حرام کیا جائے۔ اور جو کوئی کسی غائب حق کا دعوی کرے؛ تو اسے اس حق تک پہنچنے کی مدت تک مہلت دو۔ اور اگر کوئی گواہی لیکر آئے تو اسے اس کا حق دیدو۔ اگر وہ اس سے عاجز آجائے تو اس کے حق میں فیصلہ دیدو۔ بیشک ایسا کرنا عذر میں زیادہ بلیغ ہے؛ اور اندھے پن کو دور کرنے والا ہے۔''

کسی معاملہ میں اگر آج تم کوئی فیصلہ کرلو؛ اور پھر تمہیں پتہ چلے کہ حق کچھ اور ہے؛ تو تمہیں حق کی طرف رجوع کرنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔ بیشک حق قدیم ہے؛ اسے کوئی چیز ختم نہیں کرسکتی۔حق کی طرف رجوع کرلینا باطل میں سرکشی کرنے سے بہتر ہے۔مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عدل کرنے والے ہیں۔سوائے اس انسان کے جس کے جھوٹ بولنے کا تمہیں تجربہ ہوچکا ہو۔ یا جس کسی کو حد میں کوڑے لگے ہوں؛ یا جو اپنی ولاء یا نسب پر اترانے والا ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کے اسراروں کا کارساز ہے۔حدود کے معاملہ میں ان پر پردہ رکھا جائے سوائے اس کے کہ ان پر گواہی پیش کی جائے یا پھر وہ قسم اٹھالیں۔ پھر جو مسائل آپ کے ساتھ پیش آئیں' یا پھر آپ کے پاس معاملات لائے جائیں اور ان کا حل کتاب وسنت میں موجود نہ ہو تو انہیں اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیے اور خوب سمجھنا چاہیے؛ اور پھر انہیں باقی امور سے قیاس کرلینا چاہیے۔اور ان کے اشباہ وامثال کی معرفت بھی حاصل کرنی چاہیے۔ پھر اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے جو حق کے زیادہ مشابہ ہو؛ اور ایسا کرنا جو اللہ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہو۔

خبردار اور خبردار! غصہ نہ کرنا' پریشان بھی نہ ہونا؛ کسی کو ڈانٹنا بھی نہیں' اور نہ ہی فریقین میں سے کسی کو کوئی تکلیف دینا۔ اس لیے کہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنے سے انسان کے لیے اجر واجب ہوجاتا ہے۔ اور اسے اچھے الفاظ میں یاد کیا جاتا ہے۔جس انسان کی نیت حق کے لیے خالص ہوگی؛ بھلے اس کی ذات پر ہی بات کیوں نہ آتی ہو؛ اللہ تعالیٰ اس کے لیے لوگوں کی جانب سے کافی ہوجاتے ہیں۔ جو ایسی زینت اختیار کرے جو کہ اس میں نہیں ہے؛ اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کردے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو صرف اس کی رضا کے لیے خالص ہو۔ پھر اللہ کے ہاں اس ثواب کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو اس کے جلدی ملنے والے رزق میں بھی ہے اور اس کی رحمتوں کے خزانوں میں بھی۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

❀ ابن بطہ رحمہ اللہ نے اپنی سند سے عتبی سے نقل کیا ہے وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں: انہوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یوم عرفہ میں خطبہ دیا۔ یہ وہ دن تھا جس دن آپ کی بیعت کی گئی۔ آپ نے فرمایا:

''تمام تر تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے مجھے آپ سے آزمایا؛ اور آپ سے مجھے آزمایا۔ اور مجھے میرے ساتھی کے بعد تم میں باقی چھوڑا۔ جو کوئی تم میں سے موجود ہو؛ اس سے ہم براہ راست بات کر لیں گے۔ اور جو کوئی ہم سے غائب ہو؛ اس کے لیے ہم طاقتور لوگوں کو عمال مقرر کریں گے۔ اگر وہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرے گا تو ہم اس کی نسبت زیادہ اچھا سلوک کریں گے۔ اور اگر وہ ہم سے برائی کا سلوک کرے گا تو ہم اس کے ساتھ مناظرہ کریں گے۔

اے لوگو! بیشک حکمرانوں کا تم پر حق ہے اور حکمرانوں پر تمہارا حق ہے۔ جان لو کہ! حاکم کے حلم و بردباری اور عدل سے بڑھ کسی کا حلم و بردباری اللہ کے ہاں زیادہ محبوب اور نفع بخش نہیں ہے؛ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں حاکم کی جہالت اور بداخلاقی سے بڑھ کر کوئی چیز ناپسندیدہ نہیں ہے اور بیشک جو انسان اپنی قدرت اور اختیار سے عافیت کو اپناتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے اس کی طاقت و اسباب سے بالاتر عافیت عطا فرمائیں گے۔

❀ میں کہتا ہوں: احنف بن قیس کی روایت میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب انسان اپنے ماتحت کے لیے عافیت کی تلاش میں رہتا ہے؛ تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے اوپر والوں سے عافیت ہی پہنچاتے ہیں۔

❀ وکیع نے ثوری سے روایت کیا ہے' وہ حبیب ابن ثابت سے نقل کرتے ہیں' وہ یحی بن جعدہ سے؛ وہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تین باتیں نہ ہوتی تو مجھے یہ بات پسند تھی کہ میں اللہ کے پاس پہنچ گیا ہوتا:

۱۔ یہ کہ اگر میں اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نہ چلتا۔

۲۔ اور یہ کہ میں اللہ کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اپنی پیشانی کو مٹی میں نہ رکھ دیا کرتا۔

۳۔ اور ایسے لوگوں کی مجلس میں نہ بیٹھا کرتا جو عمدہ کلام کو ایسے چنتے ہیں جیسے عمدہ پھل کو چنا جاتا ہے۔

❀ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کلام جامع ترین اور کامل ترین کلام میں سے ہے۔ اس لیے کہ آپ ملہم اور محدَّث ہیں۔ آپ کے کلام کے ہر ایک جملے میں بہت سارے علم کے ذخیرہ کو بند کر دیا گیا ہے۔ اس کی مثال مذکوہ بالا تین جملوں کو ہی لیجیے۔ ان تین جملوں میں آپ نے نماز' جہاد اور علم کا ذکر کیا ہے۔ امت کا اجماع ہے کہ یہ تینوں اعمال سب سے افضل ترین اعمال میں سے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انسان کے نفلی اعمال میں سے افضل ترین عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نفلی اعمال میں سے افضل عمل نماز قائم کرنا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نفلی اعمال میں سے افضل: علم حاصل کرنا ہے۔

❀ حقیقت تو یہ ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک عمل کے لیے دوسرے دو اعمال کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ بعض احوال میں ایک عمل افضل ہو؛ اور بعض احوال میں دوسرا عمل افضل ہو۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ کے خلفاء راشدین ان تینوں پر عمل کیا کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک عمل کے لیے اس کا خاص مقام ضرورت اور مصلحت ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں چیزوں کو ایک پیرائے میں بند کر کے بیان کر دیا ہے۔

❀ امام زہری نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے ابن عباس! اللہ کی قسم! اس حکومت کے نظام کو چلانے کے لیے ایسے قوی انسان کی ضرورت ہوتی ہے جو سختی نہ کرے؛ اور ایسے نرم دل کی ضرورت ہوتی ہے جو کمزوری نہ دیکھائے۔ ایسا سخی ہو جو فضول خرچی نہ کرے، اور مال کو ایسے روک کر رکھنے والا ہو کہ اس میں بخل بھی نہ ہو۔''

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! میں کسی انسان کو نہیں جانتا جو عمر کے علاوہ ان صفات کا حامل ہو۔

❀ صالح بن کیسان نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے وہ سالم سے اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں: جب آپ کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا جاتا تو آپ فرماتے: اللہ کے لیے ہی عمر رضی اللہ عنہ کی بھلائی ہے۔ آپ بہت کم ہی کسی چیز کا خوف سے ذکر کرتے مگر وہ حق ہوتی۔

فصل:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر زیادہ مہر سے روکنے کا الزام

[اعتراض]: شیعہ کا قول ہے: ''عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے کہا، جو شخص کسی عورت کا زیادہ مہر مقرر کرے گا تو میں مہر کی رقم بیت المال میں داخل کر دوں گا ایک عورت نے کھڑے ہو کر کہا جو چیز اللہ نے ہمیں اپنی کتاب عزیز میں عطا کی ہے، آپ اس سے کیوں منع کر رہے ہیں؟ ارشاد باری ہے: ﴿وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا﴾ عمر نے یہ سن کر کہا ''ہر شخص عمر سے بڑا فقیہ ہے۔''

[جواب]: ہم کہتے ہیں: یہی بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کمال فضل؛ دینداری اور تقویٰ کی دلیل ہے کہ جب حق آپ پر واضح ہو گیا تو آپ نے فی الفور کتاب عزیز کی طرف رجوع کیا اور ایک عورت کے قول سے بھی انحراف نہ کیا، اس کے لیے بھی تواضع اختیار کی۔ اور آپ کسی ایک مسئلہ میں بھی کسی ادنی انسانی فضیلت کے بھی قائل تھے۔ افضل کے لیے یہ ضروری نہیں کہ مفضول اسے کسی بات پر بھی متنبہ نہ کر سکے، ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا۔

﴿ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴾ (النمل: ۲۲)

''مجھے وہ باتیں معلوم ہیں جو آپ نہیں جانتے؛ اور میں آپ کے پاس ملک سباء سے ایک سچی خبر لے کر آیا ہوں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام خضر کے پاس علم حاصل کرنے کی غرض سے گئے تھے؛ اور ان سے کہا تھا:

﴿ هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ [الکھف ۶۶]

''کیا میں آپ کی تابعداری کروں؟ کہ آپ مجھے وہ نیک علم کو سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حالانکہ خضر کا مرتبہ آپ سے فروتر تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اور خضر کے مابین جو فرق ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے اشباہ و امثال صحابہ کے مابین فرق سے بہت زیادہ ہے۔ حضرت خضر کے وہ علوم جن کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پاس جانا پڑا؛ وہ ان علوم کی بنا پر موسیٰ علیہ السلام کے قریب بھی نہ تھے مبادا کہ آپ سے افضل ہوتے۔ بلکہ آپ کے متبعین انبیاء جیسے حضرت ہارون' حضرت یوشع اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام سے بھی افضل نہ تھے۔ جب کہ موسیٰ علیہ السلام خضر سے افضل تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو بات کہی تھی وہ ایک فاضل مجتہد کہہ سکتا ہے اس لیے کہ مہر میں اللہ کا بھی حق ہے اور یہ سودا بازی کی قسم کی کوئی چیز نہیں۔ اس لیے کہ مال کو مباح کرنے سے وہ مباح ہوجاتا ہے۔ اور اسے بلاعوض خرچ کرنا جائز ہوجاتا ہے۔ جب کہ شرمگاہ مباح سمجھنے سے مباح نہیں ہوجاتی۔ اور انبیاء کے علاوہ باقی لوگوں کا بغیر مہر کے نکاح نہیں ہوسکتا۔ اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ جب بغیر مہر کے نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ لیکن مہر کی مقدار مقرر کیے بغیر عقد نکاح ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں مہر مثل لازم آتا ہے۔ [یعنی جتنا مہر اس عورت کی خاندانی خواتین کا ہوا اتنا مہر اسکا بھی ادا کیا جائے گا]۔

اگر شوہر بیوی کا مہر ادا کرنے سے پہلے مرجائے؛ تو اس صورت میں صحابہ اور فقہاء کے دو قول ہیں:

پہلا قول:......اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کا مذہب ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک قول میں اسے ہی اختیار کیا ہے۔

دوسرا قول:......اس پر مہر مثل واجب ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ یہی قول حضرت امام ابو حنیفہ' امام احمد اور دوسرے قول میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا کے بارے میں مہر مثل کا فیصلہ کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی خلاف نص نہیں ہے۔ آپ اس انسان سے بہت بہتر ہیں جس کا قول نصوص کے خلاف ہو۔ جب مہر میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی پایا جاتا ہے تو اس کے لیے ممکن ہے کہ کوئی شرعی حد مقرر کی جائے۔ جیسے زکاۃ اور فدیہ وغیرہ کی حد ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مہر کی سب سے کم مقدار چوری کا نصاب ہے۔ اگر یہ جائز ہے کہ کم سے کم مہر کی مقدار مقرر کی جائے تو پھر یہ بھی جائز ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہر کی مقدار مقرر کی جائے۔

خلاصہ کلام! اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کو نافذ بھی کر دیتے تو یہ اجتہاد ان دوسرے بہت سارے اجتہادات سے کمزور نہ ہوتا جنہیں دوسرے لوگوں نے نافذ کیا ہے۔ تو پھر آپ کے لیے یہ اجتہاد نافذ کرنا کیسے جائز نہ ہوتا؟

باقی رہ گیا معاملہ اس آیت کی تفسیر کا؛ ارشاد باری ہے: ﴿وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا﴾۔ اگر تم نے ان میں سے کسی ایک کو خزانہ بھی دے دیا ہو [تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو]۔

بہت سارے لوگ اس کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو کہ خود اس آیت سے واضح ہوتی ہے کہ ایسا مبالغہ کے لیے ارشاد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمایا گیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''جاؤ تلاش کرو اگر چہ تمہیں لوہے کی ایک انگوٹھی ہی مل جائے۔'' آپ ﷺ نے یہ جملہ مبالغہ کے طور پر ارشاد فرمایا تھا۔اگر مہر کی کم سے کم مقدار مقرر کرنے والے اس کی یہ تاویل کر سکتے ہیں تو پھر زیادہ سے زیادہ کی حد مقرر کرنے والوں کی تاویل بھی بجا ہے۔

پس اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ باقی لوگوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی تائید و نصرت اور ہدایت سے نوازا تھا۔ اور آپ کے ضعیف اقوال جن سے آپ نے رجوع بھی کر لیا تھا ؛ اور ان پر مصر نہیں رہے تھے ؛ وہ ان لوگوں کے ضعیف اقوال سے بہت بہتر ہیں جنہوں نے اپنے اقوال سے رجوع نہیں کیا۔مزید برآں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی خطاؤں کو معاف کر دیا ہے اگر چہ کوئی ان سے رجوع نہ بھی کرے تو پھر ان کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں جنہوں نے اپنی غلطی سے رجوع بھی کر لیا تھا؟

یہ بات کئی مقامات پر بیان کی جا چکی ہے کہ سلف صالحین صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین و رحمہم اللہ کے اجتہادات متأخرین کے اجتہادات کی نسبت زیادہ کامل ہوتے تھے۔اور ان میں حق اور درستگی متأخرین کی نسبت بہت زیادہ ہوتی تھی۔اور ان کی خطائیں متأخرین کی خطاؤں کی نسبت بہت کم اور خفیف ہوا کرتی تھیں۔پس صحابہ اور تابعین میں سے جن لوگوں نے نکاح متعہ کے درست ہونے کا کہا ہے؛ ان کی خطأ ان متأخرین کی نسبت کم اور آسان ہے جنہوں نے حلالہ کو درست کہا ہے۔اس کی بیس سے زیادہ وجوہات ہیں؛ جنہیں ہم نے ایک علیحدہ کتاب میں بیان کیا ہے۔اور صحابہ اور تابعین میں سے جن لوگوں ایک درہم کے بدلے دو درہم کی خرید و فروخت کو درست کہا ہے؛ ان کی خطا ان متأخرین کی نسبت بہت ہلکی ہے جو حیلے کر کے سود کو جواز فراہم کرتے ہیں۔اور جن متأخرین نے مفقود الزوج عورت کے بارے میں حضرات صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر کے قول کا انکار کیا ہے: کہ جب اس کا شوہر آجائے تو اسے اختیار دیا جائے گا؛ کہ وہ مہر یا عورت میں سے ایک چیز چن لے؛ ان کا یہ قول ضعیف ہے۔اور صحابہ کا قول حق اور ثواب اور شریعت کے اصولوں کے مطابق ہے۔اور جن لوگوں نے اسے خلاف قیاس کہا ہے ؛ اور کہا ہے کہ جب حاکم اس پر فیصلہ دے تو وہ نافذ نہیں ہوگا؛ انہوں نے یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مآخذ اور ان کے فہم و استدلال کی دقت/ گہرائی سے عدم معرفت کی بنیاد پر کہی ہے۔ بیشک یہ قول بوقت ضرورت عقود کے موقوف ہو جانے پر مبنی ہے۔جو کہ شریعت کے اصولوں میں سے ایک سنہری اصول ہے۔

ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زبردستی حاصل ہونے والی زمین کو جو مالِ فئے قرار دیا تھا؛ اس میں یہی بات حق اور درست ہے۔نہ کہ ان متأخرین کی بات جو کہ اس کو سمجھ ہی نہیں سکے۔ اور اہل قبلہ کے ساتھ قتال کے جس مسئلہ کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے؛ وہی قول برحق ہے؛ نہ کہ ان خوارج اور دیگر متأخرین کا قول جو اس مسئلہ کو سمجھ ہی نہیں سکے۔

ایسے ہی ایمان ؛ نذور ؛ طلاق اور خلع کے جن مسائل میں حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فتوے دیے ہیں ان کے فتاویٰ ہی برحق و صواب ہیں۔نہ کہ ان متأخرین کا قول جو مسئلہ کی حقیقت سے لاعلم ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلاصہ کلام! یہ ایک لمبی بحث ہے؛ جس کے بیان کے لیے وقت چاہیے۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس امت کے سب سے بڑے فقیہ؛ دین کے سب سے زیادہ جاننے والے اور دیندار تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے: ''صحابہ کرام ہر علم؛ فقہ؛ دین داری اور ہدایت میں ہم پر فوقیت رکھتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک ہدایت اور علم کے حصول کا سبب موجود ہے۔ ہمارے بارے میں ان کی رائے ہمارے اپنی ذات کے بارے میں ذاتی رائے سے بہت بہتر ہوتی ہے۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہمارے ہاں عقیدہ کی بنیاد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول کتنا ہی خوبصورت ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

''اے لوگو! تم میں سے جو کوئی سنت اختیار کرنا چاہتا ہو؛ اسے چاہیے کہ ان لوگوں کی راہ پر چلے جو وفات پا چکے ہیں۔ اس لیے کہ زندہ کو فتنہ سے محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ جو تمام امت سے افضل لوگ ہیں۔ ان کے دل سب سے نیک تھے۔ ان کا علم سب سے پختہ اور گہرا تھا؛ اور تکلف بالکل نہیں کرتے تھے۔ وہ ایسے لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اس کے دین کی اقامت کے لیے چن لیا تھا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو؛ اور ان کے آثار کی پیروی کرو۔ اور اگر تم استطاعت رکھو تو ان کے اخلاق اور دین کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ بیشک وہ لوگ صراط مستقیم پر قائم تھے۔''

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اے قراء کی جماعت! استقامت کے ساتھ رہو؛ اور ان لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر تم استقامت پر رہو گے تو بہت ہی آگے نکل جاؤ گے۔ اور اگر تم دائیں بائیں چلنے لگو گے تو تم بہت دور کی گمراہیوں میں جا گرو گے۔''

فصل:...... [شراب کی حد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر الزام]

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ پر شراب کی حد نہیں لگائی تھی کیوں کہ اس نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوْا﴾

[المائدہ ۹۳]

''ایسے لوگوں پر جو ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جب کہ وہ لوگ تقوی رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا'' آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے قدامہ رضی اللہ عنہ ان میں شمار نہیں ہوتا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا کہ کیا حد لگائیں، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:'' قدامہ رضی اللہ عنہ کو اسی چابک لگائیں۔اس لیے کہ شراب پینے والا شراب پی لیتا ہے تو اس پر نشہ طاری ہوتا ہے' اور جب نشہ طاری ہوتا ہے تو وہ ہذیان بکتا ہے؛ اور جب ہذیان بکتا ہے تو جھوٹی تہمتیں لگاتا ہے۔''

[جواب] :یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک صاف کھلا ہوا صریح جھوٹ ہے۔کیونکہ شراب نوشی کی حد کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ بارہا آپ کو اس کا عملی تجربہ ہو چکا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی ایسے واقعات پیش آچکے تھے۔کیونکہ اس سے پہلے کبھی چالیس چابک مارا کرتے تھے اور کبھی اسی چابک ۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی بطور تعزیر یہ سزا بھی دیا کرتے تھے کہ سر منڈوا کر اسے شہر سے نکال دیتے۔اور کبھی صرف شاخوں سے مارا کرتے ؛ کبھی جوتے سے مارتے ؛ کبھی تھپڑ مکا پر کام چل جاتا اور کبھی کپڑے کے کونے سے مارا کرتے۔

چالیس سے زائد اسی (80) کوڑے تک کے بارے میں علمائے اسلام کے مابین اختلاف ہے؛ کہ کیا یہ حد ہے جسے قائم کرنا واجب ہے؟ یہ پھر تعزیری سزا ہے جو احوال کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے؟ اس میں دو قول مشہور ہیں؛ اور امام احمد سے بھی دو روایتیں منقول ہیں۔:

اول:...... بیشک یہ حد ہے ۔اور حد کی کم سے کم مقدار اسی کوڑے ہے؛ جو کہ زنا کی تہمت لگانے والے کی حد ہے۔ اس قول والوں کا دعوی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اس پر اجماع ہے۔اور جو روایات میں چالیس کوڑے کا ذکر منقول ہے؛ تو وہ کوڑا دو منہ والا ہوا کرتا تھا۔اس سے چالیس ضربیں لگانا اسی کی جگہ کفایت کر جاتا تھا۔ یہ قول امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ کا ہے۔اور خرقی اور قاضی ابویعلی نے بھی یہی اختیار کیا ہے۔

دوم :...... چالیس سے زائد کوڑے لگانا جائز ہیں۔ کیونکہ یہ واجب حد نہیں ہے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا قول ہے؛ اور ابوبکر اور ابو محمد نے یہی اختیار کیا ہے۔ یہ قول صحیح بخاری میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے؛ آپ نے ولید کو چالیس کوڑے لگائے ؛ اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے ہی لگائے تھے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس کوڑے لگائے ؛ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے لگائے ؛ یہ تمام امور سنت ہیں۔ یہ [یعنی چالیس کوڑے] میرے نزدیک زیادہ بہتر ہیں۔'' ❶

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے انگور کی شراب پی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو چھڑیوں سے چالیس بار مارا۔فرماتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا۔

---

❶ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے والے کو چھڑیوں اور جوتیوں سے مارا ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے لگائے ہیں۔[صحیح بخاری:جلد سوم:حدیث نمبر 1711]

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا انہوں نے لوگوں سے مشورہ طلب کیا تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کم از کم حد اسی کوڑے ہیں۔تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم دیا۔''

اس لیے بھی کہ اس میں کوڑے کے بغیر بھی مارنا جائز ہے؛ جیسے کھجور کی ٹہنی ؛ جوتا؛ کپڑے کا پہلو وغیرہ ۔ پس جب مارنے کا کوئی متعین طریقہ نہیں تھا ؛ بلکہ اس میں معاملہ اجتہاد کی طرف لوٹتا تھا۔تو ایسے ہی مارنے کی مقدار کا معاملہ بھی ہے۔اور یہ اس وجہ سے ہے کہ مے نوشی کرنے والوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شروع شروع میں چوتھی بار شراب پینے والوں کوقتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔اس بارے میں کہا گیا ہے کہ: بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ:نہیں؛ بلکہ یہ حکم ابھی تک باقی ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: یہ تعزیری سزا ہے؛ جس میں کسی بھی وقت کوئی سی شکل اختیار کرنا جائز ہے۔اس لیے کہ کپڑے سے مارنا تو کوئی حد نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ قلت اور کثرت کے کمی اور زیادتی کے اعتبار سے مختلف حکم رکھتی ہے۔اور کبھی دل کوکسی بھی مقدار سے تسلی نہیں آتی ۔تو اس میں بڑی سزا کو اجتہاد پر منحصر چھوڑ دیا گیا ہے۔اگر چہ اس کی کم سے کم سزا متعین ہے۔جیسا کہ بعض تعزیرات میں زیادہ سے زیادہ سزا متعین ہوتی ہے اورکم کی کوئی مقدار نہیں ہوتی۔

ذکر کردہ حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی تفصیل بروایت ابواسحاق جوزجانی از ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ:''قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ نے شراب پی،تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا''تمہیں کس چیز نے شراب نوشی پر آمادہ کیا۔'' قدامہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کردہ یہ آیت تلاوت کی:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوا﴾

''ایسے لوگوں پر جو ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جب کہ وہ لوگ تقوی رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں۔''

اور کہا کہ میں مہاجرین اولین میں سے ہوں؛ اہل بدر و احد میں سے ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''لوگو!اسے جواب دو۔''

سب صحابہ خاموش رہے۔پھر آپ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جواب دینے کا حکم دیا: تو آپ نے فرمایا:''یہ آیت ان لوگوں کو معذور قرار دینے کے لیے نازل ہوئی جو شراب کی حرمت سے قبل شراب نوشی کے مرتکب ہو چکے تھے۔''اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہے:

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ [المائدہ ۹۰]

''بیشک شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو۔''

اب یہ آیت لوگوں پر حجت ہے۔پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی کی حد کے بارے میں پوچھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا:

جب کوئی شخص شراب پئے گا تو بے ہودہ بکے گا اور جب بے ہودہ بکے گا تو جھوٹ بولے گا، آپ قدامہ کو اسی درّے لگائیں۔'' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تعمیل کر دی۔

اس روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی درّے لگانے کا مشورہ دیا۔مگر یہ بات محل نظر ہے۔

روایات صحیحہ میں آیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو چالیس درے لگائے تھے۔ اورآپ نے اسی درّے کی روایت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کیا تھا۔❶ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ اسی درّے لگانے کا مشورہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔❷

یہ حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اخذ نہیں کیا تھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اسی کوڑے لگائے تھے۔تو اس سے ثابت ہوا کہ کبھی چالیس درے لگائے جاتے تھے اور کبھی اسی درے۔ ہم قبل ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کر چکے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے:''اگر کسی شخص پر حد لگائی جائے اور وہ مرجائے تو مجھے اس کا کچھ افسوس نہیں البتہ اگر شراب پینے والا حد لگانے سے مرجائے تو میں اس کی دیت ادا کروں گا؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حد مقرر نہیں فرمائی تھی۔[یہ حد ہم نے اپنی رائے سے مقرر کی ہے]۔''

یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کی؛ اور نہ ہی فقہاء میں سے کسی ایک نے چالیس سے کم کا کہا ہے۔اور یہ بات بھی جائز نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام کو اجماع کی مخالفت پر محمول کیا جائے۔

بیشک فقہاء کا اختلاف اس بات میں ہے کہ اگر چالیس سے زیادہ کوڑے لگائے گئے؛ اور پھر اس کی جان تلف ہوگئی تو کیا اس کی دیت ادا کرنا پڑے گی؟ اس میں دو قول ہیں:

اول:...... جمہور کہتے ہیں: اس صورت میں بھی کوئی دیت نہیں ہے۔ یہ امام مالک؛ ابوحنیفہ اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔

دوم:...... امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: تاوان ادا کیا جائے گا۔ یا تو آدھی دیت ہوگی؛ یہ ایک قول ہے؛ کیونکہ انہوں نے قابل ضمانت کام کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ یا پھر دیات تمام کوڑوں سے ساقط ہوگی؛ تو جس قدر کوڑے چالیس سے زیادہ لگائے ہیں؛ ان کے اعتبار سے دیت ہوگی۔

امام شافعی کے اس قول کی بنیاد یہ ہے کہ چالیس سے زیادہ کوڑے لگانا کوئی متعین سزا نہیں ہے۔ اور اصول یہ ہے کہ جو کوئی غیر متعین سزا کے نتیجہ میں مارا جائے وہ اس کی دیت ادا کرے گا۔ کیونکہ جان کے ضائع ہونے سے سزا دینے والی کی زیادتی ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اگر شوہر اپنی بیوی کی پٹائی لگائے؛ یا پھر استاد بچے کی تادیب کرے یا پھر جانور کو سوار

❶ صحیح مسلم، کتاب الحدود۔ باب حد الخمر (حدیث:۳۸/ ۱۷۰۷)۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الخمر (حدیث:۱۷۰۶)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چابک لگائے۔

جب کہ جمہور میں سے کچھ ان دونوں اصولوں میں آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور بعض نے صرف ایک اصول میں مخالفت کی ہے۔ پس امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ''اسی کوڑے لگانا واجب حد ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت میں یہ قول ملتا ہے۔ جب کہ دوسری روایت میں وہ کہتے ہیں: ہر وہ انسان جس کی جان جائز سزا میں چلی جائے تو اس کا قتل ہوجانا درست ہے۔ بھلے یہ سزا واجب ہو یا مباح ہو۔ اور بھلے اس کی مقدار متعین ہو یا نہ ہو۔ جب تک وہ اس پر زیادتی نہ کرے۔ پس اس اصول کے مطابق کسی سزا والے زخم کے بگڑ جانے/سرایت کر جانے پر کوئی تاوان نہیں واجب ہوگا۔ ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب کسی جائز اور متعین سزا میں جان چلی جائے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ جیسے زنا کے کوڑے؛ چور کا ہاتھ کاٹنا۔ اور دیگر امور کے بارے میں اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں: جائز سزاؤوں میں دیت دے گا؛ واجب سزاؤوں پر کوئی دیت نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے؛ آپ فرماتے ہیں: زخم کے سرایت کرنے پر ضمان ہوگی؛ جب حق اللہ کی تعزیر سرایت کرنے پر ضمان نہیں ہوگی۔

ان میں سے بعض کہتے ہیں: غیر متعین سزا میں دیت ہوگی؛ جب کہ متعین سزا میں دیت نہیں ہوگی۔ بھلے وہ سزا واجب ہو یا جائز ہو۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور کچھ علماء کہتے ہیں: کسی بھی صورت میں اس پر کوئی تاوان یا دیت نہیں۔ یہ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا قول ہے۔

فصل:......[فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر اجتہادی غلطیوں کا الزام]

[اعتـــراض] : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''عمر رضی اللہ عنہ نے ایک حاملہ عورت کو بلا بھیجا اور خوف کے مارے اس کا حمل ساقط ہو گیا، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''ہمارا خیال ہے کہ آپ صرف تأدیب کرنا چاہتے تھے لہٰذا آپ پر دیت وغیرہ نہیں آئے گی۔'' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''اس کے ورثاء پر دیت کا ادا کرنا واجب ہے۔''

[جواب] : ہم کہتے ہیں کہ: ''یہ مسئلہ ان اختلافی و اجتہادی مسائل میں سے ہے جن میں علماء کرام کا اختلاف موجود ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کبار صحابہ مثلاً: حضرت عثمان، علی، ابن مسعود، زید بن ثابت؛ حتی کہ ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ آپ کے کمال علم و فضل؛ عقل اور دینداری کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی رائے سب سے زیادہ درست ہوا کرتی تھی۔ کبھی آپ کسی ایک کی رائے کو راجح قرار دیتے تو کبھی کسی دوسرے کی رائے کو۔ ایک عورت کو بارگاہ فاروقی میں لایا گیا جس نے زنا کا اقرار کیا تھا۔ تمام لوگوں نے اس کو رجم کرنے پر اتفاق کر لیا؛ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خاموش بیٹھے رہے۔ آپ سے پوچھا گیا: آپ خاموش کیوں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

''میرا خیال ہے کہ یہ عورت اس کو جائز سمجھ رہی ہے اور زنا کی حرمت سے آگاہ نہیں ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو یہ یاد دلایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر رجوع کر لیا اور اس عورت پر حد قائم نہ کی۔ معنی یہ ہے کہ وہ عورت اس کا کھل کر اظہار کرتی تھی؛ اور اسے مباح سمجھتی تھی؛ جیسے کوئی انسان کسی ایسی چیز کا اظہار کرتا ہے جسے وہ برا نہ سمجھتا ہو۔ جیسا کہ کھانا پینا شادی کرنا وغیرہ۔ جب وہ اس کا برا نہیں سمجھ رہی تھی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ زنا کے حرام ہونے کے حکم سے جاہل تھی۔ اس لیے کہ حد صرف ان لوگوں پر قائم کرنا واجب ہوتی ہے جنہیں اس فعل کے حرام ہونے کا علم ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (الاسراء ۱۵)

''اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں جب تک رسول کو مبعوث نہ کر دیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [النساء ۱۶۵]

''تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے۔''

یہی وجہ ہے کہ ان کفار سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے جن تک اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو؛ حتی کہ انہیں دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔

ایسے ہی جو کوئی ایسا انسان نیا نیا مسلمان ہونے کی وجہ سے کسی حرام کام کا ارتکاب کر بیٹھے؛ اور وہ اس کے حرام ہونے کا حکم نہ جانتا ہو؛ یا پھر وہ ایسے معاشرہ میں پروان چڑھا ہو جہاں پر جہالت عام ہو؛ تو اس پر حد قائم نہیں کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو سزا نہ دی تھی جو رمضان میں صبح کو اس وقت تک کھاتا رہا حتی کہ سفید دھاگہ کالے دھاگے سے علیحدہ ہو گیا۔ اس لیے کہ اس سے تاویل میں غلطی ہوئی تھی۔

آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو کوئی سزا نہ دی؛ جب آپ نے اس آدمی کو قتل کر دیا تھا جس نے لا إلہ إلا اللہ کہہ دیا تھا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ اس کو قتل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ آپ نے یہ فرمایا تھا: کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔

ایسے ہی اس سریہ والوں کا حال ہے جنہوں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا؛ جس نے کہا تھا: میں مسلمان ہوں۔ پھر اس کا مال لے لیا گیا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی سزا نہیں دی۔ کیونکہ یہ لوگ متاول تھے۔

ایسے ہی جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بنو جذیمہ کو قتل کر دیا؛ کیونکہ انہوں نے کہا تھا: ہم صابی ہو گئے: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تاویل کی وجہ سے انہیں کوئی سزا نہیں دی۔

ایسے ہی مالک بن نویرہ کے قتل پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوئی سزا نہیں دی؛ کیونکہ آپ متاول تھے۔

ایسے ہی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک نے دوسرے سے کہا: اے منافق؛ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی سزا نہیں دی۔ کیونکہ وہ متاول تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہی وجہ ہے کہ فقہاء کہتے ہیں: وہ شبہ جس کی وجہ سے حد ساقط ہوتی ہے وہ اعتقاد کا شبہ ہے۔ یا ملکیت کا شبہ ہے۔ پس جس نے نکاح کیا؛ اور وہ اعتقاد رکھتا تھا کہ اس کے ساتھ وطی جائز ہے؛ تو اس پر کوئی حد نہیں ہوگی۔ اگر چہ وہ باطن میں اس پر حرام ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں اگر اسے حرام ہونا معلوم ہو؛ لیکن سزا کا بھلے علم نہ ہو تو اس پر حد نافذ کی جائے گی۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ پر حد نافذ کی؛ انہیں زنا کے حرام ہونے کا علم تھا؛ مگر اس کی سزا کا علم نہ تھا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جاتا ہے۔ تو نبی اکرم ﷺ نے اسے رجم کردیا۔ کیونکہ اسے اس فعل کے حرام ہونے کا علم تھا۔ اگر چہ اس فعل کی سزا رجم کا علم نہ بھی تھا۔

یہاں پر یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اور جو کوئی آپ کے سامنے حق بیان کرتا آپ اسے قبول کرتے تھے۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ:...... آپ کے لیے اس معین واقعہ میں مناط الحکم واضح ہو جاتا؛ جسے وہ جانتے ہوتے۔ جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب فرمایا کہ: ''یہ زنا کے حرام ہونے کے حکم سے جاہل ہے۔''

یہاں پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عام حکم نہیں بیان کیا۔ بلکہ اس متعین قضیہ کے بارے میں انہیں بتایا کہ یہ عورت اس حکم کی اہل ہے۔ ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول کہ: یہ مجنون ہے۔ اس کا شمار بھی ایسے ہی قضایا میں ہوتا ہے۔ تو آپ نے اس کے مجنون ہونے کے بارے میں یا حامل ہونے کے بارے میں خبر دی۔

---

❶ بہت ساری احادیث میں مہر میں تخفیف کرنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صراحت کے ساتھ مہر میں غلو سے نہی صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔ ابوداؤد رحمہ اللہ نے ابوالعجفاء اسلمی سے روایت کیا ہے: ''بہترین نکاح وہ ہے جس میں آسانی ہو۔'' [سنن ابی داؤد ۲۱۰۶۔] اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مہر میں بہت زیادہ غلو سے منع کرتے تھے اس سے دوسری روایت کا بطلان ثابت ہوگیا۔ ۲۔ اس روایت میں دوسری صحیح اور صریح نصوص کی مخالفت پائی جاتی ہے، جن مہر میں غلو سے اجتناب کی ترغیب، اور اس معاملہ میں نرمی برتنے کا حکم ہے، ان میں سے ایک روایت جو کہ سنن ابی داؤد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا: ''بہترین نکاح وہ ہے جس میں آسانی ہو۔'' [سنن ابی داؤد: ۲۱۱۷۔]

اور امام حاکم اور ابن حبان رحمہ اللہ نے موارد الظمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، آپ فرماتی ہیں: ''رسول اللہ نے مجھے سے فرمایا: ''کون ہے جو عورت پر احسان کر کے اس کا معاملہ آسان کرے، اور مہر کم دے۔''

ابن حبان ۴۰۹۵۔ مستدرك الحاكم: ۲/ ۱۹۷، ۲۷۳۹، موارد الظمان: ۱۲۵۶۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا؛ اس نے عرض کیا کہ: ''میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے۔'' تو نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: ''کیا تو نے اسے دیکھا ہے کیونکہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔'' اس نے کہا: ''میں نے اسے دیکھا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے اس سے کتنے مہر پر شادی کی''؟ اس نے کہا: ''چار اوقیہ پر۔'' تو اس سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''چار اوقیہ پر؛ گویا کہ تم اس پہاڑ سے چاندی کھودلاتے ہو؛ جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ البتہ عنقریب ہم تمہیں ایک قافلہ میں بھیجیں گے تاکہ تجھے اس سے کچھ مل جائے۔'' [مسلم ۱۴۲۴] اس کے علاوہ بھی دیگر احادیث ہیں جن میں مہر کم رکھنے کی ترغیب ہے۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قول میں حق پر تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوسری وجہ:......آپ کے لیے نص واضح ہو جاتی؛ یا نص کا عام حکم واضح ہو جاتا۔ جیسا کہ اس عورت نے آپ کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا﴾ [النساء ۲۰]

''اور ان میں کسی کو تم نے خزانے کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو۔''

یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شراب پینے والے کی حد کو بہتان لگانے والے کی حد پر قیاس کیا تھا۔

فصل:......[بچے کے بارے میں دو عورتوں کا جھگڑا]

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''دو عورتیں ایک بچے کے بارے میں جھگڑتی ہوئیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں، اور وہ ان کا فیصلہ نہ کر سکے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دونوں عورتوں کو بلا کر سمجھایا، مگر وہ باز نہ آئیں۔ آپ نے فرمایا: ''آری لاؤ۔'' ان میں سے ایک عورت نے پوچھا: ''آری سے کیا کرو گے''؟ فرمایا: تاکہ میں بچے کو چیر کر آدھا آدھا تقسیم کر دوں؛ اور ہر ایک آدھا آدھا بچہ لے لے۔ اس پر ایک عورت راضی ہوگئی۔ جب کہ دوسری عورت بولی: ابو الحسن! آپ کو اللہ کا واسطہ ہے ایسا نہ کیجئے۔ اگر ایسا کرنا ہی ضروری ہے تو یہ بچہ اسی عورت کو دے دیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اکبر! یہ تیرا ہی بیٹا ہے، اگر اس کا بیٹا ہوتا تو اس کو بچے پر رحم آتا۔ تو پہلی عورت نے اعتراف کر لیا کہ حق دوسری کے ساتھ ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیران ہو گئے اور امیر المؤمنین کو دعائیں دینے لگے۔''

[جواب]: ہم کہتے ہیں: اس قصہ کی نہ ہی اس نے کوئی سند ذکر کی ہے' اور نہ ہی اس کی صحت کا کوئی علم ہے۔ اور کسی بھی اہل علم نے ہمارے علم کے مطابق یہ قصہ ذکر نہیں کیا۔ اگر اس قصہ کی کوئی حقیقت ہوتی تو اسے ضرور ذکر کرتے۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق نہیں بلکہ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً مروی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

''دو عورتیں تھیں ان کے ساتھ دونوں کے بچے تھے کہ ایک بھیڑیا آیا اور ایک کے بچہ کو لے گیا۔ ایک عورت نے کہا بھیڑیا تیرے بیٹے کو لے گیا ہے دوسری نے کہا نہیں تیرے کو لے گیا ہے۔ ان دونوں نے داؤد کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا۔ انہوں نے بڑی عورت کے حق میں اس بچہ کا فیصلہ کر دیا۔ پھر دونوں وہاں سے نکل کر سلیمان بن داؤد کے پاس آئیں اور یہ واقعہ انہیں بتایا۔ تو سلیمان نے کہا کہ ایک چھری لاؤ میں اس بچہ کے دو ٹکڑے کر کے دونوں میں تقسیم کر دوں گا۔ چھوٹی عورت نے کہا کہ: ایسا نہ کیجئے اللہ آپ کا بھلا کرے یہ اسی کا بیٹا سہی۔ پس سلیمان نے بچہ چھوٹی کو دلوا دیا۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ: اللہ کی قسم میں نے سکین کا لفظ اسی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

دن سنا؛ ورنہ ہم تو (چھری) کو مدیہ کہتے تھے۔''❶

یہ واقعہ بعض دوسرے صحابہ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سن رکھا تھا جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنا ہوا تھا۔ یہ پھر انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی سن لیا تھا۔ اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایسی سمجھ حضرت سلیمان کو عطا کی، اوراس جیسی سمجھ حضرت داؤد نہ سمجھ سکے۔

قرآن کریم میں [اس قسم کا ایک دوسرا قصہ نقل کرتے ہوئے] ارشاد ہوا ہے:

﴿اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ﴾ (الانبیاء:۷۸)

''یاد کیجئے جبکہ وہ کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو اس میں چر گئی تھیں۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی تھی، کہ انھیں ایسی حکومت عطا کی جائے جو اس کی حکومت سے ملتی جلتی ہو، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام سے افضل ہوں، خصوصاً احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سب انسانوں سے بڑھ کر عابد تھے۔❷

فصل:...... [غیر شادی شدہ حامل کا حکم رجم]

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، جس کے ہاں نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت کو مخاطب کر کے کہا اگر یہ عورت کتاب باری تعالیٰ کے مطابق آپ سے جھگڑے گی تو آپ پر غلبہ حاصل کر لے گی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ (احقاف:۱۵)

''اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے ہے۔''

نیز فرمایا: ﴿وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾

(البقرہ:۲۳۳)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں جو رضاعت کی مدت کو پورا کرنا چاہتے ہوں۔''

[[ایک آیت میں حمل و فصال کی مدت دو سال چھ ماہ بتائی، دوسری میں ذکر کیا کہ مدت رضاعت دو سال ہے، تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ بھی ہو سکتی ہے]]۔''

[جواب]: ہم کہتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ کبھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشورہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب اذا دعت المرأة ابنا، (ح:۶۷۶۹)، صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب اختلاف المجتہدین، (ح:۱۷۲۰)۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر لمن تضرر به، ح: ۱۸۲/ ۱۱۵۹) مطولاً۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیا کرتے تھے تاکہ حق تک رسائی ہو جائے۔ اور کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا کرتے۔ اور کبھی عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا کرتے؛ اور کبھی کسی دوسرے صحابی سے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی مدح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾

''وہ اپنے کام باہم مشورہ سے طے کرتے ہیں۔''

یہ مسئلہ متنازع فیہا ہے کہ جب ایک عورت حاملہ ہو اور اس کا خاوند ہو نہ آقا اور نہ ہی اس کا یہ دعویٰ ہو کہ کسی نے شبہ کی بنا پر غلطی سے اس کے ساتھ مجامعت کر لی ہے؛ تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا اسے رجم کیا جائے گا......؟

امام مالک رحمہ اللہ اور اہل مدینہ اور سلف کا مذہب یہ ہے کہ: ''اسے رجم کیا جائے گا۔''

امام احمد رحمہ اللہ سے منقول دو روایات میں سے ایک قول یہی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''اسے رجم نہ کیا جائے۔''

امام احمد سے بھی دوسری روایت میں یہی منقول ہے۔ کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس کے ساتھ جبر کیا گیا ہو؛ یا کسی نے شبہ میں وطی کر دی ہو۔ یا اسے بلا مجامعت حمل ٹھہر گیا ہو۔

پہلا قول خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کا مسلک یہ ہے کہ اسے سنگسار کیا جائے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''مردوں اور عورتوں میں سے جو بھی زنا کرے؛ زانی کو رجم کرنا حق ہے، بشرطیکہ گواہ موجود ہوں یا استقرار حمل ہو جائے، یا وہ شخص بذات خود زنا کا اعتراف کر لے۔''[1]

آپ نے حمل کو زنا پر ایسے ہی دلیل ٹھہرایا ہے جیسے گواہ۔ ایسے ہی یہ معاملہ بھی تھا۔ اور ایسے ہی جب ایک شرابی جب قے کر رہا ہو یا اس سے شراب کی بو محسوس ہو تو اس کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام یعنی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین سے معروف ہے کہ آپ قے کرنے کی وجہ سے اور بو محسوس کرنے کی وجہ سے حد لگایا کرتے تھے۔ اور اس بارے میں اگر کوئی گواہی دیتا کہ اس نے قے کی ہے؛ تو یہ بالکل اسی طرح ہوتا جیسے اس نے شراب پینے کی گواہی دی ہو۔ اس میں دور کے احتمالات بھی گواہ کی غلطی اور جھوٹ کے احتمالات کی طرح ہیں۔ یا پھر جیسے کسی کے خود اقرار کرنے میں غلطی یا جھوٹ کا احتمال ہوتا ہے۔ اور یہ دلائل ایسے ظاہر ہیں کہ ان سے اتنا علم حاصل ہو جاتا ہے جو کہ گواہیوں اور اقرارات سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

زنا پر گواہی کی وجہ سے بہت ہی کم حد قائم ہوتی ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ گواہی کی وجہ سے زنا کی حد قائم ہوئی ہو۔ بلکہ حد یا تو اقرار کی وجہ سے نافذ کی جاتی ہے یا پھر حمل ظاہر ہونے کی وجہ سے۔ لیکن ایسے مواقع پر حد سے کم درجہ کی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب الاعتراف بالزنا، (حدیث:٦٨٢٩)، صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب رجم الثیب فی الزنی (حدیث:١٦٩١)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

سزا دی جائے گی۔ مثال کے طور پر جب کسی جوڑے کو لحاف میں لپٹے ہوئے دیکھا جائے؛ یا اس طرح کی کسی دیگر قابل اعتراض حالت میں؛ [تو انہیں تعزیر کے لیے کوئی سزا دی جائے]۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین یہ معروف تھا کہ حمل واضح ہونے پر حد قائم کی جاتی ہے؛ تو اگر عورت چھ ماہ سے پہلے بچہ جن لے تو اس پر بھی حد قائم ہوسکتی ہے۔ نکاح کے چھ ماہ بعد بہت ہی شاذ و نادر حالت میں بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور نادر قسم کے امور کبھی انسان کے ذہن سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسے عورتوں کی عام عادت کے مطابق سمجھا ہوگا۔ جس طرح عورتوں کی عام طبیعت ہوتی ہے کہ نو ماہ کے بعد بچہ جنم دے دیتی ہیں۔ بعض اوقات بہت ہی کم یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی عورت کو دو سال تک حمل رہا؛ اور نادر طور پر چار سال تک بھی حمل رہا ہے۔ اور ایسی عورت کے متعلق بھی اطلاع ملی ہے جسے سات سال تک حمل رہا۔ [علماء کا اختلاف ہے کہ] جب عورت مرد سے جدا ہونے کے اتنے عرصہ بعد بچہ جنم دے تو کیا اس کا نسب اس آدمی سے ملایا جائے گا یا نہیں؟ یہ اختلاف بڑا معروف ہے۔ اس کا شمار اجتہادی مسائل میں ہوتا ہے۔

بہت سارے ایسے علماء بھی ہیں جو حمل کی انتہائی آخری حد نادر ترین مدت کو مقرر کرتے ہیں۔ اور کوئی دو سال حد مقرر کرتا ہے اور کوئی چار سال؛ اور کوئی سات سال۔ اور بعض کہتے ہیں: یہ نادر معاملات ہیں؛ ان کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں کی جائے گی۔ اور جب عورت مرد سے جدا ہونے کے بعد خلاف عادت بچے کو جنم دے؛ اور ایسے آثار بھی ہوں کہ یہ بچہ کسی دوسرے کا ہے تو پھر اس کا نسب اس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔

فصل:...... دادا کی میراث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال میں تناقض پایا جاتا ہے، چنانچہ دادا کے بارے میں آپ نے سو مختلف و متضاد فیصلے کیے۔''

[جواب]: جدّ (دادا) کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ دیگر صحابہ کی نسبت اقرب الی الحق ہے۔ جب میت کا دادا بھی زندہ ہو اور بھائی بھی موجود ہوں تو اس کے بارے میں صحابہ کے دو قول ہیں:

۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو ورثہ نہیں ملے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور بہت سارے دوسرے صحابہ کرام جیسے: ابی بن کعب؛ اور ابوموسیٰ و ابن عباس؛ ابن زبیر؛ اور ان کے علاوہ دیگر چودہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اسی کے قائل ہیں۔ علاوہ ازیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، شافعیہ میں سے ابن سریج اور حنابلہ میں سے ابو حفص برمکی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے؛ اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے۔ اور یہ مسلک اقرب الی الحق ہے۔ اس لیے کہ حقیقی بھائیوں کے بیٹوں کو دادا سے وہی نسبت ہے جو دادا کے بیٹوں یعنی چچوں کو دادا کی طرف، اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ دادا یہاں باپ کا قائم مقام ہے اور باپ چچوں سے اولیٰ ہے، لہٰذا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دادا بھائیوں سے اولیٰ ہوگا۔

مزید برآں یہ کہ بھائی اگر دادا کے لیے بیٹوں کی منزلت پر ہوتے تو اس کے بیٹے بھی پھر ان کے بھائی شمار ہوتے۔ لیکن ایسا نہیں ہے؛ پوتے بیٹوں کی منزلت پر نہیں ہوتے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ باپ کے بیٹے ہونے کی وجہ سے انہیں تقدیم نہیں ہوگی۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ بیٹا دادا کی نسبت زیادہ اولی ہوتا ہے۔ تو اس کا پوتا بھی اسی منزلت پر ہوگا؟

مزید برآں یہ کہ دادی ماں کی طرح ہوتی ہے۔ تو واجب ہوتا ہے کہ دادا بھی باپ کی طرح ہو۔ اس لیے بھی کہ دادا کو باپ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی دو روایات میں سے ایک ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دادا بھائیوں کے ساتھ ورثہ میں شریک ہوگا۔ حضرت عثمان، علی و زید اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین اسی کے قائل ہیں، مگر اس کی تفصیل میں ان کے مابین بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، امام مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ اور اس قول کو ماننے والے جمہور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نظریہ کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ جیسے حضرت امام مالک؛ امام شافعی؛ امام احمد رحمہم اللہ۔ اور دادا کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس نظریہ کا اظہار کیا ہے، ابن ابی لیلیٰ کے سوا فقہاء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے؛ آپ اس قول کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ اگر پہلا قول صحیح اور حق ہے تو پھر یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور اگر دوسرا قول صحیح ہے تو بھی یہ عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ [دوسرا قول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے اور آپ] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدلیہ کے قاضی القضاۃ تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے فیصلوں کو نافذ کیا کرتے تھے۔ [حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دادا کے بارے میں اپنا فیصلہ ورع پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ دادا باپ کی طرح ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ مگر جب خود دادا بن گئے تو اس میں بھی ورع اختیار کرتے ہوئے یہ معاملات حضرت زید رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیے۔

باقی رہا آپ کے بارے میں راوی کا یہ قول کہ: " قَضٰی فِیْهَا بِمِائَةِ قَضِیَّةٍ ۔"

اگر یہ درست بھی ہو تو راوی کا اس سے یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سو اقوال ہیں۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں، جد کے مسئلہ میں جو نزاع پایا جاتا ہے۔ وہ ماں، بہن اور دادا کے مسئلہ سے زیادہ نہیں جسے علم وراثت میں '' مسئلۃ الخرقاء '' کہتے ہیں؛ حالانکہ اس میں صرف چھ اقوال ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ راوی کی مراد دادا کے سو حوادث و واقعات ہیں، دادا کے بارے میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اقوال دو یا تین سے ہرگز زیادہ نہیں۔ دادا کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مختلف اقوال منقول ہیں۔

علمائے فرائض سے یہ بات پوشیدہ نہیں۔ زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ سو اقوال والی روایت کذب کی آئینہ دار ہے۔ اس لیے کہ ایسی صورت شاذ و نادر ہی پیش آتی ہے کہ میت کے بھائی بھی زندہ ہوں اور دادا بھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف دس سال منصب خلافت پر فائز رہے تھے اس قدر مختصر زمانہ میں ایسے سو واقعات کیوں کر پیش آسکتے تھے، علاوہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ازیں آپ نے دادا کے بارے میں فتوی دینا بند کر دیا تھا۔

روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے کاش! کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں ہمارے لیے اچھی طرح بیان فرمائی ہوتیں:

(۱) جد کی میراث (۲) کلالہ (۳) سود سے متعلق مسائل۔ [1]

اسی لیے آپ نے ان مسائل میں توقف اختیار کرلیا تھا؛ اور اس میں کچھ بھی نہیں فرمایا کرتے تھے۔اس کی مزید وضاحت جس بات سے ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے میراث کے ایک ہی مسئلہ میں دو فیصلے نقل کیے گئے ہیں۔

ان میں سے ایک فیصلہ مشرکہ عورت کے بارے میں ہے۔اہل علم نے اپنی کتب میں معروف اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ایک بار آپ نے اس مشرکہ کے شریک میراث نہ ہونے کا فیصلہ دیا۔یہی قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔یہی مسلک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے' اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت میں یہی نقل کیا گیا ہے۔

اس جیسے ہی مسئلہ میں دوسری بار شریک میراث ہونے کا فیصلہ دیا۔اور فرمایا: اب ہمارا یہ فیصلہ ہے۔ یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔اور امام شافعی اور امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔ یہ دونوں حضرات اور دوسرے علماء اس مسئلہ میں زید بن ثابت کے مقلد ہیں۔امام حرب نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت ایسی ہی نقل کی ہے۔

اس سے فقہائے کرام رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ ایک اجتہاد کو دوسرے اجتہاد سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر موافقت کا اظہار کرتے تھے۔اس لیے کہ آپ سے یہ فرمانا ثابت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:'' میری اور عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ام الولد کو نہ بیچا جائے ؛ لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ ان کے بیچنے میں کوئی قباحت نہیں۔''

اس پر آپ کے قاضی عبیدہ سلیمانی رحمہ اللہ نے کہا:'' آپ کی رائے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور باقی جماعت کیساتھ ہو وہ ہمارے نزدیک آپ کی انفرادی رائے سے بہتر ہے۔''

پس اس مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دو قول ہیں؛ اور یہ بھی معلوم شدہ بات ہے کہ لونڈیوں کو بیچنے کی ممانعت اور ان کو آزاد کرنے کا مسئلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔آپ کے لیے اس کے خلاف فیصلہ کرنا ممکن نہ تھا۔آپ کی رائے یہ تھی کہ ان کی بیع کے مسئلہ کو دوبارہ سے زندہ کیا جائے۔

وہ مسائل جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دو اقوال منقول ہیں؛ وہ بہت زیادہ ہیں۔ یہی بھائیوں کے ساتھ دادا کی وراثت کا مسئلہ لیجیے؛ اس مسئلہ میں آپ سے بہت زیادہ اختلاف منقول ہے۔اور آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ جب آپ کا کوئی گورنر آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو آپ اسے اجتہاد کا حکم دیتے ہوئے فرماتے: پہلے کتاب اللہ کے مطابق کی

[1] صحیح بخاری، کتاب الاشربة، باب ما جاء فی ان الخمر ما خامر العقل (حدیث: ۵۵۸۸)، صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب فی نزول تحریم الخمر (حدیث:۳۰۳۲)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قطعی نصوص تلاش کرو۔'' اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ضرورت کے لیے اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔ اور متعین مسئلہ میں بھی آپ اجتہاد کرنے کے لیے مجبور تھے۔ اور آپ کو یہ بات ناپسند تھی کہ بغیر اجتہاد کے کسی دوسرے کی تقلید کریں۔ تو اسی لیے آپ نے پہلے کتاب اللہ سے تلاش کرنے کا حکم دیا۔

علمائے کرام کا ان کتابوں کی فروخت کے متعلق اختلاف ہے جن میں علم بالرائے ہو؛ کیا ان کی خرید و فروخت جائز ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔

فصل:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اقرباء پروری کا الزام

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ مال تقسیم کرنے میں بعض لوگوں کو ترجیح دیتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مساوات کو واجب قرار دیا ہے۔''

[جواب]: [پہلی بات] حضرت عمر رضی اللہ عنہ مال غنیمت خود تقسیم نہیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ یہ ان امراء لشکر کا کام تھا جو غنیمت حاصل کرتے تھے۔ امیر جیش خمس (مال غنیمت کا پانچواں حصہ) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا کرتا تھا۔ جیسا کہ آپ کے علاوہ باقی خلفاء کو بھیجا جاتا تھا۔ پس آپ اس خمس کو اس کے اہل لوگوں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔

[دوسری بات]:...... نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نہ ہی کسی دوسرے نے یہ نہیں کہا کہ غنیمت میں تفضیل واجب ہے۔ لیکن علماء کرام رحمہم اللہ کے مابین اختلاف ہے کہ کیا امام کے لیے کسی مصلحت کے پیش نظر کسی مجاہد سے مال غنیمت کی تقسیم میں ترجیحی سلوک روا رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ جب اس سے زیادہ فائدہ کا حصول واضح ہو۔

اس میں علماء کرام رحمہم اللہ کے دو قول ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دو روایتیں منقول ہیں۔

پہلا قول:...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے جائز سمجھتے ہیں۔ اسکی دلیل یہ ہیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کو جاتے وقت خمس نکال کر مال غنیمت کا ۱/۴ حصہ بعض مجاہدین کو انعام کے طور پر دے دیا تھا، واپسی کے وقت خمس نکال کر ۱/۳ انعام کے طور پر بانٹ دیا۔ ❶

مجاہدین کو یہ ترجیح مال خمس کے چار حصوں میں دی جاسکتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو غزوہ الغابہ میں دشمن کے قتل' اسے ڈرانے اور غنیمت کے حاصل کرنے میں غیر معمولی کارنامہ سر انجام دینے کے صلہ میں ایک پیدل اور ایک سوار کا حصہ دیا تھا حالانکہ سلمہ رضی اللہ عنہ پا پیادہ تھے۔ ❷

دوسرا قول:...... امام مالک و شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ایسا کرنا جائز نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انعام خمس میں سے دے سکتے ہیں۔ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انعام خمس کے ۱/۵ [یعنی کل مال غنیمت کے ۱/۲۵] میں

---

❶ سنن ابی داؤد۔ کتاب الجهاد۔ باب فيمن قال الخمس قبل النفل (حدیث:۲۷۴۹، ۲۷۵۰)، سنن ابن ماجة۔ کتاب الجهاد، باب النفل (حدیث:۲۷۴۸)

❷ صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة ذی قرد وغيرها(حديث:۱۸۰۷)، مطولاً۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

سے دے سکتے ہیں۔[اس سے زیادہ نہیں]۔صحیح حدیث میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں شرکت کی۔ ہمارا حصہ بارہ بارہ اونٹ بنے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایک اونٹ انعام دیا۔'' [البخاری ۵/ ۱۶۰]۔

یہ انعام اسی وقت دیا جاسکتا ہے جب خمس نکال دیا گیا ہو۔

فی الجملہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔[عدل و انصاف میں بھلا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہم سر اور کون ہوگا جن کے قلب و لسان پر حق ہمہ وقت جاری و ساری رہتا تھا] مگر آپ کے لیے مصلحت کے پیش نظر ایسا کرنا جائز تھا۔آپ وہ شخصیت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان اور دل پر حق کو جاری کر دیا تھا۔

❀ جہاں تک عطیات میں فرق کا تعلق ہے؛ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلا ریب تقسیم غنیمت میں فرق اور تفضیل کے قائل تھے: اور اس میں آپ مراتب کو بھی پیش نظر رکھتے تھے۔آپ نے اس سلسلہ میں لوگوں کے مراتب مرتب کئے ہوئے تھے۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا:''اگر مجھے آئندہ سال تک زندگی ملی تو میں تمام لوگوں کو ایک ہی طرح کر دوں گا۔'' [یعنی فرق ختم کر دوں گا]۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مساوات کے اصول پر عمل پیرا تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مساوات کے قائل تھے۔جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تفضیل پر عمل کرتے تھے۔ بہر کیف یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔اور اختلاف یہ ہے کہ کیا امام کے لیے مصلحت کے پیش نظر فضیلت دینے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔اور امام احمد سے بھی دو روایات منقول ہیں۔ برابری کرنا امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے جب کہ تفضیل کا جواز امام مالک کا مسلک ہے۔[رحمہم اللہ]۔

شیعہ مصنف کی یہ بات بے اصل ہے کہ:''بیشک اللہ تعالیٰ نے مساوات واجب کی ہے۔''

مگر اس نے اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی، اگر دلیل ذکر کرتا تو دیگر اجتہادی مسائل کی طرح ہم اسے بھی موضوع گفتگو ضرور بناتے۔علمائے کرام میں سے جن لوگوں نے مساوات کا حکم دیا ہے؛ وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جنس کے لوگوں میں میراث کو برابر [مساوات کے ساتھ] تقسیم کیا ہے۔اور کسی ایک کو کسی خاص وجہ سے فضیلت نہیں دی۔ جب کہ تفضیل کے قائلین کہتے ہیں:''میراث کا استحاق سبب کی بنیاد پر ہے؛عمل کی وجہ سے نہیں۔اس پر انہوں نے دلیل یہ پیش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کی تقسیم میں ایک ہی جنس کے لوگوں کے مابین مساوات برتی ہے۔مثلاً آپ نے پیادہ کو ایک حصہ دیا؛ اور سوار کو تین حصے دیے۔جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے۔یہ قول جمہور علماء: امام مالک؛ امام شافعی؛؛ اور احمد رحمہ اللہ نے بھی اختیار کیا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے سوار کو دو حصے دیے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔اور اس بارے میں ضعیف احادیث بھی روایت کی گئی ہیں۔صحیحین میں ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے سال گھوڑے سوار کو تین حصے دیے؛ ایک حصہ اس کا؛ اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔اس موقع پر دو سو گھوڑے تھے۔اور کل صحابہ کرام کی تعداد چودہ سو تھی۔آپ نے مال غنیمت کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اٹھارہ سو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر سو انسان کا سو حصہ۔ جب کہ دو سو گھوڑے سواروں کو چھ سو حصے دیے۔ اور بارہ سو حصے بارہ سو پیادوں کو دیے۔ ان میں سے اکثر لوگ اونٹوں پر سوار تھے۔ تو آپ نے اونٹ کو کوئی حصہ نہیں دیا۔'' ❶

تفضیل کو جائز قرار دینے والوں کا کہنا ہے کہ: اصل تو مساوات ہے؛ مگر کبھی کبھی آپ تفضیل بھی برتا کرتے تھے؛ جو اس کے جواز کی دلیل ہے۔ یہ قول صحیح ترین قول ہے کہ کسی راجح مصلحت کی خاطر افضلیت دینا جائز ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی ذاتی محبت یا خواہش نفس کی وجہ سے فضیلت نہیں دعا کرتے تھے۔ بلکہ آپ کے ہاں اموال کی تقسیم دینی فضائل کی بنیاد پر ہوا کرتی تھی۔ آپ مہاجرین انصار میں سے سابقین اولین کو ترجیح دیتے تھے۔ پھر ان کے بعد والے صحابہ کے ساتھ بھی ایسا ہی کرنے تھے۔ آپ اپنے اہل خانہ کو اور اپنی ذات کو اپنے جیسے دوسرے لوگوں کی نسبت بہت کم حصہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنی بیٹی اور بیٹے کو ان ہی کے امثال دوسے لوگوں کی نسبت حصہ کم دیا تھا۔ تفضیل کا طعنہ اس پر مؤثر ہوسکتا ہے جو خواہش نفس کی وجہ سے ایسے کرتا ہو۔ اور جس انسان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا حصول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت گزاری ہو۔ اس پر یہ طعنہ زنی مناسب نہیں۔ جو کوئی ان لوگوں کو فضیلت دیتا ہو جنہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فضیلت دی ہے، اور ان کی تعظیم کرتا ہو جن کی تعظیم اللہ اور اس کے رسول نے کی ہے؛ تو ایسا انسان مذمت کے بجائے مدح وثناء کا مستحق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو اتنا کچھ دیا کرتے تھے، جو کہ ان کے امثال کو نہیں ملتا تھا۔ یہ سلوک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام قرابت داروں کے ساتھ تھا۔ اگر آپ مساوات کرتے تو پھر اتنا کچھ صرف چند ایک ہی لوگوں کو مل سکتا تھا۔'' ❷

جب کہ خمس کے بارے میں علماء کا اجتہادی اختلاف ہے۔ ان میں سے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے ساتھ ہی خمس بھی ساقط ہوگیا ہے۔ اور بنی ہاشم میں سے کوئی بھی اب کسی خمس کا حق دار نہیں ہے۔ ہاں اگر ان میں کوئی یتیم یا مسکین ہو تو اسے اس کے یتیم یا مسکین ہونے کی وجہ سے کچھ دیا جائے گا۔

❶ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' نافع رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب کسی آدمی کے ساتھ گھوڑا بھی ہوتا تو اس کو تین حصے ملتے اور اگر اس کے ساتھ گھوڑا نہ ہوتا تو اسے ایک حصہ ملتا۔'' [البخاری، ح: ٤٢٢٨]

❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عطیات میں لوگوں کے طبقات بنا رکھے تھے۔ پہلا طبقہ بدری مہاجرین دوسرا طبقہ بدری انصار، تیسرا طبقہ وہ مہاجرین جو بدر میں شرکت نہ کر سکے۔ چوتھا طبقہ وہ انصار جو بدر میں شریک نہ تھے پھر وہ لوگ جو حدیبیہ اور فتح مکہ میں شریک ہوئے، پھر وہ لوگ جو قادسیہ اور یرموک میں شریک ہوئے۔ پھر کچھ لوگوں کے خاص وظائف مقرر تھے، ان میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ لیکن آپ عربی اور اس کے غلام میں مساوات برتتے تھے۔ بخلاف اس طعنہ گر کے۔ آپ اہل بدر عرب اور غلاموں کو برابر دیا کرتے تھے۔ اور آپ نے لشکروں کے امراء کو بھی یہ تحریر بھیجی تھی کہ جن غلاموں کو تم نے آزاد کر دیا ہے، اور وہ مسلمان ہوگئے ہیں، انہیں ان کے سابقہ آقاؤوں کے ساتھ ملاؤ۔ ان کا بھی وہی حق ہے جو ان کے آقاؤوں کا ہے۔ اور ان پر وہی فرض ہے جو ان پر ہے۔ اور اگر وہ چاہیں کہ وہ علیحدہ سے ایک قبیلہ بن جائیں۔ تو انہیں اپنی عطاء اور حسن سلوک میں اسوۃ اور نمونہ بناؤ۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور دیگر علماء کا مذہب ہے۔

گروہ کا کہنا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ خمس ولی امر کے قرابت داروں کا حق ہے۔ پس ہر ولی امر اپنے قرابت داروں کو دے گا۔ یہ ایک گروہ کا قول ہے۔ ان میں سے حضرت حسن اور ابو ثور رحمہ اللہ بھی ہیں۔ میرا خیال یہی ہے۔ اور یہ قول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ: خمس کو بھی برابر پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ یہ امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ خمس پر امام کا اختیار ہے؛ وہ اپنے اجتہاد سے خود اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے کاموں میں تقسیم کرے گا؛ جیسے فئے کا مال تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ اکثر سلف صالحین اہل علم کا قول ہے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اور اہل مدینہ جیسے امام مالک وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور امام احمد سے بھی دوسری روایت میں یہی منقول ہے۔ یہ صحیح ترین قول مانا جاتا ہے جس پر کتاب وسنت کے دلائل موجود ہیں۔ اور ہم نے دوسرے مقام پر اس کو تفصیل سے واضح کیا ہے۔ پس خمس اور مال فئے کا مصرف ایک ہی ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دیوانِ عطیات میں خمس اور عطیات سبھی کچھ تقسیم ہوا کرتا تھا۔

باقی رہ گیا کہ جو کچھ روافض نے خرافات گھڑ لی ہیں؛ کہ خمس مسلمانوں کے اموال سے وصول کیا جائے گا؛ اور پھر وہ اس کو دیا جائے گا جسے وہ اپنے امام معصوم کا نائب سمجھتے ہیں؛ یا کسی دوسرے کو۔ یہ بات صحابہ کرام میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کہی۔ نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور نہ ہی کسی دوسرے نے؛ اور نہ ہی تابعین میں سے کسی ایک نے ایسی بات کہی ہے؛ اور نہ ہی اہل بیت میں نہ ہی بنی ہاشم یا کسی دوسرے نے۔

جتنے بھی لوگوں نے یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ یا اہل بیت رضی اللہ عنہم کے کسی عالم کی طرف منسوب کر کے نقل کی ہے؛ جیسے حضرت حسن اور حسین بن علی؛ اور ابو جعفر الباقر؛ اور جعفر بن محمد رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف؛ تو یقیناً اس نے ان حضرات پر جھوٹ بولا ہے۔ اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تواتر کے ساتھ معلوم شدہ سیرت کے خلاف ہے۔ بیشک آپ چار سال اور کچھ مہینے خلیفہ رہے۔ مگر آپ نے مسلمانوں کے اموال میں سے کچھ بھی ایسی چیز وصول نہیں کی۔ بلکہ آپ کے عہد حکومت میں خمس نام کی کوئی چیز تقسیم ہی نہیں ہوئی۔ جب کہ مسلمانوں کے اموال سے نہ ہی آپ نے خمس وصول کیا اور نہ ہی کسی دوسرے نے۔ جب کہ کفار سے جب غنیمت آتی تھی تو ان کے اموال سے کتاب وسنت کے مطابق خمس تقسیم ہوا کرتا تھا۔ آپ کے دور میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ بلکہ وہ اپنے اختلافات اور جنگوں میں ہی مصروف رہے؛ ان سے فرصت ہی نہیں ملی۔

ایسے ہی یہ بات بھی ضرورت کے تحت معلوم شدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے اموال سے کوئی خمس وصول نہیں کیا؛ اور نہ ہی آپ نے کبھی کسی ایک مسلمان سے کسی خمس کا مطالبہ کیا۔ بلکہ آپ نے سے صدقات [زکوات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ] وصول کیا کرتے تھے؛ اور فرمایا کرتے تھے: ''اس میں آل محمد کا کوئی حق نہیں۔'' اور آپ لوگوں کو اپنی جانوں اور اموال سے جہاد کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ جس مالِ فئے سے آپ کو نوازتے تھے؛ آپ اسے لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔ اور غنیمت کا مال اس کے مستحق لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔ ایسے ہی خمس اور فئے بھی تقسیم ہوا کرتا تھا۔

یہ وہ مشترکہ سرکاری اموال ہیں جو نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین تقسیم کیا کرتے تھے۔ علماء کرام نے اس سلسلہ میں علیحدہ سے کتابیں تحریر کی ہیں۔ اور ان میں کئی موضوعات زیر بحث لائے ہیں۔ ان میں انہوں نے غنیمت؛ فئے اور صدقات کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے جن امور میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے؛ اس میں ان کے اپنے مأخذ ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰہِ وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ [الانفال ۴۱]

''اور جان لو کہ بے شک تم جو کچھ بھی غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے، اگر تم اللہ پر اور اس چیز پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن نازل کی، جس دن دو جماعتیں مقابل ہوئیں اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔''

اور جبکہ مالِ فئے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مِنۡ اَہۡلِ الۡقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتَامٰی وَالۡمَسَاکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃً بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَاءِ﴾ [الحشر ۷]

''جو کچھ بھی اللہ نے ان بستیوں والوں سے اپنے رسول پر لوٹایا تو وہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے، تاکہ وہ تم میں سے مال داروں کے درمیان ہی گردش کرنے والا نہ ہو۔''

اس سے قبل اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مِنۡہُمۡ فَمَا اَوۡجَفۡتُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ خَیۡلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ﴾ [الحشر ۶]

''اور جو (مال) اللہ نے ان سے اپنے رسول پر لوٹایا تو تم نے اس پر نہ کوئی گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ اور لیکن اللہ اپنے رسولوں کو مسلط کر دیتا ہے جس پر چاہتا ہے۔''

اصل میں فئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اور انہیں اموال سے نوازا ہے تاکہ وہ اپنے اموال سے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر استعانت حاصل کریں۔ پس جب کفار نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا؛ اور غیر اللہ کی عبادت کرنے لگے تو اس مال کے مستحق نہ رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل ایمان بندوں کے لیے مباح کر دیا کہ وہ انہیں قتل کریں اور ان کے اموال اپنے قبضہ میں کر لیں۔ تو فئے وہ مال ہوا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو واپس کر دیا ہے۔ کیونکہ اب یہی اس مال کے مستحق ٹھہرے تھے۔ پس جو بھی مال کفار سے لیا جائے؛ حتی کہ مالِ غنیمت کو بھی فئے کہا جاتا ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر فرمایا تھا: ''جو مال اللہ تعالیٰ نے تمہیں فئے میں دیا ہے؛ اس میں میرا حصہ صرف خمس ہے؛ اور یہ خمس بھی تم میں ہی تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ﴾ [الحشر ۶]

''اور جو اللہ نے ان سے اپنے رسول پر لوٹایا تو تم نے اس پر نہ کوئی گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔''

اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

﴿مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى﴾ [الحشر ۷]

''جو کچھ بھی اللہ نے ان بستیوں والوں سے اپنے رسول پر لوٹایا۔''

تو اس سے عند الاطلاق وہ مال مراد لیا جانے لگا جو کفار سے جنگ کئے بغیر حاصل ہو جائے۔

جمہور علماء کے نزدیک مال فئے میں خمس نہیں ہوتا۔ جیسے کہ امام مالک؛ امام ابو حنیفہ اور احمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے اور تمام سلف صالحین نے اسے اختیار کیا ہے۔

جب کہ امام شافعی؛ خرقی؛ اور امام احمد رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے ان کے موافقین کہتے ہیں: اس سے بھی خمس نکالا جائے گا۔ جب کہ جمہور کا قول صواب اور حق پر ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء سے ثابت سنت یہی بتاتی ہیں کہ انہوں نے مال فئے سے کبھی بھی خمس نہیں نکالا۔ بلکہ بنی نضیر کے اموال پہلا فئے تھے: رسول اللہ ﷺ نے ان سے کوئی خمس نہیں نکالا۔ بلکہ آپ نے بدر کی غنیمت سے خمس نکالا ہے؛ اور ایسے ہی خیبر اور حنین کے اموال سے بھی خمس نکالا تھا۔ ایسے ہی آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین جزیہ اور خراج سے خمس نہیں نکالا کرتے تھے۔

یہاں پر اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ جب آیت خمس اور آیت فئے کے الفاظ ایک ہی تھے؛ تو لوگوں کے مابین فہم قرآن میں اختلاف واقع ہوا۔ پس ایک گروہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آیت خمس کا تقاضا ہے کہ خمس کو بھی برابر پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ یہ امام شافعی؛ احمد اور داؤد ظاہری کا مسلک ہے۔ اس لیے کہ ان کا خیال ہے کہ قرآن کے الفاظ سے ظاہر یہی ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ آیت فئے کے الفاظ آیت خمس کے الفاظ سے ملتے جلتے ہیں۔

جب کہ بعض دوسرے علماء کا خیال ہے کہ سارے کا سارا فئے خمس کے ان پانچ مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔ یہ ابو داؤد بن علی اور اس کے اتباع کاروں کا قول ہے۔ ہمارے علم کے مطابق اس سے قبل کسی مسلمان نے یہ بات نہیں کہی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جب سارا مالِ فئے ان اصناف میں تقسیم کر دیا جائے تو یہ قول اسلام میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ لوگ کبھی ایسی بات کرتے ہیں جو ان کے گمان کے مطابق الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن وہ اپنے اس قول کے انجام اور عاقبت پر غور نہیں کرتے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ: آیت فئے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى ﴾ [الحشر ۷]

''تو وہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت داروں کے لیے ہے۔''

اس سے مراد مالِ فئے میں سے خمس ہے۔ پس ان کا خیال ہے کہ فئے سے بھی خمس نکالا جائے گا۔ یہ امام شافعی اور امام احمد کے اصحاب میں سے ان کے موافقین کا مذہب ہے۔

جمہور کہتے ہیں: یہ قول بہت سخت ضعیف ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ [الحشر ۷]

''جو کچھ بھی اللہ نے ان بستیوں والوں سے اپنے رسول پر لوٹایا تو وہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے۔''

اور آگے چل کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ [الحشر ۷]

''جو کچھ بھی اللہ نے ان بستیوں والوں سے اپنے رسول پر لوٹایا تو وہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ﴾ [الحشر ۸]

''ان محتاج گھر بار چھوڑنے والوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے گئے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ [الحشر ۹]

''اور (ان کے لیے) جنھوں نے ان سے پہلے اس گھر میں اور ایمان میں جگہ بنا لی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ [الحشر ۱۰]

''اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

یہ تمام لوگ مال فئے کے مستحق ہیں۔ تو پھر اس سے خمس کیسے مراد لی جاسکتی ہے؟

بلکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ جب آپ نے یہ آیت تلاوت کی تو ارشاد فرمایا: ''یہ تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔''

جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے موافقین ان کی موافقت کرتے ہیں جو کہتے ہیں: یہ لوگ خمس کے مستحق تھے۔ لیکن وہ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں اپنے حصہ کے مستحق تھے۔ اور آپ کے اقرباء آپ کی نصرت کی وجہ سے اس حصہ کے مستحق تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے آپ کا حصہ ساقط ہوگیا تو آپ کے اقرباء کا حصہ بھی ساقط ہوگیا۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ساقط ہوا تھا۔

جب کہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ''اموالِ فئے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کی موت کے بعد تقسیم نہیں کیا جائے؛ اسے یا تو اسلحہ وغیرہ پر لگایا جائے گا یا پھر عمومی طور پر مطلق خیر کے کاموں میں لگایا جائے گا۔ پھر ان کا یہ بھی اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مالِ فئے آپ کی ذاتی ملکیت ہوا کرتا تھا؟ اس میں دو قول ہیں:

پہلا قول:...... ہاں؛ جیسا کہ امام شافعی اور بعض اصحاب امام احمد رحمہما اللہ کا قول ہے۔ کیونکہ یہ مال آپ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔

دوسرا قول:...... یہ مال آپ کی ملکیت نہیں ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ آپ اس مال میں ایسے تصرف نہیں کیا کرتے تھے جیسے مالک اپنے مال میں تصرف کرتا ہے۔

پھر ایک گروہ کا کہنا ہے کہ: قرابت داروں سے مراد اس متولی کے قرابت دار ہیں جو مال تقسیم کر رہا ہو۔ اور وہ اپنی زندگی میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے؛ اور آپ کے بعد جو بھی حاکم آئے گا وہی مراد ہوگا۔ اس پر دلیل وہ اس حدیث سے پیش کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کوئی لقمہ نہیں کھلایا؛ مگر وہ آپ کے بعد آنے والے والی کا حق ہے۔''

اس میں پانچواں قول: امام مالک اور اہل مدینہ اور اکثر سلف صالحین کا ہے رحمہم اللہ؛ کہ خمس اور فئے کے مصارف ایک ہی ہیں۔ اور یہ سارے اموال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں ویسے خرچ کیا جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے؛ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والے ہیں؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾[الحشر ۷]

''جو کچھ تمہیں رسول اللہ دے دیں اسے قبول کرلو؛ اور جس سے منع کریں رک جاؤ۔''

ایک صحیح حدیث میں ثابت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! بیشک میں نہ ہی کسی کو دیتا ہوں اور نہ ہی کسی سے روکتا ہوں؛ میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں؛ وہی کرتا ہوں جس کا مجھے حکم دیا جاتا ہے۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ مال اسی کو دیا کرتے تھے جس کا آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا تھا؛ نہ کہ اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چاہت کے مطابق۔ اور یہ بھی دلالت ثابت ہوئی کہ یہ مال آپ کی طرف رسول اللہ ﷺ ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے؛ نہ کی آپ کے اس مال کا مالک ہونے کی وجہ سے۔''

یہ مسئلہ مال غنیمت سے آپ کے حصہ؛ اور آپ کے لیے وصیت کیے گئے مال کے برعکس ہے۔ یہ مال آپ کی ملکیت ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فئے کو اللہ تعالیٰ کا مال کہا جاتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ ایسا مال جو وہیں پر خرچ کیا جائے جہاں کا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے [یعنی] اللہ کی اطاعت کے امور میں لگایا جائے۔ اسے کوئی اپنی مرضی کے کاموں میں نہیں لگا سکتا؛ بھلے ایسا کرنا مباح بھی ہو۔ بخلاف ان اموال کے جو ذاتی ملکیت ہوتے ہیں۔ یہ اس مال کے برعکس ہے جس کے بارے میں فرمان الٰہی ہے:

﴿وَّآتُوهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْ آتَاكُمْ﴾ [النور ۳۳]

''اور انہیں اللہ تعالیٰ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تمہیں دیا ہے۔''

یہ مال رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا؛ بلکہ اسے وہ مال بتایا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا ہے اور ان کی دلیل یہ بھی ہے کہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ [الحشر ۷]

''اور قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے''

ان لوگوں کا بطور خاص ذکر کرنا ان کے لیے خصوصی رعایت اور اہتمام کی وجہ سے ہے؛ نہ کہ یہ مال صرف انہی کے ساتھ خاص ہے۔ اسی لیے آگے ارشاد فرمایا:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾ [الحشر ۷]

''تاکہ وہ تم میں سے مال داروں کے درمیان ہی گردش کرنے والا نہ ہو۔''

یعنی آپس میں ہی لیتے دیتے رہو؛ اور فقراء و مساکین کو اس سے محروم رکھو۔ اور اگر یہ مال صرف فقیروں کے ساتھ خاص ہوتا تو پھر اس میں اغنیاء کا کوئی عمل دخل نہ ہوتا؛ اور مال داروں کے درمیان ہی اس کے گردش کرنے کا کوئی معنی نہ رہ جاتا۔ پھر آگے چل کر فرمایا:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر ۷]

''اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ۔''

تو یہ بات دلیل سے ثابت ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ مال غنیمت اور مال فئے کو صرف تقسیم کرنے والے ہیں۔ اگرچہ اس کی تقسیم کے مصارف دیگر فرائض/حصوں کی طرح طے شدہ ہیں۔ اس کے دینے نہ دینے میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی عمل دخل نہیں۔

مزید برآں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین سے احادیث ثابت شدہ ہیں جو اس مذہب

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کے درست ہونے پر دلالت کرتی ہیں؛ بیشک نہ کبھی رسول اللہ ﷺ نے خمس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا؛ اور نہ ہی آپ کے خلفائے راشدین نے۔ اور نہ ہی کبھی یتیموں کو ایسے دیا کرتے تھے جیسے مساکین کو دیا کرتے تھے۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک ضرورت مند کو اس کی ضرورت کے مطابق دیا کرتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مساکین غنی اور مالدار یتیموں سے زیادہ ہوں۔ مدینہ طیبہ میں مالدار یتیم موجود تھے۔ پس یہ حضرات ان کے فقرآء و مساکین کے مابین مساوات نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ہمیں نہیں معلوم ہوسکا کہ انہیں اس مال میں سے کچھ دیا ہو؛ بخلاف ضرورت مندوں کے۔ اس موضوع پر احادیث بہت زیادہ ہیں؛ جن کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔

فصل:...... قیاس کا اعتراض

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ ظن و قیاس کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔''

[جواب]: ہم کہتے ہیں: ''رائے اور قیاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی خاص نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ قیاس کرنے والے تھے۔ ایسے ہی حضرت ابو بکر و عثمان ؛ زید؛ ابن مسعود اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی قیاس کیا کرتے تھے' اور اپنی رائے کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔ سنن ابی داؤد اور دوسری کتب میں حضرت حسن سے روایت ہے: قیس بن عبادہ رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

''یہ جو آپ سفر کرتے ہیں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑائی کے لیے) تو اس کے بارے میں ہمیں بتلائیں کہ کیا یہ اس کا کوئی عہد ہے جو آپ سے رسول اللہ ﷺ نے لیا تھا؟ یا آپ اپنی رائے سے ایسا کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کوئی عہد نہیں لیا لیکن یہ تو میری ذاتی رائے ہے۔''

[سنن ابوداؤد: ح 1264]

یہ تو ثابت شدہ امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جنگ جمل اور صفین کے حق میں کوئی ایک روایت بھی نہیں تھی؛ جیسا کہ خوارج کے قتال کے لیے آپ کے پاس روایات موجود تھیں۔ بلکہ ان جنگوں کے لیے جانا بھی ان کی رائے پر مبنی تھا۔ اس بارے میں صرف ان لوگوں کے پاس کچھ روایات تھیں جو جنگوں میں شریک ہی نہیں ہوئے۔ اس لیے کہ ان کے پاس جو روایات تھیں ان میں فتنوں کے دور میں گھروں میں بیٹھ جانے [اور فتنہ سے دور رہنے] کا حکم تھا۔

وہ روایت جس میں عہد توڑنے والوں' اور نافرمانی کرنے والوں اور جماعت سے نکلنے والوں کو قتل کرنے کا حکم ہے' وہ نبی کریم ﷺ کی حدیث نہیں ہے' بلکہ جھوٹ گھڑ کر آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ قیاس و رائے اگر قابل مذمت نہیں ہیں تو اس کا قائل کسی حال میں بھی قابل ملامت نہیں۔ اور اگر رائے و اجتہاد ایک مذموم چیز ہے تو اس رائے سے اور مذموم تر رائے کیا ہوگی جس کی بنا پر ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کا خون (جنگ جمل و صفین میں) بہایا گیا؛ اور اس سے مسلمانوں کو کوئی دینی و دنیوی فائدہ بھی نہ پہنچا۔ بلکہ شر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور خیر بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔ جب ایسی رائے معیوب و مذموم نہیں ہے تو فرائض و طلاق کے مسائل میں فاروق اعظم کی رائے بالاولیٰ معیوب نہ ہوگی۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی رائے اور اجتہاد میں عملاً اس میں شریک تھے۔ اور لوگوں کا خون بہانے والی رائے آپ کا امتیازی وصف تھی۔ اور ایسے ہی آپ کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور اکثر سابقین اوّلین صحابہ رضی اللہ عنہم جنگ وقتال کو خلاف مصلحت تصور کرتے تھے اور یہ رائے یقیناً بدلائل کثیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے سے اصلح واصوب تھی۔

یہ بھی معلوم ہے کہ دادا کے مسئلہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ قول بالرائے تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''میری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں کی رائے اس بات پر متفق ہوگئی تھی کہ ام الولد لونڈیوں کو فروخت نہ کیا جائے۔ مگر میں اب ان کے فروخت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔''

اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاضی عبیدہ سلمانی نے کہا تھا:

''آپ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی متفقہ رائے آپ کی انفرادی رائے سے ہمیں عزیز تر ہے۔''❶

صحیح بخاری میں ہے: ایوب سے روایت ہے؛ وہ ابن سیرین سے اور وہ عبیدہ سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: کہ آپ نے فرمایا:

''جس قسم کے فیصلے تم کیا کرتے ہو کرتے رہو؛ میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ یا تو جماعت کا نظم قائم رہے۔ یا اپنے اصحاب کی طرح میں بھی اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔''❷

یہ روایت ابن سیرین نے عبیدہ سے نقل کی ہے۔ ابن سیرین کا خیال تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ عموماً جھوٹی ہوا کرتی ہیں❸ (کیونکہ وہ اختلاف کی آئینہ داری کرتی ہیں، حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اختلاف کو ناپسند فرمایا کرتے تھے)۔

امام شافعی اور امام محمد بن نصر المروزی رحمہما اللہ نے حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے اقوال میں سے متروکہ مسائل جمع کئے ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے اکثر مسائل خلاف سنت واقع ہوئے ہیں۔ جیسا کہ حامل بیوہ کی عدت کا مسئلہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس میں قول یہ ہے کہ ایسی عورت زیادہ لمبی عدت گزارے گی۔ یہی فتوی ابو سنابل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں دیا تھا۔ جب اس سبیعہ اسلمیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اس واقعہ کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابو سنابل نے جھوٹ بولا۔ تم اب جس سے چاہو نکاح کرلو۔'' سُبَیعہ کی روایت بالکل صحیح ہے۔'' [لبخاری (ح: ٥٣١٨)، مسلم(ح:١٤٨٥)]

❶ مصنف عبد الرزاق(١٣٢٢٤)، کتاب الام للشافعی(٧/ ١٥٧)، سنن کبریٰ بیہقی (١٠/ ٣٤٨)
❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب علی بن ابی طالب، (ح:٣٧٠٧)
❸ صحیح بخاری (حوالہ سابق)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کا شوہر حج وداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں انتقال کر گیا تھا۔

اگر اپنے رائے سے فتوی دینا گناہ ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کا گناہ؛ جنھوں نے رائے کی بنا پر مسلمانوں کے خون کو حلال سمجھا؛ اس گناہ سے بڑا ہے جس میں ایک جزوئی مسئلہ میں رائے سے فیصلہ کیا گیا۔ اگر یہ رائے درست تھی تب ان ہی تک تھی اور اگر غلط تھی تب بھی ان ہی تک محدود تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قیاس اور رائے کے باب میں بھی دوسرے تمام لوگوں کی نسبت زیادہ حق ہیں۔ اس لیے کہ دوسرے لوگوں کی نسبت آپ کی رائے زیادہ درست ہوا کرتی تھی۔ اور آپ کی نسبت دوسروں کی رائے میں غلطی زیادہ ہوا کرتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی ہر رائے اور قیاس درست اور صواب پر ہوا کرتے تھے۔ پس جس رائے میں بڑی مصلحت پوشیدہ ہو وہ اس رائے سے بہتر اور افضل ہے جس میں کم یا ادنی درجہ کی مصلحت پوشیدہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آراء میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑی مصلحتیں ہوا کرتی تھیں۔ بہر حال جیسے بھی ہوا گر رائے محمود اور قابل تعریف ہے تو پھر اس لحاظ سے آپ کی باقی لوگوں کی نسبت اعلی وارفع ہوا کرتی تھی۔ اور اگر قیاس و رائے مذموم ہے تو پھر یہ مذمت دوسرے لوگوں کی بہ نسبت آپ کو بہت ہی کم لاحق ہوتی ہے۔ اور اس پر سب سے بڑی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے' آپ فرماتے ہیں:

''ماضی کی امتیں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ان میں کچھ لوگ مُلہم ہوا کرتے تھے۔ بیشک میری امت میں اگر کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہے۔'' [یہ حدیث پہلے کئی بار گزر چکی ہے]۔

یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ جس انسان کو الہام ہوتا ہو؛ اس کی رائے دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ حق پر ہوتی ہے۔ اس سے اوپر صرف نص کا مرتبہ ہے جو صدیقین انبیاء کرام علیہم السلام سے حاصل کرتے تھے۔ اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت بہت بلند و عالیشان ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ باقی تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ مسند احمد کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ عمر کی زبان پر حق کو جاری کر دیا ہے۔'' [یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے]۔

۔❀ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے کبھی نہیں سنا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جس چیز کے بارے میں جس خیال کا اظہار فرماتے مگر وہ ہو بہو اسی طرح ہوا کرتی تھی۔''[1]

نصوص کتاب وسنت اور اجماع و قیاس سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے دیگر اکابر صحابہ مثلاً حضرت عثمان وعلی اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم اجمعین کی نسبت بہت زیادہ صائب ہوا کرتی تھی اور اس کے نتائج وثمرات بھی دینی اور دنیاوی لحاظ سے قابل مدح وستائش ہوا کرتے تھے۔

آپ نے بلاد روم وفارس فتح کیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے اسلام کو عزت دی۔ اور کفار و منافقین کو ذلت و رسوائی سے دوچار کیا۔ آپ نے سب سے پہلے دیون مرتب کیے۔ لوگوں کے لیے وظائف مقرر فرمائے۔ اور اہل ذمہ پر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اسلام عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب (ح:۳۸۶۶)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ٹیکس عائد کیے۔ کفار و فجار کی سرکوبی کی۔ آپ کے دور میں اسلام عزت و شرف کی معراج پر تھا۔

جس شخص میں عدل و انصاف کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے، وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کمال سیرت و کردار و کثرت علم و فضل میں ذرہ بھر شک نہیں رکھتا۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو ہدف طعن و ملامت بنانے والا دو آدمیوں میں سے ہوئی ایک ہو سکتا ہے:

۱۔ یا تو نا تجربہ کار؛ جاہل؛ ملحد و منافق اور زندیق اسلام کا دشمن ہوگا جوان پر طعن و تشنیع کرنے کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو نشان طعن بنانے کا ذریعہ بناتا ہے۔ رافضیوں کا پہلا معلم و مؤسس اسی راہ کا مسافر تھا۔ رافضیت کی بدعت اسی [بدبخت اور ملعون] کی ایجاد ہے۔ اور باطنیہ کے سرغنوں کا بھی یہی حال ہے۔

۲۔ یا تو پھر وہ شخص ان حضرات پر تنقید کر سکتا ہے جو انتہائی سخت جہالت اور گمراہی کا شکار ہو؛ اور اس پر ہوائے نفس کا غلبہ ہو۔ عام طور پر غالب شیعہ اسی مرض کا شکار ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ باطن میں مسلمان ہوں۔

❁ اگر رافضی کہے: چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ معصوم تھے، اسی لیے آپ اپنی رائے سے کوئی بات نہیں فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ آپ جو کچھ بھی فرماتے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نص اور حجت ہوا کرتی تھی۔ اس لیے کہ آپ امام منصوص ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام متعین کیا تھا۔

❁ جواب میں ہم کہیں گے: آپ کے پیٹی بھائی دوسرے اہل بدعت خوارج ہیں؛ ذرا ان کو تو دیکھو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دائرہ اسلام ہی سے خارج کر رہے ہیں۔ حالانکہ خوارج روافض کی نسبت زیادہ دین دار؛ زیادہ عالم اور سچے ہوا کرتے ہیں۔ اس میں کوئی بھی ایسا انسان ذرا بھر بھی شک نہیں کر سکتا جو دونوں گروہوں کی حالت جانتا ہو۔ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی ایک ان کی نماز کے مقابلہ میں اپنی نماز کو اور ان کے روزہ کے مقابلہ میں اپنے روزہ کو اور ان کی تلاوت قرآن کے مقابلہ میں اپنی تلاوت قرآن کو حقیر سمجھے گا۔'' [حوالہ گزر چکا ہے]۔

ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں لڑائیاں لڑیں۔ اور پھر ان ہی میں سے ایک آدمی نے آپ کو شہید کر دیا۔ ان کے لشکر تھے؛ ان کے پاس علماء تھے؛ ان کے اپنے شہر آباد تھے۔ اور اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ یہ لوگ گمراہ اور بدعتی تھے۔ اور صحیح احادیث کی روشنی میں ان کو قتل کرنا واجب تھا۔ اور امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے افضل کاموں میں سے ایک خوارج کے ساتھ قتال کرنا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ان کو قتل کرنے پر اتفاق تھا۔ علمائے اہل سنت کے مابین ائمہ عدل کے ساتھ مل کر قتال کرنے کے مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ؛ لیکن کیا اہل ظلم و ستم [ظالم حکمرانوں] کے ساتھ مل کر قتال کیا جائے گا؟ پس امام مالک رحمہ اللہ علیہ سے منقول ہے؛ کہ ان کے ساتھ مل کر قتال نہیں کیا جائے گا۔ اور یہی فتوی ان حکمرانوں کے متعلق بھی ہے جو اہل ذمہ کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کو توڑ ڈالتے ہیں؛ ظالم حکمرانوں کے ساتھ مل جہاد نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے یہ جملہ کفار کے متعلق کہا تھا۔ یہ فتوی حضرت امام مالک اور

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ان کے بعض اصحاب سے منقول ہے۔ دوسرا فتوی اس کے برعکس بھی نقل کیا گیا ہے؛ جو کہ جمہور کا قول بھی ہے۔آپ کے اکثر اصحاب نے اس مسئلہ میں آپ کی مخالفت کی ہے۔یہی مذہب امام ابوحنیفہ؛ امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہم کا بھی ہے۔وہ کہتے ہیں: ہر نیک اور بدحکمران کی قیادت میں جہاد کیا جائے گا؛ جب اس کا یہ جہاد بذات خود جائز ہو۔ جب امام کفار؛ مرتدین یا عہد و پیمان توڑنے والوں ؛یا خوارج سے مشروع جنگ کرے تو اس کی قیادت میں جہاد کیا جائے گا۔اور اگر ایسی لڑائی لڑے جو ناجائز ہو تو پھر اس کا ساتھ نہیں دیا جائے گا۔ پس نیکی اور بھلائی کے کام میں اس کے تعاون ہوگا؛ گناہ اور سرکشی کے کام پر نہیں ہوگا۔جیسا کہ کوئی انسان رہبر حج وعمرہ کے ساتھ سفر کرتا ہے؛ بھلے قافلہ میں کوئی ظالم کیوں نہ ہو۔

ظالم کے ساتھ ظلم پر تعاون کرنا جائز نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ ۲]

’’نیکی اور بھلائی میں تعاون کرو؛ اور گناہ اور سرکشی پر آپس میں تعاون نہ کرو۔‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَکُوْنَ ظَہِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ﴾ [القصص ۱۷]

’’اے میرے رب! اس وجہ سے کہ تو نے مجھ پر انعام کیا،تو میں کبھی بھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔‘‘

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿وَ لَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ﴾ [ہود ۱۱۳]

’’ظالموں کی طرف مت جھکو کہ تمہیں بھی آگ چھو لے گی۔‘‘

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنْ لَّہٗ نَصِیْبٌ مِّنْہَا وَ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنْ لَّہٗ کِفْلٌ مِّنْہَا﴾ [النساء ۸۵]

’’جو کوئی سفارش کرے گا،اچھی سفارش،اس کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہوگا اور جو کوئی سفارش کرے گا بری سفارش،اس کے لیے اس میں سے ایک بوجھ ہوگا۔‘‘

سفارشی [شفیع] معین و مددگار ہوتا ہے۔پس ہر وہ انسان جو کسی دوسرے شخص کی کسی بھی معاملہ میں مدد کرے تو وہ اس کا شفیع ہوگا۔پس یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ جو چیز اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام ٹھہرائی ہو؛ اس کے لیے کسی کی مدد کی جائے ؛ خواہ وہ حاکم ہو یا کوئی دوسرا۔ ہاں اگر کوئی گنہگار ہو؛ اور وہ نیکی کا کام کر رہا ہو تو نیکی کے کام پر اس کی مدد کی جائے گی۔ایسا کرنا حرام نہیں ہے۔جیسا کہ اگر کوئی گنہگار انسان زکوۃ ادا کرنا چاہتا ہو؛ یا حج کرنا یا اپنا قرض ادا کرنا چاہتا ہو؛ یا پھر اس نے جو لوگوں پر ظلم کیا ہے؛ اس کا حساب چکانا چاہتا ہو؛ یا اپنی بیٹیوں کے متعلق وصیت کرنا چاہتا ہو تو نیکی اور تقوی کے کام پر اس انسان کی مدد کی جائے گی؛ نہ کہ گناہ اور برائی کے کام پر۔تو پھر عام امور کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے؟

جہاد کا قیام حکمرانوں کی طرف سے ہوتا ہے۔اگر حاکم ان کے ساتھ جہاد نہ کرے؛ تو پھر اہل خیر نیکو کاروں پر لازم

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

آتا ہے کہ وہ جہاد نہ کریں۔ اہل دین لوگ جہاد میں انتظار کا وقفہ کریں۔ پھر یا تو اسے وقتی طور پر معطل سمجھا جائے یا پھر اکیلے ہی فساق و فجار سے جہاد کرے۔ اس سے کفار کا غلبہ اور اہل فجور کی شوکت کو غلبہ ملے گا۔ کیونکہ دین تو اس کا ہے جو اس کی وجہ سے جہاد کرے۔

یہ رائے اہل بدعت روافض اور معتزلہ کی انتہائی فاسد رائے ہے۔ حتی کہ جب بعض شیعہ علماء سے پوچھا گیا: جب کفار ہمارے ملک پر حملہ کر دیں' اور لوگوں کو قتل کریں' عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیں۔ اور اموال چھین لیں تو کیا ہم ان سے جنگ کر سکتے ہیں؟

تو اس نے جواب میں کہا: ''نہیں ؛ ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہم امام معصوم کی قیادت کے بغیر جنگ نہیں کر سکتے۔ سوال پوچھنے والے نے کہا: کیا اہل سنت کے ساتھ مل کر لڑ سکتے ہیں؟

تو اس سوال کرنے والے نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں ؛ یہ پلید مذہب ہے' کیونکہ اس مذہب کی وجہ سے دین اور دنیا میں فساد پیدا ہوتا ہے۔

یہ بات کہنے والے نے اپنے گمان کے مطابق ظلم سے بچنے کی کوشش کی تھی ؛ مگر اپنے فاسد ورع و زہد کی وجہ اس سے کئی گنا بڑے ظلم کا شکار ہو گیا۔ بعض ولاۃ الامور کے کفار پر غلبہ پانے کے لیے ظلم کو اس سے کیا نسبت ہے جو ان سے بھی بڑھ کر ظالم ہو۔ چاہیے تو یہ تھا زیادہ ظلم کرنے والے کے خلاف کم ظلم کرنے والے کی مدد کی جاتی۔ اس لیے کہ شریعت کی بنیاد مصالح کے حصول و تکمیل ؛ اور مفاسد کے خاتمہ یا ان کے کم کرنے پر رکھی گئی ہے۔ اور اس امر پر مبنی ہے کہ دو بھلائیوں میں سے بڑی بھلائی اور دو برائیوں میں سے بڑی برائی کی معرفت حاصل ہو۔ تاکہ بوقت ضرورت بھلائی کے حصول بڑی بھلائی حاصل کرنے کے لیے اور برائی سے دفاع کے لیے بڑی برائی سے بچنے کی کوششیں بروئے کار لائی جائیں۔

یہ بات تو سبھی کو معلوم ہے کہ کفار' مرتدین اور خوارج کا شر اور ظلم کسی بھی ظالم کے ظلم سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ ہاں اگر ان کی طرف سے مسلمانوں پر کوئی ظلم نہ ہو رہا ہو؛ اور ان سے لڑنے والا ان پر ظلم کرنا چاہتا ہو تو پھر یہ اس کی طرف سے سرکشی اور بغاوت ہوگی ؛ اور سرکشی کے کاموں میں کسی کی مدد نہیں کی جائے گی۔

فصل:...... [حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شوریٰ اور رافضی اعتراض]

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد انتخاب خلیفہ کو شوریٰ کے حوالہ کر کے اپنے سے پہلے والوں کی مخالفت کی۔ اس لیے کہ لوگوں کو خود اپنا امیر منتخب کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اور نہ ہی اپنے بعد کسی ایک کو متعین کر کے حاکم مقرر کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اگر سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے میں انھیں خلیفہ مقرر کر دیتا۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت موجود تھے۔

❀ اس مجلس میں چناؤ کے لیے فاضل اور مفضول کو جمع کر دیا۔ حالانکہ فاضل کا حق تھا کہ اسے مفضول پر مقدم رکھا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جائے۔ پھر جن لوگوں کو شوری کے لیے منتخب کیا تھا ان میں سے ہر ایک پر طعن بھی کیا۔ اور یہ ظاہر کیا کہ وہ اس چیز کو ناپسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی زمام کار مرتے ہوئے کسی کے سپرد کر دیں جس طرح اپنی زندگی میں اس کو ناپسند کرتے تھے۔ پھر مرتے ہوئے یہ معاملہ چھ لوگوں کے سپرد کر گئے۔ پھر ان میں کمی کر کے انہیں چار کر دیا۔ پھر تین کر دیا۔ پھر ایک تک بات پہنچ گئی۔ اور عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار دے دیا۔ حالانکہ آپ کو کمزوری اور کوتاہی سے موصوف کیا تھا۔ پھر کہا: اگر امیر المؤمنین اور عثمان رضی اللہ عنہما ایک رائے پر جمع ہو جائے تو وہی بات مانی جائے گی جو یہ دونوں حضرات کہہ رہے ہوں۔ اور اگر تین ہو جائیں تو پھر ان کی بات معتبر ہوگی جن میں عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔ اس لیے کہ آپ جانتے تھے کہ علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کبھی بھی ایک بات پر اکھٹے نہیں ہو سکتے۔ اور یہ کہ عبد الرحمٰن کبھی بھی اپنے بھائی سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آپ کے چچا زاد بھائی تھے۔ پھر حکم دیا کہ اگر بیعت کرنے میں تین دن سے زیادہ کی تاخیر کریں تو ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ حالانکہ ان کے نزدیک یہ لوگ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے شمار ہوتے تھے۔ اور حکم دیا کہ جو ان چار کی مخالفت کرے اسے قتل کر دیا جائے۔ اور جن تین لوگوں کے گروہ میں حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ موجود ہوں ان کے مخالفین کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ یہ تمام باتیں دین کے خلاف ہیں۔

[حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اگر میں تمہیں امام بنا دوں- حالانکہ وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے- تو تم سنت کی راہ پر قائم رہو گے؟ اس میں اشارہ تھا کہ آپ کو خلیفہ نہیں بنایا جائے گا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر میں تمہیں خلیفہ بناؤں تو آپ آل ابی معیط کی راہ پر قائم رہو گے؟ اور اگر تم ایسا کرو گے تو تم ضرور اسے قتل کرو گے۔ اس میں امیر المؤمنین کے قتل کی طرف اشارہ تھا۔'' [شیعہ مصنف کا کلام ختم ہوا]

[جواب]: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ گفتگو دو قسم سے خالی نہیں:

۱۔ جو نقل کے اعتبار صریح کذب ہے۔

۲۔ جس میں دانستہ حق کو ٹھکرایا گیا ہے۔

❀ پہلی قسم کا کلام اتنا کھلا ہوا صاف جھوٹ ہے کہ اس کا جھوٹ ہونا ہر ایک کو معلوم ہے۔ یا کم از کم اس کی صداقت کا علم نہیں۔

❀ دوسری قسم کا کلام سچا ہے، مگر اس میں کوئی چیز موجب طعن نہیں ہے۔ بلکہ وہ باتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان فضائل و محاسن میں شامل ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کا خاتمہ فرمایا ہے۔

مگر اس بات کا کیا علاج کہ شیعہ فرط ضلالت و جہالت کی بنا پر نقلی و عقلی حقائق کو قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ ان امور کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جو وقوع پذیر ہو چکے ہیں اور وہ اس بات کو جانتے بھی ہیں، مگر اس کے باوصف کہتے ہیں کہ وہ واقع نہیں ہوئے۔ پھر جو امور وقوع میں نہیں آئے اور ان کے عدم وقوع سے وہ آگاہ بھی ہیں بکمال دیدہ دلیری کہتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ وقوع میں آچکے ہیں۔ خیر وصلاح کا نام اس کی اصطلاح میں فساد ہے اور فساد کا نام خیر وصلاح ۔[کسی شاعر نے کہا ہے:

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے]

شیعہ حضرات عقل ونقل دونوں سے عاری ہیں۔ وہ صحیح معنی میں آیت ہذا کے مصداق ہیں:

﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ أَصْحَابِ السَّعِيْرِ﴾ (الملك: ١٠)

''اگر ہم سنتے یا عقل رکھتے تو آج دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔''

[حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت؟]:

❀ باقی رہا رافضی مصنف کا یہ قول کہ:'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلیفہ کے معاملہ کو شوریٰ کے حوالہ کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ اختلاف کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اختلاف تضاد ۲۔ اختلاف تنوع۔

❀ اختلاف کی قسم اوّل کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص ایک امر کو واجب ٹھہراتا ہو اور دوسرا اسے حرام قرار دیتا ہو۔

❀ اختلاف کی دوسری قسم کی مثال وہ اختلاف ہے جو قراءت میں پایا جاتا ہے۔ ہر قراءت بجائے خود جائز ہے۔ تاہم ایک قاری کے نزدیک ایک قراءت مختار ہوتی ہے اور دوسرا کسی اور کو مختار تصور کرتا ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مشہور ومعروف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔ ہر حرف شافی وکافی ہے۔''❶

روایات میں مذکور ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اور ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما کے مابین سورۂ فرقان کی تلاوت میں اختلاف پیدا ہوا۔ جب دونوں نے مختلف طریقہ سے پڑھ کر سنایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے کہا:

''یہ سورت اسی طرح اتاری گئی ہے۔''❷

---

❶ البخاري:٣/ ١٢٢ كِتاب الخصوماتِ، باب كلامِ الخصومِ بعضِهِم فِي بعض:١/ ١٨٤؛كتاب فضائلِ القرآن، باب أنزل القرآن على سبعةِ أحرف:٩/ ١٧؛ كتاب المرتدين، باب ما جاء فِي المتأولين:٩/ ١٥٨ كتاب التوحِيدِ، باب قولِ اللهِ تعالى: فاقروا ما تيسر مِن القرآن، مسلِم:١/ ٥٦٠ كتاب صلاةِ المسافِرين، باب بيان أن القرآن على سبعةِ أحرف؛ سنن نسائی، كتاب الافتتاح ، باب جامع ما جاء فی القرآن(ح:٩٤٢)، مسند احمد (٥/ ١١٤، ١٢٢)

❷ صحيح بخارى، كتاب فضائل القرآن ، باب انزل القرآن على سبعة احرف(حديث: ٤٩٩٢)، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين ، باب بيان ان القرآن انزل على سبعة احرف(حديث:٨١٨)

البخارِي 1/162 ، كِتاب الأذانِ باب التشهدِ فِي الآخِرِ، مسلِم 1/301؛ كتاب الصلاةِ، باب التشهدِ فِي الصلاةِ، وعن تشهدِ أبِي موسى الأشعرِيِ رضِي الله عنه: مسلِم 1/303؛ الموضِع السابِق، وعن تشهدِ ابنِ عباس رضِي الله عنهما: مسلِم 1/302 ؛ الموضِع السابِق، وعن تشهدِ ابنِ عمر رضِي الله عنهما ، سنن أبِي داود 351 - 1/350 كِتاب الصلاةِ، ⇦⇦⇦

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ تشہد کی مختلف اقسام ہیں؛ جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول تشہد جو کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا تشہد جو مسلم نے روایت کیا ہے۔

ان کے الفاظ قریب تر ہیں۔ اور ایسے ہی مسلم کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تشہد بھی ہے۔ اور وہ تشہد جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں کو سکھایا تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر؛ حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے منقول تشہد جو اہل سنن نے ان حضرات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

پس ہر وہ چیز جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو؛ وہ قابل قبول اور جائز ہے۔ اور اگرچہ لوگوں میں ہر کوئی کسی ایک قسم کے تشہد کو اختیار کر لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو اس نے وہی سیکھا ہے؛ اور اب اس کی عادت بن چکی ہے۔ یا پھر وہ بعض وجوہات کی بنا پر اس کے راجح ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو۔

ایسے ہی اذان میں ترجیع اور ترک ترجیع کا مسئلہ بھی ہے۔ ترجیع صحیح مسلم میں حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان میں ثابت ہے۔ اس کے شروع میں دو مرتبہ تکبیر کہی جاتی ہے۔ جیسا کہ امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور چار بار بھی تکبیر کہی جا سکتی ہے جیسا ے کہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور ترجیع کا ترک اہل سنن نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں نقل کیا ہے۔ ❶

ایسے ہی اقامت کو ایک ایک بار کہنے کا مسئلہ بھی ہے جو کہ حضرت بلال کی اذان سے ثابت ہے۔ اور صحیح مسلم میں دو دو بار اقامت حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا۔ امام احمد اور دوسرے محدثین فقہاء رحمہم اللہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور اقامت لی ہے۔ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابو محذورہ کی اذان اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اقامت لی ہے۔ جب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اقامت لی ہے۔

یہ تمام امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی روشنی میں جائز ہیں۔ اگرچہ بعض فقہاء نے ایسا کرنے کو ناپسند کیا ہے۔ کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ اذان میں کوئی ایسی سنت ثابت نہیں ہے۔ مگر اس سے ان کے علم پر قدح نہیں آتی جنہوں نے سنت کا علم حاصل کیا ہو۔

⇦⇦⇦باب التشهدِ، وعن تشهدِ عمر رضِی الله عنه: الموطأ 1/90؛كتاب الصلاةِ، باب التشهدِ فِی الصلاةِ، وعن تشهدِ عائِشة رضِی الله عنها: الموط 1/91- سننِ التِرمِذِي 1/177؛كتاب الصلاةِ باب ما جاء فِی التشهدِ، وذكر تشهد ابنِ مسعود ثم قال: وفِی البابِ عنِ ابنِ عمر وجابِر و أبِی موسى وعائِشة، ثم ذكر تشهد ابنِ عباس، المسندِ ط- الحلبِي 4/408، سننِ ابنِ ماجه 1/290؛ كِتاب إقامةِ الصلاةِ باب ما جاء فِی التشهدِ، وذكر فِی آخِرِهِ تشهد جابِرِ بنِ عبدِ اللهِ رضِی الله عنه، وانظر إرواء الغلِيلِ - 2/26؛ صِفة صلاةِ النبِي لِلألبانِي ص 145- 142-

❶ قال ابن قدامة فِی المغنِی :1/357الترجِيع وهو أن يذكر الشهادتينِ مرتينِ مرتينِ، يخفِض بِذلِك صوته، ثم يعِيدها رافِعا بِهِما صوته، وحدِيث أبِی محذورة رضِی الله عنه فِی: مسلِم 1/287كتابِ الصلاةِ، بابِ صِفةِ الأذانِ، وانظر أحادِيث الأذانِ عن عدد مِن الصحابةِ رِضوان اللهِ عليهِم فِی: سننِ أبِی داود 1/195؛كتابِ الصلاةِ، بابِ كيف الأذانِ، سننِ التِرمِذِي 1/123 كتابِ الصلاةِ، بابِ ما جاء فِی الترجِيعِ فِی الأذانِ، سننِ النسائِي 2/5 كتابِ الأذانِ، بابِ كيف الأذانِ، سننِ ابنِ ماجه 1/234 كتابِ الأذانِ والسنةِ فِيها، بابِ الترجِيعِ فِی الأذانِ، المسندِ ط-الحلبِي 3/408، وانظرِ المغنِی لِابنِ قدامة 1/356-

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

ایسے ہی صلاۃ الخوف کی مختلف اقسام بھی ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے اس کی مختلف اقسام ثابت ہیں۔ جیسے غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر؛ اورغزوہ عسفان کے موقع پر؛ اورغزوہ نجد[کی طرف] کے موقع پر؛مختلف طریقوں سے آپ نے نماز خوف پڑھائی۔عسفان میں آپ نے ایک ہی جماعت کرائی تھی۔لیکن دو صفیں بنائیں ۔پہلی صف کے تمام لوگوں نے آپ کے ساتھ رکوع کیا۔ اور سجدہ صرف پہلی صف کے لوگوں نے کیا؛ دوسرے لوگ چوکیداری کے لیے پیچھے رہ گئے۔ پھر انہوں نے اپنی نماز مکمل کرلی۔ جب کہ دوسری رکعت میں اس کا الٹ ہوا۔پس یہ سب کچھ عام عادت کی نمازوں کے برعکس تھا۔ان دو میں سے ایک صف سجدہ سے پیچھے رہ گئی تھی تاکہ وہ پہرہ داری کا فریضہ انجام دیں۔ ایسا کرنا اس وقت مشروع ہے جب دشمن قبلہ کی جہت میں ہو۔

یہ ان فقہاء کے لیے بنیادی اصل کا مسئلہ بن گیا ان لوگوں کے لیے جومقتدی رکعت پوری کرنے سے پہلے امام سے پیچھے رہ جائیں۔ جیسے رش کے وقت؛ یا نیند یا کسی اور وجہ سے ۔ ایسا کرنے سے نماز باطل نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ نماز پوری کرے گا جس سے پیچھے رہ گیا ہے۔

باقی اکثر لوگوں میں آپ دوگروہ بنایا کرتے تھے۔ایسا اس وقت ہوتا ہے جب دشمن قبلہ کے علاوہ کسی دوسری سمت میں ہو۔تو پھر کبھی ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھتے ؛ پھر یہ لوگ آپ ﷺ کو چھوڑ کر اپنی نماز پوری کر لیتے۔ پھر دوسرا گروہ آتا تو آپ ان کے ساتھ دوسری رکعت پڑھتے ؛ وہ سلام سے قبل اپنی دوسری رکعت پڑھ کر نماز مکمل کر لیتے ؛ پھر رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ سلام پھیر دیتے۔تو اس طرح پہلا گروہ آپ کے ساتھ تکبیر تحریمہ کی فضیلت کو پالیتا؛ اور دوسرا گروہ سلام کی فضیلت کو پالیتا۔جیسا کہ ذات رقاع کے موقع پر آپ نے ان کو نماز پڑھائی تھی۔ یہ آپ کی سب سے مشہور نماز ہے: اور اکثر فقہاء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔لیکن کچھ علماء کہتے ہیں کہ مسبوق کی طرح سبھی کو چاہیے کہ دوسری رکعت کے بعد سلام پھیر لیا جائے؛ یہ طریقہ امام مالک نے اختیار کیا ہے۔ جبکہ اکثر فقہاء نبی کریم ﷺ سے ثابت اس طریقہ کو اختیار کیا ہے۔اس لیے کہ مسبوق کے علاوہ دوسرے لوگوں نے امام کے ساتھ نماز پوری کر لی ہے؛ لہٰذا وہ ان کے ساتھ سلام پھیر دے گا۔بخلاف اس طریقہ کے۔اس میں تو پہلے گروہ نے آپ کے ساتھ نماز مکمل نہیں کی ہوئی تھی۔تو اسی لیے ان کے ساتھ سلام بھی نہیں پھیرا جائے گا۔تاکہ ان کا سلام پھیرنا مقتدیوں کے ساتھ ہو جائے۔

سنن میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''طہارت نماز کی کنجی ہے؛ اس کو حرام کرنے والی چیز تکبیر ہے اور حلال کرنے والی سلام ہے۔'' یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی مروی ہے۔ (1)

ان میں سے ایک طریقہ غزوہ نجد والی نماز کا ہے۔ جب آپ نے ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھی ؛ پھر یہ

---

(1) سنن أبی داؤد 1/47 کتاب الطھارۃ باب فرض الوضوء، سنن الترمذي 1/5؛ کتاب الطھارۃ، باب ما جاء أن مفتاح الصلاۃ الطھور، وقال الترمذي: ھذا الحدیث أصح شيء في ھذا الباب وأحسن، سنن ابن ماجہ 1/101 کتاب الطھارۃ وسننھا، باب مفتاح الصلاۃ الطھور، المسند ط۔ المعارف 2/218؛ وانظر: إرواء الغلیل - 2/9-

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لوگ دشمن کے سامنے صف میں چلے گئے۔ پھر دوسرا گروہ آیا تو آپ نے ان کے ساتھ دوسری رکعت پڑھی۔ پھر یہ لوگ دشمن کے سامنے چلے گئے اور پہلے لوگ واپس آئے اور انہوں نے اپنی دوسری رکعت مکمل کر لی۔ پھر دوسرا گروہ لوٹا اور انہوں نے اپنی دوسری رکعت مکمل کی۔ یہ مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے؛ اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ قیاس کے عین مطابق ہے۔ اس لیے کہ اس میں عمل کثیر اور استدبار قبلہ کے علاوہ کوئی عذر نہیں ہوتا۔ اور یہ ان لوگوں کے حق میں بھی جائز ہے جنہیں حدث لاحق ہوجائے [جن کا وضوء ٹوٹ جائے] بھلے وہ کسی دوسری نماز میں ہی کیوں نہ ہوں۔

وہ صحیح بات جس کے علاوہ کچھ بھی کہنا جائز نہیں ہے؛ وہ یہ ہے کہ: ہر وہ چیز جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو؛ اس کا کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی اختیار کرنے والا ان میں کوئی ایک چیز اختیار کرتا ہے تو یہ ایک دوسری بات ہے؛ تاہم پھر بھی یہ اختلاف نوع ہے؛ [اختلاف تضاد نہیں]۔

اور اسی باب سے نماز کے استفتاح کی دعائیں بھی ہیں۔ جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول دعا؛ جو کہ صحیحین میں ہے۔ اور حضرت علی بن ابی طالب کا استفتاح جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استفتاح جو آپ محراب نبی میں کھڑے ہوکر بلند آواز میں پڑھا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو اس کی تعلیم دے سکیں۔ یہ متفق علیہ ہے۔ اور سنن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع سند سے روایت کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ استفتاح کی دیگر دعائیں بھی ہیں۔ [1]

ایسے استعاذہ کے الفاظ کا مسئلہ بھی ہے۔ اور نماز کے آخر میں دعاؤں کا مسئلہ بھی۔ اور وہ اذکار بھی جو کہ رکوع اور سجدہ میں مامور تسبیحات کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔

ایسے ہی نفل نمازوں کا مسئلہ بھی ہے؛ ان میں قیام اور قعود کے مابین اختیار ہوتا ہے۔ اور ایسے ہی جہر اور خفیہ کے مابین بھی اختیار ہوتا ہے۔ اس طرح کی دیگر مثالیں بھی ہیں۔ ان ہی میں سے حاجی کو تعجیل یا تأخیر کے اختیار کا مسئلہ بھی ہے۔ کہ وہ دو دن کے بعد وہاں سے چل پڑے یا تیسرے دن تک رک جائے۔

ان اختلافات کی دو اقسام ہیں:

اول:......جس میں انسان کو بغیر کسی اجتہاد کے دو میں سے ایک چیز کے منتخب کر لینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ جو کہ اس کے حق میں کسی بھی طرح سے بہتر ہو۔

دوم:......مصلحت کے اعتبار سے اختیار کا ہونا۔

دوسرے کے بارے میں تصرف کا اختیار اسی باب سے تعلق رکھتا ہے؛ جیسے یتیم کا سرپرست اور وقف کا ناظر؛ اور وکیل؛ مضارب؛ شریک۔ جو لوگ دوسروں کے لیے کچھ کام کرتے ہیں ان کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ پس بیشک جب کسی کو دو معاملات میں سے کسی ایک کا اختیار ہو؛ یعنی نقد کے بدلے نقد؛ یا نقد کے بدلے ادھار؛ یا اس جنس اور اس جنس

---

[1] انظر عن أدعیۃ الاستفتاح في الصلاۃ، إروا الغلیل 2/48؛ صفۃ صلاۃ النبي صلی اللہ علیہ وسلم 72؛ المغني لابن قدامۃ 1/415، الکلم الطیب لابن تیمیۃ، تحقیق محمد ناصر الدین الألباني ص 59۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی خریداری۔ کسی ایک چیز کسی ایک بازار میں اور دوسری دوسرے بازار میں بیچنے کا اختیار ہو۔ تو وہ اپنے اجتہاد سے اپنی مصلحت کے مطابق اختیار کرے گا۔ پس امین کے لیے مصلحت سے پہلو تہی اختیار کرنا جائز نہیں جب تک اسے اتنی مشقت نہ ہو جس کی وجہ سے اس کا ترک جائز ہو۔

خلیفۃ المسلمین کا مسلمانوں کے لیے تصرف اسی قبیل سے ہے۔ جیسے اس قیدی کا معاملہ ہے جسے قتل کرنے اور غلام بنانے میں؛ احسان کرکے چھوڑ دینے اور فدیہ لینے میں اختیار ہوتا ہے۔ یہ اکثر علماء کے نزدیک ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب جنگ بدر میں نبی کریم ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں صحابہ سے مشورہ لیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا اور آپ نے انھیں حضرت ابراہیم و عیسیٰ کے ساتھ تشبیہ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کرنے کا مشورہ دیا۔ ❶ آپ نے ان کو نوح و موسیٰ علیہما السلام کے مشابہ قرار دیا۔ آپ نے دونوں میں سے کی مذمت نہ کی بلکہ انبیاء کے ساتھ تشبیہ دے کر ان کی مدح و ستائش فرمائی۔ اگر نبی کریم ﷺ حتمی طور پر ایک بات پر عمل کرنے کے مامور ہوتے تو صحابہ سے مشورہ نہ لیتے۔

ایسے ہی خلیفہ کے اپنے عمال اور والیان مقرر کرنے میں اجتہاد کا معاملہ بھی ہے۔ امام یا خلیفہ پر واجب ہوتا ہے کہ اس انسان کو والی مقرر کرے جسے اپنی رائے میں بہتر سمجھتا ہو۔ علاوہ ازیں اجتہادی امور میں اختلاف کا امکان ہے اور ہر اجتہاد مبنی بر صواب ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غزوات میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو معزول کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس مشورہ پر عمل نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ فرمایا کرتے تھے:

''خالد رضی اللہ عنہ مشرکین پر اللہ کی شمشیر برہنہ ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر فائز ہوئے، تو انھوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کرکے ان کی جگہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو سالار مقرر کیا۔ دونوں کا طرز عمل اپنے اپنے وقت پر درست تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نرم مزاج تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے مقابلہ میں جابر و سخت گیر تھے۔ نبی کریم ﷺ دونوں سے مشور لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:

''جب عمر رضی اللہ عنہ و ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں کسی بات پر متفق ہو جائیں تو میں ان کی مخالفت نہیں کروں گا۔'' ❷

---

❶ مستدرك حاكم(۳/ ۲۱۔۲۲)، مسند احمد(۱/ ۳۸۳)، و اسناده ضعيف لانقطاعه۔

❷ مسند احمد(٤/ ۲۲۷)، تاريخ الاسلام للذهبی (عهد الخلفاء، ص:۲۵٦)۔روی الهيثمِی فِی مجمعِ الزوائِدِ 9/52 وعنِ البراءِ بنِ عازِب أن النبی صلی الله عليهِ وسلم قال لأبِی بكر وعمر: الحمد لِلهِ الذِی أيدنِی بكِما، ولولا أنّكما تختلِفانِ علیّ ما خالفتكما۔ قال الهيثمِی: رواه الطبرانِی فِی الأوسطِ وفِيهِ حبِيب بن أبِی حبِيب كاتِب مالكِ وهو متروك۔ ثم روی الهيثمِی 9/53: وعنِ ابنِ غنم أن النبِی صلی الله عليهِ وسلم قال لأبِی بكر وعمر: لو اجتمعتا فِی مشورة ما خالفتكما۔ قال الهيثمِی: رواه أحمد ورِجاله ثِقات إلا أن ابن غنم لم يسمع مِن النبِیِ صلی الله عليهِ وسلم۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعض غزوات میں فرمایا:

''اگر لوگ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اطاعت کریں گے تو سیدھی راہ پر چلیں گے۔'' ❶

روایات صحیحہ میں یہ بھی آیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے دریافت کیا:

''جب نبی موجود نہ ہوں اور نماز کا وقت آجائے تو لوگ اس وقت کیا کریں گے؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: اللہ و رسول ہی کو علم ہوگا۔ آپ نے فرمایا: ''کیا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما موجود نہیں؟ اگر ان دونوں کی اطاعت کرتے رہیں گے تو راہ راست پر آجائیں گے اور اگر ان کی نافرمانی کریں گے تو گمراہ ہوجائیں گے اور پوری امت گمراہی سے ہم کنار ہو جائے گی۔'' نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔'' ❷

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''جنگ بدر کے دن نبی کریم ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا۔ ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ آپ کے رفقاء تین سو انیس تھے۔ نبی کریم ﷺ قبلہ رخ ہوئے، پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے:

''اے اللہ! اپنے وعدہ کو پورا کر اور جو چیز دینے کا وعدہ کیا ہے وہ عطا کر اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو دنیا میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔''

آپ ہاتھ اٹھائے قبلہ رو دعا کرنے میں مصروف رہے۔ حتی کہ آپ کی چادر کندھوں پر سے گر پڑی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور چادر اٹھا کر آپ کے کندھوں پر ڈال دی۔ پھر پیچھے سے ہو کر نبی کریم ﷺ کے ساتھ چمٹ گئے اور کہا: ''اللہ کے نبی! بس کیجیے، اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ﴾

(الانفال: ۹)

''اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے پھر اللہ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو لگاتار چلے آئیں گے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعہ ان کی مدد کی۔'' حضرت ابوزمیل نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اس دن بیان کی؛ کہ: ''جب ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا جو اس سے آگے تھا؛ اچانک اس نے اوپر سے ایک کوڑے کی ضرب لگنے کی آواز سنی اور یہ بھی سنا کہ کوئی گھوڑ سوار یہ کہہ رہا ہے، اے حیزوم! آگے بڑھ۔ پس اس نے اپنے

❶ مسلم، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ، (ح: ٦٨١) مطولاً۔

❷ مسلم 1/472؛ کتاب المساجدِ ومواضعِ الصلاۃ، باب قضاءِ الصلاۃِ الفائتِ واستحبابِ تعجیلِ قضائِھا۔ وأولہ: خطبنا رسول اللہِ صلی اللہ علیہِ وسلم فقال: إنکم تسیرون عشیتکم ولیلتکم۔ الحدیث وفیہِ: فإن یطیعوا أبا بکر وعمر یرشدوا۔ الحدیث فِی المسندِ ط۔ الحلبِی 5/298

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آگے مشرک کی طرف دیکھا کہ وہ چت گرا پڑا ہے۔ جب اس کی طرف غور سے دیکھا تو اس کا ناک زخم زدہ تھا؛ اور اس کا چہرہ پھٹ چکا تھا۔ کوڑے کی ضرب کی طرح اور اس کا پورا جسم بند ہو چکا تھا۔ پس اس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے سچ کہا یہ مدد تیسرے آسمان سے آئی تھی۔'' پس اس دن ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے ابوزمیل نے کہا کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب قیدیوں کو گرفتار کرلیا؛ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم ان قیدیوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی ﷺ! وہ ہمارے چچا زاد اور خاندان کے لوگ ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ وصول کرلیں اس سے ہمیں کفار کے خلاف طاقت حاصل ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ اللہ انہیں اسلام لانے کی ہدایت عطا فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن خطاب آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں! اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول! ''میری وہ رائے نہیں جو حضرت ابوبکر کی رائے ہے۔ بلکہ میری رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ انہیں ہمارے سپرد کر دیں؛ تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ عقیل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کریں، وہ اس کی گردن اڑائیں اور فلاں آدمی میرے سپرد کر دیں- اپنے رشتہ داروں میں سے ایک کا نام لیا- تاکہ میں اس کی گردن مار دوں۔ کیونکہ یہ کفر کے پیشوا اور سردار ہیں پس رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کی طرف مائل ہوئے؛ اور میری رائے کی طرف مائل نہ ہوئے۔ جب آئندہ روز میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے بتائیں تو سہی کس چیز نے آپ ﷺ کو اور آپ کے دوست کو رلا دیا؟ اگر میں رو سکا تو میں بھی روؤں گا اور اگر مجھے رونا نہ آیا تو میں آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے کی صورت ہی اختیار کرلوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس وجہ سے رو رہا ہوں جو مجھے تمہارے ساتھیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے پیش آیا ہے۔ تحقیق مجھ پر ان کا عذاب پیش کیا گیا جو اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا؛ اللہ کے نبی ﷺ کے قریب درخت سے بھی۔ اور اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ﴾ ''یہ بات نبی کی شان کے مناسب نہیں ہے کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں حتی کہ زمین میں کثرت سے خون بہا لے۔''

فرمایا: ''اللہ عزوجل نے صحابہ رضی اللہ عنہ کے لیے غنیمت حلال کر دی۔ [1]

---

[1] مسلم: فأحل الله الغنيمة لهم، وجاء هذا الحديث في مسند عمر في المسند ط۔ المعارف 1/244؛ وقال الشيخ أحمد شاكر رحمه الله: والحديث نقله ابن كثير في تفسيره عن المسند 4/18، وقال: ورواه مسلم وأبو داود والترمذي وابن جرير وابن مردويه من طرق عن عكرمة بن عمار به، وصححه عليُّ بن المديني والترمذي۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ اس میں ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہے جنھوں نے فرمایا تھا:

﴿ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَ مَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ [ابراهیم ۳۶]

''پس جو کوئی میری اتباع کرے وہ مجھ سے ہے' اور جو کوئی میری نافرمانی کرے بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جنھوں نے فرمایا تھا:

﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ إِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ [المائدة ۱۱۸]

''اگر ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف فرما دے تو تو زبردست حکمت والا ہے۔''

اور اے عمر! آپ کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی طرح ہے جنھوں نے فرمایا تھا:

﴿ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴾ [نوح ۲۶]

''اے میرے پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ۔''[1]

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جنھوں نے فرمایا تھا:

﴿ وَ اشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴾ [یونس]

''ان کے دلوں کو سخت کر دے سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔''

اس معنی میں ایک حدیث حضرت ام سلمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر حضرات سے بھی مروی ہے۔''

امام احمد نے مسند میں ابومعاویہ کی حدیث سے روایت کیا ہے؛ اور ابن بطہ نے بھی ہے۔ اور جزء ابن عرفہ میں بھی ابومعاویہ کی سند سے منقول ہے؛ اس کے الفاظ یہ ہیں:

''جب بدر کا موقع تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان قیدیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! یہ آپ کی قوم وقبیلہ اور خاندان کے لوگ ہیں انھیں زندہ رہنے دیجیے ممکن ہے کہ اللہ ان کو توبہ کی توفیق عطا کرے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا، لہٰذا ان

---

[1] المستدرك لِلحاكِم 3/21؛ وقال الحاكِم: هذا حدِيث صحِيح الإسنادِ ولم يخرِجاه، ووافقه الذهبِي، والحدِيث فِي المسندِ ط۔ المعارِفِ 5/227، وقال أحمد شاكِر رحِمه الله: إسناده ضعِيف لِانقِطاعِهِ، وانظر كلامه عليهِ، وأورد ابن كثِير الحدِيث فِي تارِيخِهِ السِيرة النبوِية؛ تحقِيق مصطفى عبد الواحِدِ 2/458؛ وقال: وهذا رواه التِرمِذِي والحاكِم مِن حدِيثِ أبِي معاوِية، وأورد التِرمِذِي الحدِيث مختصرا فِي سننِهِ فِي موضِعينِ 3/129كتاب الجِهادِ، باب ما جاء فِي المشورةِ، وقال التِرمِذِي: وفِي البابِ عن عمر وأبِي أيوب وأنس وأبِي هريرة، وهذا حدِيث حسن وأبو عبيد لم يسمع مِن أبِيهِ، 4/335كتاب التفسِيرِ سورة الانفالِ، وأول الحدِيثِ فِي الموضِعينِ: ما تقولون فِي هؤلاءِ الأسارى؟ والحدِيث فِي كتابِ فضائِلِ الصحابةِ 1/181وقال المحقِق: إسناده ضعِيف لِانقِطاعِهِ۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کو تہ تیغ کر دیجیے۔'' ❶

رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں داخل ہوگئے؛ انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ جب باہر تشریف لائے؛ تو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: آپ کی مثال سیدنا ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے، جنھوں نے فرمایا تھا:

﴿مَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (ابراھیم: ۳۶)

نیز آپ کی مثال سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جن کا ارشاد ہے: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ (مائدۃ: ۱۱۸)

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر فرمایا: آپ کی مثال سیدنا نوح علیہ السلام جیسی ہے، جنھوں نے فرمایا تھا:

﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا﴾ (نوح: ۲۶)

نیز آپ کی مثال سیدنا موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے، انھوں نے فرمایا تھا:

﴿رَبِّ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ﴾ (یونس: ۸۸)

ابن بطہ نے ثابت شدہ اسناد سے زنجی بن خالد کی سند سے اسماعیل بن امیہ سے روایت کیا ہے؛ وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

''اگر تم دونوں ایک بات پر متفق ہوجاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔'' [مسند احمد ۵/ ۲۲۸]

سلف صالحین حتی کہ شیعہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقدیم پر متفق تھے۔

ائمہ سلف کے یہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی عظمت وفضیلت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا تھا۔ اس کی حد یہ ہے کہ شیعان علی تک اس سے متفق تھے۔ ابن بطہ اپنے شیخ سے روایت کرتے ہیں جو ابوالعباس بن مسروق کے نام سے مشہور ہیں کہ ابواسحاق سبیعی جب کوفہ آئے تو شمر بن عطیہ نے ہمیں تعظیماً کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ ابواسحاق بیٹھ کر ہم سے بات چیت کرنے لگے۔ انھوں نے کہا جب میں کوفہ سے نکلا تھا تو میں نے کوفہ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں پایا جو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی عظمت شان میں شک رکھتا ہو۔ اب میں واپس لوٹا ہوں تو لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے کچھ علم نہیں کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ ❷

---

❶ مسلم، باب الامداد بالملائکۃ ......، (ح: ۱۷۶۳)۔

❷ یہ اس باب میں ایک تاریخی شہادت ہے کہ شیعہ کے نظریات کس عجلت کے ساتھ تغیر پذیر رہے۔ ابواسحاق سُبیعی کوفہ کے مشہور شیخ اور عالم تھے۔ سیدنا علی کے عہد خلافت میں کمسن تھے وہ خود کہتے ہیں: ''میرے والد مجھے اٹھا کر سیدنا علی کی خدمت میں لے گئے......'' اگر ہمیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ آپ کب کوفہ سے گئے اور کب واپس لوٹے تو ہم جان سکیں گے کہ وہ زمانہ کون سا تھا جس میں شیعہ سیدنا علی کے اتباع میں شیخین کی عظمت وفضیلت کے قائل تھے اور تاریخ کے کس دور میں شیعان علی نے آپ کی پیروی چھوڑ دی۔ سیدنا علی کوفہ کے منبر پر فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ افضل الامت اور آپ کے وزیر وخلیفہ تھے۔ یہ امر موجب حیرت ہے کہ خوارج اور اباضیہ نے سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے اس نظریہ کو تبدیل نہ کیا؛ مگر سیدنا ابواسحاق سبیعی کی زندگی کے آخری دور تک شیعہ نے اپنا یہ نظریہ تبدیل کردیا اور اس ضمن میں سیدنا علی کی نافرمانی کرنے لگے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

فرماتے ہیں: ہم سے نیشاپوری نے حدیث بیان کی ؛ وہ ابواسامہ حلبی سے روایت کرتے ہیں؛ وہ کہتے ہیں : ہم سے ہمارے والد نے حدیث بیان کی ؛ وہ کہتے ہیں: حضرت ضمرہ نے حدیث بیان کی؛ وہ سعید بن حسن سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے لیث [1] بن ابی سُلَیم کو یہ کہتے سنا:

''میں نے متقدمین شیعہ کو دیکھا کہ وہ کسی کو بھی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل نہیں سمجھتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سفیان بن عُیینہ سے بطریق خالد بن سلمہ از مسروق روایت کرتے ہیں؛ انھوں نے کہا:

''ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کی محبت اور ان کی فضیلت کی معرفت حاصل کرنا اتباع سنت میں داخل ہے۔''

حضرت مسروق و طاؤس جلیل القدر تابعین کوفہ میں سے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے؛ فرماتے ہیں: ''حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کی محبت اور ان کی فضیلت کی معرفت سنت ہے۔''

متقدمین شیعہ کیوں نہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل ہوتے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول تواتر کیساتھ آپ سے منقول ہے؛ آپ فرمایا کرتے تھے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت محمدی میں سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ۔'' [2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول قریباً اسّی طرق سے روایت کیا گیا ہے۔

قبیلہ ہمدان والوں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصوصی مراسم تھے۔ آپ یہ شعر گنگنایا کرتے تھے:

وَ لَوْ کُنْتُ بَوَّابًا عَلٰی بَابِ جَنَّةٍ لَقُلْتُ لِهَمْدَانَ ادْخُلِیْ بِسَلَامٖ

''اگر میں جنت کے دروازے کا دربان ہوتا تو قبیلہ ہمدان والوں سے کہتا کہ آرام سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔''

قبیلہ ہمدان والوں سے بھی امام بخاری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ روایت نقل کی ہے مثلاً سفیان ثوری بطریق جامع بن شداد، منذر سے روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں ہمدانی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سفیان ثوری کی حدیث سے روایت کیا ہے جو کہ ہمدانی ہیں؛ وہ ایک دوسرے ہمدانی منذر سے روایت کرتے ہیں: وہ محمد بن حنفیہ سے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے ان سے دریافت کیا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہیں؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بیٹا کیا تمھیں یہ بات معلوم نہیں؟'' محمد بن حنفیہ نے کہا: ''نہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''سب سے افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔''

---

[1] اس حدیث کے راوی لیث بن ابی سلیم قرشی کوفی بہت بڑے عالم و زاہد تھے۔ انھوں نے عکرمہ سے استفادہ کیا۔ یہ معمر و شعبہ اور ثوری کے استاد تھے۔ یہ مسائل حج کے مشہور کوفی عالم تھے اور کوفہ بھر میں ممتاز تھے۔ ان کی وفات ۱۴۳ھ میں ہوئی۔

[2] سنن ابن ماجة۔ المقدمة ، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ (حدیث: ۱۰۶)، مسند احمد(۱/ ۱۰۶)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابن حنفیہ نے پوچھا: ''ان کے بعد کون؟'' فرمایا: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔'' ❶

یہ محمد بن حنفیہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ باپ بیٹے کا مکالمہ ہے۔ اسے تقیہ پر محمول نہیں کر سکتے۔ ابن حنفیہ نے یہ روایت خاص طور سے اپنے والد سے نقل کی ہے اور انھوں نے یہ بات منبر پر کہی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''جو شخص مجھے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل قرار دے گا میں اس پر حد قذف لگاؤں گا۔'' ❷

سنن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ دونوں جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما؛ ان کی اطاعت کیجیے۔'' ❸

علماء سے ایک قول یہ بھی منقول ہے؛ اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا متفق علیہ قول لازم الاتباع ہے، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ یہی قول راجح ہے۔ جیسا کہ اگر ان چاروں خلفاء کا کسی بات پر اتفاق ہو جائے تو اس کے خلاف کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعدل و اکمل امور دے کر مبعوث کیا گیا تھا، چنانچہ آپ ہنس مکھ بھی تھے اور مجاہد بھی۔ آپ نبی الرحمۃ بھی تھے اور صاحب قتال و جہاد بھی۔ یہ صرف آپ ہی کی خصوصیت نہیں، بلکہ آپ کی امت بھی دونوں اوصاف

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''لوکنت متخذاً خلیلا'' (ح:۳۶۷۱)۔

❷ یہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات نہیں؛ بلکہ متقدمین اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی عقیدہ تھا۔ اور وہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے محبت کا دم بھرتے تھے۔ اور اس کا کھلے عام اعلان بھی کرتے تھے۔ چنانچہ کلینی روایت کرتا ہے کہ ایک عورت نے جعفر صادق سے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں سوال کیا تو عرض کی کیا آپ ان دونوں کو دوست سمجھتے اور ان سے محبت کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ''تم ان سے محبت رکھو۔'' اس نے کہا میں جب اپنے رب سے ملوں تو اسے کہہ دوں کہ تم نے مجھے ان دونوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا تھا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ [الروضۃ من الکافی: ۸/ ۱۹۹۵۔ حدیث نمبر: ۷۱۔ حدیث أبی بصیر مع المرأۃ۔ ۸/ ۲۰۷۹ حدیث نمبر: ۳۱۹۔ حدیث علی بن حسین ......'']

اسی پر بس نہیں بلکہ زید بن علی بن حسین بن علی بن أبی طالب رحمہ اللہ نے اپنے ساتھیوں کو بتایا تھا انہوں نے اپنے آباء و اجداد میں سے کسی کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے نہیں سنا۔ [الانتفاضات الشیعۃ: ۴۸۹۔]

شیعہ عالم ابوجعفر محمد بن حبیب نے کہا ہے کہ: ''حضرت زید کی وجہ سے ان لوگوں کا نام رافضی پڑا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت کی بیعت کی' اور پھر آپ کا امتحان لینے لگے؛ تو آپ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت و موالات کا اظہار کیا تو انہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس دن سے ان کا نام رافضی پڑ گیا'' المحبر ص ۴۷۳؛ لمحمد بن حبیب (متوفی ۲۴۵ھجري)۔ الصوارم ۲۲۵؛ رقم ۷۶۔ إنا نرفضك ۔فقال إذهبوا أنتم الرافضة) اور انہوں نے یہ بھی فرمایا: ''میں اس شخص سے بری ہوں جو ان دونوں سے بری ہوتا ہے۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے برأت درحقیقت علی سے براءت ہے۔'' یہ سن کر وہ کہنے لگے تب ہم تمہاری امامت کا انکار کرتے ہے۔ مروج الذہب ومعادن الجوہر: ۳/ ۲۲۰۔ روضات الجنات: ۱/ ۳۲۴۔

❸ سنن ترمذی، کتاب المناقب باب(۱۶/ ۳۵)، (حدیث:۳۶۶۲، ۳۶۶۳)، سنن ابن ماجۃ، المقدمۃ، باب فضائل ابی بکر الصدیق، (حدیث: ۹۷)، من حدیث حذیفۃ۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کی حامل تھی۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح: ۲۹)

''کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں۔''

نیز فرمایا:﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ﴾ (المائدۃ: ۵۴)

''وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر سخت اور تیز ہوں گے کفار پر۔''

چنانچہ نبی کریم ﷺ فاروقی شدت وحدت اور صدیقی لطف و کرم دونوں کے جامع تھے۔اور اسی بات کا حکم دیتے تھے جو عدل و انصاف پر مبنی ہوا کرتی تھی۔حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آپ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں حضرات کے امور و افعال کمالِ استقامت کے آئینہ دار تھے۔

جب نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور یہ دونوں اکابر یکے بعد دیگرے آپ کے خلیفہ و نائب قرار پائے ؛تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے کمال کا یوں اظہار فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لے کر اپنی روایتی نرمی کے ساتھ ان کی غلظت و شدت کو مخلوط کرتے رہے تاکہ اعتدال قائم رہے۔

یہ حقیقت ہے کہ خالص نرمی اور خالص درشتی و سختی دونوں بگاڑ کی موجب ہوا کرتی ہیں۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ طرز عمل اسوۂ نبوی کی پیروی میں اختیار کیا تھا۔نبی کریم ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق سے بھی مشورہ لیا کرتے تھے اور بعض امور میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھی شرف نیابت سے سرفراز فرمایا کرتے تھے۔اسی خصوصیت کی بنا پر آپ اوّلین خلیفہ رسول ﷺ قرار پائے۔مرتدین کے خلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جس شدت و غلظت کا ثبوت دیا تھا وہ فاروقی شدت وحدت سے بھی بڑھ کر تھی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا تھا:''اے نائب رسول!لوگوں پر رحم کیجیے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:''کس بات پر رحم کروں آیا کسی جھوٹی بات پر یا کسی خود ساختہ شعر پر۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔یہ حقیقت ہے کہ ہم لومڑی کی طرح بزدل تھے آپ کی حوصلہ افزائی نے ہمیں شیر بنا دیا۔''

جہاں تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات کا تعلق ہے آپ بذات خود سخت گیر تھے۔آپ کا کمال یہ ہے کہ آپ نرم طبع صحابہ سے مشورہ لے کر اعتدال کو قائم رکھتے تھے۔چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح،سعد بن ابی وقاص،ابوعبید ثقفی،نعمان بن مقرن اور سعید بن عامر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے اہل صلاح و زہد جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ سے بھی بڑے عابد و زاہد تھے آپ کے مشیر تھے۔

شوریٰ کا معاملہ بھی اسی قبیل میں شامل ہے جن معاملات میں اللہ و رسول کا حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم نہیں ہوا کرتا تھا آپ ان میں صحابہ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔اصل بات یہ ہے کہ شرعی نصوص جامع کلمات،قضایا کلیہ اور قواعد عامہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شارع کے لیے یہ ممکن نہیں کہ روز قیامت تک پیدا ہونے والے جملہ مسائل ایک ایک فرد کو بوضاحت وصراحت بیان کردے۔نظر بریں امور متعینہ میں غور وفکر کرکے اجتہاد کے ذریعہ سے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا وہ شارع کے کلمات جامعہ میں داخل بھی ہیں یا نہیں؟ فقہی اصطلاح میں اس اجتہاد کو تحقیق المناط کہتے ہیں جس پر مثبتین ومنکرین قیاس سب کا اتفاق ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دو عادل اشخاص کو گواہ بنالینا چاہیے، اب کسی مخصوص شخص کے بارے میں ہمیں نص کے ذریعہ یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ عادل ہے یا نہیں، بلکہ یہ بات اجتہاد خاص سے معلوم ہوگی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ امانت اس کے حق دار کو ادا کردینی چاہیے اور فرائض ومناصب بھی اسی شخص کو تفویض کرنا چاہیے جو ان کا اہل ہو مگر کسی متعین شخص کا کسی منصب کے لیے موزوں ہونا نص سے نہیں بلکہ اجتہاد خاص سے معلوم کیا جاتا ہے۔

اگر روافض کا خیال ہے کہ خلیفہ منصوص علیہ ہوتا ہے (اس کا تقرر شرعی نص کی بنا پر وجود میں آتا ہے) اور اس کے پہلو بہ پہلو وہ معصوم بھی ہوتا ہے تو یہ غلط ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول ﷺ کے خلفاء وعمال غیر معصوم تھے تو امام وخلیفہ کیوں کر معصوم ہوسکتا ہے؟ یہ ممکن نہیں ہے کہ شارع ہر مخصوص ومتعین چیز کو صراحتاً بیان کردے اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ نبی وامام کو کسی مخصوص شخص کے باطنی احوال کا علم ہو۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ کو والی مقرر کیا؛ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ﴾۔

''اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی بے اعتبار آدمی خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچادو۔'' [الحجرات ٦] (1)

آپ کا خیال یہ تھا کہ اس معاملہ میں حق بنی ابیرق کے ساتھ ہے؛ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِیْنَ خَصِیْمًا﴾

''بے شک ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق

(1) بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ قبیلہ بنی مصطلق جب مسلمان ہوا تو رسول اللہ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو ان سے زکو لینے کے لیے بھیجا۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ اور بنی مصطلق میں پہلے سے دشمنی چلی آرہی تھی۔ جب ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ ان کے ہاں گئے تو کسی وجہ سے ڈر گئے اور واپس آکر آپ سے کہہ دیا کہ وہ زکو دینے سے انکاری ہیں۔ بلکہ وہ تو مجھے بھی قتل کردینا چاہتے تھے۔ بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے ان پر چڑھائی کرنا چاہئے مگر آپ اس معاملہ میں متمل تھے۔ اسی دوران بنی مصطلق کا سردار حارث بن ضرار رضی اللہ عنہ (ام المومنین سیدنا جویریہ رضی اللہ عنہا کا والد) اتفاق سے آپ کے ہاں آئے۔ تو انہوں نے بتایا کہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ تو ہمارے ہاں گئے ہی نہیں تو ان کے قتل کا سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ ہم مسلمان ہیں اور زکو دینے کو تیار ہیں۔ اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [الدراوی]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے اور آپ خیانت کرنے والوں کی خاطر جھگڑنے والے نہ بنیں۔‘‘

جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے جزئیات کے بارے میں آپ کا ظن اکثر مرتبہ غلط نکلا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معصوم و غیر معصوم دونوں کے لیے جزئیات میں اجتہاد کرنا ضروری ہے۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’آپ میرے پاس جھگڑے چکانے آتے ہیں، ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے دعوی کو زیادہ واضح الفاظ میں بیان کر سکتا ہو۔ میں تو اسی طرح فیصلہ کرتا ہوں جیسے سنتا ہوں۔ جس شخص کو میں نے اس کے بھائی کا حق دے دیا تو وہ اسے وصول نہ کرے، یہ تو اسی طرح ہے جیسے میں اسے دوزخ کا ٹکڑا کاٹ کر دے دوں۔‘‘ [1]

کسی مخصوص معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ نے دوسرے کا حصہ وصول کرنے سے منع فرمایا، جب کہ وہ درحقیقت اس کا حق دار نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے، اس اعتبار سے آپ پر یہ فریضہ عائد ہوتا تھا کہ مسلمانوں میں جو سب سے زیادہ موزوں ہو، اس کو منصب خلافت پر فائز کریں۔ لہٰذا اجتہاد کی بنا پر آپ کو معلوم ہوا کہ یہ چھ حضرات باقی لوگوں کی نسبت خلافت کا زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ آپ کا یہ اجتہاد اپنی جگہ درست تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کسی شخص نے یہ بات نہ کہی کہ دوسرا کوئی شخص ان سے موزوں تر ہے۔ خلیفہ مقرر کرنے کا کام چھ اشخاص کی اس کمیٹی کے سپرد کیا۔ مبادا آپ ان چھ میں سے کسی کو امام مقرر کر دیں۔ اور دوسرا شخص اس سے اصلح و انسب ہو، چھ حضرات کو یہ کام تفویض کرنا کسی ایک شخص کی تعیین کی نسبت آپ کو زیادہ موزوں نظر آیا۔ یہ ایک بے غرض خلیفہ عادل و مخلص امام کا عمدہ ترین اجتہاد تھا۔ اسے اپنی خواہشات سے کوئی غرض اور مطلب نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَهُمۡ﴾ (شوریٰ:۳۸)

’’وہ اپنے معاملات شوریٰ سے طے کرتے ہیں۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَ شَاوِرۡهُمۡ فِی الۡاَمۡرِ﴾ (آل عمران: ۱۵۹)

’’معاملات میں صحابہ کے ساتھ مشورہ کیجیے۔‘‘

نظر بریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شوریٰ کو اختیار کرنا مصلحت کے پیش نظر تھا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنا بھی مصلحت سے خالی نہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ علم و فضل اور استحقاق خلافت کے اعتبار سے کوئی شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہم سر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آپ نے شوریٰ کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس مبارک انتخاب کا اثر بھی مسلمانوں پر ظاہر ہوئے بغیر نہ رہا۔ ہر با انصاف دانش منداس حقیقت سے باخبر ہے کہ عثمان و

[1] البخاری، باب من اقام البینة بعد الیمین(ح: ۲۶۸۰)، مسلم، باب بیان ان حکم الحاکم لا ...... (ح:۱۷۱۳)

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

علی وطلحہ وزبیر اور سعد وعبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کوئی بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حریف نہیں ہوسکتا۔ اس لیے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے طرز عمل میں چنداں فرق وامتیاز نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''دنیا میں عاقل ترین افراد تین تھے: ۱۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی جس نے کہا تھا:

﴿یٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ﴾ [القصص ۲۶]۔

''ابا جی! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجئے، کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانتدار ہو۔''

۲۔ عزیز مصر جس نے اپنی بیوی سے کہا تھا:

﴿اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ (یوسف ۲۱)۔

''اس کی عزت کیجیے؛ ممکن ہے ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے اپنا لڑکا بنالیں۔''

۳۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جنھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا۔''[1]

[حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خطبہ]:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

''میرے والد محترم کے کیا کہنے؟ وہ ایک بلند پہاڑ اور اونچی شاخ تھے۔ لوگوں کے سب خیالات جھوٹے ثابت ہوئے۔

وہ کامیاب ہوئے اور تم ناکام ٹھہرے، وہ آگے بڑھ گئے اور تم پیچھے رہے، جیسے گھوڑا منزل مقصود پر پہنچ کر تیز ہو جاتا ہے۔ عنفوان شباب میں وہ نوجوان قریش تھے۔ ادھیڑ عمر کو پہنچ کر قریش کی جائے پناہ تھے۔ قیدیوں کو چھڑاتے، تنگ دست کو کپڑے پہناتے۔ پراگندہ خاطر کو تسلی دلاتے۔ یہاں تک کہ ان کے دلوں کو آپ نے موہ لیا۔ پھر دینی کوششوں میں لگ گئے اور آپ کی غیرت وخودداری بڑھتی ہی چلی گئی۔ آپ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنا کر اسلامی رسوم کو زندگی بخشی۔ آپ حزین القلب اور کثرت سے رونے والے تھے۔ آپ کی آواز بڑی دردبھری تھی۔ مکہ کی عورتیں اور بچے آپ کی آواز سننے کے لیے جمع ہو جاتے اور آپ کا مذاق اڑاتے۔ [اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:]

﴿اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ یَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ﴾ [البقرۃ ۱۵]۔

''اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے اور انہیں ان کی سرکشی اور بہکاوے میں اور بڑھا دیتا ہے۔''

قریش کو اس پر بڑی حیرت ہوئی اور انھوں نے تیراندازی کے لیے اپنی کمانیں تان لیں اور آپ کو تیروں کا

---

[1] مستدرك حاكم (۲/ ۳۴۵، ۳۴۶)، معجم كبير طبرانی (۸۸۲۹، ۸۸۳۰)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نشانہ بنالیا۔ مگر آپ کا بال بیکا بھی نہ کر سکے اور آپ کی رفتار میں کچھ فرق نہ آیا جب دین کو استحکام نصیب ہوا۔ اس کی جڑیں مضبوط ہو گئیں۔ لوگ فوج در فوج اس میں داخل ہونے لگے اور ہر قبیلہ جماعت در جماعت مشرف بہ اسلام ہونے لگا تو نبی کریم ﷺ نے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔

نبی کریم ﷺ کے وصال پر شیطان نے اپنے خیمے گاڑ دیے۔ ان کی طنابیں کھینچ دیں اور اپنے تمام حربے استعمال کرنا شروع کر دیے۔ لوگوں کے جی میں خیال آیا کہ اب ان کی امیدیں پوری ہوں گی۔ حالانکہ یہ بات غلط تھی، بھلا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں یہ کیسے ممکن تھا؟ چنانچہ آپ ہمہ تن اس کے لیے تیار ہو گئے۔ اپنے احباب و انصار کو جمع کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی رونق رفتہ لوٹ آئی۔ اس کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر سے جمع ہو گیا اور اس کی بجی جاتی رہی۔ آپ نے نفاق کو لتاڑا اور اسلام کو حیاتِ نو بخشی۔ جب حق داروں نے حق کو پالیا اور جان و مال ضائع ہونے سے بچ گئے تو آپ کا آخری وقت آ پہنچا۔ آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا وہ اس شخصیت سے پر کیا گیا جو رحم و کرم اور عدل و انصاف میں ان ہی جیسی تھی۔ وہ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب تھے...... وہ ماں قابل تحسین ہے جس نے عمر رضی اللہ عنہ جیسے بیٹے کو شکم میں رکھا اور اسے دودھ پلایا۔ اس باب میں اس کا کوئی نظیر نہیں۔ آپ نے کفر کی مٹی پلید کر دی۔ شرک کو پارہ پارہ کر دیا اور دور افتادہ علاقوں کو فتح کر لیا۔ زمین نے اپنے خزانے اگل دیے اور جو کچھ چھپا رکھا تھا وہ نکال پھینکا۔ یہ مال و زر آپ کے پیچھے پیچھے بھاگتا اور آپ اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے، یہ تعاقب کرتا اور آپ بچ نکلتے۔ زندگی بھر ورع و زہد سے رہے اور اسی حالت میں دنیا چھوڑ کر راہیٔ ملک بقا ہوئے۔

اب مجھے بتائیے کہ تمھیں کس بات میں شک ہے اور تم میرے والد پر کیا حرف گیری کرتے ہو؟ آیا ان کے عہد خلافت پر جب وہ عدل و انصاف کے تقاضوں پر عمل پیرا تھے۔ یا ان کے یوم وفات پر جب وہ تم پر مہربان تھے (اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کیا)۔ یہ خطبہ جعفر بن عون نے اپنے والد سے اور اس نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔'' [الریاض النضر ۃ ۱/ ۱۸۹؛ ابوبکر الصدیق/ از طنطاوی ۱۸]

یہ سب بخاری و مسلم کے راوی ہیں۔

[حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی متعین کردہ شوریٰ:]

اب باقی رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو آپ نے ان چھ حضرات کو متقارب الصفات خیال کیا تھا اور کسی کو بھی ترجیح نہ دی۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی ایسی صفت تھی جو دوسرے میں نہیں تھی۔ اور آپ کا خیال تھا کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو متعین کر دیا تو اس سے ایک گونہ خلل واقع ہوگا۔ اور اس کی تہمت آپ پر آئے گی۔ پس آپ نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے کسی ایک کو خاص طور پر متعین نہ کیا۔ اور آپ کو یہ بھی علم تھا کہ ان چھ افراد سے بڑھ کر کوئی دوسرا خلافت کا مستحق نہیں ہے۔ پس آپ نے دونوں مصلحتوں کو یک جا کر دیا۔ ان چھ کی شوریٰ بنا دی کہ ان سے بڑھ کر کوئی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

دوسرا مستحق نہیں ہے۔اور کسی ایک کو خاص طور پر متعین نہ کیا اس خوف سے کہ کہیں آپ سے کوتاہی نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان پر واجب کیا ہے کہ حسب الامکان مصلحت پر عمل پیرا رہے۔پس آپ کا فعل انتہائی مصلحت پر مبنی تھا۔آپ کا خیال تھا کہ کچھ معاملات ضرور ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا ختم کرنا یا بجا لانا ممکن نہیں ہوتا ؛ تو ایسے افعال تکلیف شرعی کے حکم میں داخل نہیں ہوتے۔اور معاملہ ایسے ہی تھا جیسے آپ نے سوچا تھا۔حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا مبنی بر مصلحت تھا، کیوں کہ آپ ہر اعتبار سے اس کے مستحق تھے اور جملہ کمالات سے بہرور تھے۔[بعد میں ہر عاقل نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کی داد دی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل بھی مصلحت سے عاری نہ تھا]۔آپ کے نزدیک وہ چھ حضرات صفات و کمالات میں ایک دوسرے کے لگ بھگ تھے۔اس لیے آپ کسی کو بھی ترجیح نہ دے سکے۔ ہر شخص میں ایک ایسی انفرادی فضیلت تھی جو دوسرے میں نہ تھی، بنا بریں زہد و ورع کے تقاضا سے آپ نے کسی کی تعیین نہ کی اور امکانی حد تک امت کی مصلحت کو پیش نظر رکھا۔اور امکان تھا کہ کسی ایک کو متعین کرنے کسی صورت میں کچھ اختلاف پیدا ہوسکتا ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی طبیعت کو ایسا ہی بنایا بھلے وہ کتنے ہی بڑے اولیاء اللہ اور متقی ہی کیوں نہ ہوں۔

ان چھ حضرات نے بالاتفاق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا۔آپ کے انتخاب میں مصلحت زیادہ اور فساد کم تھا۔ واجب بھی یہی ہے کہ ایسے شخص کو منصب خلافت پر فائز کیا جائے جس کی مصلحت فساد پر غالب ہو۔عمر رضی اللہ عنہ خوف محسوس کرتے تھے کہ کہیں وہ لوگوں پر کوئی ایسی بات نہ مسلط کر دیں جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔اور آپ یہ سمجھتے تھے کہ اگر انہوں نے اپنے اختیار سے کسی ایک کی بیعت کر لی تو مصلحت پوری ہو جائے گی۔یہی آپ کی زندگی اور موت کے مابین احوال کا فرق تھا۔زندگی میں آپ خود خلیفہ تھے۔آپ پر واجب ہوتا تھا کہ اس کو مسلمانوں پر والی بنائیں جو ان کے نظام و امور کے لیے زیادہ مناسب ہو۔تو آپ ایسے ہی کرتے رہے۔اور مرنے کے بعد آپ پر کوئی چیز واجب نہیں تھی۔اس لیے کہ یہ ممکن تھا کہ مسلمان اپنے میں سے کسی مثالی انسان کی اتباع پر جمع ہو جائیں [اور اسے اپنا خلیفہ منتخب کر لیں]۔جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آثار سے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کے بعد لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اطاعت پر جمع ہو جائیں گے؛ تو آپ نے ارادہ کرنے کے باوجود عہد نامہ تحریر نہ کیا۔[[بروایت صحیحہ آپ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کر دوں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو مجھ سے افضل تھے ایسا کیا تھا اور اگر کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ میرے سامنے موجود ہے۔'']] (البخاری ؛حدیث ۷۲۱۸)۔

خلیفہ کے لیے شرعاً ضروری نہیں کہ وہ اپنی موت کے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کر دے۔یہی وجہ ہے کہ فاروق اعظم نے کسی واجب کو ترک نہین کیا۔یہی وجہ ہے کہ جب آپ سے کسی متعین انسان کو خلیفہ مقرر کرنے کے بار میں تکرار کیا گیا؛ اور آپ سے کہا گیا:''اگر آپ ان میں سے کسی کو متعین کر دیتے؟ تو آپ نے فرمایا:

''بیشک اللہ تعالیٰ اپنے دین کو اس خلافت کو ضائع نہیں کرے گا اور نہ ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کو ضائع کرے گا۔ بیشک میرا وقت آ گیا ہے۔ پس اب خلافت ان چھ افراد کی شوری میں سے ہوگی ۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان سے رضامندی کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔''

[تو آپ نے یہ معاملہ چھ صحابہ کی کمیٹی کے سپرد کر دیا۔جن سے آخری وقت تک نبی کریم ﷺ راضی رہے تھے]۔

یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا؛ اور کتابیں نازل فرمائیں؛ تاکہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کی جس قدر ممکن ہو اصلاح ہو سکے۔ان سے مقصود یہ نہیں تھا کہ فساد بالکل ہی ختم ہو جائے۔اس لیے کہ انسانی طبیعت کے لحاظ سے ایسا ہونا ناممکن ہے۔کسی قدر فساد کا ہوتے رہنا ضروری ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ﴾ [البقرۃ ۱۳۰]

''میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا کہ ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے ہم تیری تسبیح اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں شر اور فساد نہ ہو۔ہم سے پہلے بہترین امت بنی اسرائیل کے لوگ تھے۔ان کے بارے میں جس شر اور فساد کا علم ہو سکا ہے وہ جملہ فساد کا کچھ حصہ ہے۔

ہماری امت اللہ کے ہاں سب سے بہترین اور عزت والی امت ہے۔اور اس امت کے پہلے تین قرون بہترین قرون ہیں۔اور ان میں سب سے افضل صحابہ کرام ہیں۔ہماری امت میں بھی شر بہت زیادہ ہے۔لیکن یہ شر اور فساد بنی اسرائیل کے شر و فساد کی نسبت بہت کم ہے۔اور بنی اسرائیل کا شر ان لوگوں کے شر سے بہت کم ہے جو کہ کافر ہی رہے اور انہوں نے کسی بھی نبی کی بات نہیں مانی۔ جیسے فرعون اور اس کی قوم کے لوگ۔ ہر وہ خیر و بھلائی جو بنی اسرائیل میں پائی جاتی ہے امت اسلامیہ میں بھی ویسی ہی خیر و بھلائی بلکہ اس سے بہتر خیر موجود ہے۔یہی حال اس امت کے پہلے لوگوں کا اور آخری لوگوں کا ہے۔ہر وہ خیر و بھلائی جو بعد کے لوگوں میں پائی جاتی ہے؛ متقدمین میں اس سے بڑھ کر خیر و بھلائی موجود تھی۔اور ہر وہ برائی جو کہ پہلے لوگوں میں تھی؛ بعد میں آنے والوں میں اس سے بڑھ کر برائی اور فساد موجود ہے۔اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [تغابن ۱۶]

''تم سے جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ چھ صحابہ کرام جن سے آخری وقت تک نبی کریم ﷺ راضی رہے تھے؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلافت کا معاملہ ان چھ صحابہ کی کمیٹی کے سپرد کر دیا۔اس وقت میں ان سے افضل کوئی دوسرا نہیں تھا۔لیکن ان میں سے ہر ایک میں کوئی نا کوئی عنصر ایسا بھی تھا جس کو آپ اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں کئی ایک مسائل ایسے تھے جن کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی ایسا انسان خلیفہ نہیں بنا جو سیرت و کردار میں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

آپ سے بہتر ہو۔ اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ان سے کوئی بہتر خلیفہ بن سکا۔ اور نہ ہی اس کے بعد کے مسلمان بادشاہوں میں سے کوئی بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اچھی سیرت و کردار کا مالک ایسا بادشاہ بنا جس کی سیرت و کردار اور فضائل کا تذکرہ لوگوں کی زبانوں پر ہو۔

جب ان میں سے کسی ایک کے گناہ ہوسکتے ہیں؛ تو پھر دوسرے لوگوں کے گناہ ان سے کئی گنا بڑھ کر ہوسکتے ہیں؛ اور نیکیوں میں ان سے کم ہوسکتے ہیں۔ یہ ایسے امور ہیں جن کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ جاہل انسان کی مثال مکھی کی ہے جو کہ صحیح اور پاکیزہ چیزوں کو چھوڑ کر گند اور گندگی پر بیٹھتی ہے۔ عاقل انسان کی نشانی ہے کہ وہ تمام امور کو وزن کرکے پرکھتا ہے۔

شیعہ لوگوں کا جاہل ترین طبقہ ہے۔ اس لیے کہ یہ جن لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے ان پر عیب لگاتے ہیں ان سے بڑھ کر عیب ان لوگوں میں موجود ہوتے ہیں جن لوگوں کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ اگر ان کو کسی میزان میں پرکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ جن لوگوں کی یہ لوگ مذمت کرتے ہیں حقیقت میں وہ ان لوگوں سے زیادہ فضیلت کے حق دار ہوتے ہیں جن کی یہ تعریف کرتے ہیں۔

شیعہ مصنف نے سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کا جو ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں واضح ہو کہ صحابہ کے نزدیک احادیث نبویہ کے پیش نظر امامت و خلافت قریش کے قبیلہ میں محدود و محصور تھی۔ اسی دلیل سے سقیفہ بنی ساعدہ کے دن انھوں نے انصار کے خلاف حجت پیش کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خلافت قریش میں ہی رہے گی جب تک لوگوں میں سے دو افراد بھی باقی رہیں گے۔''

اور ایک روایت میں ہے: ''جب تک ان میں سے دو افراد بھی باقی رہیں گے۔''

[مسلم ٣/ ١٤٦٨؛ البخاری ٤/ ١٧٩]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگ خلافت کے معاملہ میں قریش کے تابع ہیں۔ ان کا مؤمن ان کے مؤمن کے تابع اور ان کا کافر ان کے کافر کے تابع ہے۔'' [مسلم ٣/ ١٤٥١؛ البخاری ٤/ ١٧٨]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لوگ بھلائی اور برائی میں قریش کی پیروی کرنے والے ہیں۔'' [صحیح مسلم:أیضاً214۔]

صحیح بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

''خلافت قریش میں رہے گی جب تک وہ دین کو درست رکھیں گے جو شخص بھی ان سے دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اوندھے منہ گرا دے گا۔'' [صحیح بخاری: : ح 727]

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ان دلائل کی بنا پر سقیفہ بنی ساعدہ کے دن قریش نے انصار کے خلاف حجت پیش کی تھی۔ تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ [سالم رضی اللہ عنہ کو یا] کسی غیر قریشی کو خلیفہ کیوں کہ مقرر کر سکتے تھے؟ البتہ یہ ممکن ہے کہ انھیں جزئی امامت و ولایت تفویض کرنا چاہتے ہوں یا اس ضمن میں ان سے مشورہ لینا چاہتے ہوں یا اس قسم کے دیگر امور جن کے لیے سالم موزوں تھے۔ اس لیے کہ سالم رضی اللہ عنہ بہترین صحابہ میں سے تھے۔ اور جب مہاجرین ہجرت کر کے تشریف لائے تو آپ لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔

استخلافِ عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

[اعتراض] : شیعہ مصنف کا یہ قول ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فاضل و مفضول کو جمع کر دیا تھا؛ حالانکہ حق یہ تھا کہ فاضل کو مفضول پر مقدم کیا جاتا۔''

[جواب] : ہم کہتے ہیں کہ: [یہ روافض کے نزدیک ہے]۔ اہل سنت ان چھ حضرات کو متقارب الصفات قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے کسی اور ایک کو بھی دوسرے پر ظاہری طور پر کوئی فضیلت حاصل نہ تھی۔ جیسے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو باقی صحابہ پر تقدیم اور فضیلت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شوریٰ میں کبھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے لی جاتی تھی اور کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اور کبھی عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رائے۔ ان میں سے ہر ایک کی کوئی نہ کوئی ایسی فضیلت تھی جس میں کوئی دوسرا ان کا سہیم و شریک نہ تھا۔ صحابہ شوریٰ میں متردد تھے۔

اگر شیعہ کہیں کہ علی رضی اللہ عنہ افضل تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگ مفضول تھے۔

تو یہ قول مہاجرین و انصار کے اجماع کے خلاف ہے۔ جیسا کہ کئی ایک ائمہ نے ایسے ہی کہا ہے۔ ان میں سے ایک ابو ایوب السختیانی بھی ہیں۔ [تو پھر ہم یہ کہیں گے کہ پھر انصار و مہاجرین نے بالاتفاق مفضول کو خلیفہ کیوں بنا دیا؟] بعض علماء کا قول ہے: ''جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان سے رضی اللہ عنہ افضل قرار دیتا ہے۔ وہ مہاجرین و انصار پر عیب لگاتا ہے۔''

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم عہد نبوی میں صحابہ کی درجہ بندی کرتے ہوئے کہا کرتے تھے:

''سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ۔''[1]

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: ''تینوں کے بعد ہم دیگر صحابہ میں تفاوت و مراتب قائم نہیں کرتے تھے۔''[2]

یہ اس عقیدہ و ایمان کے متعلق اخبار ہیں جس پر لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی تھے۔ کہ وہ پہلے ابوبکر کو شمار کرتے تھے پھر عمر کو اور پھر عثمان کو۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: یہ خبریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا کرتی تھیں؛ مگر آپ اس پر نکیر نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مابین یہ تفضیل نصوص سے ثابت

---

1. صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب فضل ابی بکر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ح:۳۶۵۵)
2. صحیح بخاری، باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ، (حدیث:۳۶۹۸)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ مہاجرین و انصار کے طرزِ عمل سے بھی ثابت ہے نبی کریم ﷺ نے بھی اس قسم کے اقوال پر کوئی نکیر نہیں فرمائی ۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے تو تمام صحابہ کرام نے بالاتفاق کسی خوف و رغبت کے بغیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور کسی بھی منکر نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اسی لیے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

''جیسا اجماع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر ہوا؛ ایسا اجماع کسی کی بیعت پر نہیں ہوا۔''

پھر آپ سے خلافت نبوت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''ہر وہ بیعت جو مدینہ میں منعقد ہوئی ؛ وہ خلافت نبوت ہے۔''

حقیقت بھی وہی ہے جیسے آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس لیے کہ مسلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں عزت و غلبہ کے بام عروج پر تھے۔ ان تمام لوگوں نے بغیر کسی لالچ کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی کچھ بھی نہیں دیا گیا۔ نہ ہی کسی کو کچھ مال دیا گیا اور نہ ہی کوئی ولایت دی گئی ۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ جنہوں نے سب سے پہلے آپ کی بیعت کی ؛ آپ کو نہ ہی کوئی عہدہ ملا اور نہ ہی کوئی مال ۔ حضرت عبدالرحمن لالچ اور طمع سے کوسوں دور تھے ۔ مگر اس کے باوجود آپ نے تمام لوگوں سے مشورہ لیا۔ اس وقت بنو امیہ کے لیے کوئی شوکت و غلبہ نہیں تھا ؛ اور نہ ہی اس شوری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اموی تھا۔ اور تمام صحابہ کی شان وہی تھی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىِٕمٍ ﴾ (المائدة:٥٤)

''وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں وہ مومنوں پر بڑے رحم دل اور کافروں کے مقابلہ میں سخت تھے، اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرتے تھے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتے نہ تھے۔''

انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کر رکھی تھی کہ جہاں کہیں بھی اور جیسے بھی ہوں حق بات ہی کہیں گے۔ اور حق بات میں اللہ کے سامنے کسی ملامت گر کی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ آپ کی بیعت کرنے والوں میں حضرت عمار بن یاسر؛ حضرت صہیب ؛ حضرت ابو ذر ؛ حضرت خباب ؛ حضرت مقداد بن الاسود اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین شامل تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے :

''ہم نے سب سے بہتر شخص کو خلیفہ بنایا اور اس میں کوتاہی نہیں کی ۔''

صحابہ میں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بھی تھے؛ اور نقباء میں سے عبادہ بن صامت اور ان کے امثال، اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے لوگ تھے۔ اگر یہ حق و صداقت پر مشتمل بات کہتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ بعض صحابہ عمّال کے نصب و عزل کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے بھی بات چیت کیا کرتے تھے اور آپ انھیں کوئی نقصان نہ پہنچاتے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تو طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ نے اس پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اعتراض کیا۔

عہد نبوت میں حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے تقرر پر جرح کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بعض حکام کو مقرر کرتے یا معزول کرتے تو صحابہ اس پر بھی معترض ہوا کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد آپ کی ولایت وقوت غلبہ وشوکت اور آپ کے اعوان وانصار کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ بنوامیہ کو بھی ظہور اور غلبہ حاصل ہوگیا تھا۔ تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عزل ونصب پر لوگ نقد وجرح کیا کرتے تھے۔ خلافت عثمانی کے آخری دَور میں جب لوگوں نے بعض عمال پر اعتراض کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کردیا۔

جب لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بعض عمال کی شکایت کی کہ وہ ناجائز طور سے مال وصول کرتے ہیں تو آپ نے ان کو معزول کرکے مال اخذ کرنے سے روک دیا۔ حالانکہ یہ اعتراض کرنے والے معمولی درجہ کے لوگ تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ محتشم ہونے کے باوصف ان کی شکایات سنتے تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ عزت وقوت کے باوجود جلیل القدر صحابہ کی بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سنی نہ جاتی اور اس کے باوجود وہ خلیفہ قرار پاتے۔ [[اس دور میں جو فتنے اٹھے وہ اس پر مزید ہیں صحابہ کرام تلخ گھونٹ پی کر چپ رہنے کے خوگر نہ تھے]] [1]

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تو وہ اس پر بھی چپ نہ رہ سکے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے کہا:

---

[1] مؤرخ طبری اپنی تاریخ کی جلد پنجم، صفحہ: ۱۹۵، پر لکھتے ہیں: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب جنگ جمل کے بعد بیعت لینے سے فارغ ہوئے اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ مقرر کیا تو اشترنخعی یہ بات سن کر سخت ناراض ہوا اور کہا، پھر ہمیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرکے کیا فائدہ پہنچا؟ یمن عبیداللہ کو مل گیا۔ حجاز قثم کو، بصرہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اور کوفہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا'' پھر سوار ہوکر واپس چل دیا۔ [اس سے پتہ چلا کہ قاتلان عثمان کون تھے]۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اقرباء نوازی کا اعتراض لغو ہے۔ یہ بات دراصل ان کے فضائل ومناقب میں شمار ہوتی ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدح میں فرمایا کرتے تھے: آپ صلہ رحمی کرنے میں سب صحابہ سے پیش پیش ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بذاتِ خود اس اعتراض کا یہ جواب دیا تھا: ''مجھ پر طعن کیا جاتا ہے کہ میں اپنے کنبہ وقبیلہ سے محبت رکھتا ہوں، میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں ان پر جملہ حقوق بھی عائد کرتا ہوں۔ جہاں تک ان کو عطیہ جات دینے کا تعلق ہے میں اپنے مال سے ان کو تحائف دیتا ہوں اور مسلمانوں کے مال کو اپنے لیے یا کسی اور کے لیے حلال نہیں سمجھتا۔ میں عہد رسالت اور سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی اپنے مال سے اقارب کو دیا کرتا تھا، جب کہ مجھے مال کی شدید ضرورت تھی اور میں اس کا حریص بھی تھا۔ اب جب کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میں نے اپنا سب اثاثہ اپنے قبیلہ والوں کو دے دیا ہے مجھے ہدف ملامت بنایا جاتا ہے۔

نیز جلد پنجم، صفحہ: ۱۰۳، پر لکھتے ہیں: ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا مال ودولت اور اراضی بنوامیہ میں بانٹ دی تھی اور اپنے بیٹوں کو بھی وہی حصہ دیا جو دیگر اموی افراد کو ملا تھا۔ ابوالعاص کے بیٹوں سے شروع کرکے آپ نے آل حکم کے مردوں میں سے ہر ایک کو دس دس ہزار درہم دیے، چنانچہ انھوں نے ایک لاکھ درہم وصول کیے۔ بنوعثمان کو بھی اتنا ہی دیا۔ آپ نے بنوالعاص، بنوالعیص اور بنوحرب میں اپنا سب اثاثہ تقسیم کردیا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ نے عمر رضی اللہ عنہ جیسے متشدد کو ہم پر خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ آپ اللہ کو کیا جواب دیں گے؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا تم مجھے اللہ کا خوف دلاتے ہو؟ میں بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو کر کہوں گا کہ ''میں نے سب سے بہتر شخص کو خلیفہ بنایا تھا۔'' ❶

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شدت کی شکایت کی اور کسی چیز کی کوئی بھی پرواہ یا رعایت نہیں کی۔

لوگوں کی عادت ہے کہ جس شخص کے خلیفہ مقرر کیے جانے کی امید ہو، اس کی رعایت کرتے ہیں، مبادا برسر اقتدار ہو کر وہ ان سے انتقام لینے پر آمادہ ہو جائے؛ اور پھر اس سے امیدیں اور لالچ بھی ہوتی ہے۔ یہ چیز موجود ہے۔ جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حق بات کہنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کوئی پرواہ اور رعایت نہیں کی۔ تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رو رعایت کی اس وقت کیا ضرورت تھی؟ اس لیے کہ آپ کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہ تھا؛ اور ابھی آپ خلیفہ بھی نہیں بنے تھے۔ اگر لوگوں کو اس بات کا علم نہ ہوتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی اب خلیفہ بننے کے حقدار ہیں تو وہ کبھی بھی آپ کی بیعت نہ کرتے؛ اور نہ ہی آپ کو خلیفہ بناتے۔

مندرجہ بالا بیانات اس بات کی غمازی کرتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو استحقاق کی بنا پر خلیفہ مقرر کیا گیا تھا۔ یہ ایسے دلائل و براہین ہیں کہ ان پر غور و فکر کرنے سے ایک دانا شخص کی بصیرت و فراست میں اضافہ ہوتا ہے، مگر جاہل اور صاحب غرض عقل کا اندھا ہوتا ہے۔ جو شخص واقعات سے آگاہ اور دلائل سے باخبر ہو وہ ان دلائل کو دیکھ کر حق و انصاف کا ساتھ دے گا۔ اور اس میں صرف وہی انسان شک و شبہ کا شکار ہو سکتا ہے جو حالات و واقعات سے بالکل جاہل ہو۔ اور نظر و استدلال سے بھی تہی دامن ہو۔

دلائل سے جہالت اور غور فکر میں کمی کے نتیجہ میں جہالت میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہاں جب انسان کو واقعات کا علم ہو؛ اور دلائل کو بھی جانتا ہو؛ اور غور و فکر اور استدلال کے طریقہ کار سے بھی واقف ہو۔ تو وہ بغیر کسی شک و شبہ کے دوٹوک طور پر کہہ سکتا ہے کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے مستحق تھے۔ اور جو لوگ اس وقت تک باقی رہ گئے تھے ان میں سب سے افضل تھے۔ لوگوں کا بغیر کسی انکار کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اتفاق کر لینا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک آپ سے زیادہ کوئی بھی خلافت کا اہل نہ تھا۔ اگرچہ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے دل میں آپ کے خلیفہ بنائے جانے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ یا تو ان کا اپنا اجتہاد ہے؛ اور یا پھر خواہش نفس کا غلبہ۔ مگر یہ بات آپ کی شان میں موجب قدح نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ کسے دوسرے کی ولایت میں ایسی کوئی بات موجب قدح نہیں ہو سکتی۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو امیر کارواں بنانا [اس پر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا تھا؛ مگر آپ کی امارت پر کوئی فرق نہیں پڑا]۔ اور جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نائب اور خلیفہ بنانا [اس

❶ طبقات ابن سعد(۳/ ٤٢)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تھا؛ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑا]۔

خلافت عثمانی میں جو خیر اور فتوحات اور مصلحتیں اور خیر و برکات پائی جاتی تھیں ان کو صحیح معنوں میں تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔[1] [عثمانی دور کی کثیر فتوحات تاریخ اسلام کا زریں باب ہیں]: جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اقارب کو مناصب جلیلہ پر فائز کیا اور ان کو بھاری انعامات دیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور اقرب کو ولایت و امارت پر فائز کیا جاتا رہا۔ بلکہ بعض کے دور میں وہ فساد اور شر بپا ہوا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں نہیں ہوا تھا۔

بعض قریبی لوگوں کو ولایت سے نوازنے اور مال بخشنے میں ترجیح دینے کو اس سے کیا نسبت کہ امت آپس میں ایک دوسرے کا خون بہاتی رہے۔ اپنی دینی اور دنیاوی مصلحتوں کو فراموش کردے۔ یہاں تک کہ کفار بلاد اسلامیہ کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ مسلمانوں کا اتحاد اور یکجہتی ختم ہو جائے۔ فتوحات کا سلسلہ رک گیا؛ خود ان کے مابین پھوٹ پڑ گئی۔ اور دشمن کے سامنے اتنے عاجز آ گئے کہ بعض اسلامی شہروں پر دوبارہ کافروں نے تسلط جما لیا؛ اور ان سے کچھ شہر اور اموال صلح یا غلبہ کے ذریعہ سے واپس لے لیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تناقض کا الزام:

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کے لیے جن صحابہ کو چنا تھا، ان میں سے ہر ایک کو آپ نے موردِ طعن بنایا اور یہ ظاہر کیا کہ آپ اپنی موت کے بعد کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کرنا چاہتے۔ اس کے برعکس تعیین امام کے لیے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی بھی بنا دی۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: یہ ہے کہ آپ نے ان چھ حضرات پر اس طرح نقد و جرح نہیں کیا تھا۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہو کہ

[1] سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''میں نے سیدنا عثمان کے منادی کو یہ آواز دیتے سنا اے لوگو! صبح حاضر ہو کر اپنی تنخواہ وصول کرو۔ چنانچہ لوگ حاضر ہو کر اپنا مشاہرہ وصول کر لیتے، بعض اوقات منادی کہتا اے لوگو! مال غنیمت میں سے اپنا حصہ لے لو۔ لوگ جاتے اور پورا حصہ وصول کر لیتے۔ اللہ کی قسم! میں نے بگوش خود منادی کو یہ پکارتے سنا: ارے لوگو! حاضر ہو کپڑے لے لو۔ لوگ جاتے اور کپڑے لے لیتے۔ اسی طرح گھی اور شہد بھی تقسیم کیا جاتا تھا۔ سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں خلافت عثمانی میں مال و دولت اور روپیہ پیسہ کی فراوانی تھی۔ کرۂ ارضی پر کوئی مومن دوسرے مومن سے ڈرتا نہ تھا بلکہ الفت و محبت کا سلوک کرتا اور اس کی مدد کرتا تھا۔ (یہ روایت محدث ابن عبد البر نے ذکر کی ہے)۔

سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ کے مشہور معاصر اور رفیق کار ابن سیرین جو سیدنا عثمان کے ہم عصر تھے۔ فرماتے ہیں:''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مال و دولت کی افراط تھی۔ اس کی حد یہ ہے کہ ایک لونڈی سونے میں تول کر فروخت کی گئی تھی۔ ایک گھوڑا لاکھ درہم اور کھجور کا ایک درخت ہزار درہم کے عوض فروخت کیا گیا تھا۔''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:''تیرا برا ہو تو ایسے دو حضرات کے بارے میں مجھ سے پوچھ رہا ہے جو دونوں مجھ سے افضل ہیں، تم چاہتے ہو کہ میں ایک کی قدر بڑھاؤں اور دوسرے کی گھٹاؤں۔''(صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (حدیث:٣٧٠٤)، بمعناه۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کوئی اور شخص ان کی نسبت خلافت کا زیادہ حق دار ہے۔ بلکہ آپ کے نزدیک ان چھ سے بڑھ کر کوئی بھی خلافت کا حق دار نہ تھا۔ جیسا کہ آپ کا واضح بیان موجود ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ آپ نے صرف خلیفہ متعین نہ کرنے کا عذر اور وجہ بتائی تھی کہ چونکہ ان حضرات میں کوئی نہ کوئی مانع موجود ہے؛ اس لیے آپ نے کسی متعین شخص کو خلیفہ بنانے سے احتراز کیا۔ لیکن اس چھ اشخاص کو متعین کرنے سے احتراز اس لیے نہیں کیا کہ آپ کو علم تھا کہ ان چھ سے بڑھ کر کوئی بھی خلافت کا حق دار نہیں ہے۔ جو بات آپ صحیح سمجھتے تھے؛ اور آپ جانتے تھے کہ اس پر اللہ تعالیٰ انہیں ثواب دیگا ایسی بات میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ جیسے کہ چھ آدمیوں کی شوریٰ مقرر کرنے کا معاملہ ہے۔ اور جس چیز کا آپ کو خوف یا اندیشہ تھا کہ آپ پر موجب طعن ہوسکتی ہے تو آپ نے وہ نہیں کی ؛ یعنی ان میں سے کسی ایک متعین شخص کو خلیفہ نہیں بنایا۔ بلکہ یہ معاملہ انہی کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔

یہ آپ کے کمال عقل اور دینداری [اور خوف الٰہی] کی نشانی ہے۔ کسی ایک کو امیر اس لیے متعین نہیں کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب دینے کا بھی خوف بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴾۔[المؤمنون ٦٠]

''اور جولوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل کپکپاتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

سنن ترمذی میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: ''کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے نماز پڑھتے صدقہ دیتے اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان سے قبول نہ کیا جائے۔'' [جامع ترمذی:ح 1122]

اطاعت گزاری میں کوتاہی ہوجانے کا خوف کمال اطاعت میں سے ہے۔ اور اس سے زندگی میں اور مرنے کے بعد لوگوں کو مقلد بنانے اور ان پر حکم مسلط کرنے کا فرق واضح ہوجاتا ہے۔ اس لیے کہ آپ اپنی حیات مبارکہ میں اپنے نائبین پر خود رقیب اور نگہبان تھے۔ ان کے اقوال و اعمال کا پتہ لگاتے رہتے تھے۔ انہیں ہر سال حج کرنے کا حکم دیتے تاکہ ان کے اور عوام کے مابین فیصلے کیے جاسکیں۔ پس اگر وہ کوئی ایسی بات کرتے جسے آپ ناپسند کرتے ہوں تو آپ کے لیے ممکن تھا کہ آپ اسے منع کرتے۔ اور اسکے مافات کی تلافی کرتے۔ بخلاف موت کے بعد کے۔ اس لیے کہ مرنے کے بعد تو آپ کے لیے ممکن نہیں تھا کہ کسی مکروہ چیز سے منع کرسکیں۔ اور نہ ہی اس کی تلافی ہوسکتی تھی۔ پس اس لیے آپ نے ناپسند کیا کہ مرکر کسی کو عوام پر مسلط کر جائیں۔ جب کہ چھ کو متعین کرنے کا معاملہ صاف واضح ہے کہ اس وقت میں آپ کے نزدیک یہی لوگ اس امر کے اہل تھے۔

[ارکان شوریٰ میں کمی؟]

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:'' [حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے افعال میں تناقض پایا جاتا ہے، جس کا ثبوت یہ ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہ] آپ نے شوریٰ کے ارکان میں کمی کر کے چار آدمیوں کی ایک کمیٹی بنائی کہ خلیفہ ان میں سے ایک آدمی ہوگا۔ پھر تین آدمی مقرر کیے اور پھر ایک شخص کو یہ اختیار دے دیا۔ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار دے دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے آپ کی کمزوری اور کوتاہی بیان کر چکے تھے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب] : یہ کہ جو شخص نقلی دلائل سے احتجاج کر رہا ہو، اسے چاہیے کہ کسی نقلی دلیل سے اسے ثابت کرے۔ جب قائل یہ بات کہہ دے کہ اس روایت کی سند معلوم نہیں ہے؛ تو وہ روایت اس پر حجت نہیں ہو سکتی۔ بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے [1] مگر اس میں ایسی کوئی بات مذکور نہیں۔ بلکہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے برعکس ہے اور وہ یہ ہے کہ ان چھ حضرات نے یہ معاملہ تین اشخاص کو تفویض کر دیا تھا، پھر تینوں نے مل کر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی کر دیے گئے تو آپ نے فرمایا: ''بیشک لوگ کہتے ہیں: کسی کو خلیفہ بنا دیں۔ میرے نزدیک ان لوگوں سے زیادہ کوئی خلافت کا مستحق نہیں ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کے وقت راضی تھے۔ پھر آپ نے حضرت علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین کا نام لیا؛ اور فرمایا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تمہارے پاس حاضر رہا کریں گے مگر خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ آپ نے یہ جملہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تسلی کے لیے کہا۔ اور فرمایا کہ: ''اگر خلافت سعد رضی اللہ عنہ کو مل جائے تو وہ حقیقتاً اس کے حقدار ہیں؛ ورنہ جو شخص بھی خلیفہ بنے وہ ان سے امور خلافت میں مدد لے۔ میں نے ان کو نا قابلیت اور خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: میرے بعد جو خلیفہ مقرر ہو اس کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین کا اولین حق سمجھے۔ ان کی عزت کی نگہداشت کرے۔ اس کو انصار کے ساتھ بھلائی کی بھی وصیت کرتا ہوں جو دارالہجرت دارالایمان میں مہاجرین سے پہلے سے مقیم ہیں۔ خلیفہ کو چاہیے کہ ان میں سے نیک لوگوں کی نیکوکاری کو بنظر استحسان دیکھے اور ان کے خطا کار لوگوں کی خطا سے درگزر کرے۔ نیز میں اس کو تمام شہروں کے مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اس لیے کہ وہ لوگ اسلام کی پشت و پناہ ہیں وہی مال غنیمت حاصل کرنے والے اور دشمن کو تباہ کرنے والے ہیں۔ اور وصیت کرتا ہوں کہ ان سے ان کی رضا مندی سے اس قدر مال لیا جائے جو ان کی ضروریات زندگی سے زائد ہو۔ میں اس کو اعراب کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ وہی اصل عرب اور مادہ اسلام ہیں اور ان کی (ضروریات سے) زائد مال لے جائیں اور ان کے فقراء پر تقسیم کر دیں۔ میں اس کو اللہ تعالیٰ اور رسول کے ذمہ کی وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ ان کا عہد پورا کیا جائے اور ان کی حمایت میں پرزور جنگ کی جائے، اور ان سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری ، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان بن عفان ، (ح:۳۷۰۰)۔

[2] صحیح بخاری: جلد دوم: ح ۹۱٤

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ نے اپنے بعد والے خلیفہ کو تمام اقسام کے لوگوں کے حقوق کی نگہداشت کی وصیت کی؛ سابقین اولین اور مہاجرین وانصار کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا؛ اور تمام شہروں کے رہنے والوں کے متعلق اور اہل بادیہ اور اہل ذمہ کے متعلق وصیتیں فرمائیں۔ حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب ان کی وفات ہوگئی تو ہم لوگ ان کو لیے جارہے تھے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کیا اور کہا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اجازت مانگتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ان کو داخل کر دو۔ چنانچہ وہ لائے گئے اور وہاں اپنے دوستوں کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ ان کے دفن کیے جانے کے بعد وہ لوگ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں خلافت کے مستحق تھے جمع ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ''اس معاملہ کو صرف تین شخصوں پر چھوڑ دو جس پر زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے اپنا حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے اپنا حق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے اپنا حق حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دیدیا۔

پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: تم دونوں میں سے جو شخص اس سے برأت کا اظہار کرے گا ہم خلافت اسی کے سپرد کریں گے۔ اور اس پر اللہ اور اسلام کے حقوق کی نگہداشت لازم ہوگی۔ ہر ایک کو غور کرنا چاہیے کہ اس کے خیال میں کون شخص افضل ہے اسی کو خلیفہ کر دے۔ اس پر شیخین یعنی عثمان و علی رضی اللہ عنہما نے سکوت کیا۔ جب یہ حضرات چپ رہے تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم دونوں خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ میرے حوالے کرتے ہو اللہ کی قسم! مجھ پر لازم ہے کہ میں تم سے افضل کے ساتھ کوتاہی نہ کروں؟

دونوں نے کہا: یہ مسئلہ آپ کے حوالے کیا جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن نے دونوں میں سے ایک یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ: ''تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور اسلام میں قدامت حاصل ہے۔ جو تم کو معلوم ہے اللہ کے واسطے تم پر لازم ہے اگر میں تمہیں خلیفہ بنا دوں تو تم عدل وانصاف کرنا اور اگر میں عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دوں تو اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان سے بھی ایسا ہی کہا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عہد لیا پھر کہا: اے عثمان اپنا ہاتھ اٹھاؤ؛ عبدالرحمٰن نے اور ان کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے ان سے بیعت کی پھر تم مدینہ والوں نے حاضر ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔''[1]

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ حضرت مسور بن مخرمہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں وہ لوگ جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ

[1] صحیح بخاری: ح 914

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

نے خلافت کا اختیار دیا تھا جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ ان لوگوں سے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:'' میں تم سے اس معاملہ میں جھگڑنے والا نہیں ہوں لیکن اگر تم چاہو تو تم ہی میں سے کسی کو تمہارے لیے منتخب کر دوں۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ معاملہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پر چھوڑ دیا۔

''لوگ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہوئے یہاں تک کہ ان بقیہ لوگوں میں سے کسی کے پاس ایک آدمی بھی نظر نہیں آتا تھا۔ لوگ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے ان راتوں میں مشورہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ رات آئی جس کی صبح میں ہم لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

مسور کا بیان ہے کہ:'' تھوڑی رات گزر جانے کے بعد عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے میرا دروازہ اس زور سے کھٹکھٹایا۔ میری آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے کہا کہ: میں تمہیں سوتا ہوا دیکھتا ہوں حالانکہ اللہ کی قسم! ان راتوں میں میری آنکھ بھی نہیں لگی۔ تم چلو اور زبیر رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ کو میرے پاس بلاؤ۔ میں ان دونوں کو بلا لایا۔ ان سے آپ نے مشورہ کیا۔ پھر مجھے بھی بلا لیا۔ پھر مجھ سے کہا: جاؤ اور علی رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ۔ میں ان کو بلا لایا۔ ان سے بہت رات گئے تک سرگوشی کرتے رہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے اٹھے تو ان کے دل میں خلافت کی خواہش تھی۔ اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو ان کی خلافت سے اختلاف امت کا اندیشہ تھا۔ پھر عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ۔ میں ان کو بھی بلا لایا۔ تو ان سے سرگوشی کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح کی اذان نے ان کو جدا کیا۔ جب لوگوں نے صبح کی نماز پڑھی؛ اور یہ لوگ منبر کے پاس جمع ہوئے تو مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ موجود تھے ان کو بلا بھیجا۔ اور سرداران لشکر کو بلا بھیجا۔ یہ سب لوگ اس سال حج میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیساتھ شریک ہوئے تھے۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا پھر کہا کہ:

اما بعد! اے علی رضی اللہ عنہ! میں نے لوگوں کی حالت پر نظر کی ہے تو دیکھا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے ہیں۔ اس لیے تم اپنے دل میں میری طرف سے کچھ خیال نہ کرنا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا):'' میں اللہ اور اس کے رسول اور آپ دونوں خلیفہ کی سنت پر تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کی اور تمام لوگوں نے مہاجرین و انصار، سرداران لشکر اور مسلمانوں نے بیعت کی۔'' [صحیح بخاری:2086]

[حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر محبت عثمان رضی اللہ عنہ کا غلط الزام]:

[اعتراض]: رافضی مصنف کہتا ہے:'' عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:'' اگر امیر المؤمنین اور عثمان رضی اللہ عنہما ایک رائے پر جمع ہو جائے تو وہی بات مانی جائے گی جو یہ دونوں حضرات کہہ رہے ہوں۔ اور اگر تین ہو جائیں تو پھر ان کی بات معتبر ہوگی جن میں عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔ اس لیے کہ آپ جانتے تھے کہ علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کبھی بھی ایک بات پر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اور یہ کہ عبدالرحمن کبھی بھی اپنے بھائی سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آپ کے چچا زاد بھائی تھے۔'' [انتہیٰ کلام الرافضی]

[جواب]: [ہم پوچھتے ہیں کہ رافضی مصنف کو] یہ کس نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا ہے؟ اور [اگر بطور مناظرہ] بالفرض اس بات کو درست بھی مان لیں تو اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ آپ کی کوئی خاص غرض تھی یا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی محبت میں انہیں خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دشمنی کی وجہ سے انہیں خلافت سے محروم رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ اگر آپ کا یہی مقصود ہوتا تو آپ پہلے سے خود ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا لیتے۔ اور اس میں کوئی دو آدمی بھی اختلاف نہ کر سکتے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا تھا جبکہ جو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد زندہ رہے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تقدیم دی۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو متعین نہیں کیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے سے انہیں کون سی چیز مانع ہو سکتی تھی، اگر آپ ایسا کرتے تو سب لوگ آپ کا حکم مان لیتے۔ خواہ ویسے ہوتا جس اہل ایمان کہتے ہیں کہ: آپ اہل خیر اہل دین اور عادل تھے۔ یا پھر اس طرح جیسے منافقین اور طعنہ زنی کرنے والے کہتے ہیں کہ آپ ظالم اور شریر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی سے ڈرا نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک روافض (قاتلهم الله) ان کو امت محمدی کا فرعون کہہ کر پکارتے ہیں۔[1] جب زندگی بھر آپ کسی سے نہیں ڈرا کرتے تھے؛ آپ نے اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بیعت کے لیے آگے بڑھایا جب یہ نظام اپنے ابتدائی مرحلہ میں تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کے دلوں میں کسی ایک متعین شخص کی اطاعت راسخ نہیں ہوئی تھی۔ اور اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی اختیار بھی حاصل نہیں تھا۔ تو پھر آپ کو موت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے سے کس بات کا خوف ہو سکتا تھا جب کہ سارے لوگ آپ کی بات مان رہے تھے؛ اور لوگوں میں اطاعت کا جذبہ راسخ ہو چکا تھا۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیا فائدہ حاصل ہوتا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں ہو سکتا تھا؟ آپ کے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے درمیان قبیلہ یا غیر قبیلہ کی وجہ سے اتنے تعلقات اور قرابت داری بھی نہیں تھی جو قرابت داری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو اپنے بیٹے کو بھی خلافت کے امیدواروں میں سے نکال دیا تھا۔ سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو قریبی رشتہ دار [چچا زاد بھائی] ہونے کے باوجود اہل شوریٰ میں داخل نہ کیا۔ حالانکہ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔ اور آپ کا تعلق بنی عدی کے قبیلہ سے تھا۔ اور نہ ہی آپ نے بنی عدی میں سے کسی کو والی مقرر کیا۔ بس صرف ایک آدمی کو والی مقرر کیا تھا پھر اسے معزول کر دیا۔

لوگوں کا اتفاق تھا کہ آپ کو اللہ کے دین کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی چنداں پرواہ نہیں ہوتی۔ تو پھر

---

[1] شیعہ سیدنا صدیق اعظم رضی اللہ عنہ کو الجبت اور سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کو الطاغوت کے نام سے پکارتے ہیں۔ حوالہ کے لیے جرح و تعدیل کے فن میں شیعہ کی اہم کتاب "تنقیح المقال فی احوال الرجال للمامقانی" (۱/ ۲۰۷) حالانکہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کی مدح و ثنا پر مشتمل سورۂ توبہ کو لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مکہ مکرمہ پہنچے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کون سی حاجت ایسی ہوسکتی ہے کہ آپ زید کو چھوڑ کر عمرو سے محبت کریں حالانکہ اس سے کوئی دنیاوی فائدہ بھی حاصل نہ ہوسکتا ہو؟ پھر جہاں تک آپ کے خاندان کا تعلق ہے۔آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ ان پر موجود قرض صرف ان کے اقارب کے اموال سے ادا کیا جائے۔ اگر اس قرض کی ادائیگی کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد کا مال کافی نہ ہو تو پھر بنی عدی بن کعب سے مانگنا۔ اگر ان کا مال بھی ناکافی ہو تو قریش سے طلب کر لینا۔لیکن بیت المال سے کچھ بھی نہ لیا جائے۔ اور اس کے سوا کسی اور سے کچھ بھی نہ لیا جائے۔تو پھر آپ کو کون سی ایسی ضرورت پیش آسکتی ہے کہ حضرت عثمان کو یا حضرت علی رضی اللہ عنہما کو یا کسی دوسرے کو مقدم کریں؟ حالانکہ نہ ہی آپ کو اپنے بعد اپنے اہل خانہ کے لیے کسی کی ضرورت ہے اور نہ ہی اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے؟

انسان اس سے محبت کرتا ہے جو اس کے بعد اس کی ضروریات کا خیال رکھے۔ یا اس طرح کا کوئی دیگر معاملہ ہو۔ پھر جس انسان کی کسی معاملہ میں کوئی حاجت ہی نہ ہو تو پھر کس بنا پر وہ کوئی ایسا کام کر سکتا ہے؟

پھر آپ نے اپنے آخری وقت میں جب کہ کافر بھی مومن ہو جاتا ہے اور فاسق و فاجر بھی اللہ سے ڈرنے لگتا ہے کسی کا لحاظ کیوں کر کر سکتے تھے؟ اگر آپ جانتے ہوتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بنا بر نص یا عظمت و فضیلت کی وجہ سے زیادہ حق دار ہیں تو آپ رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے ان کو منصب خلافت پر فائز کرتے۔ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے؛ اور اپنے گناہوں کو ہلکا کرتے۔ اس لیے کہ اب آپ کے لیے کوئی دنیاوی رکاوٹ بھی باقی نہیں رہ گئی تھی؛ سوائے اس قرض کے۔ اگر اس سے قرض ادا کرنے کی امید کا معاملہ ہوتا تو تب کچھ کہا جا سکتا تھا۔[لیکن ایسا بھی نہیں تھا؛ اس لیے کہ آپ نے صرف اپنے مال سے قرض ادا کرنے کی وصیت کر دی تھی]۔ اور یہ بات عادۃً محال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ سے ملتے وقت ایک ایسا کام کرتے جو دین و دنیا میں آپ کے لیے مفید نہ تھا اور جس پر عذاب الٰہی میں گرفتار ہونا ناگزیر تھا۔ بلکہ ایسے وہ آدمی بھی نہیں کر سکتا جس کی کسی چیز سے کوئی غرض ہی نہ ہو اور وہ موت کے وقت مہلت مل کر صحت اور عقل کے ہوتے ہوئے اپنے دین کو چھوڑ دے جس کی اسے ضرورت ہے۔

بفرض محال اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ دشمن رسول بھی تھے (جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں) تاہم صحبت نبوی کی برکت سے آپ بہت کچھ حاصل کر چکے تھے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے حد ذہین و فطین تھے۔ دلائل نبوت جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہرہ ور تھے آفتاب نصف النہار کی طرح واضح تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ اگر میں نے عداوت رسول کو ترک نہ کیا تو بروز آخرت عذاب الٰہی میں گرفتار ہونا پڑے گا۔ اس پر مزید یہ کہ موت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے میں آپ کی کوئی غرض نہیں تھی[آخر اس سے آپ کا کون سا مقصد حل ہو جاتا؟] اور آپ کس غرض کے پیش نظر مستحق کو اس کے حق سے محروم رکھتے؟[آخر کیا وجہ تھی کہ (بقول شیعہ) آپ آخری دم تک آلِ رسول اور آپ کے چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت پر تلے رہے؟ حالانکہ عمر رضی اللہ عنہ وہ شخص تھے جس نے اپنی خلافت کے زمانہ میں انتہائی سادہ زندگی بسر کی۔ موٹے جوتے پہنے۔ عدل و انصاف کے تقاضوں پر عمل کیا، مال جمع کرنے اور جاہ و منصب سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گریزاں رہے]۔

اگر یہ کہا جائے کہ: آپ خوف محسوس کرتے تھے کہ کہیں لوگ کہنے لگیں گے: اس نے توبہ کرلی اور رجوع کرلیا؛ جیسا کہ ابوطالب کوموت کے وقت اسلام قبول کرنے میں عار دلانے کا خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

تواس کے جواب میں کہا جائے گا: آپ کے لیے ممکن تھا کہ توبہ کا اظہار کیے بغیر ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادیں۔ اس لیے کہ اگر آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے کوخلیفہ بناتے تو لوگ آپ کی بات سنتے اور اطاعت کرتے۔ اور اس میں کوئی بھی اختلاف نہ کرتا۔ کبھی انسان کے ذمہ میں ایسے مظالم ہوتے ہیں جنہیں وہ اس طرح سے ادا کردیتا ہے کہ محسوس بھی نہیں ہوپاتا کہ وہ ظالم ہے۔ مرتے وقت کسی کے لیے ایسی ایسی وصیت کرجاتا ہے۔ اور اسے وصیت میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ وصیت یا تو اس پر واجب حق ہوتا ہے یا خوف کی وجہ سے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا جس پر انہیں مرنے کے بعد خوف محسوس ہوتا۔ اس لیے کہ آپ نے اپنے اقارب کوامر خلافت سے پہلے ہی سے دور رکھا تھا۔ اور آپ کو یہ بھی پتہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عادل اور متقی ہیں؛ ان کے اہل خانہ پر کبھی بھی ظلم نہیں کریں گے۔

اگر بالفرض مان لیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے انتقام لیتے جنہوں نے پہلے پہل آپ کی بیعت نہیں کی؛ تو پھر بھی بنوعدی اس معاملہ میں لوگوں سے سب سے زیادہ دور تھے۔ اس لیے کہ نہ ہی ان کی تعداد زیادہ تھی؛ اور نہ ہی انہیں کوئی شان وشوکت تھی کوئی غلبہ بھی حاصل نہیں تھا۔ اور یہ سارے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے اور آپ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بغض رکھتے ہوں؛ یا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہو۔ ان میں سے کسی ایک انسان کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہ ہی جاہلیت میں قتل کیا اور نہ ہی اسلام میں۔ ایسے ہی بنوتمیم سارے کے سارے آپ سے محبت رکھتے تھے اور آپ ان سے محبت رکھتے تھے۔ ان میں سے بھی کسی ایک انسان کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہ ہی جاہلیت میں قتل کیا اور نہ ہی اسلام میں۔

دوسری بات:...... ان سے کہا جائے گا کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت رہی ہے کہ جب آپ سے کسی بات میں بحث کی جاتی تو آپ حق کی طرف رجوع کرلیا کرتے تھے۔ اور ایسے کئی ایک واقعات ہیں جب آپ کے لیے حق واضح ہوگیا تو آپ نے حق بات کی طرف رجوع کرلیا۔ یہ رجوع کرنا ہی توبہ ہے۔ آپ فرماتے تھے: مرد سے غلطی ہوگئی اور عورت نے درستگی کو پالیا۔'' اور آپ توبہ کی تجدید کرتے رہتے تھے؛ اس لیے کہ آپ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پوری زندگی آپ کا یہی وظیفہ رہا۔ حالانکہ زمین پر آپ کا سکہ چل رہا تھا۔ تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آپ موت کے وقت توبہ نہ کرتے؟

آپ کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ آپ کوئی حیلہ اختیار کرکے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادیتے۔ اور کسی قابل مذمت چیز کو ظاہر بھی نہ ہونے دیتے۔ جیسا کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے حیلہ اختیار کیا تھا۔ اگر آپ یہ جانتے ہوتے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی دوسرا اس کا حق دار نہیں ہے تو آپ کے لیے بہت ساری راہیں ایسی تھیں کہ آپ حضرت کو خلیفہ مقرر کر دیتے اور لوگوں کو پتہ بھی نہ چلتا۔

❀ ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں رافضی کا یہ قول بھی ہے: ''اس لیے کہ آپ جانتے تھے کہ علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کبھی بھی ایک بات پر اکھٹے نہیں ہو سکتے۔''

[جواب:] یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جھوٹا الزام ہے۔ ساری زندگی میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے مابین کوئی اختلاف یا جھگڑا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ دونوں حضرات باقی چاروں کی نسبت آپس میں بہت زیادہ قریب تھے۔ دونوں کا تعلق بنو عبد مناف سے تھا۔ اور اس وقت تک بنو عبد مناف سارے ایک مٹھی کی طرح تھے۔ حتی کہ ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے؛ اور خلیفہ بننے کے بارے میں کہنے لگے۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی کے بیٹے تھے۔ اور ابو سفیان رضی اللہ عنہ میں ابھی تک جاہلیت کی رمق باقی تھی۔ انہیں یہ بات ناگوار تھی کہ ان کے قبیلہ پر کوئی دوسرا آدمی حاکم بنے۔ اور یہ پسند کرتے تھے کہ خلافت و امارت بنو عبد مناف میں باقی رہ جائے۔ ایسے خالد بن سعید رضی اللہ عنہ بھی اس وقت غائب تھے۔ جب آپ حاضر ہوئے تو آپ نے بھی حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما سے بات کی۔ اور کہنے لگے: کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ خلافت بنو عبد مناف سے نکل جائے؟

[بنو ہاشم و بنو امیہ کے باہمی روابط]:

جو بھی انسان کچھ تھوڑا بہت بھی جانتا ہے اسے ان لوگوں کی سیرت اور کردار کا علم ہے۔ اسے علم ہے کہ عہد رسالت مآب میں اور خلافت صدیقی و فاروقی میں بنو ہاشم و بنو امیہ کے مابین حد درجہ یگانگت و اتحاد پایا جاتا تھا۔ فتح مکہ کے سال جب ابو سفیان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے مکہ سے نکلا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا تو اپنے پیچھے سواری پر بٹھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو کوئی منصب عطا کیجیے کیوں کہ یہ عز و جاہ کا حریص ہے۔ [1]

یہ سب محبت کی کرشمہ سازی ہے اس لیے کہ بنو ہاشم و بنو امیہ دونوں بنی عبد مناف سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حد بندی کے بارے میں کسی مسلمان کے ساتھ جھگڑا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چند آدمیوں کے ساتھ نکلے، ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حد کے ایک نشان کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی موجود تھا؟ لوگوں نے اثبات میں جواب دیا؛ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر یہ ناروا ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے تبدیل کر دیتے۔'' اس جھگڑا میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا حالانکہ علی رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ بلکہ آپ نے ابن جعفر رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

---

[1] سنن ابی داؤد۔ کتاب الخراج باب فی خبر مكة (حديث: ۳۰۲۱، ۳۰۲۲)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''خصومات کا معاملہ بڑا دشوار ہوتا ہے اور شیطان ان میں آ دھمکتا ہے۔''

اس محاکمہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن جعفر رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنا کر بھیجا تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر فقہاء نے اس سے احتجاج کیا ہے کہ فریق مخالف کی مرضی کے بغیر خصومات میں وکیل بنانا جائز ہے۔ امام شافعی اور اصحاب احمد بن حنبل رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رفقاء جب واپس آئے تو ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا: تمھیں معلوم ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمارا ساتھ کیوں دیا؟ پھر خود ہی اس کی وجہ بتائی کہ ہم (بنو ہاشم) اور بنوامیہ دونوں بنی عبدمناف سے تعلق رکھتے ہیں۔''

ایک مرتبہ ایک محاکمہ پیش آیا جس میں ایک قاضی القضاۃ نے ہم سے مشورہ لینا چاہا۔ انھوں نے ایک کتاب پیش کی جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس محاکمہ کا ذکر تھا وہ ''المنافیہ'' کا مطلب نہ سمجھ سکے تو میں نے انھیں اس کا مطلب سمجھایا کہ سب بنوعبدمناف عہد رسالت اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں متحد تھے۔ ان میں اختلاف بہت بعد میں واقع ہوا۔ ایسا اس وقت ہوا جب ان کے مابین امارت کا جھگڑا شروع ہوا۔ جیسا کہ بنو ہاشم عہد رسالت مآب میں؛ عہد خلفاء راشدین میں اور بنوامیہ کے دور میں ایک ہی چیز تھے۔ ان کے مابین اس وقت اختلاف واقع ہوا جب بنوعباس حکمران بن گئے اور ان کے اور بعض بنوابی طالب کے درمیان تفریق اور اختلاف پیدا ہوگیا۔

یہ سب لوگوں کی عادت ہے۔ جب تک لوگوں کے مابین مال؛ جاہ و مرتبہ یا دیگر کوئی ایسی جھگڑا پیدا کرنے والی چیز نہیں ہوتی تو سارے متفق ہوتے ہیں۔ اور اگر ان کا کوئی دشمن ہوتا ہے تو سارے اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور جب خود انہیں اختیار مل جاتا ہے تو پھر آپس میں جھگڑنے لگتے ہیں۔

بنو ہاشم آل علی اور آل عباس بنوامیہ کے دور میں متفق تھے۔ ان کے مابین کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ جب ان میں ایسے لوگ سامنے آئے جو رضائے آل محمد کی طرف دعوت دینے لگے؛ تو بعض علویوں کے دل میں بھی اقتدار کی طمع انگڑائیاں لینے لگی۔ جعفر بن محمد اور دوسرے لوگ جانتے تھے کہ خلافت صرف آل عباس میں ہی چل سکتی ہے۔ جب انہوں نے اموی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور ہاشمیوں کی حکومت قائم ہوگئی اور سفاح نے ایک شہر بھی بسایا جس کا نام ''الہاشمیہ'' رکھا۔ پھر جب منصور خلیفہ بنا تو ہاشمیوں کے درمیان جھگڑا شروع ہوگیا۔ اس وقت محمد اور ابراہیم پسران عبداللہ بن حسن نے منصور کے خلاف خروج کیا۔ اور منصور ان کے مقابلہ کے لیے لشکر لے کر نکلا۔ ایک بہت بڑا فتنہ برپا ہوا۔ جس میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد قتل ہوئی۔

پھر عباسیوں کا آپس میں اختلاف ہوا؛ جیسا کہ امین اور مأمون کے اور دوسرے عباسیوں کے مابین اختلاف مشہور ہے۔ ایسے واقعات کا پیش آنا عام عادت کے مطابق ہے۔

پھر حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما نے اپنی مرضی سے بلا جبر و اکراہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو انتخاب امام کا اختیار تفویض کر دیا تھا۔ [اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ان اصحاب کی مرضی اور اتفاق سے ہوا]۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

[اعتـــراض] :شیعہ مصنف لکھتا ہے:''عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے بھائی اور چچا زاد(حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے سوا کسی اور کو خلیفہ مقرر نہیں کر سکتے۔''[انتہی کلام الرافضی]

[جواب] :یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر صاف جھوٹ اور شیعہ کی علم الانساب سے جہالت کا بین ثبوت ہے۔اس لیے کہ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے برادر اور ابن العم ہرگز نہ تھے۔بلکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہم قبیلہ بھی نہ تھے۔بخلاف ازیں وہ بنوزہرہ کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔چونکہ بنوزہرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھال تھے،اس لیے اس کا میلان بنی ہاشم کی جانب تھا۔البتہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ قبیلہ بنوزہرہ میں سے تھے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا:''یہ میرے ماموں ہیں؛اورانسان کو چاہیے کہ اپنے ماموں کا خیال کرے۔''[1]

[یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنوزہرہ سے تعلق رکھتے تھے پھر ان کو خلیفہ کیوں نہ مقرر کر دیا؟]

مزید برآں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین مواخات بھی نہیں تھی اور نہ ہی ان اتنے زیادہ گہرے تعلقات تھے۔اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور مہاجرین کے مابین مواخات قائم نہیں کی تھی۔بلکہ مؤاخات کا رشتہ مہاجرین اور انصار کے مابین قائم ہوا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سعد بن ربیع الانصاری رضی اللہ عنہ کے مابین مواخات قائم کی تھی۔یہ حدیث بڑی مشہور اور ثابت ہے اور صحاح میں موجود ہے۔حدیث کا علم رکھنے والے اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔عثمان رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے مابین کوئی مواخات نہیں تھی۔

[اعتراض]:شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ اگر تین دن تک بیعت نہ کریں تو ان سب کو قتل کر دیا جائے۔''

[جواب] :پہلی بات:ہم دریافت کرتے ہیں کہ یہ کس دلیل سے ثابت ہے؟اور کس نے کہا کہ یہ روایت صحیح ہے؟ مشہور بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار کو حکم دیا تھا کہ ان سے جدا نہ ہوں اور جانے سے پہلے چھ اشخاص میں سے ایک کی بیعت کر لیں۔

دوسری بات:...... یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جھوٹ گھڑا گیا ہے۔اہل علم میں سے کسی ایک نے بھی کسی بھی معروف سند سے اس واقعہ کو نقل نہیں کیا۔اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی ایسا حکم دیا۔یہ چھ اشخاص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک منتخب روزگار تھے۔پھر آپ ان کے قتل کا حکم کیوں کر صادر کر سکتے تھے؟اگر انہیں قتل کر دیا جاتا تو بہت بڑا فتنہ و فساد پیدا ہو جاتا۔نیز یہ کہ انصار ان کو قتل کرنے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کیسے کر سکتے تھے؟[کیونکہ یہ لوگ ا۔بے گناہ تھے۔۲۔اپنی اپنی قوم کے بڑے تھے قوم انہیں کیسے قتل کر سکتی تھی؟]۔

اگر آپ قتل کا حکم صادر کرتے تو یہ بھی بتاتے کہ ان کے بعد کس شخص کو اس منصب پر فائز کیا جائے۔آپ کیسے ان

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب ابی اسحاق سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (حدیث:۳۷۵۲)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دے سکتے ہیں جب کہ ان کے بعد کسی کو خلیفہ بھی مقرر نہیں کیا؟

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یہ سب اپنے اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ ان کو قتل کرنے کی جرأت کون کرتا؟ جبکہ ساری امت ان کی اطاعت گزار تھی؛ انکے ساتھ لشکر اور قبائل تھے۔ اگر سارے انصار مل کر بھی ان میں سے کسی ایک کو قتل کرنا چاہتے تو ایسا کرنے سے عاجز رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شر وفتنہ سے انصار کو محفوظ و مامون رکھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ انصار کی ایک چھوٹی سی جماعت کو ان چھ حضرات کو اکٹھے قتل کرنے کا حکم بھی کیسے دے سکتے تھے؟[کس جرم کی بنا پر یہ حکم دیتے؟] اور اگر مان لیا جائے کہ آپ نے ایسا کوئی حکم دیا بھی ہوتا تو کیا یہ حضرت خاموش رہتے؟ اور انصار انہیں قتل کرنے پر قادر ہو جاتے؟ جب کہ وہ ایسی جگہ پر جمع تھے جہاں ان کا کوئی اور مددگار بھی نہ تھا؟

اگر ہم فرض کرلیں کہ یہ چھ حضرات خلیفہ بننا پسند نہیں کرتے تھے؛ اور ان میں سے کوئی خلیفہ نہ بنا کوئی ساتواں آدمی خلیفہ بن گیا تو پھر ان کو قتل کرنا کس بنا پر جائز ہوا؟ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں؛ آپ کو ہمیشہ خلافت کی پیش کش کی جاتی رہی؛ مگر آپ نے کبھی بھی اسے قبول نہیں کیا۔ لیکن انہیں تو کسی نے بھی قتل نہیں کیا۔ حکمین کے موقع پر آپ کو خلافت کے لیے متعین کیا گیا مگر آپ چھپ گئے؛ پھر بھی کسی نے آپ کو کوئی تکلیف نہیں دی۔ ہم نے ایسا کبھی نہیں سنا کہ کسی شخص نے خلیفہ بننے سے انکار کیا ہو اور اس جرم میں اسے موت کے گھاٹ اتارا جائے۔

یہ روایات ایسے جھوٹے کذاب کی انشاء پردازیاں ہیں جسے کوئی پتہ نہیں کہ وہ کیا لکھتا ہے اور کیا کرتا ہے نہ ہی شرعا اور نہ ہی عادتاً [اسے کسی چیز کا کوئی علم نہیں]۔

مرکب جواب: یہ معاملہ دو صورتوں سے خالی نہیں ہے:

پہلی صورت: یا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہوگا۔

دوسری صورت: آپ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔

اگر آپ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو پھر اس کا انکار کرنا باطل ہے۔ اور اگر آپ نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا تو پھر اگر شریعت کا تقاضا ہو کہ کسی کو قتل کیا جائے تو کسی انسان کا جنتی ہونا؛ یا اللہ کا ولی ہونا اس قتل میں مانع نہیں ہوسکتا۔ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدی عورت کو رجم کیا؛ اور فرمایا:

"تحقیق اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کرتا تو اسے معاف کر دیا جاتا۔ اس سے بڑھ کر توبہ کیا ہوسکتی ہے کہ اس نے اپنی جان ہی پیش کر دی۔" [پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور اس کا جنازہ ادا کیا گیا اور دفن کیا گیا]۔ [1]

---

[1] صحیح مسلم:ج 2:ح: 1940؛ 3/1323، کِتاب الحدودِ، باب مِن اعترف علی نفسِهِ بِالزِنا۔ والحدِیث فِی: سننِ أبِی داود 4/212؛ کتاب الحدودِ، باب المرأۃِ الّتِی أمر النبِی صلی اللہ علیہِ وسلم بِرجمِها مِن جهینة ، سننِ الدارِمِی 2/179؛ کتاب الحدودِ، باب الحامِلِ إذا اعترف بِالزِنا ، المسندِ 5/348]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس عورت کے لیے یہ گواہی دے رہے ہیں۔لیکن جب حد اس پر ثابت ہوچکی تھی تو آپ نے اسے رجم کردیا۔

اگر کسی انسان پر قصاص واجب ہوجائے؛ اور وہ انسان بڑے اولیاء اللہ میں سے ہو؛ اور اس نے قتل عمد سے توبۃ النصوح [پکی اور سچی توبہ] کرلی ہو۔تو پھر بھی واجب ہوتا ہے کہ اسے مقتول کے ورثاء کے سپرد کیا جائے۔اگر وہ چاہیں تو اسے قتل کردیں۔تو اس کا قتل کیا جانا اس کے حق میں کفارہ ہوگا۔

جب قتل کے بغیر مصلحت پوری نہ ہوسکتی ہو تو تعزیر میں قتل کرنا ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔اور جیسا کہ مسلمان جاسوس کو قتل کرنا۔اس میں مسئلہ میں علماء کرام کے دو قول ہیں؛ امام احمد کے مذہب میں بھی یہی دو روایات ہیں۔

پہلا قول: اس کو قتل کرنا جائز ہے۔یہ امام مالک کا مذہب ہے' اور ابن عقیل نے بھی یہی اختیار کیا ہے۔

دوسرا قول: اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے ۔ یہ امام ابو حنیفہ امام شافعی کا مذہب ہے۔اور قاضی ابو یعلی اور دوسرے علماء نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ رحمہم اللہ۔

صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تمہارے پاس کوئی آئے اور تمہارا نظام ایک آدمی کے ہاتھ میں ہو' اور وہ تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کرنا چاہتا ہو تو اسے قتل کردو۔'' [صحیح مسلم ۳/ ۱٤۷۹؛ وسنن ابو داؤد ٤/ ۳۳٤]۔

اور شراب پینے والے کے بارے میں فرمایا:

''اگر یہ چوتھی بار شراب پیئے تو اسے قتل کردو۔'' [سنن أبي داؤد ٤/ ۲۲۸؛ الترمذي ۲/ ٤٤۹]۔

پھر اس حکم میں علماء کا اختلاف ہے؛ کیا یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے؟ یا باقی ہے؟

پھر اگر مان لیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اولین میں سے کسی کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا؛ تو یہ آپ کا اجتہاد تھا؛ اور آپ کے لیے اجتہاد جائز تھا۔اور یہ بات اس انسان کے اہل جنت ہونے میں مانع نہیں ہوسکتی۔اور نہ ہی یہ بات آپ کے عدل وانصاف پر موجب قدح ہوسکتی ہے۔اور نہ ہی آپ کے جنتی ہونے میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔تو پھر جب کوئی واقع پیش ہی نہیں آیا تو کیسے اعتراض کیا جاسکتا ہے؟

بالفرض اگر اس واقعہ کو سچا بھی تسلیم کرلیں تو یہ امر موجب حیرت ہے کہ روافض کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان چھ حضرات کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔یہ سبھی حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا واجب القتل تھے۔اور عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا تو پھر رافضی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ مکاریاں کیوں کرتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو خلیفہ بنا کر ان کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ پھر ان کو تہ تیغ کرنے کا حکم بھی دیتے ہیں یہ ''جمع بین الضدین'' نہیں تو اور کیا ہے؟

❀ اگر شیعہ کہیں کہ اس سے مقصود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا تھا۔

❀ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ:''اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلیتے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

تو پھر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کیا جاتا۔ اس لیے کہ قتل اسے کیا جاتا ہے جس سے کوئی خوف محسوس ہو رہا ہو۔ [حضرت علی کا کوئی ایسا معاملہ نہیں تھا]۔ نیز یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں شرکت نہ کی مگر کسی شخص نے انھیں پیٹا نہ قید کیا جب کہ قتل کرنا تو در کنار ہے۔

ایسے ہی جو لوگ کہتے ہیں کہ: بنو ہاشم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی۔ تاہم آپ نے انھیں کچھ نہ کہا؛ نہ ہی ان میں سے کسی کو مارا پیٹا گیا اور نہ ہی اسے بیعت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ یہاں تک کہ بلا جبر واکراہ خود حاضر ہو کر انھوں نے بیعت کر لی۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جن کی بیعت متعین ہو چکی تھی؛ [آپ کی بیعت سے پیچھے رہنے پر نہ ہی کسی کو قتل کیا گیا اور نہ ہی کسی کو مارا پیٹا گیا] تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت سے پیچھے رہنے پر کیسے قتل کرنے کا حکم دیا جا سکتا ہے؛ جب کہ ابھی تک آپ کی بیعت متعین بھی نہیں ہوئی۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تمام بنی ہاشم کی تعظیم و تکریم بجا لاتے رہے اور باقی لوگوں پر انہیں مقدم رکھا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''لوگو! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے آپ کے اہل بیت کا خیال رکھو۔''[1]

[اکرام اہل بیت اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما]:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ تنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، وہاں دیگر بنو ہاشم بھی تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی مدح و ستائش کی۔ اس کے جواب میں بنو ہاشم نے آپ کے مستحق خلافت ہونے کا اعتراف کیا؛ اور بیعت کرنے میں تاخیر پر اپنا عذر پیش کرنے لگے؛ اور آپ کی بیعت اس حال میں کی کہ آپ ان کے پاس اکیلے تھے۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی آپس میں محبت و الفت کے بارے میں آثار و احادیث اس کثرت سے ہیں جن سے ایسی جھوٹی روایات کی عمارت خود بخود دھڑم سے گر جاتی ہے۔

اگر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اپنے اپنے عہد خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی طرح بھی الم و رنج پہنچانا چاہتے تو وہ بہمہ وجوہ اس کی قدرت رکھتے تھے۔ مگر ان کا مقام بلحاظ تقویٰ اس سے کہیں بلند تھا کہ وہ ایسی پست حرکات پر اتر آتے: اور خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد [جب کہ اس گھرانے کو ہمدردوں اور غمگساروں کی ضرورت تھی]۔

جاہل شیعہ اس زعم فاسد میں مبتلا ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس وقت ظلم کا نشانہ بنایا جب وہ ظلم کی مدافعت کر سکتے تھے۔ اور یہ دونوں حضرات اگر چاہتے بھی تو آپ پر ظلم کرنے سے عاجز تھے۔ پھر جب انہیں قوت اور طاقت حاصل ہو گئی؛ اور لوگ ان کی اطاعت کرنے لگے تو اس وقت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم و ستم کیوں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب قرابۃ رسول اللہ ﷺ (ح:۳۷۱۳)۔

[2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، (حدیث:۴۲۴۰، ۴۲۴۱)، صحیح مسلم، کتاب الجھاد۔ باب قول النبی ﷺ، "لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ" (حدیث:۱۷۵۹)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہ ڈھایا؟ جیسے سلاطین وملوک کی عادت ہے کہ جس کا خوف انھیں دامن گیر رہتا ہو وہ اپنے عروج کے زمانہ میں اس پر کاری ضرب لگاتے ہیں۔ یا اسے قید کردیتے ہیں؛ یا پھر اسے خفیہ طریقہ سے قتل کرادیتے ہیں۔ یا اعلانیہ قتل کردیتے ہیں۔ اگر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مظالم توڑنا چاہتے تھے تو پھر انہوں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ آپ کو کسی حیلہ سے قتل کیوں نہیں کیا یا پھر انہیں قید میں کیوں نہ ڈالا؟ اگر یہ لوگ ایسا کرنا چاہتے تو یہ بات ان کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وجود نص کے باوجود (جیسا کہ شیعہ کا خیال ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو محروم خلافت کرنے سے بھی آسان تر تھی۔

ایسے بھی ہوسکتا تھا کہ آپ کو کسی لشکر پر امیر بنا کر بھیج دیا جاتا؛ اور کسی فوجی کو کہہ دیا جاتا کہ وہ آپ کو قتل کردے۔ یا زہر دے دے؛ یہ ساری باتیں ممکن تھیں۔

خلاصہ کلام! والی کا اپنے اس حریف سے دفاع کرنا زیادہ ضروری ہوتا ہے جو ولایت میں جھگڑا کر رہا ہوں یا جو کہہ رہا ہو کہ وہ خلافت کا زیادہ حقدار ہے۔ اس کے لیے قتل؛ قید؛ ایذا رسانی اور ملک بدری کا کوئی بھی حیلہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

اس کے عین برعکس یہ دونوں حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتہائی درجہ کا احترام کرتے؛ آپ کو ہر موقع پر مقدم رکھتے۔ یہی نہیں سارے بنی ہاشم کو دوسرے لوگوں پر عطیات میں ترجیح دیتے۔ آپ کو مرتبہ؛ عزت واحترام؛ محبت؛ دوستی؛ تعریف وتوصیف اور مدح وثنا میں باقی لوگوں پر مقدم رکھتے۔ اور آپ کو ایسے ہی فضیلت دیتے جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان لوگوں پر فضیلت دی ہے جو آپ جیسے نہیں تھے۔ کبھی ان حضرات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں یا پھر بنی ہاشم کی شان ایک سخت کلمہ تک نہیں سنا گیا۔ [بلکہ ان سے بہترین سلوک روا رکھتے تھے۔ انہوں نے نہ کبھی ان کے ظلم سے فریاد کی۔ نہ بنی ہاشم کے کسی آدمی نے ظلم کی شکایت کی۔]

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ: جب دل میں کسی کے خلاف دشمنی ہو تو اس سے انسان اپنے دشمن کو تکلیف پہنچانا چاہتا ہے۔ اور جب انسان قدرت بھی رکھتا ہو اور قدرت کے ساتھ پختہ ارادہ بھی ہو' تو اس سے واجب ہوتا ہے کہ انسان جس چیز کا پختہ ارادہ کر چکا ہو' اسے کر گزرے۔ اگر ان حضرات کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تکلیف دینے کا ارادہ ہوتا تو وہ سامنے نظر آجاتا؛ جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے؛ یہ لوگ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنی محبت اور دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ [تو پھر اس کہانی کی کیا حیثیت؟]

ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے الفت ومحبت کا سلوک کرتے اور ظاہراً و باطناً ان کی تعظیم بجا لاتے رہے۔ اور انہیں باقی ساری امت پر ترجیح دیتے تھے۔ اس سے ان کے احوال وتعلقات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی شان میں کبھی ایک لفظ تک برا نہیں کہا؛ اور نہ ہی کبھی یہ دعوی کیا کہ وہ ان دونوں سے بڑھ کر خلافت کے حق دار ہیں۔

[رافضی مذہب کو کہاں پذیرائی ہوسکتی ہے؟]:

یہ ایک مشہور بات ہے اور ہر تاریخ دان اس سے آگاہ ہے اور اگر کوئی شخص روافض کے کذب و بہتان کا دل دادہ ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو اس امت میں منقولات سے نابلد محض علم الآثار سے یک سر بیگانہ اور محال و متناقض جھوٹ کے پجاری ہیں۔ جس کو ایک چوپایہ ہی باور کر سکتا ہے تو یہ ایک الگ بات ہے۔ روافض دیہات کے ان افسانہ گو لوگوں کی مانند ہیں جو دیہاتی عوام کو جھوٹی کہانیاں سناتے ہیں اور پہاڑی و جنگلی باشندے اس پر سر دھنتے ہیں۔ یہ پھر ان شہروں کے رہنے والے ان کی بات مان سکتے ہیں جہاں پر جھوٹوں کا دور دورہ اور اہل نام کی کوئی چیز وہاں پر نہ ہو [جو ان کے جھوٹوں کا بھانڈا پھوڑ سکے]۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو ان کی گمراہیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

رافضی مذہب کے بارے میں کبھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کسی ایسے بڑے شہر میں استقرار پکڑے جہاں پر اہل علم و دین [اہل حق] مسلمان موجود ہوں۔ اس مذہب کو دور دراز کے پہاڑیوں ؛ دیہاتیوں اور جنگلیوں میں ہی پذیرائی ہو سکتی ہے۔ یا پھر کسی ایسے پلید شہر میں جہاں کے لوگوں کے من خباثت سے بھرپور ہوں۔ اور لوگ جھوٹ کے اس قدر دلدادہ ہوں کہ اپنے اندر کچھ چھپاتے ہوں اور اظہار کسی اور چیز کا کرتے ہوں۔

قاہرہ کا شہر جب عبیدی حکمرانوں کے ساتھ تھا تو یہ لوگ اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتے تھے۔ لیکن شیعیت سے اچھی طرح واقف نہیں تھے۔ انہوں نے وہاں پر اہل علم و دین کے اپنا دین ظاہر کرنے پر پابندی لگا رکھی تھی۔ مگر اس کے باوجود باقی شہروں کے مسلمانوں سے ڈرتے رہتے تھے۔ جب کوئی اجنبی ان کے پاس آ جاتا تو یہ اس کے سامنے اپنا عقیدہ ظاہر نہ ہونے دیتے۔ اس کے ساتھ مداہنت سے پیش آتے اور اس مہمان سے ایسے ڈرتے رہتے جیسے کسی بادشاہ سے ڈرتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹے اور افتراء پردازی کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ﴾ [الأعراف ۱۵۲]

’’بیشک جن لوگوں نے بچھڑا پرستی کی ہے ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیاوی زندگی ہی میں پڑے گی اور ہم جھوٹی تہمت لگانے والوں کو ایسی سزا دیا کرتے ہیں۔‘‘

مفسر ابو قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’اس امت میں سے بھی قیامت تک کے لیے ہر جھوٹ گھڑنے والے کی یہی سزا ہے۔

[اعتراض]: شیعہ مصنف [حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں] لکھتا ہے:

’’اور حکم دیا کہ جو ان چار کی مخالفت کرے اسے قتل کر دیا جائے۔ اور جن تین لوگوں کے گروہ میں حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ موجود ہوں ان کے مخالفین کو قتل کرنے کا حکم دیا۔‘‘

[جواب]: یہ محض جھوٹ ہے۔ پھر اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آپ نے یہ فرمایا ہے تب بھی آپ نے دین کے خلاف کچھ بھی نہیں کہا۔ بلکہ آپ نے فتنہ ختم کرنے کی نیت سے ایسے کہا ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’جب تمہارے پاس کوئی آئے اور تمہارا نظام ایک آدمی کے ہاتھ میں ہو اور وہ تمہاری جماعت میں تفریق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پیدا کرنا چاہتا ہو تو اسے قتل کر دو؛ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔'' [مسلم ۳/ ۱۴۷۹؛ وابو داؤد ٤/ ۳۳٤]۔

پھر اس سے مراد یہی ہوسکتی ہے کہ جو انسان بیعت اور مشورہ کے بغیر مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر بیٹھ جائے ؛ اس حدیث کی روشنی میں اس کے قتل کا حکم دیا ہوگا۔ جب کہ کسی انسان کے بیعت سے پیچھے رہنے کی وجہ سے جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ایسے انسان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی ایسا حکم دیا ہے۔

ایسے ہی رافضی مصنف نے جو کہا ہے کہ: آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا اشارہ دیا تھا؛ اور حضرت علی کو ولایت سے پیچھے رکھنے کا اشارہ دیا۔ یہ تمام باتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جھوٹا الزام ہیں۔

ایسے ہی رافضی کا قول: ''[آپ کو پتہ تھا کہ] آپ کو خلیفہ نہیں بنایا جائے گا۔'' اس میں مستقبل کے متعلق ایک خبر ہے جو کچھ ہونے والا ہے۔ اس میں کہیں بھی آپ کو ولایت سے روکنے کی بات نہیں ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ الفاظ اس سیاق کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ آپ پر جھوٹا الزام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل:......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر الزامات [1]

[اعتراضات]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:'' جہاں تک عثمان رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے اس نے نااہل لوگوں کو بڑے بڑے منصب عطا کیے تھے۔ ان میں سے بعض خائن و فاسق بھی تھے۔ اپنے اقارب کو ولایات عطا کیں۔ اور کئی بار کے عتاب کے باوجود اس سے باز نہ رہے۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر کیا؛ وہ ایک شراب نوش نکلا اور اس نے نشہ کی حالت میں نماز پڑھائی۔ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ [2] کو کوفہ کا والی مقرر کیا اس نے وہاں ایسے کام کیے جن کی بنا پر اسے کوفہ سے نکال دیا

[1] اعداء صحابہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جن مطاعن کا نشانہ بنایا ہے قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ نے ان کا نام قواصم رکھا ہے۔ اور ہر ''قاصمہ'' کا جواب کتاب وسنت کے دلائل و براہین سے ''عاصمہ'' کے نام سے دیا ہے اس مجموعے کا نام ''العواصم من القواصم'' ہے جس پر علامہ محب الدین رحمہ اللہ نے بڑے عالمانہ حواشی تحریر کیے ہیں۔ صحابہ کے بغض و عناد سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔ اعداء صحابہ نے اپنی تصانیف کو جھوٹ کا پلندہ بنا دیا تھا۔ یہ جھوٹ لوگوں میں خوب پھیلتا رہا اور بعض مسلمان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدول ہونے لگے قاضی ابن العربی رحمہ اللہ کی اس قابل قدر تصنیف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حق کا بول بالا کیا اور لوگ بڑی حد تک مستفید ہوئے۔ وللہ الحمد۔

[2] سیدنا سعید بن عاص فصحائے قریش میں سے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب قرآن کریم لکھوانا شروع کیا تو سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کی عبارت درست کی، کیوں کہ سعید کا لہجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ملتا جلتا تھا۔ سعید اس حد تک مخلص مسلمان تھے کہ جب ایک مرتبہ سیدنا عمر نے کہا کہ:'' میں نے تمہارے والد کو قتل نہیں کیا، بلکہ اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا تھا۔'' اس کے جواب میں سعید نے کہا:'' اگر آپ قتل بھی کرتے تو آپ حق پر ہوتے اور وہ باطل پر۔'' سعید بن عاص نے طبرستان کا علاقہ فتح کیا اور جرجان پر بھی چڑھائی کی تھی۔ آپ کی فوج میں سیدنا حذیفہ اور دیگر کبار صحابہ شامل تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت دھاری دار چادر لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے نذر مانی تھی کہ یہ چادر اس شخص کو دوں گی جو عرب بھر میں سب سے زیادہ باعزت ہو۔ آپ نے فرمایا، اس لڑکے کو دے دو۔'' (الاصابہ (۲/ ٤۸) مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ⇦⇦⇦

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

گیا۔ بلاد مصر میں عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ ❶ کو حاکم مقرر کیا جہاں اس نے بہت مظالم ڈھائے۔ لوگوں نے جب اس کی

⇦⇦⇦ (٦/ ١٣٤)۔ وہ لڑکا نامی گرامی مجاہد و فاتح سعید بن عاص رضی اللہ عنہ تھا۔ جس کے بارے میں رافضی نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر تنقید کی ہے کہ انھوں نے اسے کوفہ کا والی مقرر کیا۔ اگر قرآن کی عربیت کی تصحیح شیعہ کے نزدیک قابل فخر کارنامہ نہیں ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کو اکرم العرب قرار دینا یقیناً دین و دنیا میں باعث فخر ہے۔ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ میں صرف ایک ہی عیب پایا گیا ہے اور وہ یہ کہ آپ نے طبرستان کو فتح کیا اور کبار صحابہ نے اس کے قائد کی حیثیت سے جرجان پر حملہ کر کے اہل ایران کو مجوسیت سے نکال کر دین اسلام سے روشناس کرایا۔ سیدنا سعید کی مرویات صحیح مسلم، نسائی اور ترمذی میں موجود ہیں۔ محدث طبرانی بطریق محمد بن قانع بن جبیر بن مطعم وہ اپنے باپ سے اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سعید بن عاص کی عیادت کرتے دیکھا۔ آپ ایک کپڑے کو گرم کر کے سعید کو ٹکور کر رہے تھے۔ (الاصابة:٢/ ٤٨)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ واقعہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے دادا سے متعلق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اکرم العرب ہے، اعلام نبوت میں سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور وحی کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ سعید رضی اللہ عنہ بہت بڑے فاتح ہوں گے اور اسی طرح اکرم العرب قرار پائیں گے۔ ابن ابی خیثمہ بطریق یحییٰ بن سعید روایت کرتے ہیں کہ محمد بن عقیل بن ابی طالب رحمہ اللہ اپنے والد کے پاس آئے اور پوچھا سب لوگوں میں سے افضل کون ہے؟ فرمایا: میں اور میرا بھائی۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''سعید بن عاص رضی اللہ عنہ قریش کے نور نظر ہیں۔'' سعید بن عاص رضی اللہ عنہ بڑے سخی تھے۔ جب سائل کوئی چیز مانگتا اور آپ کے پاس موجود نہ ہوتی تو اسے لکھ کر دے دیتے کہ میں فلاں چیز تجھے دے دوں گا۔ جب فوت ہوئے تو ان پر اسی ہزار دینار قرض تھا جو ان کے بیٹے عمرو نے ادا کیا۔ صالح بن کیسان روایت کرتے ہیں کہ سعید رضی اللہ عنہ بڑے باوقار اور متحمل مزاج تھے، جب کسی چیز کو پسند یا ناپسند کرتے تو اس کا اظہار نہیں کیا کرتے تھے۔ ان کا قول ہے: ''دل کی حالت بدلتی رہتی ہے، یہ موزوں نہیں کہ آدمی ایک چیز کی آج تعریف کرے اور کل اسی کی مذمت کرنے لگے۔'' یہ ہیں سیدنا سعید بن عاص اموی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب جن کے بارے میں رافضی امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو مطعون کرتا ہے کہ انھوں نے سعید کو والی کوفہ مقرر کیا۔

❶ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ یہ سیدنا عثمان کے رضاعی بھائی تھے۔ فتح مکہ کے روز سیدنا عثمان نے جب ان کے لیے پناہ طلب کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پناہ دے دی۔ یہ مخلص مسلمان اور عظیم مجاہد و فاتح تھے۔ جب ملک مصر دین اسلام کے حلقہ میں داخل ہوا تو ابن ابی سرح ان مجاہدین صحابہ کے سرخیل تھے۔ جن کو مصر فتح کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جہاد مصر میں یہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لشکر کے دائیں بازو میں تھے اور بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ ابن سعد نے طبقات میں ابن ابی سرح کا ذکر ان صحابہ میں کیا ہے، جنھوں نے مصر میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ (۲/ ۳۱۷) میں البرقی کی تاریخ سے بروایت ابی صالح کاتب لیث بن سعد امام مصر سیدنا لیث بن سعد سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''خلافت فاروقی میں ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ علاقہ الصعید کے حاکم تھے۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو آپ نے مصر کا سب علاقہ ان کو تفویض کر دیا۔ مصر کے عظیم امام و فاضل سیدنا لیث بن سعد کے مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ روافض نے ابن ابی سرح پر کس قدر جھوٹ باندھا ہے۔ ۲۵ھ میں ابن ابی سرح پورے مصر کے حاکم اعلیٰ تھے۔ ۲۷ھ میں پورا افریقہ فتح ہوگیا۔ یہ عظیم ترین فتح تھی جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی، مال غنیمت کی یہ فراوانی تھی کہ ایک سوار کے حصہ میں تین ہزار دینار آئے۔ چاروں عبادلہ (عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم اجمعین) جلالت قدر کے باوصف ابن ابی سرح کے زیر قیادت تھے۔ شمالی افریقہ فتح ہونے کے بعد بھی ابن ابی سرح نے ۳۱ھ تک جہاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۳۴ھ میں ذات السواری پر چڑھائی کی۔ اسی دوران باغیوں نے سیدنا عثمان کے خلاف خروج کیا۔ ابن ابی سرح نے سیدنا عثمان کو لکھ کر امداد کی پیشکش کی اور براستہ عریش وعقبہ مدینہ پہنچنے کی اجازت چاہی۔ سائب بن ہشام بن عمیر کو حاکم مقرر کیا۔ ابھی مدینہ نہیں پہنچ سکے تھے کہ ابن ابی سرح کو سیدنا عثمان کی شہادت کی خبر پہنچی اور آپ مصر لوٹ آئے۔ مصر پر ابن ابی حذیفہ نے ⇦⇦⇦

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شکایت کی؛ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوشیدہ طور پر اسے لکھا کہ وہ اپنے عہدے پر ڈٹا رہے۔ یہ اس کھلے خط کے خلاف تھا جو اس کے نام لکھا گیا تھا۔ اور حکم دیا کہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے۔ ❶ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر بلادِ شام مقرر کیا جہاں اس نے کئی طرح کے فتنے بپا کیے۔ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا والی مقرر کیا جہاں اس نے بہت سارے ایسے برے کام کیے جن سے خدا کی پناہ۔ ❷ مروان کو والی مقرر کر کے اپنی انگوٹھی اس

⇦⇦⇦ قبضہ جما لیا تھا۔ اس نے ابن ابی سرح کو حدود مصر میں داخل ہونے سے روکا، چنانچہ آپ فلسطین چلے گئے اور عسقلان و رملہ کے درمیان سکونت اختیار کی۔ ۵۷ھ تک فلسطین میں گوشہ نشین رہے۔
بغوی نے بسند صحیح یزید بن ابی حبیب سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: ابن ابی سرح مقام رملہ کی طرف چل دیے، جب صبح ہوئی تو کہا ''اے اللہ! اس صبح کو میرا آخری عمل بنا دے۔'' پھر وضوء کیا اور نماز ادا کی۔ پھر دائیں جانب سے سلام پھیرا۔ جب بائیں جانب سلام پھیرنے لگے تو ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔'' اسد الغابہ (۲/ ۲٦٤)۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت اسی سند سے ذکر کی ہے۔ تاریخ کبیر (٥/ ۲۹) مختصراً۔

❶ العواصم من القواصم، ص (۱۰۹۔۱۱۰)، نیز (۱۲۶۔۱۲۹) کے حواشی پر اس خط کے بارے میں علمی تحقیق ہے جو بقول شیعہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یا مروان نے ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے نام ارسال کیا تھا۔ نیز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اظہار حیرت کرنے پر گفتگو کی ہے کہ عراقی فتنہ پرداز اور مصر کے شریر لوگ مختلف راستوں سے بیک وقت مدینہ پہنچ گئے جیسے پہلے انھوں نے یہ بات طے کر رکھی ہو، حالانکہ عراق والوں کو مطلقاً اس خط کا علم نہ تھا جو اہل مصر نے حامل خط سے لے لیا تھا۔ جب سیدنا علی نے اس پر اظہار تعجب کیا تو اہل عراق نے کہا: ''کیا آپ نے ہمیں تحریر نہیں کیا تھا۔ کہ واپس مدینہ آ جاؤ۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حلف اٹھا کر کہا کہ انھیں اس خط کا کوئی علم نہیں۔'' مندرجہ بالا بیان اس حقیقت کا مظہر ہے کہ دو جعلی خط تحریر کیے گئے تھے۔ ایک سیدنا علی کی جانب سے اہل عراق کے نام اور دوسرا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہل مصر کی طرف۔ یہ بات عقل و قیاس کے منافی ہے کہ یہ خط سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یا مروان نے ابن ابی سرح کے نام لکھا۔ خصوصاً جب کہ انھیں معلوم تھا کہ اس نے مدینہ حاضر ہونے کی اجازت چاہی ہے اور وہ اس وقت فلسطین اور مدینہ کے درمیان غالباً عقبہ کے مقام پر پہنچ چکا تھا۔ جب ابن ابی سرح مصر میں موجود ہی نہیں تھے۔ تو یہ خط ان کی جانب مصریوں کر بھیجا گیا؟ فتنہ سامانی کے دور کی تاریخ لکھنے والے مصنفین اس حقیقت سے مطلع نہ ہو سکے کہ جب عراق و مصر کے انقلابی مدینہ سے چلے گئے تھے تو انقلاب کے دور عظیم لیڈر اور سیدنا عثمان کے شدید مخالف یعنی اشتر نخعی و حکیم بن جبلہ مدینہ سے نہیں گئے تھے۔ مدینہ قیام پذیر رہنے سے ان کا مقصد وحید یہ تھا کہ جس مشن کے لیے وہ مدینہ آئے تھے (سیدنا عثمان کا قتل) اس کو بہر صورت پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے، چنانچہ انھوں نے سیدنا عثمان و علی کی جانب سے دو جعلی خط تیار کیے اور زکوۃ کے اونٹوں میں سے دو اونٹ کرایہ پر لے کر دو اعرابیوں کے ذریعہ ایک کو مشرقی راستہ سے عراق اور دوسرے کو مصریوں کی طرف بھیجا جو غربی جانب ساحل کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ خطوط نویسی کا واحد مقصد سوئے ہوئے فتنہ کو جگانا اور از سر نو شرّ کو امت میں پھیلانا تھا۔ فتنہ کے ان دونوں بانیوں کے سوا کسی اور کو اس فتنہ پردازی میں ہرگز دلچسپی نہ تھی۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: العواصم من القواصم۔

❷ امت محمدی کے مجوس (شیعہ) کی نگاہ میں سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بدترین فعل یہ تھا کہ اس نے ایران میں کسریٰ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن عامر کے عہد امارت میں فارس کے آخری بادشاہ یزدگرد کو قتل کر دیا گیا تھا۔ جب عبداللہ بن عامر پیدا ہوئے اور انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے بنو عبد شمس کو مخاطب کر کے فرمایا: ''یہ بچہ تمہاری نسبت ہم سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔'' آپ بچے کے منہ میں تھوک ڈالتے جاتے تھے اور وہ نگلتا جاتا تھا آپ نے فرمایا: ''یہ بچہ تر و تازہ ہے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن عامر رضی اللہ عنہ جس زمین میں بھی کام کرتے، وہاں پانی نکل آتا۔ ابن عامر پہلا شخص ہے جس نے عرفات میں حوض بنائے اور چشمے کا پانی وہاں پہنچایا۔ مستدرك حاکم (۳/ ٦۳۹۔٦٤۰) وسندہ ضعیف۔ ⇦⇦⇦

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کے حوالے کر دی؛ اور نظام حکم اس پر چھوڑ دیا۔ ❶ جس کا نتیجہ میں پیدا ہونے والا فتنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ اور اس کی وجہ سے امت میں بہت بڑا فتنہ پیدا ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیت المال سے اپنے اقارب کو بہت زیادہ

⇦⇦⇦ ابن عامر بڑے سخی، شجاع اور نیک فال تھے۔ سیدنا عثمان نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بعد ۲۹ ھ میں ابن عامر کو بصرہ کا والی مقرر کیا، پھر عثمان بن ابوالعاص کے بعد فارس کا علاقہ بھی ان کو سونپ دیا۔ ابن عامر نے پورا خراسان۔ اطراف فارس و سیستان اور کرمان کے ممالک فتح کر لیے اور غزنہ کے قریب جا پہنچے۔ ان فتوحات کا شکر یہ ادا کرنے کے لیے ابن عامر نے نیشا پور سے احرام باندھا اور حالت احرام میں پاپیادہ حجاز پہنچے۔ اتفاق سے وہ سردی کا موسم تھا۔ جب سیدنا عثمان کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ملامت کی اور فرمایا: ''آپ نے یہ اقدام فریب دہی کے لیے کیا ہے۔'' ان فتوحات سے کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا۔ یہ ہیں سیدنا عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے وہ افعال ''شنیعہ'' جن پر رافضی قلم کار نقد و جرح کر رہا ہے۔ اس پر جس قدر حیرت و استعجاب کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ یہ مجاہدین و فاتحین شیعہ کی نگاہ میں مذموم ہیں اور ان کے مقابلہ میں ہلاکو خاں اور سلطان خدابندہ تک اس کی نسل قابل مدح و ستائش ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا: کہ بروز حشر آدمی کو اس شخص کی رفاقت نصیب ہوگی۔ جس کے ساتھ وہ محبت رکھتا ہو۔''

شیعہ کی یہ تضاد خیالی صرف دینی مرض ہی نہیں، بلکہ عقلی و اخلاقی بیماری بھی ہے۔ ''وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانَا مِمَّا ابْتَلٰی بِهٖ كَثِیْرًا مِّنْ خَلْقِهٖ''

❶ انگوٹھی سپرد کرنے سے رافضی مصنف کا اشارہ اس جعلی خط کی جانب ہے۔ قائد کوفہ اشتر نخعی اور قائد بصرہ حکیم بن جبلہ جب اپنے مقصد میں ناکام رہے اور کوفہ و بصرہ کے انقلابی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دلائل سے مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ عراقیوں نے مشرق کی جانب عراق کا رخ کیا اور مصری جانب غرب عازم مصر ہوئے؛ تو یہ دونوں لیڈر مدینہ میں مقیم رہے اور اپنے رفقاء کے ساتھ واپس نہ گئے۔ چند دنوں کے بعد بیک وقت دو سوار مصری و عراقی قافلہ سے ملے جو سوار مصری قافلہ سے ملا تھا وہ ان کے قریب پہنچ کر عجیب و غریب حرکات کرنے لگا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ قافلہ والوں نے اسے دیکھ لیا ہے تو پھر چھپنے کی کوشش کی، جب انھوں نے وجہ پوچھی تو اس نے ایک خط دکھایا جس پر سیدنا عثمان جیسی مہر لگی تھی، اس نے بتایا کہ وہ یہ خط لے کر امیر مصر عبد اللہ بن ابی سرح کی طرف جا رہا ہے۔ خط میں لکھا تھا کہ محمد بن ابی بکر کو قتل کر دو۔ بعینہٖ اسی وقت عراقی قافلہ کو ایک شخص ملا جس کے پاس ایک خط تھا جس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مہر کی مانند مہر لگی ہوئی تھی، خط میں لکھا تھا کہ ''مدینہ واپس آ جاؤ۔'' جب دونوں فریق مدینہ پہنچے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اکابر صحابہ وجہ دریافت کرنے کے لیے نکلے، مصری لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جعلی خط کا ذکر کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پھر عراقیوں سے وجہ دریافت کی انھوں نے کہا کیا آپ نے خط کے ذریعہ ہمیں واپس آنے کا حکم نہیں دیا؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حلف اٹھا کر کہا کہ مجھے اس خط کے بارے میں کچھ علم نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عثمان و علی کے نام سے یہ جعلی خط تیار کیے گئے تھے خصوصاً جب کہ سیدنا عثمان و مروان کو معلوم تھا کہ عبد اللہ بن ابی سرح مصر میں موجود ہی نہیں۔ مروان ایک ادنیٰ آدمی کے ساتھ بھی خیانت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ پھر وہ از راہ خیانت سیدنا عثمان کی انگوٹھی کیوں کر استعمال کر سکتے تھے جو امور خلافت میں بڑی اہم چیز سمجھی جاتی ہے بفرض محال اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی از راہ فریب مروان نے استعمال کی تھی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی استعمال کرنے والا کون تھا؟ روافض اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ مروان وہ شخص ہے کہ سیدنا زین العابدین رحمہ اللہ جیسے لوگ اس سے دینی احکام پر مشتمل روایات اخذ کرتے ہیں۔ مروان سے جن لوگوں نے روایت کی ہے ایک سیدنا زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ جن حفاظ و ائمہ حدیث نے یہ بات بیان کی ہے ان میں سے آخری محدث حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں جنھوں نے ''الاصابہ'' میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔

آپ کے شاگردوں میں سرخیل تابعین سعید بن مسیب اور ان کے برادر فقہائے سبعہ ابوبکر بن عبد الرحمٰن و عُبید اللہ بن عبد اللہ و عروہ بن زبیر اور ان کے نظائر و امثال مثلاً عراک بن مالک غفاری مدنی جو صائم الدہر تھے۔ نیز عبد اللہ بن شداد جو سیدنا عمر و علی و معاذ سے روایت اخذ کیا کرتے تھے۔ عروہ بن زبیر کی مروان سے روایت صحیح بخاری، کتاب الوکالۃ میں شامل ہے۔ نیز دیکھیے: مسند احمد (۳/ ۳۲۱ و ⇦⇦⇦

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

نوازتے اورانہیں دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ قریش میں ان کے چار داماد تھے، انہیں چار لاکھ دینار عطا کیے۔ [1] مروان کو دس لاکھ دینار دیئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو موردِ طعن بناتے اور ان کی تکفیر کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اس قدر پٹوایا کہ ان کی موت واقع ہوگئی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اس قدر پٹوایا تھا کہ ان کو فتق کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''عمار میرا نورِ نظر ہے، اسے ایسی باغی جماعت قتل کرے گی جن کو اللہ تعالیٰ میری شفاعت نصیب نہیں کرے گا۔'' عمار رضی اللہ عنہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کیا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا حَکَم اور اس کے بیٹے مروان کو مدینہ سے نکال دیا تھا۔ وہ عہد رسالت مآب میں اور عہدِ صدیقی و فاروقی میں مدینہ بدر ہی رہا۔ پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ حاکم بنے تو آپ نے پھر اسے مدینہ میں بلا لیا۔ اور مروان کو اپنا مشیر اور کاتب بنالیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ﴾ [المجادلة ۲۲]

''اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے دوستی رکھنے والے نہ پائیں گے گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔''

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو انتہائی سخت مار پیٹ کر ربذہ کی طرف نکال دیا تھا۔ [2] حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''اس کرۂ ارضی کے اوپر اور فلک نیلگوں کے نیچے ابوذر سے زیادہ سچا اور کوئی نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا: ''بیشک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ وہ میرے صحابہ میں سے چار افراد سے محبت کرتا ہے' اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں بھی ان سے محبت کروں۔'' آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ان چاروں کے سردار حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں؛ اور ان کے علاوہ سلیمان' مقداد

⇦⇦⇦ ۳۲۳ و ۳۲۶، نیز ۵/۱۸۹)۔ عراک کی مروان سے روایت امام اہل مصر لیث بن سعد نے یزید بن حبیبہ سے ذکر کی ہے دیکھیں: مسند احمد (٤/ ٣٢٨) عبداللہ بن شداد کی مروان سے روایت مسند احمد (٦/ ٣١٧ و ٣٢٣) پر موجود ہے۔ مروان کے رواۃ و تلامذہ میں امام یمن عبدالرزاق کا نام بھی شامل ہے جن پر شیعہ ہونے کا الزام ہے، جب مروان امام زین العابدین سے لے کر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی جیسے ائمہ حدیث کے نزدیک قابل اعتماد ہے تو ایک رافضی کا اسے موردِ طعن بنانا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے۔

[1] قبل ازیں اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے ذاتی مال سے یہ عطیہ جات دیا کرتے تھے۔

[2] یہ صاف جھوٹ ہے۔ مورخ ابن خلدون اپنی تاریخ ج2 ،صفحہ:۱۳۹ پر لکھتے ہیں: ''سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین عثمان سے مدینہ سے باہر جانے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ ابوذر نے کہا: ''مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور فرمایا تھا کہ جب مدینہ کی آبادی سَلع نامی مقام تک پہنچ جائے تو اس سے نکل جائیں۔'' چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اجازت دے دی تھی۔ (مستدرك حاكم (٣/ ٣٤٣)، ابوذر رضی اللہ عنہ ربذہ نامی جگہ میں قیام پذیر ہوئے اور وہاں مسجد بنوائی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر کو اونٹوں کا ایک ریوڑ اور دو غلام عطا کیے تھے۔ ان کی تنخواہ بھی مقرر کردی تھی۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ مدینہ میں آیا جایا کرتے تھے، وہ جگہ جہاں وہ اقامت پذیر تھے مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھی۔ مشہور جغرافیہ دان یاقوت لکھتا ہے: ''مدینہ کے راستہ پر یہ بہترین جگہ تھی۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اور ابوذر رضی اللہ عنہم اجمعین۔''

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شرعی حدود کی پروا نہیں کی جاتی تھی۔ چنانچہ امیر المؤمنین کے آزاد کردہ غلام ہرمزان کے قصاص میں عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا تھا؛ حالانکہ وہ [ہرمزان] اسلام لا چکا تھا۔ امیر المؤمنین نے عبید اللہ کو قصاص کے لیے طلب کیا تھا۔ مگر وہ بھاگ کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا۔ ولید رضی اللہ عنہ جب شراب نوشی کا مرتکب ہوا تو عثمان رضی اللہ عنہ اس پر حد نہیں لگانا چاہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حد شرعی قائم کی اور فرمایا: ''میری موجودگی میں شرعی حدود کو پامال نہیں کیا جا سکتا۔'' جمعہ کے دن ایک اذان کا اضافہ کیا جو کہ بدعت ہے۔ اور اسے آج تک سنت سمجھا جاتا ہے۔

تمام مسلمانوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور اس کے کاموں پر تنقید کی۔ یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا گیا۔ لوگ آپ کے کرتوتوں پر عیب جوئی کیا کرتے تھے۔ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا تھا آپ نے بدر میں شرکت نہ کی۔ اور غزوۂ احد کے دن بھاگ گئے۔ بیعت الرضوان میں بھی شامل نہ ہوئے۔[1] خلاصہ یہ کہ ایسے واقعات لاتعداد ہیں۔'' (شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا)

---

[1] سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بیعت الرضوان میں اس لیے شرکت نہ کر سکے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قریش مکہ کی طرف سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارت کا منصب پہلے سیدنا عمر کو پیش کیا انھوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! مکہ میں میرے قبیلہ کا ایک آدمی بھی نہیں جو میری حفاظت کر سکے۔ میں آپ کو ایک شخص بتاتا ہوں جو اس مقصد کے لیے مجھ سے زیادہ موزوں ہے...... وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہے'' ...... چنانچہ آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس خدمت پر مامور کیا۔ اگر مسلمانوں میں کوئی اور شخص ہوتا جو وادی مکہ میں زیادہ پر قوت و شوکت ہوتا تو آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جگہ اسے اس کام پر مامور فرماتے۔ (صحیح بخاری ، حوالہ سابق سیرۃ ابن ھشام (ص: ۵۰۲۔ ۵۰۳)

تاریخ اسلام کی اس اوّلین سفارت کے جرم میں عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں چند روز محبوس رہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے ہیں۔ نبی کریم نے سیدنا عثمان کا قصاص لینے کے لیے صحابہ سے بیعت رضوان لی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیعت رضوان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت وفضیلت کا بین ثبوت ہے۔ عظمت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوگی کہ آپ کا انتقام لینے کے لیے اسلام کی پوری قوت و شوکت سید الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قیادت اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس داماد سے کتنی گہری الفت ومحبت رکھتے تھے۔

جب سب صحابہ عقد بیعت کے لیے جمع ہو گئے تو اس آخری لمحہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ عثمان رضی اللہ عنہ بخیر و عافیت ہیں۔ تاہم آپ نے بیعت کے معاملہ کو تشنۂ تکمیل چھوڑنا مناسب خیال نہ کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دہرا شرف یہ حاصل ہوا کہ بیعت کرتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی جگہ کام کیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا اور کہا: ''یہ عثمان کا ہاتھ ہے'' پھر اسے دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا: ''یہ بیعت عثمان کے لیے ہے۔'' صحیح بخاری، حوالہ سابق۔ مقام افسوس ہے کہ شیعہ تاریخ اسلام کی اس عظیم مدح و ثنا کو نقص وعیب پر محمول کرتے ہیں، رفض کی اصل حقیقت یہی ہے، اگر وہ یوں نہ کرتے تو رافضی نہ کہلاتے۔ یہ بیعت اتنی اہم تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قیادت اسلام کی پوری قوت اٹھ کھڑی ہوئی اور اسی سابقہ بیعت نے صحابہ کرام کو شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر قصاص کا مطالبہ کرنے پر مجبور کر دیا ورنہ انھیں سیدنا علی سے کوئی عناد نہ تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

[سلسلہ جوابات]:

❀ شیعہ مصنف کے وارد کردہ جملہ اعتراضات کا جواب علی الترتیب یہ ہے کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمال و حکام نے ان سے خیانت کی اور ان کی نافرمانی کا ارتکاب کیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نائبین اس ضمن میں ان سے دو قدم آگے ہی تھے ۔لوگوں نے اس مسئلہ پر مستقل کتابیں لکھی ہیں کہ جن لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا نائب مقرر کیا تھا مگر انہوں نے مال لے لیا اور آپ کے ساتھ خیانت کی ۔اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل عبید اللہ بن زیاد کے والد زیاد بن ابی سفیان کو والی مقرر کیا تھا۔ آپ نے اشتر نخعی اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کو بھی حاکم مقرر کیا تھا۔ حالانکہ کسی بھی عاقل کو اس بات میں ذرا بھر بھی شک نہیں ہوسکتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان سب سے بہتر تھے۔

یہ امر باعث حیرت ہے کہ شیعہ جس امر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہدف ملامت بناتے ہیں اسی بات کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سبقت لے گئے تھے۔ مثلاً شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے قرابت داروں اور بنو امیہ کو مناصب جلیلہ پر فائز کیا تھا۔ دوسری جانب یہ بات بھی معلوم شدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے والد اور والدہ کی جانب سے اپنے قرابت داروں کو حاکم و والی مقرر کیا۔ مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹوں عبداللہ اور عبید اللہ بن عباس کو والی مقرر کیا۔ عبید اللہ بن عباس کو یمن پر والی مقرر کیا۔ قُثَم بن عباس رضی اللہ عنہ مکہ اور طائف پر والی بنایا۔ مدینہ پر سہل بن حنیف کو اور کہا جاتا ہے کہ ثمامہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو والی بنایا۔ جب کہ بصرہ پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔[یہ سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے]۔اور اپنے لے پالک محمد بن ابی بکر کو والی مصر مقرر کیا جو آپ کا تربیت کردہ تھا۔[کیوں کہ حضرت صدیق اعظم رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ساتھ نکاح کر لیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ہمشیرہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے بیٹے جعدہ بن ابی ہبیرہ کو خراسان کا والی مقرر کیا تھا]۔

امامیہ کا دعویٰ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کو؛ اور پھر ان کی اولاد کو اور پھر ان کی اولاد [یعنی پوتوں پڑپوتوں اور لکڑ پوتوں کو] صراحۃً والی و امیر مقرر کیا تھا۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اگر اقارب کو عہدے تفویض کرنا جرم ہے تو ان کو بعض علاقوں کی ولایت کی نسبت سے خلافت عظمی پر فائز کرنا جرم عظیم ہے۔ نیز یہ کہ چچا زاد بھائیوں کی نسبت اولاد کی اولاد کو والی مقرر کرنا مذموم تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کرام رحمہم اللہ کے ایک قول کے مطابق جو وکیل [ایجنٹ] یا ولی اپنی ذات کے لیے لین دین کرنے کا مجاز نہ ہو' وہ اپنی اولاد کے لیے بھی لین دین نہیں کرسکتا۔ اور ایک قول کے مطابق جس انسان نے وکیل کو کچھ مال دیا ہو کہ وہ جسے چاہے نواز دے؛ وہ اس میں سے نہ ہی خود کچھ رکھ سکتا ہے اور نہ ہی اپنی اولاد کو دے سکتا ہے۔

ایسے ہی خلافت کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ کیا خلیفہ اپنی اولاد کے لیے وصیت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ باپ کی گواہی بیٹے کے حق میں ناقابل اعتماد ہے؛ اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔ جب کہ اپنے چچا زادوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بارے میں یہ گواہی رد نہیں کی جاسکتی۔اسی طرح دیگر احکام میں بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

''تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کے لیے ہو۔'' ❶

نیز رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

''کسی بھی ہبہ کرنے والے کو اپنے ہبہ میں رجوع کرنے کا اختیار نہیں سوائے والد کے ؛ وہ اپنے بیٹے کو کیئے گئے ہبہ میں رجوع کرسکتا ہے۔'' ❷

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ کی شان میں شیعہ کا غلو:

اگر شیعہ کہے کہ:''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نص کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: اولاً: ہمارا اعتقاد ہے کہ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہیں ایسے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ راشد ہیں۔لیکن اس سے قبل کہ ہم ان میں سے ہر ایک کے اعمال و افعال پر اس کی دلیل کو جانیں؛ یہ جاننا ضروری ہے کہ [ایسے مسائل میں بحث کرنے سے] جو تہمتیں اور بدگمانیاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق پیدا ہوتی ہیں وہ ان تہمتوں سے بہت بڑھ کر ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق پیدا ہوتی ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ:''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس [اپنے افعال واعمال پر] دلیل وحجت موجود ہے۔''

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ معصوم ہونے کے باوجود اس اقارب نوازی کا ارتکاب کر سکتے ہیں اور کسی شخص کو بنا برعصمت آپ پر حرف گیری کی مجال نہیں ہے۔تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدافعت اس دعویٰ سے ممکن ہے کہ آپ ایک مجتہد تھے۔لہٰذا یہ اموران سے اجتہادی غلطی کی بنا پر صادر ہوئے۔ ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ عقل ونقل سے زیادہ میل کھاتا ہے۔

شیعہ کی بڑی مشکل یہ ہے کہ: جب ایسے اشخاص کا تذکرہ کرتے ہیں جن میں سے بعض لوگ صحیح منقول اور صریح معقول دلائل کی روشنی میں دوسرے بعض افراد سے افضل واکمل ہوتے ہیں؛ مگر یہ لوگ فاضل کو قابل مذمت ٹھہراتے ہوئے اس پر قدح اور طعن کرنا شروع کردیتے ہیں؛ اور مفضول کو معصوم اور قابل مدح وتعریف ٹھہراتے ہیں۔ان کا یہ فعل

❶ [رواہ ابـن ماجة ٢/ ٧٦٩ ؛ كتاب التجارات ، باب ما للرجل من مال ولده (وجاء في التعليق: في الزوائد: إسناده صحيح ورجاله ثقات على شرط البخاري ، أوورد الهيثمي الحديث في كتاب البيوع في باب مال الولد 4/154 ؛ من عدة طرق وبألفاظ متقارب وتكلم عليه ، وقال السيوطي في الجامع الصغير عن الحديث: إن ابن ماجه رواه عن جابر ، وإن الطبراني رواه عن سمرة وابن مسعود ، وصحح الألباني الحديث في صحيح الجامع الصغير ، 2/25 وتكلم كلاما مفصلا على طرقه وألفاظه في إروا الغليل 330 - 3/323 رقم 838۔

❷ في سنن أبي داؤد 3/394؛ كتاب البيوع والإجارات ، باب الرجوع في الهبة؛ سنن الترمذي 3/299؛ كتاب الولاء والهبة ، باب ما جاء في كراهية الرجوع في الهبة وقال الترمذي: وهذا حديث حسن صحيح ، سنن النسائي 6/222؛ كتاب الهبة ، باب رجوع الوالد فيما يعطي ولده ، المسند ط۔ المعارف الأرقام 2119، 4810، 5493 وصحح أحمد شاكر رحمه الله الحديث۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بالکل نصاریٰ کے فعل کی جنس سے ہے ۔ نصاری جب ان انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت سے نوازا ہے ۔تو مفضول نبی کو خدا بنالیتے ہیں اور فاضل نبی کو حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں سے بھی پیچھے کردیتے ہیں۔ ایسا کرنے سے حقائق بالکل الٹ جاتے ہیں۔اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوارین کو جو کہ نبی نہیں ہیں ؛ خطاؤوں سے معصوم مانتے ہیں؛ اور اس کے ساتھ ہی حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں توہین و تنقیص اور گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

یہ بات معلوم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت سارے دلائل کی روشنی میں حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت افضل ہیں ۔ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آپ سے افضل ہیں ۔تو پھر کیسے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو محمد اور ابراہیم علیہم الصلوات والسلام سے افضل ٹھہراتے ہیں؟

یہ سب کچھ اس جہالت اور غلو کا آئینہ دار ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ارشادِ الٰہی ہے :

﴿یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ﴾ [النساء ۱۷۱]

’’اے اہل کتاب اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر بجز حق کے کچھ نہ کہو، بیشک مسیح عیسی بن مریم (علیہ السلام) تو صرف اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ (کن سے پیدا شدہ) ہیں جسے مریم رضی اللہ عنہا کی طرف القاء کر دیا گیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہیں۔‘‘

یہی حال اس امت میں رافضیوں کا ہے؛ یہ بھی انتہائی سخت غلو کا شکار ہیں ۔ان میں بھی ایسے لوگ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رب مانتے ہیں۔ یہ لوگ عیسائیوں سے بھی برے ہیں۔اور پھر ان میں سے بعض شیعہ ایسے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی مانتے ہیں۔اور جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کو مانتا ہے وہ مسیلمہ کذاب کے اور دوسرے جھوٹے انبیاء کے پیروکاروں سے مشابہت رکھتا ہے۔ بیشک حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تمام قسم کے دعووں سے [اس طرح] بری ہیں [جس طرح بھیڑیا حضرت یوسف علیہ السلام کے خون سے بری تھا]۔بخلاف ان لوگوں کے جو اپنے لیے خود نبوت کا دعوی کرتے ہیں جیسے مسیلمہ کذاب اور دوسرے لوگ [اصل میں یہ خود حقیقی مجرم ہیں]۔

شیعہ کا نص اور عصمت کا دعوی اور اس پر رد:

امامیہ دعوی کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت نص سے ثابت ہے ۔ نیز آپ اور آپ کی بہت ساری اولاد معصوم تھے اور لوگوں نے آپ پر ظلم کیا اور آپ کا حق غصب کیا۔

معصوم ہونے کا دعوی بھی نبوت کے دعوی کی طرح ہے۔اس لیے کہ معصوم جو کچھ بھی کہتا ہے اس میں اس کی اتباع واجب ہوتی ہے۔اور کسی چیز میں بھی اس کی مخالفت کرنا ہرگز جائز نہیں ہوتی۔ یہ بات تو صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہی خاص ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیا ہے کہ جو کچھ بھی انبیاء پر نازل ہوا ہے' اس پر ایمان لائیں ؛ اللہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ [البقرة ۱۳۶]

''اے مسلمانو! تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس چیز پر بھی جو ابراہیم، اسماعیل اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے انبیا علیہم السلام کو دیئے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے، ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان چیزوں پر ایمان لائیں جن سے انبیاء کرام کو نوازا گیا تھا۔اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾

[البقرة ۲۸۵]

''رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اترے اور مومن بھی ایمان لائے یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ﴾ [البقرة ۱۷۷]

''لیکن نیکی یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو۔''

انبیاء کرام علیہم السلام کے لائے ہوئے پیام پر ایمان لانے اور اس کا اپنی زبان سے اقرار کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ یہ ان امور میں سے ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ: تمام انبیاء کرام پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور جو کوئی کسی ایک نبی کا انکار کرتا ہے گویا کہ وہ تمام انبیاء کا انکار کرتا ہے۔ اور جو کوئی کسی نبی کو گالی دیتا ہے تو بالاتفاق اس کو قتل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

یہ حکم انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے نہیں ہے۔ بھلے کسی کو امام کا خطاب دیا جائے یا ولی یا حکیم ہونے کا یا عالم کہا جائے؛ یا اس طرح کا کوئی دوسرا نام دیا جائے [مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی دوسرے کے لیے یہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

خصوصیت نہیں ہے سوائے انبیاء کے]۔ پس جو کوئی انبیاء کرام کے بعد کسی کو معصوم مانتا ہے کہ اس کے ہر قول پر ایمان لانا واجب ہے' تو یقیناً وہ اسے نبوت کے معانی دیتا ہے اگر چہ وہ الفاظ میں اسے نبی نہ بھی کہے۔

ایسے آدمی سے کہا جائے گا کہ: اس معصوم اور بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام جو کہ شریعت موسوی [تورات] کی اتباع کے لیے مامور تھے؛ ان کے مابین کون سا فرق باقی رہ گیا؟

بہت سارے گمراہ صوفی بھی اپنے مشائخ کے متعلق اس قسم کا اعتقاد رکھتے ہیں۔لیکن وہ کہتے ہیں: شیخ گناہ سے محفوظ ہے۔اور یہ صوفیا اپنے شیخ کے ہر حکم میں اس کی اتباع کا حکم دیتے ہیں؛ کسی بھی چیز میں شیخ کی مخالفت نہیں کی جاسکتی۔ یہ بھی رافضیوں؛ اسماعیلیوں اور عیسائیوں کی مانند غلو ہے۔ جو اپنے ائمہ کے متعلق دعوی کرتے ہیں کہ ان کے امام معصوم ہیں۔

ابن تومرت جس نے مہدی ہونے کا دعوی کیا تھا؛ اس کے ساتھی بھی یہی دعوی کرتے ہیں کہ ابن تومرت معصوم ہے۔ وہ اپنے جمعہ کے خطبہ میں یوں کہا کرتے تھے: ''امام معصوم اور مہدی معلوم۔''

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بہت سارے ان لوگوں کو قتل کر دیا تھا جو ابن تومرت کو معصوم نہیں مانتے تھے۔ یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ یہ تمام اقوال وعقائد کتاب وسنت اور اجماع امت اور [ائمہ سلف وخلف کے اقوال] کی روشنی میں اسلام کے خلاف ہیں۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [النساء ۵۹]

''فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول اللہ ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز پر اختلاف کرو تو اسے لوٹا، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول ﷺ کی طرف۔''

آیت مبارکہ میں اختلاف کے وقت ہمیں صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس جو انسان رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو معصوم مانتا ہے؛ وہ حقیقت میں اس کی طرف رجوع کرنے کو واجب ٹھہراتا ہے۔اس لیے کہ وہ یہ بات کہنا چاہتا ہے کہ اس معصوم کے پاس رسول کی طرح حق کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ عقیدہ ونظریہ قرآن کے صریح خلاف ہے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معصوم کی اطاعت مطلق طور پر بغیر کسی قید کے واجب ہوتی ہے۔ اور اس کا مخالف وعید کا مستحق ہوتا ہے۔جب کہ قرآن اس وصف کو صرف رسول کے ساتھ خاص مانتا ہے۔[اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے]۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا﴾ [النساء ٦٩]

''اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ [الجن ۲۳]

''جو بھی اللہ اوراس کے رسول کی نہ مانے بیشک اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

قرآن نے کئی ایک جگہ پر یہ بات دلائل کے ساتھ واضح کی ہے کہ جو کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرے گا اس کا شمار اہل سعادت میں سے ہوگا؛ اس میں کسی اور معصوم کی اطاعت کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی۔

جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرے گا وہ وعید کا مستحق ٹھہرے گا۔ بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کوئی انسان کسی کی اطاعت اس لیے کرتا ہے کہ وہ اسے معصوم خیال کرتا ہے۔ مگر پھر بھی [یہ معلوم ہونا چاہیے کہ] رسول اللہ ﷺ ہی وہ ہستی ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت اور اہل جہنم ؛ نیکو کار اور بدکردار؛ حق اور باطل ؛ کامیابی اور ناکامی ؛ سرکشی اور اطاعت وفرمانبرداری اور گمراہی اور ہدایت کے مابین تفریق کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو قاسم [تقسیم کرنے والا] بنایا تھا۔ آپ کے ذریعہ لوگوں کو دو گروہوں نیک بخت اور بد بخت میں تقسیم کردیا تھا۔ جن لوگوں نے آپ کی اطاعت کی وہ نیک بخت ٹھہرے؛ اور جن لوگوں نے آپ کی نافرمانی اور مخالفت کی وہ بدبخت قرار پائے۔ یہ مرتبہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی بھی دوسرے انسان کو حاصل نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل علم - اہل کتاب وسنت - کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ جتنے بھی لوگ ہیں ؛ ہر ایک کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے ؛ مگر رسول للہ ﷺ کی بات صرف قبول ہی کی جاسکتی ہے۔ آپ ﷺ کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق کرنا اور آپ کے ہر ایک حکم کی تعمیل کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ آپ ہی وہ معصوم ہستی ہیں جو اپنی مرضی سے بات تک نہیں کرتے ۔ بلکہ آپ جو کچھ بھی ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتا ہے۔ اور روزِ قیامت لوگوں سے آپ ہی کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [الأعراف ٦]

''پھر ہم ان سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے اور ہم پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔''

آپ ہی وہ ہستی ہیں جن کی بابت قبروں میں لوگوں سے امتحان ہوگا۔ مردوں سے پوچھا جائے گا:

............تمہارا رب کون ہے؟ ....تمہارا دین کیا ہے؟

............اور تمہارا نبی کون ہے؟

کہا جائے گا: ''اس آدمی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو جو تم میں مبعوث کیا گیا تھا؟

پس اللہ تعالیٰ ایمان والے کو ثابت قدم رکھے گا؛ اور وہ کہے گا: ''وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ آپ ہمارے پاس واضح دلائل اور ہدایت کی باتیں لیکر آئے۔ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی اتباع کی۔''

اگر کوئی انسان رسول اللہ ﷺ کی بجائے صحابہ؛ ائمہ؛ تابعین اور علماء میں سے کسی کا نام لے گا تو اسے اس کا کچھ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

بھی فائدہ نہ ہوگا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے انسان کے متعلق قبر میں امتحان نہیں ہوگا۔

یہاں پر یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منکرات کے بارے میں جو جواب یا عذر پیش کیا جائے گا اس سے بڑا عذر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں موجود ہے۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت اور ولایت کے لیے لوگوں سے جنگ کی جس میں خلق خدا کی بہت بڑی تعداد قتل ہوئی۔ آپ کی خلافت کے دوران مسلمانوں کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوسکا۔ نہ ہی کفار سے جہاد جاری رہا؛ اور نہ ہی مزید کوئی شہر فتح ہوا۔ اور نہ ہی مسلمانوں کو کوئی بڑی خیر نصیب ہوئی۔ اور آپ نے اپنے اقارب میں سے کئی لوگوں کو والی یا گورنر بنایا۔ اقارب کو ولایات پر مامور کرنے کا اقدام مشترکہ ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نائبین بہت ہی اطاعت گزار تھے۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نائبین اطاعت سے بہت دور اور شر کے زیادہ قریب تھے۔

جب کہ اموال کے تقسیم کرنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسے ہی متاول تھے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کا خون بہانے میں۔ حالانکہ خون کا معاملہ مال کی نسبت زیادہ سخت اور خطرناک ہوتا ہے۔

دوسری بات:......ان سے کہا جائے گا کہ: جس نص کا آپ دعوی کرتے ہیں؛ تمہارا آپس میں اس نص کے بارے میں اتنا اختلاف ہے جس سے وجوباً علم ضروری حاصل ہوتا ہے کہ یہ نص تمہارے ہاں قابل اعتماد نہیں ہے۔ بلکہ تم میں سے ہر ایک گروہ جیسے چاہتا ہے ویسی روایات گھڑ لیتا ہے۔

جمہور مسلمین کہتے ہیں: ہم یقینی ہی نہیں بلکہ ضروری طور پر جانتے ہیں کہ یہ نصوص جھوٹی ہیں۔ یہ بات ہم نے کئی جگہ پر واضح کی ہے۔ [یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر یہ جو الزامات لگائے جارہے ہیں سب جھوٹ ہیں]۔

تیسری بات:......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حجت دوسرے لوگوں پر غالب ہی رہے گی؛ اس لیے کہ آپ کے متعلق یہ عذر بھی صحیح ہے کہ بنو امیہ کو عہدہ ہائے جلیلہ عطا کرنے میں ان کے سامنے اسوۂ نبوی موجود تھا۔ اور نبی کریم ﷺ کے بعد ان لوگوں نے بھی امویوں کو عہدوں پر تعینات کیا جن پر قرابت کا الزام بھی نہیں لگایا جاسکتا؛ ان میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔ عرب قبائل میں سے کوئی بھی قبیلہ ایسا نہیں جس میں بنو عبدالشمس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کے عمال کی تعداد زیادہ ہو۔ اس کی وجہ ہے کہ:

۱۔ بنو عبد شمس تعداد میں زیادہ تھے۔

۲۔ ان میں سیادت وقیات اور شرف کا عنصر موجود تھا۔

سرور کائنات ﷺ نے اسلام کے غلبہ اور عزت کے دور میں:

۱۔ عتاب بن اُسید بن ابوالعیص بن امیہ اموی رضی اللہ عنہ کو حاکم مکہ مقرر کیا؛ جو کہ روئے زمین کا سب سے محترم گوشہ ہے۔[1]

---

[1] سنن نسائی، کتاب الاذان، باب کیف الاذان (ح:۶۳۳)، سنن ابن ماجۃ۔ کتاب الاذان۔ باب الترجیع فی الاذان (ح: ۷۰۸) و کتاب التجارات، باب النهی عن بیع ما لیس عندك (ح:۲۱۸۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۔ اور ابوسفیان بن حرب بن امیہ اموی رضی اللہ عنہ کو نجران کا عامل مقرر فرمایا۔

۳۔ خالد بن سعید بن العاص اموی رضی اللہ عنہ کو صنعاء یمن اور بنی مذحج سے صدقات وصول کرنے پر عامل مقرر کیا تھا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اسی منصب پر فائز رہے۔

۴۔ حضرت عثمان بن سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ کو تیماء؛ خیبر؛ اورعرینہ کی بستیوں پر عامل مقرر فرمایا تھا۔

۵۔ ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو پہلے بعض سرایا پر امیر مقرر کیا اور پھر آپ کو بحرین کا والی مقرر کیا۔ آپ حضرت العلاء الحضرمی رضی اللہ عنہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اس منصب پر فائز رہے۔

۶۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ کو [بنی ابیرق کے صدقات وصول کرنے پر] عامل مقرر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ ﴾ [الحجرات ٦]

''تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچادو۔''

نظر بریں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں نے انہی افراد اور اسی جنس وقبیلہ کے لوگوں کو عہدے عطا کیے ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ بھی اسی ڈگر پر گامزن رہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فتوحات شام کے سلسلہ میں یزید بن ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس عہدہ پر قائم رکھا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ منصب عطا کیا۔ بنو امیہ کو حاکم و عامل مقرر کرنے کی روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صرف ثابت ومشہور بلکہ اہل علم کے نزدیک متواتر کی حد تک معروف ہے۔ علماء یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں' ان میں سے کسی ایک نے اس کا انکار نہیں کیا۔

لہٰذا اس سے بنو امیہ کو عہدے عطا کرنے پر احتجاج کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کے مطابق اور ہر عاقل کے نزدیک خلافت کو بنی ہاشم کے ایک ہی فرد میں محدود کرنے کی نسبت اظہر ہے۔ کیوں کہ بنو ہاشم میں مناصب جلیلہ کو محدود کرنے کا دعویٰ باتفاق محدثین کذب و دروغ گوئی ہے اور بنو امیہ کو عہدے تفویض کرنے کی روایت بالاتفاق اہل علم والنقل صدق ہے۔ جہاں تک بنو ہاشم کو عامل و حاکم بنانے کا تعلق ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم مقرر کیا۔ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ اور عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہما کی معیت میں غزوہ موتہ کا سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔

دیکھ لیجیے! اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سالار لشکر بنا کر روانہ فرما رہے ہیں؛ حالانکہ آپ کا تعلق قبیلہ کلب سے تھا۔ اور ان کے ساتھ مأمورین میں جعفر بن ابو طالب ہیں [جو آپ کے چچازاد بھائی تھے] اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے ولایت طلب کی تھی؛ مگر آپ نے انہیں والی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

نہیں بنایا۔

بنی ہاشم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حمزہ؛ جعفر بن ابو طالب اور عبید بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہم اجمعین سے بڑھ کر کوئی بھی افضل نہیں تھا۔ عبید بن حارث بدر کے دن شہید ہوئے تھے۔ ایسے ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی کوئی ولایت عطا نہیں کی؛ اس لیے کہ آپ غزوہ احد میں شہید کردیئے گئے تھے۔

بعض ترک اوران کے مشائخ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق جو کچھ روایت کرتے ہیں؛ اور جو کچھ ان کے بارے میں ترکوں کے ہاں متداول ہے؛ جس میں آپ کی کئی جنگوں اور محاصروں کا ذکر ہے؛ یہ تمام جھوٹ اور من گھڑت ہے۔ یہ بالکل اسی جنس سے ہے جیسے جھوٹے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق من گھڑت جنگی کہانیاں مشہور کررکھی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ایسے جھوٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی گھڑے گئے ہیں۔ یہ تمام واقعات ابوالحسن البکری کی سیرت کی کتاب "أنوار التنقلات" میں بیان کیے گئے جھوٹ کی جنس سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اہل علم کے ہاں معروف ہیں۔ اوروہ ان واقعات کو ضبطِ تحریر میں لا چکے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعداد بیس سے زیادہ [ستائیس] ہے۔ لیکن ان میں سے صرف نو غزوات میں قتال کی نوبت آئی:

غزوہ بدر؛ غزوہ احد؛ خندق؛ بنی مصطلق؛ الغابہ؛ فتح خیبر؛ فتح مکہ؛ حنین اور طائف۔ طائف وہ آخری غزوہ ہے جس میں قتال تک نوبت پہنچی۔ اس کے بعد غزوہ تبوک کا واقعہ پیش آیا۔ یہ غزوہ تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ؛ اور تیاری کے لحاظ سے بڑا پر مشقت تھا۔ اسی غزوہ میں اللہ تعالیٰ نے سورت برأت [توبہ] نازل فرمائی۔ اس غزوہ میں بھی قتال تک نوبت نہیں پہنچی۔

جاہل حجاج تبوک کے محاصرہ کا جو ذکر کرتے ہیں' اس کی کوئی اصل نہیں۔ تبوک میں نہ ہی کوئی قلعہ تھا اور نہ ہی قتال ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس روز تک وہاں قیام کیا اور پھر واپس مدینہ تشریف لائے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اپنی زندگی میں بنی ہاشم میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد افضل انسان تھے۔ مگر اس کے باوجود آپ نے قبیلہ کلب کے ایک آدمی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آپ پر امیر بنایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقدیم فضیلتِ ایمان؛ تقوی اور بعض دوسرے امور مصلح کی وجہ سے ہوتی ہے نسب کی وجہ سے نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقارب پر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو مقدم رکھا کرتے تھے۔ بلا شک وشبہ آپ اللہ کے رسول تھے اور اللہ کے حکم کے مطابق ہی حکم دیا کرتے تھے۔ آپ ان بادشاہوں میں سے نہیں تھے جو اپنی خواہشات کی وجہ سے اپنے عزیز واقارب اور دوست واحباب کو مقدم کرتے ہوں۔ یہی حال حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا بھی تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جو حاکم اپنی قرابت یا دوستی کی وجہ سے کسی کو تعینات کرے؛ حالانکہ مسلمانوں میں اس سے بہتر لوگ موجود ہوں؛ تو یقیناً اس نے اللہ اور اس کے رسول سے اور مؤمنین سے خیانت کی۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فصل:......[نبی کریم ﷺ کے بعد معصوم ہونے کا اعتقاد؟]

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کے بھی معصوم ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ بلکہ خلفاء اور غیر خلفاء سب سے غلطی ہونے کا امکان موجود ہے۔اور ان لوگوں سے جو گناہ واقع ہوتے ہیں؛ بسا اوقات وہ ان سے توبہ کر لیتے ہیں۔ اور کبھی نیکیوں کی بہتات کی وجہ سے ان کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔اور کبھی اللہ تعالیٰ انہیں مصائب میں مبتلا کردیتے ہیں؛ اور وہ مصائب ان کے لیے گناہوں کا کفارہ ہوجاتے ہیں۔اور کبھی ان کے علاوہ کسی دوسرے سبب کی بنا پر ان کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

[ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معصوم ہونے کے مدعی نہیں ہیں لیکن] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو کچھ بھی منقول ہے؛ وہ زیادہ سے زیادہ خطأ یا گناہ ہوسکتا ہے۔اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے اتنے اسباب مغفرت موجود ہیں [جن کی وجہ سے ان کے گناہ معاف ہوگئے ہوں گے۔ان اسباب میں سے:]

آپ کو ایمان لانے میں سبقت حاصل ہے۔آپ نے جہاد میں حصہ لیا اور ان کے علاوہ دیگر اطاعت کے کام بھی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے آپ کو ایک بلوہ کی وجہ سے جنت کا مژدہ بھی سنایا تھا۔نیز یہ کہ عام طور پر آپ کے بارے میں جن باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے' آپ نے ان سے توبہ کرلی تھی۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بہت بڑی آزمائش سے دوچار کیا۔اس کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے گناہ معاف کردیئے۔آپ نے آزمائش کی گھڑی میں صبر کیا یہاں تک کہ مظلومیت کی حالت میں شہید کردیئے گئے؛ یہ سب سے بڑی اور اہم ترین وجہ ہے جو اللہ کے ہاں گناہوں کا کفارہ ہوسکتی ہے۔

ایسے ہی خوارج یا کچھ دوسرے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جن چیزوں کا انکار کرتے ہیں ان کی آخری حد یہ ہوسکتی ہے کہ یہ امور گناہ یا خطاء ہوں۔اور آپ کے لیے بھی ایسے ہی بہت سارے اسباب مغفرت موجود ہیں۔ان میں سے یہ بھی ہے کہ: آپ کو ایمان لانے میں سبقت حاصل ہے۔آپ نے جہاد میں حصہ لیا۔اور ان کے علاوہ دیگر بھی اطاعت کے کام ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے آپ کو جنت کا مژدہ بھی سنایا تھا۔نیز یہ کہ عام طور پر آپ کے بارے میں جن باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے' آپ نے ان میں سے بہت سارے امور سے توبہ کرلی تھی؛ اور آپ ان امور کے سرزد ہوجانے پر نادم و پشیمان تھے۔اور آخر کار آپ کو شہید کردیا گیا۔

یہ قاعدہ کلیہ ہمیں اس بات سے بے نیاز کردیتا ہے کہ ہم ان میں سے کسی ایک کے فعل کو بغیر کسی ضرورت کے واجب یا پھر مستحب شمار کرنے لگ جائیں۔

اس باب میں منحرف ہوجانے والے لوگوں کے دو گروہ ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۔ قادحون: [طعن وتشنیع اور جرح وقدح کرنے والے] جو کسی بنا پر ایسے افراد پر قدح کرتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے مغفرت کردی ہے۔ یہ اتنی جفا پر اتر آتے ہیں کہ ایک گناہ کو بھی ساری نیکیوں کو ختم کرنے والا عمل شمار کرتے ہیں۔

۲۔ مادحون: [بے جا تعریف کرنے والے]: وہ لوگ ہیں جو امور مغفورہ کو سعی مشکور کے باب میں سے شمار کرتے ہیں۔ یہ لوگ کسی انسان کی مدح سرائی میں اتنے رطب اللسان ہو جاتے ہیں اور اس کی شان میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ اس کی برائیوں کو بھی نیکیاں شمار کرنے لگتے ہیں۔

تمام مسلمانوں -حتی کہ خوارج - تک کا اجماع ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور بعض گناہ ایسے ہیں جو نیکیوں سے مٹ جاتے ہیں۔ اور کسی ایک کے لیے بھی یہ کہنا خارج از امکان ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کی تھی۔ یہ خارجیوں پر حجت ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے ہیں۔ اور ان شیعہ پر بھی حجت ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ پر طعن کرتے ہیں۔ اور ان نواصب پر بھی حجت ہے جو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں قدح کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک تو شیعان عثمان تھے جو کہ بنو امیہ اور دوسرے لوگ تھے۔ اور دوسرے آپ سے بغض ونفرت رکھنے والے جو کہ خوارج زیدیہ اور شیعہ امامیہ پر مشتمل تھے۔ لیکن شیعان عثمان شیعان علی کی نسبت غلو میں بہت کم تھے۔ ہمیں ان میں سی کسی ایک کے بارے میں بھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خدا یا نبی ہونے کا دعویدار ہو۔ اور نہ ہی ہمیں یہ بات معلوم ہو سکی ہے کہ کسی ایک نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی ایسا دعوی کیا ہو۔ لیکن ایسا ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں نے ایسے غلو کیا ہو جیسے مشائخ یا اکابرین کے بارے میں کیا جاتا ہے اور کسی کہ یہ ان کے متعلق حلول یا اتحاد یا عصمت کا عقیدہ ہو۔ اور وہ ان حضرات کے بارے میں ایسے ہی عقیدہ رکھتا ہو۔ مگر یہ چیز ان کے ساتھ خاص نہیں تھی۔

لیکن وہ شیعان عثمان رضی اللہ عنہ جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انحراف پایا جاتا تھا ان میں سے بہت سارے لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو خلیفہ بناتے ہیں تو اس کی نیکیوں کو قبول کرتے ہیں اور اس کی برائیوں سے درگزر کردیتے ہیں۔ اور یہ خلیفہ جو بھی حکم دے اس کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ بہت سارے عثمانی شیعہ اور ان کے علما کا یہ مذہب ہے۔

جب سلیمان بن عبدالملک نے حج کیا تو ابو حازم رحمہ اللہ کے ساتھ اس مسئلہ میں اس کی گفتگو ہوئی۔ تو ابو حازم رحمہ اللہ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ﴾ [ص ۲۶]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، سوتو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور خواہش کی پیروی نہ کر، ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے، اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے۔''

ابو حازم رحمہ اللہ نے جو سلیمان بن عبدالملک رحمہ اللہ کو نصیحت کی تھی وہ بہت ہی معروف ہے۔

پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ بنے تو انہوں نے عدل و انصاف اور سنت کو فروغ دیا؛ اور ان چیزوں کو ظاہر کیا جو کہ مخفی ہوگئی تھیں۔ پھر آپ کا انتقال ہوگیا تو یزید بن عبدالملک نے کوشش کی کہ وہ آپ سیرت پر عمل پیرا رہے۔ مگر اس کے پاس عثمانی شیعہ میں سے تقریباً بیس مشائخ حاضر ہوئے؛ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسمیں اٹھا کر کہا کہ خلیفہ کے نیک اعمال قبول کیے جاتے ہیں اور اس کی برائیوں سے درگزر کیا جاتا ہے۔ حتی کہ ان لوگوں نے اسے سیرت عمر بن عبدالعزیز پر عمل پیرا ہونے سے روک دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں حاکم کی مطلق اطاعت پائی جاتی تھی۔ ان لوگوں کی رائے یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حاکم کی اطاعت مطلق طور پر واجب کی ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ حاکم پر اس کی برائیوں کی وجہ سے گرفت نہیں کرے گا۔ اور ہمیں یہ بات معلوم نہیں ہوسکی کہ ان میں سے کوئی ایک ان کے معصوم ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو۔ بلکہ وہ کہا کرتے تھے کہ حکمرانوں کو گناہوں پر پکڑا نہیں جائے گا۔ گویا کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حکمرانوں کے نیک اعمال ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ کبیرہ گناہوں سے بچتے رہنے کی وجہ سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت معاویہ اور ان کے بعد آنے والے خلفاء بنی امیہ کا گناہوں پر محاسبہ نہیں ہوگا۔ تو پھر ان کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسلام میں سبقت کی فضیلت؛ عدل و انصاف اور حسن سیرت اور دوسرے فضائل اور خلفاء راشدین میں سے ہونے کی وجہ ان کے بارے میں ان کا کیا عقیدہ ہوگا؟

خوارج کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما دونوں کو کافر کہتے ہیں۔ وہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بطور خاص مذمت نہیں کرتے تھے۔ جب کہ شیعان علی میں سے بہت زیادہ یا ان کے اکثر لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مذمت کیا کرتے تھے۔ حتی کہ زیدیہ جو کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں؛ ان میں بھی ایسے لوگ بھی تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گالی دیتے اور ان کی مذمت کرتے تھے۔ اور ان میں سے جو اچھے لوگ ہیں وہ سکوت اختیار کرتے ہیں؛ نہ ہی آپ کے لیے رحمت کی دعاء کرتے ہیں اور نہ ہی آپ پر لعنت کرتے ہیں۔

شیعان عثمان میں ایسے لوگ تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دیا کرتے تھے؛ اور منبروں پر اس کا اعلانیہ ارتکاب کرتے تھے۔ اس کی وجہ حضرت علی اور ان لوگوں کے مابین ہونے والی جنگیں تھیں۔ اور اہل سنت والجماعت کے تمام گروہ ان پر رد کرتے تھے۔ ان میں ایسے بھی لوگ تھے جو نماز کو اس وقت سے دیر کر کے پڑھا کرتے تھے۔ اور جو لوگ سنت پر مضبوطی سے کاربند تھے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اور دوستی کا اظہار کیا کرتے تھے؛ اور نمازوں کے اوقات کی پابندی کیا کرتے تھے۔ حتی کہ عمرو بن مرۃ الجملی کو خواب میں دیکھا گیا؛ آپ اہل کوفہ کے بہترین لوگوں میں سے تھے؛ اور امام سفیان ثوری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے اساتذہ میں سے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا: اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ تو فرمانے لگے: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اور نمازوں کے اوقات کی پابندی کی وجہ سے میری مغفرت کردی۔

شیعان علی نے دوسری جانب سخت غلو اختیار کیا۔ یہاں تک کہ وہ ہمیشہ کے لیے عصر کو اس کے وقت سے پہلے ظہر کی نماز کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں۔ اور عشاء کو اس کے وقت سے پہلے خاص مغرب کے وقت میں پڑھتے ہیں۔ وہ ہمیشہ کے لیے دونوں نمازوں کو پہلے وقت میں جمع اور تقدیم کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول سنت متواترہ کے خلاف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اسباب کی وجہ سے نمازوں کو جمع کیا کرتے تھے۔ خاص کر جب نمازوں کو پہلے وقت میں ادا کرنا ہوتا۔ ائمہ کرام سے جو تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ یہ ہے کہ آپ نے عرفات میں ایسے کیا تھا۔ اس کے علاوہ دیگر مقامات پر آپ نے جو ایسے کیا ہے؛ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ لیکن اس میں کوئی خلاف نہیں ہے کہ آپ ہمیشہ ایسا نہیں کیا کرتے تھے؛ نہ ہی سفر میں اور نہ ہی حضر میں۔ بلکہ حجۃ الوداع میں بھی آپ نے صرف عرفات اور مزدلفہ میں نمازوں کو جمع کیا ہے۔ لیکن بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ نے غزوہ تبوک میں بھی نمازوں کو جمع کیا تھا۔ اور یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ آپ نے مدینہ میں بھی نمازیں جمع کی تھیں۔ لیکن یہ نادر ہے اور سبب کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ غالب طور پر آپ جمع نہیں کیا کرتے تھے۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے دو نمازوں کو جمع کرکے پڑھا جائے۔ وہ لوگ تو ظہر کی نماز کو عصر تک مؤخر کردیتے تھے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ عصر کی نماز میں تقدیم کرکے اسے ظہر کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جمع تاخیر جمع تقدیم سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ نماز اگر کوئی بھول جائے یا سویا رہے تو وہ بھی تو وقت گزرنے کے بعد پڑھتے ہیں۔ جب کہ زوال سے قبل کسی بھی صورت میں نہیں پڑھی جاسکتی۔

ایسے ہی آپ دیکھیں گے کہ ان لوگوں کی بدعات شیعان عثمان کی بدعات سے زیادہ بری ہیں۔ پرانے شیعہ میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے تعرض کرتا ہو۔ بلکہ یہ سبھی لوگ حضرات شیخین سے محبت کا دم بھرتے؛ ان کی بزرگی و عظمت کے بیان میں رطب اللسان رہتے تھے۔ اور ان میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر کہا ہو۔ جیسا کہ ان خوارج نے آپ کو کافر کہا تھا جو آپ کے ساتھیوں میں سے علیحدہ ہوگئے تھے۔ ان میں سے جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم و تعدی کے مرتکب ہوتے ہیں ان کی غایت یہ ہوسکتی ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ ظالم ہیں۔ اور وہ یہ کہتے تھے کہ آپ خلفائے راشدین میں سے نہیں ہیں۔ اور ایسی بعض چیزیں روایت کرتے تھے کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر تعاون کیا' اور آپ کو قتل کرنے کا مشورہ دیا؛ اور وہ اندر ہی اندر حضرت عثمان کے قتل میں شریک اور اس پر راضی تھے۔ [حقیقت یہ ہے کہ] یہ تمام باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کھلا ہوا بھیانک جھوٹ ہیں۔ آپ نے قسم اُٹھا کر ارشاد فرمایا تھا۔ اور آپ اپنی اس قسم میں بالکل صادق اور امین تھے۔ آپ نے فرمایا تھا: میں نے عثمان کو قتل نہیں کیا؛ اور نہ ہی آپ کو قتل کرنے کا مشورہ دیا؛ اور نہ ہی اس قتل پر راضی ہوا۔ اور آپ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر لعنت کیا کرتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اہل سنت والجماعت یہ بات آپ کے کہنے کے بغیر بھی جانتے ہیں۔ آپ اس بات سے عند اللہ سب سے زیادہ بچ کر رہنے والے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر معاونت کریں یا اس پر راضی رہیں۔

جو کچھ شیعان علی نے اپنی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں گھڑ لیا ہے؛ وہ اس سے زیادہ خطرناک ہے جو شیعان عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان میں سے بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے ہیں۔ جبکہ شیعان عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر نہیں کہتے۔ جو کوئی آپ کو کافر نہ کہے؛ گالی دے اور بغض رکھے؛ وہ اس سے بڑھ کر ہے جو کچھ شیعان عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے تھے۔

جب کہ اہل سنت حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما اور دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں اور ان سے دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ اور شیعیت اور دین میں تفرقہ پیدا کرنے والے ان تمام گروہوں سے برأت کا اظہار کرتے ہیں جو کسی ایک کی محبت کو واجب کہتے ہیں اور دوسرے صحابہ کرام سے دشمنی رکھتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے مابین یہ امر معلوم چلا آ رہا ہے کہ ان چاروں خلفاء کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی۔ اور ان کے علاوہ حضرت زبیر؛ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دیگر وہ صحابہ جنہیں جنت کی بشارت ملی ہے [وہ سب جنتی ہیں]۔ اس موضوع پر ہم نے اپنے مقام پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔ سلف میں سے ایک گروہ کا یہ بھی خیال تھا کہ جنتی ہونے کی گواہی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہی دی جا سکتی ہے۔ یہ قول محمد بن الحنفیہ؛ امام اوزاعی اور بعض دوسرے محدثین جیسے علی المدینی رحمہ اللہ کا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ: وہ صحابہ کرام [جن کے لیے جنت کی بشارت دی گئی ہے] وہ جنت میں ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ: ہم ان کے لیے جنت کی گواہی دیتے ہیں۔ حق بات تو یہ ہے کہ جیسے ہم نے اہل سنت والجماعت کے مذہب میں پایا ہے؛ ہم ان حضرات کے لیے اپنی زبانوں سے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبل اور علی المدینی کا مناظرہ بھی ہوا ہے۔ رحمہ اللہ۔

یہ بات ہمارے ہیں صادق الامین کی بتائی ہوئی خبر کی بنا پر معلوم ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے کوئی دوسرا موقع درکار ہے۔ یہاں پر ان امور کا تذکرہ مقصود ہے جن کی وجہ سے ان پر طعن کیا جا رہا ہے۔

ایک گروہ ان کی شان میں غلو کرتے ہوئے انہیں معصوم یا معصوموں جیسے قرار دیتے ہیں۔ اور کچھ نا کارہ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان حضرات پر بعض امور کی وجہ سے طعن و تشنیع کرتے ہیں اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ امور اگر سچے تھے تو تب بھی ان لوگوں کے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان امور کی وجہ سے ان حضرات سے کوئی مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ ان کے جتنے بھی وہ افعال ہیں جن پر لوگوں کو اعتراض ہے یا تو وہ خطأ ہیں۔ یا پھر اجتہادی امور ہیں۔ اگر انہیں خطاء بھی شمار کیا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ نے اس امت سے خطا پر مؤاخذہ ختم کر دیا ہے۔ جبکہ گناہ کے بخشے جانے کے کئی ایک اسباب ہیں جو کہ ان حضرات کے ہاں پائے جاتے تھے۔ ان اسباب کے دو اصول ہیں: خاص اور عام۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عام :...... عامۃ المسلمین میں سے کسی ایک شخص میں مخلوط اعمال جمع ہوتے ہیں۔ ایسے اعمال بھی ہوتے ہیں جن پر وہ ثواب کا مستحق ہے؛ اور ایسے اعمال بھی جن پر وہ سزا کا مستحق ہے۔ اس عموم میں صحابہ؛ تابعین اور مسلمان ائمہ سب لوگ شامل ہیں۔

اس مسئلہ میں اختلاف خوارج اور معتزلہ کے ساتھ ہے۔ وہ کہتے ہیں: آخرت میں لوگ دو ہی قسم کے ہیں:

۱۔ جنہیں ثواب دیا جائے گا۔

۲۔ جنہیں عذاب دیا جائے گا۔ اور جو کوئی جہنم میں داخل ہو گیا وہ کبھی بھی جہنم سے باہر نہیں آئے گا؛ نہ ہی کسی شفاعت کی بنا پر اور نہ ہی کسی اور بنا پر۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ: کبیرہ گناہ تمام نیکیوں کو ختم کر دیتے ہیں۔ اور ایسے انسان کے پاس ایمان نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

نبی کریم ﷺ سے مشہور اسناد کیساتھ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''کچھ لوگوں کو جل کر کوئلہ بن جانے کے بعد جہنم سے نکالا جائے گا اور ایسے ہی نبی کریم ﷺ کی اپنی امت کے کبیرہ گناہ والے لوگوں کے متعلق شفاعت کرنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے منقول احادیث اتنے بڑے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں کہ ایسا تواتر؛ چوری کے نصاب؛ زانی کے رجم؛ زکوۃ کے نصاب؛ وجوب شفعہ؛ دادا کی میراث اور ان جیسی دوسری احادیث کو نصیب نہیں ہوا۔ لیکن اس اصل کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کے لیے کوئی ضرورت نہیں ہے جنہیں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا تھا؛ اور وہ آخرت میں انہیں کوئی سزا نہیں دے گا۔ بلکہ ہم یہ بھی گواہی دیتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ جنتی ہیں۔ اور بیعت رضوان کرنے والے جنتی ہیں۔ اہل بدر جنتی ہیں۔ جیسا کہ صادق و مصدوق رسول اکرم ﷺ؛ جو کہ وحی کے بغیر اپنی زبان سے بات تک نہیں کرتے؛ بلکہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی ہوتا ہے؛ آپ سے یہ روایات ثابت ہیں۔

[جب مسلمانوں میں فتنہ پیدا ہوا تو] جن لوگوں کے لیے جنت کی گواہی دی گئی ہے؛ ان میں سے بھی کئی حضرات اس فتنہ میں داخل ہو گئے۔ جس نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا؛ اس کا نام ابو غادیہ تھا؛ یہ بھی بیعت رضوان میں شرکت کرنے والے صحابی تھے۔ ابن حزم نے یقین کے ساتھ دو ٹوک طور پر آپ کا نام لیا ہے۔

ہم حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں؛ اور آپ کا قاتل اگر واقعی بیعت رضوان والوں میں سے تھا تو اس کے لیے بھی جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ جب کہ حضرت عثمان؛ حضرت علی حضرت طلحہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین کی قدر و منزلت تو دوسرے حضرات کی نسبت بہت ہی بلند ہے۔ اگر ان سے کچھ بھی ہو گیا ہوتا تب بھی ہم یہ نہیں کہتے کہ ان میں سے کوئی ایک گناہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک سے کوئی گناہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں عذاب نہیں دیں گے۔ اور نہ ہی انہیں جہنم میں داخل کرے گا۔ بلکہ ہم بغیر کسی شک و شبہ کے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرے گا۔ آخرت کی سزا ان سے کئی اسباب کی بنا پر ختم ہو سکتی ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۔ توبہ کرنے کی وجہ سے۔

۲۔ ان کی نیکیوں کی کثرت کی وجہ سے۔

۳۔ دنیا میں پیش آنے والے ان مصائب کی وجہ سے جو گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ان کے علاوہ بھی کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔اس موضع پر ہم تفصیل سے کلام کر چکے ہیں۔

[گناہ اور اسبابِ مغفرت]:

اس میں کوئی شک نہیں کہ مطلق طور پر مؤمنین کے گناہ ان کے لیے عذاب کا سبب بنتے ہیں؛ لیکن آخرت میں تقریباً دس اسباب کی بنا پر سزا کو ختم کردیا جاتا ہے۔

پہلا سبب توبہ: بیشک گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔اور ہر گناہ جیسے کفر؛ فسق، نافرمانی وغیرہ سے توبہ قبول کی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ [الأنفال ۳۸]

''آپ کافروں سے کہہ دیں اگر وہ باز آ جائیں تو ان کے سابقہ گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ [التوبة ۱۱]

''پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو دین میں تمھارے بھائی ہیں۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [المائدة ۷۳۔۷۴]

''بلاشبہ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ کوئی بھی معبود نہیں مگر ایک معبود، اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو یقیناً ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انھیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔تو کیا وہ اللہ کی طرف توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے، اور اللہ بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ﴾ [البروج ۱۰]

''یقیناً وہ لوگ جنھوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آزمائش میں ڈالا، پھر انھوں نے توبہ نہیں کی تو ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے لیے جہنم کا عذاب ہے اوران کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔''

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کرم گستری اور نوازش کو دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور دوستوں کو امتحان میں ڈالا اور انہیں آگ کا عذاب دیا۔مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

توبہ ہر مؤمن انسان کے لیے عام ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا o لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾

[الأحزاب ۷۲،۷۳]

''بے شک ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا، بلاشبہ وہ ہمیشہ سے بہت ظالم، بہت جاہل ہے۔تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور (تاکہ) اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول کرے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں انبیائے کرام علیہم السلام کی توبہ کے بارے میں خبر دی ہے۔جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ [البقرۃ ۳۷]

''پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے،تو اس نے اس کی توبہ قبول کر لی، یقیناً وہی ہے جو بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ o رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ [البقرۃ ۱۲۷،۱۲۸]

''اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔اے ہمارے رب! اور ہمیں اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہمیں ہمارے عبادت کے طریقے دکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو ہی نہایت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ o وَ اكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

﴿وَّ فِی الۡاٰخِرَۃِ اِنَّا ہُدۡنَاۤ اِلَیۡکَ﴾ [الأعراف ۱۵۵، ۱۵۶]

''تو ہی ہمارا یار و مددگار ہے، سو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو بخشنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی، بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ فَاغۡفِرۡ لِیۡ فَغَفَرَ لَہٗ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ﴾ [القصص ۱۶]

''کہا اے میرے رب! یقیناً میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، سو مجھے بخش دے۔ تو اس نے اسے بخش دیا، بے شک وہی تو بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿سُبۡحٰنَکَ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ [الأعراف ۱۴۳]

''تو پاک ہے، میں نے تیری طرف توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔''

ایسے ہی حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے قصہ میں بھی بیان ہوا ہے۔

اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ساری احادیث ثابت ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جو کہ اس امت کے افضل ترین قرون کے لوگ تھے؛ یہ زمانہ سب سے زیادہ معرفت الٰہی رکھنے والوں کا زمانہ تھا۔ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے ہوا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کی موت کے بعد بھی سب سے زیادہ توبہ پر قائم رہنے والے لوگ تھے۔ پس جو کوئی ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے عیب تو شمار کرتا ہے؛ مگر ان کی توبہ کا ذکر نہیں کرتا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند کیے ہیں؛ وہ انسان یقیناً ان صحابہ کرام پر ظلم کرنے والا ہے۔ جس طرح کے بعض صحابہ کے ساتھ حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا۔ اور پھر انہوں نے اپنی اس حرکت پر توبہ کرلی۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ارادہ محض خیر کا تھا۔

ایسے ہی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی ہے؛ جس سے آپ نے توبہ کرلی۔

زانی کا قصہ جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تحقیق اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کرتا تو اسے معاف کردیا جاتا۔ اور حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نے توبہ کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تاکہ آپ پر حد قائم کرکے پاک کیا جائے۔ ایسے ہی ان کے بعد غامدیہ کا واقعہ بھی ہے۔ [1]

یہی حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تھا۔ اگر کوئی انسان شراب پی لیتا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا؛ اور کہتا: اے امیر المؤمنین مجھ پر حد قائم کرکے مجھے پاک کیجیے۔ یہ اس انسان کا فعل ہے جس سے کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہوا ہو؛ اور وہ

---

[1] مسلم 3/1321 کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسہ بالزنا؛ وفیہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال عنہ: لقد تاب توب لو قسمت بین أمۃ لوسعتھم۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اس کی حرمت کو جانتا ہو۔تو پھر ان لوگوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جن سے کوئی صغیرہ گناہ ہوا ہو' یا انہوں نے کسی تاویل کی بنا پر کوئی کام کیا ہو۔اور پھر بعد میں اس کے لیے خطاء واضح ہوئی ہو؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جن امور کا انکار کیا جاتا تھا؛ جب آپ کے لیے واضح ہوگیا کہ واقعی یہ کام برے ہیں تو آپ نے ان سے توبہ کرلی تھی۔ یہ آپ کی سیرت میں مشہور و معروف ہے۔

ایسے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بصرہ کی طرف کوچ کرنے پر ندامت اختیار کی۔اور جب آپ اپنے اس خروج کا ذکر کرتیں تو اس قدر روتیں کہ آپ کی اوڑھنی تر ہو جاتی۔ایسے ہی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے نصرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو تفریط واقع ہوئی؛ اس پر آپ بہت ہی نادم تھے۔زبیر رضی اللہ عنہ جنگ جمل پر نادم تھے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قتال کے علاوہ اپنے کئی ایسے امور پر نادم تھے۔آپ کہا کرتے تھے:

لقد عجزت عجزة لا أعتذِر ...... سوف أكِيس بعدها وأستمِر

وأجمع الرأى الشتِيت المنتشِر

آپ صفین کی راتوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''اللہ ہی کے لیے اس مقام کی بھلائی ہے جس پر عبداللہ بن عمر اور سعد بن مالک رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔اگر وہ مقام نیکی تو پھر اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔اور اگر گناہ ہے تو اس کا خطرہ بہت کم ہے۔''

آپ فرمایا کرتے تھے:''اے حسن!اے حسن! تیرے باپ کا یہ خیال نہیں تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچے گا۔ اور تیرے باپ کو یہ بات پسند تھی کہ وہ اس دن سے بیس سال پہلے مرگیا ہوتا۔''

جب آپ صفین سے واپس پلٹے تو آپ کی رائے بدل چکی تھی۔آپ فرمایا کرتے تھے:''معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو برا نہ سمجھو؛ اگر تم اس امارت کو ختم کردو گے تو تم دیکھو گے کہ کندھوں سے سر اڑ رہے ہیں۔''

یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دو یا تین اسناد کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔اور آخری عمر میں آپ سے ان احوال کی کراہت تواتر کے ساتھ منقول ہے۔یہ تمام احوال ایسے تھے کہ اگر آپ کو اس معاملے کا پہلے سے اندازہ ہوتا تو آپ نے جو کچھ کیا وہ ہرگز نہ کرتے۔

خلاصہ کلام! ہمارے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر ایک کی توبہ سے آگاہ ہوں۔لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ توبہ ہر انسان کے لیے مشروع ہے۔انبیاء کرام کے لیے بھی اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی۔اور یہ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو کسی ایسے گناہ میں مبتلا کرتے ہیں جس سے توبہ کی جائے تو پھر توبہ کی وجہ سے اپنے بندے کا مقام و درجہ بھی بلند کرتے ہیں۔ مقصود خاتمہ کا کمال ہے ابتداء کا نقص نہیں۔بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے اور پاک رہنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔اور توبہ کی وجہ سے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں۔

گناہ کے ساتھ توبہ صاحب گناہ کے لیے عبودیت میں خشوع؛ تضرع اور دعاء وغیرہ دیگر ان امور کو واجب کرتی ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جو اس سے پہلے حاصل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کی ایک جماعت کا فرمان ہے: بیشک کوئی انسان گناہ کرتا ہے مگر اس کی وجہ سے وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔ اور کوئی انسان نیکی کرتا ہے مگر اس کی وجہ سے جہنم میں چلا جاتا ہے۔ جب گناہ کرتا ہے تو وہ گناہ ہمیشہ اس کے پیش نظر رہتا ہے جب بھی وہ گناہ اسے یاد آتا ہے تو وہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے؛ دعائیں کرتا اور معافی مانگتا ہے؛ خشوع و خضوع اختیار کرتا ہے؛ تو اس کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور کوئی دوسرا آدمی نیکی کرتا ہے مگر نیکی کرنے کے بعد ایسا اتراتا ہے اور گھمنڈ کا شکار ہوتا ہے کہ وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔

❀ یہی وجہ ہے کہ ایک اثر میں وارد ہوا ہے: اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو مجھے تمہارے بارے میں اس سے بھی خطرناک چیز کا اندیشہ ہونے لگتا ہے؛ اور وہ ہے خود پسندی۔''

❀ ایک دوسرے اثر میں ہے: ''اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ تمام چیزوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوتی تو اس کے محبوب ترین اور ساری مخلوق سے بڑھ کر بزرگ ترین بندے گناہوں میں مبتلا نہ ہوتے۔''

❀ ایک دوسرے اثر میں ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مجھے یاد کرنے والے میری مجلس والے ہیں۔ اور میرا شکر کرنے والے مجھ سے زیادہ حاصل کرنے والے ہیں۔ اور میرے اطاعت گزار میری کرامت پانے والے ہیں۔ اور میری نافرمانی کرنے؛ ان کو بھی میں اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرتا۔ اگر وہ توبہ کرلیں تو میں ان کا حبیب ہوں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ ''بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں اور ان سے محبت کرتا ہے جو بہت پاک رہنے والے ہیں۔'' اگر وہ توبہ نہ کریں تو میں ان کا طبیب ہوں۔ میں انہیں مصائب میں مبتلا کروں تاکہ انہیں گناہوں اور عیوب سے پاک کردوں۔'' اور توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان۔''

دوسرا سبب: استغفار: استغفار کا مطلب ہے دعا اور سوال کے ذریعہ مغفرت طلب کرنا۔ غالب طور پر استغفار توبہ کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور توبہ کی طرح استغفار بھی مامور بہ ہے۔ لیکن ایسے بھی ہوتا ہے کہ کبھی انسان توبہ تو کرتا ہے مگر دعا نہیں کرتا اور کبھی دعا تو کرتا ہے مگر توبہ نہیں کرتا۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب العزت سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا: کسی بندے نے گناہ کیا پھر عرض کیا اے اللہ میرے گناہ کو معاف فرما دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا پس وہ جانتا ہے کہ اس کا رب گناہ کو معاف بھی فرماتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے پھر وہ دوبارہ گناہ کر بیٹھتا ہے پھر عرض کرتا ہے اے میرے رب میرے گناہ کو معاف فرما تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا پس وہ جانتا ہے کہ اس کا رب گناہ کو معاف بھی فرماتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے پھر وہ دوبارہ گناہ کر بیٹھتا ہے تو عرض کرتا ہے اے میرے رب میرے گناہ کو معاف فرما تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا پس وہ جانتا ہے کہ اس کا رب گناہ کو معاف بھی فرماتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے؛ یقیناً میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صحیح مسلم کی روایت میں ہے: ''اب تو جو چاہے کر میں نے تجھے معاف کر دیا۔'' [1]

توبہ تمام تر گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ توبہ کے علاوہ کوئی بھی چیز ایسی نہیں جس کی وجہ سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہوں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ اس چیز کو معاف نہیں فرماتے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے؛ اس سے کم جتنے بھی گناہ ہوں' معاف کر دیتے ہیں مگر توبہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾۔[الزمر ۵۳]

''فرما دیجیے: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بیشک اللہ سب گناہ بخش دے گا بیشک وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

یہ توبہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو'' بلکہ اس کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ [الزمر ۵۴]

''اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کا حکم مانو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہیں مدد بھی نہ مل سکے گی۔''

جب کہ توبہ کے بغیر استغفار سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی مغفرت بھی کر دی جائے؛ مگر یہ ہے کہ یہ مغفرت کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے۔

تیسرا سبب: اعمال صالحہ : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (ھود ۱۱۴)

''بیشک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

'' تم جہاں کہیں بھی ہو' اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور برائی کے بعد نیکی کرو؛ یہ نیکی اسے مٹا دے گی؛ اور لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔'' [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2485۔

[2] رواہ الترمذي ۳/ ۲۳۹؛ کتاب البِرِ والصِلةِ، باب ما جاء فِی معاشرةِ الناسِ؛ وقال التِرمِذِی: وفِی البابِ عن أبِی هریرة، هذا حدِیث حسن صحِیح۔ وجاء حدِیث أبِی ذر فِی سننِ الدارِمِي 2/323؛ کتاب الرقاقِ، باب فِی حسنِ الخلقِ؛ المسندِ ط۔ الحلبِي 5/153۔۔ وجاء الحدِیث مرة أخرى 5/158؛ وجاء الحدِیث عن أبِی ذر فقط 5/177؛ وجاء الحدِیث عن معاذ فِی المسندِ ط۔ الحلبِي 236 - 5/228 وحسن الألبانِی الحدِیث عن أبِی ذر ومعاذ وأنس فِی صحِیحِ الجامِعِ الصغِیرِ 1/86۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

’’پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک اپنے درمیان سرزد ہونے والے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں جب تک کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے۔‘‘ ❶

صحیح حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((من صام رمضان إِیمانا واحتِسابا غفِر له ما تقدم مِن ذنبِهِ۔)) ❷

’’جو کوئی ایمان اور اجر وثواب کی امید کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے تو اس کے سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔‘‘

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((من حج هذا البيت فلم يرفث ولم يفسق خرج مِن ذنوبِهِ كيومِ ولدته أمه۔))

’’جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے؛ وہ جماع بھی نہ کرے اور گناہ کا کام بھی نہ کرے وہ گناہوں سے ایسے پاک ہوکر لوٹتا ہے جیسے جب اس کی ماں نے جنا تھا تو کوئی گناہ نہیں تھا۔‘‘ ❸

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

’’اگر کسی کے دروازے پر کوئی نہر جاری ہو، اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ نہاتا ہو، تو تم کیا کہتے ہو کہ یہ نہانا اس کے میل کو باقی رکھے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ:’’اس کے جسم پر بالکل میل نہ رہے گا۔‘‘ آپ نے فرمایا:’’پانچوں نمازوں کی یہی مثال ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔‘‘ ❹

❀ یہ تمام روایات صحیح ہیں۔ ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((الصدقة تطفِیء الخطِيئة كما يطفِئى الماء النار۔)) [رواه التِرمِذِی وصححه]

’’صدقہ گناہوں کو ایسے مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

❶ صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر ۵۵۲

❷ البخارِی 1/12؛ كِتاب الإِيمانِ، باب صومِ رمضان احتِسابا مِن الإِيمانِ 3/26 ؛ كتاب الصومِ، باب من صام رمضان إِيمانا واحتِسابا ؛ مسلِم 1/523؛ كِتاب صلاةِ المسافِرِين، باب الترغِيبِ فِی قِيامِ رمضان ؛ سننِ أبِی داود 2/66؛ كتاب تفرِيعِ أبوابِ شهرِ رمضان، باب فِی قِيامِ شهرِ رمضان ۔

❸ البخارِی 2/133؛ كِتاب الحجِ، باب فضلِ الحجِ المبرورِ ؛ مسلِم 2/983؛ كِتاب الحجِ، باب فِی فضلِ الحجِ والعمرةِ ويومِ عرفة والحدِيث فِی سننِ التِرمِذِی والنسائِی وابنِ ماجه والدارِمِی والمسندِ۔

❹ صحیح بخاری: ج ۱: ح ۵۰۳ ؛ 1/108؛ كتاب مواقيتِ الصلاةِ، باب الصلوات الخمسِ كفارة؛ مسلِم 1/462؛ كتاب المساجِدِ ومواضِعِ الصلاةِ، باب المشيِ إِلى الصلاةِ فِی المسندِ 143 18 رقم 9501 عن جابِر رضِی الله عنه ثم فِی الحدِيثِ الذِی بعده 144 18 رقم 9502۔

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ o تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ [الصف:12 - 10]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا میں تمھاری ایسی تجارت کی طرف رہنمائی کروں جو تمھیں دردناک عذاب سے بچالے؟ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔وہ تمھیں تمھارے گناہ معاف کردے گا اور تمھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں اور رہنے کی پاکیزہ جگہوں میں، جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یغفر لِلشھِید کل شیء إلا الدین۔۔))

''شہید کے تمام گناہ معاف کردیے جاتے ہیں سوائے قرض کے۔'' [1]

اور جو روایت میں آتا ہے کہ:''سمندر کے شہید کا قرض بھی معاف کردیا جاتا ہے۔''

تو اس روایت کی سند ضعیف ہے۔قرض آدمی کا حق ہے؛ جسے چکانا ضروری ہوتا ہے۔

اور یہ بھی صحیح حدیث میں آتا ہے کہ:''عرفہ کے دن کا روزہ دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔'' [2]

عاشوراء کے دن کا ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔'' اور اس طرح کی روایات بہت زیادہ ہیں۔ان حدیث کی شرح بہت زیادہ طوالت چاہتی ہے۔

آیات و احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دیتے ہیں۔نمازوں سے بھی گناہوں کی مغفرت ہوجاتی ہے۔یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ نماز کے درمیانی اوقات میں جو گناہ ہوتے ہیں جب وہ نمازوں سے معاف ہوجاتے ہیں تو پھر جمعہ، رمضان، عرفہ و عاشوراء کے روزہ سے کون سے گناہ معاف کیے جاتے ہیں۔

---

[1] سننِ ابنِ ماجه 2/928؛ کِتاب الجِهادِ، باب فضلِ غزوِ البحرِ؛ وأوله: سمِعت أبا أمامة يقول: سمِعت رسول اللهِ صلى الله عليهِ وسلم يقول: وشهِيد البحرِ مِثل شهِيدي البرِ، الحدِيث وفِيهِ: ويغفر لِشهِيدِ البرِ الذنوب كلها إِلا الدين، ولِشهِيدِ البحرِ الذنوب والدين۔ وقال الألبانِی فِی ضعِيفِ الجامِعِ الصغِيرِ: 2/251موضوع۔ وتكلم عليهِ فِی سِلسِلةِ الأحادِيثِ الضعِيفةِ والموضوعةِ 2/222۔

[2] الحدِيث فِی إِرواءِ الغلِيلِ 4/111؛ بِلفظِ: صوم يومِ عرفة يكفِر سنتينِ ماضِية ومستقبلة، وصوم يومِ عاشوراء يكفِر سنة ماضِية۔ قال الألبانِی: رواه الجماعة إِلا البخارِی ولم يخرِجه النسائِی فِی سننِهِ الصغرى والظاهِر إنه فِی سننِهِ الكبرى، وهذا الحدِيث عن أبِی قتادة الأنصارِيِ رضِی الله عنه فِی: مسلِم 2/818؛ كِتاب الصِيامِ، باب استِحبابِ صِيامِ ثلاثِ أيامٍ مِن كلِ شهرٍ۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

بعض لوگ اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ جب گناہ باقی نہ ہوں تو ان کے درجے بلند کیے جاتے ہیں۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جن اعمال سے گناہوں کو معاف کیا جاتا ہے وہ اعمال مقبولہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ﴾ (المائدۃ:۲۷)

''اللہ تعالیٰ متقیوں کے اعمال کو قبول کرتے ہیں۔''

علماء کے اس آیت کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:

۱۔ خوارج و معتزلہ کا قول ہے کہ جو شخص کبائر سے بچتا ہے اسکے اعمال قبول کیے جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک صاحب کبائر کا کوئی عمل مقبول نہیں۔ پس ان کے نزدیک کبیرہ گناہ کے مرتکب سے کوئی بھی نیکی کسی بھی طرح قبول نہیں کی جاتی۔

۲۔ مُرجیہ کہتے ہیں جو شرک سے اجتناب کرتا ہے وہ متقیوں میں داخل ہے۔ اگرچہ وہ کبائر کا ارتکاب کرتا ہو۔

۳۔ علمائے سلف و ائمہ کہتے ہیں کہ جو شخص خلوص دل سے اور خوف الٰہی سے کوئی کام کرتا ہے تو اس کا وہ عمل قبول کیا جاتا ہے۔

حضرت فُضَیل بن عیاض رحمہ اللہ اس آیت کریمہ ﴿لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ''تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''احسن'' سے مراد وہ عمل ہے جو شرعاً درست ہو اور خلوص پر مبنی ہو۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اس سے کیا مراد ہے؟

تو آپ نے فرمایا: ''عمل اگر پر خلوص بھی ہو مگر شرعاً درست نہ ہو تو وہ مقبول نہیں ہوگا اور اگر شرعاً درست ہو اور خلوص سے عاری ہو تب بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ عمل خالص کا مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ کے لیے ہو اور شرعاً درست ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سنت نبوی کے مطابق ہو۔

کبیرہ گناہ کا مرتکب جب کسی بھی عمل میں اللہ ڈرتے ہوئے خالص اس کی رضا کے لیے انجام دے تو اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت بخشتے ہیں۔ اور اگر اس سے کوئی افضل انسان کوئی عمل کرے؛ مگر وہ اپنے اس عمل میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا یہ عمل قبول نہیں کریں گے؛ اگرچہ کسی دوسرے عمل کو قبول بھی کر لیں۔

بس اللہ تعالیٰ اسی عمل کو قبول کرتے ہیں جو اس کے حکم کے مطابق ادا کیا جائے۔ سنن میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بعض آدمی نماز سے فارغ ہوتے ہیں اور ان کی نصف یا تہائی یا چوتھائی نماز لکھی جاتی ہے۔ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ بعض آدمیوں کو نماز کا دسواں حصہ (۱/۱۰) نصیب ہوتا ہے۔ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمھیں نماز [روزہ، حج اور جہاد] میں سے صرف اسی عبادت کا ثواب ملے گا جو عقل و فہم سے ادا کرو۔''

---

[1] سنن ابی داؤد۔ کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی نقصان الصلاۃ، (حدیث:۷۹۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور ایک حدیث میں آتا ہے:

''بسا اوقات روزہ دار کے حصہ میں پیاس کے علاوہ کچھ بھی نہیں آتا۔ اور بسا اوقات تہجد گزار کے لیے اس کے حصہ میں رات جگے کے علاوہ کچھ بھی نہیں آتا۔'' یہی حال حج اور جہاد کا بھی ہے۔

سنن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جہاد دو طرح کا ہے۔ ایک وہ جہاد ہے جو رضا الٰہی کی خاطر کیا جاتا ہے اور اس میں امام کی فرمانبرداری کی جاتی ہے اور بہتر سے بہتر مال اس میں خرچ کیا جاتا ہے ساتھی کے ساتھ نرمی برتی جاتی ہے۔ فساد اور خیانت سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ [پس ایسے جہاد میں تو سونا اور جاگنا بھی عبادت ہے] اس جہاد کے برابر کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ دوسرا جہاد وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی مطلوب نہیں ہوتی؛ اور نہ ہی امیر کی اطاعت کی جاتی ہے؛ اور نہ ہی اچھا مال خرچ کیا جاتا ہے؛ اور نہ ہی ساتھی کے ساتھ نرمی برتی جاتی ہے۔ اور نہ ہی فساد سے اجتناب کیا جاتا ہے؛ اور نہ ہی خیانت سے بچا جاتا ہے۔ [[یعنی جس میں فخر شامل ہو اور جو دکھانے اور سنانے کی غرض سے کیا جاتا ہے جس میں امام کی نافرمانی ہو اور زمین میں فساد مطلوب ہو]] ایسے جہاد کا کوئی اجر نہیں۔'' [1]

بعض سلف صالحین کے سامنے ذکر کیا گیا کہ حاجی بہت زیادہ ہوگئے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا:

''حاجی بہت کم ہوگئے ہیں اور بوجھ اٹھا کر چلنے والے بہت زیادہ ہوگئے ہیں۔''

بہرکیف گناہوں سے معافی ایسے اعمال کی بنا پر ملتی ہے جو بارگاہ ربانی میں مقبول ہوں۔ اکثر لوگ نیکیوں کے بجالانے میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں؛ یہاں تک کہ نماز پڑھنے میں بھی کوتاہی کرتے ہیں۔ وہ خوش نصیب آدمی ہوگا جس کی آدھی نماز قبولیت سے مشرف ہو۔ اندریں صورت کچھ گناہ مقبول نمازوں سے معاف ہو جائیں گے اور جو بچیں گے وہ جمعہ ورمضان سے معاف ہوں گے۔ معافی کا امکان صغائر و کبائر دونوں قسم کے گناہوں میں ہے۔ یہی حال سارے اعمال کا ہے۔ اور ایسا نہیں ہے کہ ہر ایک نیکی ہر ایک گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ بلکہ کبھی اس سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور کبھی کبیرہ گناہ؛ یہ موازنہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

ایک ہی قسم کا عمل کبھی انسان پوری طریقہ سے ادا کرتا ہے؛ اس میں کامل اخلاص اور عبودیت ہوتی ہے؛ تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے کبیرہ گناہ بھی معاف فرما دیتے ہیں۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بروز قیامت میری امت کے ایک شخص کو لوگوں کے روبرو پکارا جائے گا۔ اس کے سامنے ننانوے رجسٹر کھول کر رکھ دیے جائیں گے جن میں اس کے اعمال قبیحہ درج ہوں گے، ہر رجسٹر وہاں تک پھیلا ہوا ہوگا

[1] سنن ابوداد:ج ۲، ح۷۵۰۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک نظر پہنچے۔ اس سے کہا جائے گا۔ ان میں جو اعمال مندرج ہیں کیا تم ان میں سے کسی کے منکر ہو؟ وہ کہے گا، نہیں، اے میرے رب! پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا، پھر کاغذ کا ایک ٹکڑا ہتھیلی کے برابر لایا جائے گا جس میں ''لا الہ الا اللہ'' تحریر ہوگا۔ وہ شخص کہے گا، کاغذ کا یہ پرزہ ان رجسٹروں کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ چنانچہ یہ پرزہ ایک پلڑے میں اور وہ رجسٹر دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں گے۔ کاغذ کے پرزے والا پلڑا جھک جائے گا اور رجسٹروں والا پلڑا اوپر کو اٹھ جائے گا۔''❶

اس میں مذکور ہے کہ اس کا عمل سب گناہوں پر چھا جائے گا، یہ اس شخص کا حال ہے جس کے اعمال صدق و اخلاص اور عجز و انکسار کے آئینہ دار ہوں، ورنہ اہل کبائر جو دوزخ میں داخل ہوں گے وہ بھی کلمہ گو ہوں گے؛ مگر ان کا ''لا الہ الا اللہ'' کہنا ان کے باقی اعمال سے بھاری نہیں ہوگا؛ جیسے اس پرزے والے کا ''لا الہ الا اللہ'' کہنا اس کے باقی اعمال پر بھاری ہو گیا تھا۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک آدمی چل رہا تھا، اسی دوران میں اسے بہت سخت پیاس لگی؛ اسے ایک کنواں نظر آیا؛ وہ اس کنویں میں اترا اور اس سے پانی پیا، جب کنویں سے باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ اس کو بھی ویسی ہی پیاس لگی ہوگی جیسی مجھے لگی تھی۔ چنانچہ وہ اس کنویں میں اترا اور اپنا موزہ پانی سے بھرا پھر اس کو منہ سے پکڑا پھر اوپر چڑھا اور کتے کو پانی پلایا اللہ نے اس کی نیکی قبول کی، اور اس کو بخش دیا۔''❷

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''ایک کتا ایک کنویں کے گرد گھوم رہا تھا معلوم ہوتا تھا کہ پیاس سے مر جائے گا اتفاق سے کسی بدکار اسرائیلی عورت نے اس کتے کو دیکھ لیا اور اس زانیہ نے اپنا جوتا اتار کر کنویں سے پانی نکال کر اس کتے کو پانی پلا دیا؛ اللہ تعالیٰ نے اس کو اسی بات پر بخش دیا۔''❸

---

❶ سنن ترمذی کتاب الایمان ، باب ما جاء فیمن یموت و هو یشهد ان لا اله الا الله (حدیث:٤٣٠٠)، سنن ابن ماجة کتاب الزهد، باب ما یرجی من رحمة الله یوم القیامة(حدیث:٤٣٠٠)؛ المسندِ 11/ 197؛ وقال الشیخ أحمد شاکِر رحِمه الله: إِسناده صحِیح، وقال: إِن الحاکِم رواه فِی المستدرکِ 1/529 وقال: هذا حدِیث صحِیح الإِسنادِ ولم یخرِجاه، ووافقه الذهبِی۔ ونقله المنذِری فِی الترغِیبِ والترهِیبِ، وقال: رواه الترمِذِی وابن حِبان فِی صحِیحِهِ والحاکِم والبیهقِی۔

❷ صحیح بخاری:ج۱: ح۲۲۲۵؛ 3/111؛ کِتاب الشربِ والمساقاةِ، باب فضلِ سقیِ الماء 3/132؛ کِتاب المظالِمِ، باب الآبارِ علی الطرقِ إِذا لم یتأذی بِها؛ مسلِم 4/1761؛ کِتاب السلامِ، باب فضلِ ساقِی البهائِمِ المحترمةِ وإِطعامِها ؛ سننِ بِی داود 3/33؛ کتاب الجِهادِ، باب ما یؤمر بِهِ مِن القِیامِ عل الدوابِّ والبهائِمِ ؛ الموطأِ 2/929؛ کِتاب صِفةِ النبِیِ صلی الله علیهِ وسلم، باب جامِعِ ما جاء فِی الطعامِ والشرابِ۔

❸ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب(٥٤)، (حدیث:٣٤٦٧)، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب فضل سقی البهائم المحترمة(حدیث:٢٢٤٥)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ یہ بنی اسرائیل کی زانیہ عورت تھی۔

اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک آدمی راستے میں جارہا تھا کہ اس نے راہ میں کانٹا پڑا ہوا دیکھا تو اسے ہٹا دیا' اور اللہ تعالیٰ نے اس کی نیکی قبول کی اور اس کی مغفرت کردی۔'' [1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک عورت ایک بلی کے متعلق عذاب میں مبتلا کی گئی جسے اس نے باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک کے سبب سے مرگئی، چنانچہ وہ عورت دوزخ میں داخل ہوگئی، اور آپ نے فرمایا کہ اللہ زیادہ جانتا ہے کہ اس نے نہ اسے کھانا کھلایا اور نہ پانی پلایا، جب کہ اس نے اسے باندھ رکھا تھا اور نہ تو اسے چھوڑ دیا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا کر گزارہ کرتی؛ یہاں تک کہ وہ بلی مرگئی۔'' [2]

پہلی عورت نے کتے کو اخلاص قلب اور ایمان ویقین کے ساتھ پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کردی۔ ورنہ ایسے نہیں ہے کہ جو بھی زانیہ عورت کتے کو پانی پلائے اس کی مغفرت کردی جائے گی۔ اور ایسے ہی جس آدمی نے راستہ سے کانٹا ہٹایا؛ اس نے یہ کام اخلاص اور ایمان کی بنیاد پر کیا۔ ایمان اور اخلاص اس کے دل میں موجود تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے اس کی بھی مغفرت کردی۔ پس اس سے ظاہر ہوا کہ دل میں موجود اخلاص وایمان کی بنا پر اعمال کا تفاضل ہوتا ہے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ دو آدمی نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور ان کی نمازوں میں اتنا فرق ہوتا ہے جتنا کہ فاصلہ مشرق ومغرب میں پایا جاتا ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ راستہ سے ہر کانٹا ہٹادینے والے کی مغفرت کردی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ﴾۔ [الحج ۳۷]

''اللہ کو نہ ان کا گوشت اور نہ ان کا خون پہنچتا ہے البتہ تمہاری پرہیزگاری اس کے ہاں پہنچتی ہے۔''

پس لوگ قربانی اور ہدی میں شریک ہیں۔ مگر نہ ان کا بہایا جانے والا خون اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے اور نہ ہی کھایا جانے والا گوشت۔ اور کیا جانے والے صدقہ؛ لیکن اللہ تعالیٰ تک دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے۔ ایک اثر میں ہے: دو آدمی ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں مگر ان دونوں کی نمازوں میں مشرق ومغرب کا فرق ہوتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری: ۱/ ۱۲۸؛ 1/128 کتاب الأذانِ، باب فضلِ التھجیرِ إلی الظھر؛ مسلم 3/1521 کتاب الإمارۃ، باب بیانِ الشھدا؛ 4/2021؛ کتاب البرِ والصِلۃِ والآدابِ، باب فضلِ إزالۃِ الأذی عنِ الطریق؛ سننِ أبی داود 4/490؛ کتاب الأدبِ، باب فِی إماطۃِ الأذی عنِ الطریقِ؛ سننِ الترمِذِی 3/230؛ کتاب البرِ والصِلۃِ، باب ما جاء فِی إماطۃِ الأذی عنِ الطریقِ۔

[2] صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر ۲۲۲۷؛ 4/130؛ کتاب بدءِ الخلقِ، باب خمس مِن الدوابِ فواسِق یقتلن فِی الحرمِ۔ مسلم 4/2022؛ کتاب البرِ والصِلۃِ والآدابِ، باب تحریمِ تعذِیبِ الھِرۃِ ونحوِھا، والحدِیث فِی سننِ النسائِیِ وابنِ ماجہ والدارِمِیِ وفِی مواضِع کثِیرۃ فِی المسندِ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ دلوں کے احوال کی وجہ سے ظاہری اعمال کی قدر و قیمت بڑھتی اور کم ہوتی ہے۔ اور دلوں کے احوال میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ دلوں میں ایمان کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ بس انسان کو یہ جان لینا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ برحق ہے؛ اور احادیث کو ایک دوسری سے ٹکرانی کی کوشش نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ﴾-[المؤمنون ٦٠]

''اور جو دے سکتے ہیں وہ دیتے ہیں اور ان کے دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

ترمذی اور دوسری کتب احادیث میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ''یہ کام کر کے ڈرنے والے لوگ وہ ہیں جو زنا کرتے ہیں یا جو شراب پیتے یا چوری کرتے ہیں؟ اور پھر سزا سے ڈرتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اے صدیق کی بیٹی یہ بات نہیں! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں اس کے باوجود اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ عمل اللہ کے نزدیک (ہماری کسی کوتاہی کے سبب) قبول نہ ہوں۔'' [رواہ احمد والترمذی و ابن ماجه]

صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' میرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو گالی نہ دو؛ اللہ کی قسم! اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو ان کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔'' [1]

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ایمان یہ مال خرچ کرتے وقت ابتدائے اسلام کے وقت ان کے دلوں میں تھا؛ جب کہ اہل اسلام بہت ہی کم تھے؛ اور اسلام سے بدگمان کرنے والے امور بہت زیادہ تھے؛ اسلام کی طرف رغبت کے اسباب بہت کمزور تھے۔ تو کسی بعد میں آنے والے کے لیے ممکن نہیں ہے کہ ایسا اس کے لیے بعد میں بھی ہو۔ یہ امور وہ لوگ جانتے ہیں جو ایسے معاملات کا ذائقہ چکھ چکے ہوں اور وہ امتحان اور آزمائش سے دوچار ہو چکے ہوں۔ اور جو کچھ دلوں میں پیدا ہوتا ہے اس کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے جس سے پتہ چل سکتا ہے کہ کوئی دوسرا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مانند ہو۔ اس لیے کہ جو ایمان و یقین آپ کے دل میں تھا کوئی دوسرا اس میں آپ کا شریک و سہیم نہیں ہو سکتا۔

ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حصہ میں جو فضیلت آئی وہ کثرت صوم و صلوٰۃ کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس (صدق و خلوص) کی وجہ سے حاصل ہوئی جو آپ کے دل میں جاگزیں تھا۔''

---

[1] بخاری ۔باب قول النبی ﷺ" لو كنت متخذا خليلاً"(ح:٣٦٧٣) صحيح مسلم۔ باب تحريم سب الصحابة رضی اللہ عنہم (ح: ٢٥٤١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہی حال تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے۔ انہیں صحبت کا شرف حاصل ہوا؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ یہ ایسا ایمان و یقین تھا کہ بعد میں آنے والے اس میں ان کے شریک و سہیم نہیں ہو سکتے۔ صحیح مسلم میں یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا یا۔ آپ اکثر آسمان کی طرف سر مبارک اٹھایا کرتے تھے؛ اور فرمایا:

''ستارے آسمان کے لیے باعث امن ہیں جب ستارے رخصت ہو جائیں گے تو آسمان سے جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ پورا کر دیا جائے گا۔ اسی طرح میری ذات صحابہ کے لیے باعث امن و سکون ہے جب میں نہیں ہوں گا تو صحابہ موعود مصائب سے دوچار ہو جائیں گے۔ میرے صحابہ میری امت کے لیے باعث امن ہے جب میرے صحابہ رخصت ہو جائیں گے تو امن و امان اٹھ جائے گا۔'' ❶

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ایک جماعت مصروف جنگ ہوگی۔ ان سے دریافت کیا جائے گا، کیا تم میں کوئی صحابی ہے؟ وہ کہیں گے ''ہاں'' چنانچہ انھیں فتح نصیب ہوگی۔ پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جنگ کر رہی ہوگی۔ اس سے پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی ایسا شخص موجود ہے جس نے کسی صحابی کو دیکھا ہو؟ کہیں گے: ''ہاں'' چنانچہ ان کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ایک جماعت مصروف پیکار ہوگی۔ اس سے پوچھا جائے گا کیا تم میں سے کسی نے کسی تابعی کو دیکھا ہے؟ کہیں گے: ''ہاں'' چنانچہ وہ فتح و نصرت سے ہمکنار ہوں گے۔ ❷

حدیث ہذا کے تمام طرق میں تینوں طبقات (صحابہ تابعین، تبع تابعین) کا ذکر کیا گیا ہے۔ چوتھے طبقے کا ذکر بعض روایات میں ملتا ہے۔ ❸ متعدد روایات صحیحہ میں آیا ہے کہ آپ نے قرون ثلاثہ کی مدح و ستائش فرمائی۔ ❹

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث مبارکہ میں قرون ثلاثہ کے لوگوں کی مدح سرائی اور ثنا و تعریف ثابت ہے۔

---

❶ صحیح مسلم؛ ح:۲۵۳۱؛ المسند ط۔ الحلبی 4/398؛ عن أبی بردۃ عن أبی موسی الأشعری، ولکنہ فی مسلم عن أبی بردۃ عن أبیہ وھو ابن لأبی موسی الأشعری اسمہ الحارث، وقیل: عامر، وقیل: اسمہ کنیتہ، انظر: تھذیب التھذیب 12 18؛ تذکرۃ الحفاظ 1/95، ونص الحدیث فی مسلم 4/1961؛ کتاب فضائل الصحابۃ، باب بیان ن بقاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم أمان لأصحابہ۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الجھاد۔ باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب (حدیث:۲۸۹۷)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضل الصحابۃ ثم الذین یلونھم (حدیث:۲۵۳۲)

❸ صحیح مسلم، حوالہ سابق (حدیث:۲۰۹/ ۲۵۳۲)

❹ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضائل أصحاب النبی ﷺ (ح:۳۶۵۰، ۳۶۵۱)، مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضل الصحابۃ ثم الذین یلونھم (ح: ۲۵۳۳۔ ۲۵۳۵)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خیر القرونِ قرنی، ثم الذِین یلونھم ثم الذِین یلونھم۔))[سبق تخریجه]

''بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے؛ پھر جو اس کے بعد ہے؛ پھر جو اس کے بعد۔''

بعض راویوں کو شک ہے کہ آپ نے دو زمانے شمار کیے تھے یا تین؟

مقصود یہ ہے کہ اعمال کی فضیلت کا انحصار ان کی ظاہری صورت پر نہیں، بلکہ ان کی روحانی کیفیت پر ہے جو کہ دل میں پنہاں ہوتی ہے۔ظاہر ہے کہ لوگوں میں اس حساب سے میں بڑا فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔ اس سے ان علماء نے احتجاج کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ہر صحابی بعد میں آنے والے ہر شخص سے افضل ہے۔ جمہور علماء اس مسئلہ میں متحد الخیال ہیں کہ جملہ صحابہ جملہ تابعین سے افضل ہیں۔ البتہ اس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا ہر صحابی ہر تابعی سے افضل ہے یا نہیں؟ اسی قاعدہ کے مطابق کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ سے افضل ہیں یا نہیں؟

قاضی عیاض رحمہ اللہ علیہ وغیرہ نے اس مسئلہ میں دو قول ذکر کیے ہیں۔ اکثر علماء صحابہ کے ہر فرد کو ہر تابعی سے افضل قرار دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ سے یہی منقول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ تابعین کے اعمال صالحہ صحابہ کے مقابلہ میں زیادہ ہیں۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زہد و عدل میں بڑھ کر تھے۔ مگر فضیلت کا انحصار حقیقت ایمان پر ہے جو کہ ایک قلبی چیز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرے تو صحابہ کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔''

[سبق تخریجه]

اس نظریہ کے حامل علماء یہ کہتے ہیں کہ بلا شبہ بعض تابعین کے اعمال صحابہ سے بڑھ کر تھے، مگر ہم یہ کیسے معلوم کر سکتے ہیں کہ ان کا ایمان بھی صحابہ کے ایمان پر فائق تھا۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ متاخرین جو صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اگر سونے کا پہاڑ بھی خرچ کریں تو اوّلین صحابہ کے نصف مد (ایک عربی پیمانہ جو کہ قریباً گیارہ چھٹانک کا ہوتا ہے) کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ کی وجہ سے لوگوں کو جو فائدہ پہنچا؛ یہ آپ کی فضیلت تھی کہ آپ نے لوگوں کے حقوق ادا کیے اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا۔ اگر فرض کیا جائے کہ آپ نے لوگوں کو جو کچھ دیا وہ آپ کی ملکیت تھا اور آپ نے صدقہ کر دیا۔ تاہم اس سے صحابہ کے انفاق فی سبیل اللہ کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور احد پہاڑ جتنا سونا آئے کہاں سے کہ اسے خرچ کیا جا سکے؟ پھر جب کہ بفرض محال اسے خرچ بھی کیا جائے تو بقول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ نصف مد کے برابر بھی نہ ہوگا۔

علماء سلف رحمہم اللہ علیہم میں سے بعض کا قول ہے کہ: ''سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں جو غبار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں داخل ہوا وہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ کے سب اعمال سے افضل ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

یہ مسئلہ تفصیل اور تحقیق کا محتاج ہے۔ جس کا موقعہ یہ نہیں۔ اس لیے کہ یہاں پر ان چیزوں کا بیان مقصود ہے جن نیکیوں سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ اور یہ کہ انسان کے دل میں موجود ایمان اور تقوی کے اعتبار سے نیکیوں میں تفاضل ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کم مرتبہ کے ہیں؛ ان کے گناہ بھی نیکیوں کی وجہ سے مٹ جاتے ہیں؛ بالکل ویسے ہی جیسے ان میں سے کسی ایک کی مذمت گناہ کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ پس پھر صحابہ کرام کے متعلق کیا خیال ہے؟

چوتھا سبب: مؤمنین کی دعا: میت پر مسلمانوں کا نماز جنازہ پڑھنا؛ اور اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنا گناہ بخشے جانے کے اسباب میں سے ایک ہے۔ ایسے ہی نماز جنازہ کے علاوہ دعا کرنا اور اس میت کے لیے استغفار کرنا بھی مغفرت کے اسباب میں سے ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے لوگ آج تک دعائیں کرتے چلے آرہے ہیں۔

پانچواں سبب: نبی کریم ﷺ کی دعا اور استغفار: (اپنی زندگی میں اور موت کے بعد): جیسا کہ روزِ قیامت نبی کریم ﷺ کی شفاعت؛ اس لیے کہ آپ کی دعا اور شفاعت آپکی حیات و ممات میں سب سے خاص ہے۔

چھٹا سبب: نیك اعمال کا ھدیہ: مثال کے طور پر میت کی طرف سے صدقہ کرنا؛ اس کی طرف سے حج کرنا' اور روزے رکھنا۔ حدیث میں یہ ثابت ہے کہ ان اعمال کا ثواب میت کو پہنچتا ہے' اور اس سے انہیں فائدہ ہوتا ہے۔ یہ اولاد کی دعا کے علاوہ ہے۔ اس لیے کہ اولاد خود انسان کے اعمال میں شمار ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب انسان مرجاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔'' [1]

انسان کی اولاد بھی اس کی کمائی میں سے ہے۔ ان کی دعا اس انسان کے اعمال میں شمار ہوتی ہے۔ بخلاف اولاد کے علاوہ دوسرے لوگوں کی دعا کے۔ اس کا شمار اس کے اپنے اعمال میں تو نہیں ہوتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ اس سے نفع دیتا ہے۔

ساتواں سبب: دنیاوی مصائب: جن سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو ختم کر دیتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مومن آدمی کو جب بھی کوئی تکلیف یا ایذا یا کوئی بیماری یا رنج پہنچے؛ یہاں تک کہ اگر اسے کوئی فکر ہی لاحق ہو یا اگر کوئی کانٹا چبھتا ہے تو اللہ اس کے بدلہ میں بھی اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔'' [صحيح مسلم:ج٣:ح ٢٠٦٤]

صحیحین میں ہے: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

''مومن کی مثال کھیتی کے پودوں کی طرح ہے کہ ہوا کبھی اس کو ادھر ادھر جھکا دیتی ہے اور کبھی اس کو سیدھا کر دیتی ہے، اور منافق کی مثال صنوبر درخت کی طرح ہے کہ وہ ہمیشہ سیدھا قائم و دائم رہتا ہے یہاں تک کہ ایک ہی دفعہ اکھڑ جاتا ہے۔'' [2]

نبی کریم ﷺ سے یہ معانی تواتر کے ساتھ ثابت ہیں؛ اور اس بہت ساری احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں

---

[1] صحيح مسلم:٤/ ١٩٩٢؛ والترمذي ٢/ ٢٢٠۔

[2] صحيح بخاری:ج3:ح 620

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر کئی خاص مصائب بھی آئے اور کئی مصائب ان کے مابین مشترک تھے۔ مثلاً وہ مصائب جو فتنے کے دور میں پیش آئے۔ اور اگر صرف اتنا ہی ہو کہ ان میں سے بہت سارے لوگ شہید کر دیے گئے اور بہت سارے لوگوں کو اپنے اہل وعیال اور اقارب میں مصائب کا سامنا کرنا پڑا؛ اور مالی آزمائشیں بھی آئیں۔ کچھ دوسروں کو زخموں سے دو چار ہونا پڑا۔ اور کسی کی عزت وولایت [یعنی اقتدار اور حکومت] ختم ہوگئی۔ ان کے علاوہ بھی کئی امور پیش آئے۔ یہ تمام امور ایسے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے علاوہ دوسرے اہل ایمان کے بھی گناہ معاف کرتے ہیں تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کیا خیال ہے؟ اور ایسا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

یہ بات صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''میں نے اپنے رب سے تین چیزیں مانگیں پس دو چیزیں مجھ کو عطا کر دیں گئیں اور ایک چیز سے مجھے روک دیا۔ میں نے اپنے رب سے مانگا کہ میری امت کو قحط سالی کے ذریعہ ہلاک نہ کرے پس یہ مجھے عطا کر دیا گیا۔ اور میں نے اللہ سے مانگا کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کر پس اللہ عزوجل نے یہ چیز بھی مجھے عطا کر دی۔ اور میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ ان کی آپس میں ایک دوسرے سے لڑائی نہ ہو تو مجھے اس سوال سے منع کر دیا گیا۔'' ❶

اور صحیح بخاری میں ہے جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾۔[الانعام ٦٥]

''فرما دیجیے: وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب اوپر سے بھیجے۔''

''تو آپ نے فرمایا کہ: میں تیری ذات کی پناہ مانگتا ہوں۔''

پھر فرمایا: ﴿اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ ''یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے۔''

تو آپ نے فرمایا کہ: ''میں تیری ذات کی پناہ مانگتا ہوں۔''

پھر فرمایا: ﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ﴾

''یا تمہیں فرقے فرقے بنا دے، اور ایک دوسرے کا عذاب چکھائے۔''

تو آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں باتیں آسان ہیں۔'' ❷

یہ امر لازمی ہونا ہے؛ اور یہ ساری امت کے لیے ہے۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بعد میں آنے والوں کی نسبت سے

❶ صحیح مسلم: ج 3: ح 2759؛ کتاب الفتن وإشراط الساعة، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض۔ سنن أبی داود 4/138؛ کتاب الفتن والملاحم، باب ذکر الفتن ودلائلها؛ سنن الترمذي 3/319، کتاب الفتن، باب سؤال النبي صلى الله عليه وسلم ثلاثا في أمته؛ وصحح الألباني صحيح الجامع الصغير 2/309؛۔

❷ صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2216

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تمام امت سے کم فتنوں میں مبتلاء ہوئے۔ اس لیے کہ جیسے جیسے زمانہ عصر نبوت سے دور ہوتا جاتا ہے تفرقہ اور اختلاف بڑھتا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں کوئی بھی بعد ایسے ظاہر اور غالب نہیں تھی۔ جب آپ شہید کردیے گئے تو دو متقابل بدعتیں پیدا ہوئیں۔ ایک خوارج کی بدعت تھی جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے تھے۔اور دوسری روافض کی بدعت تھی جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت و عصمت اور بعض آپ کی نبوت کے دعویدار تھے۔ اور بعض آپ کی خدائی کے دعویدار۔

پھر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا آخری دور تھا؛ جب ابن زبیر اور عبدالملک کی امارت چل رہی تھی تو مرجئہ اور قدریہ کی بدعت سامنے آئی۔ پھر تابعین کا ابتدائی دور تھا تو خلافت بنی امیہ کے آخری دور میں **جہمیہ : معطلہ: مشبہہ اور ممثلہ** کی بدعات ظہور پذیر ہوئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے عہد مسعود میں ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں تھا۔

یہی حال جنگ و جدال اور لڑائی کے فتنوں کا بھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مبارک عہد میں لوگ متفق تھے اور دشمن سے جہاد کیا کرتے تھے۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید کردیے گئے اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا مکہ میں محاصرہ کرلیا گیا تو پھر مدینہ میں حرہ کا واقعہ پیش آیا۔

پھر جب یزید مرگیا تو شام میں ''مرج راھط'' نامی جگہ پر مروان اور ضحاک کے مابین معرکہ پیش آیا۔

پھر مختار اٹھا اور اس نے ابن زیاد کو قتل کرڈالا اور ایک فتنہ پیش آیا۔

پھر مصعب بن زبیر آئے اور انہوں نے مختار کو قتل کرڈالا اور ایک اور معرکہ پیش آیا۔

پھر حجاج نے ابن زبیر کی طرف فوجیں بھیجیں اور ایک مدت تک کے لیے ان کا محاصرہ کرلیا گیا اور پھر انہیں قتل کردیا؛ اس طرح ایک اور فتنہ پیش آیا۔

پھر حجاج عراق کا حکمران بنا تو اس کے خلاف ابن اشعث نے خروج کیا؛ اس کے ساتھ عراقیوں کی بہت بڑی تعداد تھی؛ اور بہت بڑا فتنہ پیش آیا۔ یہ تمام واقعات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیش آئے۔

پھر خراسان میں ابن مہلب کا فتنہ پیش آیا؛ اور کوفہ میں حضرت زید بن علی رحمہ اللہ علیہ شہید کردیے گئے۔ ان کے ساتھ لوگوں کی بہت بڑی تعداد قتل ہوئی۔ پھر اس کے بعد خراسان سے ابومسلم کھڑا ہوا؛ اور پھر انتہائی سخت خطرناک جنگیں پیش آئیں۔ ان فتنوں کا یہاں پر بیان کرنا طول اختیار کرجائے گا۔ بس اس پر قیاس کرلیجیے۔

[حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل]:

یہ سبھی کو معلوم ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل ترین زمانہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کا زمانہ تھا۔ ان کے بعد مسلمان بادشاہوں کے زمانوں میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے بڑھ کر بہتر زمانہ کسی کا بھی نہیں دیکھا گیا۔ اور نہ ہی کسی بادشاہ کے زمانہ میں مسلمانوں کی حالت اتنی بہتر اور اچھی رہی ہے جیسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھی۔ یہ اس وقت ہوگا جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کا مقابلہ بعد میں آنے والوں کے ادوار سے کیا جائے۔ اور اگر اس دور کا مقابلہ پہلے کے زمانوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے کیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے کی فضیلت ظاہر اور غالب ہے۔

ابوبکر الاثرم رحمہ اللہ؛ اور ابن بطہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے: وہ کہتے ہیں: ہم سے محمد بن عمرو بن جبلہ نے بیان کیا؛ ان سے محمد بن مروان نے؛ وہ یونس سے روایت کرتے ہیں؛ انہوں نے قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے آپ فرماتے ہیں: ''اگر تم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے کام کرنے لگو تو لوگ پکار اٹھیں یہ مہدی ہے۔''

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر تم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ پا لیتے تو کہتے: یہ مہدی ہے۔''

اثرم کہتے ہیں: احمد بن حواش کہتے ہیں کہ مجھے ابوہریرہ المکتب نے بتایا کہ اعمش رحمہ اللہ کے ہاں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ان کے عدل و انصاف کا ذکر چل پڑا تو اعمش نے کہا: ''اگر تم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت دیکھ لیتے تو پھر کیا ہوتا؟ لوگوں نے کہا: ''کیا آپ معاویہ کی بردباری کے بارے میں کہہ رہے ہیں؟'' اعمش نے کہا: ''نہیں اللہ کی قسم! میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل کی بات کر رہا ہوں۔''

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہما اللہ فرماتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ ابوبکر ابن عیاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابواسحق رحمہ اللہ سے روایت ہے آپ کہتے ہیں: جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لیے ان کے باپ دادا کے حساب سے عطیات دینے شروع کیے؛ جب میری باری آئی تو مجھے تین سو درہم ملے۔''

عبداللہ کہتے ہیں: ہمیں ابوسعید الاشج نے خبر دی؛ ان سے ابواسامہ نے بیان کیا کہ ہمیں ایک ثقفی نے روایت بیان کی؛ کہ ابواسحق السبیعی رحمہ اللہ کے سامنے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اگر تم ان کا دور پا لیتے؛ یا فرمایا: تم انہیں پا لیتے تو کہتے یقیناً یہی مہدی ہے۔''

نیز ابوبکر بن عیاش ابواسحق سے روایت کرتے ہیں کہ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ: ''میں نے معاویہ کے بعد کوئی آپ جیسا نہیں دیکھا۔''

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے ابوقیس سے روایت کیا ہے: آپ فرماتے ہیں: ''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہر قبیلہ پر ایک آدمی مقرر کیا ہوا تھا۔ ہم میں ایک آدمی تھا جس کی کنیت ابو یحییٰ تھی۔ وہ ہر دن صبح کے وقت مجالس کا چکر لگاتا؛ اور پوچھتا: کیا کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے؟ کیا آج رات کوئی واقعہ پیش آیا ہے؟ کیا آج تمہارے ہاں کوئی نیا آدمی آیا؟ تو لوگ کہتے: ہاں آج رات یمن سے ایک آدمی اپنے اہل و عیال کے ساتھ آیا ہے؛ پھر اس کا اور اس کے عیال کا نام لیتے۔ جب یہ نگران اس مہم سے فارغ ہو جاتا تو وظائف کا رجسٹر لایا جاتا؛ اور ان لوگوں کے نام اس میں لکھ دیئے جاتے۔

محمد بن عوف الطائی ابومغیرہ سے اور وہ ابن ابومریم سے روایت کرتے ہیں کہ: عطیہ بن قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو سنا' وہ ہمیں خطبہ دے رہے تھے؛ آپ کہہ رہے تھے:

''تم لوگوں کے وظائف دینے کے بعد بھی بیت المال میں کچھ مال بچ گیا ہے۔ بیشک میں وہ مال تمہارے درمیان تقسیم کرنے والا ہوں۔ اگر آئندہ سال بھی ایسے ہی زیادہ مال آ گیا تو میں آپ لوگوں میں تقسیم کر دوں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

گا۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو مجھ پر کوئی عیب نہ لگانا۔ بیشک یہ میرا مال نہیں ہے۔ بیشک یہ وہ مال ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو نوازا ہے۔''

سیرت و کردار اور عدل و احسان کے اعتبار سے حضرت معاویہ کا دامن ایسے فضائل و مناقب سے پر ہے۔

حسن سیرت اور عدل و احسان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا۔ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں۔ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت ابن عباس نے کہا: معاویہ نے ٹھیک کیا، وہ فقیہ ہیں۔''[1]

امام بغوی نے اپنی معجم میں اپنی سند سے نقل کیا ہے؛ اور ایک دوسری سند سے ابن بطہ نے روایت کیا ہے؛ یہ دونوں سعید بن عبدالعزیز سے؛ وہ اسماعیل بن عبداللہ بن مہاجر سے؛ وہ قیس بن حارث سے وہ الصنابجی سے روایت کرتے ہیں کہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی شخص کو نہیں دیکھا جس کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہو۔''[2]

یہ ہے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تدین و تفقہ کے بارے میں! فقاہت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گواہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، اور حسن صلوٰۃ کی گواہی دینے والے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ، دونوں جس پایہ کے صحابی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس کے موید آثار اور بھی بہت ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سابقین اوّلین صحابہ میں شمار نہیں ہوتے۔ بخلاف ازیں کہا گیا ہے کہ آپ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت معاویہ خود اس بات کے معترف تھے کہ وہ فضلاء صحابہ میں شامل نہیں ہیں۔ اس کے باوصف آپ کثیر اوصاف کے حامل تھے۔ آپ کی سلطنت کی حدود خراُسان سے لے کر مغرب میں بلاد افریقہ تک اور قبرص سے لے کر یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس بات پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ معاویہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم اجمعین تو درکنار عظمت و فضیلت میں حضرت عثمان و علی کے قریب بھی نہ تھے۔ پھر کسی اور بادشاہ کو ان کے مشابہ کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے؟ نیز مسلم سلاطین میں سے کوئی مسلم سلطان سیرت و کردار کے اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حریف کیسے ہو سکے گا؟

یہاں پر مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ امت میں جو فتنے پیدا ہوئے اور جو گناہ سرزد ہوئے ان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کہیں بہت دور کا اور بہت کم ہی واسطہ ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی گناہوں کا کفارہ بننے والے امور و اعمال موجود ہیں۔ جب کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افاضل لوگ ہیں۔ اور ان کی اکثریت فتنوں میں شریک نہیں ہوئی۔

اکابر صحابہ نے فتنہ پردازی میں حصہ نہیں لیا تھا۔ عبداللہ بن احمد کہتے ہیں: میرے والد نے بتایا کہ ہمیں اسماعیل یعنی

[1] صحیح بخاری، باب ذکر معاویۃ رضی اللہ عنہ (حدیث:۳۷۶۵)

[2] طبرانی کما فی المجمع (۹/ ۳۵۷)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ابن علیہ نے بتایا وہ حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ سے اور وہ ابن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

جب فتنہ کی آگ بھڑکی تو اس وقت دس ہزار صحابہ بقید حیات تھے، مگر سو صحابہ نے بھی فتنہ پردازی میں شرکت نہ کی، بلکہ بالفاظ صحیح تیس صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس میں شریک نہیں ہوئے۔ یہ ابن سیرین کا قول ہے جو زہد و ورع کی وجہ سے بڑی محتاط گفتگو کرنے کے خوگر تھے۔ اس روایت کی سند روئے زمین پر سب سے بہترین سند ہے؛ اور ابن سیرین کی مراسیل صحیح ترین مراسیل میں شمار ہوتی ہیں۔

عبداللہ بن امام احمد کہتے ہیں: والد صاحب نے بتایا کہ ہم سے اسماعیل نے بیان کیا ہے کہ: منصور بن عبدالرحمان نے کہا کہ امام شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے جنگ جمل میں صرف حضرت علی، عمار، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین شامل ہوئے، اگر کوئی شخص پانچویں صحابی کا نام بتا دے تو میں کاذب ٹھہروں گا۔'' امام شعبی رحمہ اللہ کا مطلب سابقین مہاجرین صحابہ کا ذکر کرنا تھا۔ [1]

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جنگ صفین میں ستر بدری صحابہ رضی اللہ عنہم نے شرکت کی تھی۔''

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں: امیہ بن خالد نے کہا ہے: شعبہ سے کہا گیا: حکم نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے روایت کیا ہے کہ صفین میں ستر بدری صحابہ نے شرکت کی۔ جب شعبہ نے یہ بات سنی تو انھوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! یہ جھوٹ ہے؛ اس موضوع پر حکم کے ساتھ میری گفتگو ہو چکی ہے؛ یہ گفتگو اس کے گھر میں ہوئی تھی؛ ہمیں اہل بدر میں سے کسی کا نام نہیں جس نے صفین میں شرکت کی ہو؛ صرف خزیمہ بن ثابت نے صفین میں شرکت کی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ: یہ نفی دلالت کرتی ہے کہ اس جنگ میں بہت کم لوگ شریک ہوئے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اس جنگ میں سہیل بن حنیف اور ابو ایوب نے بھی شرکت کی تھی۔ ابن سیرین کا کلام بھی اسی کے قریبی معنی میں ہے۔ یہ نہیں لگتا کہ ایک سو ایک صحابہ نے اس جنگ میں شرکت کی ہو۔

ابن بطہ نے بکیر بن اشج سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ آپ کہتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد اہل بدر میں سے بہت سارے لوگ اپنے گھروں میں دب کر بیٹھ گئے تھے؛ وہ صرف اس وقت نکلے جب انہیں قبروں کی طرف لے جایا گیا۔

آٹھواں سبب: فتنہ قبر: جن اسباب کی بنا پر ایک مومن عذاب دوزخ سے نجات پائے گا۔ ان میں وہ تکلیف بھی شامل ہے جو مومن قبر میں اٹھائے گا۔ نیز منکر ونکیر کا سوال کرنا اور روز محشر کا درد و کرب سب اس میں داخل ہے۔

نواں سبب: محشر کی سختیاں: میدان محشر کے خوف اور سختیوں کی وجہ سے بھی لوگوں کے گناہ معاف کیے جائیں گے۔

دسواں سبب: پل صراط کا عبور: بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ مومن جب پل صراط سے گزریں گے تو

[1] [[امام ذہبی فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمل و صفین میں بہت تھوڑے صحابہ شامل ہوئے تھے۔ الدراوی]]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جنت وجہنم کے درمیان انھیں ایک پل پر ٹھہرا لیا جائے گا، جہاں وہ ایک دوسرے سے بدلہ لینے کے بعد پاک صاف ہو کر جنت میں جا داخل ہوں گے۔'' ❶

یہ ایسے امور ہیں جو شاذ و نادر ہی مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں، پھر صحابہ خیر القرون کے مصداق ہونے کے باوجود انھیں کیوں کر نظر انداز کر سکتے ہیں۔ یہ ان گناہوں کے بارے میں ہے جو حقیقت میں سرزد ہوئے ہوں۔ پھر ان کا کیا کہنا ہوگا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذمہ جھوٹ موٹ لگا دیئے گئے ہوں؟ یا وہ امور جو حقیقت میں تو نیکیاں اور اچھائیاں ہیں، مگر جان بوجھ کر انہیں بدل کر برائیوں کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے؟

[معائب صحابہ حسد یا کذب پر مبنی]:

یہ صحیح روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت عثمان پر تنقید کی اور کہا کہ وہ جنگ احد میں بھاگ گئے تھے؛ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔اور بیعت رضوان میں شرکت نہیں کی تھی۔ یہ سن کر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''احد میں بھاگ جانے پر اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ لغزش معاف کر دی تھی۔''

ایک روایت میں ہے؛ آپ نے فرمایا:

''وہ احد کے دن بھاگے اللہ تعالیٰ نے یہ لغزش معاف کر دی؛ مگر تم اسے گناہ سمجھ کر ابھی تک معاف نہیں کر رہے ہو۔ جب کہ بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی کی تیمارداری کے لیے پیچھے چھوڑ دیا تھا؛ اور مال غنیمت میں سے ان کو حصہ بھی دیا تھا۔ جب کہ بیعت رضوان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی وجہ سے عمل میں آئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جگہ بیعت کرتے وقت اپنا ہاتھ استعمال کیا تھا اور آپ کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے بہتر تھا۔ ❷

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جس چیز کو عیب سمجھتے ہیں حقیقت میں وہ عیب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا ہے۔اور باقی چیزیں بھی عیب والی نہیں۔ بلکہ یہ آپ کی نیکیاں ہیں۔ یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لگائے جانے والے تمام الزامات کا ہے؛ یا تو وہ ان کی نیکیاں ہیں؛ یا پھر اگر غلطی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا ہے [یا پھر اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ کر ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس سے وہ بری ہیں]۔

[حضرات صحابہ پر وارد کیے جانے والے عام اعتراضات یا تو بغض وحسد کے آئینہ دار ہیں یا کذب و دروغ گوئی پر مبنی ہیں]۔

---

❶ صحیح بخاری ، کتاب الرقاق، باب القصاص، یوم القیامة، (حدیث:٦٥٣٥)

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی A، باب مناقب عثمان بن عفان B(ح:٣٦٩٩)۔ سننِ التِرمِذِی 5/293؛ کتاب المناقِبِ، مناقِب عثمان بنِ عفان ؛ المسندِ ط۔ المعارِفِ /8۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ولایت سے متعلق اعتراضات:

[اعتراض]: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نا اہل لوگوں کو عہدے عطا کیے تھے۔''

[جواب]: اس کے جواب کی دو صورتیں ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ یہ دعوے ہی سرے سے باطل ہے۔ اس لیے کہ آپ نے صرف وہی لوگ مناصب پر تعینات کیے تھے جو ان کے اہل تھے۔[کسی نا اہل کو ہرگز کوئی منصب نہیں دیا]۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ [بالفرض اگر مان لیا جائے کہ] آپ نے نا اہل لوگوں کو منصب عطا کیے تھے۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسا کرنے میں ایک مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان سے اجتہادی غلطی سرزد ہوئی۔ آپ یہ خیال کرتے ہوں گے کہ یہ انسان اس منصب کا اہل ہے؛ مگر حقیقت میں وہ اس کا اہل نہ ہوا ہو۔[یہ ایسی غلطی ہے جو اللہ تعالیٰ نے معاف کردی]۔ تو پھر ایسی بات آپ کی شان میں قدح کا موجب نہیں ہوسکتی۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ولید بن عقبہ جس پر اعتراض کیا جارہا ہے؛ اس کا واقعہ تفسیر و حدیث اور سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ بڑا مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ بن معیط کو کچھ قبائل سے صدقات لینے کے لیے والی مقرر فرمایا۔ جب یہ ان کی بستی کے قریب پہنچا تو وہ لوگ اس کے استقبال کے لیے نکلے؛ [چونکہ ان کے مابین کچھ پرانی رنجشیں تھیں؛ اس وجہ سے یہ غلط سمجھا] اس نے سوچا یہ لوگ مجھ سے لڑنا چاہتے ہیں۔ اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ لوگ تو جنگ کرنے پر اتر آئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کی سرکوبی کے لیے لشکر روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا ؛ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ﴾ [الحجرات ۶]

''اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی نا قابل اعتماد آدمی کوئی خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے لیے پریشانی اٹھاؤ۔''

اگر ایک عامل کا حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی رہ سکتا ہے تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کیسے مخفی نہیں رہ سکتا؟

اگر یہ کہا جائے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد بھی اسے تعینات کیا تھا؟

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ مرتد ہو گیا تھا، پھر مسلمان ہو کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا، تو آپ نے اس کی معذرت قبول کی حالانکہ آپ نے اسے مباح الدم قرار دیا تھا۔ مزید یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس سے سابقہ پڑا تھا اور عمال کی ایسی حرکات ان کے علم میں آئیں جن کی آپ کو توقع نہ تھی۔ ایسی باتیں نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں موجب طعن ہیں اور نہ ہی کسی دوسرے کی شان میں۔ اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ علم ہونے کے باوجود کہ دوسرے افراد

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اس کام کے لیے زیادہ مناسب ہیں' پھر بھی انہی کو تعینات کیا۔ تو یہ مسئلہ اصل میں اجتہاد کے باب سے تعلق رکھتا ہے۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ: '' آپ کے اقارب کی محبت نے آپ کو ان کی طرف مائل کر دیا تھا؛ یہاں تک کہ آپ ان لوگوں کو دوسرے لوگوں کی نسبت سے زیادہ حق دار سمجھنے لگے۔ یا پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ آپ نے کیا؛ وہ گناہ کا کام تھا۔''

اس سے پہلے یہ بیان گزر چکا ہے کہ آپ کے گناہوں پر آخرت میں مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا۔

[اعتـــراض] : شیعہ مصنف لکھتا ہے: '' آپ کے بعض عمال سے فسق و فجور کے کام سرزد ہوئے اور بعض نے خیانت کی۔''

[جواب] : اس سے کہا جائے گا کہ: ولایت مل جانے کے بعد کسی چیز کا ظاہر ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ یہ مرض اس سے پہلے بھی موجود تھا۔ اور نہ ہی یہ لازم آتا ہے کہ آپ نے یہ علم ہونے کے بعد انہیں ولایت پر تعینات کیا تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے شراب پی ہے' تو آپ نے اسے بلا کر اس پر حد قائم کی۔ اور آپ ان لوگوں کو معزول بھی کیا کرتے تھے جنہیں معزول کرنے کا مستحق سمجھا کرتے تھے۔ اور جسے حد کا مستحق سمجھتے تھے اس پر حد بھی قائم کیا کرتے تھے۔

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اقارب میں مال تقسیم کیا تھا۔''

[جـواب] : ہم کہتے ہیں کہ حد سے زیادہ یہ گناہ ہو سکتا ہے؛ پھر یہ ایسا گناہ نہیں جس پر آخرت میں سزا دی جائے۔ اسے ایک اجتہادی غلطی بھی قرار دے سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

یہ مسئلہ علماء کے یہاں مختلف فیہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں جن اختیارات سے بہرہ ور تھے۔ آپ کے بعد امام و خلیفہ کو وہ اختیارات حاصل ہوں گے یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ اور ایسے ہی اس مسئلہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ جب یتیم کا ولی دولت مند ہو تو کیا وہ یتیم کے مال میں سے اپنی اجرت وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ آیا اجرت کا ترک کرنا واجب ہے یا افضل؟ جو علماء تونگری کے باوجود یتیم کے مال میں سے اجرت لینے کو جائز تصور کرتے ہیں، ان کے نزدیک امام و خلیفہ بھی بیت المال میں سے اپنی اجرت وصول کر سکتا ہے۔ اسی طرح قاضی و حاکم کو بھی یہ حق حاصل ہے۔

جو علماء یتیم کے مال میں سے اجرت وصول کرنے کو ناروا تصور کرتے ہیں، ان میں سے بعض بیت المال میں سے اپنی اجرت لینے کو جائز قرار دیتے ہیں، جس طرح زکوٰۃ وصول کرنے والا تونگری کے باوجود اس میں سے اپنی اجرت لینے کا مجاز ہے۔ یتیم کے ولی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ کَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ وَ مَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (النساء: ۶)

''جو دولت مند ہو وہ پرہیز کرے اور جو تنگ دست ہو وہ حسب دستور اس میں سے کھا لیا کرے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

بعض فقہاء نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اقارب کا حصہ خلیفہ و امام کے رشتہ داروں کو ملے گا۔ حضرت حسن [بصری] اور ابو ثور رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقارب کو بحکم ولایت عطیہ جات دیا کرتے تھے۔ اکثر علماء کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے آپ کے اقارب کا حق ساقط ہوگیا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نظریہ یہی ہے۔

جب آپ کا حق ساقط ہوگیا تو اب اس ساقط شدہ حق کے متعلق علماء کی ایک جماعت یہ نظریہ رکھتی ہے کہ اس سے گھوڑے اور دیگر سامان حرب خریدنے پر خرچ کیا جائے؛ اور مصلحت کے امور پر خرچ کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اسی پر عمل فرماتے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اس حق پر اب آپ کے بعد خلیفہ کا حق ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی تاویل سے کام لیا تھا، ان سے منقول ہے کہ آپ نے خود اس کا ذکر کیا تھا کہ وہ اپنے کام کی اجرت لے لیا کرتے تھے، اور ایسا کرنا آپ کے لیے جائز تھا۔ اگرچہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا طرز عمل بلاشبہ افضل تھا۔ تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دونوں باتوں پر عمل کرنے کے مجاز تھے۔ اور جو مال آپ کے لیے مخصوص ہوا کرتا تھا اس میں سے اپنے اقارب کو دیا کرتے تھے۔

وہ اپنے اقارب کو اس خیال سے عطیہ جات دیا کرتے تھے کہ وہ بقول مجوزین امام وخلیفہ کے اقارب تھے۔ خلاصہ کلام! جو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد منصب خلافت پر فائز ہوئے وہ اپنے اقارب کو مال دیا کرتے تھے یا ان کو مناصب جلیلہ پر فائز کیا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اقارب کو بعض علاقوں کا والی مقرر کیا تھا۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی گورنری اور اس پر الزام:

[اعتراض] : شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر کیا اس نے نشہ کی حالت میں نماز پڑھائی۔''

[جواب] : اس میں کوئی ملامت والی بات نہیں۔ کیونکہ جب آپ کو اس چیز کا علم ہوا تو آپ نے ولید بن عقبہ کو بلا بھیجا؛ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ان پر حد قائم کی؛ بلکہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اٹھیے اور انہیں کوڑے لگائیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپ کوڑے لگائیں مگر انہوں نے بھی ایسا نہیں کیا۔ پھر حضرت عبداللہ بن جعفر سے کہا: آپ اٹھیں اور انہیں کوڑے لگائیں؛ پھر آپ نے انہیں چالیس کوڑے لگائے۔ پھر فرمایا: رک جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے ہی لگائے تھے؛ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس کوڑے لگائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے لگائے؛ ان میں سے ہر ایک سنت ہے؛ مگر یہ عدد میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔ [رواہ مسلم]۔

جب آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے سے اور ان کے سامنے حد قائم کی تو یقیناً آپ نے واجب ادا کر دیا۔

سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور کوفہ کی ولایت:

[اعتراض] : شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا اس نے وہاں ایسے کام کیے جن کی بنا پر اسے کوفہ سے نکال دیا گیا۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

[جــواب]: جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اہل کوفہ نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور انھیں کوفہ سے نکال دیا تھا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سعید قصوروار بھی ہوں اور آپ کو وہاں سے نکالنا واجب ہو چکا ہو۔ اس لیے کہ اہل کوفہ اپنے امراء کے خلاف ہمیشہ بغاوت و سرکشی کا مظاہرہ کرنے کے خوگر تھے۔ اسی قدیم عادت کے پیش نظر انھوں نے سعید رضی اللہ عنہ سے یہ سلوک روا رکھا حالانکہ آپ نے ہی شہر فتح کئے تھے؛ اور کسری کے لشکروں کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ آپ چھ اہل شوریٰ میں سے ایک تھے۔ سعید رضی اللہ عنہ جیسا امیر کوفہ والوں کو نصیب نہیں ہو سکا۔ اہل کوفہ تو ان کے علاوہ دوسرے امراء کی بھی شکایات کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے عمار بن یاسر؛ سعد بن ابی وقاص؛ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان پر بددعا کی تھی:

''اے اللہ! انہوں نے مجھ پر اس امارت کو ملتبس [خلط ملط] کر دیا ہے تو ان پر اس کو ملتبس کر دے۔''

اگر مان لیا جائے کہ آپ نے کوئی گناہ کا کام کیا تھا۔ تو اس سے کہیں بھی یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس گناہ پر راضی بھی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نائبین نے بہت ہی زیادہ گناہ کیے تھے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ نائبین سے کئی غلطیاں سرزد ہوئیں۔ امام تو اس وقت [شریک گناہ یا] گنہگار ہوتا ہے جب وہ اپنا واجب فریضہ چھوڑ دے اور ان پر حد قائم نہ کرے۔ یہ کسی کا حق پورا نہ کرے؛ یا کسی پر ظلم و تعدی کا ارتکاب کرے۔ اور اگر گناہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی اس بارے میں تفصیل سے کلام پہلے گزر چکا ہے۔ [1]

[عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے نام خط کا مسئلہ]:

[اعتــراض]: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: بلاد مصر میں عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا جہاں اس نے بہت مظالم ڈھائے۔ لوگوں نے جب اسکی شکایت کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوشیدہ طور پر اسے لکھا کہ وہ اپنے عہدے پر ڈٹا رہے۔ یہ اس کھلے خط کے خلاف تھا جو اس کے نام لکھا گیا تھا۔'' [جس میں اسے معزول کیا گیا تھا]۔

[جواب]: یہ صریح جھوٹ ہے اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حلف اٹھا کر کہا تھا کہ انھوں نے یہ خط نہیں لکھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یقیناً اپنی قسم میں سچے اور حق پر تھے۔ بلکہ حد سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مروان نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بتائے بغیر یہ خط لکھ دیا تھا۔ جب انھوں نے مروان کو ان لوگوں کے سپرد کرنے کا مطالبہ کیا تھا تاکہ وہ اسے قتل کر دیں۔ تو آپ نے اس سے انکار کر دیا۔

اگر مروان کا قتل ناروا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا واجب ادا کر دیا [تو پھر آپ کا یہ اقدام درست ٹھہرا]۔ اور اگر اسے قتل کرنا جائز تھا اور واجب نہ تھا؛ تو آپ نے ایک جائز کام کیا۔ اور اگر وہ واجب القتل تھا؛ تو یہ اجتہادی مسئلہ

[1] ہم قبل ازیں سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے سیرت و سوانح اور مکارم اخلاق پر روشنی ڈال چکے اور بتا چکے ہیں کہ انھوں نے دعوت اسلام کو فروغ دینے میں کس حد تک مساعی جمیلہ انجام دی تھیں۔ اہل کوفہ کی یہ حالت تھی کہ اگر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی ان کا امیر بنا دیا جاتا تو ان کے ساتھ وہ وہی سلوک کرتے جو سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ روا رکھا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اس لیے کہ آپ کے ہاں کسی بھی دلیل سے مروان کا شرعاً واجب القتل ہونا ثابت نہیں ہوسکا تھا۔ اس لیے کہ محض جھوٹی باتیں گھڑ لینے سے کوئی واجب القتل نہیں ہو جاتا۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو قتل نہ کر کے ایک گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ تو ہم اس بارے میں تفصیلی کلام کر چکے ہیں۔ [نیز ہم نے یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ گناہوں سے پاک تھے؟ اس میں شبہ نہیں کہ آپ نے بے شمار اچھے کام بھی کیے ہیں۔ مزید برآں آپ بدری صحابہ میں شامل ہیں، جن کی مغفرت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے]۔

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا حکم:

[اعتراض]: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔''

[جواب]: یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر صریح افتراء پردازی ہے۔ جو شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار سے آگاہ ہے، اور وہ ذرا بھر بھی عدل و انصاف سے کام لینے والا ہے تو وہ جانتا ہے کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ آپ نے کبھی بھی محمد بن ابوبکر یا ان جیسے کسی بھی دوسرے انسان کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ ہی آپ کے بارے میں کبھی یہ ثابت ہوسکا ہے کہ آپ نے کسی ایسی بات پر کسی کو قتل کروایا ہو۔ [بلکہ] لوگ ان کو قتل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ لوگوں کے ساتھ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ آپ نے کسی ایک کو بھی اپنی ذات کے دفاع کے لیے لڑنے کا حکم نہیں دیا۔ تو پھر آپ ایک معصوم الدم کو بلا وجہ کیوں کر قتل کر سکتے تھے؟

اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا تھا؛ تب بھی یہ بات آپ پر موجب طعن نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اگر آپ نے محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا [تو اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ایک شر کا ازالہ کیا جائے۔ لہٰذا امت کی مصلحت کے نقطۂ خیال سے ایسا کیا ہوگا۔ اور اگر آپ نے ایسا حکم دیا تھا] تو آپ ان لوگوں کی نسبت اطاعت کے زیادہ حق دار تھے جو مروان کو طلب کر رہے تھے تا کہ اسے قتل کیا جائے۔

اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہدایت کے امام ہیں۔ آپ خلیفہ راشد ہیں۔ اور امت کی مصلحتوں کی رعایت کرتے ہوئے ان کی سیاست کرنا آپ کی ذمہ داری تھی۔ [اور آپ پر] واجب تھا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیا جائے جن کے قتل کے بغیر شر و فساد کا خاتمہ ہونا ممکن نہ ہو۔ جب کہ مروان کو قتل کرنے کے لیے طلب کرنے والے کچھ باغی لوگ تھے جن کے پیش نظر زمین میں فساد پھیلانے کے علاوہ کوئی کام نہ تھا۔ نہ ہی انہیں کسی ایک کو قتل کرنے کا اختیار حاصل تھا اور نہ ہی کسی پر حد قائم کرنے کا اختیار تھا۔ ان کی انتہائی غایت یہ ہوسکتی ہے کہ بعض امور میں ان پر ظلم ہوا ہو۔ تو کسی بھی مظلوم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ظلم کرنے والے کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دے۔ بلکہ انہیں تو کسی پر حد قائم کرنے کا بھی اختیار حاصل نہیں۔

مروان محمد بن ابوبکر سے بڑھ کر شریر اور فسادی نہ تھا۔ اور نہ ہی محمد بن ابوبکر علم اور دینداری میں مروان سے زیادہ مشہور تھا۔ بلکہ صحاح ستہ کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں مروان سے کئی ایک احادیث روایت کی ہیں۔ اور اہل علم و فتوی کے ساتھ اس کے اقوال کو بھی نقل کیا جاتا ہے۔ آپ کے صحابی ہونے کے متعلق اختلاف ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب کہ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے ہاں یہ مقام حاصل نہیں۔ انہوں نے ذوالقعدہ سے لیکر ربیع الاول کے شروع تک کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے صرف چند ماہ پائے ہیں۔ اس لیے کہ آپ کی پیدائش حجۃ الوداع والے سال ذوالقعدہ کے مہینے میں ذوالحلیفہ کے مقام پر ہوئی۔ جب کہ مروان کا شمار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ ومعاصرین میں سے ہوتا ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کو پایا ہے۔ اور ممکن ہے کہ فتح مکہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی ہو؛ یا پھر حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔ اور جن لوگوں کا کہنا ہے: آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا اس لیے کہ آپ اپنے والد کے ساتھ طائف میں تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو ان کے والد طائف میں ہی تھے۔ اور آپ بھی اپنے والد کے ساتھ ہی تھے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد کو طائف کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ بہت سارے اہل علم اس کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے طائف گئے تھے۔ آپ کو جلاوطن کرنے کی کوئی روایت صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

یہ فتح مکہ کے بعد کی بات ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر ان کے والد سارے آزاد کردہ لوگوں کے ساتھ مکہ میں موجود تھے۔ اور اس وقت مروان کی عمر حدِ تمیز [بلوغت کے قریب] کو پہنچ چکی تھی۔ اس بنا پر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کے والد نے جب لوگوں کے ساتھ حج کیا تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بھی کیا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ آپ مدینہ آئے ہوں، اور وہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔ الغرض شرف دیدار کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جب کہ آپ کے معاصر حضرت عبداللہ بن زبیر؛ حضرت مسور بن مخرمہ؛ یہ لوگ مدینہ میں موجود تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سماع ثابت ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور شام کی ولایت:

[اعتراض]: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو یہ ہے کہ حضرت عثمان نے ان کو والی شام مقرر کیا اور آپ نے وہاں پر نئے نئے فتنے پیدا کیے۔''

[جواب]: معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس وقت اس منصب پر تعینات کیا تھا جب ان کے بھائی یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوگیا۔ بھائی کی جگہ یہ منصب آپ کو تفویض کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں آپ اسی منصب پر قائم رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی ولایت میں وسعت دیدی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت اپنی رعایا کے ساتھ تمام والیوں سے زیادہ بہتر تھے۔ لوگ آپ کو ٹوٹ کر چاہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

> ''تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور جو تمہیں چاہتے ہوں تم ان کے حق میں دعا کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں، تمہارے بدترین حکام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور جو تم سے بغض رکھتے ہوں، جن پر تم لعنت بھیجتے ہو اور جو تم پر لعنت بھیجتے ہوں۔'' [اس کی تخریج گزر چکی ہے]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حوادثات اور فتنے اس وقت ظہور پذیر ہوئے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

شہید کر دیا گیا۔ یہ ایسا اور اتنا سخت فتنہ تھا کہ اس نے تمام لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا؛ صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں تھا۔ بلکہ [حق تو یہ ہے کہ] حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دوسرے کئی لوگوں سے بڑھ کر امن و سلامتی کے طلبگار تھے اور بہت سے لوگوں کی نسبت شر و فساد سے بہت زیادہ دور رہنے والے تھے۔

حضرت معاویہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وُلاۃ و حکام مثلاً اَشتر نخعی و محمد بن ابی بکر و عبید اللہ بن عمر؛ و ابو اعور سلمی ؛ ہاشم بن ہاشم بن ہاشم المرقال ؛ اشعث بن قیس الکندی ؛ اور بشر بن ارطاۃ کے علاوہ دوسرے جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے ؛ ان سے یقیناً افضل تھے۔

[عبداللہ بن عامر اور مروان سے متعلق اعتراض اور جواب:]

[اعتراض] : شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''آپ نے عبداللہ بن عامر رحمہ اللہ کو بصرہ کا والی بنایا؛ جس نے بہت سارے برے کام کیے۔''

[جواب] : حضرت عبداللہ بن عامر رحمہ اللہ کی اتنی نیکیاں ہیں اور لوگ آپ سے اس قدر محبت کرتے تھے جو کہ بیان محتاج نہیں۔ بالفرض اگر آپ نے کوئی گناہ کا کام کیا بھی تھا تو اس کا بوجھ آپ پر ہی ہے۔ یہ کس نے کہہ دیا کہ کسی برائی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ راضی تھے؟

[اعتراض] : روافض کا یہ قول کہ: ''آپ نے مروان کو والی مقرر کر کے اپنی انگوٹھی اس کے حوالے کر دی جس کا نتیجہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ اور اس کی وجہ سے امت میں بہت بڑا فتنہ پیدا ہوا۔''

[جواب] : حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کیے جانے کا سبب صرف اکیلے حضرت مروان نہیں تھے۔ بلکہ اس میں کئی امور جمع ہو چکے تھے۔ ان جملہ امور میں سے وہ امور بھی تھے جن کا مروان پر انکار کیا جاتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑی عمر کے ہو چکے تھے۔ یہ لوگ بعض ایسی حرکات کرتے جن کے بارے میں آپ کو نہیں بتایا کرتے تھے۔ پس آپ نے انہیں ایسے امور کے کرنے کا نہیں حکم دیا تھا؛ جن کا تم انکار کرتے ہو۔ بلکہ آپ رضی اللہ عنہ ایسی باتوں سے دور رہنے؛ اور انہیں ختم کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ پس کبھی ایسے کیا کرتے اور کبھی ایسے کیا کرتے تھے۔ اس کا عام جواب پہلے گزر چکا ہے۔

❁ جب مفسدین مدینہ میں آ دھمکے اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کئی باتوں کی شکایت کی۔ جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے ان تمام شکایات کا ازالہ کیا۔ اور جن لوگوں کو ان فسادیوں نے معزول کرنے کا مطالبہ کیا تھا؛ انہیں معزول کیا ۔ اور یہ بھی اعلان کیا کہ بیت المال کا کنٹرول ان لوگوں کے ہاتھوں میں دیا جائے گا جنہیں وہ پسند کرتے ہوں گے ۔ اور یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مشورہ اور ان کی رضامندی کے بغیر کسی کو کچھ بھی نہیں دیا جائے گا۔ اب ان کا کوئی مطالبہ باقی نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:

''انہیں تم نے ایسے نچوڑ دیا جیسے کپڑے کو نچوڑ دیا جاتا ہے' اور پھر تم نے ان کا قصد کیا اور ان پر ظلم کرتے ہوئے قتل کر دیا۔'' [مسلم ۳/ ۱۴۸۱]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے نام سے ایک جھوٹا خط لکھ لیا گیا تھا؛ جس میں ان لوگوں کے قتل کا حکم دیا گیا تھا۔اور انہوں نے یہ خط راستہ میں پایا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس خط کا بھر پور انکار کیا تھا۔آپ اپنے قول میں بالکل سچے تھے۔ پھر انہوں نے اس کا الزام مروان پر لگایا؛ اور آپ سے مطالبہ کیا کہ مروان کو ان کے حوالہ کیا جائے تا کہ وہ اسے قتل کرسکیں۔لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔

اگر مان لیا جائے کہ بات صحیح بھی ہے؛ تو پھر بھی جو کچھ ان لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا؛ وہ اس بات کی بنا پر مباح یا جائز نہیں ہوسکتا تھا۔اس کی زیادہ سے زیادہ حد یہ ہوسکتی ہے کہ مروان ان لوگوں کو قتل کروانے کے اپنے ارادہ میں گنہگار رہو۔لیکن اس کی مراد پوری نہ ہوسکی۔جو کوئی کسی انسان کو قتل کرنے کی کوشش کرے؛ مگر اسے قتل نہ کرے؛ تو صرف اس کوشش کی وجہ سے اس کو قتل کرنا واجب نہیں ہو جاتا۔پس ایسے معمولی سے مسئلہ کی بنا پر مروان کو قتل کرنا واجب نہیں ہو گیا تھا۔ہاں ایسے لوگوں سے بچنا ضروری تھا جو اس قسم کی حرکات کرتے ہوں۔اور ان لوگوں کو ان کے مناصب سے سبکدوش کرکے ادب سکھانا چاہیے تھا۔لیکن قتل کرنا یہ بہت ہی خطرناک معاملہ ہے۔

[اقرباء پروری کی حقیقت کیا ہے؟]:

[اعتراض]: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ:''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیت المال سے اپنے اقارب کو بہت زیادہ نوازتے رہتے؛ اور انہیں دوسرے لوگوں پر ترجیح دیتے تھے۔قریش میں سے ان کے چار داماد تھے،ان کو چار لاکھ دینار عطا کیے۔ مروان کو دس لاکھ دینار دیئے۔''

[جواب]: پہلی بات: اس واقعہ کی نقل کہاں ثابت ہے؟اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اپنے اقارب کو بھی بیت المال میں سے ایسے ہی دیا کرتے تھے جیسے دوسرے لوگوں کو دیا کرتے تھے۔آپ تمام مسلمانوں کے ساتھ احسان کرنے والے تھے۔لیکن جس صورت میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے اس کو صحیح ثابت کرنا بھی چاہیے۔[یہ محض جھوٹ ہے]۔

دوسری بات:...... یہ تو ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور نہ ہی خلفاء راشدین میں سے کسی دوسرے خلیفہ نے اپنے اقارب کو اس قدر مال دیا۔یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کی تالیف قلب کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ دیا کرتے تھے۔مگر اس کے باوجود آپ نے تیس لاکھ درہم دیئے۔اور کہا جاتا ہے کہ اتنی بڑی رقم کبھی کسی کو نہیں دی گئی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے بعض اقارب کو دیا کرتے تھے۔جس کی وجہ سے آپ پر انکار بھی کیا گیا۔مگر اس کی تاویل پہلے گزر چکی ہے کہ آپ ایسا کیوں کرتے تھے۔جبکہ اس بارے میں عام جواب آگے آئے گا۔ اپنے اقارب کو نوازنے میں آپ دو تاویلوں کا شکار تھے؛ ان میں سے ہر تاویل فقہاء کے ایک طائفہ کا مذہب ہے۔

پہلی تاویل:...... اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت میں جو حصہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھا تھا؛ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء کا حق ہے۔فقہاء کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔اس بارے میں اس مسند اور معروف حدیث روایت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی گئی ہے۔اس کے جزئیات کی تفصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں جیسے لوگ آپ کے ذوالقربی تھے ؛[یعنی مال غنیمت میں ان کا حصہ متعین تھا] آپ کے بعد ویسے ہی لوگ آپ کے خلفاء اور جانشینوں کے ذوالقربی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ : حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اتنے زیادہ رشتہ دار نہیں تھے جتنے زیادہ رشتہ دار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تھے۔اس لیے کہ بنوعبدشمس قریشی قبائل میں سے سب سے بڑا قبیلہ تھا؛ ان کے برابر کا قبیلہ صرف بنومخزوم تھے۔اور انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اپنے خونی رشتہ داروں پر خرچ کرے۔ جب ان کا اعتقاد یہ تھا کہ ولی امر کے پاس وہ مال آتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ذو القربی کا حصہ مقرر کیا ہے ؛ تو وہ مستحق ٹھہرتے ہیں کہ وہ مال انہیں دیا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ کہا ہے۔کیونکہ وہ خلیفہ یا امام کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہیں ۔اور ولی امر کی مدد اور اس کا دفاع کرنا ان پر فرض ہے۔اور جس طرح اس کے اقارب اس کی مدد یا دفاع کرسکتے ہیں' ایسے کوئی دوسرا انسان نہیں کرسکتا۔

خلاصہ کلام! ہر حاکم کے لیے ایسے لوگوں کا ہونا ضروری ہے جو اپنی جانوں پر کھیل کر اس کی مدد کریں۔اور جو لوگ اسے ضرر پہنچانا چاہتے ہوں' ان سے اس کا دفاع کریں ۔ جیسا کہ لوگ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھے۔اور پھر ان لوگوں کی بھی کفائت [اور کفالت] کا کچھ بندوبست ہونا چاہیے ۔یہ ایک تأویل ہے۔

دوسری تاویل:......آپ ان اموال میں تصرف کیا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ [زکوٰۃ وصدقات کے مصارف بیان کرتے ہوئے]فرماتے ہیں: ﴿وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ [التوبہ ۶۰] ''اور اس میں کام کرنے والوں کا بھی حصہ ہے ۔''

صدقات اور زکوٰۃ وصول کرنے والا عامل اپنی تونگری کے باوجود اس مال میں سے اپنی اجرت لینے کا مجاز ہے۔اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

یتیم کے مال کی دیکھ بھال کرنے والے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (النساء:۶)

''جو دولت مند ہو وہ پرہیز کرے اور جو تنگ دست ہو وہ حسب دستور اس میں سے کھا لیا کرے۔''

اور کیا اس آیت مذکورہ میں استعفاف [پرہیز] کا حکم واجب حکم ہے یا مستحب؟ اس میں دو قول ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ کیا بیت المال کا والی ؛ اور ناظر وقف بھی صدقہ وصول کرنے والے کی طرح ہیں یا پھر اور یتیم کے مال کی دیکھ بھال کرنے والے کی طرح ہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔

اگر امام یا خلیفہ کو صدقات وصول کرنے والے عامل کی طرح سمجھا جائے تو وہ غنی ہونے کے باوجود اس مال میں سے لینے کا مستحق ٹھہرتا ہے۔اور اگر اسے یتیم کے ولی کی طرح سمجھا جائے تو پھر اس میں دو قول ہیں ۔سب ملاکر کل یہ تین قول ہوئے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں ان میں سے دو قول تھے۔

آپ کے لیے مالدار ہونے کے باوجود اس مال میں سے لینا جائز تھا۔یہ فقہاء کا مذہب ہے؛ اس میں بادشاہوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سی اغراض کو کوئی دخل نہیں جن پر کوئی بھی اہل علم موافقت نہ کرتا ہو۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ اگر یہ تأویلات شریعت کے مطابق راجح ہیں تو پھر ان میں کسی کو کوئی کلام نہیں ہونا چاہیے۔ اور اگر یہ تاویلات مرجوح ہیں؛ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو کچھ ہوا؛ اور مسلمانوں کے مابین جتنی خونریزی ہوئی وہ اس سے زیادہ تاویل یا عذر کی مستحق نہیں ہوسکتی۔ ان اقوال سے حجت اخذ کرنا ان لوگوں کی حجتوں سے زیادہ مضبوط ہے جن کی رائے کی وجہ سے جنگوں کی آگ بھڑکی۔

[حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور جناب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ]:

[اعتراض] : شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مورد طعن بناتے اور ان کی تکفیر کیا کرتے تھے۔''

[جواب] : یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک جھوٹا الزام ہے۔ علماء کرام اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تکفیر نہیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ کوفہ تشریف لے گئے اور وہاں پر فرمایا: ''ہم نے اپنے میں سے سب سے اعلی اور اونچا مقام رکھنے والے کو والی مقرر کیا ہے؛ اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلافت کے پہلے چند سال نظام بالکل درست چلتا رہا۔ جب آخری چند سال آئے تو آپ پر اعتراضات کیے جانے لگے۔ بعض امور ایسے تھے جن میں لوگ معذور تھے۔ اور بہت سارے امور ایسے تھے جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ معذور تھے۔ ان جملہ امور میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا معاملہ بھی ہے۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس لیے ناراض ہوگئے تھے کہ آپ نے قرآن کریم کی کتابت ان کی بجائے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سپرد کی تھی [1] اور باقی صحابہ کو حکم دے دیا تھا کہ اپنے پاس موجود مصاحف کو دھو کر ختم کردیں۔

[1] ابوعبداللہ زنجانی ایک شیعہ معاصر نے اپنی کتاب تاریخ القرآن کے صفحہ ۴۶ پر لکھا ہے کہ علی بن موسیٰ المعروف ابن طاؤس المتوفی (۵۸۹۔۶۶۴) ایک شیعہ عالم نے اپنی کتاب ''سعد السعوذ'' میں علامہ شہرستانی کی تفسیر کے مقدمہ سے بروایت سوید بن علقمہ رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے تھے: ''اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں مبالغہ آمیزی سے کام نہ لو اور یہ نہ کہو کہ انھوں نے قرآن کے اوراق جلا دیے تھے۔ اللہ کی قسم یہ اوراق انھوں نے صحابہ کی ایک جماعت کے روبرو جلائے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ہمیں جمع کیا اور کہا: ''ان مختلف قراءتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ ایک شخص دوسرے سے مل کر کہتا ہے کہ میری قراءت تم سے بہتر ہے اس کا نتیجہ کفر کی صورت میں برآمد ہوگا۔'' ہم نے کہا آپ کی کیا رائے ہے؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں لوگوں کو ایک قرآن پر جمع کرنا چاہتا ہوں۔ اگر قراءت قرآن میں ابھی تمہارے یہاں اختلاف پیدا ہوگیا۔ تو بعد میں آنے والے مسلمان شدید اختلافات میں مبتلا ہوجائیں گے۔'' ہم نے کہا: ''آپ ٹھیک فرماتے ہیں۔'' خطیب نے العواصم من القواصم، ص: ۶۳۔۶۴، کے حواشی میں لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جملہ بلاد اسلامیہ میں قرآن کے ایک ہی نسخہ کو پھیلانا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس بات پر متفق کرنا چاہا۔ مصحف عثمانی ہی قرآن کریم کا وہ کامل نسخہ ہے جو قرآن کریم کی اس قراءت کے مطابق ہے جس کے مطابق سیدنا جبرائیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری مرتبہ قرآن کریم سنایا تھا۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ کتابت قرآن کی خدمت انھیں سپرد کی جائے، آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ قبل ازیں قرآن کا جو نسخہ وہ جمع کر چکے ہیں اسے باقی رکھا جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ دونوں باتیں تسلیم ⇦⇦⇦

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

جمہور صحابہ اس ضمن میں حضرت عثمان کے ساتھ تھے۔اس سے پہلے جمع مصحف کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ کی خدمات حاصل کر چکے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کی خدمات حاصل کیں جسے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ قرآن کی جمع و تدوین پر مامور فرما چکے تھے۔ یہ اختیار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک بہت محبوب تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جب قرآن مجید سنایا تھا، حضرت زید رضی اللہ عنہ اس قراءت کے دیگر صحابہ سے زیادہ واقف تھے۔ جب ولید بن عقبہ نے شراب پی [1] تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی مذمت کی تھی۔

پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ آئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو شادی کرنے کے لیے کہا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اہل بدعت رافضیوں کا وظیفہ حیات یہی ہے کہ یہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر اور تفسیق ایسے امور کی بنا پر کرتے رہے ہیں جن کی وجہ سے کسی بھی حاکم کو کافر یا فاسق نہیں کہا جا سکتا۔ تو پھر خلفاء راشدین کے بارے ایسی بات کہنا کیونکر روا ہو سکتی ہے؟ اور یہ بات بھی معلوم شدہ ہے کہ متنازع فریقین میں سے کسی ایک قول کی بنا پر دونوں میں سے کسی ایک پر بھی قدح وارد نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی دو جھگڑا کرنے والوں میں سے کسی ایک کا کلام دوسرے پر قدح کا موجب ہو سکتا ہے۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر بفرض محال ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کیا تھا تو یہ امر دونوں حضرات کے لیے موجب قدح ہے صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے لیے نہیں، بلکہ اسے دونوں کی اجتہادی غلطی پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔ یہ دونوں حضرات جلیل القدر بدری صحابہ میں شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطائیں معاف کر دی ہیں، اور ان کی نیکیوں پر ان کو اجر و ثواب سے نواز دیا۔ اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک سے کوئی گناہ ہوا تھا۔ تو ہم یہ بھی جانتے ہیں

⇦⇦⇦ نہ کیں۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ خدمت تجویز کرنے کی وجہ یہ تھی کہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کو خلافت صدیقی میں اس کام پر مامور فرمایا تھا۔ کیوں کہ آخری مرتبہ جس قراءت کے مطابق قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا گیا تھا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو وہ قراءت یاد تھی، لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو یہ خدمت تفویض کرنے میں حق بجانب تھے۔ یہ مطلب نہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علم و فضل اور صدق ایمان سے آگاہ نہ تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس فعل میں بھی حق بجانب تھے کہ آپ نے قرآن کریم کے تمام نسخوں کو دھوڈالا تھا، اس میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف بھی شامل تھا۔ اجماع صحابہ کے مطابق پوری امت کو قرآن کریم کے ایک صحیح تر اور کامل نسخہ پر جمع کرنا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا عظیم ترین کارنامہ ہے۔ تاہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قدر افزائی کرتے رہے اور اس میں کچھ فرق نہ آیا۔ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مطیع فرمان رہے اور انھیں سب مسلمانوں سے افضل خیال کرتے رہے، کیوں کہ آپ نے صدق دل سے ان کی بیعت کی تھی اور آخری دم تک اس پر قائم رہے تھے۔

[1] حقیقت یہ ہے کہ خلافت عثمانی کے مخالفین اور ولید بن عقبہ کے دشمنوں نے ولید پر افتراء باندھا تھا۔ ولید کے خلاف شراب نوشی کی شہادت دینے والے سب جھوٹے، چور اور کمینے آدمی تھے۔ ان کی یہ شہادت صاف جھوٹ تھی۔ دیکھیے: (العواصم من القواصم: ۹۴-۹۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ان میں سے ہر ایک اللہ کا ولی تھا؛ [انہیں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔اس لیے] وہ اہل جنت میں سے ہے؛ اوران میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ان میں سے کسی ایک کو بھی اللہ تعالیٰ اس کے گناہ پر آخرت میں عذاب نہیں دیگا۔ پھر یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ مشاجرات صحابہ کے بارے میں زبان کو بند رکھنا اولیٰ وافضل ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان تمام لوگوں سے افضل ہیں جو آپ کی شان میں جرح وقدح کرتے ہیں۔آپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے کئی وجوہات کی بنا پر افضل ہیں۔یہ بات بہت سارے دلائل کی روشنی میں ثابت شدہ ہے۔

مفضول کا کلام فاضل میں قدح ہونے کی بجائے اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ خود مفضول کی ذات پر ہی قدح ہو۔بلکہ اگر ان دونوں کے مابین علم کی روشنی میں عدل کیساتھ کلام کرنا ممکن ہو تو ٹھیک؛ ورنہ اس طرح کلام کیا جائے جس سے دونوں کی فضیلت اور دین داری معلوم ہو۔اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مابین جو جھگڑے پیش آئے ان کا انجام کار آخر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین اس سلسلہ میں ہمیں اپنی زبانوں کو بند رکھنے کی وصیت کرتے ہیں۔اس لیے کہ ہم سے ان کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے خون سے آلودہ نہیں کیا۔میں اپنی زبان کو بھی اس سے ملوث نہیں کرنا چاہتا۔''

کسی دوسرے نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:

﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

(البقرۃ ۱۳٤)

''یہ ایک امت تھی جو گزر چکی،اس کے لیے وہ ہے جو اس نے کمایا اور تمھارے لیے وہ جو تم نے کمایا اور تم سے اس کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔''

لیکن جب بھی ایسے مبتدعین ظاہر ہوں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتنقید کررہے ہوں' تو اس وقت ان کا دفاع کرنا؛ اور باطل کی حجتوں کو علم اور عدل کے ساتھ ختم کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

[حضرت عمار اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما]:

ایسے ہی حضرت عمار سے منقول روایت بھی ہے کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تنقید کیا کرتے تھے۔یہاں تک کہ انھوں نے کہا:''عثمان رضی اللہ عنہ صراحۃً کافر ہوگئے تھے۔''

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی یہ بات ناپسند کی تھی؛ اور اس کا انکار کیا تھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا:''اے عمار رضی اللہ عنہ! کیا آپ اس اللہ سے منکر ہیں جس پر عثمان رضی اللہ عنہ ایمان لائے تھے؟

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ہم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ بعض اوقات ایک ولی اللہ اور مومن شخص دوسرے ولی کی از راہ خطا تکفیر کرتا ہے، وہ اپنے اس اعتقاد [اور قول] میں غلطی پر ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوصف دونوں کے ایمان میں قدح وارد نہیں ہوتی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ: ''تو منافق ہے اور منافقین کی وکالت کرتا ہے۔''❶

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا:

''اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''حاطب رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شرکت کر چکا ہے۔ اور تمہیں کیا پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف جھانک کر دیکھا ہے؛ اور فرمایا ہے:: ﴿اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ﴾ ''جو اعمال چاہو انجام دو؛ میں نے تمھیں بخش دیا۔''❷

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے کئی درجہ افضل ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ حاطب رضی اللہ عنہ کے لیے کہا؛ اس میں ان کی حجت عمار رضی اللہ عنہ کی حجت کی نسبت زیادہ ظاہر ہے۔ مگر اس کے باوجود دونوں حضرات اہل جنت میں سے ہیں۔ تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ جنتی کیسے نہیں ہو سکتے؟ جب ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو ایسی ویسی بات کہہ دے۔ حالانکہ علماء کرام کی ایک جماعت نے انکار کیا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کوئی بھی ایسی بات نہیں کہی۔

[حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی پٹائی کا واقعہ]:

[اشکال]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس قدر پیٹا کہ ان کی موت واقع ہوگئی۔''

[جواب]: یہ بڑا ذلیل اور گھٹیا جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں ان کے منصب پر بحال رکھا۔ یہاں تک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے وہ واقعہ پیش آیا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتقال حضرت عثمان کی پٹائی سے ہرگز نہیں ہوا۔

جملہ طور پر اگر یہ کہا بھی جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمار اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں کو پیٹا تھا۔ بشرط صحت اگر ہم اس واقعہ کو درست مان بھی لیں؛ تو یہ واقعہ ان میں سے کسی ایک کی شان میں قدح کا موجب نہیں ہے۔ [حضرت

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافک (حدیث:٤١٤١)، وصحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی حدیث الافک (حدیث:٢٧٧٠)

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب فضل من شهد بدراً (حدیث:٣٩٨٣، ٤٢٧٣)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل حاطب بن ابی بلتعة رضی الله عنه (حدیث:٢٤٩٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے اور بنا بر اجتہاد انھیں تعزیر کا حق حاصل تھا خواہ یہ اجتہاد صحیح ہو یا غلط]۔اس سے ان حضرات میں سے کسی ایک کی شان میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اور ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ تینوں حضرات [ان شاء اللہ] جنت میں ہوں گے۔ اور یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے بڑے متقی ولیوں میں سے ہیں۔ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کبھی ولی اللہ سے کوئی غلطی یا گناہ سرزد ہو جاتا ہے جس پر وہ شرعاً سزا کا مستحق ہوتا ہے تو پھر تعزیر کیوں نہیں ہو سکتی ؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو اس وقت درّہ سے مارا جب دیکھا کہ لوگ آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! یہ کیا کر رہے ہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ایسے چلنا متبوع کے لیے باعث فتنہ اور تابع کی رسوائی کا موجب ہے۔''

اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو کچھ ادب سکھایا تھا؛ یا تو اس تأدیب میں حق پر تھے؛ اس لیے کہ آپ کو ایسا کرنے کا استحقاق حاصل تھا۔ یا پھر جس بات پر ان لوگوں کی تعزیر کی ہوگی؛ اس پر انہوں نے پہلے سے توبہ کر لی ہوگی۔ یا اس تعزیر کی وجہ سے ان کا کفارہ ہو گیا ہوگا؛ یا دیگر مصائب و آلام ان خطاؤں کا کفارہ بن گئے ہوں گے۔ یا کوئی اور ایسا سبب پیش آ گیا ہوگا۔

یا تو پھر یہ کہا جائے کہ: جن لوگوں کی تعزیر کی گئی وہ بالکل مظلوم تھے۔ تو جیسے آپ ان حضرات کے بارے میں کوئی بات کہیں گے وہی بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی عذر ہوگی۔ اس لیے کہ بلا ریب آپ ان لوگوں سے افضل تھے۔ اور آپ رحمت و مغفرت کے زیادہ مستحق تھے۔

بسا اوقات امام سزا دینے میں اجتہاد سے کام لیتا ہے؛ اس پر اسے ثواب بھی ملتا ہے۔ مجتہدین اپنے اجتہاد کی وجہ سے جو کام کرتے ہیں' اس پر انہیں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کے اجتہاد کی وجہ سے انہیں ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر گواہی دی تھی۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا شمار نیک و صالحین مسلمانوں میں سے ہوتا ہے۔ وہ اپنے اس گواہی دینے میں اجر و ثواب کی امید رکھتے تھے۔ اور ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ حد قائم کرنے میں اجر و ثواب کے مستحق تھے۔ تو اس میں کوئی مانع نہیں ہو سکتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو کچھ سلوک حضرت عبداللہ بن مسعود اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے کیا؛ وہ بھی اسی باب سے ہو۔

جب ایک دوسرے کو قتل کرنے والوں میں سے ہر ایک مجتہد اور اس کے گناہ و خطائیں بخشا گیا ہوتا ہے تو پھر آپس میں اختلاف کرنے والے بھی بدرجہ اولیٰ حق پر ہو سکتے ہیں۔

یا تو پھر یہ کہا جائے کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی مجتہد تھے؛ اور دوسرے صحابہ بھی اجتہاد پر تھے۔ ایسے واقعات بہت زیادہ پیش آتے ہیں۔ کوئی انسان کوئی کام اپنے اجتہاد سے کرتا ہے۔ اور مسلمان حکمران کا خیال ہوتا ہے کہ اس حرکت پر اسے لازمی سزا ملنی چاہیے۔ جیسا کہ کسی ظلم کرنے والے سرکش کو سزا ملتی ہے۔ بھلے وہ حاکم کے پاس پیش ہونے کے بعد توبہ ہی کیوں نہ کر لے۔ بیشک زانی؛ شرابی اور چور جب عدالت میں پیش ہونے اور ان پر جرم ثابت ہونے کے بعد توبہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کریں تو اس توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی۔ بلکہ انہیں اپنے جرم کی سزا ملے گی۔ اور توبہ کی وجہ سے وہ جنت کے مستحق ٹھہریں گے۔ اور حد کا لگنا بھی ان امور میں سے ہے جس پر انہیں اجر و ثواب ملے گا۔ اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے وہ گناہ معاف کر دے گا جنہیں ابھی تک معاف کرنے کی ضرورت ہوگی۔

مثال کے طور پر اگر ایک آدمی کسی ایسے آدمی کو قتل کر دے جو قتل کرنے کی وجہ سے قصاص کا مستحق ہو؛ یا اس کا مال یہ سمجھ کر لے لے کہ حقیقت میں وہ اسی کا مال ہے۔ پھر مقتول کے وارث یا مال والے حاکم کے پاس اپنے حق کا دعوی دائر کر دیں اور حاکم ان لوگوں کے حق میں فیصلہ دے دے۔ اور جو انسان ان کا حق انہیں تسلیم کرنے سے انکار کرے تو حاکم اسے سزا دیگا؛ بھلے وہ آدمی کسی تاویل کی وجہ سے ہی ایسا کر رہا ہو۔ بلکہ وہ باطن میں اس سے بری ہی کیوں نہ ہو۔

نبیذ جو کہ متنازع فیہ ہے؛ اکثر فقہاء نبیذ پینے پر بھی حد لگانے کا فتوی دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ انسان متأول ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے ہی متأول باغی کو بھی اس کی بغاوت سے نجات حاصل کرنے کے لیے قتل کرنے کا فتوی دیتے ہیں۔ مگر اس کی تاویل کی وجہ سے اس پر فاسق ہونے کا فتوی نہیں لگاتے۔

صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار اور حسن رضی اللہ عنہما کو کوفہ بھیجا تاکہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف کمک جمع کر سکیں؛ تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں اور آخرت میں بھی۔ اس کے باوجود فرمایا کرتے:

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزمایا ہے کہ آیا تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرتے ہو یا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی۔ [1]

حضرت عمار رضی اللہ عنہ لوگوں کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف جنگ آزما ہونے پر ابھارتے بھی تھے تاکہ آپ کے خلاف قتال کے ذریعہ یا دیگر کسی بھی طرح سے ہر ممکن دفاع کیا جاسکے۔ تاہم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جنتی اور آخرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی قرار دیتے تھے۔

جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے برسرِ پیکار ہونے کے باوجود ان کے جنتی ہونے کی گواہی دے سکتے ہیں تو پھر کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کے جنتی ہونے کی گواہی نہ دیں؟

اس میں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان لوگوں سے جو کچھ بھی ہوا وہ گناہ کا کام تھا۔ اس سے پہلے ہم قاعدہ کلیہ بیان کر چکے ہیں کہ یہ لوگ یعنی صحابہ کرام جنتی ہیں؛ اس کی گواہی صادق المصدوق نے دی ہے؛ اگرچہ ان کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

[حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور رافضی کی پیش کردہ حدیث]

[اعتراض]: احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمار میرا نور نظر ہے، اسے ایسی باغی جماعت قتل

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضل عائشة رضی اللہ عنہا۔ (ح: ۳۷۷۲، ۷۱۰۰)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کرے گی جو روزِ قیامت میری شفاعت کی مستحق نہیں ہوگی۔''

[جواب]: اس میں سے صحیح صرف اتنا ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ''عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔''❶

علماء کرام رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ان علماء میں سے ایک حسین الکرابیسی بھی ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی ایسے ہی نقل کیا گیا ہے۔

اس روایت کے یہ الفاظ: ''روزِ قیامت میری شفاعت کی مستحق نہیں ہوگی۔''

یہ جملہ حدیث میں اپنی طرف سے جھوٹ داخل کیا گیا ہے؛ کسی بھی اہل علم نے معروف سند کیساتھ یہ روایت نقل نہیں کی۔ ایسے ہی یہ جملہ: ''عمار میرا نور نظر ہے۔'' کسی بھی معروف سند کے ساتھ کسی محدث نے نقل نہیں کیا۔ اگر ایسا جملہ ثابت بھی ہو جائے تو یہ بھی اس صحیح حدیث کی طرح ہے جس میں ثابت ہیکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''فاطمہ میرا جگر پارہ ہے، مجھے بھی وہ چیز شک میں ڈالتی ہے جو اسے شک میں ڈالتی ہے۔''❷

اور صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں ان کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتا۔''❸

صحیح حدیث میں ثابت ہے رسول اللہ ﷺ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے اور دعا فرمایا کرتے تھے:

''یا اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں' تو بھی اس سے محبت کر۔''❹

مگر اس کے باوجود جب آپ نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر بہت سخت انکار کیا اور فرمایا:

''اے اسامہ! کیا لا اِلـہ اِلا اللّٰہ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر ڈالا؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ایسا کہا تھا۔''

مگر آپ ﷺ بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ مجھے بار بار آرزو ہونے لگی کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔'' [صحیح مسلم:ج ۱:ح ۲۷۸]

اور صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے رسول اللہ کے چچا عباس بن عبدالمطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا، ......اور اے فاطمہ......میں اللہ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکوں گا......''❺

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب مسح الغبار عن الرأس فی سبیل الله (حدیث:۲۸۱۲)۔

❷ بخاری۔(ح:۳۷۲۹) و صحیح مسلم(ح۲٤٤۹) مفصل تخریج گزر چکی ھے۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب اقامة الحدود علی الشریف والوضیع (ح: ٦٧٨٧، ٦٧٨٨)۔

❹ البخاری ٥/ ٢٣؛ مسلم:٣/ ١٣١٥؛ سنن التِرمِذِي 5/342؛ کتاب المناقِب، باب مناقِبِ أسامة، مجمع الزوائِدِ لِلهیثمِي 9/286، فضائِل الصحابة؛ 2/834، ترتیب مسندِ أبِی داود الطیالِسِي، تکلِیف أحمد عبدِ الرحمنِ البنا 2/140؛ المسند ط۔ الحلبِي، 5/205، وفِیهِ أن النبی صلی الله علیهِ وسلم کان یأخذه والحسن ویقول: اللهم إِنِی أحِبهما فأحِبهما۔

❺ البخاری:ج۲:ح۲٦؛٤/ ٦ کتاب الوصایا، بابِ هل یدخل النِساء والولد فِی الأقارِبِ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہ بھی صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن الحمار نامی ایک شخص پر کئی بار شراب کی حد قائم کی۔ مگراس کے باوجود آپ نے فرمایا:

''یہ اللہ اوراس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔'' ❶

ایسے ہی رسول اللہ ﷺ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار قرار دیا کرتے تھے۔لیکن جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب غلطی سے بنوجذیمہ کو قتل کردیا تو نبی کریم ﷺ نے دعا کی:

''اے اللہ! جو کچھ خالد نے کیا ہے' میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔'' [البخاری ٤/ ١٠٠]

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''تم مجھ سے ہو اور میں تجھ سے ہوں۔''

لیکن اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا:

''بنو ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اپنی بیٹی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینے کی اجازت طلب کی ہے۔'' واضح رہے کہ میں اس کی اجازت نہیں دیتا، میں اس کی اجازت نہیں دیتا، میں اس کی اجازت نہیں دیتا،[آپ نے تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے]۔البتہ علی رضی اللہ عنہ اگر میری بیٹی کو طلاق دے دیں تو ان کی بیٹی کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں۔اللہ کی قسم! اللہ کے نبی کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک ہی آدمی کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔'' [اس کی تخریج گزر چکی ہے۔]

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حالت احرام میں اپنے غلام کو پیٹ رہے تھے تو آپ نے فرمایا: ''دیکھو یہ محرم کیا کررہا ہے۔'' ❷

اس طرح کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

[حدود وتعزیرا ور مصائب گناہوں کا کفارہ ہیں:]

کبھی کوئی انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب ہوتا ہے۔مگر اس میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی کہ اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے ادب سکھایا جائے۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''کسی مومن آدمی کو جب بھی کوئی تکلیف یا ایذا یا کوئی بیماری یا رنج یہاں تک کہ اگر اسے کوئی فکر ہی ہو یا اگر کوئی کانٹا چبھتا ہے تو اللہ اس کے بدلہ میں اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔'' [مسلم:ج٣ : ح ٢٠٦٤]

جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ﴾ [النساء ١٢٣]

''جو کوئی برائی کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔''

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کمر توڑنے والی آیت نازل ہوگئی۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الحدود، ح: ٦٧٨٠

❷ ابو داؤد ٢/ ٢٢٣ و ابن ماجة ٢/ ٤٣٢۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

''کیا تمہیں کبھی کوئی غم نہیں پہنچتا؟ کیا تمہیں تھکاوٹ نہیں ہوتی؟ کیا تمہیں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی؟ یہی وہ چیزیں جو بدلہ میں تمہیں دی جاتی ہیں۔ ❶

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''حدود مجرم کے لیے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں۔'' ❷

صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور چوری نہ کرنا اور زنا نہ کرنا اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا اور نہ ایسا بہتان (کسی پر) باندھنا جس کو تم (دیدہ و دانستہ) بنالاؤ۔ اور کسی اچھی بات میں اللہ اور رسول کی نافرمانی نہ کرنا پس جو کوئی تم میں سے (اس عہد کو) پورا کرے گا، تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔ اور جو کوئی ان (بری باتوں) میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے گا اور دنیا میں اس کی سزا اسے مل جائے گی تو یہ سزا اس کا کفارہ ہو جائے گی اور جو ان (بری) باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے گا اور اللہ اس کو دنیا میں پوشیدہ رکھے گا تو وہ اللہ کے حوالے ہے، اگر چاہے تو اس سے درگذر کر دے اور چاہے تو اسے عذاب دے۔'' ❸

جب آسمانی مصائب و آفات جو کہ انسان کے فعل کے بغیر حاصل ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے انسان کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ پس پھر جو انسانوں کی طرف سے ظلم کیا جاتا ہے؛ یا خلق کی طرف سے تکلیف پہنچتی ہے تو یہ بطریق اولی انسان کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔ جیسے کفار کی طرف سے مجاہدین کو پہنچنے والی تکلیف۔ اور جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے جھٹلانے والوں کی طرف تکلیف پہنچتی ہے۔ اور جیسے مظلوم کو ظالم کی طرف سے تکلیف پہنچتی ہے۔ جب یہ امور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی وجہ سے پیش آتے ہیں [اور اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے] تو اسی طرح حاکم کی طرف سے لگائی جانے والی حد یا تعزیری سزا بالاولی گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ حال تھا کہ اگر کوئی انسان شراب پی لیتا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا؛ اور کہتا:

---

❶ مسند أحمد ۱/ ۱۸۱

❷ مسند احمد ٦/ ٣٦٥؛ فِي المسندِ 1/181؛ الرقمِ 68؛ وهو فِي تفسيرِ الطبرِي 9/341؛ وانظر تعلِيق الأستاذِ محمود شاكِر ص243؛ تفسِير ابنِ كثِير 2/370؛ والحدِيث فِي المستدرك، وفِي سننِ البيهقِي وغيرِ ذلِك ، وقال أحمد شاكِر إنللأوا الشِدة وضِيق المعِيشة، وهو فِي المستدرك 3/74 ؛ وصححه الحاكِم ووافقه الذهبِي۔

❸ البخاري:ج ١ :ح: ١٧ ؛ كتابِ الإِيمانِ؛ و 5/55 كتابِ مناقِبِ الأنصارِ ، بابِ وفودِ الأنصارِ إِلى النبِي صلى الله عليهِ وسلم بِمكة وبيعةِ العقبةِ 8/159 ؛ كتابِ الحدودِ، بابِ: الحدود كفارة، بابِ توبةِ السارِقِ مسلِم 3/1333؛ كتابِ الحدودِ، بابِ: الحدود كفارات لأهلِها ، سننِ النسائِي 7/144؛ كتابِ البيعةِ، بابِ ثوابِ من وفّى بِما بايع عليه ، سننِ الدارمِي 2/220؛ كتابِ السيرِ، بابِ: فِي بيعِ النبِي صلى الله عليهِ وسلم۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اے امیر المؤمنین مجھ پر حد قائم کر کے مجھے پاک کیجیے۔

حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ اور غامدیہ عورت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور انہیں گناہ سے پاک کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

پس جب کوئی انسان اللہ کا ولی ہو تو اس بات میں کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دے۔ ولی امر کی تادیب سے بھی یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور دوسرے امور سے بھی۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان صحابہ کرام سے جو کچھ ہوا تھا؛ اس میں وہ مجتہد اور معذور تھے؛ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بالأولیٰ کہا جاسکتا ہے کہ آپ بھی انہیں ادب سیکھانے میں مجتہد اور معذور تھے۔ اس لیے کہ آپ امام اور خلیفہ ہونے کی وجہ سے رعیت کی تادیب و اصلاح پر مأمور تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خواہشاتِ نفس سے بہت زیادہ دور تھے۔ اور ان حضرات کو ادب سکھانے میں عدل و انصاف اور علم کے زیادہ قریب تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اگر کوئی انسان حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قدح کرے کہ آپ نے جناب حضرت زبیر حضرت طلحہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے جنگ کی۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: حضرت علی رضی اللہ عنہ علم و عدل میں ان لوگوں کی نسبت اولی اور افضل ہیں جنہوں نے آپ سے جنگ کی۔ ایسے ہرگز جائز نہیں ہے کہ آپ سے جنگ کرنے والوں کو تو عادل کہا جائے اور آپ کو ظالم کہا جائے۔

بالکل اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حدود قائم کرنے کا مسئلہ بھی ہے۔ آپ ان لوگوں کی نسبت علم و عدل کے زیادہ قریب اور ان سے افضل تھے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تنقید کرنے والوں سے آپ کا دفاع واجب ہوتا ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تنقید کرنے والوں سے آپ کا دفاع بالاولی واجب ہوتا ہے۔

[حکم بن العاص کی جلاوطنی کی حقیقت]:

[اعتراض] : شیعہ مصنف لکھتا ہے:''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا حکم بن العاص اور ان کے بیٹے کو مدینہ سے نکال دیا تھا۔ حکم اور اس کا بیٹا عہد رسالت مآب میں اور عہدِ صدیقی و فاروقی میں مدینہ بدر ہی رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر واپس مدینہ میں بلا لیا۔ اور مروان کو اپنا مشیر اور کاتب بنالیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ [المجادلة ٢٢]

''اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھنے والے ہرگز نہ پائیں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

[جواب]: حکم ابن العاص فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والوں میں سے ایک ہے۔ اس وقت اسلام قبول کرنے والے تقریباً دو ہزار افراد تھے۔ تب تک مروان ابھی چھوٹا بچہ تھا۔ اس کا شمار ابن زبیر اور مسور بن مخرمہ کے معاصرین میں ہوتا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر یہ سن تمیز کو پہنچ چکا تھا یعنی سات سال یا اس سے کم و بیش عمر تھی۔ مروان کا کوئی ایسا گناہ نہیں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

تھا جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ اپنے وقت میں انہیں جلا وطن کرتے ۔ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مسعود میں طلقاء مکہ مدینہ میں بود و باش نہیں رکھتے تھے۔ بالفرض اگر نبی کریم ﷺ نے کسی کو جلا وطن کیا بھی ہوگا تو مکہ سے کیا ہوگا؛ مدینہ سے نہیں۔ اگر آپ مدینہ سے جلاوطن کرتے تو پھر مکہ کی طرف بھیجتے۔ بہت سارے اہل علم نے جلاوطن کیے جانے کی روایت پر تنقید کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے گیا تھا۔

خود حکم کا قصہ صحاح ستہ میں نہیں ہے ۔ اور نہ ہی اس کی کوئی معروف سند ہے جس سے اس کا اصل حال معلوم ہو سکے۔ لوگوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس نے چلنے میں نبی کریم ﷺ کی نقل اتاری تھی۔ اور بعض کہتے ہیں: اسے طائف کی طرف جلاوطن کیا گیا تھا۔ جو لوگ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔ (طلقاء) ان میں سے کسی نے بھی ہجرت نہیں کی تھی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"لا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ ولكن جهاد و نية۔" [1]

"فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں لیکن جہاد اور اس کی نیت ہے۔"

یہی وجہ تھی کہ جب صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ وارد ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے انھیں مکہ لوٹ جانے کا حکم دیا۔ [2] جب رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس ایک آدمی کو لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ اس سے ہجرت پر بیعت لی جائے؛ تو انہوں نے ایسا کرنے کی قسم اٹھالی۔ آپ نے اس آدمی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: "میں صرف اپنے چچا کی قسم پوری کر رہا ہوں۔ فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں ہے۔"

حکم کو مدینہ سے جلا وطن کرنے کا واقعہ بلا سند ہے۔ اگر اس کی اسناد ہوتی تو اس کی صحت معلوم کی جا سکتی تھی۔ اگر خارج از بلد کیا بھی تھا تو مکہ سے کیا ہوگا نہ کہ مدینہ سے، اور اگر مدینہ سے نکالا تھا تو وہاں سے مکہ جانے کا حکم دیا ہوگا۔

فتح مکہ کے سال حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے وہاں مدینہ کی طرف ہجرت کی نیت سے نکل چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے آپ کی ملاقات راستے میں ہوئی۔ اس وقت طلقاء مدینہ میں نہیں رہتے تھے۔ اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیں کہ آپ نے اسے ملک بدر کیا تھا تو آپ نے اسے مکہ سے نکالا ہوگا نہ کہ مدینہ سے۔ اگر آپ مدینہ سے نکالتے تو پھر اسے مکہ بھیج دیتے۔" [تفصیل پہلے گزر چکی ہے]۔

بہت سارے اہل علم نے اس کے ملک بدر کرنے کا انکار کیا ہے؛ اور کہا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے گیا تھا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب فضل الجهاد والسیر، (ح :۲۷۸۳)، صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب المبایعة بعد فتح مكة، على الاسلام (حدیث: ۱۳۵۳)۔

[2] سنن نسائی، کتاب البیعة۔ باب ذکر الاختلاف فی انقطاع الهجرة (ح: ٤١٧٤)، مسند احمد (۳/ ٤٠١) طبقات ابن سعد(٥/ ٤٤٩)، اسد الغابة(۳/ ۲٦)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

[جلا وطنی کے مستحق کون؟]:

طرد کا معنی ہوتا ہے ملک بدر کرنا۔ خارج از بلد [جلا وطن] کرنے کی سزا تعزیراً زانی یا مخنث کو دی جا سکتی ہے۔ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو جلا وطن کیا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے اس شہر میں قدم نہ رکھ سکے۔ یہ سزا شرعاً کسی جرم میں بھی ثابت نہیں کہ دائماً کسی شخص کو خارج از بلد کردیا جائے۔ بخلاف ازیں جلا وطن کرنے کی سزا سنت میں صرف ایک سال کے لیے ہے۔ یہ سزا زنا کار اور مخنث کے لیے ہے۔ یہاں تک کہ وہ توبہ کرلیں۔ جب حاکم کسی بات پر تعزیراً سزا اس لیے دے کہ مجرم توبہ کرلے؛ تو جب بھی وہ توبہ کرلے گا؛ تعزیر ساقط ہوجائے گی۔ اور اگر وہ اپنے گناہ پر ہی قائم رہے تو یہ ایک اجتہادی معاملہ ہے اس میں بھی کوئی متعین سزا نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کا کوئی وقت مقررہ ہے۔

اگر اس بات کو تسلیم کرلیں؛ تو جلاوطنی کی سزا ہجرت کے آخری دور میں شروع ہوئی؛ تو اس کی مدت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک طول نہیں پکڑتی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک تو مدت اور ہی لمبی ہوجاتی ہے۔ نیز یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی سرح کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سفارش کی تھی۔ عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کاتب وحی تھا۔ پھر اسلام سے مرتد ہوگیا۔ نبی کریم ﷺ نے باقی لوگوں کے ساتھ اسے بھی مباح الدم قرار دے دیا تھا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے لیکر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے؛ تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارش قبول کرلی؛ اس کی بیعت لے لی۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا کہ حکم کے بارے میں آپ کی شفاعت قبول نہ کی جاتی؟

یہ بات بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے حکم کو واپس بلانے کی اجازت طلب کی تھی اور آپ نے انہیں یہ اجازت دیدی تھی۔

ہم یہ بات بھی یقینی طور پر جانتے ہیں کہ حکم بن العاص کا گناہ عبداللہ بن ابی سرح کے گناہ سے کئی درجہ کمتر تھا۔ عبداللہ کا قصہ ثابت شدہ اسناد کے ساتھ مشہور و معروف ہے۔ جب کہ حکم کا قصہ جن لوگوں نے ذکر کیا ہے؛ عام طور پر انہوں نے مرسل سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور اس قصہ کے ذکر کرنے والے بھی ایسے مؤرخ ہیں جن کے ہاں بہت زیادہ جھوٹ پایا جاتا ہے۔ ان کے ہاں بہت کم ہی کوئی روایت کمی یا زیادتی سے محفوظ رہتی ہے۔ اس لیے کوئی ایسی ثابت شدہ روایت نہیں مل سکی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کم درجہ بھی کسی انسان کی شان میں قدح کا موجب بن سکتی ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل؛ نبی کریم ﷺ کی آپ سے محبت؛ آپ کی تعریف و توصیف بزبان رسالت مآب؛ اور خصوصی طور پر اپنی دو بیٹیوں کی ان سے شادی؛ آپ کے لیے جنت کی شہادت؛ اور صلح حدیبیہ کے موقع پر بحیثیت سفیر آپ کی مکہ مکرمہ روانگی؛ اور آپ ﷺ کا اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف بیعت کرنا؛ اور صحابہ کرام کا خلافت کے لیے آپ کو مقدم کرنا؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا گواہی دینا کہ رسول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ ﷺ جب فوت ہوئے تو آپ سے راضی تھے؛ [یہ باتیں] سب کو معلوم ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر بھی کچھ امور ایسے ہیں جن کی بنا پر ہم قطعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ آپ بہت بڑے متقین اولیاء اللہ میں سے تھے۔ آپ ان لوگوں میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے تھے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا تھا۔ ان امور کو کسی ایسی روایت کی وجہ سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس کی سند ہی ثابت نہ ہو۔ اور نہ ہی یہ پتہ ہو کہ یہ واقعہ کیسے پیش آیا۔ اور پھر ایسے امور کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گناہ قرار دیا جائے جن کی حقیقت کا کوئی پتہ ہی نہ ہو۔ بلکہ اس کی مثال تو ان لوگوں کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے محکم آیات کے مقابلہ میں متشابہ آیات پیش کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ ان لوگوں کا فعل ہے جن کے دلوں میں کجی ہے اور جو فتنہ تلاش کرنے میں لگے رہتے ہیں؛ [اس کے علاوہ ان کا کوئی کام نہیں ہوتا]۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ کج رو روافض ان شرار الخلق لوگوں میں سے ہیں جو ہمیشہ فتنہ مچانے کی سوچتے رہتے ہیں اور ان کی مذمت اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کی ہے۔

خلاصہ کلام! ہم یہ بات قطعی طور پر جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی انسان کو ہمیشہ کے لیے جلاوطن نہیں کیا تھا؛ کہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہوئے اسے واپس بلا لیتے؛ اور مسلمانوں میں سے کوئی بھی اس پر اعتراض نہ کرتا اور سب خاموش رہتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے۔ آپ اس بات سے بری ہیں کہ کوئی بھی ایسا کام کریں۔ بلکہ یہ کام اجتہادی امور میں سے ہے۔ [حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم بن العاص کو نافرمانی اور اسلام کی تذلیل کے لیے مدینہ نہیں بلایا تھا، بلکہ اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خیال میں حکم کی حالت سدھر گئی تھی۔ یہ معلوم نہیں کہ آپ کا یہ اجتہاد صحیح تھا یا غلط] [1]

---

[1] قاضی ابن العربی العواصم من القواصم، ص: ۷۷ پر لکھتے ہیں: ''ہمارے علماء کا قول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حکم کو مدینہ واپس آنے کی اجازت دے دی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: ''اگر آپ اس بات کا کوئی گواہ پیش کریں تو ہم حکم کو واپس بلا لیں گے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو اپنے علم کے مطابق انھوں نے حکم کو واپس بلا لیا۔ مشہور محدث امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الامامۃ والمفاضلہ" میں جو ان کی کتاب الفصل کی جلد چہارم میں شامل ہے، صفحہ: ۱۵۴، پر علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حکم کو جلاوطن کرنا ایک واجب حد شرعی کی حیثیت نہیں رکھتا اور ہمیشہ کے لیے بھی نہ تھا۔ بخلاف ازیں آپ نے حکم کو کسی جرم کی سزا دی تھی جس کی بنا پر وہ خارج از بلد ہونے کا مستحق قرار پایا۔ دین اسلام میں توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے، بصورت توبہ اس کی یہ سزا باتفاق اہل اسلام ساقط ہو جائے گی اور وہ جہاں چاہے جا سکتا ہے۔''

فرقہ زیدیہ کے عظیم مجتہد سید محمد بن ابراہیم الوزیر یمنی المتوفی ۸۴۰ھ نے اپنی کتاب الروض الباسم (۱/ ۱۴۱۔۱۴۲) پر مشہور شیعہ معتزلی محسن بن کرامہ کی کتاب ''سرح العیون'' سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی تھی کہ حکم کو مدینہ بلا لیں۔ ابن الوزیر کہتے ہیں۔ معتزلہ اور شیعہ زیدیہ کو چاہیے کہ اس حدیث کو قبول کر کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مورد طعن بنانا ترک کر دیں، کیونکہ اس حدیث کا راوی شیعہ کے نزدیک قابل اعتماد ہے اور صحت عقیدہ و علم و فضل کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے۔ پھر ابن الوزیر نے اس پر کھل کر کلام کیا ہے اور امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ سے دفاع کرنے میں دلائل و براہین کا انبار لگا دیا ہے جو تین صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس حدیث کا راوی ایک شیعہ عالم ہے، ابن الوزیر جنھوں نے سیدنا عثمان کی مدافعت میں دلائل دیے ہیں وہ بھی زیدی شیعہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ و اہل سنت علماء سب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بریت پر متفق ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شاید ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اس لیے اسے واپس نہیں بلایا کہ اس نے خود اس کا مطالبہ ہی نہ کیا ہو۔اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا تو آپ نے اس کا مطالبہ پورا کر دیا۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لیے اس کی توبہ واضح نہ ہوئی ہو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے توبہ واضح ہوگئی[تو آپ نے اسے واپس بلالیا]۔

آخر میں انتہاء درجہ کی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آپ سے اجتہادی غلطی یا گناہ کا کام سرزد ہوگیا ہو تو اس بارے میں مفصل کلام پہلے گزر چکا ہے۔

جہاں تک مروان کو کاتب بنانے پر اعتراض ہے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مروان کا اس میں کوئی گناہ نہیں تھا۔اس لیے کہ مروان اس وقت چھوٹا تھا اس وقت تک شرعی احکام کا مکلّف نہیں ٹھہرا تھا۔جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اس وقت تک مروان بلوغت کی عمر تک نہیں پہنچا تھا۔اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔بلکہ اس وقت تک اس کی زیادہ سے زیادہ عمر دس سال یا اس کے قریب قریب ہوسکتی ہے۔[مروان میں خامیاں ہوسکتی ہیں]،مگر اس کے ظاہراً و باطناً مسلمان ہونے میں شبہ نہیں وہ قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتا اور اس پر عمل پیرا رہتا تھا؛ دین کی فقہ وسمجھ حاصل کرتا۔اس فتنہ [قتل عثمان رضی اللہ عنہ] سے پہلے اس کا کوئی ایسا گناہ معروف نہیں تھا جس کی وجہ سے اس پر اعتراض کیا جاسکے۔لہٰذا یہ اعتراض لغو ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے کاتب کیوں مقرر کیا۔

لیکن جب فتنہ پھیلا تو اس کا شکار وہ لوگ بھی ہوگئے جو مروان سے کئی درجہ افضل و بہتر تھے۔مروان ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہوں۔جبکہ اس کے باپ حکم کا شمار بھی طلقاء میں ہوتا ہے۔اور طلقاء میں سے اکثر لوگ بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے ہیں۔جبکہ بعض کی سیرت محل نظر ہے۔[لیکن ان تمام باتوں کے باوجود]صرف ایسے گناہ کی وجہ سے باطن میں نفاق کا ہونا لازم نہیں آتا جس گناہ پر تعزیر ہوسکتی ہو۔

منافقین پر ظاہری طور پر اسلامی احکام جاری ہوتے ہیں۔فتح مکہ کے بعد طلقاء میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا اظہار کرتا ہو۔بلکہ وہ [اسلامی اصولوں کے مطابق] وراثت پاتے تھے اور وراثت چھوڑتے تھے۔ان پر نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی۔انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاتا تھا۔اور ان پر اسلامی احکام ایسے ہی جاری ہوتے تھے جیسے دوسرے مسلمانوں پر جاری ہوتے تھے۔

اوس اور خزرج کی ایک جماعت کا نفاق صاف واضح اور معلوم شدہ تھا؛ جیسے عبد اللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے امثال وہمنوا۔مگر اس کے باوجود کبھی کبھار مسلمان اس کے لیے تعصب کر جاتے تھے۔جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن ابی کے بارے میں تعصب کا اظہار کیا تھا۔اور انہوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اللہ کی قسم! تم اسے قتل نہیں کروگے اور نہ ہی ایسا کرنے پر قدرت رکھتے ہو۔''

اگرچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ایسا کہنا بھی غلطی تھی؛ لیکن اس غلطی کی وجہ سے آپ اسلام سے خارج نہیں ہوئے ۔ بلکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اہل جنت میں سے ہیں۔آپ کا شمار سابقین اولین انصار میں سے ہوتا ہے۔تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اعتراض کیسے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے آدمی کو ٹھکانہ دیا جس کا منافق ہونا معلوم ہی نہیں؟

اگر مروان منافق ہوتا تو پھر بھی اس کے ساتھ احسان کرنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات پر قدح کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ [الممتحنة ۸]

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ احسان کرنے اور بھلا برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

صحیح بخاری میں ہے؛ حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں: ''میرے پاس میری ماں آئی جو مسلمان نہیں ہوئی تھی [اسلام میں رغبت رکھتی تھی]۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا میں اس سے صلہ رحمی کروں؟

تو آپ نے فرمایا: ''ہاں! اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو۔'' [1]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیي بن اخطب اپنے یہودی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کی وصیت کیا کرتی تھیں۔''

جب کوئی مسلمان اپنے کسی کافر رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کی وجہ سے اسلام سے خارج نہیں ہوتا تو پھر اپنے مسلمان رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کی وجہ سے کیسے اسلام سے خارج ہوسکتا ہے؟

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا والد حیي بن اخطب بڑے سرداروں میں سے تھا؛ اور بڑا سرکش کافر تھا؛ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی روا رکھتا تھا۔ مگر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین ہیں؛ آپ انتہائی نیک اور دیندار عورت تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جنت کی بشارت سنائی ہے۔ جب آپ کا انتقال ہونے والا تھا تو آپ نے اپنے بعض قریبی یہودی رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کرنے وصیت کی تھی۔ اس پر آپ کی تعریف و توصیف اور مدح کی جاتی ہے؛ مذمت نہیں کی جاتی۔

اس سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ مسلمان اہل ذمہ کے ساتھ صدقہ و خیرات کرکے اور ان کے لیے وصیت کرکے صلہ رحمی کرسکتا ہے۔ تو پھر امیر المؤمنین پر اعتراض کیسے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے اس چچا کے ساتھ احسان اور صلہ رحمی کا برتاؤ کیا جو اسلام کا اظہار کرتا تھا۔

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے نام خط لکھا تھا؛ جس میں انہوں نے قریش کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فتح مکہ کے پیش نظر پیش قدمی کی اطلاع دی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا: ''حاطب رضی اللہ عنہ غزوہ بدر اور

[1] البخاری: ح:۲۹۲٤؛ کتاب الھبۃ، باب الھدیۃ للمشرکین، مسلم 2/696؛ کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ و الصدقۃ عل الأقربین والزوج، سنن بی داود 2/170؛ کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ علی أھل الذمۃ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیعت رضوان میں شرکت کر چکا ہے؛ بایں وجہ وہ اہل جنت میں سے ہے۔ اور جس نے حاطب کو منافق کہا تھا؛ اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اور تمہیں کیا پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف جھانک کر دیکھا اور فرمایا:

((اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ۔))

''جو اعمال چاہو انجام دو میں نے تمھیں بخش دیا۔'' [اس کی تخریج گزر چکی ہے]۔

کہاں حاطب اور کہاں عثمان رضی اللہ عنہما ؟ - العیاذ باللہ - اگر یہ تصور بھی کر لیا جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کا کام کیا تھا؛ تو تب بھی ہمارے قول کی بھلائی اس میں تھی کہ ہم آپ کے لیے جنت کی گواہی دیں؛ آپ حاطب سے زیادہ اس احسان کے حق دار ہیں۔

[حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی مدینہ بدری کی حقیقت:]

[اعتراض] : شیعہ مصنف کہتا ہے: [حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے] حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو انتہائی سخت مار پیٹ کر ربذہ کی طرف نکال دیا تھا*۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''اس کرۂ ارضی کے اوپر اور فلک نیلگوں کے نیچے ابوذر سے زیادہ سچا اور کوئی نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا: ''بیشک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ وہ میرے صحابہ میں سے چار افراد سے محبت کرتا ہے' اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں بھی ان سے محبت کروں۔'' آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: '' ان چاروں کے سردار حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں ؛ اور ان کے علاوہ سلیمان ' مقداد اور ابوذر رضی اللہ عنہم اجمعین۔'' [انتھیٰ کلام الرافضی]

[جواب] : جہاں تک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے آپ نے ربذہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں پر وفات پائی۔ اس کی وجہ آپ کے اور لوگوں کے مابین ہونے والی چپقلش تھی۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ انتہائی نیک اور صالح انسان تھے۔ آپ کا زاویہ نگاہ یہ تھا کہ جو مال بھی ضرورت سے زائد ہو اسے خرچ کر دینا چاہیے۔ جو شخص ایسا مال جمع کرے گا بروز قیامت اس مال کو آگ میں گرم کر کے اس شخص کو داغا جائے گا۔ وہ اس آیت سے استدلال کیا کرتے تھے:

﴿وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ (التوبۃ ۳۴) [1]

اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔''

آپ ضرورت سے زیادہ کی ہر چیز کو کنز اور خزانہ شمار کرتے تھے۔ اور اس کی دلیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول پیش کرتے تھے:

''اے ابوذر! میں نہیں چاہتا کہ میرے پاس خود احد پہاڑ کے برابر سونا ہو؛ تیسری رات گزر جائے اور اس

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب ما اُدی زکاتہ فلیس بکنز (حدیث: ۱۴۰۶، ۱۴۰۸)، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فی الکنازین للاموال (حدیث:۹۹۲)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی رہ جائے؛ سوائے اس دینار کے جس قرض ادا کرنے کے لیے روک رکھا ہو۔'' ❶

نیز نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''زیادہ مال دار لوگ بروز قیامت کم درجہ والے ہوں گے سوا ان لوگوں کے جو مال کو ادھر اُدھر بکھیر دیں۔'' ❷

جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور بہت سا مال پیچھے چھوڑا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسے اس کنز (خزانہ) پر محمول کیا جس پر سزا دی جائے گی۔ اس ضمن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابوذر رضی اللہ عنہ سے تبادلۂ افکار کر رہے تھے۔ اتنے میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تائید کی تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان کو پیٹا۔ انہی نظریات کی بنا پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ملک شام میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔

عباد اور زاہدین کی ایک جماعت نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے مؤقف کی حمایت کی ہے۔ جیسا کہ عبدالواحد بن زید کے متعلق کہا جاتا ہے۔ اور بعض لوگ شبلی کو بھی انہی لوگوں میں سے شمار کرتے ہیں جن کا یہ مسلک ہے۔ مگر پوری امت خلفاء راشدین؛ جمہور صحابہ اور تابعین [اور علماء کی رائے] اس کے خلاف ہے۔

صحیح بخاری میں یہ حدیث ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''پانچ اوسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں؛ اور نہ ہی پانچ اونٹ سے کم میں زکوٰۃ ہے اور نہ ہی پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ ہے۔'' ❸

رسول اللہ ﷺ نے پانچ وسق سے کم غلے پر زکوٰۃ کی نفی کی ہے۔ اور اس میں یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ اس مال کا

---

❶ مستدرک حاکم ۳۰/ ۳٤٤)

❷ صحیح بخاری، کتاب الرقاق۔ باب المکثرون هم المقلون(ح:٦٤٤٤)، صحیح مسلم۔ کتاب الزکاة، باب الترغیب فی الصدقة(ح:۳۲/ ۹٤)۔ هذان جزئانِ مِن حدِیث واحِد عن أبِی ذر الغِفارِي رضِی الله عنه مع اختِلاف فِی الألفاظ فِی البخارِي 3/116؛ کتابِ الِاستِقراضِ، بابِ أدا الدیون، 8/94؛ کتابِ الرِقاقِ، بابِ قولِ النبِي صلى الله علیهِ وسلم: ما أحِب أن لِی مِثل أحد ذهبا 8/60؛ کتابِ الِاستِئذانِ، بابِ من أجاب بِلبیك وسعدیك، مسلِم 2/687؛ کتابِ الزکاةِ، بابِ الترغِیبِ فِی الصدقةِ۔

حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیوی ام ذر رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اللہ کی قسم! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو ربذہ کی طرف نہیں نکالا بلکہ نبی کریم ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ جب مدینہ کی آبادی سلع تک پہنچ جائے تو وہاں سے نکل جانا۔'' بخاری (ح:٦٤٤٤) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی پناہ اللہ کی قسم! کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے نکالا ہو۔''

❸ صحیح بخاری:ج ۱ :ح : ۱٤۰٦؛ کتابِ الزکاةِ، بابِ ما أُدِّيَ زکاته لیس بِکنز، مسلِم 2/673؛ کتابِ الزکاةِ، أولِ الکِتاب، سننِ بِی داود 2/127؛ کتابِ الزکاةِ، بابِ ما تجب فِیهِ الزکاة؛ المسندِ ط۔ الحلبِی 3/6، والحدِیث فِی سننِ الترمِذِي، والنسائِي، وابنِ ماجه، والدارِمِي۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محتاج ہو یا نہ ہو۔ جمہور صحابہ کرام کا کہنا ہے کہ جس مال میں سے زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ورثاء کے حصص مقرر کیے ہیں۔ ظاہر ہے کہ میراث اسی شخص کی ہوتی ہے جس نے اپنے پیچھے مال چھوڑا ہو۔ نبی کریم ﷺ کے عہد میں بھی صحابہ میں ایسے لوگ کثیر التعداد تھے جن کے پاس بہت سا مال تھا مگر کسی نے ان کو ہدف ملامت نہ بنایا۔ بہت سے انبیاء علیہم السلام بھی مال دار ہوئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ لوگوں پر وہ چیز واجب کرنا چاہتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب نہیں کی۔ اور اس چیز میں لوگوں کی مذمت کرنا چاہتے تھے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت نہیں کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اپنے اس قول میں مجتہد تھے۔ اور آپ کو اس اطاعت گزاری پر اللہ تعالیٰ اجر سے نوازیں گے جس طرح آپ کی مانند دوسرے تمام مجتہدین کو اجر و ثواب ملے گا۔

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان میں: ''میں نہیں چاہتا کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو۔ تیسری رات گزر جائے اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی ہو۔'' مال کو تیسرے دن سے پہلے نکال دینے کا استحباب ہے وجوب نہیں۔

ایسے ہی نبی کریم ﷺ کا فرمان: ''زیادہ مال دار لوگ بروز قیامت کم درجہ والے ہوں گے۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس کا مال بہت زیادہ ہوگا روزِ قیامت اس کی نیکیاں اتنی ہی کم ہوں گی؛ ایسا اس وقت ہوگا جب وہ اس مال میں سے اسی کثرت کے باوجود خرچ نہیں کرے گا۔ اس سے یہ واجب نہیں ہوتا کہ جس کی نیکیاں کم ہوں گی وہ جہنم میں جائے گا؛ جب تک کہ وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے؛ یا پھر اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض میں سے کسی فریضہ کو ترک نہ کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پوری طرح سے اپنی رعایا کی نگہبانی اور اصلاح کیا کرتے تھے۔ ان میں سے کسی کو ظلم کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی؛ نہ ہی اغنیاء کو اور نہ ہی فقراء کو۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو مالدار لوگوں نے دنیا میں بڑی وسعت اختیار کرلی۔ یہاں تک کہ بہت سارے لوگ مباحات میں انواع و اقسام اور مقدار کے لحاظ سے بہت آگے نکل گئے۔ ادھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس میں اس حد تک مبالغہ آمیزی سے کام لیا کہ لوگوں کو ایک مباح چیز سے بھی روک دیا؛ یہی بات فتنہ کا سبب بنی اور پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان سے الگ ہو گئے۔ اس کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کوئی دوسری غرض نہیں تھی۔

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا سچے لہجے والا ہونا'' اس سے کہیں بھی یہ لازم نہیں آتا کہ آپ دوسرے لوگوں افضل ہوں۔ بلکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مومن تھے مگر ان میں کمزوری موجود تھی۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا تھا:

اے ابوذر! میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور ہو میں تمہارے لیے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے۔ دیکھیے دو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آدمیوں کا بھی امیر نہ بننا۔ اور نہ کسی یتیم کے سرپرست بننا۔'' ❶

اور یہ بھی صحیح اور ثابت شدہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''طاقت ور مومن اللہ تعالیٰ کو کمزور مومن سے عزیز تر ہے۔ یوں تو دونوں ہی اچھے ہیں۔'' ❷

چونکہ اہل شوریٰ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ اور ان کے امثال کی نسبت اقوی ہیں، جبکہ یہ لوگ ضعیف اور کمزور ہیں۔ پس وہ اہل ایمان جو خلافت نبوت کے اہل ہیں جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس وجہ سے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ اور ان کے امثال سے افضل ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث جن الفاظ میں رافضی نے ذکر کی ہے؛ صرف ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع ہے؛ اس کی کوئی سند نہیں ہے جس سے حجت قائم ہو سکے۔

حدود الٰہی کی پامالی کا الزام اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ:

[اعتراض] : شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شرعی حدود کی پرواہ نہیں کی جاتی تھی۔ چنانچہ امیر المؤمنین کے آزاد کردہ غلام ہرمزان کے قصاص میں عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا تھا؛ حالانکہ وہ اسلام لا چکا تھا۔ امیر المؤمنین نے عبید اللہ کو قصاص کے لیے طلب کیا تھا۔ مگر وہ بھاگ کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا۔ ولید رضی اللہ عنہ جب شراب نوشی کا مرتکب ہوا تو عثمان رضی اللہ عنہ اس پر حد نہیں لگانا چاہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حد شرعی قائم کی اور فرمایا:

''میری موجودگی میں شرعی حدود کو پامال نہیں کیا جا سکتا۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

[جواب]: پہلی بات: شیعہ مصنف کا قول کہ: ''ہرمزان امیر المؤمنین کا آزاد کردہ غلام تھا۔''

ہم کہتے ہیں یہ صاف جھوٹ ہے۔ [یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام نہ تھا] بلکہ ہرمزان ان فارسیوں میں سے تھا جنہیں کسریٰ نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ مسلمانوں نے اسے قید کیا تھا، اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اسلام کا اظہار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر احسان کرکے اسے آزاد کر دیا تھا۔ اگر اس پر کسی کی ولایت تھی تو وہ مسلمانوں کی تھی۔ اور اگر آزاد کرنے کی وجہ سے کسی کی ولایت اس پر تھی تو پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اگر اس پر کسی کی کوئی ولایت نہیں تھی؛ بلکہ اس کا معاملہ ان قیدیوں کی طرح تھا جنہیں اگر احسان کرکے آزاد کر دیا جائے تو ان پر کوئی ولایت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ علماء کرام کا اختلاف ہے کہ اگر قیدی اسلام قبول کر لے تو کیا وہ اپنے اسلام کے باوجود غلام بن جائے گا یا پھر آزاد ہی رہے گا۔ اس پر احسان کرکے آزاد کرنا اور اس کے بدلہ میں فدیہ

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب کراھۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ (حدیث: ۱۸۲۶)۔ سنن أبی داؤد 3/154؛ کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الدخول فی الوصایا۔

❷ صحیح مسلم، کتاب القدر، باب الایمان بالقدر والاذعان له (حدیث: ۲۶٦٤)۔ سنن ابن ماجه 1/31، المقدمة، باب: فی القدر، 2/1395؛ کتاب الزھد، باب التوکل والیقین، المسند 2/366۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لے کر آزاد کرنا دونوں امر جائز ہیں؛ جیسے اسلام سے پہلے تھا؟ حالانکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ قیدی اسلام لانے کی وجہ سے معصوم الدم ہوگیا ہے۔

اس مسئلہ میں دو قول مشہور ہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں بھی دو قول ہیں۔

اس کو غلام بنانے اور آزاد کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جہد و سعی کو کوئی دخل نہیں ہے۔

جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تو آپ کو قتل کرنے والا شخص حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا مجوسی غلام ابولؤلؤ فیروز تھا۔ ابولؤلؤ اور ہرمزان کے مابین مجانست پائی جاتی تھی۔ اور عبیداللہ بن عمر رحمہ اللہ کو بتایا گیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا؛ اس وقت ابولؤلؤ کو ہرمزان کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ ہرمزان اس بات سے متہم تھا کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل کی امداد کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تو آپ نے ان سے کہا تھا:

''تم باپ بیٹا دونوں یہ چاہتے تھے کہ مدینہ میں عجمی کافروں کی بھرمار ہو جائے گی۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا: ''ہم ان کو قتل نہ کردیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم جھوٹ بولتے ہو؛ جب یہ تمہاری بولی بولنے لگے اور تمہارے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنے لگے ہیں تو تم ان کو کیوں کر قتل کر سکتے ہو؟

غور کیجیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عبیداللہ بن عمر کی نسبت کئی گنا زیادہ بڑی فقاہت اور دینداری اور افضلیت کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مدینہ میں پائے جانے والے عجمی کفار کو قتل کرنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ اس لیے ان کا اعتقاد تھا کہ جب وہ فساد بپا کرتے ہیں تو پھر ان کا قتل کرنا جائز ہے۔ پھر عبیداللہ ہرمزان کے قتل کو کیوں کر جائز نہ سمجھتے ہوں گے؟

جب عبیداللہ نے ہرمزان کو قتل کردیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے عبیداللہ کو ہرمزان کے قصاص میں قتل کرنے کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا۔ متعدد صحابہ نے اس کو قتل نہ کرنے کا مشورہ دیا اور کہا ابھی کل اس کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور آج اسے قتل کردیا جائے تو اس سے بڑا فساد رونما ہوگا۔ گویا ان کے نزدیک ہرمزان کا معصوم الدم ہونا مشتبہ تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہرمزان کا شمار ان حملہ آور فسادیوں میں تھا جن سے دفاع کرنے کا استحقاق حاصل ہے۔ یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک لوگوں میں سے تھا جن کا قتل جائز تھا؟

علماء و فقہاء کا قتل میں شریک لوگوں کے بارے میں؛ جب بعض قتل کریں اور بعض اس کے پیچھے کارفرما ہوں؛ تو اس میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ قصاص صرف براہ راست قتل کرنے والے سے لیا جائے گا۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ: جب سبب قوی ہو تو مباشر [براہ راست قتل کرنے والا] اور متسبب [اس کا سبب بننے والا]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دونوں کو قصاص میں قتل کیا جائے گا؛ جیسے کہ مجبور کیا گیا اور مجبور کرنے والا۔ اس کی مثال زنا اور قصاص کے گواہوں کی ہے جب وہ اپنی گواہی سے رجوع کریں اور کہیں کہ ہم نے جان بوجھ کر یہ جھوٹی گواہی دی تھی۔ جمہور جیسے امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہ مسلک ہے۔

پھر اگر ایک نے پکڑا ہوا اور دوسرے نے قتل کیا ہو؛ تو امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پکڑنے والے اور قتل کرنے والے دونوں کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی دو روایتوں میں سے ایک یہی ہے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ قتل کرنے والے کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو تا حیات قید کیا جائے گا؛ یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے کہ قصاص صرف قتل کرنے والے پر ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

پھر ایسے ہی قتل کا حکم دینے والے کے بارے میں بھی اختلاف ہے جب وہ قتل کرنے پر مجبور نہ کرے؛ اور کسی ایسے آدمی کو قتل کرنے کا حکم دے جس کے قتل کرنے کو وہ حرام سمجھتا بھی ہو۔ تو کیا اس صورت میں حکم دینے والے کو بھی قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔

جب کہ مددگار؛ راہزنی یا اس طرح کے کاموں میں جس کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے؛ [اس کے بارے میں] جمہور علماء کرام رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ مددگار اور براہ راست مجرم دونوں پر حد جاری کی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ' امام مالک؛ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ڈاکوؤں کے لیے راستہ کی نگرانی وحفاظت کرنے والے کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

جب ہرمزان کا شمار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل پر مدد کرنے والوں میں ہوتا ہے تو ایک قول کے مطابق اس کو قصاص میں قتل کرنا جائز تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صنعاء میں قتل ہونے والے آدمی کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

''اگر اس پر تمام صنعاء والے ٹوٹ پڑتے تو میں اس کے بدلے میں ان سب کو قتل کر دیتا۔''

[حکمران کے قاتل کی سزا]:

ایسے ہی حکمران کو قتل کرنے والے کے بارے میں اختلاف ہے۔ کیا حاکم کے قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا یا حد میں قتل کیا جائے گا؟ اس میں امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب اور باقی مذاہب میں دو قول ہیں۔

پہلا قول:......انہیں حد میں قتل کیا جائے گا۔ جیسے بغاوت میں قتل کرنے والے کو حد لگا کر قتل کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ حکمران کو قتل کرنے میں ڈاکہ زنی اور رہزنی سے بڑھ کر فساد ہے۔ پس حکمران کو قتل کرنے والا اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والا اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرنے والا ہے۔ اسی پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے قتل کو قیاس کیا گیا ہے؛ جب انہوں نے اپنے باپ کے قاتل عبد الرحمن بن ملجم کو قتل کر دیا تھا۔ ایسے ہی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا مسئلہ بھی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب ہرمزان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل پر مدد کرنے والوں میں سے تھا تو اس کا شمار زمین میں فساد پھیلانے والے اور اعلان جنگ کرنے والوں میں سے ہوا؛ اس وجہ سے اس کو قتل کرنا واجب ٹھہرا۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ قاتل ہرمزان معصوم الدم تھا۔تاہم عبید اللہ نے تأویل کی بنا پر اس کے قتل کو حلال تصور کیا تھا۔ اس لیے کہ اس کا شبہ صاف ظاہر تھا۔پس اس شبہ کی بنا پر قاتل کو قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جس طرح حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے لا الـه الا الله پڑھا تھا؛ آپ یہ سمجھے تھے کہ اس کلمہ کے پڑھنے سے یہ قتل سے نہیں بچ سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی زبانی تعزیر کی ؛ اور ان کو قتل نہیں کیا اس لیے کہ آپ متأول تھے۔[1]

جس کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ؛ وہ قتل سے پہلے مباح الدم تھا؛ لیکن اس کے کلمہ پڑھ لینے کی وجہ سے اس کے معصوم الدم ہونے میں شک ہو گیا تھا۔

جب عبید اللہ بن عمر متأول تھے ؛ اور ان کا اعتقاد تھا کہ ہرمزان نے ان کے والد کے قتل میں مدد کی ہے ؛ اور ان کے لیے اب جائز ہو گیا ہے کہ وہ اسے قتل کر دیں۔اس شبہ کی وجہ سے مجتہد کے لیے جائز ہو جاتا ہے کہ وہ اسے قصاص میں مانع قرار دے۔اس لیے کہ قصاص کے مسائل میں بہت سارے مسائل اجتہادی ہیں۔

علاوہ ازیں ہرمزان کے خون کا مطالبہ کرنے والا بھی کوئی نہ تھا؛ بلکہ اس کے خون کا وارث حاکم ہی تھا۔جب ایسی صورت حال ہو تو حاکم وقت کو شرعاً اختیار حاصل ہے کہ قاتل کو معاف کر دے یا اسے قتل کر دے یا دیت وصول کرے؛ تاکہ مسلمانوں کے حقوق ضائع نہ ہوں۔ بنا بریں حضرت عثمان نے آل عمر رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا اور ان سے دیت وصول نہ کی۔ جب اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے معاف کر کے عبید اللہ کی جان بچالی تھی؛ اور آپ کا یہ بھی خیال تھا کہ آل عمر کو بھی دیت کے قدر ادا کر دیا جائے؛ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تقریباً اسی ہزار قرض تھا۔اور انہوں نے حکم دیا تھا کہ یہ قرض ان کی اولاد کے اموال سے ادا کیا جائے۔ورنہ بنو عدی اور پھر قریش کے اموال سے یہ قرض ادا کیا جائے۔اس لیے کہ کسی انسان کے رشتہ دار ہی اس کی طرف سے کوئی بوجھ برداشت کرتے ہیں۔دیت کا مطالبہ اگرچہ عبید اللہ نے کیا تھا؛ یا عبید اللہ کے دیگر عصبی رشتہ داروں نے کیا تھا۔ جب یہ مسئلہ قتل خطأ کا تھا؛ یا پھر اس کے بدلہ میں معاملہ دیت پر آ گیا تھا۔اب معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قرض کا تھا؛ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قرض ادا کرنے میں ان کے اہل خانہ کی مدد کی۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان محاسن میں سے ہے جن پر آپ کی مدح کی جانی چاہیے نہ کہ مذمت۔

ہم نے حاکم کے قتل کے بارے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ذکر کیا ہے۔کیا یہ مسئلہ قتل زمین پر فساد پھیلانے کے باب سے تعلق رکھتا ہے کہ حاکم کے قاتل کو حتمی طور پر قتل ہی کیا جائے گا [اس میں دیت یا معافی کی کوئی گنجائش نہیں]۔جیسے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الدیات باب ومن احیاها؛(حدیث:٦٨٧٢)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد قوله لااله الا الله (حدیث: ٩٦)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہ ڈاکوؤں یا مال و اسباب چھیننے والوں کو حتمی طور پر قتل ہی کیا جا سکتا ہے؛ یا باقی عام قتل کی طرح یہ بھی ایک قتل ہی ہے کہ کوئی کسی کو اپنی کسی خاص غرض کی وجہ سے قتل کرتا ہے تو اس صورت میں قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں ہم نے دو قول ذکر کیے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں بھی یہی دو قول ہیں انہیں قاضی ابو یعلی رحمہ اللہ اور دوسرے لوگوں نے ذکر کیا ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ: اسے حد میں قتل کیا جائے گا۔ ان کا کہنا ہے کہ: حکمران کو قتل کرنے کے جرم سے اتنا فتنہ و فساد پھیلتا ہے کہ اتنا فساد ڈاکہ زنی یا راہزنی کی وجہ سے نہیں پھیلتا۔ تو حاکم کو قتل کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ کرنے والا اور زمین میں فساد پھیلانے والا۔

اس کی دلیل صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تمہارے پاس کوئی آئے اور تمہارا نظام ایک آدمی کے ہاتھ میں ہو اور وہ تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کرنا چاہتا ہو تو اسے قتل کردو؛ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔'' [1]

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت میں تفریق پیدا کرنے کا ارادہ کرنے والے کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو پھر اس کا کیا حکم ہوگا جو مسلمان حکمران کو قتل کرے اور مسلمانوں کی جماعت میں تفریق پیدا کرے۔

جن لوگوں کا یہ قول ہے؛ وہ کہتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو قتل کرنا حتمی طور پر واجب ہو گیا تھا۔ اور ایسے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو قتل کرنا بھی واجب ہو گیا تھا؛ اور ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے کو قتل کرنا حتمی طور پر واجب ہو گیا تھا۔

یہی جواب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی طرف سے ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جو آپ پر اعتراض کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں: انہوں نے [یعنی حضرت حسن نے] قاتل علی رضی اللہ عنہ کو کیسے قتل کر دیا جب کہ آپ کے وارثوں میں چھوٹے بھی تھے؛ بڑے بھی؛ اور چھوٹے بچے ابھی تک بلوغت کی حد کو نہیں پہنچے تھے؟ [یعنی ممکن ہے ان میں سے کوئی ایک دیت یا معاف کرنا چاہتا ہو]۔

تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس کے دو جواب دیئے جاتے ہیں:

۱۔ اس قاتل کو قتل کرنا حتمی طور پر واجب ہو گیا تھا۔

۲۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے امثال کا قتل زمین میں سب سے بڑا فساد اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ ہے۔ [زمین میں فساد پھیلانے والے کی حتمی سزا قتل ہے؛ لہٰذا آپ کا اقدام درست ہے]۔

ان میں سے بعض یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ قصاص لینے کا اختیار صرف بڑی عمر کے افراد کو ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب ہے' اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت میں منقول ہے۔

[1] صحيح مسلم ٣/ ١٤٧٩؛ وسنن ابو داؤد ٤/ ٣٣٤

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین کا قتل محاربہ کے باب سے ہے۔ محاربہ میں براہ راست قتل کرنے والا اور اس کی مدد کرنے والا دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ پس اس بنا پر جس نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کی مدد کی تھی؛ بھلے وہ ایک کلمہ بول کر ہی کیوں نہ کی ہو؛ تو اس کا قتل کرنا واجب ہوگیا تھا۔ اور ہرمزان ان لوگوں میں سے تھا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل میں مدد کرنے والا تھا۔ جب معاملہ ایسے ہی تھا تو اس کو قتل کرنا واجب ہوگیا تھا۔ لیکن اسے قتل کرنے کا اختیار حاکم وقت کو تھا۔ لیکن عبیداللہ بن عمر نے اسے قتل کر کے غلطی کی تھی؛ اور امام کو یہ حق حاصل تھا کہ اس غلطی کو معاف کر دے۔ ❶

[حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ہرمزان کا قصاص]:

❀ باقی رہا رافضی کا یہ قول کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ ہرمزان کے بدلہ میں عبیداللہ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔''

❀ [ہم کہتے ہیں]: اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہوجائے تو یہ بجائے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں موجب قدح ہے۔ رافضہ کی کوئی عقل نہیں ہوتی۔ وہ ایسی باتوں پر مدح کرتے ہیں جو حقیقت میں مذمت کے قریب تر ہوتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ تھا۔ حاکم وقت نے عصمت الدم [معاف کرنے] کا فیصلہ کر دیا تھا۔ تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اس فیصلہ کو توڑنا کیونکر روا ہوسکتا تھا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ مقتول کے وارث بھی نہیں تھے۔ اور نہ ہی مقتول کے وارثوں نے قصاص کا مطالبہ کیا تھا۔ جب اس کا حق بیت المال میں شمار ہوتا تھا تو پھر اس صورت میں امامِ وقت کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ معاف کر دے۔ یہی بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاف کرنے میں بیان کی جاتی ہے۔ ہرمزان کا کوئی عصبی وارث نہیں تھا سوائے حاکمِ وقت کے ولی ہونے کے۔ جب کوئی ایسا آدمی قتل ہوجائے جس کا کوئی ولی و وارث نہ ہو تو حاکم کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس قاتل کو قتل کر دے۔ اور اسے یہ بھی اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسے قتل نہ کرے' بلکہ دیت لے لے؛ یہ دیت مسلمانوں کا حق ہوگی۔ اسے بیت المال کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔ جب آپ نے آل عمر کے لیے معاملہ دیت پر چھوڑ دیا تو اس دیت میں مسلمانوں کے حق کا کچھ حصہ بھی تھا۔

بہرکیف جو بھی ہو؛ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں معاف کر دیا تھا؛ تو اس کے بعد قتل کا مطالبہ بالکل بے معنی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف ہو۔ تو پھر یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ ایسا فعل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جائے؟

---

❶ یہ عجیب بات ہے کہ ہرمزان کے خون کا دعویٰ کھڑا کیا جاتا ہے حالانکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل سے متہم تھا۔ اس کے برعکس امام المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا کچھ احترام ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ جن کو بے گناہ ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''تین باتیں ہیں جس نے ان سے نجات حاصل کر لی وہ فلاح و بہبود سے ہم کنار ہوا۔ (۱) میری وفات (۲) خلیفہ مظلوم کا ناحق قتل (۳) دجال۔'' مسند احمد (٤/ ١٠٥ ـ ١٠٦)، مستدرك حاكم (٣/ ١٠١)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھران سے یہ بھی سوال کیا جائے گا کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کب عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہا تھا۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کب یہ قدرت حاصل ہوگئی تھی کہ وہ عبیداللہ کو قتل کرسکیں؟ اور آپ کو یہ فرصت ہی کب ملی تھی کہ حضرت عبیداللہ بن عمر ہی کے بارے میں سوچتے رہے ہوں؟ عبیداللہ کے ساتھ ہزاروں اس کے چاہنے والے تھے۔اس کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔اور وہ لوگ بھی جن میں عبیداللہ بن عمر کی نسبت بہت بڑی خیر پائی جاتی تھی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کیا جاسکا۔بس صرف آپ کو معزول کرنا تھا۔تو پھر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ آپ عبیداللہ کو قتل کرلیتے ؟

جب سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو لوگ متفرق ہوگئے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک نیک انسان تھے؛ آپ مکہ چلے گئے۔آپ نے کسی ایک کی بھی بیعت نہ کی۔آپ فتنہ سے اس وقت تک علیحدہ رہے یہاں تک کہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر جمع ہو گئے۔حالانکہ آپ کی محبتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں۔اور یہ یقین رکھتے تھے کہ خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق ہے۔اس لیے آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے اور آپ سے دوستی رکھتے تھے اور آپ کی مذمت کرنے والوں سے آپ کا دفاع کیا کرتے تھے۔لیکن آپ مسلمانوں کو قتل کرنے کے مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نظریہ کے خلاف تھے۔اور آپ مسلمانوں کے ساتھ جنگ وقتال کے علاوہ ہر مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کردیئے جانے کے بعد عبیداللہ بن عمر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جاملے۔جس طرح دوسرے وہ لوگ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف میلان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراضگی رکھنے والے تھے؛وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جاملے تھے۔مگراس کے باوجود عبیداللہ بن عمر کے بارے میں اس قدر فتنہ وفساد برپا کرنے کی خبر نہیں ملی جس قدر فتنہ وفساد محمد بن ابوبکر اور اشتر نخعی اور ان کے امثال نے برپا کیا تھا۔بیشک یہ سارے لوگ جنگ کے بعد فتنہ میں مبتلا ہوگئے۔جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے کچھ لوگ تھے جو مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔[مگر اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا تھا]۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہرمزان کے خون کا دعویٰ کرکے قیامت قائم کی جاتی ہے حالانکہ وہ نفاق سے متہم تھا؛اس نے زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرکے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی تھی؛[اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل میں مدد سے متہم تھا]۔اس کے برعکس امام المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا کچھ احترام ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔[جن کو بے گناہ ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تھا]۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جنت کی بشارت دی تھی۔آپ اپنے دونوں بھائیوں [ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما] کی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد اس امت کے افضل ترین لوگوں میں سے تھے۔

یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امت کے خون سے سب سے زیادہ بچنے والے تھے۔اور جو کچھ تکالیف آپ کو پہنچی تھیں ان پر سب سے زیادہ صبر کرنے والے تھے۔جب آپ کا محاصرہ کیا گیا؛اور آپ کو قتل کرنے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کوشش کی گئی؛ اوران فسادی لوگوں کے ارادے بھانپ لیے گئے تھے کہ وہ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔اس وقت ہر طرف سے مسلمان آپ کی حفاظت اور مدد کے لیے آپ کے پاس پہنچنا شروع ہوگئے ؛ اور آپ کو ان لوگوں سے جنگ وقتال کا مشورہ دینے لگے ؛ مگر آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کو برابر جنگ سے رکے رہنے کا حکم دیتے رہے ۔ اور آپ اپنے اطاعت گزاروں کو حکم دیتے کہ ان لوگوں سے جنگ نہ کی جائے ۔ اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے اپنے غلاموں سے کہا تھا: جو کوئی جنگ سے اپنے ہاتھوں کو روکے رکھے؛ وہ آزاد ہے۔'' آپ سے یہ بھی کہا گیا: آپ شام چلے جائیں؟ تو آپ نے فرمایا:

''میں اپنے دارِ ہجرت کو نہیں چھوڑوں گا۔تو آپ سے کہا گیا: پھر آپ ان باغیوں سے قتال کریں؟

فرمایا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پہلا تلوار چلانے والا نہیں بننا چاہتا۔''

مسلمانوں کے ہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ بہت بڑی فضیلت تھی کہ آپ نے صبر کیا یہاں تک کہ آپ کو قتل کردیا گیا۔ یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کی وجہ سے جو جنگ لڑی ؛ اس میں جتنے لوگوں کا خون بہایا گیا ؛ اس سے پہلے کبھی بھی مسلمانوں کا اتنا خون نہیں بہایا گیا۔ پس اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل آپ کی شان میں قدح کا موجب نہیں ہوسکتا ؛ بلکہ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ خوارج اور نواصب جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں قدح کرنے والے لوگوں سے آپ کا دفاع کرنا واجب تھا؛ تو اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ظلم کرنے والوں سے لڑنا بدرجہ اولی واجب اور حق پر تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت مسلمانوں کے خون کو مباح جاننے سے بہت ہی دور تھے۔ اور جو کوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر الزام لگاتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے خون کو حلال و مباح سمجھتے تھے ؛ حقیقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قدح وطعن کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے؛ [اس لیے کہ آپ کے دور میں بہت زیادہ مسلمان قتل ہوئے ہیں]۔ اور جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض و دشمنی رکھتے ہیں؛ اور جنہوں نے آپ سے جنگ کی؛ ان کے لیے یہ کہنے کا جواز پیدا کرنا چاہتا ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے بارے اللہ تعالیٰ کی حدود کو معطل کیا۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی حد کو پامال کرنا ہرمزان کے قتل میں حدود کی پامالی سے زیادہ فساد پر مبنی ہے۔

اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دفاع واجب ہے کہ آپ مجتہد اور معذور تھے ؛ یا عاجز آگئے تھے ؛ تو پھر اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے عذر پیش کرنا زیادہ مناسب اور اولی ہے۔

[ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر حد]:

[اعتراض]: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ:'' ولید رضی اللہ عنہ جب شراب نوشی کا مرتکب ہوا تو عثمان رضی اللہ عنہ اس پر حد نہیں لگانا چاہتے تھے۔ حتی کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حد شرعی قائم کی۔''

[جواب]: یہ بیان ان دونوں حضرات [عثمان وعلی رضی اللہ عنہما] پر جھوٹ ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے ولید پر حد لگائی تھی۔ صحیحین میں یہ ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر حد لگاتے ہوئے تخفیف کی اور صرف چالیس کوڑے لگائے تھے۔ اگر آپ اسی کوڑے لگاتے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس پر اعتراض نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے۔ ❶

رافضی کا یہ قول کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میری موجودگی میں شرعی حدود کو پامال نہیں کیا جا سکتا۔''

یہ صریح کذب ہے۔ اگر اس واقعہ کو سچا بھی تسلیم کرلیں تو یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت اور مدح کا موجب ہے؛ کیونکہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مان لیا؛ اور آپ کو حد قائم کرنے سے نہیں روکا۔ حالانکہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حد قائم نہ کرنا چاہتے ہوتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روک سکتے تھے۔ اس لیے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کسی چیز کا ارادہ کرتے تھے تو پھر اسے کر گزرتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بس میں نہیں تھا کہ آپ کو روک سکتے۔ اگر ایسا نہ ہوتا؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کو کسی بھی کام سے جسے آپ برا سمجھتے ہوں' روکنے کی قدرت رکھتے ہوتے؛ تو پھر جن باتوں کی وجہ سے آپ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر انکار نقل کیا جاتا ہے؛ مگر اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو ان کاموں سے روکا نہیں؛ تو یہ امر خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں قدح و اعتراض کا موجب ہوتا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو حد قائم کرنے کا حکم دیا؛ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ بات مان بھی لی؛ تو اس سے آپ کا عدل و انصاف اور دین داری ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا ولید بن عقبہ کو کوفہ پر والی تعینات کیا تھا۔ شیعہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہ تھا۔ اگر اسے والی تعینات کرنا حرام تھا؛ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے روکنے پر قادر تھے؛ تو آپ پر واجب تھا کہ اس سے منع کرتے۔ جب آپ نے منع نہیں کیا تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں جائز ہونے کی دلیل ہے۔ یا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسا کرنے سے عاجز تھے۔

---

❶ صحیح مسلم: ح ۱۹۶۵ میں یہ حدیث اس طرح ہے کہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ ان کے پاس ولید بن عقبہ کو لایا گیا......اور اس کے خلاف دو آدمیوں نے گواہی دی۔ ان میں سے ایک نے گواہی دی کہ اس (ولید) نے شراب پی ہے۔ دوسرے نے گواہی دی کہ اس نے اسے قے کرتے دیکھا ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس نے شراب پیئے بغیر قے نہیں کی۔ اے علی رضی اللہ عنہ! اٹھو اور اسے کوڑے لگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا اٹھو اور کوڑے مارو۔ حضرت حسن نے کہا خلافت کی گرمی بھی اسی کے سپرد کریں جو اس کی ٹھنڈک کا والی ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کی وجہ سے حسن رضی اللہ عنہ سے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا اے عبداللہ بن جعفر اٹھو اور اسے کوڑے مارو۔ پس انہوں نے اسے کوڑے مارے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ شمار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ چالیس تک پہنچے تو فرمایا ٹھہر جا۔ پھر فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے لگوائے اور یہ سب سنت ہیں اور مجھے یہ (چالیس کوڑے) زیادہ پسندیدہ ہیں۔ [الدراوی؛ کشمیری]

دوسری بات:......استاذ محبّ الدین خطیب رحمہ اللہ نے العواصم من القواصم ص ۹۴ پر اس روایت کے متعلق گفتگو کی ہے؛ وہ کہتے ہیں: جن دو حضرات نے ولید بن عقبہ پر گواہی دی تھی؛ ان کے بارے میں کثرت کے ساتھ خیانت کی خبریں پہلے سے موجود تھیں۔ [لہٰذا ان کی گواہی اس لحاظ نا قابل اعتبار ٹھہری]۔ اور یہ کہ اس روایت میں وہ کہتا ہے: میں دو رکعت سے زیادہ کرتا ہوں'' اس میں زیادہ کرنے کے الفاظ راوی حصین کی طرف سے اضافہ ہیں؛ جو کہ اس خود ساختہ واقعہ پر کوفہ میں موجود ہی نہیں تھا۔ اور اس کی سند میں دیگر کوئی معروف راوی نہیں پایا جاتا۔ مزید تفصیل کے لیے العواصم من القواصم کا مطالعہ کریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر آپ اس کو والی بننے سے روکنے میں عاجز تھے؛ تو پھر حد قائم کرنے سے عاجز نہیں آ گئے؟ تو معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بذات خود ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر حد قائم کرنے پر قادر نہ تھے اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسا نہ چاہتے ہوتے۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ بھی حد قائم کرنا چاہتے تھے تو یہ ان کی دین داری اور عدل وانصاف کی دلیل ہے۔

یہ امر باعث حیرت واستعجاب ہے کہ شیعہ خود اس بات کے دعوے دار ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حدود کو پامال کیا جاتا رہا؛ حتی کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شرعی حدود کو پامال کیا جاتا رہا اور آپ تقیہ کی بنا پر خاموش رہا کرتے تھے۔ اگر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں یہ بات کہی بھی تھی تو اس لیے کہی ہوگی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے اعوان و انصار اقامت حدود میں ان کی اعانت کرتے تھے، اگر آپ اس سے تقیہ کرتے ہوتے تو یوں نہ کہتے۔ اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان حضرات سے بڑھ کر حدود شریعت قائم کرنے پر قادر تھے۔ اس لیے کہ شیعہ کے قول کے مطابق تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے سامنے حق کا اظہار کرنے پر قادر نہ تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں کی موجودگی میں عبید اللہ بن عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ نائب ولید بن عقبہ پر حد قائم نہ کر سکے تھے۔

رافضیوں کا المیہ یہی ہے کہ یہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو آپس میں متناقض ہوا کرتی ہیں۔

[عہد عثمانی اور اذان کا اضافہ]:

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ میں ایک اذان کا اضافہ کیا جو کہ بدعت ہے؛ یہ اذان اب تک سنت سمجھی جاتی ہے۔''

[جواب]: ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عہدِ عثمانی میں بھی اس پر موافقت کا اظہار کیا تھا؛ اور اپنے عہد خلافت میں اسی پر عمل کیا اور اس اذان کو بند نہ کیا۔ حالانکہ اس کا بند کرنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے اور ان کے خلاف نبرد آزما ہونے سے آسان تر تھا۔ جیسا کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں کئی ایک لوگوں کو والی بنانے پر اعتراض کیا تھا۔ بلکہ آپ نے مشورہ دیا تھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے منصب سے معزول کیا جائے۔ یہ بات معلوم شدہ ہے کہ ان والیان کو معزول کرنے اور ان کے ساتھ اُس جنگ کرنے کی نسبت بہت آسان تھا جس جنگ میں آخر کار آپ عاجز آ گئے۔ [اگر زیادہ نہیں تو] کم از کم کوفہ اور اپنی عملداری کے دیگر علاقوں سے اس بدعت کو ختم کرنا تو آپ کے لیے آسان تھا۔ اور ایسا کرنا آپ کی قدرت و استطاعت سے باہر بھی نہ تھا۔ اور اگر آپ نے اس اذان کو بند کیا ہوتا تو لوگ یہ خبر نقل کرتے [اور تاریخ کی کتابوں میں اس کا کوئی وجود ہوتا]۔

اگر کہا جائے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس اذان کو بند کر دیتے تو لوگ اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔''

ہم کہیں گے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگ اس اذان کے مستحب اور مستحسن ہونے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہم نوا تھے۔ اس کی حد یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر، سہل بن حُنَیف اور دیگر سابقین اوّلین صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حضرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عثمان رضی اللہ عنہ کے موید تھے۔ اور اگر یہ اکابر صحابہ اس کا انکار کرتے تو کوئی بھی ان کی مخالفت نہ کرتا۔ مزید برآں اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ ان میں سے کسی ایک نے اختلاف بھی کیا تھا تو اجتہادی امور میں اختلاف ایک عام بات ہے۔ اس کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کوئی عیب نہیں لگایا جاسکتا۔

اگر کہا جائے کہ یہ اذان بدعت ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہو کہ یہ اذان اس سے پہلے موجود نہیں تھی۔ تو ہم کہیں گے کہ اہل قبلہ سے لڑنا بھی بدعت ہے۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے کسی حاکم نے اہل قبلہ سے قتال نہیں کیا۔ [خود انصاف کیجیے] اس آذان کو اہل قبلہ کے ساتھ قتال سے کیا نسبت ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ: یہ اذان اس لحاظ سے بدعت ہے کہ اس پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ: تمہیں یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو بغیر شرعی دلیل کے اس آذان کا اضافہ کیا؛ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اہل قبلہ کو قتل کرنے کے لیے شرعی دلیل موجود تھی؟

مزید برآں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جامع مسجد میں دوسری نماز عید کی بدعت کا اضافہ کیا۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے دور میں ایک شہر میں ایک ہی جمعہ ہوا کرتا تھا۔ اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر صرف ایک ہی بار عید کی نماز پڑھی جاتی تھی۔ جمعہ کی نماز لوگ مسجد میں پڑھا کرتے تھے اور عید کھلے میدان میں پڑھا کرتے تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کے دن اور جمعہ کے دن نماز سے پہلے خطبہ دیا کرتے تھے۔ اور عید کے دن نماز کے بعد خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب کہ استسقاء کی نماز کے بارے میں اختلاف ہے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عہد آیا تو آپ سے کہا گیا: ''شہر میں ایسے کمزور اور معذور لوگ ہیں جو عید گاہ کی طرف نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک نائب مقرر فرمایا جو مسجد میں ان لوگوں کو عید پڑھایا کرتا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے تکبیرات کے ساتھ دو رکعت پڑھائیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چار رکعت بغیر تکبیرات کے پڑھائیں۔

ایسے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بصرہ میں عرفہ کے دن خطبہ دیا۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی انکار نہیں کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں جس اذان کا اضافہ کیا تھا؛ بعد میں لوگوں کا اس پر اتفاق ہوگیا۔ جیسے کہ اہل مذاہب اربعہ اور دوسرے لوگوں کے ہاں موجود ہے۔ جیسا کہ لوگوں کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس سنت پر اتفاق ہوگیا تھا کہ رمضان میں تراویح کے لیے لوگوں کو ایک ہی امام پر جمع کردیا۔

جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو دو عیدیں پڑھنا شروع کی تھیں اس میں علماء کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔

رہا یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو دو عیدیں پڑھانے کی سنت قائم کی تھی؛ اس کے بارے میں اور جمعہ کے بارے علمائے کرام کا تین اقوال میں اختلاف ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۔ پہلا قول:...... ہر شہر میں صرف ایک جمعہ اور ایک ہی عید ہو سکتی ہے۔ یہ امام مالک اور بعض اصحاب ابی حنیفہ کا قول ہے۔ رحمہم اللہ ۔ان کا کہنا ہے کہ سنت یہی ہے۔

۲۔ دوسرا قول:...... ایک شہر میں عید کی نماز کئی جگہ پر ہو سکتی ہے بخلاف نماز جمعہ کے۔ یہ امام شافعی کا قول ہے؛ امام احمد سے بھی ایک قول میں یہی منقول ہے۔لیکن اس قول کے قائل کی دلیل یہ ہے کہ نماز عید کے لیے آذان اور اقامت اور عدد کی شرط نہیں جیسا کہ جمعہ کے لیے یہ شرائط ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نماز جمعہ سفر و حضر میں پڑھی جاسکتی ہے۔ یہ مسئلہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت سنت متواترہ کے خلاف ہے۔

۳۔ تیسرا قول:...... ایک ہی شہر میں ضرورت کے تحت دو جمعے پڑھنے جائز ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ضرورت کے تحت دو عیدیں پڑھیں تھیں۔ یہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب ہے۔ اور اکثر اصحاب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی پر قائم ہیں؛ اور اصحاب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر متاخرین لوگ اسی پر ہیں۔ ان لوگوں کی دلیل حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کا فعل ہے؛ اس لیے کہ آپ خلفاء راشدین میں سے ایک خلیفہ راشد ہیں۔

ایسے ہی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے شہر کی تعریف اور حدود بندی و تعین کو جائز کہا ہے۔ اور یہ دلیل پیش کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ میں ایسے کیا تھا؛ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔اور ابن عباس بصرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نائب تھے۔

امام بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سارے علمائے کرام رحمہم اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ سنت کی اتباع کرتے ہیں۔ جیسا کہ بہت ساری لوگ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کی قائم کردہ سنت کی اتباع کرتے ہیں۔ اور دوسرے علماء جیسے امام مالک و غیرہ رحمہم اللہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت کی اتباع نہیں کرتے۔ ان سب کا حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی قائم کردہ سنت کی اتباع پر اتفاق ہے۔اب اگر حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کی سنت پر نقد و جرح کرنا جائز ہے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال ہے؛ ان پر بطریق اولی قدح کرنا جائز ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل جائز تھا؛ کیونکہ آپ نے اپنے اجتہاد سے ایسے کیا تھا اور یہ ایسی سنت ہے جس کی اتباع کی جائے؛ تو پھر حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما نے جو کچھ کیا وہ بطریق اولیٰ اتباع کا مستحق ہے۔ اس باب میں یہ مسئلہ ویسے ہی ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا؛ کہ بنو تغلب کے نصاری کے ساتھ کیا تھا کہ ان پر ٹیکس دوگنا کر دیا تھا۔

یہ بات غور و فکر کرنے والے کے لیے صاف ظاہر ہے بخلاف خوارج کے عقیدہ کے۔ بلاشبہ ان کا عقیدہ تفسیر قرآن سے جہالت پر مبنی ہے۔ نیز ان میں گناہوں کی بہت زیادہ تعظیم پائی جاتی ہے۔ اور یہی حال وعیدیہ اور قدریہ کے عقیدہ کا بھی ہے جو کہ گناہوں کی تعظیم پر مبنی ہے۔ اور یہی حال مرجئہ کے عقیدہ کا بھی ہے۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ اس آدمی سے کفر کی نفی کی جائے جس نے رسولوں کی تصدیق کی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بدعتی مذاہب کے مؤسسین اور بڑوں میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہ وہ منافق اور زندیق ہے بخلاف رافضہ کے۔ ان کے بڑے منافق اور زندیق تھے۔ حالانکہ ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں بہت سارے ایسے بھی تھے جو کافر یا منافق نہیں تھے۔ اور بہت سارے لوگوں کے نیک اعمال بھی تھے۔ اور ان میں سے بعض صرف خطا کار تھے جن کی خطائیں قابل بخشش و مغفرت ہیں۔ اور ان میں سے بعض گنہگار بھی تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید کی جا سکتی ہے۔ لیکن قرآن و حدیث کے معانی سے جہالت کے وصف میں یہ تمام لوگ مشترک ہیں۔ ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو علم و دین میں مسلمانوں کے ائمہ میں سے امام شمار ہوتا ہو۔

اس مذہب کی اصل بنیاد زنادقہ اور منافقین کے ہاتھوں پر رکھی گئی ہے جو کہ دین اسلام کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے مذاہب اور ادیان کی بہت ساری کتابوں میں دیکھا جہاں پر مختلف مذاہب کے لوگوں کے عقائد نقل کئے جاتے ہیں وہاں پر ان لوگوں کے عقائد بھی دیکھے ہیں کہ ان میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔

بہت سارے ناقلین کا مقصد جھوٹ بولنا نہیں ہوتا لیکن لوگوں کے عقائد کی حقیقت کی معرفت ان کے الفاظ نقل کئے بغیر اس طرح حاصل کرنا جس سے ان کی مراد معلوم ہو سکے یہ بعض لوگوں پر مشکل ہوتا ہے اور بعض ایسا کرنے میں معذور ہوتے ہیں۔ اور پھر اہل کلام اور لوگوں کے عقائد نقل کرنے والوں کی اکثر کتابیں مختلف ملتوں کے ایسے عقائد اور اصول نقل کرتے ہیں جن کے مکمل اوصاف بیان کرنا طول اختیار کر جائے گا۔ بذات خود وہ امور جنہیں دیکر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا تھا اور جو اس اصل میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کا عقیدہ تھا جس اصل میں لوگوں کے عقائد نقل کئے گئے ہیں وہ جان بوجھ کر اس کے ترک کئے جانے کی وجہ سے نقل نہیں کرتے بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ اس اصول کو جانتے ہی نہیں۔ بلکہ انہوں نے وہ اصول سنے ہی نہیں ہوتے اس لیے کہ رسول اللہ اور صحابہ و تابعین سے منقول نصوص کے بارے میں ان کا علم و تجربہ بہت کم ہے۔

اشعری کی کتاب المقالات اس مسئلہ میں جامع اور شامل کتاب ہے۔ اس میں ایسے عقائد اور ان کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں موجود نہیں۔ اس نے اہل سنت اور اصحاب الحدیث کا مذہب بھی اپنے فہم اور سمجھ اور گمان کے مطابق نقل کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ ہر بات وہی کہے گا جو ان لوگوں سے منقول ہے۔ پھر اس کے بعد اس کے متبعین آئے جیسے کہ ابن فورک وغیرہ جنہیں اس کی منقولات بھلی نہیں لگیں انہوں نے اس میں کچھ کمی و بیشی کر دی۔ اس کے باوجود کہ آپ کلام میں وسیع النظر اور وسیع الخبر بھی تھے لیکن حدیث اور مقالات سلف اور ائمہ اہل سنت کے عقائد سے کم علمی کی وجہ سے نفی و اثبات میں ان میں سے ایسے اقوال نقل کئے ہیں جو اصل میں ان میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کہے۔ اس کی ایک مثال اطلاق سے لے لیجیے۔ یہ لفظ ان میں سے کسی ایک سے بھی لفظا یا معنا نقل نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان سے اس لفظ کے معنی و مراد اور اثبات میں تفصیل منقول ہے۔ بلکہ وہ اس لفظ اطلاق کے منکر ہیں جو ان سے نقل کرنے والوں نے مطلق طور پر نقل کیا ہے۔ اور بعض ان معانی کا بھی انکار کرتے ہیں جو کہ اس لفظ کی نفی یا اثبات میں مراد لیے جاتے ہیں۔

شہرستانی نے کئی ایک مواقع پر ایسے ضعیف اقوال نقل کئے ہیں کہ مقالات الناس کے ماہرین کو ان کی کوئی معرفت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور خبر ہی نہیں ۔ حالانکہ اس بارے میں لکھی گئی کتابوں میں سے آپ کی کتاب زیادہ جامع اور شامل اور عمدہ ہے ۔ لیکن اس باب میں ان سے بھی ایسے امور سرزد ہوگئے جو کہ اہل علم پر مخفی نہیں ۔ شہرستانی اشعریہ کی عقائد اور ابن سینا اور اس جیسے دوسرے فلاسفہ کے عقائد کے عالم تھے ۔ آپ کی منقولات میں سب سے عمدہ کلام ان دونوں گروہوں کے متعلق ہے ۔ جب کہ صحابہ اور تابعین اور ائمہ اہل سنت وحدیث تو ان کے عقائد و اقوال کے بارے میں نہ ہی اشعری اور نہ ہی اس کے امثال وہمنوا پوری طرح جانتے تھے ۔ بلکہ انہوں نے ان کے عقائد ایسے صحیح اور معروف اسناد کے ساتھ سنے ہی نہیں تھے جیسے کہ اہل علم نے نقل کئے ہیں ۔ بلکہ انہوں نے ایسے جملے سن لیے تھے جو کہ حق و باطل پر مشتمل تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان مصنفات میں موجود اور ثابت ان کے مقالات کو معتبر مان لیا جائے تو اس میں ان سے منقول روایات کی مخالفت پائی جاتی ہے ۔ یہ تاریخ اور سیرت کی جنس سے مرسل اور مقطوع اور دیگر روایات کی نقل کی طرح ہے ۔ ان میں صحیح روایات بھی ہوتی ہیں اور ضعیف بھی ۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ رافضی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں جو آپ نے حضرات صحابہ مہاجرین وانصار کی موجودگی میں اور ان کی موافقت سے کی تھیں ؛ اور تمام مسلمانوں نے اس پر ان کی اتباع کی ۔ جیسے جمعہ کے دوسری آذان ۔ جب کہ خود شیعہ نے اذان میں "حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ" اپنے مخصوص شعار [نشان] کا اضافہ کیا ہے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ، اور نہ ہی کسی نے رسول اللہ ﷺ سے ایسی کوئی چیز روایت کی ہے کہ آپ نے یہ الفاظ کہنے کا حکم دیا ہو [تو کیا یہ بدعت نہیں ؟]

اگر نقلاً یہ ثابت ہو بھی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بعض اوقات یہ الفاظ بطور تاکید کہا کرتے تھے ۔ جس طرح بعض صحابہ "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" کے درمیان یہ الفاظ کہا کرتے تھے ؛ اس کو نداء الامرا کہتے تھے ؛ اور بعض اسے ندائے تثویب کہا کرتے تھے ۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ مکروہ ہے ۔ بعض علماء کرام رحمہم اللہ نے ایسا کہنے کی رخصت دی ہے ۔ حضرت عمر ؛ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کی کراہت منقول ہے ۔

ہم یہ بات اضطراری طور پر جانتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں نبی کریم ﷺ کی مسجد میں جو اذان حضرت بلال اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما دیا کرتے تھے ؛ اور جو آذان حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ مکہ میں دیا کرتے تھے ؛ اور سعد القرظ مسجد قباء میں دیا کرتے تھے ؛ اس میں یہ مخصوص الفاظ نہیں ہیں جو کہ رافضی شعار سمجھے جاتے ہیں ۔ اگر کہیں بھی کوئی ایسی بات ہوتی تو مسلمان اس کو ضرور نقل کرتے اور اس میں کوئی سستی یا کمی بیشی نہ کرتے ۔ جیسا کہ اس سے بہت کم درجہ کی چیزیں بھی انہوں نے نقل کی ہیں ۔ جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی نقل کردہ آذان میں مذکورہ الفاظ نہیں تھے ؛ اور کسی نے یہ زیادہ کردہ الفاظ نقل نہیں کیے تو اس سے معلوم ہوا کہ ایک باطل امر اور بدعت ہے ۔

یہ چاروں حضرات نبی کریم ﷺ کی اجازت سے آذان دیا کرتے تھے ۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ہی آذان سیکھی تھی ۔ اور افضل ترین مساجد میں آذان دیا کرتے تھے ؛ مسجد الحرام مکہ مکرمہ ؛ مسجد نبوی مدینہ طیبہ ؛ مسجد قباء ؛ مدینہ طیبہ ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوران کی آذان عوام وخواص کے ہاں تواتر کے ساتھ مشہور ہے۔

یہ بات بھی سبھی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہاں قرآن کے اعراب سے بڑھ کر تواتر کے ساتھ آذان نقل کی گئی ہے۔جیسا کہ ﴿وَ أَرْجُلَکُمْ ﴾ کا اعراب وغیرہ۔اسلامی شعائر میں نماز سے بڑھ کر مشہور کوئی دوسری چیز نہیں ۔بقیہ تمام اسلامی شعائر سے بڑھ کر شہرت آذان کو حاصل ہوئی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آذان کی صفات کے بارے میں اختلاف ہے۔

تواس کا جواب یہ ہے کہ: احادیث میں جو بھی نقل صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے؛ وہ سنت ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو جو آذان سکھائی تھی ؛ اس میں ترجیع ہے۔اوراس کی اقامت آذان کی طرح دو دو بار ہے ۔اوراس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے جو آذان سیکھائی تھی ؛اس میں آذان کے کلمات دو دو بار ہیں' جب کہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار ہیں۔ان کی آذان میں ترجیع نہ تھی۔اس لیے اقامت کے الفاظ کوافراد میں نقل کرنا بھی صحیح اور ثابت ہے۔اور دو دو بار کے الفاظ بھی بغیر کسی شک وشبہ کے صحیح ہیں۔محدثین کرام نے ان دونوں طریقوں کو صحیح کہا ہے۔

اس کی دوسری مثال تشہد کے الفاظ کا متعدد طرق سے روایت کیا جانا ہے۔لیکن آخر کار حجاز میں اقامت کے اکہرے کلمات مشہور ہوگئے؛ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تعلیم دی تھی۔ جب کہ ترجیع کے کلمات سراً کہے جاتے ہیں۔اور بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو یہ الفاظ ترجیع کے ساتھ اس لیے سکھائے تھے کہ ایمان آپ کے دل میں جڑ پکڑ جائے۔ترجیع کے کلمات آذان کا حصہ نہیں تھے۔لیکن اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو ان کلمات کی تلقین کی تھی۔تو اس وجہ سے لوگوں کے مابین معروف آذان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔ [1]

[کیا مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے؟]:

[اعتراض] :شیعہ مصنف لکھتا ہے:''سب مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو قتل کردیا گیا۔مسلمانوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اوراس کے کاموں پر تنقید کی۔یہاں تک کہ ان کو قتل کردیا گیا۔ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا تھا آپ نے بدر میں شرکت نہ کی۔ اور غزوۂ احد کے دن بھاگ گئے۔بیعت الرضوان میں بھی شامل نہ ہوئے۔خلاصہ یہ کہ ایسے واقعات لاتعداد ہیں۔''

[جواب] :رافضی کا اعتراض:......''سب مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو قتل

---

[1] ترجیع یہ ہے کہ جب مؤذن آذان دیتے ہوئے اَشھد اَن محمدا رسول اللہ کہتا تو پھر دوبارہ سے دودو بار اشھد أن لا إله إلا الله اور أشهد ان محمداً رسول الله کہتا۔اس صورت میں آذان دینے کو ترجیع کہتے ہیں۔اور جب آذان ایسے دی جائے تو اقامت میں ایک بار کلمات کہے جائیں۔یہ سنت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کر دیا گیا۔''

❀ اگراس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس حد تک مخالف تھے کہ وہ آپ کو مباح الدم خیال کرتے تھے اوران تمام نے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔اور آپ کے قتل پر راضی رہے تھے؛ یا آپ کے قتل میں مددگار ثابت ہوئے تھے۔تو پھراس کے بارے میں ہرانسان جانتا ہے کہ یہ صریح کذب و بہتان ہے۔اس لیے کہ آپ کو چند ظالم باغیوں نے قتل کیا تھا۔[سابقین اوّلین صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اس پر رضا مند نہ تھے]۔حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''خدا قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر لعنت کرے، وہ چوروں کی طرح بستی کی پچھلی جانب سے داخل ہوئے۔اللہ ان کو ہر طرح سے غارت کرے۔ان میں سے وہی لوگ بھاگنے میں کامیاب ہوئے جو راتوں رات بھاگ گئے تھے اور مسلمانوں کو خبر بھی نہ تھی۔ مدینہ میں جو لوگ موجود تھے انھیں معلوم نہ تھا کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں،جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آپ کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گئے۔''

اگراس سے مراد یہ ہو کہ: تمام مسلمان آپ کے خلاف ہو گئے تھے؛ آپ کے ہر ایک فعل میں آپ کی مخالفت کرتے تھے۔یا جن امور میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر انکار کیا گیا ہے' ان میں تمام مسلمان آپ کے مخالف تھے: تو یہ کہنا بھی بالکل جھوٹ ہے۔اس لیے کہ کوئی بھی چیز ایسی نہیں جس میں سب لوگ آپ کے خلاف ہو گئے ہوں، بلکہ اکثر آپ کے ہم خیال تھے۔آپ پر جو جو اعتراضات کیے گئے تھے۔ان میں اکثر مسلمان آپ کو حق بجانب قرار دیتے تھے۔اس کی حد یہ ہے کہ جو شیعہ علماء مداہنت فی الدین کے عادی نہیں ہیں وہ بھی حضرت عثمان کی تائید کرتے ہیں۔جن لوگوں نے ان اعتراضات کے بارے میں حضرت عثمان کا ساتھ دیا ہے وہ ان مسلمانوں کی نسبت اکثر و افضل ہیں جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وارد کردہ مطاعن سے متعلق جملہ امور یا اکثر امور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پشت پناہی کی تھی۔یا تو تمام امور میں ہی ایسا تھا یا پھر غالب امور میں ایسا تھا۔ بہت سارے امور میں حق بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔بعض امور میں آپ مجتہد تھے؛ اور بعض امور میں آپ کے مخالف اجتہاد پر تھے۔خواہ یہ اجتہاد درست ہو یا خطأ۔

جب کہ آپ کے قتل میں شریک لوگ سارے کے سارے خطا پر تھے۔یہی نہیں بلکہ ظلم اور بغاوت اور سرکشی کرنے والے تھے۔اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ ان میں کوئی ایسا انسان بھی ہو سکتا ہے جس کے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے ہوں تو پھر بھی اس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مظلوم مقتول [اور جنتی] ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

[اعتراض] شیعہ مصنف لکھتا ہے:''لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے بدر میں شرکت نہ کی۔آپ احد میں بھاگ گئے اور بیعت رضوان میں شریک نہیں ہوئے تھے۔'' یہ کوئی دو یا تین واقعات نہیں کہ انہیں شمار کیا جائے۔''

[جواب]: ہم کہتے ہیں یہ جاہل شیعہ کا قول ہے] مسلمانوں یہ بات بہت کم ہوئی ہے [جہالت کی وجہ سے] دو یا تین افراد نے یہ اعتراض کیا تھا۔حضرت عثمان و ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر نے ان معترضین کو جواب دیا تھا کہ:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

۱۔ بدر کے دن غائب رہنے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے حضرت عثمان کو مدینہ میں رہنے دیا تھا۔ واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے بدر کے مال غنیمت میں سے آپ کو بھی حصہ دیا تھا۔

۲۔ بیعت رضوان میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیکر ان کی طرف سے بیعت کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے ہر حال میں بہتر اور افضل تھا۔ اس بیعت کا سبب بھی آپ ہی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا تھا۔ جب آپ کو خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کردیا گیا ہے تو آپ نے صحابہ سے موت کی بیعت لی۔ تو اس بیعت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے آپ کو خاص طور پر قریش کے پاس روانہ فرمایا تھا تاکہ آپ قریش سے مل کر بات کرسکیں۔ قریش نے آپ سے کہا کہ: آپ بیت اللہ کا طواف کرلیں؛ اور رسول اللہ ﷺ اور باقی صحابہ کرام کو رہنے دیں؛ تو آپ نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ آپ نے فرمایا: اس وقت تک میں بیت اللہ کا طواف نہیں کرسکتا جب تک رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف نہ کرلیں۔

رسول اللہ ﷺ نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ اس کام کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا جائے۔ مگر آپ نے گزارش کی کہ مکہ مکرمہ میں ان کے حمایتی نہیں ہیں۔ جب کہ اس کام کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مناسب ہیں؛ بنوامیہ کی بڑی تعداد آپ کی حمایت کے لیے مکہ میں موجود ہے۔ آپ کا شمار بھی مکہ کے سرداروں میں سے ہوتا ہے' اس لیے قبیلہ کے لوگ آپ کی حمایت کریں گے۔

۳۔ صحابہ میں سے جو لوگ جنگ احد سے واپس آ گئے تھے اللہ تعالیٰ ان کو معاف کردیا تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ﴾ (آل عمران: ۱۵۵)

''بیشک وہ لوگ جو تم میں سے اس دن پیٹھ پھیر گئے تھے جب دو جماعتیں لڑ پڑیں، شیطان نے انھیں ان بعض اعمال ہی کی وجہ سے پھسلایا جو انھوں نے کیے تھے اور یقیناً اللہ نے انھیں معاف کر دیا، بیشک اللہ بخشنے والا، نہایت بردبار ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے احد کے دن پلٹ کر واپس چلے جانے والے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عام معافی کا اعلان کردیا تھا۔ تو اس معافی میں وہ لوگ بھی داخل تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہت کم درجہ کے تھے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس میں کیسے داخل نہیں ہوسکتے کہ آپ کی اتنی بڑی فضیلت ہے' اور آپ کی نیکیاں اور بھلائیاں انتہاء درجہ کی ہیں۔

❀❀ جلد پنجم ختم ہوئی ❀❀

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل:......مسلمانوں کے مابین اختلافات

[اشکال]: رافضی کہتا ہے: ''علامہ شہرستانی جو کہ امامیہ کے خلاف انتہائی سخت متعصبین میں سے ہے' اس نے ذکر کیا ہے کہ: ابلیسی شبہ کے بعد فساد کی سب سے پہلی کڑی رسول اللہ ﷺ کی بیماری میں واقع ہونے والا اختلاف ہے۔ پہلا اختلاف آپ ﷺ کی بیماری میں ہی پیدا ہوا۔ جسے امام بخاری نے اپنی سند سے نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی مرض الموت کی تکلیف بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا: ''قلم دوات لاؤ کہ میں تمھیں کچھ لکھ دوں، جس کی موجودگی میں تم میرے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ کے حواس بجا نہیں ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔'' جب شور وغل بپا ہوا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میرے یہاں سے چلے جاؤ نبی کے پاس شور وغل زیب نہیں دیتا۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: جو کچھ علامہ شہرستانی یا ان جیسے دوسرے مصنفین نے ''الملل و النحل'' میں نقل کیا ہے۔ اس میں عام طور پر یہ لوگ ایک دوسرے سے ہی نقل کرتے ہیں۔ اور بہت سارے اقوال اس میں نقل نہیں بھی کیے گئے۔ اور ایسے ہی عام طور پر نقل کیے جانے والے اقوال کی سند نہیں ذکر کی گئی۔ بلکہ انہوں نے عقائد اور فرق کے بارے میں پہلے سے تحریر شدہ کتابوں سے نقل کی ہے۔ مثلاً: ابو عیسیٰ الوراق؛ یہ رافضی مصنف تھا؛ اس پر بھی بہت زیادہ نقل کی تہمت ہے۔ اور ایسے ہی ابو یحییٰ اور ان کے علاوہ دوسرے شیعہ مصنفین۔ اور ایسے ہی انہوں نے زیدیہ اور معتزلہ کی کتابوں سے بھی نقل کی ہے حالانکہ یہ دونوں فرقے بہت سارے صحابہ کرام پر طعنہ زنی کے مرتکب ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ: امام اشعری رحمہ اللہ نے جو کچھ نقل کیا ہے' وہ ان کی نقل سے بہت زیادہ صحیح ہے۔ اس لیے کہ آپ فرقوں اور عقائد کے ماہر تھے۔ اور اس بارے میں جھوٹوں کے جھوٹ سے بہت زیادہ بچ کر رہنے والے تھے۔ مگر اس کے باوجود آپ کی منقولات میں اور عام طور پر ان مصنفین کی منقولات میں جو کہ سند اور صاحب قول کے الفاظ کا لحاظ کئے بغیر کلام نقل کر دیتے ہیں' ایسی غلطیاں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے ان لوگوں کے عقیدہ اور ان سے نقل کئے گئے الفاظ میں فرق صاف ظاہر نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ فقہاء کرام جب ایک دوسرے کا مذہب نقل کرتے ہیں تو اس میں بھی بہت زیادہ غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ نقل کرنے والے کا مقصد کذب بیانی نہیں ہوتا۔ اور ایسے لوگوں کے بارے میں غلط بیانی ہو جاتی ہے جن کے بارے میں جھوٹ بولنے میں کوئی مقصد یا غرض نہیں ہوتی؛ بلکہ وہ انسان اس دوسرے کی تعظیم بجالانے والا اور اس کے پیروکاروں میں سے ایک ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم' آپ سے دوستی و موالات اور آپ کی اتباع کے واجب ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ مگر اس کے باوجود علماء حدیث کے علاوہ بہت سارے دوسرے علماء سے آپ سے حدیث روایت کرنے میں غلطی ہوجاتی ہے۔ اور کبھی آپ ﷺ کے کلام میں ایسی کمی و زیادتی ہوجاتی ہے جس سے معنی بدل جاتا ہے۔ بلکہ ان امور کی معرفت میں بھی غلطی ہوجاتی ہے جو کہ عام اہل علم کے ہاں بھی تواتر کے ساتھ مشہور و معروف ہوتے ہیں۔

ہم نے اگرچہ رافضی مصنف کی نقل کردہ روایات میں بہت سارے جھوٹ کو واضح کیا ہے؛ لیکن یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ بہت ساری منقولات میں یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا۔ نہ ہی یہ اور نہ ہی اس جیسے دوسرے مصنفین۔ لیکن پھر بھی کبھی عمداً جھوٹ واقع ہوجاتا ہے اور کبھی غلطی یا حافظہ کی خرابی کی وجہ سے۔ پھر باقی لوگ اسے یا تو اپنی خواہشات کی وجہ سے قبول کر لیتے ہیں یا پھر انہیں اس کا صحیح علم نہیں ہوتا۔ خواہشات نفس انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہیں۔ خواہش پرست اپنی خواہش کے موافق چیز کو بغیر کسی دلیل کے بھی قبول کر لیتا ہے۔ اور اپنے مخالف کی بات کو بغیر کسی دلیل اور حجت کے رد کر دیتا ہے۔

- تمام فرقوں میں کوئی فرقہ ایسا نہیں جو کہ رافضیوں سے بڑھ کر حق بات کی تکذیب اور باطل کی تصدیق کرنے والا ہو۔ اس لیے کہ اس مذہب کے سرغنے اور مؤسسین جنہوں نے اس فرقہ کی بنیاد رکھی؛ وہ زندیق اور ملحد لوگ تھے۔ جیسا کہ کئی ایک اہل علم نے یہ بات بیان کی ہے؛ اور غور کرنے والے کے لیے یہ معاملہ بالکل ظاہر ہے۔ بخلاف خارجی عقیدہ کے۔ ان کا یہ بگاڑ تفسیر قرآن سے جہالت اور گناہوں کی تعظیم میں غلو کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔ یہی حال وعیدیہ اور قدریہ کا بھی ہے۔ وہ ایسے ہی گناہوں کے بارے میں بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ اور پھر یہی حال مرجئہ کے عقیدہ کا بھی ہے۔ ان کا اصل مقصد گناہ کی وجہ سے ان لوگوں کی تکفیر کی نفی کرنا تھا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی ہو۔ یہ بڑے بڑے مذاہب ہیں جنہوں نے بدعات ایجاد کر لی ہیں؛ مگر کسی ایک نے بھی ان کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ منافق اور زندیق ہیں۔ بخلاف روافض کے۔ بیشک ان کے سارے بڑے ایسے ہی تھے۔ حالانکہ ان میں سے بہت سارے نہ ہی کافر تھے اور نہ ہی منافق۔ بلکہ بعض میں ایمان اور نیک اعمال بھی پائے جاتے تھے۔ اور ان میں سے بعض خطاکار تھے جنہیں کی خطائیں بخشی جاسکتی ہیں۔ اور ان میں ایسے گنہگار بھی تھے جن کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے۔ لیکن قرآن و حدیث کے معانی و مفاہیم سے جہالت ان تمام کو شامل ہے۔ ان میں ائمہ مسلمین میں سے کوئی امام ایسا نہیں ہے جسے علم اور دین میں معتبر سمجھا جاتا ہو۔
- اصل میں اس مذہب کی بنیاد منافقین زندیقوں نے رکھی ہے۔ وہ دین اسلام میں خرابی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ میں نے بہت سارے عقائد و ملل پر لکھنے والوں کی کتابیں دیکھی ہیں جو ان کی بابت لوگوں کے مذاہب نقل کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے اقوال بھی دیکھے ہیں۔ اس میں میں نے بہت بڑا اختلاف دیکھا ہے۔
- بہت سارے ناقلین جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتے۔ لیکن لوگوں کے اقوال کی حقیقی معرفت نہ ہونے کی وجہ سے وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان الفاظ میں نقل نہیں کر سکتے ؛ جس کی وجہ بعض لوگوں پر تو ان کی مراد سمجھنا مشکل ہو جاتی ہے۔اور بالکل اس کو سمجھنے سے معذور رہ جاتے ہیں۔

❀ پھر اہل کلام کی اکثر کتابیں جو عقائد کو نقل کرتی ہیں؛ وہ ملل ونحل کے اصول میں ایسے عقائد ذکر کرتے ہیں جن کا بیان یہاں پر طوالت اختیار کر جائے گا۔ بذات خود وہ چیز جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث کیا؛ اور آپ کے صحابہ اور ان کے تابعین کا عقیدہ تھا؛ جس میں وہ لوگوں کے عقائد کو حکایت کر کر رہے؛ اسے نقل ہی نہیں کیا۔ انہوں نے یہ جان بوجھ کر ترک نہیں کیا؛ بلکہ وہ خود اس کی صحیح معرفت حاصل ہی نہیں کر سکے۔اور نہ ہی انہوں نے یہ سنا ہے۔کیونکہ انہیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب اور تابعین کی نصوص کے متعلق خبر بہت کم تھی۔

❀ اشعری کی کتاب ''مقالات'' ایک جامع اور شامل کتاب ہے۔اس میں وہ اقوال اور تحریریں ہیں جو کسی دوسری کتاب میں نہیں پائی جاتی۔اس نے اہل سنت اصحاب الحدیث کا مذہب ویسے ہی نقل کیا ہے؛ جیسے وہ سمجھا؛ اور اسے ان حضرات کا قول/ وعقیدہ خیال کرتا رہا۔اور یہ بھی کہا ہے کہ: ہر وہ چیز اس کا عقیدہ ہے جو ان حضرات سے وہ نقل کر رہا ہے۔اس کے بعد اس کے اتباع کار آئے - جیسے ابن فورک -؛جنہیں ان کے بارے میں منقولات اچھی نہ لگیں۔تو انہوں نے اس میں کمی بیشی کر دی۔ان تمام باتوں کے باوصف اس نے علم حدیث اور مقالات سلف و ائمہ سنت کی نسبت علم کلام سے اپنے علم و آگاہی زیادتی کے باوجود کئی ایک مقامات پر نفی اور اثبات میں ان کے اقوال نقل کئے ہین۔اصل میں ان میں سے کسی ایک سے علی الاطلاق کوئی قول نقل نہیں کیا جاتا۔نہ ہی لفظاً اور نہ ہی معنیً۔ بلکہ ان سے کوئی اسی منقول چیز ثابت ہی نہیں ہے جس میں ان الفاظ اور ان کے معانی و مراد کے اثبات اور نفی کی تفصیل ہو۔ وہ اس اطلاق کے منکر ہیں جو ان سے نقل کرنے والے نے ذکر کیا ہے۔اور نفی و اثبات سے اس کی مراد کے بعض معانی کے منکر ہیں۔

❀ شہرستانی نے کئی مواقع پر ضعیف اقوال نقل کئے ہیں؛ جس انسان کو لوگوں کے عقائد کا پتہ ہو؛ وہ ان چیزوں کو جانتا ہے۔حالانکہ اس کی کتاب عقائد و مقالات پر لکھی گئی کتابوں میں سب سے زیادہ مقبول اور نقل کے اعتبار سے بہت ہی عمدہ ہے۔لیکن اس باب میں جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ پس جب مصنف اشعریہ کے عقائد؛ اور ابن سینا اور فلاسفہ کے عقائد سے اچھی طرح واقف تھا؛ تو اس نے ان دو گروہوں کے عقائد کو بھی بہت اچھی طرح سے نقل کیا۔اور جبکہ صحابہ اور تابعین ؛ اور ائمہ سنت و محدثین کے عقائد کو نہ ہی یہ خود جانتا تھا؛ اور نہ ہی اس کے امثال و ہمنوا ان حضرات کے عقائد تک رسائی رکھتے تھے۔ بلکہ انہوں نے ان کے عقائد صحیح طرح سے ؛ اہل علم کی معروف اسناد کے ساتھ روایت سے سنے ہی نہیں۔ بلکہ انہوں نے کچھ جملے سن لیے جن میں حق اور باطل سب کچھ شامل تھا۔

❀ پس یہی وجہ ہے کہ جب ان کی مصنفات میں موجود مقالات کو معتبر مانا جائے؛ جن کا منقول ہونا ان سے ثابت بھی ہے؛ تو آپ دیکھیں گے کہ ان میں بہت ساری نقول ایسی ہیں جن کا آپس میں اختلاف ہے۔ یہ بھی تاریخ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احوال نقل کرنے کی جنس سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہی حال مراسلت وغیرہ کا بھی ہوتا ہے۔ ان میں صحیح چیزیں بھی ہوتی ہیں اور ضعیف بھی۔

❀ جب معاملہ ایسے ہی ہے تو ہم کہتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے جو فضائل و مناقب اور محاسن کتاب و سنت اور نقل متواتر سے ثابت ہیں' ان کو منقطع اور محرّف اور نا قابل حجت روایات سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ یہ اصول ہے کہ یقین کو شک کی بنیاد پر رد نہیں کیا جا سکتا۔ اور ہمیں اس بات پر یقین ہے جس پر کتاب و سنت اور ہم سے پہلے سلف صالحین کا اجماع اور منقولات متواترہ کے ساتھ ساتھ عقل بھی دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ترین مخلوق ہیں۔ پس ان پر مشکوک اور قابلِ قدح امور کی بنیاد پر شک نہیں کیا جا سکتا۔ تو پھر وہ امور ان کی شان میں کیسے قابل قدح ہو سکتے ہیں جن کا باطل ہونا سب کو معلوم ہے۔

رافضی کا دعوی: شہرستانی کا تعصب:

❀ رافضی کا یہ کہنا کہ: ''شہرستانی امامیہ مذہب کے خلاف سخت ترین تعصب رکھنے والوں میں سے تھا۔''

❀ [جواب: ہم کہتے ہیں]: ایسا ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ وہ بہت ساری باتوں میں شیعہ مذہب کی طرف میلان رکھتا تھا۔ بلکہ کبھی کبھار ان میں سے اسماعیلیہ ملاحدہ کا کلام نقل کرتا اور اس کی توجیہ کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس پر اسماعیلی ہونے کا الزام لگایا ہے۔ اگرچہ حقیقت میں معاملہ ایسے نہیں تھا۔ جن لوگوں نے اس پر یہ تہمت لگائی ہے؛ انہوں نے اپنے اس دعوی پر شہرستانی کے کلام اور اس کی سیرت سے کچھ شواہد بھی پیش کیے ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بعض وجوہات کی بنا پر شیعہ کے ساتھ تھا اور بعض وجوہات کی بنا پر امام اشعری رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ تھا۔

❀ اس طرح کی باتیں بہت سارے واعظین اور متکلمین کے کلام میں آ جاتی ہیں یہ لوگ صحیفہ علی بن حسین میں ماثور دعائیں مانگا کرتے تھے۔ حالانکہ ان میں سے اکثر دعائیں علی بن حسین رضی اللہ عنہ پر جھوٹ گھڑی گئی ہیں۔

خلاصہ کلام! شہرستانی کا شیعہ مذہب کی طرف میلان صاف ظاہر ہے۔ بھلے وہ باطن میں بھی ایسا ہی تھا یا پھر صرف بطور مداہنت و لجاجت کے ایسا کرتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کتاب ''الملل والنحل ''اس نے ایک شیعہ رئیس کے لیے تصنیف کی تھی۔ اس رئیس کے ہاں اسے ولایت دیوانیہ حاصل تھی۔ اور شہرستانی کا مقصد یہ تھا کہ اس کا دل نرم کیا جائے۔ ایسے ہی اس شیعہ رئیس کے لیے ایک اور کتاب " المصارعة " بھی تصنیف کی گئی ہے؛ جس میں اس کے مابین اور ابن سینا کے مابین تقابل و نزاع کا بیان ہے۔ اس لیے کہ یہ مصنف خود شیعیت اور فلسفہ کی طرف مائل تھا۔ اس کا سب سے بہتر حال یہ ہو سکتا ہے کہ اگر یہ خود اسماعیلی یا ملحد نہ بھی ہو تب بھی شیعہ ضرور ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں واضح طور پر شیعہ مذہب کی طرف میلان ظاہر کیا گیا ہے۔

❀ اگرچہ اس کے علاوہ اس کی دیگر کتابوں میں امامیہ مذہب کو باطل ثابت کیا گیا ہے؛ تو یہاں پر یہ واضح ہو جاتا ہے جس شیعہ رئیس کی خاطر یہ کتاب لکھی گئی ہے' اس کی محبت حاصل کرنے کے لیے مداہنت سے کام لیا گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

❀ ایسے ہی وہ شبہ جسے شہرستانی نے اپنی کتاب ''الملل والنحل'' کے شروع میں نقل کیا ہے جو ابلیس اور ملائکہ کے مابین مناظرہ کا واقعہ ہے؛ اس طرح کی چیزیں تو منقولات کی بنیاد پر ہی معلوم ہوسکتی ہیں؛ مگر اس نے اس واقعہ کی کوئی سند ذکر نہیں کی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ کی کوئی سند ہی نہیں۔ اس لیے کہ یہ قصہ نہ ہی نبی کریم ﷺ سے منقول ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک سے۔ نہ ہی مشہور ائمہ اسلام میں سے کسی ایک نے یہ قصہ ذکر کیا اور نہ ہی اہل کتاب کے ہاں اس قسم کی کوئی روایت پائی جاتی ہے۔ حالانکہ اس قسم کے واقعات انبیاء کرام علیہم السلام سے منقول ہونے کی بنیاد پر ہی معلوم ہوسکتے ہیں۔ البتہ اس قصہ کا کچھ حصہ نصاری کی بعض کتابوں میں اور بعض دوسرے فرقوں کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

❀ شہرستانی اکثر طور پر فرقوں کے عقائد معتزلہ کی کتابوں سے نقل کرتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ تقدیر کے منکر ہیں۔ پس یہاں سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ تقدیر کو جھٹلانے والے بعض لوگوں نے یہ قصہ گھڑ لیا ہوگا تاکہ تقدیر کو ثابت ماننے والے لوگوں پر حجت قائم کی جاسکے۔ واللہ اعلم۔ جیسا کہ یہ لوگ یہودیوں کی زبانی شعر بھی گھڑ لیا کرتے تھے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ منکرین تقدیر اکثر طور پر کفار کی زبانی ایسے قصے گھڑ لیتے ہیں جنہیں وہ اللہ تعالیٰ پر حجت بناسکیں۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کیسے تقدیر کو جھٹلایا جاسکے۔ اور جو کوئی اس کی تصدیق کرتا ہے یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے خلاف مخلوق کے حق میں حجت قائم کرتا ہے۔ جیسے کہ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ بہت سارے شیعہ یہود کی زبان پر حجتیں گھڑ لیتے ہیں اور پھر اہل سنت والجماعت سے کہتے ہیں: یہودیوں کے اس شبہ کا جواب دو۔ اور ایسی باتیں ان عوام الناس کے سامنے کرتے ہیں جو اس حجت کے فساد و بطلان کو نہیں جانتے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد پہلا اختلاف اور رافضی دعوی:

❀ رافضی مصنف کا یہ کہنا کہ: ''ابلیسی شبہ کے بعد فساد کا سب سے پہلا اختلاف رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے متعلق واقع ہوا۔''

❀ **[جواب]**: یہ ایک باطل دعوی اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ اگر اس سے رافضی کی مراد یہ ہے کہ یہ سب سے پہلا گناہ کا کام تھا جس کا ارتکاب کیا گیا؛ تو یہ کئی ایک وجوہات کی بنا پر باطل ہے:

❀ پہلی وجہ:...... ابلیسی شبہ کی بنیاد پر ملائکہ میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ ہی یہ شبہ بنی آدم نے ابلیس سے سنا کہ ان کے مابین اختلاف پیدا کیا جائے۔

❀ دوسری وجہ:...... بنی آدم کے مابین حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ اسلام سے پہلے لوگوں کے مابین جو اختلاف پایا جاتا تھا؛ وہ اسلام میں پائے جانے والے اختلاف کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جَآءَتۡهُمُ الۡبَیِّنٰتُ بَغۡیًۢا بَیۡنَهُمۡ ۚ فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ﴾ [البقرة ۲۱۳]

''دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے؛ پس اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا؛ اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔ صرف ان ہی لوگوں نے جو اسے دیئے گئے تھے، اپنے پاس دلائل آ چکنے کے بعد آپس کے بغض و عناد کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا؛ اس لیے اللہ نے ایمان والوں کی اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنی مشیت سے رہبری کی؛ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے مابین ایک ہزار سال کی مدت ہے؛ یہ سارے لوگ اسلام پر تھے۔ اختلاف پھر اس کے بعد واقع ہوا ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا کَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخۡتَلَفُوۡا﴾ [یونس ۱۹]

''اور وہ لوگ ایک ہی امت تھے پھر جدا جدا ہو گئے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّ لَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ ۝ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّکَ ؕ وَ لِذٰلِکَ خَلَقَهُمۡ﴾ [هود۱۱۸، ۱۱۹]

''اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک رستہ پر ڈال دیتا اور ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے؛ مگر جس پر تیرے رب نے رحم کیا اور اسی لیے انھیں پیدا کیا ہے۔''

اور فرشتوں نے کہا؛ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً ؕ قَالُوۡۤا اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَ یَسۡفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ﴾ [البقرة ۳۰]

''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو فساد پھیلائے اور خون بہائے حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر بھی دی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے ایک نے اپنے دوسرے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ صحیح حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تقتل نفس ظلما إلا كان على ابنِ آدم الأولِ كِفل مِن دمِها ، فإنه أول من سن

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

القتل ۔)) [سبق تخریجہ]

''کوئی بھی جی ظلم سے قتل نہیں ہوگا مگر حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر اس کے برابر خون ہوگا۔ بیشک اس نے سب سے پہلے قتل کی بنیاد ڈالی۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ لٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ [البقرة ۲۵۳]

''یہ سب رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمائی اور بعضوں کے درجے بلند کیے اور ہم نے عیسی مریم کے بیٹے کو صریح معجزے دیے تھے اور اسے روح القدس کے ساتھ قوت دی تھی اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ جو ان پیغمبروں کے بعد آئے وہ آپس میں نہ لڑتے بعد اس کے کہ ان کے پاس صاف حکم پہنچ چکے تھے لیکن ان میں اختلاف پیدا ہو گیا پھر کوئی ان میں سے ایمان لایا اور کوئی کافر ہوا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ [آل عمران ۱۰۵]

''ان لوگوں کی طرح مت ہو جو متفرق ہو گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح احکام آئے انہوں نے اختلاف کیا۔''

یہ نصوص قرآنیہ اس اختلاف اور تفرقہ کے متعلق خبر دے رہی ہیں جو ہم سے پہلی امتوں میں تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہود تو اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے، اور نصاری بھی اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے۔'' ❶

اللہ تعالیٰ نے قوم عاد و ثمود اور قوم فرعون کی اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی جو خبر دی ہے؛ اس میں عبرتیں ہیں۔ ابو ہریرہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ: ''تم مجھے چھوڑ دو جب تک کہ میں تم کو چھوڑ دوں (یعنی بغیر ضرورت کے مجھ سے سوال نہ کرو) تم سے پہلے کی قومیں کثرت سوال اور انبیاء سے اختلاف کے سبب ہلاک ہو گئیں۔ جب میں تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس سے پرہیز کرو اور تم کو کسی بات کا حکم دوں تو اس کو کرو جس قدر تم سے ممکن ہو سکے۔'' ❷

❶ سنن ابو داؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 1192۔ اور حدیث کا بقیہ حصہ یوں ہے: ''اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی کہ ان تہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور یہ وہ فرقہ ہوگا جو ہمیشہ حق پر اور میری سنت پر قائم رہے گا۔''

❷ صحیح بخاری: جلد سوم: ح 2191۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ ہم سے پہلے کے اہل کتاب کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿وَ اَلْقَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ﴾ [المائدۃ ٦٤]

''اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک عداوت اور دشمنی ڈال دی ہے جب کبھی لڑائی کے لیے آگ سلگاتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾ [المائدۃ ١٤]

''اور جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں ان سے بھی ہم نے عہد لیا تھا پھر وہ اس نصیحت سے نفع اٹھانا بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی پھر ہم نے ان کے درمیان ایک دوسرے دشمنی اور بغض قیامت تک کے لیے ڈال دیا گیا ہے۔''

اس طرح ے سابقہ اختلافات اور جھگڑے جن کے متعلق ہمیں اضطراری طور پر معلومات حاصل ہیں۔ اور غیر اہل ادیان میں اختلافات اہل ادیان و ملل کی نسبت بہت زیادہ رہا ہے۔ پس جو لوگ بھی نبی کے اتباع کے جتنا قریب ہوا کرتے تھے ان میں اختلاف اتنا ہی کم ہوا کرتا تھا۔

یونان و ہند کے فلاسفہ میں جو اختلاف منقول ہے اس کی صحیح حقیقت کے بارے میں تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ ان کے بعد جو اختلاف ہے وہ سب سے بڑے بدعتی فرقہ رافضہ کا اختلاف ہے۔ ان کے معتزلہ کے مابین اختلاف کا درجہ ہے اور اس کے بعد اہل سنت والجماعت کے مختلف گروہوں کے مابین اختلاف کا درجہ آتا ہے جیسے کلابیہ؛ کرامیہ اور اشعریہ اور اس طرح کے دیگر۔ پھر اس کے بعد محدثین کے مابین اختلاف کا درجہ آتا ہے۔ ان کے اصولوں میں سب سے کم اختلافات ہوتا ہے۔ اس لیے کہ انہیں جو میراث نبوت ملی ہے وہ دیگر ہر قسم کی میراث سے اعظم اور بڑھ کر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس رسی کو پکڑنے وجہ سے انہیں محفوظ رکھا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ [آلِ عِمران: ١٠٣]

''اور سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو۔''

تو پھر سابقہ امتوں کے اختلاف کے باوجود یہ کہنا کیسے ممکن ہے کہ فساد کا پہلا بیج ابلیسی شبہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی بیماری میں اختلاف واقع ہونے سے پیدا ہوا۔ حالانکہ اس سے قبل کتنے ہی اختلافات اور فسادات پیدا ہو چکے تھے؟

ابلیسی شبہ کی تحدید اور رسول اللہ ﷺ کی بیماری میں واقع اختلاف باطل ہے۔ جہاں تک ابلیسی شبہ کا تعلق ہے تو اس کی اسناد کا کوئی اتہ پتہ ہی نہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا اور مذکورہ مصنف کا یہ قول صرف جھوٹ پر مبنی ہے۔ جو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کچھ نبی کریم ﷺ کی بیماری میں پیش آیا اس سے بڑا اختلاف اس سے پہلے پیش آچکا تھا۔ اہل قبا کے مابین اس اختلاف کی بنا پر لڑائی ہوئی تو رسول اکرم ﷺ ان لوگوں کی صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔

❀ بدر کے موقع پر مسلمانوں کے مابین مال غنیمت کے مسئلہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ مال جمع کرنے والوں نے کہا: یہ ہمارا حصہ ہے۔ اور دشمن کا پیچھا کرنے والوں نے کہا: اس پر ہمارا حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور حضرات کہنے لگے: یہ ہمارا حق ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ﴾ [الأنفال ۱]

''آپ سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے: یہ اموال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔ پس تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنے باہمی تعلقات درست رکھو۔''

❀ واقعہ افک کے متعلق انصار کے مابین اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔ قریب تھا کہ دو گروہ آپس میں لڑ پڑتے؛ تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو خاموش کرا دیا۔ یہ اختلاف ایک آدمی کے متعلق ہوا تھا کہ کیا اسے قتل کرنا جائز ہے یا ناجائز۔

❀ ایک بار انصار کے مابین ایک یہودی کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوگیا جو کہ انہیں عہد جاہلیت کی ان جنگوں کی یاد دلا رہا تھا جو کہ اوس و خزرج کے مابین واقع ہوئیں۔ یہاں تک یہ دو گروہ آپس میں لڑ پڑے؛ قریب تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ جائیں؛ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ o وَ كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَ فِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَ مَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ [آل عمران ۱۰۰۔۱۰۱]

''اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی کسی جماعت کی باتیں مانو گے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد مرتد و کافر بنا دیں گے۔ (گویا یہ ظاہر ہے کہ) تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ باوجودیکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں رسول اللہ (ﷺ) موجود ہیں جو شخص اللہ کے دین کو مضبوط تھام لے تو بلاشبہ اسے راہ راست دکھا دی گئی۔''

صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ایک سفر میں تھے۔ ان میں سے ایک مہاجر اور ایک انصاری آپس میں لڑ پڑے۔ مہاجر نے آواز دی: اے مہاجرو! اور انصاری نے آواز لگائی: اے انصار۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم جاہلیت کی پکار پکارتے ہو اور میں تمہارے درمیان موجود ہوں؛ اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ نازیبا بات ہے۔''[1]

---

[1] البخاري ٦/ ١٥٣؛ كتاب التفسير، سورة المنافقون؛ 4/1998؛ كتاب البر والصلة والآداب، باب نصر الأخ ظالما أو مظلوما؛ سنن الترمذي 5/90 كتاب التفسير، سورة المنافقون، المسند 3/338

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک میں بھی ایسا ہوتا تھا کہ صحابہ کرام کے مابین مرادِ رسول سمجھنے پر اختلاف ہو جاتا۔
جیسا کہ صحیحین میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمایا:

''تم میں سے کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں پہنچ کر۔'' چنانچہ بعض لوگوں کے راستہ میں ہی عصر کا وقت ہو گیا۔ تو بعض نے کہا کہ ہم نماز نہیں پڑھیں گے جب تک کہ بنی قریظہ تک نہ پہنچ جائیں۔ ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔ اور بعض نے کہا: ''ہم تو نماز پڑھیں گے؛ اور آپ ﷺ کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہم قضاء کریں۔ جب اس کا ذکر رسول اکرم ﷺ سے کیا گیا تو آپ نے کسی کو ملامت نہ کی۔'' ❶

❀ اور صحیح بخاری میں ہے: ''بنو تمیم کے سوار [وفد] آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: ان کا امیر قعقاع بن معبد بن زرارہ کو بنائیے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: نہیں؛ بلکہ اقرع بن حابس کو بنائیے۔

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم صرف مجھ سے اختلاف کرنا چاہتے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا مقصد آپ سے اختلاف کرنا نہیں۔

دونوں میں تکرار ہوئی یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ تو اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ﴾ [الحجرات ۲]

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو۔'' ❷

اس واقعہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ انتہائی پست آواز میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کسی چیز کا حکم یا اجازت مرحمت فرمایا کرتے تھے پھر اس سے رجوع کر لیتے۔ پس اللہ تعالیٰ اس پہلے حکم کو منسوخ کر دیتے۔ جیسا کہ آپ نے حکم دیا تھا کہ ان برتنوں کو توڑ دیا جائے جن میں گدھے کا گوشت پکایا جارہا تھا۔ تو صحابہ نے عرض کیا: کیا یہ ہانڈی بہانہ دی جائے؟ تو آپ نے فرمایا: ہانڈیاں بہا دو۔''

آپ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ لوگوں نے سواری کے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت دیدی۔ پھر حضرت عمر خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ سواری کے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دیں گے تو سواریاں ختم ہو جائیں گی۔ لیکن جو کچھ ان کے پاس باقی بچا ہے آپ اسے جمع کروائیے اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس میں برکت کے لیے دعا کریں۔ تو رسول اللہ نے ایسے ہی کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ آپ نے اپنے نعلین مبارک مجھے دے کر فرمایا: ابو ہریرہ! میری یہ دونوں جوتیاں (بطور نشانی) کے لے جا اور جو شخص باغ کے باہر دل کے یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہتا ہوا ملے اس کو جنت کی بشارت

❶ صحیح بخاری: ح ۹۰۳۔ مسلم ۳/ ۱۳۹۱ ❷ صحیح بخاری: ج: دوم: ح ۱۵۲٤

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

دے دو۔(میں نے حکم کی تعمیل کی) سب سے پہلے مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ہاتھ سے میرے سینے پر ایک ضرب رسید کی جس کی وجہ سے میں سرینوں کے بل گر پڑا۔ کہنے لگے اے ابو ہریرہ! لوٹ جا۔ میں لوٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔۔۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ ایسا نہ کریں۔۔۔ ان کو عمل کرنے دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (اچھا تو) رہنے دو۔'' [1]

❀ تیسری وجہ: آپ ﷺ کی مرض الموت میں جو واقعہ پیش آیا وہ انتہائی آسان ترین اور واضح تھا۔صحیح بخاری میں ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے بیماری کی حالت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اپنے والد اور بھائی کو بلاؤ تا کہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے ایک عہد نامہ لکھوا دوں ؛ تا کہ میری بعد لوگ آپ کے مسئلہ میں کوئی اختلاف نہ کریں۔'' پھر اس کے بعد ارشاد فرمایا:''اللہ تعالیٰ اور مومنین ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی

---

[1] صحیح مسلم:جلد اول:حدیث نمبر 150- یہ پوری حدیث اس طرح ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے ہمارے ساتھ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے اچانک رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور دیر تک تشریف نہ لائے ہم ڈر گئے کہ کہیں (اللہ نہ کرے) آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو۔ اس لیے ہم گھبرا کر کھڑے ہو گئے سب سے پہلے مجھے گھبراہٹ ہوئی میں رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلا یہاں تک کہ بنی نجار کے باغ تک پہنچ گیا ہر چند باغ کے چاروں طرف گھوما مگر اندر جانے کا کوئی دروازہ نہ ملا۔ اتفاقا ایک نالہ دکھائی دیا جو بیرونی کنوئیں سے باغ کے اندر جارہا تھا میں اسی نالہ میں سمٹ کر گھر کے اندر داخل ہوا اور آپ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا جی ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کا کیا حال ہے؟ آپ ہمارے سامنے تشریف فرما تھے اور اچانک اٹھ کر تشریف لے گئے اور دیر ہو گئی تو ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ گزرا ہو اس لیے ہم گھبرا گئے۔ سب سے پہلے مجھے ہی گھبراہٹ ہوئی (تلاش کرتے کرتے) اس باغ تک پہنچ گیا اور لومڑی کی طرح سمٹ کر (نالہ کے راستہ سے) اندر آ گیا اور لوگ میرے پیچھے ہیں۔ آپ نے اپنے نعلین مبارک مجھے دے کر فرمایا ابو ہریرہ! میری یہ دونوں جوتیاں (بطور نشانی کے) لے جاؤ اور جو شخص باغ کے باہر دل کے یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہتا ہوا ملے اس کو جنت کی بشارت دے دو۔ (میں نے حکم کی تعمیل کی) سب سے پہلے مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے۔ انہوں نے کہا اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا یہ اللہ کے رسول ﷺ کی جوتیاں ہیں۔ آپ نے مجھے یہ جوتیاں دے کر بھیجا ہے کہ جو مجھے دل کے یقین کے ساتھ اس بات کی گواہی دیتا ہوا ملے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کو جنت کی بشارت دے دوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ہاتھ سے میرے سینے پر ایک ضرب رسید کی جس کی وجہ سے میں سرینوں کے بل گر پڑا۔ کہنے لگے اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! لوٹ جا۔ میں لوٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور میں رو پڑنے کے قریب تھا۔ میرے پیچھے عمر رضی اللہ عنہ بھی آ پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرہ! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا میری ملاقات عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور جو پیغام آپ نے مجھے دے کر بھیجا تھا میں نے ان کو پہنچا دیا۔ انہوں نے میرے سینے پر ایک ضرب رسید کی جس کی وجہ سے میں سرینوں کے بل گر پڑا اور کہنے لگے لوٹ جا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عمر تم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا آپ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جوتیاں دے کر حکم دیا تھا کہ جو شخص دل کے یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے اس کو جنت کی بشارت دے دینا۔ فرمایا ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ ایسا نہ کریں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ لوگ (عمل کرنا چھوڑ دیں گے) اور اسی فرمان پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔ ان کو عمل کرنے دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (اچھا تو) رہنے دو۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کو (خلیفہ) تسلیم نہیں کر سکتے۔'' [صحیح بخاری: ٥٦٦٦]

پھر جب جمعرات کا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ نے ارادہ کیا کہ ایک تحریر لکھوا دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بخار کی حالت میں کچھ کہہ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ آپ یہ حکم شدت مرض کی وجہ سے دے رہے ہیں یا حسب معمول (بقائمی ہوش وحواس) صحیح حالت میں یہ بات فرما رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں آپ بیماری کی حالت میں ایسا نہ فرما رہے ہوں۔ جیسا کہ مریض کے ساتھ حالت مرض میں ہوتا ہے؛ یا آپ کا عام عرف کے مطابق کلام تھا جس کی اطاعت کرنا واجب تھی؛ یہ بات آپ پر ایسے ہی مخفی رہی تھی جیسے آنحضرت ﷺ کی موت مخفی رہی تھی؛ بلکہ آپ نے اس کا انکار کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ دلیل و برہان سے آپ کی وفات ثابت ہوگئی۔''

پھر بعض لوگ کہہ رہے تھے: قلم کاغذ لیکر آؤ؛ اور بعض کہہ رہے تھے: ان کے لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ [نبی کریم ﷺ وہ عہد نامہ لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے جس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہو چکا تھا]۔ جب آپ نے دیکھا کہ اب لوگ شک میں مبتلا ہو گئے ہیں تو آپ نے سوچا کہ اب یہ عہد نامہ لکھنے سے بھی شک کا ازالہ نہ ہوگا۔ لہٰذا اب اس کے لکھنے کا کچھ فائدہ نہیں۔'' اس لیے کہ لوگ سوچیں گے کہ کیا آپ نے بیماری کی حالت میں تبدیلی احوال کی بنا پر یہ عہد نامہ لکھوایا ہے یا پھر صحیح سلامتی کی حالت میں۔'' پس یہ تنازعہ اب ختم نہیں ہوگا۔'' اس لیے آپ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

❀ یہ عہد نامہ لکھوانا ان امور میں سے نہیں تھا جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر واجب کیا ہو کہ اسے لوگوں کے لیے تحریر کروایا جائے یا پھر اس وقت میں اس کی تبلیغ کی جائے۔ اگر واقعی ایسا ہوتا تو پھر آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کو کبھی بھی تعمیل کیے بغیر نہ چھوڑتے۔ لیکن آپ مصلحت کی بنا پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں نزاع ختم کرنے کے لیے ایسا کرنا چاہتے تھے۔ مگر جب آپ نے دیکھا کہ اب تو یہ اختلاف ہو کر ہی رہے گا؛ [تو آپ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا]۔

❀ اس سے قبل آپ ﷺ نے اپنے رب سے تین چیزیں مانگی تھیں؛ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں عطا فرما دیں' اور ایک سے منع کر دیا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ: آپ کی امت کو عام قحط سالی سے ہلاک نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چیز آپ کو دے دی۔ پھر آپ نے دعا مانگی کہ: ان کے اپنوں کے علاوہ ان پر کوئی دشمن بھی مسلط نہ کرے۔'' یہ بھی آپ کو مل گیا۔ اور اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ ان کی آپس میں ایک دوسرے سے لڑائی نہ ہو؛ تو اس سوال سے منع کر دیا گیا۔''[1]

---

[1] صحیح مسلم: ح ٢٧٦١: میں اس کی تفصیل ہے: رسول اللہ ﷺ ایک دن بنو معاویہ کی مسجد کے پاس سے گزرے تو اس میں تشریف لے گئے اور اس میں دو رکعتیں ادا کیں؛ اور پھر آپ ﷺ نے اپنے رب سے لمبی دعا مانگی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا میں نے اپنے رب سے تین چیزیں مانگیں پس دو چیزیں مجھ کو عطا کر دیں گئیں اور ایک چیز سے مجھے روک دیا میں نے اپنے رب سے مانگا کہ میری امت کو قحط سالی کے ذریعہ ہلاک نہ کرے پس یہ مجھے عطا کر دیا گیا اور میں نے اللہ عزوجل سے مانگا کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کر پس اللہ عزوجل نے یہ چیز بھی مجھے عطا کر دی اور میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ ان کی آپس میں ایک دوسرے سے لڑائی نہ ہو تو مجھے اس سوال سے منع کر دیا گیا۔ [دراوی؛ کشمیری]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❀ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول کہ: ''مصیبت اس انسان کے لیے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد لکھنے میں حائل ہوا۔'' یہ صحیح احادیث میں ثابت ہے۔ بلاشبہ عہد نامہ کا نہ لکھنا اس انسان کے لیے باعث مصیبت ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شک کرتا ہے؛ یا اس پر یہ امر مشتبہ ہے اگر آپ عہد نامہ لکھوا دیتے تو شک کا ازالہ ہو جاتا۔

❀ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات اس وقت کہنا شروع کی جب خوارج اور روافض نے پر و پرزے نکالنے شروع کیے۔ وگرنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کتاب اللہ کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔اور اگر کتاب اللہ میں کوئی چیز نہ پاتے تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فتوی دیا کرتے۔ اور اگر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی کوئی چیز نہ ملتی تو پھر آپ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فتوی کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔ یہ حدیث ابن عیینہ کی سند سے عبداللہ بن ابی یزید سے ثابت ہے؛ انہوں نے اسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔

❀ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے احوال کی معرفت رکھنے والا جانتا ہے کہ آپ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر افضلیت اور ترجیح دیا کرتے تھے۔

❀ پھر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد نامہ لکھوانے کا ارادہ اپنی مرضی سے ترک کیا' اس میں کوئی اختلاف نہیں تھا اگر آپ اس عہد نامہ کے لکھوانے پر اصرار کرتے تو کسی کے بس میں نہیں تھا کہ آپ کو اس سے منع کرتا۔

❀ اس قسم کے؛ بلکہ ان سے بڑھ کر تنازعات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیش آئے ہیں۔ اہل قباء کے مابین پیش آنے والا معاملہ اس سے بڑھ کر تھا۔ جس کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾ [الحجرات ۹]

''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو۔''

لیکن روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ انہوں نے اس لڑائی میں کھجور کی شاخوں اور جوتوں کا استعمال کیا تھا۔ ❶

❶ صحیح بخاری:ج 1:ح 2579- حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے کہا کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے چلتے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس گدھے پر سوار ہو کر تشریف لے گئے اور مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیدل چل رہے تھے وہ زمین شور تھی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے دور رہیے اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کی بو نے مجھے تکلیف پہنچائی ایک انصاری نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کی بو تجھ سے زیادہ پاکیزہ ہے عبداللہ کی قوم کا ایک آدمی بہت غضبناک ہوا اور ان کو گالی دی پھر ان دونوں کے ساتھ اپنے اپنے دوست کی حمایت میں مشتعل ہو گئے ڈنڈے ہاتھوں اور جوتیوں کی مار ہونے لگی مجھے یہ خبر ملی کہ آیت ﴿وان طا ئفتانِ مِن المؤمِنِين اقتتلوا فاصلِحوا بينهما﴾ [الحجرات : 9] ''اگر مومنوں کی دو جماعتیں جھگڑا کریں تو ان کے درمیان صلح کرا دو' اسی موقعہ پر نازل ہوئی۔

والحديث أيضاً فِي مسلِم 3/1424؛كتابِ الجِهادِ والسِيرِ، باب فِي دعاءِ النبِيِ صلى الله عليهِ وسلم وصبرِهِ على أذى المنافِقِين ، المسند3/ 157؛ وانظر تفسِير ابنِ كثِير 7/353-

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

❀ رافضی اپنی جہالت کی وجہ سے یہ گمان کرتے ہیں کہ شائد رسول اللہ ﷺ یہ تحریر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے لکھوانا چاہتے تھے۔ اس پورے قصہ میں کوئی بھی بات ایسی نہیں ہے جو کسی بھی طرح اس موقف پر دلالت کرتی ہو۔ اور نہ ہی محدثین اور اہل علم کے ہاں کوئی ایسی معروف روایت پائی جاتی ہے جس میں یہ اشارہ ملتا ہو کہ آپ ﷺ نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تھا۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دلائل پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ لوگ دعوی یہ کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ سے ایسی نص جلی وقطعی کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت ہے کہ جس کے بعد اس کے نہ ماننے کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

ہم کہتے ہیں: اگر واقعی رسول اللہ ﷺ نے ایسے کیا تھا تو پھر کوئی عہد نامہ لکھوانے کی ضرورت ہرگز نہ تھی۔ اور اگر معاملہ ایسے ہی تھا کہ اس وصیت کے سننے والے آپ کی اتباع نہیں کریں گے تو پھر یہ احتمال بھی مکمل طور پر موجود تھا کہ وہ لکھی ہوئی بات کو بھی نہیں مانیں گے۔ تو پھر شیعہ گمان کے مطابق ایسا کوئی عہد نامہ لکھوا لینے میں کون سا فائدہ مضمر تھا؟

جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کا من گھڑت قصہ:

[اعتـــــراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''دوسرا اختلاف: جو کہ آپ کی بیماری کی حالت میں پیش آیا کہ: نبی کریم ﷺ نے مرض الموت کی حالت میں متعدد بار فرمایا: اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر بھیج دو۔ اللہ اس پر لعنت کرے جو اس لشکر میں شامل نہ ہو۔'' تو بعض لوگ کہنے لگے: ہم پر آپ کا حکم ماننا واجب ہے۔ اور اسامہ رضی اللہ عنہ تیار ہو چکے ہیں۔ اور کچھ لوگ کہنے لگے: ''آپ کی بیماری بہت بڑھ گئی ہے۔ اس حالت میں ہمارے دل آپ کی جدائی گوارہ نہیں کرتے۔''

[جواب]: اس قصہ کے جھوٹ ہونے پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ رسول ﷺ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا:

''اللہ اس پر لعنت کرے جو اس لشکر میں شامل نہ ہو۔''

نہ ہی یہ بات کسی ثابت شدہ سند کے ساتھ آپ سے منقول ہے۔ بلکہ کتب حدیث میں اس کی سرے سے کوئی سند ہی نہیں۔ اور اصحاب اسامہ کو ان کے ساتھ جانے سے کوئی روکنے والا بھی نہیں تھا۔ بلکہ خود حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے خروج سے توقف کیا تھا۔ اس لیے کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی وفات کا اندیشہ تھا؛ اس لیے یوں عرض گزار ہوئے تھے: ''میں کیسے چلا جاؤں اور آپ کی یہ حالت ہے؟ کیا میں قافلوں سے آپ کے متعلق پوچھتا رہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کچھ دن رکنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اگر رسول اللہ ﷺ جزم کے ساتھ آپ کو جانے کا حکم دیتے تو آپ کے لیے اطاعت کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اور اگر اسامہ روانہ ہو جاتے تو آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہتا۔ یہ تمام لوگ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اس غزوہ پر روانہ ہوئے اور ان میں سے کوئی ایک بھی پیچھے نہیں رہا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیش اسامہ میں ہرگز نہیں تھے؛ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ آپ اس لشکر میں شامل تھے۔ اور آپ بعد میں ان کے ساتھ جانا چاہتے تھے؛ مگر حضرت

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسامہ سے اجازت طلب کی کہ عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں رہنے دیا جائے؛ وہاں پر ان کی سخت ضرورت ہے۔تو آپ نے اس کی اجازت دیدی۔ حالانکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے لیے سب سے زیادہ حریص انسان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔جمہور صحابہ نے دشمن کے خوف کے اندیشہ سے یہ مشورہ دیا تھا کہ جیش اسامہ کو ان حالات میں روانہ نہ کیا جائے۔لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں اس جھنڈے کو کبھی نہیں کھول سکتا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا ہو۔''

جیش اسامہ کی روانگی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع کے ایام میں سب سے بڑے مصلحت خیز کاموں میں سے تھی۔اس میں کوئی بھی چیز سبب اختلاف تھی ہی نہیں۔

❀ شہرستانی کو حدیث اور آثار صحابہ و تابعین کا کوئی علم و تجربہ نہیں۔یہی وجہ ہے کہ شہرستانی نے اپنی اس کتاب میں وہ اختلافات بھی نقل کئے ہیں جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین نقل کیے جاتے ہیں۔لیکن اس کے باوجود اس نے اصول میں صحابہ و تابعین اور ائمہ اہل اسلام کا مذہب نقل نہیں کیا۔اس لیے کہ یہ اور اس جیسے دوسرے لوگ اصل میں اس چیز کی معرفت ہی نہیں رکھتے۔اور وہی چیز نقل کر دیتے ہیں جسے کتب مقالات میں پاتے ہیں۔اور ان کتابوں میں بہت سارے ایسے جھوٹ پائے جاتے ہیں جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں جھوٹ پایا جاتا ہے۔

❀ لیکن افتراء پرداز یہ گمان کرتے ہیں کہ: اس لشکر میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔اور ان کو اس لشکر میں نکالنے کا مقصد یہ تھا تا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلافت کے مسئلہ پر اختلاف نہ کرسکیں۔بلاشک و شبہ یہ جھوٹ اور بہتان وہی شخص گھڑ سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے احوال سے سب سے بڑا جاہل ہو۔اور جان بوجھ کر سب لوگوں سے بڑھ کر جھوٹ بولنے والا ہو۔ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مرض وفات کے تمام ایام میں [نمازیں پڑھانے کے لیے امام مقرر کر رکھا تھا]؛ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔حالانکہ اس وقت سبھی لوگ موجود ہوا کرتے تھے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر کسی بھی انسان کو والی بنا دیتے تو لوگ ضرور آپ کی اطاعت کرتے۔مہاجرین و انصار اس انسان سے لڑ پڑتے تھے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات میں اختلاف کرتا ہو۔یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے شروع سے آخر تک اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کی تھی۔

❀ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نمازیں پڑھانے کے لیے امام بناتے تو کسی میں مجال نہیں تھی کہ اسے رد کرسکے۔اور اگر حج میں آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور باقی لوگوں پر امیر بنانا چاہتے تو پھر بھی کسی میں اختلاف یا رد کرنے کی جرأت نہیں تھی۔اور ایسے ہی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے یہ فرما دیتے: یہ میرے بعد تمہارا امیر اور امام ہے۔تو کیا کوئی آپ کی بات کو رد کرسکتا تھا؟

❀ آپ کے ساتھ مہاجرین و انصار مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔یہ سبھی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا دم

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

بھرنے والے تھے؛ ان میں سے کوئی ایک بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والا نہیں تھا۔ اور نہ ہی کوئی ان لوگوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف و بغض رکھنے والا تھا جن کے کسی قریبی کو آپ نے کسی غزوہ میں قتل کیا ہو۔

❀ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا۔ ایک ہزار مجاہدین بنو سلیم سے تھے' ایک ہزار بنو مزینہ سے' جہینہ سے ایک ہزار' بنی غفار سے ایک ہزار۔ اور باقی لشکر بھی اسی طرح سے تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ''قبیلہ اسلم کو اللہ تعالیٰ نے سالم رکھا؛ اور قبیلہ غفار کی اللہ تعالیٰ نے بخشش فرمادی۔'' ❶

اور فرمایا کرتے تھے: ''قریش انصار جہینہ مزینہ اسلم اور غفار کے قبائل میرے دوست ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دوستی حاصل ہے۔'' [صحيح بخاري: ج: ۲ ؛ ح ۷۳۸]

❀ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں میں سے کسی ایک کو بھی قتل نہیں کیا۔ اور نہ ہی انصار میں سے کسی ایک کو قتل کیا۔ اس کے برعکس حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب سے اسلام لائے ؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت مشرکین سے بہت سخت دشمنی رکھتے تھے؛ یہی وجہ ہے کہ مشرکین بھی سب صحابہ سے بڑھ کر آپ سے نفرت رکھتے تھے۔ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی اور شدت کی وجہ سے آپ سے دور بھاگتے تھے۔ ایسا حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نہیں تھا۔ ان سے لوگ اتنا بغض و نفرت نہیں رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو خلیفہ متعین کیا تو بعض لوگوں نے اس بات کو ناپسند کیا۔ اور بعض لوگوں نے تو اس کی ناپسندیدگی کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تکرار بھی کیا۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔ پس یہاں کوئی ایسا سبب نہیں پایا جاتا تھا کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت والی زبان سے خلیفہ و امام مقرر کر دیں ؛ اور اس کے متعلق نص موجود ہو' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو پیچھے کر دیں اور جس کا حق بعد میں ہوا سے [یا بغیر حق کے کسی کو] آگے کر دیں یا صاحب حق کو حق سے محروم کر دیں۔

❀ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خوف کے پیش نظر ان دو کو جیش اسامہ رضی اللہ عنہ میں نکالا بھی ہوتا تو آپ لوگوں کو یہ بھی کہہ دیتے کہ ان دونوں کی بیعت نہیں کرنا۔ ہائے افسوس! کوئی یہ تو بتائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس سے خوف لاحق تھا؟

اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی' آپ کو غلبہ اور سربلندی عطا فرمائی؛ آپ کے ارد گرد مہاجرین و انصار کی ایک

❶ البخاري 5/181؛ كتاب المناقب، باب ذكر أسلم وغفار، البخاري 2/26؛ كتاب الاستسقاء، باب دعاء النبي صلى الله عليه وسلم اجعلها عليهم سنين كسني يوسف۔ قال النبي في آخر الحديث: غفار غفر الله لها وأسلم سالمها الله۔ ۔ مسلم 4/1922؛ كتاب فضائل الصحاب، باب: من فضائل أبي ذر، وعقد مسلم فصلا آخر في كتاب فضائل الصحابة 4/1952؛ باب دعا النبي صلى الله عليه وسلم لغفار وأسلم۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

جماعت تھی جنہیں اگر رسول اللہ ﷺ یہ حکم دیتے کہ اپنے والدین اور بیٹوں کو قتل کر ڈالو' تو وہ ضرور ایسا کر گزرتے۔

❀ اللہ تعالیٰ نے سورت برأت نازل فرمائی؛ جس میں منافقین سے پردہ چاک کیا؛ اور مسلمانوں کو ان کی پہچان کروائی۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور عام مسلمانوں کے نزدیک پست' ذلیل اور سرنگوں و حقیر تھے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے قریب ترین اشخاص میں سے تھے۔ اور آپ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ عزت مند' محبوب' اور خاص الخواص تھے۔ دن اور رات میں ہر وقت باقی تمام لوگوں سے بڑھ کر آپ کی صحبت میں رہنے والے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی موافقت اور محبت رکھنے والے تھے۔ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے سب سے بڑھ کر حریص تھے۔ تو پھر کوئی مسلمان کیسے اس بات کو جائز سمجھ سکتا ہے کہ: یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کے نزدیک منافقین کی جنس سے تعلق رکھتے تھے۔ منافقین کے بارے میں صحابہ کو علم تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے بے رخی برتتے تھے؛ اور آپ کے نزدیک سب سے بڑھ کر ذلیل یہی لوگ تھے۔ سورت برأت نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتے تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا تو یہ فرمان ہے:

﴿لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا&مَّلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا﴾

[الأحزاب ۶۰۔۶۱]

''اگر منافق لوگ اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور مدینہ میں دہشت انگیز افواہیں پھیلانے والے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے خلاف اٹھا کھڑا کریں گے۔ پھر وہ تھوڑی ہی مدت آپ کے پڑوس میں رہ سکیں گے۔ یہ لوگ ملعون ہیں جہاں بھی یہ پائے جائیں انہیں پکڑ کر بری طرح قتل کر دیا جائے گا۔''

ان آیات کے نزول کے بعد یہ لوگ نفاق کا اظہار کرنے سے باز آ گئے۔ جبکہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے نزدیک انتہائی محبوب اور سب سے بڑھ کر عزت والے تھے۔

[رسالت مآب ﷺ کی وفات میں اختلاف]:

[اشکال]: رافضی نے کہا ہے: ''تیسرا اختلاف: نبی کریم ﷺ کی موت میں واقع ہوا۔''

[جواب]: اس میں کوئی شک نہیں کہ شروع میں آپ ﷺ کی وفات کا معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مخفی رہا۔ پھر بعد میں اس کا اقرار کر لیا۔ اور یہ اعتراف کر لیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کا انکار کرنے میں خطاء پر تھے۔ پس یہ اختلاف ختم ہو گیا۔ یہ حدیث کے الفاظ ویسے نہیں ہیں جس طرح شہرستانی نے ذکر کیے ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں [ابوسلمہ کا بیان ہے کہ] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے گفتگو کر رہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ: بیٹھ جاؤ۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر کہا کہ: بیٹھ جاؤ۔ انہوں نے پھر انکار کیا۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تشہد پڑھا لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور عمر کو چھوڑ دیا؛ آپ نے فرمایا:

((أما بعد! فمن كان منكم يعبد محمداً ﷺ فإن محمداً ﷺ قد مات ومن كان يعبد الله فإن الله حي لا يموت۔ قال الله تعالى:

﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾

[آل عمران ۱۴۴]

''امابعد! تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا۔ تو محمد ﷺ وفات پا گئے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے، نہیں مرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''(حضرت) محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں۔ آپ سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے۔ کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔''

[آپ فرماتے ہیں:] بخدا اس سے پہلے لوگ گویا جانتے ہی نہ تھے کہ اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے، یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی لوگوں نے یہ آیت ان سے سن کر اخذ کی اور کوئی شخص سنا نہیں جاتا تھا مگر اس کی تلاوت کرتا تھا۔ [صحيح بخاری: ج ۱: ح ۱۱۷۷]

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں نے جب سنا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی تلاوت فرما رہے تھے؛ یہاں تک کہ میری ٹانگوں نے جواب دے دیا اور میں زمین پر گر پڑا اور مجھے علم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے ہیں۔''❶

[امامت میں اختلاف]:

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''چوتھا اختلاف: امامت میں واقع ہوا۔ امت میں سب سے بڑا اختلاف امامت کا اختلاف ہے۔ کہ اس طرح اسلام کی چھاؤنی پر تلوار لہرائی گئی جیسا کہ ہر دور میں امامت پر تلوار آویزاں رہی ہے۔''

[جواب]: ہم کہتے ہیں: یہ سب سے بڑی غلط بات ہے۔ الحمد للہ کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانے میں اسلام پر کوئی تلوار آویزاں نہیں تھی۔ اور نہ ہی ان حضرات کے دور میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف پایا جاتا تھا۔ اور نہ ہی اس دور میں مسئلہ امامت میں کوئی اختلاف تھا۔ چہ جائے کہ تلوار چل رہی ہو۔ اور نہ ہی ان کے مابین کسی دینی معاملہ پر

---

❶ البخاری ۲/ ۷۲ ؛كتابِ الجنائزِ ، بابِ الدخولِ على الميتِ بعد الموتِ ، سننِ ابنِ ماجه 2/520 ؛كتابِ الجنائزِ ، بابِ ذكرِ وفاتِهِ ودفنِهِ صلى الله عليهِ وسلم ، المسندِ 6/219 ۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

تلوار سونتی گئی تھی۔ بعض انصار نے کچھ ایسی باتیں کی تھیں کہ ان کے بڑوں نے ہی ان باتوں کو رد کر دیا؛ جیسا کہ حضرت اسید بن حضیر' اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما وغیرہ جو کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے بھی ذاتی اور خاندانی طور پر افضل ہیں۔

❀ صحیحین میں کئی اسناد سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سب سے بہترین انصاری گھرانہ بنی نجار کا ہے پھر بنی عبدالاشہل پھر بنی حارث بن خزرج اور بنی ساعدہ کا ہے اور ویسے تو ہر انصاری گھرانہ میں بہتری ہے۔''❶

❀ فضیلت والے تین گھرانے یہ ہوئے: بنی نجار؛ پھر بنی عبدالاشہل پھر بنی حارث بن خزرج۔''❷

ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ اس نے امامت کے بارے میں کوئی اختلاف یا تنازع کیا ہو۔ بلکہ بنی نجار کے لوگ جیسے حضرت ابوایوب الانصاری' اور ابی طلحہ اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہم اجمعین ان تمام حضرات نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے کو بیعت کے لیے پسند ہی نہیں کیا۔

❀ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع انصار کے سالار تھے۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دائیں جانب۔ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا تعلق بنی عبدالاشہل سے تھا۔ آپ لوگوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیعت کرنے کے لیے حکم دے رہے تھے؛ یہی حال دوسرے انصار کا بھی تھا۔

❀ مسئلہ خلافت میں اختلاف کرنے والے حضرت سعد بن عبادہ اور حباب ابن منذر رضی اللہ عنہما کے علاوہ ایک چھوٹا سا گروہ تھا۔ پھر ان لوگوں نے اپنے مؤقف سے رجوع کر لیا اور سوائے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔

❀ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ایک نیک انسان تھے؛ لیکن آپ معصوم نہیں تھے۔ بلکہ آپ کے گناہ بھی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ بعض مسلمان ان چیزوں کو جانتے تھے۔ آپ انصار میں سے سابقین اولین میں سے تھے ؛رضی اللہ عنہم اجمعین ؛ اور آپ کا شمار اہل جنت [عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم] میں سے ہوتا ہے۔

❀ شہرستانی نے جو لکھا ہے کہ : انصار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تقدیم پر متفق ہو گئے تھے؛ تمام اہل علم اصحاب روایت و درایت اس بات کے باطل ہونے پر متفق ہیں۔ صحیح اور ثابت شدہ احادیث اس کے خلاف ہیں۔ شہرستانی اور اس کے امثال اگرچہ خود جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بھی بولتے ؛ مگر پھر بھی وہ ایسے لوگوں کی کتابوں سے روایات نقل کرتے ہیں جو جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔

---

❶ صحیح بخاری:ج: دوم:ح994

❷ روی مسلم ہذا الحدیث کاملا عن أبی أسید الساعدِیِ رضِی الله عنه فِی صحِیحِهِ 4/1949؛ کتاب فضائِلِ الصحابةِ، باب: فِی خیرِ دورِ الأنصارِ رضِی الله عنهم، وانظرِ الأرقام 179-177، وروی البخارِی الحدِیث مختصرا فِی صحِیحِهِ 8/17؛ کتاب الدبِ، بابِ خیرِ دورِ الأنصارِ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❀ ایسے ہی کہنے والے کا یہ قول بھی ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق آپ کی تجہیز و تکفین اور قبر کے امور میں مشغول ہوگئے تھے۔'' یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔اوران کے دعوی کے متناقض بھی ہے۔اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین رات کو عمل میں آئی۔ یہ کام دن کو نہیں ہوسکا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: آپ کی تدفین آنے والی رات میں ہوئی۔ اور آپ نے کسی کو بھی قبر کے ساتھ لگے رہنے کا حکم نہیں دیا؛ اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا۔ بلکہ آپ کی قبر اطہر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھی۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ام المؤمنین کے لیے نامحرم تھے۔

❀ پھر آپ کو اپنی قبر پر لگے رہنے کا حکم بھی کیسے دیا جاسکتا ہے جب کہ ان لوگوں کے خیال مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے بعد امام متعین کیا تھا۔

❀ دوسری بات یہ ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اکیلے ہی مصروف نہیں تھے۔ بلکہ آپ کے ساتھ حضرت عباس اوران کے بیٹے بھی تھے؛ رضی اللہ عنہم اجمعین۔آپ کا غلام شقران رضی اللہ عنہ بھی تھا؛ اور بعض انصار بھی اسی کام میں لگے ہوئے تھے۔ جب کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما گھر کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔غسل اور تجہیز کے وقت یہ تمام حضرات حاضر اور موجود تھے؛ اس وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں نہیں تھے۔

❀ سنت یہ ہے کہ: میت کی تجہیز و تکفین اس کے گھر والے کریں۔پس آپ کے اہل بیت کے افراد نے آپ کو غسل دیا اور تدفین میں تأخیر اس لیے ہوئی تاکہ مسلمان آپ پر درودِ شریف پڑھ لیں۔اس لیے کہ لوگ آپ پر انفرادی طور پر درود پڑھتے تھے۔خواتین و حضرات کی ایک بہت بڑی تعداد تھی؛ اسی لیے غسل اور تکفین کے باوجود پیر کے روز تدفین ممکن نہ ہوسکی۔ بلکہ منگل کے روز بھی لوگ آکر درود وسلام پڑھتے رہے اور بدھ کے روز تدفین عمل میں آئی۔

❀ مزید برآں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں جو جنگیں ہوئیں' وہ امامت کے مسئلہ پر نہیں ہوئیں۔اس لیے کہ اہل جمل' اہل صفین' اور اہل نہروان ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہٹا کر کسی دوسرے کو خلیفہ بنایا جائے۔ نہ ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دعوی یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جگہ میں امیر ہوں اور نہ ہی طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے ایسی کوئی بات کہی۔

❀ تحکیم الحکمین سے قبل جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگیں لڑیں انہوں نے کوئی دوسرا امام بھی مقرر نہیں کیا ہوا تھا جس کی اطاعت کی خاطر جنگ لڑی جاتی۔نہ ہی ان جنگوں کا مقصد قواعد امامت میں سے کسی قاعدہ پر جنگ کرنا تھا اور نہ ہی ان متحارب گروہوں میں سے کوئی خلفاء ثلاثہ کی خلافت پر تنقید کرتے ہوئے لڑ رہا تھا۔اور نہ ہی کسی ایک نے ان کے علاوہ کسی اور کے لیے کسی نص کا دعوی کیا۔اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے جواز پر تنقید کی۔

❀ امامت کے جس مسئلہ لوگوں کے مابین اختلاف پیدا ہوا ہے' جیسے کہ روافض' معتزلہ اور خوارج اور دوسرے لوگوں کا اختلاف؛ اس پر صحابہ کرام میں سے کسی ایک نے کوئی جنگ کی ہی نہیں۔اور نہ ہی کسی نے یہ دعوی کیا کہ: حضرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علی رضی اللہ عنہ منصوص علیہ امام ہیں ۔اور یہ کہ پہلے تین خلفاء کی خلافت باطل تھی ۔اور نہ ہی ان میں سے کسی ایک نے یہ کہا: حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور جو کوئی ان سے دوستی رکھے' سب کافر ہیں ۔

❀ پھر کسی مدعی کا یہ دعوی کرنا کہ اہل قبلہ کے مابین سب سے پہلے تلوار مسئلہ امامت میں اختلاف کی وجہ سے آویزاں ہوئی؛ یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے جو کسی ایک پر بھی مخفی نہیں ۔ان واقعات کا معمولی سا علم رکھنے والا ایک ادنی غور و فکر کے بعد اس جھوٹ کو سمجھ سکتا ہے ۔

❀ اس میں کوئی شک و شبہ والی بات نہیں کہ بہت سارے علماء کے نزدیک یہ فتنہ کی جنگیں تھیں ۔اور بہت سارے علماء اسے اہل عدل اور اہل بغاوت کی جنگیں قرار دیتے ہیں ۔یہ ایسی جنگیں تھیں جو غیر امام کی اطاعت پر تاویل کی وجہ سے ہوئیں ۔کسی دینی قاعدہ کی بنیاد پر نہیں تھیں ۔

❀ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تنازعہ کرنے والے امامت کے مسئلہ میں اختلاف کرتے اور آپ ان لوگوں سے قتال کرتے تو آپ کا قتال کرنا بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتال کی جنس سے ہی ہوتا ۔اگرچہ ان لوگوں کے مابین کسی دینی قاعدہ کی بنیاد پر کوئی اختلاف نہیں تھا ۔

❀ اسلام میں دینی اختلاف کی بنیاد پر سب سے پہلے جو تلوار اٹھائی گئی وہ خوارج کی تلوار تھی ۔اور ان کی جنگ بہت بڑی جنگ تھی ۔ان لوگوں نے ایسے عقائد گھڑ لیے تھے جو صحابہ کرام کے عقائد کے خلاف تھے ۔پھر ان کی بنیاد پر انہوں نے جنگیں لڑیں ۔ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا: ''مسلمانوں کی تفرقہ بندی کے وقت ایک فرقہ کا ظہور ہوگا' اور فریقین میں سے ان کو وہ لوگ قتل کریں گے جو حق کے زیادہ قریب ہوں گے ۔''[1]

❀ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگیں لڑنے والوں میں سے کسی ایک نے بھی امامت کے مسئلہ پر جنگ نہیں لڑی ۔اور نہ ہی آپ نے کسی ایک سے اپنی امامت منوانے کے لیے لڑائی کی ۔اور نہ ہی آپ کے عہد میں کسی نے یہ دعوی کیا کہ وہ آپ سے بڑھ کر خلافت و امامت کا حق دار ہے ۔نہ ہی حضرت عائشہ' نہ ہی حضرت طلحہ و زبیر؛ نہ ہی حضرت امیر معاویہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین؛ اور نہ ہی خوارج نے ایسا کوئی دعوی کیا ۔بلکہ تمام امت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور سابقت اسلام کا اعتراف کرتی تھی ۔اور آپ کے عہد خلافت میں صحابہ کرام میں کوئی دوسرا فرد ایسا بھی نہیں تھا جو کہ آپ کا ہم پلہ و ہمسر ہو ۔جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے دور میں تھے ۔اور ایسا بھی ہرگز نہیں ہوا کہ مسلمانوں میں سے کسی ایک نے آپ سے خلافت و امامت کے مسئلہ پر قتال کیا ہو ۔اور نہ ہی دو افراد اس بات میں اختلاف کرنے والے تھے کہ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا خلافت کا زیادہ حق دار ہے ۔چہ جائے کہ کوئی اس بات پر جنگ کرتا ۔یہی حال حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا بھی تھا ۔

❀ خلاصہ کلام ! جو انسان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے احوال کا علم رکھتا ہے؛ وہ علم ضروری کے طور پر جانتا ہے کہ

[1] مسلم ۲/ ۷٤٥؛ ابو داؤد ٤/ ۳۰۰ ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کے گروہوں کے مابین خلفاء ثلاثہ کی امامت کے مسئلہ پر کوئی اختلاف نہیں تھا؛ چہ جائے کہ اس بات پر جنگیں ہوتیں؟

❀ یہی حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔ کسی ایک گروہ نے بھی اس بات پر جنگ نہیں کی کہ کوئی دوسرا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر خلافت کا حق دار ہے۔ اگرچہ لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہوں گے جو خلفاء اربعہ کی خلافت کو ناپسند کرتے ہوں گے۔ ایسا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ لوگوں میں ایسے افراد بھی موجود تھے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ تو پھر بعض خلفاء کی خلافت کو ناپسند کرنے والے کیوں نہیں ہو سکتے؟

❀ لیکن اس مسئلہ میں بھی لوگوں میں کوئی ظاہری اختلاف نہیں تھا؛ کجا کہ وہ ایک دوسرے پر تلواریں سونت لیں۔ جیسا کہ اہل علم کے مابین عقائد اور علمی مسائل میں اختلاف مشہور ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو اختلاف کرنے والے گروہ مل بیٹھتے ہیں اور بعض علمی مسائل میں آپس میں مناظرہ کرتے ہیں۔

❀ خلفاء اربعہ کے دور میں کوئی دو گروہ ایسے نہیں تھے جن میں کھلا ہوا اختلاف ہو۔ اور نہ ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو ان کے بعد میں آنے والوں پر تقدیم وفضیلت اور ان کی امامت کی صحت کے مسئلہ پر کوئی اختلاف تھا۔ نہ ہی ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت وصحت امامت میں کوئی اختلاف ہوا۔ اور نہ ہی ان تین یاروں کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت و امامت کے مسئلہ پر کسی کا کوئی اختلاف ہوا۔ اور ان چار یاروں کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں کوئی ایسا بھی نہیں تھا جو ان سے افضل ہو۔ اور نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مسلمانوں میں سے کسی ایک نے اس بات پر اختلاف کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ان سے بہتر بھی کوئی انسان موجود ہے۔ مسلمانوں کے معروف گروہوں میں سے کسی ایک نے حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت نہیں دی چہ جائے کہ وہ حضرت معاویہ کو فضیلت دیتے۔ اگرچہ ان لوگوں نے پیش آمدہ شبہ کی بنیاد پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ بھی لڑی۔ لیکن یہ جنگیں ہرگز نہ اس بنیاد پر تھیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر افضل کوئی دوسرا ہے' اور نہ ہی اس بنیاد پر تھیں کہ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا خلیفہ و امام ہے۔ اور نہ ہی حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما میں سے کسی نے اپنے آپ کو امیر المؤمنین کہا؛ اور نہ ہی کسی ایک نے اس بات پر ان میں سے کسی ایک کی بیعت کی۔

جب کہ بہت سارے مسلمانوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی تھی۔ اہل مدینہ کے اکثر لوگ آپ کو امیر المؤمنین مانتے تھے۔ جب کہ کسی ایک نے بھی حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما میں سے کسی کی بھی بیعت نہیں کی تھی۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی ایک نے لوگوں کو اپنی بیعت کرنے کی دعوت دی۔ اور نہ ہی لوگوں نے یہ کہا کہ: آپ اپنی بیعت لے لیجیے۔ ان دونوں حضرات کا مقام و مرتبہ اس سے بہت زیادہ بلند اور جلیل القدر تھا کہ یہ حضرات کوئی ایسی حرکت کرتے۔

❀ یہی حال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کسی ایک نے بھی آپ کی بیعت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس بات پر نہیں کی کہ آپ امام اور خلیفہ ہیں۔ اور نہ ہی جب آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے برسرِ پیکار تھے تو کسی نے آپ کو امام قرار دے کر آپ کی بیعت کی۔ اور نہ ہی آپ اپنے آپ کو امیر المؤمنین کہلاتے تھے۔ نہ ہی لوگوں میں سے کسی ایک نے آپ کو یہ خطاب دیا۔ اور نہ ہی تحکیم الحکمین سے قبل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولایت کا مطالبہ کیا۔

❀ جب کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کا تمام عرصہ خود کو امیر المؤمنین لکھا کرتے تھے۔ اور مسلمان آپ کو امیر المؤمنین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ لیکن جن لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملکر آپ سے جنگیں لڑیں وہ آپ کو امیر المؤمنین نہیں مانتے تھے۔ اور نہ ہی وہ آپ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہوئے۔ حالانکہ وہ اس بات کے معترف تھے کہ لوگوں میں اب آپ سے افضل کوئی دوسرا باقی نہیں بچا۔ لیکن ان لوگوں کے اپنے اتنے تحفظات تھے جن کی بنا پر وہ آپ کی اطاعت میں داخل نہ ہو سکے۔ لیکن اس کے باوجود کسی ایک نے آپ سے اس بات پر جنگ نہیں کی کہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کریں، اور نہ ہی آپ کو یا آپ کے ساتھیوں میں سے کسی ایک کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی دعوت دی گئی اور نہ ہی یہ کہا گیا کہ: اگرچہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں؛ مگر وہ آپ سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں۔ آپ پر واجب ہوتا ہے کہ ان کی اطاعت کریں ورنہ ہم آپ سے جنگ کریں گے۔

❀ جیسا کہ بہت سارے اچھے اور نیک دل زیدی شیعہ کہتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین سے افضل تھے۔ لیکن مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ ان لوگوں کی خلافت منعقد کی جائے۔ اس لیے کہ بہت سارے لوگوں کے دلوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اس وجہ سے نفرت تھی کہ آپ نے ان کے بہت سارے اقارب کو قتل کیا تھا۔ تو یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ کی خلافت پر تمام لوگوں کا اتفاق ہو جاتا۔ اس وجہ سے مفضول کو خلیفہ مقرر کیا جانا جائز تھا۔

❀ یہ قول ان لوگوں کا ہے جو شیعہ کے بہترین طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ باقی لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ لوگ یہی کہتے ہیں: حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت برحق ہے؛ اس میں کسی طرح بھی تنقید کرنا ممکن نہیں۔ اس طرح سے یہ لوگ اپنی کوشش کے مطابق جامع القولین ہیں۔

❀ ان لوگوں کا عذر وہ آثار ہیں' جو انہوں نے سن رکھے تھے؛ اور وہ امور تھے جو ان کے ذہن میں کھٹکتے تھے: ان کا تقاضا تھا کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر فضیلت دیں۔ جیسا کہ عوام الناس کے مابین مشہور اس طرح کے دیگر مسائل میں بھی ہوتا ہے؛ جن میں حق ان دو میں سے ایک گروہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر دوسرے گروہ کے پاس بھی ایسی منقولات ہوتی ہیں جن کے متعلق ان کا خیال ہوتا ہے کہ یہ بھی سچ اور درست ہیں۔ لیکن انہیں اس بات کی خبر نہیں ہوتی کہ یہ آثار جھوٹ و اختراع ہیں۔ اور ان کے پاس جو آیات اور صحیح احادیث ہیں' ان میں وہ لوگ اپنے گمان کی وجہ سے تاویلات کا شکار ہو گئے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ نص سے یہی مراد ہے۔ حالانکہ معاملہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسے نہ تھا۔اور ان لوگوں کے پاس ایک نوعیت کا قیاس اور رائے ہیں جن کے متعلق ان کا خیال ہے کہ یہ حق ہیں۔جبکہ وہ باطل ہیں۔

❀ تمام باتوں کا مجموعہ یہی تمام سرمایہ ہے جس کی وجہ سے شکوک وشبہات پیدا ہوئے ہیں۔اگر انسانی نفوس ہوائے نفس سے خالی ہوں تو یہ شبہات پیدا نہیں ہوسکتے۔مگر بہت کم ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے دل ہوائے نفس سے پاک ہوں۔جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾ [النجم ۲۳]

''یہ لوگ صرف اٹکل کے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور یقیناً ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔''

یہاں پر یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جب فاضل کو والی بنانے میں کچھ اسباب مانع ہوں تو اس وقت مفضول کو والی بنانا جائز ہو جاتا ہے۔یہ اہل سنت اور اہل شیعہ ہر ایک میں سے ایک ایک گروہ کا قول ہے۔مگر اس کے ساتھ ہی حضرت امیر معاویہ کے ساتھ کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو یہ کہتا ہو کہ آپ امام اور خلیفہ ہیں۔اور یہ کہ حضرت علی اور آپ کے ساتھیوں پر امیر معاویہ کی بیعت اور اطاعت واجب ہے۔اور یہ کہ حضرت علی اگرچہ افضل ہیں مگر امیر معاویہ کو حاکم بنانا مصلحت کے زیادہ قریب ہے۔یہ بات کسی ایک نے بھی نہیں کہی اور نہ ہی اس پر لڑائی ہوئی ہے۔یہ بات عام اہل کے بھی علم میں۔اور انہوں نے اپنی طرف سے حضرت علی اور ان کے ساتھیوں سے جنگ بھی شروع نہیں کی۔

اس لیے کہ خوارج اس سے پہلے یہ کام شروع کر چکے تھے۔اس لیے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن خباب کو وہاں سے گزرتے ہوئے قتل کر دیا تھا۔خوارج نے ان سے کہا کہ وہ اپنے باپ خباب بن ارت سے سنی ہوئی حدیث رسول اللہ بیان کریں۔تو انہوں نے فتنوں کے بارے میں احادیث بیان کرنا شروع کیں۔آپ کا مقصد یہ تھا کہ شاید یہ لوگ فتنہ سے حق بات کی طرف لوٹ آئیں۔تو انہوں نے آپ کو قتل کر دیا۔تو آپ کا خون بھی مشترکہ خون کی طرح رہا۔حضرت علی نے ان کے پاس آدمی بھیجا کہ عبداللہ بن خباب کے قاتلوں کو ہمارے سپرد کر دو۔تو وہ کہنے لگے: ہم سب نے مل کر اسے قتل کیا ہے۔پھر انہوں نے لوگوں کی چراگاہ پر حملہ کر دیا اور وہاں چرنے والوں جانوروں اور چرواہوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا۔جب حضرت علی نے دیکھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے خون اور اموال کو حلال سمجھنے لگے ہیں تو آپ نے ان کے سامنے وہ نصوص ذکر کیں جو ان کے اوصاف میں نبی کریم سے سنی تھیں اور ان سے قتال کرنے کا حکم دیا تھا۔اور جب آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ کے بیان کردہ اوصاف پوری طرح سے ان پر منطبق ہو رہے ہیں تو آپ نے ان سے قتال کیا۔اور اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف آپ کی نصرت فرمائی۔آپ اس پر بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اس وقت سجدہ شکر بجا لائے جب آپ کو پتہ چلا کہ ٹنڈا (ناقص ہاتھ والا) ان کے ساتھ ہے۔اس لیے کہ ٹنڈے کی موجودگی وہ نشانی تھی جس کے بارے میں رسول اللہ نے خبر دی تھی۔اور صحابہ کرام کا ان سے قتال پر اتفاق تھا۔پس آپ نے خوارج سے جو جنگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لڑی وہ نص رسول اللہ اور اجماع صحابہ کی روشنی میں تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خوارج سے قتال کرنا نص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی روشنی میں تھا۔

❀ جبکہ جمل اور صفین کی جنگوں کے بارے میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کے پاس اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول کوئی نص نہیں تھی؛ بلکہ یہ محض آپ کی رائے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ نے اس قتال میں آپ کی موافقت نہیں کی تھی۔ بلکہ اکثر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے: حضرت سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید؛ محمد بن مسلمہ؛ اور ان کے امثال سابقین اولین مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین نے ان میں سے کسی بھی گروہ کا ساتھ نہیں دیا۔ حالانکہ یہ سبھی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہت زیادہ تعظیم بجالانے والے تھے۔ آپ سے محبت کرتے؛ دوستی رکھتے؛ اور باقی لوگوں پر آپ کو مقدم رکھتے تھے۔ اور آپ کے زمانہ میں آپ سے بڑھ کر کسی دوسرے کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن جنگ کے مسئلہ میں آپ کی رائے کی موافقت نہیں کی۔

❀ ان کے پاس ایسی نصوص تھیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھی تھیں، جن کی دلالت کا تقاضا تھا کہ جنگ اور فتنہ میں داخل ہونے سے بہتر یہ ہے قتال اور جنگ کو ترک کر دیا جائے۔ ان نصوص میں قتال سے ممانعت کی روایات بھی تھیں۔ اس بارے میں معروف آثار تو بہت زیادہ اور کثرت کیساتھ تھے۔

❀ جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشہور سابقین اولین میں سے کوئی ایک بھی نہیں تھا۔ بلکہ سابقین اولین میں سے بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ ان کی اکثرت فتنہ سے الگ اور دور رہی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیساتھ ان میں سے کوئی نہیں تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض سابقین اولین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیساتھ بھی تھے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ اہل بیعت رضوان میں سے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں سابقین اولین کہا جاتا ہے۔ یہ بات ابن حزم رحمہ اللہ اور بعض دیگر علماء نے ذکر کی ہے۔

❀ یہاں پر مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے بھی اس وجہ سے جنگ نہیں کی کہ کوئی دوسرا انسان امام یا خلیفہ ہے۔ اور نہ ہی کسی نے آپ کو کسی دوسرے کے پرچم تلے آنے کو کہا۔ پھر یہ کہ جب مصاحف بلند کیے گئے؛ اور آپس میں فیصلہ کرنے کی طرف دعوت دی جانے لگی؛ اور اس بات پر ان کا آپس میں اتفاق بھی ہو گیا۔ اور اگلے سال جب جمع ہوئے تو فیصلہ کرنے والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ: حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں کو معزول کر دیا جائے؛ اور مسلمانوں کی خلافت کا مسئلہ شوری کے ذریعہ حل کیا جائے۔

حکمین میں سے ایک نے کہا: اس نے اپنی ساتھی کو معزول کر دیا ہے، اور میں اپنے ساتھی کو معزول نہیں کر رہا۔ حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ کا میلان تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہ بہت غصہ ہوئے۔ ان لوگوں کا اتفاق اس بات پر نہیں تھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کے منصب سے معزول کیا جائے۔ اس لیے کہ اس سے پہلے آپ نے امیر المؤمنین نہیں تھے۔ بلکہ آپ کو شام کی ولایت سے معزول کرنے پر اتفاق تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس لیے کہ آپ یہ کہتے تھے: مجھے اس سے پہلے دو خلفاء حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے والی مقرر کیا ہے۔ اور میں اس وقت تک اپنی ولایت پر باقی رہوں گا یہاں تک کہ لوگوں کا ایک خلیفہ پر اتفاق ہو جائے۔

❀ حکمین کا اتفاق ہو گیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین کے منصب سے معزول کیا جائے۔ اور معاویہ کو شام کی ولایت سے معزول کیا جائے۔ ان میں سے ایک کا مقصد یہ تھا کہ اس کا ساتھی اپنے منصب پر باقی رہے' مگر اس نے اس چیز کا اظہار نہیں کیا۔ جب اس نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی تو لوگ بغیر کسی اتفاق کے منتشر ہو گئے' اور اس کے بعد کوئی جنگ و قتال نہیں ہوا۔

❀ اگر یہ بات مان لی جائے کہ: اس واقعہ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بجائے خود امیر المؤمنین ہونے کا دعوی کیا تھا؛ تو پھر بھی شیعہ کے لیے یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت تسلیم کروانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی گئی۔

❀ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگیں اس وجہ سے نہیں لڑی گئیں کہ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا امام تھا اور آپ کے اطاعت گزار۔ بلا ریب جو لوگ امامت کے مستحق تھے' جیسے حضرت ابو بکر، عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین ؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بات میں اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ڈر و خوف رکھتے تھے کہ وہ ان کے خلاف اپنے قول یا فعل سے خروج کریں۔ بلکہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت باقی تمام لوگوں سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی۔ جب کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اس عہد کے لوگ اتنے عادل اور صاحب علم تھے کہ ان میں سے کسی ایک سے بھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہے کہ: آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کریں۔ بلکہ کوئی آپ کو حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت کرنے کا کہنے والا بھی نہیں تھا۔ حالانکہ یہ دونوں حضرات اہل شوری میں سے تھے۔

❀ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا انتقال خلافت عثمانی میں ہو گیا تھا؛ اب حضرت عثمان کی وفات کے بعد چار حضرات رہ گئے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس سارے فتنہ سے الگ تھلگ رہے۔ آپ نے مسلمانوں کے مابین قتال میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور ان سب کے بعد تک زندہ رہے۔ عشرہ مبشرہ میں سے سب سے آخر میں وفات آپ کی ہوئی۔ آپ فتنہ سے الگ ہو کر وادی عقیق میں عزلت نشین ہو گئے تھے۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کا جنازہ کندھوں پر اٹھا کر لایا گیا اور بقیع میں تدفین عمل میں آئی۔

❀ صحیح مسلم میں عامر بن سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص اپنے اونٹوں میں تھے کہ ان کا بیٹا عمر آیا۔ جب حضرت سعد نے اسے آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: میں اس سوار کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جب وہ سواری سے اترا اور اپنے باپ سے مخاطب ہوا کہ آپ یہاں پر اپنے اونٹوں اور بکریوں میں بیٹھے ہوئے اور لوگوں کو چھوڑ دیا ہے وہ ملک کی وجہ سے آپس میں لڑ رہے ہیں تو آپ نے اس کے سینے میں مارا اور فرمایا: خاموش ہو جا میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ((إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الخفِي۔))

''بیشک اللہ تعالیٰ متقی غنی اور مخفی شخص سے محبت کرتے ہیں۔''

❀ آپ کا یہ بیٹا عمر ملک و ریاست کا دلدادہ تھا۔ بھلے وہ کسی مذموم طریقہ سے ہی کیوں نہ حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب اسے ولایت دی گئی تو اس سے کہا گیا: ہم اس وقت تک ولایت تفویض نہیں کریں گے جب تک تو حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں سے جنگ نہ لڑو۔ پس اس گروہ کا امیر یہی بد بخت انسان تھا۔

❀ جہاں تک حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو آپ مستجاب الدعوات تھے۔ اپنے زمانے میں بڑے ماہر تیر انداز تھے۔ آپ نے ہی عراق فتح کیا اور کسری کے لشکر کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ اور آپ یہ جانتے تھے کہ لازمی طور پر مسلمانوں کے مابین فتنے پیش آئیں گے۔

صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((سألت ربي أن لا يهلِك أمتي بِسنة عام فأعطانِيها ، وسألته أن لا يسلِط عليهِم عدواً مِن غيرِهِم فيستبِيح بيضتهم فأعطانِيها ، وسألته أن لا يجعل بأسهم بينهم فمنعنِيها۔))

''میں نے اپنے رب سے مانگا کہ میری امت کو قحط سالی کے ذریعہ ہلاک نہ کرے پس یہ مجھے عطا کر دیا گیا۔ اور میں نے اللہ عزوجل سے مانگا کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کر پس اللہ عزوجل نے یہ چیز بھی مجھے عطا کر دی اور میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ ان کی آپس میں ایک دوسرے سے لڑائی نہ ہو تو مجھے اس سوال سے منع کر دیا گا۔''❶

❀ مقصود یہ ہے کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مابین قواعد اسلام میں سے کسی قاعدہ پر اختلاف کی وجہ سے ہرگز کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی قواعد اسلام کے متعلق ان کے مابین سرے سے کوئی اختلاف تھا۔ نہ ہی اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق، نہ ہی تقدیر کے متعلق؛ نہ ہی اسماء و احکام کے متعلق؛ نہ ہی امامت کے مسئلہ میں۔ ان مسائل میں تو کسی کا زبانی اختلاف بھی نہیں ہوا چہ جائے کہ ایک دوسرے پر تلواریں سونت لی جائیں۔ بلکہ یہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی ان

❶ صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2759۔ پوری حدیث اس طرح ہے: حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مقام عالیہ سے تشریف لائے یہاں تک کہ بنو معاویہ کی مسجد کے پاس سے گزرے تو اس میں تشریف لے گئے اور اس میں دو رکعتیں ادا کیں اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے لمبی دعا مانگی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا میں نے اپنے رب سے تین چیزیں مانگیں پس دو چیزیں مجھ کو عطا کر دیں گئیں اور ایک چیز سے مجھے روک دیا میں نے اپنے رب سے مانگا کہ میری امت کو قحط سالی کے ذریعہ ہلاک نہ کرے پس یہ مجھے عطا کر دیا گیا اور میں نے اللہ عزوجل سے مانگا کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کر پس اللہ عزوجل نے یہ چیز بھی مجھے عطا کر دی اور میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ ان کی آپس میں ایک دوسرے سے لڑائی نہ ہو تو مجھے اس سوال سے منع کر دیا گیا۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

صفات کو ثابت مانتے تھے جن کے متعلق اس نے خود خبر دی ہے' اور مخلوق کے ساتھ ان صفات کی مماثلت کی نفی کرتے تھے۔ تقدیر کو ویسے ہی مانتے تھے جیسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے۔ سبھی لوگ امر و نہی اور وعد و وعید کو ثابت مانتے تھے؛ اور اللہ تعالیٰ کے افعال اور تخلیق میں حکمت کو مانتے تھے؛ اور تقدیر کو ثابت ماننے کے ساتھ ساتھ فعل کے بجالانے میں انسان کی قدرت اور استطاعت کو بھی ثابت مانتے تھے۔

پھر آپ کے زمانے میں کوئی ایسا بھی نہیں تھا جو معصیت پر تقدیر سے حجت پیش کرتا؛ اور تقدیر کو کافر یا گنہگار کے حق میں حجت مانتا۔ اور نہ ہی کوئی ایسا تھا جو اللہ تعالیٰ کے کامل علم اور اس کی شامل مشیت اور مخلوق پر اس کی عموم قدرت کا نکار کرتا ہو۔ اور اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور مہربانی کا منکر ہو۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اہل ایمان پر ایمان اور اطاعت گزاری انعام کی ہے۔ اور اہل کفر و معصیت کو چھوڑ کر انہیں اس نعمت کے لیے بطور خاص منتخب کیا ہے۔ اور کوئی ایسا بھی نہیں تھا جو ہر پل میں انسان کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محتاج ہونے کا منکر ہو۔ اور یہ کہ ہر چھوٹی اور بڑی چیز میں قوت و طاقت اور توفیق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ اور کوئی یہ بھی نہیں کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کفر و شرک کا حکم دینا اور صرف اکیلے اپنی عبادت سے منع کرنا جائز ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ فرعون اور ابلیس کو جنت میں داخل کر دے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو جہنم کی آگ میں ڈال دے؛ اس طرح کے خیالات کے لوگ نہیں تھے۔

❀ ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو کہ تقدیر کے انکار کا عقیدہ رکھتا ہو اور نہ ہی ان میں کوئی قدریہ جبریہ یا جہمیہ تھا۔ اور نہ ہی ان میں کوئی ایسا تھا جو کہ اہل قبلہ کے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کا عقیدہ رکھتا ہ۔ اور نہ ہی کوئی کبیرہ گناہ کے مرتکب سے نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا منکر تھا۔ اور نہ ہی کوئی یہ کہتا تھا کہ فاسق اور فاجر لوگوں کا ایمان بھی انبیا کرام کے ایمان کی طرح تھا۔ بلکہ ان سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس انسان کو بھی نبی کریم ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے جہنم کی آگ سے نکالا جائے گا جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا۔ اور یہ کہ لوگ ایمان میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اور یہ کہ ایمان کم ہوتا اور بڑھتا ہے۔

❀ جس کسی نے حضرت ابن عباس کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے کہ آپ قاتل کے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کا عقیدہ رکھتے تھے یقیناً اس نے آپ پر جھوٹ بولا ہے۔ جیسا کہ ابن حزم وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ آپ قاتل کی توبہ کے قائل تھے اسے ہمیشہ کے لیے جہنمی نہیں کہتے تھے۔ اور اس کی توبہ قبول ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یہی دو روایتیں حضرت امام احمد بن حنبل سے بھی منقول ہیں۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ پر تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ تو پھر ان دونوں کو ایک دوسرے سے کیا نسبت ہے۔

❀ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو کہتا ہو کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم ائمہ نہیں تھے اور ان کی خلافت درست نہیں تھی۔ اور کوئی یہ بھی نہیں کہتا تھا کہ ان کی خلافت نص سے ثابت تھی۔ اور نہ ہی کوئی اس بات کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قائل تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی دوسرا افضل یا خلافت کا زیادہ حق دار تھا۔

❀ ان دینی قواعد میں صحابہ کرام کے بعد اختلاف واقع ہوا ہے۔ان کے عہد میں اس مسئلہ میں کوئی زبانی اختلاف یا جھگڑا بھی نہیں تھا چہ جائے کہ ان کے مابین تلوار چلتی۔

❀ کسی ایک نے امامت کے مسئلہ پر بھی کوئی لڑائی نہیں لڑی ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پہلے ان کے مابین امامت کے مسئلہ پر کوئی جنگ نہیں ہوئی۔اور آپ کے عہد ولایت میں بھی کسی ایک نے آپ سے اس بات پر جنگ نہیں کی آپ اس کی اتباع کریں[یا پھروہ خلافت کا حق دار یا دعویدار ہے۔]اور اس[حسد کی]بنیاد پر بھی آپ سے کوئی جنگ نہیں کی گئی کہ آپ میں کوئی ایسا خاص وصف پایا جاتا ہے جو آپ سے پہلے خلفاء میں نہیں تھا۔ بلکہ جن لوگوں نے آپ سے جنگ لڑی وہ آپ سے پہلے کے خلفاء کی امامت وخلافت کو تسلیم کرتے تھے۔اور یہ بات ان کے مابین مشہور تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ سے افضل ہیں۔اور آپ سے بھی تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ آپ بر سر منبر اس بات کا اعلان فرمایا کرتے تھے۔قرن اول کے شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر ہرگز کوئی فضیلت نہیں دیتے تھے؛ کجا کہ وہ ان کی خلافت پر جرح وتنقید کرتے۔

❀ بہرحال جو بھی ہو؛ اہل سنت اور اہل بدعت کا ہر خاص وعام انسان جانتا ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ کے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ اس وجہ سے ہوئی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ اس کی وجہ ہرگز یہ نہیں تھی کہ اہل شام نے حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کی بیعت کیوں کی۔

[جنگ جمل کی وجہ:]

❀ جو لڑائی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے مابین ہوئی' ان میں سے ہر فریق یہ گمان کر رہا تھا کہ وہ فریق مخالف کے حملہ سے اپنا دفاع کر رہا ہے۔اس لڑائی نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی غرض تھی اور نہ ہی حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کی کوئی غرض۔

❀ بلکہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہاں آنے سے پہلے قاتلین عثمان کا مطالبہ کر رہے تھے۔اور ان قاتلین کے بڑے بڑے قبیلے تھے جو ان کا دفاع کر رہے تھے۔اس وجہ سے وہ کسی کے کنٹرول میں نہیں آرہے تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے' اور انہوں نے بھی اپنا مقصد بیان کیا؛ اور آپ نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا کہ میری بھی یہی رائے ہے؛ لیکن اس وقت یہ ممکن نہیں ہے یہاں تک کہ حالات سنبھل جائیں۔ جب بعض قاتلین کو اس بات کا علم ہوا انہوں نے ایک لشکر پر حملہ کر دیا۔ وہ لوگ یہ گمان کرنے لگے کہ دوسرے فریق نے جنگ شروع کر دی ہے۔پس یہ جنگ اہل فتنہ کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے پیش آئی' اس میں سابقین اولین کا کوئی دخل نہیں تھا۔

❀ کوئی بھی ایسی چیز نہیں تھی جس کی وجہ سے خلفا ثلاثہ کی خلافت میں قدح واقع ہوتی ہو مثلا وہ فتنہ جو ابن زبیر اور یزید کے مابین پیش آیا۔اور پھر مروان اور اس کے بیٹے کے ساتھ پیش آیا۔ان تمام لوگوں کا حضرت عثمان کی موالات پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اتفاق تھا۔اور سبھی آپ کے قاتل کو کرنا چاہتے تھے۔حضرت ابوبکر و عمر کی بات ہی کچھ اور ہے۔

❀ یہی حال اس فتنہ کا بھی ہے جو یزید اور اہل مدینہ کے مابین پیش آیا جیسے فتنہ حرہ کہا جاتا ہے۔بیشک یہ بعض اہل مدینہ کی طرف سے ہوا تھا کہ وہ حاکم وقت بنو امیہ اور یزید کے ساتھیوں سے الجھ پڑے تھے۔اس میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ بلکہ اہل مدینہ اور اہل شام تمام لوگ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی ولایت و خلافت پر متفق تھے۔

❀ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب کوفہ کی طرف نکلے تو آپ یزید کی جگہ خلافت کے طلب گار تھے۔ان کی جنگ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی وجہ سے نہیں تھی۔ یہی حال ان لوگوں کا بھی تھا جنہوں نے آپ کو قتل کر دیا۔اور جس وقت آپ کو قتل کیا گیا اس وقت آپ ولایت کے طلب گار بھی نہیں رہے تھے۔اور نہ ہی آپ کے ساتھ موجود اہل لشکر آپ کی خلافت کی وجہ سے لڑ رہے تھے۔اپنی اس رائے سے آپ نے رجوع کر لیا تھا۔اور آپ نے یہ پیشکش کی تھی کہ انہیں ان کے چچا زاد یزید کے پاس جانے دیا جائے ۔ یا پھر انہیں اپنے گھر کی طرف مدینہ واپس جانے دیا جائے۔ یا پھر انہیں کسی محاذ پر جانے دیا جائے۔مگر ان ظالم لوگوں نے ان تین میں سے آپ کا ایک مطالبہ بھی تسلیم نہ کیا۔ بلکہ آپ سے گرفتاری پیش کرنے کو کہا۔اور ایسا بھی نہیں تھا کہ آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت پر لڑنے کی وجہ سے قتل کیا گیا ہو۔ بلکہ آپ اس حال میں شہید ہوئے کہ آپ اپنی جان کا دفاع کر رہے تھا کہ انہیں گرفتار کر کے ان پر ظلم نہ کیا جائے۔

آپ کے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا مگر اس کے باوجود آپ نے تنازل اختیار کیا اور معاملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔صحیح میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا۔''

❀ پھر جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو آپ کا انتقام لینے کے دعویدار کھڑے جیسا کہ مختار بن ابو عبید ثقفی ۔ انہوں نے عبید اللہ بن زیاد کو قتل کیا۔اور جب مصعب بن زبیر کوفہ آئے تو آپ نے مختار کو قتل کر دیا اس لیے کہ اس نے نبی ہونے کا جھوٹا دعوی کر دیا تھا۔صحیح مسلم میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک خونخوار ہوگا۔''

❀ ان میں سے کذاب جس کا نام مختار بن عبید ثقفی رکھا گیا تھا حالانکہ وہ مختار نہیں تھا۔اور خونخوار حجاج بن یوسف ثقفی تھا۔اس کے زمانے میں جو فتنہ پیش آیا وہ ابن اشعث کا فتنہ تھا۔اس نے ان کے خلاف خروج کیا۔اس کے ساتھ قرآء کی ایک جماعت تھی۔ یہ سب اس کے ظلم اور سختی کی وجہ سے ہوا تھا۔

❀ ان میں سے ایک واقعہ بھی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی وجہ سے نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ان تمام کا حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت پر اتفاق تھا۔ یہ تمام جھگڑا سلطان وقت کی ولایت پر تھا۔ جب ان کے مقابل ایسے لوگ آ جاتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جوان سے جھگڑا کرتے تو ان کے ساتھ لوگ بھی کھڑے ہو جاتے۔ اور کچھ لوگ ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔

[فتنوں کی جنگیں]:

❀ بنو امیہ کے عہد میں اور بعد میں بھی اس طرح کے فتنے پیدا ہوئے۔ اس لیے کہ جب ہشام بن عبدالملک کے دور میں حضرت زید بن علی بن الحسین نے خروج کیا اور اپنی خلافت کا اعلان کیا۔ آپ ان لوگوں میں سے تھے جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی ولایت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ان کی لڑائی امامت کے ان قواعد میں سے کسی ایک قاعدہ کی بنیاد پر نہ تھی جن قواعد کے رافضی دعویدار ہیں۔ جب ابومسلم اور اس کے اعوان وانصار بنی ہشام نے بنو امیہ کے خلاف خروج کیا تو ان کی لڑائی اس وقت کے حاکم سے تھی۔ وہ حاکم گروہ مروان بن محمد اور اس کے اعوان وانصار تھے۔

❀ بنو عباس ہمیشہ سے خلافت خلفائے اربعہ کے قائل رہے ہیں۔ اور ان کے منبروں پر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور عثمان کی فضیلت اور تقدیم کا اعلان ہوتا رہا ہے۔ ان میں سے کسی نے یا بنو امیہ میں سے کسی ایک نے خلفا ثلاثہ کی خلافت میں قدح کی وجہ سے جنگ قتال نہیں کیا۔

❀ جن لوگوں نے ان کے خلاف خروج کیا تھا جیسے مدینہ سے محمد بن عبداللہ بن حسن کا خروج اور بصرہ سے ان کے بھائی ابراہیم کا خروج۔ یہ اور ان کے ساتھی منصور کے خلاف نکلے تھے۔ نہ کہ حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت کی وجہ سے۔ بلکہ جو بھی لوگ ان کے ساتھ بصرہ اور مدینہ میں تھے وہ تمام حضرت ابوبکر و عمر سے محبت و دوستی رکھتے تھے۔

❀ یہ فتنہ اور اس طرح کے دوسرے بڑے بڑے فتنے جو کہ سلف کے مابین پیش آئے ان کا یہی حال ہے۔ اور ایسے ہی جب عبدالرحمٰن الداخل بلاد اندلس میں داخل ہوا اور اس کی حکومت ایک طویل عرصہ تک قائم رہی۔ ان کے اور عباسیوں کے درمیان نزاع کی وجہ حضرت ابوبکر و عمر اور حضرت عثمان کی خلافت نہیں تھی۔

❀ یہ اسلام کی بڑی بڑی ولایات (حکومتیں) ہیں۔ یہاں کا نظام حکومت چلانے والے' یا جنہوں نے حکام کے خلاف خروج کیا؛ ان میں سے کسی ایک نے بھی اس عقیدہ امامت کی بنیاد پر کوئی جنگ نہیں لڑی جس میں شیعہ سنی اختلاف ہے۔ یہی عقیدہ اس وقت ظاہر ہوا جب کچھ لوگوں نے رافضیت کی دعوت پھیلانا شروع کی۔ اور خود کو بلا وجہ امیر المؤمنین کہلانے لگے؛ اور پھر اس عقیدہ پر انہوں نے جنگیں لڑیں۔ ان لوگوں نے اپنی شاہی قائم کی؛ اور یار و مددگار مہیا کیے۔ یہ معاملہ بنی عبیداللہ القداح کے دور میں پیش آیا۔ جنہوں نے ایک مدت تک مغرب کے کچھ علاقے پر حکومت کی اور مصر پر تقریباً دو سو سال تک حکمران رہے۔

❀ ان لوگوں کے ملحد ہونے اور ان کا نسب باطل ہونے پر تمام اہل علم و دین کا اتفاق ہے۔ نہ ہی ان کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا تھا اور نہ ہی یہ لوگ آپ کے دین پر تھے۔ ان لوگوں نے نسب کا جھوٹا دعوی کیا' اور اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرنے لگے۔ تاکہ اس طرح وہ شیعہ لوگوں کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر سکیں۔ اس لیے کہ تمام گروہوں میں سب سے کم عقل اور بے دین؛ سب سے بڑے جاہل شیعہ ہوتے ہیں۔ وگرنہ یہ عبیدیہ جو کہ اپنے آپ کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسماعیل بن جعفر کی طرف منسوب کرتے ہیں' ان کا معاملہ اتنا کھلا ہوا اور واضح ہے کہ کسی بھی مسلمان پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مسلمان- جو کہ اہل ایمان ہیں- بشمول اہل سنہ و اہل شیعہ ان لوگوں سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔زیدیہ اور امامیہ انہیں کافر قرار دیتے ہیں؛اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔اگرچہ اسماعیلیہ ملاحدہ خود کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔لیکن اسماعیلیہ خود یہود و نصاری سے بڑے کافر ہیں۔جیسا کہ ابن الصباح کافر' جس نے ان لوگوں پر چھری چلانا شروع کی تھی۔

❀ ابوسعید الجنابی کے پیروکاران بحرین کے قرامطی شیعہ ان سے بھی برے ہیں۔اس لیے کہ یہ لوگ تو بالکل اسلام کا نام بھی نہیں لیتے تھے۔ بلکہ ان لوگوں نے [بیت اللہ میں] حجاج کرام کو قتل کیا؛ اور حجر اسود اکھاڑ کر لے گئے۔

❀ یہ ان جنگوں کے واقعات ہیں جو اہل اسلام کے مابین پیش آئے۔ ان میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو کہ امامت کے قاعدہ پر اختلاف کی وجہ سے پیش آیا ہو؛ جیسا کہ رافضی شیعہ کا دعوی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض شہروں میں خروج کرنے والے خوارج نے اپنی ذات کے لیے امامت کا دعوی کیا تھا۔ اور ان کے ساتھ لڑنے والے لوگ بھی تھے۔سو یہ بھی اہل بوادی' پہاڑی اور چھوٹے شہروں میں بسنے والے روافض کی جنس سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ ایک بہت چھوٹی سی جماعت تھی؛ جن کی عام جماعت مسلمین کے سامنے کوئی اہمیت نہیں تھی۔ان کے پاس اتنی قوت و طاقت نہیں تھی کہ مسلمانوں پر اپنی تلوار آویزاں کرسکیں۔تاکہ کسی کہنے والے کو یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ امت میں واقع ہونے والا سب سے بڑا اختلاف مسئلہ امامت کی وجہ سے تھا۔ یا پھر کوئی یہ کہہ سکے کہ: اسلام میں ایسے تلوار کسی چیز پر نہیں سونتی گئی جیسے ہر زمانہ میں امامت پر تلوار سونتی گئی۔

❀ اگر یہ بات کہنے والے کی مراد یہ ہے کہ: ''لوگوں کے مابین مسئلہ امامت کی وجہ سے لڑائیاں پیش آتی رہیں؛ جو کہ اس زمانے میں ایک شخص کی ولایت سے عبارت تھی۔سو لوگوں کا ایک گروہ امام کے ساتھ مل کر لڑتا تھا اور دوسرا گروہ امام کے خلاف بغاوت کرتا تھا۔'' تو پھر آگاہ رہنا چاہیے کہ اہل سنت اور شیعہ دونوں کے مذہب میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ جب ایک نبی اور ایک دین پر ایمان رکھنے والے لوگ آپس میں لڑ پڑتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک گروہ کے پاس ایک ایسا آدمی ضرور ہونا چاہیے جسے وہ آگے بڑھائیں اور اپنا متولی بنائیں۔تو پھر ان میں سے ہر گروہ اپنے متعین کردہ امیر یا بڑے کی سرکردگی میں لڑسکتا ہے۔

❀ لیکن ان لوگوں کی لڑائی کسی دینی قاعدہ کی وجہ سے نہیں تھی۔نہ ہی کسی کا یہ دعوی تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت نص سے ثابت ہے؛ اور نہ ہی کوئی خلفاء ثلاثہ کی خلافت و امامت کو باطل کہتا تھا۔بلکہ ان کے اکثر لوگ خلفاء ثلاثہ کی خلافت و امامت کے معترف تھے۔

❀ پھر یہ بھی واضح ہو چکا کہ حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں صحابہ کرام کے مابین کوئی جنگ نہیں ہوئی؛ تو پتہ چلا کہ ان حضرات کے عہدِ خلافت میں کسی پر کوئی تلوار مسلط نہیں تھی۔ یہ تلوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلط

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوئی۔ اگر تلوار کا ایسے چلنا موجب قدح ہے تو پھر یہ قدح اس شخصیت پر ہوگی جس کے دور میں تلوار چلی ہوگی۔

❀ خوارج کی یہ حجت تھی۔ان کی حجت شیعہ کی حجت کی نسبت قوی تر ہے۔ جیسا کہ ان لوگوں کی تلواریں شیعہ کی تلواروں سے قوی تر ہیں۔ اوران کی نسبت خوارج کا دین بھی صحیح ہے۔اوروہ ہیں سچے لوگ؛ شیعہ کی طرح جھوٹے اورکذاب نہیں۔مگر اس کے باوجود نبی کریم ﷺ سے منقول مشہور سنت کی روشنی میں اور باجماع صحابہ یہ لوگ گمراہ' بدعتی اور خطاء کار ہیں۔تو پھر رافضیوں کا کیا حال ہوگا جو کہ علم و عقل ؛ دین وصداقت ؛ شجاعت و ورع اور دیگر خیر و بھلائی کی خصلتوں سے بہت دور کے لوگ ہیں۔

❀ کسی بھی گروہ سے ایسے جنگیں نہیں لڑی گئیں جیسے خوارج کے ساتھ لڑی گئی۔مگر اس کے باوجود ان لوگوں نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے مسئلہ پر کوئی لڑائی نہیں لڑی۔ بلکہ یہ لوگ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی ولایت وامامت پر متفق تھے۔

[وراثتِ فدک میں اختلاف]:

[اعتراض] :شیعہ مصنف لکھتا ہے:''پانچواں اختلاف فدک اور توارث کے مسئلہ میں ہے۔اہل سنت رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:''نحن معاشر الأنبياء لا نُورِثُ؛ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ۔''...... ''ہم انبیاء کی جماعت وراثت نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

[جواب] :ہم کہتے ہیں:''یہ ایک شرعی مسئلہ میں اختلاف تھا جواب زائل ہو چکا ہے۔اس میں جو اختلاف تھا وہ اس اختلاف سے کم ہے جو اس مسئلہ میں پایا جاتا ہے کہ میت کے بھائیوں کو دادا اور چچا کی موجودگی میں کیا حصہ ملے گا؟ علاوہ ازیں مسئلہ اقاربہ اور اس مسئلہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ دادی کو اس کے بیٹے کی موجودگی میں کیا حصہ ملے گا؟اسی طرح وہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ ماں کی موجودگی میں دو بھائیوں کو حصہ نہیں ملے گا۔ نیز یہ کہ اگر میت کا دادا اور ماں دونوں زندہ ہوں تو دادا اس وقت باپ کا حکم رکھتا ہے اور اس قسم کے دیگر مسائل۔

❀ ظاہر ہے کہ ان مسائل میں مسئلہ فدک کی نسبت عظیم تر اختلاف پایا جاتا ہے۔اس کی کئی وجوہات ہیں:

پہلی وجہ:...... ان کا اس مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے' اور کسی ایک قول پر ایسے اتفاق نہیں ہوسکا جیسا کہ اس مسئلہ پر اتفاق ہوا تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت نہیں ہوتی [بلکہ ان کا متروکہ مال صدقہ ہوتا ہے]۔

دوسری وجہ:...... یہ ہے کہ باقی مسائل میں ایسی صریح نصوص روایت نہیں کی گئیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی وراثت کے مسئلہ میں روایت کی گئی ہیں۔

تیسری وجہ:...... یہ اختلاف مکرر نہیں، بلکہ ایک ہی معاملہ پر مبنی ہے۔ جب کہ دیگر مسائل میں اختلاف بھی متعدد جنس کا ہے۔ علاوہ ازیں یہ اختلاف بھی معمولی سے مال میں تھا؛ کہ کیا یہ چند متعین لوگوں کے ساتھ خاص ہے؟ حالانکہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے فدک کی جاگیر سے کئی گنا زائد مال بیت المال سے اہل بیت کو عطا کیا تھا۔اگر اس بات کو تسلیم کرلیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائے کہ نبی کریم ﷺ کا ترک کردہ مال وراثت تھا؛ حالانکہ یہ نظریہ ہی باطل ہے؛ تو پھر بھی آپ نے اہل بیت سے ایک چھوٹا سا گاؤں لیا تھا؛ کوئی بڑا گاؤں یا بڑا شہر نہیں تھا۔ [جس سے کئی گنا زائد اہل بیت کو دے بھی دیا تھا۔]

❀ بیشک علماء کرام کے مابین فرائض کے اور دیگر مسائل میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ ہاشمیوں اور دیگر لوگوں کے اموال میں اختلاف فدک کے مسئلہ سے کئی گنا زیادہ تھا۔مگر ان میں اختلاف کرنے والوں کو ظالم نہیں کہا جاتا۔اس لیے کہ اس میں اجتہاد سے فیصلہ کیا گیا۔

❀ فرض کر لیجیے: خلفاء نے اجتہاد کیا؛ اور میراث غیر مستحق کو دیدی۔اجتہاد کرنے والے علمائے کرام سے اس سے بھی بڑے بڑے واقعات صادر ہوجاتے ہیں۔اوران علماء کا مقام بھی ان ائمہ کی نسبت کم تر ہوتا ہے۔مگراس کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کی دین داری پر کوئی تنقید اور قدح نہیں کی جاتی۔ بالفرض اگر یہ مان لیں کہ انہوں نے باطن میں غلطی کی ہے' اس لیے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا ہے؛ تو پھر خلفاء راشدین کے متعلق کیسے کوئی بات کہی جاسکتی ہے۔

❀ اصل قصہ یہ ہے کہ جہلاء اور شرارت پسند لوگ بات کا تبنگڑ بنا کر فدک کے واقعہ کو پیش کرتے ہیں،اوران کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر جھوٹ اور بہتان کے شر کا دروازہ کھول سکیں۔اس ضمن میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان حضرات کے بعد خلیفہ بنے۔آپ کے عہد خلافت میں فدک اور دیگر جملہ اموال آپ ہی کے زیر تصرف تھے،مگر آپ نے اولاد فاطمہ کو واپس نہیں کیے تھے؛اور نہ نبی کریم ﷺ کا ترکہ ورثاء میں تقسیم کیا۔نہ ہی ازواج مطہرات سے کچھ لیا دیا اور نہ ہی اولاد عباس سے۔ بقول شیعہ اگر مان لیں کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ نے ظلم کیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جب صاحب استطاعت وقدرت تھے؛تواس کا ازالہ کیوں نہ کیا؟ حالانکہ اس ظلم کا ازالہ کرنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر سے لڑنے کی نسبت بہت آسان تھا۔کیا آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ تو لڑلیں' جس کے نتیجہ میں اتنا بڑا شر و فساد پیدا ہوا؛مگر ان مستحقین کو معمولی سا حق بھی نہ دیتے حالانکہ ایسا کرنا آپ کے لیے بہت آسان بھی تھا۔

[منکرین زکوٰۃ سے جنگ اور شیعہ کا اعتراض]:

[اعتراض] :شیعہ مصنف لکھتا ہے:''چھٹا اختلاف منکرین زکوٰۃ کے متعلق ہے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی تھی ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اجتہاد سے کام لے کر لونڈی، غلام اور مال ان کو واپس کیا اور قیدیوں کو رہا کردیا۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

[جواب]:ہم کہتے ہیں: یہ ایسا کھلا ہوا جھوٹ ہے جو مسلمانوں کے احوال کا علم رکھنے والے کسی بھی انسان پر مخفی نہیں۔ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما دونوں منکرین زکوٰۃ کے خلاف جنگ آزما ہونے میں متفق تھے۔اس سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے اس مسئلہ پر بحث وتکرار کی تھی۔صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جناب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گزارش کی: اے خلیفہ رسول! آپ لوگوں سے کیسے جنگ کریں گے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے حتی کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ جب یہ بات کہہ دی تو ان کا خون و مال محفوظ ہوگیا؛ یہ دوسری بات ہے کہ اسلام کے کسی حق کی وجہ سے ان کا خون و مال مباح ٹھہرے اوران کا حساب اللہ پر ہوگا۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا یہ نہیں کہا: مگر اسلام کے حق کے ساتھ؛ اوران کا حساب اللہ پر ہوگا۔'' بلا شک وشبہ ''زکوٰۃ بھی حقوق اسلامی میں سے ایک ہے۔اوراللہ کی قسم! اگر مجھ سے ایک جانور بھی روکیں گے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دیا کرتے تھے؛ تو میں اس کے روکنے پر بھی ان سے جنگ کروں گا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں سمجھ گیا کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ قتال کے کھول دیا ہے؛ اور میں جان گیا کہ یہ حق ہے۔'' [1]

صحیحین کی ایک دوسری روایت سے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس فہم کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أ مِـرت أن أقـاتِـل الـنـاس حتی یقولوا: لا إله إلا الله وأنِی رسول اللهِ، و یقِیموا الـصـلاۃ، ویـؤتـوا الـزکـاۃ، فإذا فعلوا ذلك عصموا مِنِّی دِمائهم و أموالهم إلا بِحقِّها)) [2]

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں یہاں تک کہ وہ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں' اور بیشک میں اللہ کا رسول ہوں۔اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں؛ جب وہ ایسا کریں تو مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کرلیں گے مگر اسلام کے حق کے ساتھ۔''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی مرتدین سے جنگ کے مسئلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی؛ انہوں نے باتفاق صحابہ رضی اللہ عنہم منکرین زکوٰۃ سے جنگ کی تھی۔حتی کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ روک لینے کے بعد پھر سے اس کا اقرار کرلیا تھا۔ آپ نے کسی کو قیدی بنایا نہ کسی کو محبوس رکھا۔ بلکہ مدینہ میں خلافت صدیقی میں سرے سے کوئی قید خانہ ہی نہ تھا؛ اور نہ ہی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی قید خانہ تھا۔تو پھر قید خانہ میں موت کی خبر کیسے درست ہوسکتی۔ لہٰذا یہ جھوٹ ہے کہ بہت سے لوگ قید خانہ میں مرگئے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ۔ باب وجوب الزکاۃ، (ح: ۱۳۹۹، ۱۴۰۰)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله الا الله (حدیث: ۲۰)، سنن نسائی (۳۹۷۶)۔

[2] بخاری ۱/ ۱۰؛ مسلم ۱/ ۵۳۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اسلام میں سب سے پہلا قید خانہ مکہ مکرمہ میں بنایا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صفوان بن امیہ سے اس کا گھر خرید کر اسے قید خانہ بنایا تھا۔ لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ افراد ان کے اہل خانہ کو واپس کر دیئے تھے۔ اگر ایسا ہوا بھی ہو تو پھر بھی یہ اس چیز کی دلیل نہیں ہے کہ ان حضرات کے مابین کوئی اختلاف تھا۔ یہ بہت ہی ممکن ہے کہ جب انہیں قیدی بنایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس نظریہ کے موافق ہوں؛ مگر بعد آپ نے یہ قیدی واپس کر دیئے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا کہ بنی ہوازن کے قیدی انہیں واپس کر دیئے تھے۔ حالانکہ یہ قیدی مسلمانوں کے مابین تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ جن لوگوں نے اپنی خوشی سے قیدی واپس کر دے تو یہ بہت اچھا ہوا؛ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ان کا معاوضہ دیکر قیدی واپس دلوائے۔ اس لیے کہ ان کے اہل خانہ مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے؛ اور اپنے قیدی واپس کرنے کے لیے عرض گزاری کی تھی۔

حضرت ابوبکر و عمر اور دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اس بات پر اتفاق ہو گیا تھا کہ مرتدین کو نہ ہی گھوڑے سوار ہونے دیا جائے اور نہ ہی اسلحہ اٹھا کر چلنے کی اجازت ہو۔ بلکہ انہیں ایسے چھوڑ دیا جائے کہ مال مویشی کے پیچھے لگے رہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خلیفہ رسول اور اہل ایمان کو دکھا دے کہ یہ لوگ اچھے مسلمان ہو گئے ہیں۔ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے ان لوگوں کا اچھا مسلمان ہونا ظاہر ہو گیا تو آپ نے ان کے قیدی واپس کر دیئے؛ اور ایسا کرنا جائز تھا۔

[حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعین بطور خلیفہ]:

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ساتواں اختلاف: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور خلیفہ متعین کرنا ہے۔ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے تھے کہ تو نے ایک سنگ دل اور ترش رو آدمی کو ہمارا حاکم بنا دیا۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

[جواب]: ایسی بات کو کس نے اختلاف کہہ دیا؟ ایسی باتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ہوا کرتی تھیں۔ ایسی باتوں کو اختلاف پر محمول کرنا متکلم کے جاہل اور بدعتی ہونے کی دلیل ہے۔ صرف طعن کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ بعض صحابہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے پر معترض ہوئے تھے، مگر اس کا نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے بیٹے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو امیر بنانے پر اعتراض کیا تھا۔ ایسے بہت سارے صحابہ ان امراء پر اعتراض کیا کرتے تھے جنہیں حضرت ابوبکر یا حضرت عمر رضی اللہ عنہما تعینات کیا کرتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امارت پر اعتراض حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ بعد ازاں انہوں نے اپنے اس مؤقف سے رجوع کر لیا تھا؛ اور وہ سب لوگوں سے زیادہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعظیم بجا لایا کرتے تھے۔ جیسے حضرت زید اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کی امارت پر اعتراض کرنے والوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اپنے مؤقف سے رجوع کر لیا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

[شورائے عمر رضی اللہ عنہ]:

[اعتراض] : شیعہ مصنف لکھتا ہے:''آٹھواں اختلاف: شوریٰ کے معاملہ واقع ہوا ہے۔اس اختلاف کے بعد صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جمع ہو گئے تھے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

[جواب] : ہم کہتے ہیں: یہ جھوٹ ہے، جو شیعہ کی فطرت میں داخل ہو چکا ہے۔مؤرخین و محدثین کا اس واقعہ کے جھوٹ ہونے پر اتفاق ہے۔اس لیے کہ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔لیکن یہ ہوا تھا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تین روز تک لوگوں سے مشورہ کرتے رہے تھے۔مشورہ کے بعد آپ نے بتایا کہ لوگوں کی نگاہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کوئی ہم سر نہیں ہے۔آپ نے گھروں کے پردہ نشین دوشیزاؤوں تک سے اس بارے میں مشورہ کیا تھا۔اگر کوئی شخص آپ کی بیعت میں اختلاف کرتا؛ یا اس کے دل میں کوئی ناپسندیدہ بات ہوتی تو تاریخ اسے ضرور نقل کرتی۔لیکن کسی بھی ایسی چیز کا نقل نہ کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ کسی نے کچھ بھی اعتراض نہیں کیا۔حالانکہ ایسے کاموں میں ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔جس چیز میں مشاورت سے کوئی بات طے کی جائے وہاں پر لوگ باتیں کرتے ہیں اور اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔لیکن کسی ایسی بات کے متعلق بغیر کسی دلیل کے دوٹوک طور پر کہنا ممکن نہیں۔

ہمیں صحیح روایات کی روشنی میں یہ بات معلوم ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ولایت میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کسی گروہ نے یہ بات کہی کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے کو ولایت تفویض کی جائے۔اگر کسی نے ایسا کچھ کہا ہوتا تو اس کا قول ہم تک پہنچ کر رہتا جیسے انصار کا یہ قول ہم تک پہنچ گیا کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک تم میں سے۔''

❀ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو لوگ اتنے باہمت بھی تھے' اور ایسے اسباب بھی موجود تھے کہ اعتراض آگے نقل کیا جاتا۔جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلافت کے بارے میں بعض انصار کا اختلاف نقل کیا گیا ہے۔تو اس سے پتہ چلا کہ اس قسم کے اعتراض کا دعوی کرنے والا جھوٹا اور بہتان تراش ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کسی خلیفہ کی بیعت پر اس قدر اتفاق نہیں ہوا جیسا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر ہوا تھا۔''

❀ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں نے تین دن کی مشاورت کے بعد ولایت تفویض کی تھی۔اس پر ان تمام کا اتفاق و اتحاد تھا۔وہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت و الفت رکھنے والے تھے۔اللہ تعالیٰ کی رسی کو اجتماعیت کے ساتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو غلبہ عطا کیا تھا۔اور ان لوگوں کے ذریعہ اپنے اس دین کو غالب کیا جو دین دے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تھا۔کفار کے خلاف ان کی مدد کی؛ اور ان کے ہاتھوں پر بلاد شام؛ عراق اور خراسان کے کچھ علاقے فتح ہوئے۔

❀ یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو بھی نہیں سمجھتے تھے۔جیسا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بات سے آگاہ کیا تھا۔اسی لیے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت کرلی۔

❀ بعض حضرات نے جو ذکر کیا ہے کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ شرط لگائی کہ آپ شیخین کی سیرت پر عمل پیرا رہیں گے تو آپ نے اس کا جواب نہ دیا۔'' ایسا یا تو عاجزی و کمزوری کی وجہ سے تھا کہ ان جیسے حضرات کی سیرت پر عمل کیسے ممکن ہے' یا پھر اس لیے کہ آپ یہ خیال کرتے تھے کہ: تقلید واجب یا جائز نہیں۔اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ شرط لگائی تو آپ نے اس بات کو قبول کرلیا۔اس کی یا تو اس بات کا امکان تھا کہ آپ ان حضرات کی سیرت پر عمل کرسکتے تھے: یا پھر آپ تقلید کو جائز سمجھتے تھے۔'' یہ ایک باطل نقل ہے؛ اس کی کوئی ثابت شدہ اصل نہیں۔اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ خودساختہ روایت اس صحیح اور ثابت شدہ روایت کے خلاف ہے؛ جس میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تین دن اور تین رات تک بغیر آرام کئے لوگوں سے مشورہ کرنے میں مشغول رہے۔آپ تمام مسلمانوں سے مشورہ کررہے تھے۔اور یہ بات کھل کر آپ کے سامنے آرہی تھے کہ لوگ کسی کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے۔ بلکہ لوگ دوسروں سے بڑھ کر آپ کو خلافت و ولایت کا حق دار سمجھتے تھے۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ان حضرات پر سوائے عدل کے کوئی شرط نہیں لگائی۔آپ نے ان دونوں حضرات سے کہا تھا:

''تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! اگر میں نے ولایت تمہیں سونپ دی تو تم عدل وانصاف کرو گے۔اور اگر تم پر امیر مقرر کردیا تو تم اس کی بات سنو گے اور اطاعت کرو گے۔'' تو ہر ایک نے یہی جواب دیا:''ہاں ہم ضرور ایسا کریں گے۔''

❀ پس متولی پر عدل کی شرط لگانا اور متولّٰی علیہ پر سمع واطاعت کی شرط لگانا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں سے ہے جس پر کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں۔

[صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں اختلافات]:

[اعتراض]: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ'' صحابہ میں لاتعداد اختلافات پیدا ہوگئے تھے۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم بن امیہ کو واپس مدینہ بلا لیا۔حالانکہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھگا دیا تھا۔اور اسے طرید رسول کہا کرتے تھے۔آپ نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے پاس ان کی خلافت کے ایام اس کے لیے سفارش کی تھی؛ مگر انہوں نے یہ بات نہیں مانی۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس کی جگہ سے چالیس فرسخ تک یمن کے اندر بھگا دیا تھا۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

[جواب] :ہم کہتے ہیں کہ: اگر ایسی معمولی باتوں کا نام اختلاف ہے تو خلیفہ جو حکم بھی صادر کرے گا اور دوسرا کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کا نام اختلاف رکھا جائے گا؛ اس طرح اختلاف ایک غیر محدود چیز ٹھہرے گا۔جس کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔اس سے پہلے آپ کی جانب سے وہ مسائل ذکر کئے گئے ہیں جن میں اختلاف واقع ہوا تھا جیسا کہ: وراثت اور طلاق کے مسائل اور دیگر امور؛ جوکہ صحیح بھی ہیں اور فائدہ مند بھی۔بلاشبہ ان امور میں اختلاف صحیح روایات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے ثابت ہے جسے اہل علم نے نقل کیا ہے۔ اور ایسے مسائل میں بحث و مناظرہ کرنے سے لوگوں کو فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ یہ ایک امر کلّی میں اختلاف ہے جو اس لائق ہے کہ اس میں مناظرہ کیا جائے۔

❀ جب کہ یہ امور ایسے ہیں کہ ان کی زیادہ سے زیادہ حقیقت ان کے جزئی امور ہونے پر ختم ہوتی ہے۔ انہیں ایسے اختلافی امور قرار نہیں دیا جا سکتا جن میں لوگ مناظرے کرتے پھریں۔

❀ اس کے باوجود مصنف نے جو کچھ بیان کیا ہے' اس میں بہت زیادہ جھوٹ ہے۔ ان ہی میں سے ایک معاملہ حکم بن امیہ کا بھی ہے۔ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے بھگا دیا تھا۔ اور لوگ اسے راندہء رسول کہا کرتے تھے۔ اور آپ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ان کی خلافت کے ایام اس کے لیے سفارش کی تھی؛ مگر انہوں نے یہ بات نہیں مانی۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس کی جگہ سے چالیس فرسخ تک یمن کے اندر بھگا دیا تھا۔

ہم پوچھتے ہیں: یہ واقعہ کس نے نقل کیا ہے؟ اس کی سند کہاں ہے؟ اور حکم کب یمن گیا؟ اور آپ کے دعوی کے مطابق جب نبی کریم ﷺ نے اسے طائف میں چھوڑ دیا تھا تو پھر کس سبب کی بنیاد پر اسے یمن کی طرف بھگایا گیا ؟ حالانکہ طائف مکہ اور مدینہ سے زیادہ قریب تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اسے مکہ و مدینہ کے قریب برقرار رکھا تھا تو پھر کیونکر اسے یمن بھگایا گیا؟

❀ بہت سارے اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ حکم کی جلاوطنی کا قصہ باطل ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے طائف کی طرف جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود طائف چلا گیا تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ: اسے نکالا گیا تھا۔ مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اس واقعہ کی کوئی صحیح سند اور کیفیت ذکر نہیں کی۔

❀ پس اس تقدیر کی بنا پر شریعت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے جلاوطنی واجب ہوتی ہو وہ دائمی جلاوطنی کی مستحق ہو۔ بلکہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس کا کرنے والا جلاوطنی کا مستحق ہو؛ مگر اس کے بعد اس کے لیے وطن واپس ہونا ہوتا ہے۔ پس جلاوطنی یا تو مؤقت ہوتی ہے؛ جیسے کنوارے زانی کو جمہور علماء کے نزدیک [کوڑے لگانے کے ساتھ ساتھ] ایک سال کے لیے جلاوطن کیا جائے۔ یہ بھی سال گزرنے کے بعد واپس آ جائے گا۔ اور پھر مطلق جلاوطنی ہوتی ہے جیسا کہ مخنث کے لیے۔ یہ نفی اس کی توبہ کرنے تک کے لیے ہے۔ ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرابی کو بطور تعزیر جلاوطن کیا تھا۔

❀ پس دریں صورت یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ: حکم کا وہ گناہ جس کی وجہ سے اسے جلاوطن کیا گیا تھا سترہ سال کے طویل عرصہ میں اس نے اس گناہ سے توبہ نہ کی ہوگی۔ اور جب اتنا لمبا عرصہ جلاوطنی گزارنے کے ساتھ ساتھ وہ توبہ بھی کر لے تو اب جائز ہے کہ وہ وطن واپس لوٹ آئے۔

❀ رسول اللہ ﷺ نے ان تین افراد کے ساتھ پچاس رات تک کے لیے قطع تعلقی کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور مسلمانوں نے ان سے بات چیت شروع کی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❀ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبیغ بن عسل تمیمی کو اس وقت جلا وطن کر دیا تھا جب یہ ظاہر ہوا کہ وہ متشابہات کی تاویل کے پیچھے پڑ کر فتنہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی پٹائی بھی لگائی۔ اور اس کے توبہ کرنے کے بعد بھی مسلمانوں کو ایک سال تک کے لیے اس کے ساتھ قطع تعلقی کرنے کا حکم دیا۔ جب اس نے توبہ کر لی تو مسلمانوں کو اس کے ساتھ بات چیت کرنے کا حکم دیا۔ [1]

❀ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور دوسرے علماء کا یہی مسلک ہے کہ بدعت کی طرف دعوت دینے والا اگر توبہ بھی کر لے تو اسے ایک سال تک کے لیے جلاوطن کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبیغ کے ساتھ کیا تھا۔ اور یہی حکم فاسق کا بھی ہے جب وہ توبہ کر لے۔ یہاں پر توبہ کے ساتھ اعمال کی اصلاح کا اعتبار بھی ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں؛ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت میں منقول ہے۔

❀ پھر اگر یہ بات مان لی جائے کہ وہ دائمی جلاوطنی کا مستحق تھا؛ تو پھر بھی اس میں غایت درجہ کی یہی بات کہہ سکتے ہیں کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اجتہادی فیصلہ تھا؛ آپ نے اسے واپس بلانے میں اجتہاد سے کام لیا۔ اور مجتہد مغفور و ماجور ہوتا ہے۔ اور اگر اسے گناہ بھی کہیں تو بہت سارے ایسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے آپ کی مغفرت واجب ہوتی ہے۔

[حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی مدینہ بدری]:

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ربذہ کی طرف نکال دیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی مروان بن حکم کے نکاح میں دے دی تھی۔ آپ نے مروان کو افریقہ کے مال غنیمت کا خُمس (۱/۵) دیا جس کی مالیت دو لاکھ دینار تھی۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

[جواب]: ہم کہتے ہیں کہ: ابوذر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے متعلق جواب پہلے گزر چکا۔ جب کہ مروان بن حکم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی شادی کے واقعہ کا اختلاف سے کیا تعلق؟ نیز اس کی دلیل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے افریقہ کے مال غنیمت سے (۱/۵) پانچواں حصہ مال دیا تھا؟ جس کی مالیت دو لاکھ دینار بنتی تھی۔ اور یہ واقعہ کس نے نقل کیا ہے؟ اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ آپ نے مروان کو دس لاکھ دینار دیئے تھے۔ جب کہ یہ بات مشہور و معروف ہے کہ افریقہ کے مال غنیمت کا خمس اس مقدار کو نہیں پہنچتا تھا۔

---

[1] أورد ابن الجوزِي فِی کتابِہ '' تارِیخِ عمر بنِ الخطابِ'' ص 11-8؛ خبر صبیغ بنِ عسل مفصلا، وذکر خبرہ مع عمر رضِی اللہ عنہ بِروایات کثِیرۃ أسندھا إلی عدد مِن الصحابۃِ والتابِعِین، کما أوردہ ابن عساکِر فِی تارِیخِہ 6/385؛ نقلا عن کتابِ '' أخبارِ عمر '' لِلأستاذینِ علِی وناجِی طنطاوِی ص 224؛، وجاء الخبر فِی سننِ الدارِمِی 1/54؛ المقدِمۃِ، بابِ من ھاب الفتیا وکرِہ التنطع والتبدع، وذکرہ السیوطِی فِی صونِ المنطِقِ 1/50؛ والآجری فِی کتابِہِ الشرِیعۃِ ص 74؛ وانظر درء تعارضِ العقلِ والنقلِ 7/172، الاستِقامۃ 1/258۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

* ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنو امیہ سے محبت کرتے تھے اور ان سے موالات رکھتے اور انہیں بہت زیادہ مال دیا کرتے تھے۔ جو کچھ آپ نے اجتہاد مسائل میں کیا ہے وہ مسائل جن میں ان علما کرام نے کلام کیا ہے جن کی دنیا سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اور ہم اس بات کا بھی انکار نہیں کرتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اقارب کو مناصب تفویض کیے تھے۔ آپ نے جنگیں لڑیں اور ان مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد قتل کی جو کہ نمازیں قائم کرتے زکا وادا کرتے روزے رکھتے اور نمازیں پڑھتے تھے۔ لیکن ان میں سے کچھ ایسے تھے جن سے آپ کی جنگوں کو نص اور اجماع کی تائید حاصل تھی۔ اور کچھ ایسے تھے جن سے جنگیں ان اجتہادی مسائل میں سے تھیں جن میں ایسے علمانے کلام کیا ہے جن کی امور دنیا سے کوئی غرض نہیں تھی۔
* خون کا معاملہ مال کی نسبت بہت ہی خطرناک معاملہ ہوتا ہے۔ اور وہ شر جو امت کے لوگوں کے خون میں پیدا ہوا وہ اس شر کی نسبت بہت ہی زیادہ اور خطرناک تھا جو لوگوں کو اموال دینے کی وجہ سے پیدا ہوا۔
* جب ہم حضرت علی سے دوستی رکھتے ہیں اور آپ سے محبت کرتے ہیں اور آپ کے جو فضائل کتاب وسنت میں وارد ہوئے ہیں انہیں بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ جو کچھ آپ کی خلافت میں پیش آیا ظاہری نظر میں وہ ان اعمال کی نسبت ملامت کے زیادہ قریب ہیں جو حضرت عثمان کے دور میں پیش آئے۔ اور حضرت عثمان کے دور میں اتنے اعمال خیر ہوئے جو کہ آپ کے دور میں نہ ہوسکے۔ تو ان کی وجہ سے ہم حضرت عثمان سے محبت اور دوستی رکھیں اور کتاب وسنت میں وارد آپ کے فضائل بیان کرتے اور ذکر خیر کرتے رہیں تو یہ زیادہ اولی ہے۔

اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عثمان نے اموال میں جو کچھ کیا اس کے تین ماخذ ہیں:

اوّل:...... آپ ان اموال پر عامل تھے۔ اور عامل کو غنی ہونے کے باوجود تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے۔

دوم:...... آیت میں وارد قریبی رشتہ داروں سے مراد حاکم وقت کے قریبی رشتہ دار ہیں۔

سوم:...... آپ کا قبیلہ بہت بڑا قبیلہ تھا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے قبیلہ کی طرح نہیں تھا۔ آپ کو حضرت ابوبکر وحضرت عمر کی نسبت بہت زیادہ ضرورت تھی کہ انہیں مال بھی دیا جائے اور مناصب بھی تفویض کیے جائیں۔ یہ بات حضرت عثمان کی طرف سے بطور دلیل کے نقل کی گئی ہے۔

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہم رسول اللہ کے بعد کسی کے لیے بھی گناہوں سے معصوم ہونے کا دعوی نہیں کرتے چہ جائے کہ اس سے اجتہاد میں خطا نہ ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالی فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ o لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ o لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الزمر: 33، 35]

"اور وہ شخص جو سچ لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ بچنے والے ہیں۔ ان کے لیے ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رب کے پاس وہ کچھ ہے جو وہ چاہیں گے، یہی نیکی کرنے والوں کی جزا ہے۔تا کہ اللہ ان سے وہ بدترین عمل دور کردے جو انھوں نے کیے اور انھیں ان کا اجر ان بہترین اعمال کے مطابق دے جو وہ کیا کرتے تھے۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ﴾ [الاحقاف: 16]

''یہی تو ہیں کہ ہم ان سے اچھے عمل قبول کرتے ہیں جو انھوں نے کیے اور ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں، جنت والوں میں، سچے وعدے کے مطابق جو ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔''

[عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کا واقعہ]:

[اعتراض]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو مباح الدم قرار دیا تھا مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو پناہ دی تھی۔اور پھر اسے مصر کا والی مقرر کر دیا۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

[جواب]: ہم کہتے ہیں: اگر رافضی مصنف کی مراد یہ ہے کہ ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ اس وقت تک مباح الدم ہی تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں مصر کا والی مقرر کر دیا؛ جیسا کہ اس کے کلام سے ظاہری طور پر سمجھا جا رہا ہے۔تو ایسی بات وہی انسان کہہ سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور احوال سے بہت بڑا جاہل ہو۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی ایک جماعت کیساتھ اسے مباح الدم قرار دیا۔مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اور کچھ مراجعت واصرار کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیعت کر دیا۔اور اس کا خون محفوظ ہو گیا۔ اور اس کا شمار معصوم الدم مسلمانوں میں ہونے لگا؛ اس کے بھی وہی حقوق تھے جو باقی مسلمانوں کے تھے اور اس پر بھی وہی واجبات تھے جو باقی لوگوں پر تھے۔

شروع میں یہ سب سے لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھتا تھا۔ پھر اس نے اسلام قبول کیا تو اچھا مسلمان ثابت ہوا۔اور اس کا خون بھی اسی طرح مباح قرار دیا گیا تھا جیسے دوسرے کچھ لوگوں کا خون ان کے سخت کفر یا سخت ارتداد کی وجہ سے مباح قرار دیا تھا؛ جیسا کہ مقیس بن صبابہ کا خون۔

❀ اصل واقعہ یہ ہے کہ ابن ابی سرح ہجرت واسلام سے مشرف ہو کر مدینہ میں کتابت وحی پر مامور تھا۔ پھر مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف افتراء پردازی کرنے لگا۔جب مکہ فتح ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے بارگاہ نبوی میں پیش کیا تو آپ نے منہ پھیر لیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:''اے اللہ کے رسول! عبداللہ کو بیعت فرمائیے۔مگر آپ نے جواب نہ دیا۔ اور دو دفعہ یا تین دفعہ اعراض فرمایا؛ پھر بیعت کر لیا اور فرمایا:''تم میں کوئی دانش مند آدمی نہیں تھا جو مجھے دیکھتا اور جب میں نے اعراض کیا تھا اس وقت اس کا کام تمام کر دیتا۔'' ایک انصاری نے عرض کیا:''آپ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مجھے اشارہ کر دیا ہوتا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''نبی کے لیے موزوں نہیں کہ اس کی آنکھ خیانت کار ہو۔''❶

اس کے بعد عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ خلوص دل سے اسلام لایا اور بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ اور اس سے کوئی برا کام منقول نہیں۔ یہ اپنی رعیت میں بھی قابل تعریف انسان تھا۔ غزوات میں بڑا مجاہد اور جانباز سپاہی تھا۔ جب کہ مکہ کے بعض دوسرے طلقاء اس سے بھی بڑے دشمن تھے۔ مثلاً صفوان بن امیہ؛ عکرمہ بن ابی جہل؛ سہیل بن عمرو؛ اور ابوسفیان بن حرب وغیرہ اور دوسرے لوگ۔ مگر یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ﴾ (الممتحنة: ۷)

''عین ممکن ہے کہ جن کے ساتھ تمہاری عداوت ہے، اللہ تعالیٰ ان کے اور تمہارے درمیان دوستی پیدا کر دے وہ اس بات پر بخوبی قدرت رکھتا ہے۔''

❀ پس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اور نبی کریم ﷺ کے مابین وہ محبت پیدا کر دی جس نے اس دشمنی کو ختم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے احوال بدلنے پر قادر ہے۔ اور وہ بہت ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اللہ نے ان لوگوں کی سابقہ برائیوں کو ان کی نئی نیکیوں کی وجہ سے معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کی توبہ قبول کرنے والا' اور ان کے گناہ معاف کرنے والا ہے۔ وہ تمہارے ہر کام کو جانتا ہے۔

[حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمال پر اعتراض]:

❀ شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''آپ کے لشکر میں معاویہ بن ابوسفیان بلاد شام کا گورنر تھا۔ کوفہ کا گورنر سعید بن العاص تھا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عامر کو متعین کیا گیا۔ اور ولید بن عقبہ بصرہ کا گورنر تھا۔'' [آہ رافضی]

❀ **جواب**: جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی یزید بن ابی سفیان کا انتقال شام میں ہو گیا تو اس کی جگہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کو شام کا والی بنا دیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو اس ولایت پر باقی رکھا بلکہ شام کا سارا علاقہ آپ کے زیر نگین کر دیا۔ اہل شام میں آپ کی سیرت بہترین سیرت کے طور پر مشہور و معروف تھی۔ اور آپ کی رعیت آپ سے سب سے بڑھ کر محبت کرنے والی تھی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور جو تمہیں چاہتے ہوں تم ان کے حق میں دعا کرتے ہو۔'' [سبق تخریجہ]

---

❶ سنن أبي داود عن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه مرتين: 3/79؛كتاب الجهاد، باب قتل الأسير ولا يعرض عليه الإسلام 4/183؛(حديث:٢٦٨٢)۔كتاب الحدود، باب الحكم فيمن ارتد، والحديث في سنن النسائي 7/97 ؛(حديث:٤٠٧٢)كتاب تحريم الدم، باب الحكم في المرتد، وذكر السيوطي الحديث في الجامع الصغير، وقال:إنه في سنن أبي داود والنسائي والمستدرك للحاكم، وصححه الألباني في صحيح الجامع الصغير 2/307۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہی عالم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ رعیت ان سے محبت کرتی تھی اور ان کے لیے دعا گو رہتی تھی۔ اور آپ رعیت سے محبت کرتے اور ان کے لیے دعا گو رہتے تھے۔

❀ جہاں تک حضرت سعید بن العاص کی ولایت کا تعلق ہے؛ تو اہل کوفہ ہمیشہ اپنے عمال کی شکایت کرتے رہتے تھے۔ اس سے پہلے ان پر سعد بن ابی وقاص؛ ابوموسی اشعری' عمار بن یاسر؛ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو والی مقرر کیا گیا تھا ؛ مگر یہ لوگ پھر بھی شکایت ہی کرتے رہتے تھے۔ حالانکہ ان جلیل القدر صحابہ کرام کے اخلاق و عادات اور مشہور ومعروف تھے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کی شکایتیں بڑھ گئی تھیں۔ اور یہ بھی سبھی کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اقارب کو ولایت کے مناصب تفویض کیے تھے جس کی وجہ سے لوگوں کو بھی باتیں کرنے کا موقع مل گیا اور بعض دوسری برائیاں بھی سامنے آئیں۔

[حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اختلاف]:

[اشکال]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''نوواں اختلاف: وہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق اور آپ کی بیعت کرنے کے بعد پیدا ہوا۔ پہلے طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ کی طرف خروج کیا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لیکر بصرہ گئے؛ اور وہاں پر جنگ لڑی۔ یہ جنگ جمل کے نام سے معروف ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف رونما ہوا۔ جس کا نتیجہ جنگ صفین کی صورت میں برآمد ہوا۔ پھر ابوموسیٰ کے خلاف عمرو بن عاص کی وعدہ خلافی قابل ذکر ہے۔ پھر مارقہ کا ظہور ہوا۔ جو کہ دین اسلام سے نکلے ہوئے تھے؛ اور ان کے خلاف نہروان کا واقعہ پیش آیا۔

خلاصہ کلام! حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے؛ اور حق آپ کے ساتھ تھا۔ اور خوارج نے آپ کے خلاف خروج کیا تھا۔ مثلاً اشعث بن قیس ومسعر بن فدکی وزید بن حصن الطائی وغیرہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عبداللہ بن سبا[1] جیسے غالی پیدا ہوئے اور ان دونوں فرقوں سے بدعت وضلالت نے پَر پُرزے نکالے۔ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صادق آتی ہے:

((محبٍ غال و مبغض قال۔))

''محبت کی وجہ سے غلو کرنے والا اور بُغض کی وجہ سے کوتاہی کرنے والا۔''

[یہ دونوں ہلاک ہونے والی اقوام ہیں۔]

❀ پس چاہیے کہ اس انسان کے کلام کو انصاف کی نظر سے دیکھا جائے کیا یہ شخص اپنے مشائخ کے موجب فتنہ سے نکل سکا ہے یا پھر ان سے بھی آگے بڑھ گیا ہے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: ہم کہتے ہیں کہ: شہرستانی کی اس کتاب میں موجود اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شیعیت کی طرف میلان رکھتا تھا۔ وگرنہ اس نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا ہے' مگر کہیں پر یہ نہیں کہا کہ ان کے مخالفین کے برعکس حق ان کے ساتھ تھا۔ [حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے تینوں خلفاء بھی حق وصداقت کے حامل تھے]۔ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کہہ دیا کہ: ''خلاصہ کلام یہ کہ حق علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور علی حق کے ساتھ تھے۔''

❀ وہ ناقل جسے کسی سے کوئی غرض نہ ہو' اسے چاہیے کہ جملہ امور کو امانت کے ساتھ نقل کرے' اور ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرے۔ مدعی کا صرف یہ دعوی کر لینا کہ: ''حق علی کے ساتھ تھا اور علی حق کے ساتھ تھے'' اور ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کو چھوڑ کر صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حق کو خاص کرنا ایسی بات ہے کہ شیعہ کے علاوہ کوئی بھی مسلمان یہ نہیں کہتا۔

❀ شیعہ مصنف کے دعویٰ کا فساد اور بودا پن اس کے اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اتفاق اور ان کی بیعت منعقد ہونے کے بعد اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔''

❀ حالانکہ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ: مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ حتی کہ بہت سارے اہل مکہ و مدینہ جنہوں نے آپ کو دیکھا ہوا بھی تھا؛ انہوں نے بھی آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ دور کے لوگوں کو تو چھوڑے جیسے کہ: اہل شام نے بالاتفاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ بہت سے اہل مصر اور اہل مغرب؛ اہل عراق و خراسان نے بھی اس میں بیعت شرکت نہیں کی تھی۔ پھر یہ بات اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں نہیں کہی جا سکتی؛ جن کی بیعت پر دو مسلمانوں نے بھی اختلاف نہیں کیا؛ تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں کیسے کہی جا سکتی ہے؟ [1]

حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین کی معذرت اور رجوع کا ذکر کیے بغیر ان پر زبان طعن دراز کرنا بہت بڑی زیادتی ہے۔ اہل علم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ طلحہ و زبیر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے خلاف لڑنا نہیں چاہتا تھا بلکہ یہ لڑائی اچانک بپا ہو گئی تھی۔ ایسے ہی اہل شام کے ساتھ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ نہیں لڑنا چاہتے تھے۔ اور نہ ہی وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنا چاہتے تھے؛ مگر ان کے ارادہ و اختیار کے بغیر یہ فتنہ پیدا ہو گیا۔

❀ جنگ جمل فریقین کے ارادہ و اختیار کے بغیر بپا ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فریقین صلح پر آمادہ ہو گئے تھے اور بالاتفاق یہ طے پایا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام لیا جائے۔ دوسری جانب قاتلین عثمان نے جیسے پہلی بار فتنہ پیدا کیا تھا؛ ایسے ہی دوبارہ فتنہ پردازی پر اتر آئے اور انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کی جماعت پر دھاوا بول دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے رفقاء نے اسے حملہ سمجھ کر مدافعت کی سعی کی۔ ادھر قاتلوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج نے حملہ کر دیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدافعت کی کوشش کی؛ اس اعتبار سے

---

[1] اس شخص نے یہ عقیدہ اختراع کیا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طرح وصی ہیں جس طرح یوشع علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے وصی تھے اس کے بعد دوسرا مخترع شیطان الطاق محمد بن جعفر رافضی تھا جس نے یہ عقیدہ گھڑ لیا تھا کہ امامت کے منصب پر چند مخصوص اشخاص فائز ہوں گے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

فریقین اپنا اپنا دفاع کر رہے تھے؛ ابتداء حملہ کرنے والا کوئی بھی نہ تھا۔

❀ بہت سارے اہل علم اور سیرت نگاروں نے ایسے ہی تحریر کیا ہے۔ اس لیے کہ یہ معاملہ اس طرح پیش آیا کہ اس پر کسی فریق پر کوئی بات اور ملامت نہیں کی جاسکتی۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک فریق سے یا دونوں فریقوں سے کوئی گناہ یا خطاء واقع ہوئی ہو تو کتاب وسنت کی روشنی میں یہ بات معلوم ہے کہ یہ سبھی لوگ بہترین اولیاء اللہ اور اہل تقوی میں سے تھے؛ اور اللہ کی کامیاب جماعت اور نیکوکار بندے تھے۔ اور یہ سبھی اہل جنت تھے۔ [1]

[شہرستانی پر اعتراض]:

❀ رافضی مصنف نے کہا ہے: ''پس چاہیے کہ اس انسان کے کلام کو انصاف کی نظر سے دیکھا جائے کیا یہ شخص اپنے مشائخ کے موجب فتنہ سے نکل سکا ہے یا پھر ان سے بھی آگے بڑھ گیا ہے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

❀ **جواب**: ان سے کہا جائے گا کہ: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں فتنہ وفساد شیعہ کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اور یہ قوم ہر فتنہ وفساد اور شر کی اصل جڑ ہیں۔ بلکہ یہ لوگ فتنہ کی چکی کے پاٹ ہیں۔ اسلام میں سب سے پہلا فتنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے؛ آپ نے فرمایا:

''تین چیزیں ایسی ہیں جوان کے شر سے بچ گیا؛ وہ نجات پا گیا۔ میری موت؛ صابر خلیفہ کا ناحق قتل کیا جانا اور دجال کا خروج۔'' [المسند ٤/ ١٠٥]

❀ جو انسان بھی دنیا بھر کے تمام فرقوں کے احوال کا مطالعہ کرے گا؛ تو اسے پتہ چلے گا کہ: رشد و ہدایت پر اتفاق میں' اور فتنہ' تفرقہ بازی اور اختلاف سے دور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی اور گروہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ یہ جماعت دنیا کے تمام لوگوں میں سے بہترین جماعت تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾

''تم بہترین امت ہو جنہیں لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے' نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے منع کرتے ہو' اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

جیسا کہ باقی امتوں میں ہدایت پر اجتماع اور تفرقہ اور اختلاف سے دوری میں کوئی امت اس امت سے بڑھ کر نہیں۔ اس لیے کہ ان کا حبل اللہ کے ساتھ تعلق مضبوط ہے۔ حبل اللہ وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور وہ

[1] انظر ما ذكره ابن كثير في البداية والنهاية 251 - 7/230؛ وما جاء في العواصم من القواصم، عن وقعة الجمل مع تعليقات الأستاذ محب الدين الخطيب ص 161- 147وانظر أيضا كتاب التاريخ الإسلامي 3؛ الخلفاء الراشدون، للأستاذ محمود شاكر ص 271 - 267-

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیغام ہے جسے محمد رسول اللہ ﷺ لیکر آئے ہیں۔ اور جس کسی کا حبل سے تعلق جتنا قریبی ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ کتاب و سنت کا متبع ہوگا اور وہ ہدایت و اجتماعیت رشد و اصلاح کے زیادہ قریب گمراہی اور افتراق اور فتنہ سے اتنا ہی زیادہ دور ہوگا۔

جب یہ اعتبار امتوں کی حساب سے لیا جائے تو اہل کتاب ان لوگوں کی نسبت زیادہ اہل علم اور متفق ہیں جو کتب سماویہ سے خارج ہیں۔ اور مسلمان یہود و نصاری کی نسبت ان میں سب سے زیادہ اتفاق و ہدایت اور خیر والے ہیں۔ اس لیے کہ ہم سے پہلے کی دونوں کتابوں والے تفرقہ میں پڑ گئے اور انہوں نے رسولوں کی تعلیمات کو بدل دیا اور باطل کو غلبہ دیا اور حق اور اہل حق سے دشمنی مول لی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری اس امت میں سابقہ امتوں کی نظیر پائی جاتی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لتتبِعن سنن من كان قبلكم حذوَ القذةِ بِالقذةِ، حتى لو دخلوا جحر ضب لدخلتموه قالوا: يا رسول الله! اليهود والنصارى؟ قال:" فَمَنِ النَّاسُ؟))

''تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کی پیروی کرو گے؛ ایک ایک بالشت اور ایک ایک گز پر [ذرا سا بھی فرق نہ ہوگا] حتی کہ اگر وہ لوگ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی داخل ہو گے ہم نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ یہود و نصاری مراد ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا پھر اور کون مراد ہو سکتا ہے۔'' [سبق تخریجہ]

اور صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لتأخذن أمتِي مأخذ الأممِ قبلها شِبرا بِشِبر وذِراعا بِذِراع ۔ قالوا: فارِس والروم؟ قال: فمنِ الناس إِلا أُولئِكَ؟))۔

''ضرور تم اپنے سے پہلے کے لوگوں کی پیروی کرو گے باع در باع [دونوں ہاتھوں کی لمبائی] ہاتھ در ہاتھ؛ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اہل فارس اور اہل روم؟ [کی پیروی کریں گے] فرمایا تو اور کس کی؟'' ❶

لیکن ہماری اس امت میں ہمیشہ خیر موجود رہی ہے اور یہ لوگ حق پر قائم رہے ہیں؛ انکے متعلق کسی کی مخالفت یا رسوا کرنے والے کی کوششیں قیامت تک کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باہر سے ان پر کوئی ایسا دشمن مسلط نہیں کیا جو ان کی جڑیں کاٹ کر رکھ دے۔ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا تزال طائِفة مِن أمتِي ظاهِرةً على الحقِ لا يضرهم من خالفهم إِلى يومِ القِيامةِ۔)) [سبق تخريجه]

''میری امت کا ایک گروہ حق پر ہمیشہ قائم رہے گا جو کوئی ان کی مخالفت کرے گا وہ اور قیامت تک ان کو

❶ البخارِي 9/102؛ كتاب الِاعتِصامِ بِالكِتابِ والسنةِ، بابِ قولِ النبِيِ صلى الله عليهِ وسلم :لتتبِعن سنن من كان قبلكم۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کچھ ضرر نہ پہنچا سکے گا''۔

[اختلافِ امت کا وقوع اور نبی کریم ﷺ کی دعا:]

رسول اللہ ﷺ نے اپنے متعلق خبر دی ہے کہ:

((أنّہ سأل ربہ أن لا یسلط علیھم عدوا من غیرھم فأعطاہ ذلك، وسأله أن لا یھلکھم بسنة عامة فأعطاہ ذلك۔ وسأله أن لا یجعل بأسھم بینھم شدیدا فمنعه ذلك۔)) [سبق تخریجه]

''بیشک آپ نے اپنے رب سے سوال کیا: کہ ان پر باہر سے کوئی دشمن مسلط نہ ہو؛ یہ دعا قبول ہوگئی۔ اور یہ سوال کیا کہ: انہیں قحط سالی سے ہلاک نہ کیا جائے۔ یہ بھی قبول ہوئی۔ پھر یہ دعا کی کہ ان کی آپس میں لڑائیاں نہ ہوں؛ تو یہ دعا قبول نہ کی گئی۔''

اپنے علاوہ ان پر کوئی ایسا دشمن بھی مسلط نہ کرے جو ان سب کی جانوں کی ہلاکت کو مباح جائز سمجھے؛ یہ چیز دے دی گئی اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے دعا مانگی کہ وہ انہیں عام قحط سالی میں ہلاک نہ کرے؛ یہ چیز بھی دے دی گئی اور میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ ان کی آپس میں ایک دوسرے سے لڑائی نہ ہو تو مجھے اس سوال سے منع کر دیا گیا۔''

جو لوگ ہم سے پہلے تھے حق ان میں مغلوب ہوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ کوئی گروہ کامیاب غالب اور منصور نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب دشمن کا ان پر غلبہ ہوتا تو ان کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیتا۔ جیسا کہ بنی اسرائیل پر دشمن مسلط کیے گئے؛ اور دو بار بیت المقدس وتباہ و برباد کر دیا گیا۔ اور ان حکومتیں ختم کر دگئیں۔

الحمد للہ کہ ہم لوگوں کی تلوار کو ہمیشہ کامیابی اور فتح نصیب ہوئی ہے۔ اور وہ حق پر قتال کرتے رہے ہیں۔ اور یہ لوگ دین حق اور ہدایت پر قائم رہے ہیں۔ اور وہ دین جسے دیکر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ہمیشہ سے اس طائفہ مہدیہ یعنی روافض سے دور رہے ہیں اور دور رہیں گے۔ اس لیے کہ یہ اہل قبلہ طرف منسوب گروہوں اور لوگوں میں سب سے بڑے ظالم اور جاہل ہیں۔

اس امت کے بہترین لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔ ان سے بڑھ کر دین حق اور ہدایت پر کسی امت کا اجتماع نہیں ہوا اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کوئی تفرقہ اور اختلاف سے دور تھا۔ ان کے بارے میں نقص اور کوتاہی کی جتنی باتیں نقل کی جاتی ہیں اگر انہیں دوسری امتوں کے احوال پر قیاس کیا جائے تو ان کے مابین جو کچھ ہوا وہ دوسرے لوگوں کا عشر عشیر بھی نہیں اور اگر اس امت کی خیر و بھلائی کو دوسری امتوں کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو ان کی خیر کثیر کی نسبت جو کچھ ان کے پاس ہے وہ بہت ہی کم ہے۔ اس میں وہ لوگ جان بوجھ کر یا سہواً غلطی کا شکار ہوتے ہیں جو سفید قمیض میں صرف کالے داغ پر نظر رکھتے ہیں؛ اور وہ کالے کرتے میں موجود سفیدی کو مد نظر نہیں رکھتے۔ یہ بہت بڑی جہالت اور ظلم ہے۔ ان

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

حضرات کا وزن ان کے ہمنواؤں سے کیا جائے گا تاکہ افضلیت اور برتری ظاہر ہو۔

جو کچھ لوگ آج کل اپنے دلوں میں ایسے تصورات لائے بیٹھے ہیں؛ جن کا مصداق کائنات میں تخلیق ہی نہیں ہوا۔تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور یہ جو کچھ امام معصوم کا نظریہ پیش کیا جارہا ہے؛ اور کچھ کہتے ہیں کہ وہ بعینہ معصوم نہیں ہے؛ بلکہ معصوم کی طرح ہے۔اگرچہ اسے معصوم نہ بھی کہا جائے۔اورایسی ہی باتیں عالم؛ شیخ؛ امیر اور بادشاہ اوراس طرح کے دیگر لوگوں متعلق بھی کہی جاتی ہیں۔اوراس کی ثرت دینداری؛ اس کے علم؛ کثرت محاسن؛ اوراس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے جو خیر کے کام لیے ہیں؛ اس کے بارے میں کہا جانے لگتا ہے کہ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی؛ اور نہ ہی وہ کسی مسئلہ میں غلطی کرسکتا ہے؛ اوراسے حد بشریت سے نکال باہر کیا جاتا ہے۔اس پر وہ غصہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ان میں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کے بارے میں ایسی باتیں کہی جاتی ہیں جو کہ انبیاء کے بارے میں بھی نہیں کہی جاسکتیں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور محمد علیہما السلام کو یہ حکم دیا کہ آپ فرمادیں:

﴿وَ لَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ﴾ [هود: 31]

''میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں؛ نہ ہی میں غیب جانتا ہوں نہ میں فرشتہ ہوں۔''

مگر جاہل لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جو کچھ اس سے پوچھا جارہا ہے؛ اسے اس کے بارے میں علم ہونا چاہیے۔اور جو کچھ اس سے مانگا جاتا ہے اسے اس پر قدرت ہونی چاہیے۔اور اسے ملائکہ کی طرح بشری حاجات سے مستغنی ہونا چاہیے۔

ولاۃ الامور کی طرف سے اس قسم کی اقتراح بالکل ویسے ہی ہے جیسے خوارج عموم امت کے متعلق عقیدہ ونظریہ رکھتے ہیں۔ کہ کسی ایک کا کوئی گناہ نہیں ہونا چاہیے۔ اور جس کا کوئی گناہ ہو؛ وہ ان کے نزدیک کافر اور دائمی جہنمی ہے۔

یہ تمام باتیں باطل ہیں؛ جو کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اوراس کی شریعت کے خلاف ہیں۔

ولاۃ الامور کے متعلق ان کی یہ اقتراح ایسے ہی ہے جیسا کہ یہ لوگ مرسلین کے متعلق تجویز کیے بیٹھے ہیں۔اور جیسا کہ مرحومین ومغفورین کے لیے ان کا تصور اور اقتراح ہے۔بدعت کفر سے نکلی ہوئی ہے مبتدعین کا کوئی عقیدہ ایسا نہیں ہے جس میں کفر کے شعبوں میں سے ایک شعبہ نہ ہو۔

جیسا کہ سابقہ زمانوں میں صحابہ کرام کے زمانہ سے زیادہ کامل کوئی زمانہ نہیں تھا؛ ایسے ہی بعد میں آنے والے گروہوں میں ان سے بڑھ کر کامل اطاعت واتباع والا کوئی نہیں۔پس جو کوئی بھی حدیث وسنت اور آثار صحابہ کا جتنا زیادہ اتباع کار ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ کامل ہوگا۔اور وہ گروہ اجتماع و ہدایت اور تمسک بحبل اللہ کا زیادہ حق دار ہوگا؛ اور وہ تفرقہ بازی اور اختلاف وفتنہ سے اتنا ہی زیادہ دور ہوگا۔اور جو کوئی بھی ان [مذکورہ بالا] چیزوں سے جتنا دور ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھی اتنا ہی زیادہ دور ہوگا اور اتنا ہی زیادہ فتنہ میں داخل ہوگا۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

[عداوتِ صحابہ اور راہِ حق]

پس گمراہ فرقوں میں پوری امت میں سے کوئی بھی گروہ ان روافض سے بڑا گمراہ نہیں ہے۔ جیسا کہ رشد و ہدایت یافتہ ساری امت کے مختلف گروہوں میں سے کوئی بھی گروہ اہل حدیث [محدثین] خالص سنت کے پیروکاروں سے بڑھ کر نہیں۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جو صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے نصرت کرتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کے خواص میں سے ہیں۔ اور آپ ﷺ ان کے امام مطلق ہیں۔ انہیں ان کے علاوہ کسی دوسرے کی بات پر غصہ نہیں آتا۔ اس لیے کہ ان کا مقصد اللہ اور اس کے رسول کی نصرت ہے۔

جب صحابہ کرام اور پھر محدثین کرام [اہل الحدیث] خالص سنت کے حاملین دین حق و ہدایت کے زیادہ حق دار تھے؛ اور تمام گروہوں سے زیادہ گمراہی اور کجی سے دور تھے تو رافضہ کا معاملہ ہمیشہ اس کے برعکس رہا ہے۔

یہ بات پہلے واضح ہو چکی ہے کہ اس انسان نے یہ جو کلام ذکر کیا ہے؛ اس میں اتنی زیادہ باطل باتیں ہیں جو کسی بھی عاقل پر مخفی نہیں ہیں۔ اور ان سے کسی جاہل کے علاوہ کوئی دوسرا انسان استدلال نہیں کرسکتا۔

اس انسان کا شیعہ کے ساتھ تعلق اور روابط تھے۔ اور اس نے اپنی ہوائے نفس سے اس میں وہ کچھ داخل کیا ہے جس کا ذکر اس نے اپنی اس کتاب میں بھی کیا ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ یہ انسان نقلی علوم اور حدیث کا عالم نہیں تھا؛ بلکہ اس کا شمار ان ناقلین تاریخ میں ہوتا ہے جن پر اہل بصیرت لوگ اعتماد نہیں کرتے۔

جس کسی کا صحابہ کرام اور ان کے احوال کے متعلق ایسا ہی علم ہو جیسا کہ اس کتاب میں لکھا گیا ہے تو یاد رہے کہ ایسے انسان کا شمار ذی العقول اور دانشمندوں میں نہیں ہوتا؛ [کجا کہ وہ اہل علم میں شمار ہو]۔ اور جو کوئی علوم نقلیہ کی ان کتابوں کو چھوڑ دے جن کی صحت پر ماہرین منقولات کا اتفاق ہے؛ اور پھر وہ بعض چیزوں کے کتب حدیث میں تواتر کے ساتھ منقول ہونے کا دعوی کرے؛ جیسا کہ بعض صحاح؛ سنن؛ مسانید؛ اور معجمات اور اسماء و فضائل کی کتابوں یا اخبار صحابہ کی کتابوں اور دیگر کتب کے متعلق دعوی کیا گیا ہے؛ جیسا کہ کتب سیرت و مغازی؛ اگرچہ ان کا مرتبہ کم ہے؛ اور ایسے ہی کتب تفسیر و فقہ۔ اور ان کے علاوہ دیگر کتب؛ جن میں اگر کوئی گہری علمی نظر سے دیکھے تو اسے تواتر یقینی کے ساتھ اس کی نقل کردہ روایات کے برعکس علم حاصل ہو۔ اور اس کو یہ پکا علم حاصل ہو جائے کہ صحابہ کرام ہی ائمہ رشد و ہدایت اور چراغ نور تھے اور یہ کہ ہر آزمائش اور فتنہ کی اصل جڑ شیعہ اور ان کے ہم مسلک و ہم مشرب لوگ ہیں۔ اور اسلام پر اکثر تلوار ان لوگوں کی طرف سے ہی چلی ہے۔ اور اسے یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ ان کا اصل خمیر منافقین سے اٹھا ہے۔ جنہوں نے جھوٹے قصے گھڑ لیے تھے۔ اور فاسد آرا و افکار پر مشتمل بدعات ایجاد کر لی تھیں تاکہ وہ اسلام کو تباہ کرسکیں۔ کج فہم اور کم عقل لوگوں کو اپنی ان باتوں سے گمراہ کرسکیں۔ ان لوگوں کی سعی ناکارہ کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل ہوئے۔ یہ پہلا فتنہ تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ ڈال دیا گیا۔ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ یا اہل بیت کی محبت کا عنصر نہیں تھا؛ بلکہ مقصد یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے مابین فتنہ کا بازار گرم رکھ سکیں۔ پھر ان لوگوں نے ہی آپ کا ساتھ دیا؛ جن میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے بعض نے بعد میں آپ کو کافر کہا؛ اور بعض نے آپ سے جنگیں لڑیں۔ جیسا کہ خوارج نے کیا تھا۔ان کی تلوار سب سے پہلی تلوار تھی جو کہ مسلمانوں کی جماعت پر چلائی گئی۔

ان [حامیان علی رضی اللہ عنہ] میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر طعنہ زنی کرتے تھے؛ جیسا کہ روافض کا شیوہ ہے۔زنادقہ ہمیشہ ان ہی کی آڑ لیتے رہے؛ جیسا کہ غالیہ اور نصیریہ اور ان کے علاوہ قرامطہ؛ باطنیہ اور اسماعیلیہ کے علاوہ دیگر فرقوں کا طریقہ کار رہا ہے۔ یہ لوگ ہر فتنہ کی جڑ رہے ہیں۔ جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر خیر و بنیاد کی اصل اور بنیاد رہے ہیں۔ وہ اسلام میں ہدایت و رحمت کا سبب تھے۔

[شیعہ کی کفار اور مرتدین سے موالات]

یہ وجہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ شیعہ ہمیشہ اعدائے اسلام مرتدین کی مدد و نصرت میں پیش پیش رہے ہیں۔ جیسا کہ اتباع مسیلمہ کذاب بنوحنیفہ؛ شیعہ آج تک انہیں مظلوم شمار کرتے چلے آئے ہیں۔ جیسا کہ اس کتاب کے مصنف [ابن مطہر] نے بھی ذکر کیا ہے۔ اور یہ لوگ آج تک ابولؤلؤ کافر مجوسی کی مدد پر کمربستہ رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو یہ دعا کرتے رہتے ہیں: یا اللہ! ابولؤلؤ سے راضی ہو جا؛ اور میرا حشر اس کے ساتھ کرنا۔ اور ان میں سے بعض لوگوں سے ان کی طرف سے مسلط کردہ لڑائیوں کے دوران یہ نعرے لگاتے بھی سنا گیا ہے: ابولؤلؤ کا انتقام۔

جیسا کہ اس تصویر میں بھی کرتے نظر آتے ہیں جس میں انہوں نے اپنے تئیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خیالی تصویر بنا کر اسے مشکیزے میں بند کر رکھا ہے۔اس کے علاوہ بھی اس طرح کے کئی واقعات و احوال ہیں۔

ابولؤلؤ کے کافر ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ وہ مجوسی اور آگ کا پجاری تھا۔اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔اور چکیاں بنایا کرتا تھا۔حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اس پر روزانہ کا چار درہم خراج مقرر کر رکھا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ مسلمان اہل ذمہ کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ دیکھا کرتا تھا کہ ان کے قیدی مدینہ طیبہ لائے جاتے تھے۔ یہ بات اس کے دل میں باقی رہ گئی تھی۔

یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی تھی کہ ان کے آقا سے اس خراج کے بارے میں بات کی جائے۔مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ توقف کیا۔آپ کی نیت میں تھا کہ آپ اس سے بات کریں گے۔ پس اس آدمی نے اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ بغض کی وجہ سے مجوس اور مجوسیت کی محبت میں کفار کا انتقام لینے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے شہر فتح کئے۔ان کے سردار قتل کئے اور ان کے اموال لوگوں میں تقسیم کئے۔

بالکل ویسے ہی جیسے رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق خبر دی تھی۔ صحیح حدیث میں ہے؛ فرمایا:

''جب کسریٰ ہلاک ہوگیا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور جب قیصر بھی ہلاک ہوجائے گا اور اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بلا شبہ تم لوگ قیصر و کسریٰ کے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

خزانے اللہ کے راستہ میں تقسیم کروگے۔'' [1]

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے کسری کے خزانے تقسیم کئے۔ یہ حدیث آپ کی خلافت کے درست ہونے کی دلیل ہے۔ اور آپ نے ان دونوں ملکوں کے خزانے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تقسیم کئے جو کہ عین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت گزاری تھی اور تقرب الی اللہ کا کام تھا۔ آپ نے یہ مال خواہشات نفس کے مباح کاموں میں بھی خرچ نہیں کیا؛ کجا کہ آپ اسے حرام کاموں میں خرچ کرتے۔ تو پھر کیا ان تمام باتوں کی موجودگی میں کوئی انسان ابولؤلؤ کی نصرت کا نعرہ لگا سکتا ہے سوائے اس انسان کے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے بڑا کفر کرنے والا اور اسلام سے بہت سخت بغض رکھنے والا ہو۔ اور اس کی جہالت کی کوئی انتہا ہی نہ ہو اور اسے ابولؤلؤ کے احوال کے متعلق کچھ علم ہی نہ ہو۔

سابقہ دور کی سنی سنائی اور منقول باتیں تو چھوڑیں ۔ ہر عاقل انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے زمانہ کے حوادثات اور واقعات پر غور کرے۔ اسلام میں جتنا بھی شر فتنہ اور فساد پایا جاتا ہے؛ اس کا اصل کردار یا پھر بہت بڑا حصہ روافض کی مہربانیوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور آپ یہ بھی بچشم خود ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ لوگوں میں سب سے بڑے فساد اور فتنہ پرور شریر لوگ روافض ہیں ۔ اور ان سے جس قدر امت میں فتنہ و فساد اور شر پیدا کرنا ممکن ہوسکتا ہے؛ اس میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔

ہم نے ان امور کا اپنی آنکھوں سے بھی مشاہدہ کیا ہے؛ اور ہمارے زمانہ کے لوگوں سے ہمیں تواتر عام کی خبریں بھی ملی ہیں کہ جب کافر تاتاری ترک بادشاہ چنگیز خان کا ظہور ہوا؛ اور ان کی وجہ سے اسلام میں اتنا بڑا فتنہ و فساد پیدا ہو [تو اس وقت کا روافض کا کردار کسی سے بھی مخفی نہیں ہے]۔

کس عاقل کو اس میں ذرا بھر بھی شک نہیں کہ اس موقع پر ان مشرکین کفار کو غلبہ حاصل ہوا تھا جو نہ ہی شہادتین کا اقرار کرتے تھے نہ ہی اس کے علاوہ اسلام کے باقی ارکان کو مانتے تھے؛ نہ ہی رمضان کے روزے رکھتے اور نہ ہی بیت اللہ کا حج کرتے؛ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کے رسولوں اور کتابوں پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے۔

یہ بھی جان لیجیے کہ ان میں سے بعض کا دین شرک تھا جو ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے؛ اور ان میں جادوگر اور کاہن بھی تھے اور بعض جنات کے عامل تھے۔ اور ان میں اس قدر شرک اور فحاشی پائی جاتی تھی جس کی وجہ وہ ان کاہنوں

[1] صحیح بخاری:ج2:ح295۔؛ 8/129 ؛کتاب الإیمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، مسلم 4/2236 ؛ کتاب الفتن وإشراط الساعۃ، باب: لا تقوم الساعۃ حتی یمر الرجل بقبر الرجل ، المسند۔الأرقام 7184، 7266، 7472، 7664؛ 5/92؛ والحدیث فی مواضع أخری فی البخاری وفی سنن الترمذی 3/337 ؛ کتاب الفتن، باب ما جاء إذا ذھب کسری فلا کسر ی بعدہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے بھی انتہاء بدتر تھے جو کہ اہل عرب میں پائے جاتے تھے۔

کسی عاقل کو اس بات میں شک نہیں ہوسکتا کہ ایسے لوگوں کو بلاد اسلام پر مسلط کرنا؛ اور خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں بنی ہاشم پر؛ جو کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں؛ ان کو قتل کرنا؛ ان کا خون بہانا؛ اور ان کی خواتین کو قید بنانا؛ اور ان کی شرمگاہوں کو حلال سمجھنا اور بچوں کو قید بنا کر غلام بنانا؛ اور انہیں اللہ کے دین سے نکال کر کفر کی طرف لے جانا؛ اہل علم اور دین دار لوگوں نمازیوں اور قاریوں کو قتل کرنا؛ اور بت پرست کے اڈوں کی تعظیم کرنا اور انہیں بذخانات کے نام دینا؛ اور گرجا گھروں اور صومعہ کو مسجد پر ترجیح دینا؛ اور مشرکین اہل کتاب نصار اور دوسرے لوگوں کو مسلمانوں پر ترجیح اور فوقیت دینا۔ کہ مشرکین اور اہل کتاب کو تو عظمت اور عزت حاصل ہو؛ اور ان کی بات مان جات ہو؛ اور ان کی حرمت مسلمانوں کی حرمت سے بڑھ کر ہو۔ اور ان کے علاوہ دیگر اس طرح کے امور۔ کسی عاقل کو اس میں ذرا بھر شک نہیں ہوسکتا کہ یہ امور مسلمانوں کے لیے ان کی باہمی جنگوں سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔ اور بیشک جب رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے ساتھ پیش آنے والے ان واقعات کو دیکھیں گے تو آپ کی ناراضگی اور غصہ اس بات کی نسبت بہت زیادہ ہوگا کہ دو مسلمان اقتدار کے لیے آپس میں لڑ پڑیں؛ اور ان میں سے کوئی ایک کسی دوسرے کو اس کے اہل خانہ میں گالی نہ دے۔ اور نہ ہی کس کافر کو فائدہ پہنچائے؛ اور نہ ہی اسلام کے متواتر شرائع اور ظاہر شعائر میں سے کسی چیز کو باطل کرے۔

پھر اس کے ساتھ ساتھ ان روافض کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ کفار کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرتے ہیں۔ جیسا کہ لوگ اپنی آنکھوں سے ان باتوں کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ جب چھ سو اٹھاون ہجری میں کافر ترک تاتاری بادشاہ ہولاکو خان بغداد میں داخل ہوا؛ تو اس وقت جو روافض مدائن اور شام اور حلب اور دوسرے دار الخلافوں میں موجود تھے؛ جیسا کہ دمشق اور اس کے گرد ونواح کے علاقے؛ تو یہ تمام لوگوں سے بڑھ کر اس کے انصار و مددگار اور اس کی حکومت قائم کرنے میں پیش پیش تھے۔ اور مسلمانوں کی حکومت ختم کرنے کے لیے اس کا ہر حکم مان کر چلتے تھے۔

یہ بات ہر خاص و عام جانتا ہے کہ جب ہولاکو خان عراق میں آیا تو اس نے عراق میں کیا کچھ نہیں کیا۔ خلیفہ کو قتل کیا۔ اور بغداد میں اتنا خون بہایا کہ جس کی صحیح حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اس وقت خلیفہ کا وزیر ابن علقمی شیعہ تھا؛ اور اس کے ہمنوا و مؤیدین روافض تھے۔ جنہوں نے کئی طرح سے ظاہری اور باطنی طور پر ان روافض کی مدد کی۔ اس کی تفصیل بیان کرنا یہاں پر طوالت اختیار کر جائے گا۔

ایسے ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ چنگیز خان کے ساتھ بھی تھے۔ اور مسلمانوں نے انہیں شام کے ساحل علاقوں کے علاوہ دوسرے علاقوں میں دیکھا ہے کہ جب مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین جنگ ہوتی تو یہ لوگ نصاری کا ساتھ دیتے۔ اور جس قدر ان سے ممکن ہوسکتا ان کی مدد کرتے۔ اور ان کو یہ بات سخت ناگوار گزرتی کہ مسلمان ان کے کسی شہر کو فتح کریں۔ جیسا کہ عکا اور دوسرے شہروں کی فتح پر انہوں نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ اور یہ لوگ مسلمانوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقابلہ میں نصاریٰ کے زیر سایہ رہنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ غازان کے حملہ والے سال 599 ہجری میں جب مسلمانوں کا لشکر ٹوٹ پھوٹ اور شکست کا شکار ہوا؛ اور شام مسلمان لشکر سے خالی ہوگیا تو انہوں نے خوب فتنہ گری مچائی؛ اور پورے ملک میں ہر طرح کا دنگا وفساد کیا۔لوگوں کو قتل کیا اور ان کے اموال پر ڈاکہ زنی کی؛ اور صلیبی لشکر کا علم لیکر آگے بڑھتے رہے؛ اور مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کی مدد کرتے رہے۔اموال اچکنے؛ قیدی بنانے اور اسلحہ سے لیس کرنے میں مسلمانوں کے خلاف نصاریٰ کی مدد میں پیش پیش تھے۔قبرس اور دیگر علاقوں کے اہل حرب نے اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے۔

ان چیزوں کا اور ان کے علاوہ دیگر اس طرح کے امور کا معاینہ لوگ اپنی آنکھوں سے کر چکے ہیں۔اور جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا؛ ان تک تواتر کے ساتھ یہ خبریں پہنچ ہیں۔اور اگر میں ان چیزوں کا لکھنا اور بیان کرنا شروع کردوں جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں؛یا میں نے سنے ہیں؛ تو کتاب بہت طوالت اختیار کر جائے گی۔ اور میرے علاوہ دوسرے لوگوں کے پاس ان کے علاوہ دیگر ایسی روایات اور تفاصیل ہیں جن کا مجھے بھی علم نہیں ہے۔ مسلمانوں کے خلاف کفار کی ان کی مدد ونصرت کا معاملہ ایک دیکھا اور جانچا ہوا معاملہ ہے۔کہ یہ لوگ ہمیشہ یہ بات پسند کرتے ہیں کہ اسلام اور اہل اسلام پر کفار اور اہل کفر کا غلبہ ہو۔اگر یہ بات تصور کرلی جائے کہ مسلمان ظالم اور فاسق و فاجر ہیں؛اور ان میں کوئی ایک ایسی کھلم کھلا بدعات پائی جاتی ہیں جو حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو گالی دینے سے بھی بڑھ کر ہیں؛ تو پھر بھی عاقل کو دیکھنا چاہیے کہ دو بھلائیوں میں سے بڑی بھلائی کون سی ہے اور دو خرابیوں میں سے چھوٹی خرابی کون سی ہے۔کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ اہل سنت والجماعت اگرچہ خوارج اور روافض اور ان کے علاوہ کچھ دوسروں کو بدعتی کہتے ہیں؛مگر وہ ان کے خلاف ان کے اس دین کی وجہ سے کافروں کی مدد نہیں کرتے؛ اور نہ ہی کبھی وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اہل کفر اہل بدعت پر غالب آجائیں۔بھلے وہ بدعت اس سے بھی سخت ہو۔

مگر روافض کو جب بھی موقع مل جائے تو وہ کسی کا کچھ بھی لحاظ نہیں کرتے۔ ذرا اتنا تو دیکھیں کہ اسی بادشاہ خدا بندہ-جس کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے- کے ملک میں کیا کچھ نہیں ہوا۔ان میں کیسے شر اور برائی کا غلبہ ہوا۔اگر یہ کچھ عرصہ مزید باقی رہتا اور قوت پا لیتا تو یہ لوگ اکثر شرائع الاسلام کو ختم کردیتے۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں سے پھونکیں مار کر بجھا دیں؛ مگر اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان کا نور مکمل ہوجائے اگرچہ یہ بات کافروں کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔

[اہل ایمان پر صحابہ کی فضیلت:]

جہاں تک خلفاء اور صحابہ کا تعلق ہے؛ تو مسلمانوں میں قیامت تک کے لیے جتنی بھی خیر اور بھلائی پائی جاتی ہے جیسے: ایمان؛ اسلام؛ قرآن اور علم؛ معارف اور عبادات؛ جنت میں داخل ہونا؛جہنم سے نجات؛ کفار پر ان کا غلبہ؛ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلند؛ تو اس کا بنیادی سبب اور اصل وجہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی برکت ہے۔جنہوں نے اس دین کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تبلیغ کی؛ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔

ہر وہ مؤمن جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے؛ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی فضیلت قیامت تک کے لیے ثابت ہے۔ خواہ شیعہ ہوں یا کوئی دوسرے لوگ ان میں جتنی بھی خیر و بھلائی پائی جاتی ہے وہ صحابہ کرام کی برکت سے ہے۔اور صحابہ کرام کی خیر و برکت خلفائے راشدین کی خیر و برکت کے تابع ہے۔ یہ حضرات تمام صحابہ سے بڑھ کر دنیا و آخرت کی بھلائی اور خیر و برکت کو قائم کرنے والے تھے۔تو پھر یہ شر اور برائی کا منبع کیسے ہوسکتے ہیں اور روافض خیر و بھلائی کا منبع کیسے ہوسکتے ہیں؟

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ رافضی صرف ان روافض سے دوستی رکھ سکتا ہے جو صحابہ کرام کا دشمن ہو۔کیا اس کی وجہ اس برائی کے علاوہ کوئی اور ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بصیرت کو اندھا کردیا ہے۔ بیشک ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں لیکن ان کے سینوں میں موجود دل اندھے ہیں۔

اگر کوئی کہنے والا یہ بات کہے کہ: وہ جمہور جو کہ خلفائے ثلاثہ سے محبت اور دوست رکھتے ہیں ان میں بھی اتنا شر اور فتنہ پایا جاتا ہے کہ اس جیسا شر اور فتنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول نہیں ہے۔پس روافض اور صحابہ اور جمہور کے مابین کوئی تقابل نہیں ہوسکتا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: اس کی دو توجیہات ہیں: اول: ہم نے یہ باتیں مقابلہ کے لیے نقل نہیں کیں۔ بلکہ یہ ان لوگوں پر رد ہے جن کا خیال یہ ہے کہ فتنہ کا خروج صرف خلفائے راشدین سے ہوا ہے۔اور وہ کہتے ہیں: ہم معاینہ اور تواتر کی روشنی میں جانتے ہیں کہ جس قدر بڑا فتنہ اور ایسا شر و فساد کہ جس کے مشابہ کوئی دوسرا شر و فساد نہیں ہوسکتا؛ وہ اس گروہ سے نکلا ہے جو ان خلفائے راشدین سے محبت کرتے ہیں۔اور ان کا خیال ہے کہ وہ مؤمن اور اہل جنت ہیں۔اور ہم یہ بات یقینی طور پر جانتے ہیں کہ وہ عظیم خیر و بھلائی جس کے برابر کوئی دوسری خیر و بھلائی نہیں ہوسکتی؛ وہ اصل میں خلفائے راشدین کی وجہ سے ظاہر ہوئی ہے۔ہم یہاں پر صرف یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اس مصنف نے کتنا بڑا جھوٹ بولا ہے۔اور بلاشک اس کی مثال اس کے ان کذاب بھائیوں کی طرح ہے جو غیر انبیاء کو انبیاء پر ترجیح دیتے ہیں؛ جیسا کہ ائمہ بنو عبید؛ ان کے علاوہ دوسرے ملحدین اور مسیلمہ کذاب کے متبعین؛ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل ابولؤلؤ مجوسی اور ان جیسے دوسرے لوگوں کی تعظیم بجا لاتے ہیں؛ جن کی تعظیم اس جھوٹے مصنف کا شیوہ ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ: فتنوں کا اصل منبع حضرت موسیٰ؛ حضرت عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

تو ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ: فتنے تو آپ کے ساتھیوں اور بھائی بندوں کی مہربانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹے کذاب لوگوں کی تعظیم کرتے ہیں جیسا کہ عبیدی ملحدین کی تعظیم؛ مسیلمہ کذاب کی تعظیم؛ اور طوسی ملحد اور اس کے امثال و ہمنواؤں کی تعظیم۔

ہم نے تجھے اور تیری طرح کے دوسرے لوگوں کو دیکھا ہے جو کہ ان ملحدین کے علماء اور حکام کی تعظیم بجا لاتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں پر ترجیح دیتے ہیں۔آپ کا اس آیت قرآنی میں بہت بڑا حصہ ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًاo اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَ مَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًاo﴾ [النساء: 51، 52]

’’کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، وہ بتوں اور باطل معبود پر ایمان لاتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ان سے زیادہ سیدھے راستے پر ہیں جو ایمان لائے ہیں۔یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے پھر تو کوئی اس کی مدد کرنے والا ہرگز نہ پائے گا۔‘‘

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیلمہ کذاب کفر کے بڑے ائمہ میں سے ایک تھا۔یہ حال اس کے ہم مثل اور ہمنوا عبیدی ملحدین کا اور ان لوگوں کا بھی ہے جو الوہیت اور نبوت کے دعویدار ہیں۔یا پھر ان کا یہ دعوی ہے کہ فلسف نب سے بڑا ہوتا ہے۔اور اس کے علاوہ بھی اس طرح کے دیگر کفریہ عقائد ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل بدعت جہمیہ اور روافض کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے۔اور وہ یہ بات کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ حق پر ہیں۔اور ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ سچ ثابت ہو رہا ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَ مَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا﴾ [النساء: 52]

’’یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے پھر تو کوئی اس کی مدد کرنے والا ہرگز نہ پائے گا۔‘‘

ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو جادو اور شرک کی اور شیطان احوال کی اور ان امور کی تعظیم کرتے ہیں جو بت پرستی اور طاغوت پر ایمان کی قبیل میں سے ہیں۔جبت کا معنی ہے: جادو؛ اور طاغوت: شیطان اور بتوں کو کہتے ہیں۔

دوسری وجہ:......اگر ہم فرض کرلیں کہ یہ امور جمہور اور روافض کے مابین تقابل کے لیے بیان کئے جارہے ہیں؛ تو ان میں سے کون سا گروہ دوسرے دوسرے کی نسبت زیادہ خیر و بھلائی پر ہے؛ اور کون شر و فساد پر۔ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ جمہور میں بھی کافی بری باتیں پائی جاتی ہیں۔مگر جب ان کا مقابلہ کیا جاتے تو اس وقت فریقین کے ساتھ عدل و انصاف کرنا ضرور ہوتا ہے۔جیسا کہ جب ہم مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کے مابین تقابل کرتے ہیں تو ہم مسلمانوں میں موجود شر اور برائی کو اتنا زیادہ نہیں پاتے۔لیکن پھر بھی عدل و انصاف کرنا واجب ہوتا ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔اور اس عدل و انصاف کے واجب اور حسن ہونے پر عقول اور شریعت کا اتفاق ہے۔

❀ پس ہم کہتے ہیں: کوئی بھی برائی اور شر و فساد ایسا نہیں ہے جو جمہور میں پایا جاتا ہو مگر اس کی جنس کا وہ شر اس سے زیادہ اور کثرت کے ساتھ روافض میں نہ پایا جاتا ہے۔جیسا کہ مسلمانوں میں کوئی شر اور برائی ایسی نہیں ہے جو یہود

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com

ونصارا میں وہ برائی اوراس سے کئی گنا زیادہ نہ پائی جاتی ہو۔اور ایسے ہی شیعہ میں کوئی خیر و بھلائی ایسی نہیں ہے جو جمہور میں اس جنس میں اوراس سے کئی گنا زیادہ نہ پائی جاتی ہو۔جیسا کہ اہل کتاب میں کوئی ایسی خیر و بھلائی نہیں ہے جس کی جنس کی خیر و بھلائی ان سے زیادہ اور بہتر انداز میں مسلمانوں میں نہ پائی جاتی ہو۔

❀ امہات الفضائل : جیسے :علم ؛ دین ؛ شجاعت اور کرم گستری؛ تصور کیجیے کہ یہ خصائل خیر و برکت ان لوگوں میں پائے جاتے ہیں؛تو جمہور اہل اسلام کے پاس قرآن اوراس کے معان اور علوم قرآن کا اتنا زیادہ علم ہے جو کہ شیعہ کے ہاں نہیں پایا جاتا۔بعض نے یہ علوم اہل سنت والجماعت سے ہی سیکھے ہیں۔مگراس کے باوجود وہ اس میدان میں کوتاہ اندیش ہیں۔پس ان میں سے جن لوگوں نے تفاسیر لکھی ہیں؛ تو انہوں نے یہ سارا علم اصل میں اہل سنت و الجماعت کی تفاسیر سے اخذ کیا ہے۔جیسا کہ طوسی؛ موسوی اور دوسرے لوگوں نے کیا ہے۔اس کی تفسیر میں جو قابل استفادہ علم کی بات ہے؛ وہ اہل سنت والجماعت کی تفاسیر سے مأخوذ ہے۔اس مقام پر اہل سنت میں ایسے بھی ہیں خلفائے ثلاثہ کی خلافت کوتسلیم کرتے ہیں۔اس باب میں معتزلہ بھی اہل سنت میں داخل ہیں۔اورشیعہ اکثر و بیشتر تفسیر میں معتزلہ کی منقولات اوران کے کلام سے مدد حاصل کرتے ہیں۔یہ حال ان کی عقلی بحوث کا بھی ہے۔پس ان کی تفاسیر میں جوکوئی درست بات پائی جاتی ہے؛ وہ انہوں نے اہل سنت کی کتابوں سے لی ہے۔ہاں جس چیز میں روافض اہل سنت اور جمہور سے جدا اور ممتاز ہیں؛ وہ مثالب و مذمت صحابہ کے باب میں ان کا کلام ہے۔اور پھراس پر نص موجود ہونے کا دعوکرنا ؛ حالانکہ اہل سنت اس دعونص کے زیادہ حق دار ہیں ؛ جبکہ شیعہ کے حق میں صرف شبہات ہی پائے جاتے ہیں۔

❀ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے؛تو روافض سند اورمتن ہر دو اعتبار سے حدیث کی معرفت سے تمام لوگوں سے بڑھ کر بیگانہ اور نہ آشنا ہیں۔انہیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے احوال کا کچھ بھی علم نہیں۔یہی وجہ ہے کہ جب وہ کوئی حدیث نقل کرتے ہیں تو اس کے بارے میں تمام لوگوں سے بڑھ کر جاہل ہوتے ہیں۔یہ وجہ ہے کہ جس کتاب میں بھی وہ اپنی خواہشات نفس کے موافق کوئی چیز پاتے ہیں تو اسے نقل کرکے خوشی سے بغلیں بجانا شروع کردیتے ہیں۔حالانکہ انہیں اس حدیث سے پوری طرح معرفت ہی نہیں ہوتی۔جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مصنف [ابن مطہر حلی]اوراس کے امثال دوسرے مصنفین کرتے ہیں؛ وہ چیزنقل کرتے ہیں جوان کی خواہشات کے موافق ہو۔

❀ جن کتابوں سے وہ دلائل نقل کرتے ہیں اگر وہ تمام دلائل نقل کرتے جوان کے حق میں ہیں اور جوان کے خلاف ہیں ؛ جیسا کہ تفسیر ثعلبی ؛ فضائل صحابہ از احمد بن حنبل ؛ فضائل الصحابہ از ابونعیم ؛ مسند احمد میں قطیعی کی زیادات۔اور احمد بن حنبل کے بیٹے کی زیادات؛ تو لوگ خودان کیساتھ انصاف کرلیتے۔لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ صرف اس چیزکی تصدیق کرتے ہیں جوان کی خواہشات کے مطابق ہوتی ہے۔

❀ فقہ کے معاملہ میں روافض تمام لوگوں سے بڑھ کر فقہ سے دور ہیں۔شریعت میں ان کے دین کی اصل بنیاد وہ چند

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسائل ہیں جنہیں وہ علمائے اہل بیت سے نقل کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت علی بن الحسین؛ اوران کے بیٹے ابو جعفر محمد؛ اوران کے بیٹے جعفر بن محمد سے منقول روایات۔

❀ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے راضی ہوجائیں؛ یہ حضرات دین کے امام و پیشوااور مسلمانوں کے سردار ہیں۔لیکن یہ لوگ ان حضرت تک پہنچنے والی اسناد پر کوئی غور نہیں کرتے۔کیا یہ منقول روایت ان سے ثابت بھی ہے یا نہیں؟اس لیے کہ ان لوگوں کو صناعت حدیث اور اسناد کی کوئی معرفت ہی نہیں۔ پھران میں سے کوئی ایک جب کوئی بات کہتا ہے تو کتاب وسنت سے اس کی دلیل نہیں طلب کی جاتی؛ اور نہ ہی اس کے معارض مسائل کا پوچھا جاتا ہے۔اور پھر جن باتوں میں مسلمانوں کا اختلاف ہوجائے؛ تو اختلافی مسائل کو ویسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف نہیں لوٹاتے جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے۔

[شیعہ کے تین اصول]:

بلکہ ان شیعہ نے تین اصول مقرر کر رکھے ہیں:

۱۔ تمام ائمہ معصوم ہیں۔ ❶

۲۔ جو بات ائمہ سے نقل کی جائے وہ اسی طرح ہے جیسے نبی کریم ﷺ سے منقول ہو۔

۳۔ اہل بیت کا اجماع حجت ہے۔اور شیعہ کے ائمہ اہل بیت میں شامل ہیں۔ ❷

اس لیے گویا ان کے ہاں کوئی شرعی دلیل ہے نہ تعلیل۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ فقہ و تحقیق اور علم و توفیق سے محروم ہیں؛ بلکہ ان چیزوں سے ایسے نکل گئے ہیں جیسے آٹے سے بال نکال دیا جاتا ہے۔

❶ اس عقیدہ میں شیعہ کے غلو کی حالت یہ ہے کہ شیعہ عالم مجلسی لکھتا ہے:'' جان لو! شیعہ امامیہ کا اتفاق ہے کہ ان کے ائمہ ہر چھوٹے بڑے گناہ سے محفوظ ہیں۔ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ نہ عمداً نہ بھول کر، نہ کسی تاویل میں غلطی سے اور نہ ان کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلانے سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے۔''[بحار الأنوار: ۲۵/ ۲۱۱۔ح: ۲٤(باب عصمتهم ولزوم وعصمة الامام...... " دیکھیے: اوائل المقالات: ٦٥۔ مرآة العقول: ٤/ ۳٥۲۔]

ایسے ہی شیعہ عالم ابن بابویہ نے عقیدہ امامت یوں بیان کیا:''بیشک ائمہ معصوم اور ہر قسم کی غلاظت سے پاک ہیں، بلا شبہ وہ کوئی چھوٹا بڑا گناہ نہیں کرتے اور نہ اللہ تعالیٰ کے اوامر میں اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔اور انہیں جو حکم دیا جاتا اس پر عمل کرتے ہیں۔جس شخص نے ان کی کسی بھی حالت میں عصمت کی نفی کی تو اس نے انہیں جاہل قرار دیا اور جس نے انہیں جاہل قرار دیا تو وہ کافر ہے۔ ہمارا ان کے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ وہ معصوم ہیں۔انہیں عصمت میں کمال حاصل ہے۔انہیں ابتداء سے لے کر انتہا تک کامل علم اور مکمل عصمت حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنے کسی فعل میں نقص، نافرمانی اور جہالت سے موصوف نہیں ہیں۔''الاعتقادات: ۱۰۸۔ باب الاعتقاد في العصمة۔

❷ شیعہ کے نزدیک عام اجماع حجت نہیں ہے بجز اس کے کہ ان کے ائمہ العصریین میں سے کوئی ایک اس میں موجود ہو، ان کے شیخ المطہر الحلی نے کہا ہے:'' اجماع ہمارے نزدیک حجت ہے کیونکہ اس میں ہمارے امام المعصوم کا قول شامل ہے، ہر جماعت خواہ کثیر ہو یا قلیل، ہمارے امام کا قول بھی ان جملہ اقوال میں سے ایک ہو، یہ اجماع صرف اسی قول امام کی وجہ سے حجت ہے؛ صرف اجماع ہونے کی وجہ سے حجت نہیں ہے۔''[[الفہرست للطوسی ص ۲۲۔ وسائل الشیعہ ۲۰/ ۲۳۳۔]]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جب ان میں کوئی اصول فقہ یا اختلافی مسائل میں کوئی کتاب لکھتا ہے؛ جیسے موسوی وغیرہ؛ تو اگر کسی مسئلہ میں علماء کے مابین اختلاف ہو تو اس سے دلیل لیتے ہیں جو ان کے موافق ہو۔ اور پھر وہی دلائل پیش کرتے ہیں جو اس عالم نے پیش کئے ہیں۔ اور اپنے معارضین کو وہی جواب دیتے ہیں جو ان دوسرے علماء نے دیے ہیں۔ تو اس سے جاہل انسان یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ اس نے اختلاف اور اصول فقہ یا فقہ میں بہت بڑی اور عظیم الشان کتاب لکھی ہے۔ اور اس جاہل کو نہیں پتہ چلتا کہ اس کا اکثر حصہ اس نے ان علمائے اہل سنت والجماعت سے استعارہ لیا ہوا ہے جن سے یہ دشمنی رکھتے ہیں اور انہیں کافر کہتے ہیں۔ اور جن مسائل میں یہ منفرد ہیں وہ سیاہی کے برابر بھی نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خالی سیاہی نہ ہی نفع دے سکتی اور نہ ہی نقصان دے سکتی ہے۔ اور ان کی ایسی حرکتوں سے انہیں نقصان ہوتا ہے فائدہ نہیں ہوتا۔ شیعہ جن مسائل میں باقی امت سے منفرد ہیں ان میں شیعہ کا اعتماد ان ہی اصول سہ گانہ پر ہے [جو کتاب وسنت، عقل وفکر اور اجماع امت کے خلاف ہیں] اور ان میں اتنی جہالت اور گمراہی پائی جاتی ہے جو کسی پر بھی مخفی نہیں۔

یہی حال اصول؛ زہد؛ رقائق اور عبادات ودعوات اور دوسرے علوم میں ان کے کلام کا ہے۔

ایسے ہی ان لوگوں میں جو کچھ عبادت اور اچھے اخلاق پائے جاتے ہیں یہ اسی چیز کا کچھ تھوڑا سا حصہ ہیں جس پر جمہور اہل سنت والجماعت قائم ہیں۔

تیسری فصل:......امامتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دلائل

شیعہ مصنف لکھتا ہے:"تیسری فصل: اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی امامت کے دلائل بیان کیے جائیں گے۔ اس بابت دلائل اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ لیکن ہم ان میں سے اہم ترین دلائل ذکر کریں گے۔ اور ان دلائل کو چار طریقوں پر پیش کریں گے:

پہلا طریقہ: عقلی دلائل: اس کی پانچ اقسام ہیں:

اول:...... [ہم کہتے ہیں کہ] امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ اگر امام کے لیے عصمت کی شرط تسلیم کر لی جائے تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا امام ہونا خود بخود لازم آتا ہے۔

پہلا مقدمہ:...... [امام کا وجود اس لیے ضروری ہے کہ] انسان اپنی طبیعت کے لحاظ سے [مدنی] اجتماعی زندگی گزارنے والا ہے' تنہا زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ وہ اپنی بقاء میں کھانے پینے، لباس اور جائے سکونت کا محتاج ہے۔ یہ سارے کام وہ اکیلا نہیں کرسکتا؛ بنا بریں قیام حیات کے لیے وہ اعوان وانصار کا محتاج ہے۔ تاکہ ان میں سے ہر ایک اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے۔ اور اس زندگی کا گزارنا ممکن ہو۔ جب بہت سے انسان ایک جگہ اکٹھے ہوں گے تو ان میں ایک دوسرے پر غلبہ پانے اور حسد کی وجہ سے دنگا وفساد کا خطرہ لاحق ہوگا، اس لیے کہ بسا اوقات انسان کو ایسی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے جس پر دوسرا شخص قابض ہوتا ہے۔ چنانچہ قوت شہوانیہ اسے وہ چیز جبراً حاصل کرنے پر مجبور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتی ہے جس کا نتیجہ فتنہ وفساد اور قتل وغیرہ کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔اس لیے ایک امام معصوم کے متعین کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے جو ان کو ظلم وفساد اور سرکشی سے روکے۔اور ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوششوں سے منع کرے۔مظلوم کو ظالم سے انصاف دلائے۔اور حق دار کو اس کا حق پہنچائے۔اس امام سے سہو وخطاء اور گناہ کا صادر ہونا ممکن نہ ہو'ورنہ ایک اور امام کی ضرورت پڑے گی۔اس لیے کہ امام کو اس ضرورت کے پیش نظر نصب کیا گیا تھا کہ امت سے خطاء کا صدور ممکن ہے۔اگر امام سے بھی خطاء سرزد ہوسکتی ہو تو کسی اور امام کی ضرورت پڑے گی۔اگر وہ امام خطاء سے معصوم ہوا تو پھر اس کی امامت درست ہے ورنہ ایک اور امام نصب کرنا پڑے گا،اور اس طرح تسلسل لازم لائے گا۔

دوسرا مقدمہ:......صاف ظاہر ہے کہ ابوبکر وعمر وعثمان [رضی اللہ عنہم اجمعین] بالاتفاق معصوم نہ تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ معصوم تھے لہٰذا وہی امام ہوں گے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب] : ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں مقدمات باطل ہیں۔[تفصیلی جواب اس طرح سے ہے:]

[رافضي کا شبہ ۱] پہلا مقدمہ: رافضی کا کہنا کہ: ایک امام معصوم کی ضرورت لاحق ہوتی ہے جو ان کو ظلم وفساد اور سرکشی سے روکے اور ایک دوسرے پر غلبہ پانے کی کوششوں سے منع کرے۔مظلوم کو ظالم سے انصاف دلائے اور حق دار کو اس کا حق پہنچائے۔اس امام سے سہو وخطاء اور گناہ کا صادر ہونا ممکن نہ ہو۔''

[ردشبہ] : ہم کہتے ہیں: اگر اس مقدمہ کی صحت کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو معصوم صرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہوتی ہے؛ اور اطاعت بھی آپ ہی کی ہر انسان پر اور ہر زمانے میں واجب ہوتی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر واحکام کا علم اس امت کو بھرپور طریقہ سے حاصل ہے؛ بہ نسبت امام غائب یا امام منتظر کے اوامر ونواہی اور احکام کے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام معصوم ہیں' اور امت آپ کے اوامر ونواہی کو جانتی ہے۔جب کہ ان کے معصوم کا معاملہ ایک غائب منتظر پر جاکر رک جاتا ہے۔جس کو اگر معصوم تسلیم بھی کرلیا جائے تو امت میں سے کسی ایک کو اس کے کسی حکم یا نہی کا کوئی علم نہیں۔بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رعیت بھی آپ کے اوامر ونواہی کو ایسے نہیں جانتی تھی جس طرح یہ امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر ونواہی کو جانتی تھی۔بلکہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے احکام واوامر ونواہی کا اتنا علم ہے جس کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی دوسرے امام سے بے نیاز کردیا ہے۔اور انہیں دوسرے کسی ایسے متولی کی کوئی حاجت نہیں جو انہیں ان کے دین کی پہچان کرائے۔اور نہ ہی انہیں اس شریعت پر عمل کرنے کے لیے کسی کے تعاون کی کوئی ضرورت ہے۔اگر امام کے وجود کو علی التقدیر تسلیم بھی کرلیا جائے تو پھر بھی [اہل سنت] اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر ونواہی کو امام منتظر کی رعیت کے کسی بھی فرد سے بڑھ کر جانتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی ایک بھی ایسے کو مسلمانوں پر متولی نہیں بنایا جس کے لیے عصمت کا دعوی کیا گیا ہو۔یہ بات قطعی طور سے معلوم ہے کہ آپ کی رعیت یمن وخراسان اور دیگر بلاد اسلامیہ میں تھے۔اور ان میں ایسے بھی تھے جن کو شرعی اوامر ونواہی کا کچھ پتہ نہ تھا۔بلکہ آپ کے متعین کردہ نائبین بھی ایسے امور میں بھی تصرف کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی واقف نہ ہوتے تھے۔

جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ وارث جنہوں نے یہ علم آپ سے وراثت میں حاصل کیا ہے' وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام' اوامر و نواہی کو بہت اچھی طرح جانتے تھے' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملنے والے خبروں کی تصدیق کرتے تھے؛ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نائبین سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی کے عالم اور باخبر تھے۔ جب کہ شیعہ ایک معصوم اور زندہ امام موجود ہونے کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ ❶

[شبہ نمبر۲]: شیعہ کا یہ قول ''کہ امام معصوم کا تقرر ضروری ہے تا کہ وہ یہ امور سرانجام دے۔''

جواب: کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسا امام پیدا اور قائم کرے جو ان صفات سے موصوف ہو۔ یا پھر لوگوں پر واجب ہے کہ وہ ایسے امام کی بیعت کریں جس میں یہ صفات پائی جاتی ہوں؟ [یہ کلام کئی وجوہات کی بنا پر باطل ہے۔]

پہلی وجہ: ...... بیشک امام موصوف اس صفت کیساتھ کہیں بھی نہیں پایا جاتا۔ جبکہ ہمارے اس زمانے میں کوئی ایسا معروف امام معلوم نہیں ہوسکا جس کے متعلق ان صفات کا دعوی کیا جاتا ہو۔ اور نہ ہی کسی نے خود اپنے لیے ایسا دعوی کیا ہے۔ بلکہ ایسا امام اس کے ماننے والوں کے ہاں غائب اور مفقود ہے؛ اور اہل عقل کے ہاں معدوم ہے' اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور حقیقت میں ایسے لوگوں سے مقصود امامت سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر لوگوں پر کسی ایسے انسان کو حاکم اور امام بنا دیا جائے جس میں اگرچہ کچھ جہالت اور ظلم کا عنصر بھی پایا جاتا ہو' اس کا ہونا اس امام سے بہتر جس سے کسی طرح بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہوسکتا ہو۔

جو لوگ اپنے آپ کو اس امام معصوم کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ دوسرے لوگوں کے علاوہ اپنا کوئی مددگار نہیں پائے۔ بلکہ جو لوگ اپنے آپ کو امام معصوم کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ وہ بڑے بڑے کافروں اور ظالموں سے مدد حاصل کرتے ہیں۔ جب اس امام معصوم کی تصدیق کرنے والوں کو نہ ہی کوئی دینی فائدہ حاصل ہوا اور نہ ہی دنیاوی' اور نہ ہی ان میں سے کسی ایک کو مقاصد امامت میں سے کچھ بھی مقصود حاصل ہوا۔ جب مقصود میں سے کچھ بھی حاصل نہ ہو' تو پھر اس کے لیے ہمیں کسی وسیلہ کے ثابت کرنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ وسائل سے مراد تو اصل میں مقاصد سے حاصل ہوتی ہے۔ جب ہم یقینی طور پر مقاصد کے حصول کی نفی کرتے ہیں' تو اس کے وسائل میں کلام کرنا ایک بیکار کوشش ہے۔ اور اس کی مثال یوں بیان ہوسکتی ہے کہ جیسے کوئی کہے: ''لوگوں کو ضرورت ہے کہ کوئی انہیں کھانا کھلائے اور پانی پلائے؛ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ کھانا اس طرح کا ہو' اور پینا ان اوصاف کا ہو' اور ایسا فلاں گروہ کے لیے؛

❶ [مزید براں جو صفات شیعہ نے امام میں ضروری قرار دی ہیں، ایسا امام ہمارے زمانے میں کہیں موجود نہیں۔ شیعہ کے نزدیک وہ مفقود اور بے حقیقت ہے۔ بھلا ایسے امام سے امامت کے مقاصد کس حد تک پورے ہوسکتے ہیں؟ ایسے فرضی امام سے تو ایک جاہل و ظالم بھی بہتر ہے۔ امام کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ اس سے علم حاصل کیا جائے اور اس کے اعمال کی پیروی کی جائے]۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اور ایسا فلاں گروہ کے لیے۔ حالانکہ یہ بات سب کو معلوم ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیر ہے؛ وہ لوگ بھی اپنے افلاس میں معروف ہیں۔

جس کا معدوم ہونا معلوم ہو' اس کے طلب کرنے میں کون سا فائدہ ہے؟ اور جس سے حقیقت میں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوسکتا ہو' اس کی اتباع کیسی؟ حالانکہ امام کی ضرورت دو چیزوں کے لیے ہوتی ہے:

یا تو علم کے لیے' تاکہ اس کی تعلیم و تبلیغ کی جاسکے۔

یا پھر عمل کے لیے تاکہ وہ اپنی قوت و شوکت کی بنا پر [اس علم پر] عمل کے لیے لوگوں کی مدد کرسکے۔

جب کہ اس امام سے نہ پہلا فائدہ حاصل ہوا اور نہ ہی دوسرا۔ بلکہ شیعہ کے پاس جو علم ہے' وہ اس [امام غائب] سے پہلے کے ائمہ کے اقوال و اعمال سے منقول ہے۔ اگر اس میں کوئی چیز مسلمانوں کے موافق ہوتی ہے تو اس کے لیے مسلمانوں سے مدد حاصل کرتے ہیں' اور اگر ایسا نہ ہو تو کفار' ملحدین اور ان جیسے لوگوں سے مدد حاصل کرتے ہیں۔ یہ لوگ عمل کی دنیا میں سب سے زیادہ عاجز ہیں۔ اور علم کے میدان میں سب لوگوں سے بڑھ کر جاہل ہیں۔ حالانکہ وہ اس امام معصوم کے پیروکار ہونے کے دعویدار ہیں جس سے مقصود علم و قدرت ہے۔ مگر نہ ہی انہیں علم حاصل ہوا اور نہ ہی قدرت۔ تو پتہ چلا کہ ان کے دعوی کی کوئی حقیقت نہیں۔

مزید برآں کہ امت کو ان بارہ ائمہ میں سے کسی ایک سے بھی امامت کے پورے مقاصد حاصل نہیں ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ جتنے بھی ائمہ ہیں' لوگ ان کے علم سے ایسے ہی مستفید ہوئے ہیں جیسے ان کے ہم مثل دوسرے علماء سے۔ حضرت علی بن حسین' ان کے بیٹے ابو جعفر؛ ان کے بیٹے جعفر بن محمد لوگوں کو ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم سکھاتے؛ جس طرح ان کے زمانے کے علماء لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ اور ان کے زمانے میں ایسے لوگ بھی تھے جو ان سے بڑھ کر عالم اور امت کے لیے زیادہ فائدہ مند تھے۔ یہ اہل علم کے ہاں معروف ہے۔ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ یہ ائمہ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم اور دیندار تھے۔ تو فقط ان اہل علم و دین سے وہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا جو صاحب قوت و شوکت حکمران سے ہوتا ہے؛ وہ لوگوں پر حق کی پیروی کو لازم ٹھہراتا ہے اور برائی و باطل سے بزور باز و منع کرتا ہے۔ ان تین ائمہ کے بعد آنے والوں کے پاس اتنا علم نہیں تھا جس سے امت فائدہ حاصل کرے۔ اور نہ ہی انہیں قوت و شوکت حاصل تھی کہ وہ [نیک اعمال و نفاذ احکام شریعت میں] امت کی مدد کرتے۔ بلکہ ان جیسے دوسرے لوگوں یعنی بنی ہاشم کو مقام و مرتبہ اور منزلت حاصل تھی۔ اور انہیں دین اسلام کے ضروری مسائل کی معرفت بھی حاصل تھی۔ جیسے کہ بہت سارے عام مسلمان بھی یہ مسائل جانتے تھے۔

البتہ وہ علوم جو ماہرین اہل علم کے ساتھ خاص ہیں' ان میں ان کی کوئی شہرت نہیں تھی۔ اس لیے اہل علم نے ان سے کوئی روایت نقل نہیں کی جیسے کہ ان سے پہلے کے تین ائمہ سے نقل کرتے آئے ہیں۔ اگر ان کے پاس کوئی نفع بخش علم ہوتا تو لوگ ان سے وہ علم حاصل کرتے۔ اس لیے کہ طالب علم کو اپنے مقصد کی معرفت ہوتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جب کسی انسان کو نسبی شرافت بھی حاصل ہو تو اس سے لوگوں میں قبول حق میں مدد ملتی ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بہت بڑے عالم تھے' اور امت یہ بات جانتی تھی۔ اس لیے ان سے فائدہ حاصل کیا اور عوام و خواص میں ان کا ذکر ہونے لگا۔ ایسے ہی امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے پاس نفع بخش علم و فقہ تھا؛ لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا' اور ان کا نام علم فقہ کے میدان میں ایک روشن ستارہ ہے۔

لیکن جب انسان دیکھتا ہے کہ اس کا مقصود کسی جگہ پر نہیں مل رہا' تو وہ وہاں اس چیز کا طلب گار نہیں بنتا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر کسی انسان کے بارے میں کہا جائے کہ وہ بہت بڑا طبیب ہے' یا بہت بڑا نحوی ہے' اور اس کی ایسی عظمت بیان کی جائے کہ اس سے علم حاصل کرنے کے لیے اہل طب اور نحوی حضرات حاضر ہو جائیں۔ مگر وہ دیکھیں کہ انہیں طب و نحو میں جس چیز کی ضرورت ہے' وہ اس آدمی کے پاس نہیں مل رہی؛ تو وہ اس سے منہ موڑ کر چلے جائیں گے۔ فقط جاہل لوگوں کا دعوی کرنا اور اس کی تعظیم بجالانا انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔

امامیہ نے معتزلہ سے یہ عقائد لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اقدار' تمکین اور لطف واجب ہے جن سے مکلّف اصلاح کے قریب تر اور فساد سے دور ہوتا ہے۔ باوجودیکہ اسے دونوں حالتوں [اصلاح اور فساد] پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔

پھر [اس کے بعد شیعہ حضرات] کہنے لگے: ''امامت واجب ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک امامت کا وجوب نبوت کے وجوب سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ [احکام شرعی] کی تکلیف میں اس سے مہربانی حاصل ہوتی ہے۔

نیز یہ بھی کہتے ہیں: ہم عادات اور تجربات کی روشنی میں یہ بات یقینی طور پر جانتے ہیں کہ جب کسی جماعت کا کوئی با ہیبت امیر ہو' لوگ جس سے ڈرتے ہوں' اور اس کا حکم لوگوں پر چلتا ہو؛ تو اس امیر کی موجودگی میں لوگ اصلاح کے قریب تر اور فساد سے بعید ہوتے ہیں۔ اگر ان کا کوئی امیر نہ ہو' تو لوگوں میں دنگا و فساد اور قتل و غارت واقع ہوتے ہیں۔ اس وقت لوگ اصلاح سے بعید اور فساد کے قریب تر ہوتے ہیں۔ یہ حالت عقلی طور پر معلوم شدہ ہے۔ اس کا انکار صرف وہی انسان کرسکتا ہے جو عادات سے جاہل ہو۔ اور کسی قاعدہ کا تسلسل کے ساتھ جاری رہنا عقلی طور پر معلوم نہیں ہوسکا۔ تو پھر کہتے ہیں: جب ایسا ہونا تکلیف شرعی میں مہربانی ہے تو اس کا وجوب لازم آتا ہے۔ پھر اس کے بعد عصمتِ امام کی باقی صفات شمار کی ہیں۔

[اپنے آپ سے سوال]:

ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنے آپ سے سوال کیا: جب تم کہتے ہو کہ امام کا ہونا اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور مہربانی ہے' اور امام تم سے غائب ہے' تو اس غیب کی وجہ سے تمہیں کونسی مہربانی حاصل ہوئی؟ اگر امام کی غیبت کے ساتھ لطف حاصل نہیں ہوسکتا تو تکلیف جائز ہوئی۔ تو اس سے امام کے وجود سے دین میں لطف و مہربانی ہونے کا نظریہ باطل ہوا۔ تو پھر امام معصوم ہونے کے عقیدہ کی کوئی اہمیت باقی نہ رہی۔

پھر خود ہی اس سوال کے جواب میں کہنے لگے: ''بیشک یہ لطف و مہربانی ان عارفین کو امام کے غائب ہونے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حالت میں حاصل ہے جو اس کی حالت ظہور کے واقف کار ہیں۔ یہ مہربانی ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوسکتی جو امامت کے واجب ہونے کا انکار کرتے ہیں۔جیسا کہ یہ مہربانی اس انسان کو حاصل نہیں ہوسکتی جن کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔اوران لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اس کی معرفت رکھتے ہیں۔کہنے لگے کہ: اس سے یہ سوال ساقط ہوگیا۔اور معصوم کی امامت کا عقیدہ واجب ہوگیا۔ پھر ان سے کہا گیا کہ: اگر حالت غیبت میں یہ لطف و مہربانی ایسے ہی حاصل ہے جیسے کہ حالت ظہور میں ؛ تو پھر واجب ہوتا ہے کہ وہ اس کے ظہور سے بے نیاز ہوجائیں۔اور مرتے دم تک اس کی اتباع کرتے رہیں۔ یہ بات تو ان کے عقیدہ کے خلاف ہے۔

[عارفین کے ہاں لطف کی حقیقت]

کہنے لگے: ''عارفین کے ہاں لطف و مہربانی غیبت کی حالت میں تنفیر وتبیعد عن القبائح کے باب سے ہے' جیسا کہ حال ظہور میں ہوتا ہے۔لیکن ہم امام کا ظہور کسی دوسری وجہ سے واجب قرار دیتے ہیں۔ وہ وجہ یہ ہے کہ مؤمنین سے ظالموں کا غلبہ ختم کیا جائے۔ اور ظالم لوگوں سے مال لیکر انہیں ان کی اصل جگہ پر واپس کیا جائے۔ اور ان ظالم حکومتوں کا خاتمہ کیا جائے جن کو ختم کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔اور کفار سے جہاد کیا جائے' جو کہ امام کے ظہور کے بغیر ممکن نہیں۔

ان سے کہا جائے گا کہ: ''اس کلام کا باطل ہونا ظاہر ہے۔''اس لیے کہ جس امام کو تم لطف قرار دیتے ہو؛ جس پر عادات وعقول گواہ ہیں؛ جیسا کہ تم نے خود ذکر کیا ہے۔تم کہتے ہو: ''جب جماعت کے لیے پر ہیبت' صاحب اطاعت' متصرف اور زور آور امیر ہو تو اس کے وجود کی صورت میں لوگ اصلاح کے قریب تر ہوتے ہیں اور فساد سے بہت دور ہوتے ہیں۔ اور اس کے لیے تم نے معصوم ہونے کی شرط لگائی۔ اور تم نے یہ بھی کہا کہ: اس کے بغیر ڈراوے کا مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ جو ائمہ اس منتظر سے پہلے موجود تھے؛ ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ اوصاف نہ پائے جاتے تھے۔ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ ہی قوت و شوکت حاصل تھی اور نہ ہی وہ لوگوں کے معاملات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت پر متمکن ہوئے' مگر آپ کو وہ قوت اور تصرف حاصل نہ ہوسکا جو آپ سے پہلے کے خلفاء کو تھا۔ان کے بعد آنے والے ائمہ میں سے تو کسی کو بھی نہ ہی کوئی قوت حاصل ہوئی اور نہ ہی لوگوں پر کوئی با تصرف اختیار چلا۔ بلکہ ان میں سے بھی کسی ایک کو وہی مقام حاصل ہوا کرتا تھا جو ان کے دوسرے ہم پلہ [علماء و اکابر] کو حاصل ہوتا تھا۔

جب کہ امام غائب کو تو ان امور میں سے کچھ بھی حاصل نہیں تھا۔اس لیے کہ جو کوئی امام کے وجود کا اقرار کرتا ہے؛ اسے پتہ ہے کہ امام ساڑھے چار (اب بارہ) سو سال سے غائب ہے۔اور وہ خوف سے لرزیدہ ہے' اس کا ظہور ممکن بھی نہیں؛ چہ جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود قائم کرے؛ اور نہ ہی وہ کسی کو کوئی حکم دے سکتا ہے اور نہ ہی منع کرسکتا ہے؛اور امت میں قتل و غارت گری اور دنگا وفساد بھی اب تک موجود ہے۔ نیز آپ دیکھ سکتے ہیں کہ رافضی دیگر سب فرقوں سے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

زیادہ دنگا وفساد کرنے والے ہیں۔ان میں زبانوں اور رنگ ونسل کے باوجود آپس میں ایک دوسرے پر بھی بہت بڑا ظلم و تعدی اور اختلاف پائے جاتے ہیں جو کہ کفار سے دوستی رکھنے والوں کے مابین بھی نہیں؛ چہ جائے کہ وہ مسلمانوں سے محبت اور دوستی رکھنے والوں میں پائے جائیں۔تو پھر ان لوگوں کو اس امام کی وجہ سے کونسا لطف اور مہربانی حاصل ہوئی؟

جن بستیوں اور شہروں کے رہنے والے امام منتظر ماننے والے اور اس کا عقیدہ رکھنے والے ہیں' آپ ان کا مقابلہ ان شہروں اور بستیوں سے کیجیے جو اس کا عقیدہ نہیں رکھتے؛ تو آپ دیکھیں کہ مؤخر الذکر لوگ معاش ومعاد کے لحاظ سے ہر طرح سے اچھی حالت میں ہیں۔ یہاں تک کہ احوال عالم پر نظر رکھنے والا جانتا ہے کہ کافروں کے شہر جہاں منتظمین اور رؤوساء موجود ہیں' جو ان کی دنیاوی مصلحتوں کو پورا کرنے کی کوششیں کرتے ہیں' وہ ان لوگوں سے اچھی حالت میں ہیں جو اپنے آپ کو اس امام کی متابعت کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ مگر اس امام کی وجہ سے ان کے لیے نہ کوئی دنیاوی مصلحت پوری ہوتی ہے اور نہ ہی دینی۔اگر یہ بات مان لی جائے کہ وہ امام کے وجود کے اعتراف کے ساتھ گناہ کرتے ہوئے ڈرتے بھی ہیں کہ اگر امام ظاہر ہوگیا تو انہیں گناہوں پر سزا دے گا؛ تو پھر بھی یہ بات سبھی جانتے ہیں سزا میں مشہور حکمرانوں کا لوگوں پر خوف ان [امامیہ] لوگوں کے امام منتظر کے خوف سے بڑھ کر ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے کچھ گناہ ظاہری ہوتے ہیں۔جیسے لوگوں پر ظلم کرنا' ظاہری فحاشی [وغیرہ]۔ان گناہوں میں لوگ ڈرتے ہیں کہ حاکم انہیں سزا دے گا۔یہ خوف امامیہ کے امام منتظر کی سزا کے خوف سے بڑھ کر ہوتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جس لطف ومہربانی کو وہ واجب قرار دیتے ہیں' وہ نہ ہی اس منتظر کے عارفین کے لیے حاصل ہوئی اور نہ ہی کسی دوسرے کے لیے۔

❀ شیعہ کا یہ کہنا: ''یہ لطف امام کے عارفین کے لیے [ایسے ہی] حاصل ہوتا ہے جیسا کہ حالت ظہور میں حاصل ہو''؟

❀ یہ ایک کھلی ہوئی معاندانہ اور سرکشی کی بات ہے۔اس لیے کہ اس میں کوئی شک نہیں جب امام مہدی کا ظہور ہوگا' وہ شرعی حدود قائم کرے گا' اور وعظ ونصیحت کا کام کرے گا اور ایسے امور سرانجام دے گا جن امور کا لطف ہونا واجب ہوگا' اور یہ امور عدم ظہور کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتے۔

لطف کے باب میں ان کا امام کی معرفت کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے تشبیہ دینا' اور یہ کہنا کہ: اس سے عارفین کو لطف ومہربانی حاصل ہوتے ہیں دوسروں کو نہیں؛ یہ ایک فاسد قیاس ہے۔اس لیے کہ یہ معرفت کہ: اللہ تعالیٰ زندہ موجود اور قادر ہے؛ بھلائی کا حکم دیتا ہے' اور اس [کے بجالانے] پر ثواب سے نوازتا ہے' اور برائی سے منع کرتا ہے اور اس [کے ارتکاب] پر سزا دیتا ہے' [یہ معرفت] اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس سے امید کے بڑے اسباب میں سے ہے۔یہ معرفت ثوابِ اعمال کے حصول میں رغبت پیدا کرے گی؛ اس بنا پر انسان مامور افعال کو بجالائے گا اور ممنوعہ کاموں کو اس کے عذاب کے خوف سے ترک کردے گا۔ کیونکہ انسان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؛ اور اس کی سنت نیکوکاروں کو ثواب دینا اور بدکرداروں کو سزا دینا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

رہا ایسا شخص جس کے بارے میں لوگ جانتے ہوں کہ ساڑھے چار [اوراب بارہ] سو سال سے مفقود ہے؛ [اس کا کوئی اتا پتہ ہی نہیں] اور نہ ہی اس نے کسی کو [نیکی پر] ثواب دیا؛ اور نہ ہی کسی کو [بدی پر] سزا دی۔ بلکہ اگر وہ ظاہر ہو جائے تو اسے اپنی جان کا خوف دامن گیر ہو؛ بجائے اس کے کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے؛ تو پھر ایسے امام کی معرفت مامور کو بجالانے اور ممنوع کے ترک کر دینے کے لیے داعی [اور سبب] کیسے ہو سکتی ہے؟ بلکہ جب کسی کو امام کے عجز و خوف کا پتہ چلے گا تو وہ زیادہ بے خوف ہو کر گندے افعال کا ارتکاب کرے گا۔ خصوصاً جب ایک لمبا زمانہ گزر جائے' اور وقت پہ وقت گزرتا جائے اس دوران نہ ہی کسی کو [بدعملی کی] سزا ملی ہو اور نہ ہی کسی کو [نیک عمل پر] انعام ملا ہو۔

بلکہ اگر مان لیا جائے [جیسے بعض شیعہ دعوی کرتے ہیں] کہ: امام ہر سو سال میں ایک بار ظاہر ہوتا ہے؛ اور سزا دیتا ہے۔ تو پھر بھی اس امام سے وہ لطف و مہربانی حاصل نہیں ہو سکتی جو کسی ادنی سے مسلمان حکمران سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ بلکہ اگر یہ بھی کہہ لیا جائے کہ [یہ امام] ہر دس سال بعد ظاہر ہوتا ہے؛ یا ہر سال بعد ایک بار ظاہر ہوتا ہے' تب بھی اس امام سے کوئی ایسی منفعت حاصل نہیں ہو سکتی جو اس حکمران سے حاصل ہو سکتی ہے جو ہر وقت لوگوں کے درمیان ظاہر اور موجود ہو۔ بلکہ یہ حکمران - بھلے بعض گناہوں کے مرتکب بھی ہوں' اور بعض امور میں ظالم بھی ہوں پھر بھی - اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اسباب مہیا کیے ہیں۔ یہ جو لوگوں کو سزائیں دیتے ہیں' اور نیکی کے کاموں میں رغبت دلاتے ہیں' [اس کا فائدہ] اس سے بہت بڑھ کر ہے جو ایک عرصہ کے بعد ظاہر ہو؛ پھر اس وقت کیا عالم ہوگا جو بالکل ہی مفقود ہو۔ جمہور عقلاء جانتے ہیں اس امام کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں۔ اس امام کے وجود کا اقرار کرنے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ [اگر وہ امام بالفرض موجود بھی ہے تو] وہ انتہائی عاجز اور خوف زدہ ہے۔ اس نے کبھی بھی کوئی فعل سر انجام نہیں دیا جیسے لوگوں میں سے کوئی بھی کوئی کام کر سکتا ہو۔

چہ جائے کہ اس کا مقابلہ کسی ایسے حکمران سے کیا جائے۔ [جو احکام جاری کرتا ہو' اور قانون نافذ کرتا ہو]۔

اس امام غائب کی کون سی ہیبت ہے؟ اور کیسی اطاعت گزاری ہے؟ کون سا تصرف ہے اور کیسی دسترس حاصل ہے؟ تاکہ لوگوں کے لیے ایک باہیبت' مطاع؛ متصرف اور دسترس رکھنے والا امام [تصور کیا جائے] جس کے دور میں لوگ اطاعت و اصلاح کے قریب تر ہوتے ہیں۔

جس انسان کو ان باتوں کا علم ہے؛ وہ جانتا ہے کہ شیعہ انتہائی سرکشی' جہالت' عداوت اور حماقت کا شکار ہیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ امام کی غیبت و عاجزی کی حالت میں اس سے وہ لطف و مہربانی جوڑتے ہیں جو اس کے ظہور کی حالت میں ہونی چاہیے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ: اس امام کے خوف' عاجزی' اور فقدان کے باوجود اس کی معرفت لطف و مہربانی ہے؛ جیسا کہ اگر وہ ظاہر و قادر ہوتا' اور اسے امن حاصل ہوتا [تو وہ لطف و مہربانی حاصل ہوتی]۔ اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ: صرف اس معرفت کا ہونا بھی ایسے ہی لطف و مہربانی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی معرفت لطف و مہربانی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری وجہ:......تمہارا یہ قول کہ:''امام معصوم کو مقرر کیا جانا ضروری ہے جو ان افعال کو انجام دے۔''

❀ ہم پوچھتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ آیا تمہاری مراد یہ ہے کہ ایسے امام کو پیدا کرنا اور نصب کرنا اللہ کے لیے ضروری ہے جو ان صفات سے متصف ہو؟ یا یہ مطلب ہے کہ لوگوں کے لیے ان صفات سے متصف امام کی بیعت کرنا ناگزیر ہے؟

❀ اگر تم نے جواب دیا کہ ہمارا مقصود پہلا قول ہے؛تو [ہم کہتے ہیں کہ] اللہ تعالیٰ نے ان صفات سے متصف کسی ایک کو بھی پیدا نہیں کیا۔آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ:'' بیشک علی رضی اللہ عنہ معصوم تھے؛ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار نہ دیا' اور آپ کی تائید نہ فرمائی۔نہ ہی خود مدد کی؛ اور نہ ہی کسی لشکر سے؛ تاکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ افعال سر انجام دیں جن کا تم نے ذکر کیا ہے۔

❀ مگر تم کہتے ہو: حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں مسند خلافت پر متمکن نہ ہو سکے، بلکہ آپ عاجز و مغلوب اور مظلوم رہے۔جب آپ کو خلافت حاصل ہوگئی؛ تو ایک دوسرا لشکر کھڑا ہوگیا؛ جنہوں نے آپ سے جنگ وقتال کیا؛ یہاں تک کہ آپ وہ کام بھی نہ کر سکے جو آپ سے پہلے تین خلفاء نے کئے تھے؛ جو تمہارے نزدیک ظالم ہیں۔اسکا مطلب یہ ہوا کہ شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے تین ظالموں کو یکے بعد دیگرے خلافت پر فائز کیا اور انھوں نے امت کے لیے بڑے مفید کام کیے،مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ توفیق نہ بخشی اور اللہ تعالیٰ نے ایسی ضرورت کے زمانہ میں اس معصوم کو پیدا نہ کیا۔

❀ اگر شیعہ کہیں کہ:''امت کے لیے ایسے امام کا تقرر اور اس کی اعانت ضروری ہے۔''

❀ تو ہم کہیں گے:''یقیناً لوگوں نے بھی ایسا نہیں کیا خواہ وہ ماننے والے ہوں یا نہ ماننے والے۔بہر تقدیر ہر صورت تمہارے نزدیک ان معصومین میں سے کسی ایک کو بھی تائید حاصل نہ ہو سکی۔نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف اور نہ ہی عوام کی طرف سے۔جن مصلحتوں کا تم نے ذکر کیا ہے' ان کا حصول تائید کے بغیر ناممکن ہے۔جب تائید نہیں ہوئی تو وہ مصالح بھی حاصل نہ ہو سکے جو ہونے چاہیے تھے۔بلکہ اس کے فقط اسباب حاصل ہوئے تھے' مگر فقط اسباب سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

تیسری وجہ:......یہ کہا جائے گا کہ: جب ان کے وجود سے جملہ مقاصد حاصل نہیں ہوئے بلکہ اس کی بہت سی شرائط فوت ہوگئیں؛ تو عصمت کی شرط کس لیے باقی رکھی جائے؟ علاوہ ازیں جب عدم عصمت یا معصوم کے عاجز ہونے کی وجہ سے مقصود حاصل نہ ہو تو عصمت کا وجود وعدم یکساں ہے۔پھر عقلی دلیل کی مدد سے یہ کیوں کر ثابت ہوا کہ امام معصوم کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے ضروری ہے؟ بیشک اس امام کا پیدا کیا جانا صرف اس وجہ سے تھا تاکہ مصالح العباد حاصل ہوں۔ اور جب اسے عاجز پیدا کیا گیا' وہ ان مصلحتوں میں کسی چیز پر قدرت بھی نہیں رکھتا؛ بلکہ اس امام کی وجہ سے وہ فساد پیدا ہوا کہ اگر اس امام کا وجود نہ ہوتا تو یہ فساد پیدا نہ ہوتا۔جیسا کہ چوتھی وجہ میں یہ باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

چوتھی وجہ :......اگر اللہ تعالیٰ ایسا امام پیدا نہ کرتا تو وہ شر پیدا نہ ہوتا جیسا شر دیکھنے میں آ رہا ہے۔ جب اس کے وجود سے کسی شر کو ختم نہیں کیا جا سکا؛ حتی کہ یہ کہا جائے کہ اس [امام] کے وجود سے اس [شر] کا ختم کرنا ممکن ہوا۔ بلکہ اس کے وجود نے جمہور کو تکذیب پر برانگیختہ کیا؛ اور انہوں نے شیعہ سے عداوت کی ٹھان لی۔ انہوں نے اس امام پر اور اس کے ماننے والوں پر ظلم کیا؛ اور اتنا شر وفساد پیدا ہوا جس کو صحیح معنوں میں اللہ ہی جانتا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ امام معصوم ہے۔ اور اگر بالفرض تسلیم کر لیں کہ: حضرت علی معصوم نہیں' اور نہ ہی باقی بارہ اماموں میں سے کوئی ایک معصوم ہے؛ او رتینوں خلفاء بھی مقرر نہ ہوئے ہوتے؛ بنو امیہ اور بنو عباس کو حکومت بھی نہ ملی ہوتی تو پھر بھی اس [نظریہ] میں [بذات خود] شر وفساد موجود ہے۔ یہ اس صورت میں ہے اگر ان ائمہ کو معصوم تسلیم کر لیا جائے۔ معصوم ماننے کی صورت میں ان میں سے کسی ایک نے بھی کوئی شر ایسے ختم نہیں کیا مگر جیسے دوسرے غیر معصوم لوگوں نے ختم کیا؛ تو معاملہ یہاں پہنچا کہ ان کے معصوم ہونے [کے عقیدہ] کی وجہ سے شر وفساد ہی پیدا ہوا' کوئی خیر و مصلحت حاصل نہیں ہو سکی۔

حکیم کے متعلق کیسے یہ بات جائز سمجھی جا سکتی ہے کہ وہ کسی چیز کو پیدا کرے تا کہ اس سے خیر و بھلائی حاصل ہو؛ مگر پھر اس سے سوائے شر کے کوئی بھلائی و خیر حاصل نہ ہو؟

❀ [شیعہ کی جانب سے] اگر یہ کہا جائے کہ: یہ شر لوگوں کے اس امام پر ظلم کی وجہ سے حاصل ہوا۔''

❀ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: وہ حکیم جس نے اسے پیدا کیا' جب اس نے اس غرض سے پیدا کیا تھا تا کہ اس سے ظلم ختم ہو؛ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جب وہ اسے پیدا کرے گا تو ظلم اور بڑھ جائے گا؛ تو پھر یہ حکمت کی بنا پر تخلیق نہیں ہوئی' بلکہ اس میں حماقت کا کردار ہے۔ یہ تو ایسے ہی جیسے کوئی انسان اپنا بیٹا اصلاح کی غرض سے کسی ایسے انسان کے سپرد کرے جو اسے نیکی اور اصلاح کا حکم دے؛ مگر اس کے ساتھ وہ جانتا بھی ہو کہ وہ اس کی بات نہیں مانے گا' بلکہ پہلے سے زیادہ بگڑ جائے گا۔ تو کیا یہ کسی دانشمند کا فعل ہو سکتا ہے؟

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی انسان راستے میں سرائے تعمیر کرائے تا کہ گزرنے والے قافلے یہاں پر پناہ حاصل کریں۔ اور اپنے آپ کو کفار و رہزنوں سے بچا سکیں۔ اور اسے پتہ ہو کہ جب وہ اس تعمیر کو مکمل کرلے گا تو کفار اس کو اپنا قلعہ بنالیں گے؛ اور راہزن اسے اپنا ٹھکانہ بنالیں گے۔

دوسری مثال اس انسان کی ہے جو کسی آدمی کو مال دے تا کہ وہ مجاہدین اور سپاہیوں میں تقسیم کرے' اور اس کو یہ علم بھی ہو کہ [جب مال اس انسان کے ہاتھ میں آجائے گا تو] اسے کفار اور برسر پیکار لوگوں پر اور رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں پر خرچ کرے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان رافضہ قدریہ نے یہ حجتیں معتزلہ قدریہ کے اصولوں سے اخذ کی ہیں۔ جب معتزلہ اللہ تعالیٰ پر اصلاح اور اصلح کو واجب قرار دیتے تھے' تو انہوں نے بھی ان سے یہ عقیدہ اخذ کرلیا۔ اور ان [معتزلہ] کے اللہ تعالیٰ پر واجب قرار دینے کی اصل یہ ہے کہ: وہ ہر مکلّف کیساتھ ایسا سلوک کرے جو اس کے دین و دنیا کے اعتبار سے اصلح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

[مناسب تر] ہو۔ یہ ایک بیکار و فاسد اصول ہے۔اس لیے کہ رب تعالیٰ اپنی حکمت و رحمت سے اپنی خلقت کے لیے وہی کرتے ہیں جو ان کے دین و دنیا میں ان کے لیے مناسب تر اور صالح ہو۔

لوگ اس اصول میں تین اقوال پر ہیں۔قدریہ کہتے ہیں: زیادہ اصلح کی رعایت کرنا؛ یا متعین طور پر ہر متعین شخص کی اصلاح کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔اور واجب کو یہ لوگ اس جنس سے مانتے ہیں جس طرح کا واجب انسان پر ہوتا ہے۔ پس یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عوام میں سے کسی ایک پر واجب اور حرام کے ہونے میں مشابہ قرار دیکر غلطی کا شکار ہوئے۔پس یہ لوگ افعال میں تشبیہ دینے والے[مشبہ] ہیں۔پس ان لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے کل مصلحت عامہ اور فرد مصلحت خاصہ کے مابین کوئی فرق نہیں کیا۔ یہ مصلحت بسا اوقات ایسی عوامی خرابی کو مستلزم ہو سکتی ہے جو کہ اصلاح عام کی ضد ہو۔

قدریہ مجبرہ جہمیہ اللہ تعالیٰ کے لیے رحمت اور حکمت کو ثابت نہیں مانتے۔ بلکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں وہ محض اپنی مشیئت سے کرتے ہیں۔اس میں نہ ہی کوئی حکمت ہوتی ہے؛ اور نہ ہی کوئی رحمت۔ ان سب کا سرغنہ جہم بن صفوان تھا؛ وہ مصائب میں گرفتار لوگوں جذامیوں (اور کوڑھیوں) کے پاس جاتا؛ اور ان سے کہتا: کیا ایسا ارحم الراحمین نے کیا ہے؟ اس کی مراد یہ ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں رحمت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں ہیں۔

سوئم :...... جمہور کا قول؛ بیشک اللہ تعالیٰ علیم ہیں؛ رحیم و حکیم ہیں؛ عدل و انصاف کے ساتھ قائم ہیں۔اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر رحمت کو (واجب کرلیا) لکھ لیا ہے۔اور اللہ تعالیٰ بندے پر اس کی ماں سے بڑھ کر زیادہ مہربان ہیں۔جیسا کہ یہ بات کتاب و سنت کی نصوص میں موجود ہے۔اور اس پر باعتبار حس و عقل گواہ موجود ہیں۔اور ایسا حقیقت واقع میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت اس کے حکم کے تحت ہو رہا ہے کہ رب سبحانہ و تعالیٰ نے رحمت کو اپنی ذات پر واجب کرلیا ہے؛ اور ظلم کو اپنی ذات پر حرام ٹھہرایا ہے۔ یہ ایسا نہیں ہے کہ مخلوق نے کوئی چیز اس پر واجب یا حرام کی ہو؛ اور نہ ہی اس کی یہ وجہ ہے کہ وہ کسی چیز کے واجب یا حرام ہونے میں مخلوق سے مشابہ ہے۔ بلکہ اس کی جانب سے ہر نعمت اس کے فضل و احسان کا کرشمہ ہے؛ اور ہر پریشان اور سزا اس کی جانب سے عدل ہے۔اور مخلوق کا ذات باری تعالیٰ پر اس حق کے سوا کوئی حق نہیں ہے جو حق اس نے خود اپنی ذات اقدس پر ذمہ میں لے لیا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام: ۱۲)

''تمہارے پروردگار نے رحمت کو اپنی ذات پر لکھ رکھا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الروم ۴۱]

''مؤمنین کی نصرت کرنا ہم پر حق واجب تھی۔''

یہ اس کے حکم کے وعدہ؛ اور خبر کی صداقت کے عین مطابق ہے۔اور اس پر تمام مسلمانوں کے مابین اتفاق ہے۔اور اس کی کتاب میں اس نے اپنی ہستی پر یہ لکھا [لازم کیا ہوا] ہے جو کہ اس کی حکمت اور رحمت کے عین مطابق ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس مسئلہ میں ایک لمبی تفصیل ہے؛ اور بڑا مشہور اختلاف ہے؛ جس کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔

پھر وہ قدریہ جو کہ اصلح کی رعایت کا عقیدہ رکھتے ہیں؛ وہ کہتے ہیں: انہیں ثواب دینے کی خاطر پیدا کیا گیا ہے۔

پس جب ان سے کہا جاتا ہے: جب اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ یہ جس کو [ثواب کے لیے] پیش کیا جارہا ہے یہ اپنے مقصد تخلیق میں کچھ بھی فائدہ نہیں دے گا۔ بلکہ ایسے کام کرے گا جو اس کے لیے نقصان دہ ہوں۔ تو یہ اس آدم کی طرح ہوگا جو کسی انسان کو مال دے کہ وہ اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے؛ اور تلوار دے کہ وہ اس سے کفار سے جنگ لڑے اور اسے یہ علم ہو کہ وہ اس مال کو مسلمانون کے خلاف جنگ میں ان سے لڑنے کے لیے خرچ کرے گا۔

وہ ان کا کہنا ہے کہ: مکلّف کو جو کچھ ملا ہے؛ وہ اس کی ذات کی طرف سے ہے۔ مگر اس نے خود ترک اطاعت کر کے تفریط سے کام لیا ہے۔

اہل سنت والجماعت نے اس کے دو جواب دیے ہیں: پہلا جواب: یہ دعوی اثبات علم پر مبنی ہے۔

دوسرا جواب:...... اس کی بنیاد مشیئت اور قدرت تامہ کے اثبات پر ہے۔ اور بیشک وہ ذات باری ہر ایک چیز کی خالق ہے۔

پس وہ کہتے ہیں: پہلی صورت میں جب اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اس کا مقصود بالفعل حاصل نہیں ہوگا؛ تو اس کا فعل حکمت پر مبنی نہیں ہوگا؛ بھلے اس کا سبب کسی دوسرے کی تفریط ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وہ ہوگیا اور جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا۔ وہ ہر ایک چیز کا خالق ہے؛ اور وہ جانتا ہے کہ وہ نہیں چاہتا؛ مگر پھر بھی وہ ایسا کچھ پیدا کرتا ہے جیسا کہ انہوں نے مطلوب میں ذکر کیا ہے۔ پس یہ بات ممتنع ہوتا ہے کہ جو کچھ ان لوگوں نے ذکر کیا ہے؛ تخلیق میں بھی وہ مطلوب ہو۔ اور ہر وہ جواب جو قدریہ کے لیے ہوگا وہ جواب روافض کے لیے بھی ہوگا۔

اس کے علاوہ انہیں دوسرے وہ جواب بھی دیے گئے ہیں جو جواب وہ اپنی طرف سے قدریہ کو دیتے ہیں؛ اگرچہ یہ دونوں گروہ تعلیل اور تجویر کے مسئلہ پر یک زبان ہیں۔ پس وہ [روافض] کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ جب مخلوق کے لیے کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کرتا جو انہیں مستغنی کردے تو پھر امام معصوم پیدا کیا جائے۔

خلاصہ کلام! اس حجت کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں واجب سے واقع پر استدلال کیا گیا ہے۔ پس وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایسے کرنا واجب ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ اس نے یہ واجب ادا بھی کردیا ہو۔ یہ بات صرف اس صورت میں ہی ممکن ہوسکتی ہے۔

علم بالواقع کے کئی ایسے قطعی اور یقینی طرق ہیں جن سے ان کے ذکر کردہ مسئلہ کی نفی ہوتی ہے کہ ایسا ضرور ہوا ہوگا۔ اور جب ہمیں مطلوبہ فائدہ کے انتفائے قطعی کا علم ہوگیا تو اب اس کے لازم کا اثبات ممکن نہ رہا۔ کیونکہ وہ تو صرف وسیلہ ہوتا ہے۔ ہم تو اثبات لازم پر اثبات ملزوم سے استدلال کرتے ہیں۔ اور جب ہمیں قطعی طور پر یہ علم ہوگیا کہ یہاں پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ملزوم قطعی طور پر منتفی ہے؛ تو اب اس کے لازم کا اثبات ممکن نہ رہا۔

پھر اس کے بعد اب موقع آیا ہے کہ ہم اس ایجاب کے مسئلہ پر مجمل اور تفصیلی قدح کریں۔

ہم کہتے ہیں کہ من الجملہ واجب ان کے معصوم کے دعوی پر اس وقت تک متوقف نہیں ہوسکتا جب تک ایسی ہی عصمت معاویہ کے نوابین میں بھی تسلیم نہ کرلی جائے۔

[روافض ونصاریٰ کی مشابہت]:

روافض کا یہ قول نصاریٰ کے اس قول کی مانند ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ مجسم ہو کر اتر آیا؛ یا اس نے اپنے بیٹے کو زمین پر بھیجا تا کہ اسے سولی دیا جائے اور یہ سولی دیا جانا سب بنی آدم کی مغفرت کا باعث ہو اور شیطان کو بھی ان سے دور کیا جائے۔''

❀ نصاریٰ کو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ جب مسیح کا قتل وصلب ہونا تکذیب عظیم اور شرارت وضلالت ہے تو گویا اس نے خود بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کر کے چھوٹے گناہ کو معاف کرنا چاہا۔ اس کے باوجود اس نے شر کو کم کرنے کے بجائے اس میں اور اضافہ کیا۔ تو کسی مقصود کے لیے کیسے کچھ کیا جاسکتا ہے جب کہ جو حاصل ہے وہ مقصود کا الٹ ہے۔

[معصومیت ائمہ کا مسئلہ]:

[[**شبہ** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''جب انسان مدنی الطبع ہے تو اہل مدینہ (معاشرہ) سے شر کو دور کرنے کے لیے امام معصوم کا تقرر ضروری ہے۔'']]

جواب: پانچویں وجہ : جب انسان مدنی الطبع ہے اور اہل مدینہ سے ظلم وفساد کے خاتمہ کے لیے امام کا مقرر کیا جانا ضروری ہے۔ تو [ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں] کیا آپ کا عقیدہ ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو پیدا کیا ہے، کیا ہر شہر میں ایک ایسا امام معصوم موجود رہا ہے جو ان سے ظلم کا ازالہ کرتا رہا ہو یا نہیں؟

[ہم دوسرا سوال کرتے ہیں]: کیا اہل کتاب اور مشرکین کے شہروں میں بھی امام معصوم کا ہونا ضروری ہے؟

پھر یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ آیا شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں بھی کوئی معصوم امام موجود تھا؟

اگر شیعہ اس کا جواب دیں کہ: تمام شہروں کے لیے امام معصوم ایک ہی ہوتا ہے' مگر اس کے نائبین ہر جگہ موجود ہوتے ہیں تو یہ خلاف ظاہر ہے۔ اور اگر کہیں کہ ان کے نائب بعض شہروں میں ہوتے ہیں۔

پھر ہم سوال کرتے ہیں: کیا ہر امام معصوم کے نواب تمام شہروں میں موجود ہوتے ہیں' یا بعض شہروں میں؟

اگر شیعہ کہیں کہ امام معصوم کے نائبین ہر جگہ موجود ہوتے ہیں تو یہ خلاف ظاہر ہے۔

اگر کہیں کہ ان کے نائب بعض شہروں میں ہوتے ہیں اور بعض میں نہیں ہوتے۔ تو پھر تمہارے عقیدہ کے مطابق یہ اللہ پر واجب کیسے ہوا؟ جب کہ سارے کے سارے شہر اس ایک امام معصوم کے محتاج ہیں؟

چھٹی وجہ:......ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں: کیا یہ امام اکیلا ہی معصوم ہوتا ہے یا پھر اس کے نائبین بھی معصوم ہوتے ہیں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان لوگوں کو نائبین کو معصوم کہنے کی جرأت کبھی بھی نہیں ہوگی ۔ جو کہ کھلم کھلا انکار ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواب بھی معصوم نہیں ہوا کرتے تھے۔اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نواب معصوم تھے۔ بلکہ آپ کے بعض نوابین میں وہ شر اور معصیت تھی جو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نوابین میں نہیں تھی ۔تو پھر عصمت کہاں گئی؟

اگر شیعہ کہیں کہ:''عصمت کی شرط صرف اکیلے امام کے لیے ہے۔''

تو ہم کہیں گے :''تو پھر وہ شہر جو امام غائب سے دور ہیں ؛ خصوصاً جب امام معصوم وہاں کے نواب پر غالب ہونے کی طاقت بھی نہیں رکھتا ؛ اور بلکہ امام اس سے عاجز ہے ۔تو لوگوں کو امام معصوم سے کیا فائدہ پہنچا؟ خصوصاً جب کہ وہ غیر معصوم کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں ؛ غیر معصوم ان پر حکم چلاتا ہے اور یہ اس کی اطاعت کرتے ہیں ۔اور ان لوگوں سے مال[زکوٰۃ وصدقات] بھی غیر معصوم لیتا ہے ۔

اگر شیعہ کہیں کہ ان امور کا ذمہ دار امام معصوم ہے ۔تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ: اگر وہ حضرت ابوبکر وعمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرح با اقتدار ہوتب بھی اس کا عدل جو کہ اس پر واجب ہے ؛ سب لوگوں تک نہیں پہنچ سکے گا۔اس کی زیادہ سے زیادہ حد یہ ہوسکتی ہے کہ ہر شہر کے لیے ایک طاقت ور اور افضل نواب کو مقرر کیا جائے ۔اور جب عادل کا دستیاب ہونا یوں بھی مشکل ہو یا ظالم کے علاوہ کوئی بھی میسر نہ آئے تو پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ امام پر عادل وقادر نواب کو مقرر کیا جائے ؟

جب امام معصوم کو ایسا شخص نہیں مل سکے گا تو اس سے یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ پر قادر اور عادل مطلق کو پیدا کرنا واجب نہیں ہے ؛ بلکہ اللہ پر وہی کچھ واجب ہے جس کے کرنے پر وہ قادر ہے ۔[امام معصوم کا تقرر پھر اللہ پر واجب کیسے ٹھہرا؟] ۔پس ایسے ہی لوگوں پر واجب ہے کہ وہ مخلوق الٰہی میں سے نیک لوگوں کو اپنا حاکم بنائیں ۔اگرچہ اس میں بعض پہلوؤں کے لحاظ سے نقص بھی موجود ہو؛ جیسے قدرت وعدل۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے :''اے اللہ میں تیری بارگاہ میں شکایت کرتا ہوں فاجر انسان کی بہادری اور ثقہ[نیک] کی عاجزی کی۔''

دنیا کی سیاست حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح دوسرا کوئی انسان نہیں کرسکا۔تو پھر آپ کے علاوہ کسی دوسرے انسان کے متعلق کیا خیال ہوگا؟

یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب متولی خود قادر وعادل ہو۔تو جب امام معصوم خود عاجز ہو؛ تو پھر کیا عالم ہوگا؛ اور پھر جب امام بالکل ہو مفقود ہوتو کیا کہہ سکتے ہیں ۔اور پھر کون ہوگا جو رعیت کا رابطہ امام سے کرائے گا' اور امام کو امت کے احوال کی خبر دے گا ؟ اور کون امت پر اس امام کی اطاعت کو لازم ٹھہرائے گا' تاکہ وہ امام مطاع تصور ہو۔اور جب بعض نواب اس کی اطاعت کا اظہار کریں تو وہ انہیں اپنا نائب مقرر کردے ۔اور پھر وہ [نائب] جیسے چاہے لوگوں سے اموال وصول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کرے اور بادشاہوں کے شہروں میں بسیرا کرے؛ تو امام معصوم کا اس میں کیا حیلہ و چارہ باقی رہ جاتا ہے؟

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صرف اکیلے امام معصوم سے مقصود حاصل نہیں ہو سکتا بھلے وہ قوت اور شوکت والا بھی ہو۔ اور پھر اس وقت کیا عالم ہو گا جب وہ خود مغلوب و عاجز ہو؟ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر جب امام بالکل ہی مفقود اور غائب ہو اور کوئی انسان اس سے بات چیت کرنے پر قادر ہی نہ ہو اور اس معدوم امام کی کوئی حقیقت ہی نہ ہو [[کیونکہ یہ امام معصوم شیعہ کے نزدیک عاجز ہے اور ہمارے نزدیک معدوم ہے]]۔

ساتویں وجہ:......ہم یہ کہتے ہیں کہ: امام معصوم اسی صورت میں ظلم کا ازالہ اور اپنی رعیت سے عدل و انصاف کا سلوک کر سکتا ہے جب وہ ظلم کے روکنے اور اپنا حق وصول کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ جب وہ خود ہی عاجز و مغلوب ہو اور اپنے نفس سے ظلم کو نہ روک سکتا ہو؛ اپنا حق وصول نہ کر سکتا ہو نہ ہی ولایت سے اور نہ ہی مال سے؛ اور نہ ہی اپنی بیوی کی میراث کا حق وصول کر سکتا ہو؛ تو پھر رعیت سے ظلم کو کیوں کر دور کر سکے گا؛ اور لوگوں کو کون سا حق ادا کرے گا؟

پھر اس وقت کیا عالم ہو گا جب امام خود ہی معدوم ہو یا پھر اتنا ڈرپوک ہو کہ ظالموں کے ظلم یا قتل کئے جانے کے خوف سے کسی شہر یا گاؤں میں ظاہر ہونے کی ہمت نہ کر سکتا ہو۔ [شیعہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ ان کا امام خائف ہے] اور خوف قتل کی بنا پر چار سو ساٹھ سال سے باہر نہیں نکل رہا۔ زمین ظلم و فساد سے بھری ہوئی ہے؛ اور وہ اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ کم از کم اپنا تعارف ہی کرا سکے۔ تو پھر وہ مخلوق سے ظلم کو کیسے ختم کر سکتا ہے؟ یا مستحق کو اس کا حق کیسے دلوا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ان لوگوں پر کس طرح برابر صادق آتا ہے؛ [اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں]:

﴿اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾

[الفرقان ۴۴]

''کیا آپ گمان کرتے ہیں کہ واقعی ان کے اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں، وہ نہیں ہیں مگر چوپاؤں کی طرح، بلکہ وہ راستے کے اعتبار سے زیادہ گمراہ ہیں۔''

[اللہ تعالیٰ کی ظلم و قباحت سے تنزیہ:]

آٹھویں وجہ:...... یہ قول کہ: ''کیا اللہ تعالیٰ قبیح حرکت کا ارتکاب کرتا ہے۔''

اس مسئلہ میں علماء کے دو قول ہیں:

- بعض کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ سے ظلم کا صدور ممتنع ہے؛ اور قبیح کا ارتکاب مستحیل۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں وہ حسن ہوتا ہے۔ شیعہ کے ہاں یہ کہنا ممتنع ہے کہ اس سے بہتر یہ ہے۔ چہ جائیکہ کوئی اسے واجب قرار دے۔

دوسرا قول:......ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ: چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر واجب قرار دیا ہے' اس لیے عدل و رحمت اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام: ۱۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''تمہارے پروردگار نے رحمت کو اپنی ذات پر لکھ رکھا ہے۔''

ظلم حرام ہے؛ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام کر رکھا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ:

''اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے؛ اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام کرتا ہوں' پس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔''❶

اس عقیدہ کے قائلین کہتے ہیں: یہ چیز عقل سے واجب ہوتی ہے۔

بہر کیف اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ظلم کا ارتکاب ہوتا ہے نہ وہ امر واجب میں خلل ڈالتا ہے۔ اس نے امر واجب کو پورا کر دیا ہے۔ مگر اس کے باوجود جن مصالح کا ظہور امام معصوم سے ضروری تھا وہ بروئے کار نہیں آئے۔ اگر ان مصالح کا حصول صرف امام کی تخلیق سے قبل ہی پورا کر دیا ہے اور وہ حاصل نہیں ہوئے تو امام کو پیدا کرنا واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر ان مقاصد ومصالح کا حصول تخلیق امام کے علاوہ چند دیگر امور کے پیدا کرنے پر موقوف تھا اور ان دونوں کے مجموعہ سے مقصد کا حاصل ہونا ضروری تھا تو اس نے وہ مجموعہ پیدا نہیں کیا۔ بھلے اس مجموعہ میں کچھ بھی نہ پیدا کیا ہو؛ یا بعض چیزیں نہ پیدا کی ہوں۔

قلیل ہو یا کثیر اخلال بالواجب اللہ تعالیٰ پر ممتنع ہے۔ بنا بریں دونوں صورتوں میں ان مقاصد کے موجبات کا پیدا کرنا اس پر ضروری نہ ٹھہرا۔ اور جب واجب نہ ہوا تو اس میں کچھ فرق نہیں کہ وہ معصوم کو پیدا کرے جس سے یہ مقصد حاصل نہ ہو یا اسے پیدا نہ کرے اور اس پر یہ واجب بھی نہ ہو۔ بنا بریں اس کا وجود بھی ضروری نہ ہوگا۔ لہٰذا ہر صورت میں اس کے وجود کو ضروری قرار دینا باطل ٹھہرے گا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ: ''بیشک مقصود امام معصوم کی پیدائش اور مخلوق کی اس کی اطاعت کرنے سے حاصل ہوگا۔''

تو ان سے کہا جائے گا: اگر مکلفین کی اطاعت گزاری اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تھی؛ مگر اس نے پیدا نہیں کیا؛ تو اس نے اس امام معصوم سے حاصل ہونے والی مصلحت کو بھی پیدا نہیں کیا۔ تو پھر ایسا کرنا اس پر واجب نہ ہوا؟ اور اگر اس کے اختیار میں نہ ہو تو پھر اس کے بغیر مکلّف کے حق میں بھی واجب نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے حق میں کیسے واجب ہو سکتا ہے؟

جس چیز کے بغیر واجب پورا نہیں ہو سکتا؛ وہ سرے سے موجود ہی نہیں پھر اس صورت میں امر واجب نہیں ہوگا۔

کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ جو مصلحت کسی دوسرے فعل کے بغیر حاصل نہ ہو سکتی ہو' اس کا کرنا واجب نہیں ہوتا۔ سوائے اس صورت کہ کوئی دوسرا اس فعل کے کرنے پر مدد کرے؟ جیسا کہ جمعہ کی نماز صرف اس صورت میں واجب ہوتی ہے جب امام موجود ہو' اور جمعہ پڑھنے والوں کی مطلوبہ تعداد پائی جاتی ہو۔ کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر دوسرے لوگوں کے اور بغیر امام کے اکیلا ہی جمعہ پڑھنا شروع کر دے۔ اور حج جو کہ اس انسان پر واجب ہوتا ہو جس کے لیے ایسے ساتھی کا ہونا ضروری ہو جس کی معیت میں وہ پر امن ہو۔ یا پھر اس کے ساتھ اس کے لیے کرایہ کی سواری کا

❶ صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلة۔ باب تحریم الظلم (حدیث:۲۵۷۷)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

بندوبست کرے۔ اگر ان امور کو بجالانے والا فرد میسر نہ ہو تو حج واجب نہیں ہوتا۔ ایسے ہی جب ظلم کا ختم کرنا انصار و مدد گار کے بغیر ممکن نہ ہو تو اس اکیلے انسان پر ظلم سے دفاع کرنا واجب نہیں ہو جاتا۔

اگر وہ کہیں کہ: ''بیشک اللہ تعالیٰ پر اپنے بندوں کے لیے ان مصلحتوں کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے جو کہ معصوم کے پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہیں؛ اور یہ مصلحتیں اس وقت تک پوری نہیں ہوسکتیں جب تک اس امام کی اطاعت کرنے والے موجود نہ ہوں۔ اگر اس بات کو تسلیم کرلیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اس کے اطاعت گزار بنادے۔ تو پھر معصوم کو پیدا کرنا بھی اس پر واجب نہ ہوگا۔ اس لیے کہ جس چیز کے بغیر واجب پورا نہیں ہوسکتا' وہ سرے سے موجود ہی نہیں۔ اور اکیلے امام معصوم سے یہ مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔

اگر یہ کہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ کو امام معصوم پیدا کرنا چاہیے' شاید کہ کچھ لوگ اس کی اطاعت کرلیں۔''

جواب:......ان سے کہا جائے گا یہ اس کے لیے ممتنع ہے جو عاقبت امور کو جانتا ہے۔ نیز ان سے یہ بھی کہا جائے گا:

''جب مطلوب کی شرط کبھی حاصل ہوتی ہو اور کبھی حاصل نہ ہوتی ہو؛ اور یقیناً غالب اوقات میں یا اکثر و بیشتر اوقات میں یہ حاصل نہیں ہوتی؛ تو پھر ممکن ہے وہ [ایسے] غیر معصوم کو پیدا کرے جو اکثر اوقات یا بعض اوقات میں عدل و انصاف کرنے والا ہو۔ اس لیے کہ جو اکثر اوقات میں عدل و انصاف کرتا ہو' اور بعض اوقات میں ظلم کرتا ہو؛ اور جب اس کے وجود کی مصلحت اس کے فساد سے زیادہ ہو؛ [اس کا ہونا] اس امام کے ہونے سے بہتر ہے جو کسی بھی حال میں کبھی بھی انصاف نہ کرسکتا ہو؛ اور نہ ہی کسی سے ظلم کو ختم کرسکتا ہو؛ اس لیے کہ اس امام کے ہونے میں کسی طرح کی بھی کوئی مصلحت نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ پر معصوم کو پیدا کرنا واجب تھا، وہ اس نے کر دیا۔ مگر لوگوں نے اس کی نافرمانی کرکے اس مصلحت کو پورا نہ ہونے دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ لوگ مصلحت کی تحصیل کے سلسلہ میں امام معصوم کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے، بلکہ نافرمانی کرکے عذاب میں مبتلا ہوں گے تو اس کا پیدا کرنا واجب نہ ہوا۔ اور نہ اس میں کچھ حکمت و مصلحت مضمر ہوئی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ سب لوگ اس کے نافرمان نہیں بخلاف ازیں کچھ لوگ نافرمانی کرتے ہیں اور بعض اس کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں، پھر وہ ان لوگوں کو اطاعت کی توفیق کیوں نہیں دیتا۔

دوسری بات: اور اگر وہ کہیں کہ: ''ان ظالموں نے لوگوں کو اس کی اطاعت سے روک کر رکھا۔''

ان سے کہا جائے گا: جب اللہ تعالیٰ ظالموں کو روکنے پر قادر تھا' تو پھر انہیں ان کے اس عمل سے روکا کیوں نہیں؟ اور اگر اس کے اختیار و قدرت میں نہیں تھا؛ اور اسے علم تھا کہ مصلحت کا حصول اس کی قدرت سے باہر ہے تو پھر اسے چاہیے تھا کہ وہ ایسا نہ کرے۔ تو پھر اس تقدیر کی بنا پر آپ کیسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ: اس کے لیے نبی کے علاوہ غیر معصوم کا پیدا کرنا اس کے اختیار میں تھا؟ یہ قول ان کے ساتھ لازم ہے۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال پیدا کرنے والا ہے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

؛تو پھراس کے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ظلم کے دواعی کوختم کرے تا کہ لوگ اس کی اطاعت کرنے پر قادر ہوجائیں۔

اور اگرکہیں کہ: اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال پیدا کرنے والا نہیں ہے۔''

تو اس وقت کہا جائے گا کہ:''عصمت اس وقت ہوتی ہے جب فاعل نیکیاں چاہتا ہو؛اور برائیوں کا اس کا کوئی ارادہ نہ ہو۔جب وہ آپ کے نزدیک کسی ایک کا ارادہ تبدیل کرنے پر قادر نہیں ہے تو پھر کسی کو معصوم بنانے پر بھی قادر نہیں ہے۔

یہ بذات خود مخلوق میں سے کسی ایک کو معصوم پیدا کرنے کے نظریہ کے بطلان کی دلیل ہے۔قدریہ کے قول کے مطابق عصمت اس وقت ہوسکتی ہے جب انسان کا ارادہ صرف نیکیوں کا ہو؛ اسے برائیوں کا خیال تک نہ آئے۔قدریہ کے ہاں اللہ تعالیٰ کسی کے ہاں ارادہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؛ تو پھر کسی کو معصوم بنانا بھی ممتنع ہوا۔اور اگر وہ کہیں کہ:''وہ ایسا پیدا کرتا ہے جس کا ارادہ خیر کی طرف مائل ہو۔''

جب اس طرح کے امور موجود ہوں' تو پھر تکلیف کا حکم ختم ہوجاتا ہے۔جب کوئی راہِ پناہ موجود نہ ہوتو اس کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔اور اگر ایسا کرنا تمہارے نزدیک اس کے اختیار میں تھا تو اس نے تمام لوگوں کے لیے ایسا کیوں نہیں کیا؟ حالانکہ ایسا کرنا تمام لوگوں کے لیے زیادہ بہتر تھا۔تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر واجب ہوتا ہے کہ وہ بندوں کی بہتری کے لیے تخلیق کرے۔ ایسا کرنے سے تمہارے ہاں ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی ۔ جیسا کہ اس طرح کا فعل تمہارے نزدیک امام کے حق میں ممتنع نہیں ہے۔

نویں وجہ:......عصمت ائمہ کا مسئلہ اس لیے بھی درست نہیں کہ شہر کی اصلاح کے لیے جس قدر ایک ناظم و مدبّر کی ضرورت ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ آدمی بذات خود اپنے بدن کی اصلاح کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو معصوم پیدا نہیں کیا تو اس پر معصوم رئیس کو پیدا کرنا کیوں کر واجب ٹھہرا؟

اس کے ساتھ ہی انسان کے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے باطن میں کفر چھپائے رکھے' یا باطن میں نافرمان ہو؛اور ظلم و فساد اور بہت سارے امور میں منفرد ہو' مگر امام یہ باتیں نہ جانتا ہو۔اور اگر امام کو پتہ بھی چل جائے تو ان کے ازالہ پر قدرت نہ رکھتا ہو۔اگر یہ [یعنی لوگوں کا پاکیزہ و معصوم باطن پیدا کرنا] واجب نہیں ہے تو پھر کوئی دوسری چیز کیسے واجب ہوسکتی ہے؟

دسویں وجہ:......ایک سوال یہ بھی ہے کہ معصوم کو پیدا کرنے کا مقصد آیا دنیا سے فساد کو ختم کرنا ہے یا کم کرنا؟ یا یہ کہ انسان ان ائمہ کے ساتھ فساد سے دور تر اور اصلاح کے قریب تر ہوتا ہے؟ یعنی اگر امام معدوم ہوجائیں تو کوئی ان کے قائم مقام نہ ہو؟ یا پھر یہ مقصود ہے کہ ایسی اصلاح ہوجائے جس کے ساتھ فساد کا کوئی وجود باقی نہ رہے؟ یا پھر ایک خاص مقدار میں اصلاح مقصود ہے؟ [اگر ختم کرنا مقصود ہے تو دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوا اور اگر فساد کی تقلیل مقصود ہے تو یہ کام معصوم کے بغیر بھی اکثر حکمرانوں کے ذریعہ ممکن ہے۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے عہد خلافت میں اس فساد میں جو کمی آئی تھی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں رونما نہیں ہوئی۔اسی طرح بنوامیہ اور بنوعباس کے خلفاء دور میں جو اصلاح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئی وہ بارہ ائمہ کے وجود سے بہت بڑھ کر تھی۔اس طرح کی اصلاح روم‘ ترک اور ہند کے بادشاہوں کے ہاتھوں بھی ہوتی ہے جو کہ امام غائب المنتظر کے ہاتھ پر ہونے والی اصلاح سے بہت زیادہ اور بڑھ کر ہوتی ہے۔اس لیے کہ کوئی بھی حاکم ایسا نہیں ہوتا جس کو اگر معدوم مان لیا جائے تو اس کے نہ ہونے کی صورت میں پیدا ہونے والا فساد اس کے وجود سے بڑھ کر ہوتا ہے۔لیکن ایسے ہوسکتا ہے کہ ایک حاکم کی نسبت کسی دوسرے میں اصلاح کا پہلو بہت زیادہ ہو۔جیسا کہ کہا گیا ہے کہ:

’’ظالم امام کے زیر تسلط ساٹھ سال بسر کرنا ایک رات بغیر امام و حاکم گزارنے سے بہتر ہے۔‘‘

اگر شیعہ یہ کہیں کہ:’’وجودِامام سے ایسی اصلاح مقصود ہوتی ہے جس کے ساتھ کوئی فساد باقی نہ رہے۔‘‘

تو ان سے کہا جائے گا:’’ایسا کبھی بھی نہیں ہوا۔اور اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی ایسا پیدا نہیں کیا۔اور نہ ہی ایسے اسباب پیدا کئے ہیں جو اس کو لامحالہ طور پر واجب کریں۔جو کوئی اس کو واجب کہتا ہے‘ وہ اس کے لوازمات کو اللہ تعالیٰ پر واجب قرار دیتا ہے۔ایسا کہنا یا تو اس کے عقل میں فساد کی وجہ سے ہے؛ یا پھر وہ اللہ تعالیٰ کی مذمت کرنا چاہتا ہے۔اور ایسی مخلوق کو پیدا کرنا جس کے وجود کے ساتھ یہ سب ممکن ہو؛ صرف اس طرح سے حاصل نہیں ہوسکتا‘ جب تک وہ اسباب نہ پیدا کردیئے جائیں۔

اس کی مثال افعال عباد میں بیان کی جاسکتی ہے۔لیکن معصوم کے بارے میں کوئی بات کہنا بہت خطرناک ہے۔اس لیے کہ امام کی مصلحت اس کی قدرت سے خارج کے اسباب پر موقوف ہے۔صرف یہی نہیں‘ بلکہ شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بھی باہر ہے۔یہ حقیقت میں رافضیوں کے معتزلی عقائد ہیں۔اللہ تعالیٰ پر ان چیزوں کو واجب کرنے کا عقیدہ ہر انسان کے لیے اس کی مصلحت پیدا کرنے کے عقیدہ سے بڑھ کر فاسد ہے۔

گیارھویں وجہ:......شیعہ مصنف لکھتا ہے:’’اگر امام معصوم نہ ہو تو کسی اور امام کی ضرورت لاحق ہوگی۔اس لیے کہ حاجتِ امام کی علت امت کے لیے خطاء واقع ہونے کا جواز ہے۔اگر یہ کہیں کہ امام سے بھی خطأ ہوسکتی ہے تو پھر ایک ایسے امام کی ضرورت پڑے گی جو خطاء سے پاک وصاف ہو۔‘‘

جواب: ہم کہتے ہیں کہ: ایسے کہنا کیوں جائز نہیں ہوسکتا کہ جب امام سے غلطی صادر ہو تو امت کا کوئی فرد اس کی اصلاح کردے، تاکہ سب لوگوں کا غلطی پر جمع ہونا لازم نہ آئے؟ جس طرح رعیت کا کوئی فرد غلطی کررہا ہو تو امام یا اس کا نائب یا ان کا کوئی دوسرا فرد اس کی اصلاح کرتا ہے۔ایسے ہی جب امام یا اس کے نائب سے غلطی ہوجائے تو امت کا کوئی فرد ان کی اصلاح پر تنبیہ کردے۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ گناہ سے بچ جاتے ہیں اور اس پر جمع نہیں ہوتے؛ نہ کہ امت کا ہر ایک فرد معصوم ٹھہرتا ہے؛ جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ خبر متواتر میں ایک ایک کرکے ہر شخص کے بارے میں کذب وخطا کا احتمال ہوتا ہے۔اور ایسے بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی ایک فرد جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہو۔مگر بہ حیثیت مجموعی عادۃً یہ احتمال باقی نہیں رہتا۔ایسی ہی مثال

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

چاند دیکھنے والوں یا دیگر دقیق اشیاء میں غور کرنے والوں کی ہے۔ ایسے ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک سے غلطی ہوجائے۔مگران سب لوگوں کا غلطی پر اجماع ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ایسے ہی حساب اور ہندسہ [انجینئرنگ] کے امور میں غور وفکر کرنے والوں کا حال ہوتا ہے۔ان میں سے کسی ایک سے ایک یا دو مسائل میں غلطی کا ہوجانا ممکن ہوتا ہے۔مگر جب کسی فن کے ماہرین کی بڑی تعداد کسی مسئلہ پر جمع ہوجائے تو عادتاً ان سے غلطی کا امکان باقی نہیں رہتا۔

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ: جب کسی قوم کا ایک بات پر اتفاق ہوجائے' ان کے لیے عصمت ثابت کرنا عقل اور وجود کے زیادہ قریب تر ہے بہ نسبت ایک انسان کے لیے اس کے اثبات کے۔ جب کہ [اہل علم وفن کی] بڑی تعداد کا جب کسی مسئلہ پر اجماع ہوجائے؛ اوران کے لیے عصمت کا حصول ممکن نہ ہو' تو پھر یہ زیادہ مناسب ہے کہ اکیلا آدمی بھی معصوم نہ ہو۔ اور اگر فرد واحد کے لیے عصمت کا حصول ممکن ہے تو پھر اس جیسے لوگوں کی جماعت اور ایک بڑی تعداد کے لیے عصمت کا حاصل ہونا زیادہ اہم ہے۔

بنا بریں بہ حیثیت مجموعی پوری امت کو معصوم قرار دینا ایک شخص کو معصوم قرار دینے سے بہتر ہے، اس سے عصمت امام کا مقصد پورا ہوجاتا ہے اور امام کو معصوم قرار دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔

رافضی جہالت کا ثبوت:

روافض کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ ان کے خیال میں سب اہل اسلام غلطی پر ہوسکتے ہیں جب ان میں ایک معصوم امام نہ ہو، مگر ایک شخص کا غلطی سے پاک ہونا ضروری ہے۔صریح معقول اس بات کی گواہ ہے کہ جب بڑی تعداد میں علماء اپنے اجتہادات میں اختلاف کے باوجود کسی بات پر جمع ہوجائیں تو اس بات کا درست ہونا؛ فرد واحد کی رائے کی نسبت سے حق کے زیادہ قریب تر ہوتا ہے۔اور جب خبر واحد سے علم کا حصول ممکن ہے تو پھر متواتر خبر سے علم کا حصول زیادہ اولی ہے۔

اس کی مزید وضاحت اس امر سے ہوتی ہے کہ: عام مصالح میں امام لوگوں کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔یعنی اگر وہ اکیلا ہوتو ان امور کو بجالانے پر قادر نہ ہوسوائے اس صورت کے کہ وہ لوگوں کے ساتھ اس کام میں شریک ہو۔ امام کے لیے حدود کا قائم کرنا' لوگوں کے حقوق کا ادا کرنا؛ لوگوں سے اپنا حق وصول کرنا ان کی مدد کے بغیر ممکن نہیں؛ اور نہ ہی ان کی معاونت کے بغیر دشمن سے جہاد ممکن ہے؛ بلکہ امام کے لیے باجماعت نماز ادا کرنا یا جمعہ پڑھنا بھی اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اس کے ساتھ لوگ نماز نہ پڑھیں۔اور نہ ہی عام لوگوں کے لیے امام کے اوامر ونواہی پر عمل کرنا ممکن ہوتا ہے جب تک اس کے اعوان وانصار اس کا ساتھ نہ دیں۔ جب یہ لوگ ارادہ وقدرت میں امام کے ساتھ شریک ہیں' تو پھر وہ ان سے منفرد نہیں ہوسکتا۔ ایسے ہی علم ورائے میں بھی یہ واجب نہیں ہوسکتا کہ امام منفرد ہو' بلکہ دوسرے لوگ اس کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔جیسا کہ امام اپنے اختیارات کے استعمال میں ان لوگوں کی مدد کے بغیر عاجز آجاتا ہے؛ ایسے ہی اسے اپنے علم میں بھی دوسرے لوگوں کی معاونت کی ضرورت ہوتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بارھویں وجہ:...... وہ دینی علم جس کی ائمہ اورامت کوضرورت ہوتی ہے؛اس کی دوقسمیں ہیں:علم کلی: جیسے پانچ نمازوں کی فرضیت؛ ماہ رمضان کے روزے؛ زکوٰۃ اور حج ۔ زنا' چوری؛ اورشراب کا حرام ہونا اوراس طرح کے دیگر مسائل۔

علمی جزئی:...... جیسا کہ فلاں انسان پرحدواجب ہوتی ہے؛ اورفلاں انسان پرزکوٰۃ واجب ہوتی ہے؛ وغیرہ۔

پہلی قسم:...... بیان شریعت اس قسم میں مستقل ہے۔ اس کے لیے کسی امام کی ضرورت نہیں ۔اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے یا تو کلیات شریعت کونص کے ساتھ بیان کردیا ہے' یا پھرکہیں پر جہاں قیاس کی ضرورت تھی؛ وہاں ویسے چھوڑ دیاہے اور اگراس کا تعلق پہلی قسم سے ہے تو مقصود حاصل ہوگیا؛ اور اگر دوسری قسم سے ہے تو قیاس سے حاصل ہوجائے گا۔

اگرکوئی یہ کہے کہ: آپ ﷺ نے ایسے امور کا بیان ترک کردیا ہے جو نہ تو نص سے معلوم ہوسکتے ہیں اور نہ ہی قیاس سے ۔ بلکہ وہ صرف امام کے قول سے معلوم ہوسکتے ہیں ؛ تو[اس سے لازم آتا ہے کہ] یہ امام نبوت میں شریک ٹھہرا پھرنائب باقی نہ رہا۔اس لیے کہ جب امام نبی کریم ﷺ سے بغیرکسی سند کے لوگوں پر احکام کو واجب کرے' اوران پر حرام وحلال ٹھہرائے' تو یہ خود مستقل شارع ہوا؛ پیغمبر کا اتباع کارنہ رہا۔اب یہ صرف نبی ہی ہوسکتا ہے۔اس لیے کہ جو نبی کا خلیفہ یا نائب ہو' وہ مستقل شارع نہیں ہوا کرتا۔

ایسے ہی جب قیاس حجت ہے تو لوگوں کو اسکا حوالہ دینا جائز ہے۔ اوراگر یہ حجت نہیں ہے تو پھر نبی کریم ﷺ پر واجب ہوتا تھا کہ آپ کلیات میں اس کو بیان کرتے ۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾

[المائدہ ٤]

''آج کے دن ہم نے آپ کے لیے آپ کا دین مکمل کردیا، اورآپ پر اپنی نعمت پوری کردی، اورآپ کے لیے دین اسلام کو پسند کرلیا۔''

یہ واضح نص ہے کہ دین اسلام مکمل ہے' اس کے ساتھ کسی دوسری چیز کی کوئی ضرورت نہیں۔

لوگ اس اصل میں تین اقوال پر ہیں۔ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو کہتا ہے کہ:نصوص نے تمام کلیات شریعت کواپنے اندر سمویا ہوا ہے اب قیاس کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی قیاس کرنا جائز ہوسکتا ہے۔

ان میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ: بہت سارے پیش آمدہ واقعات ایسے ہیں جنہیں نصوص شامل نہیں ہیں۔ پس ضرورت قیاس کا تقاضا کرتی ہے۔ان ہی لوگوں میں ایسے بھی ہیں جن کا دعوی ہے کہ اکثر نئے مسائل کونصوص شامل ہی نہیں۔پس ان کی طرف سے ایسا کہنا بھی زیادتی ہے۔

ان میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ نصوص جلی یا خفی طور پرتمام نئے مسائل کو شامل ہیں۔ پس لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جوان دلائل کونہیں سمجھ سکتے اورنہ ہی ان تک نص پہنچتی ہے پس وہ قیاس کے لیے ضرورت مند ہوتے ہیں؛ اگرچہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

نصوص ان حوادثات (نئے مسائل) کو شامل ہوتی ہیں۔اور وہ کہتے ہیں کہ: عموم نص قطعی اور قیاس معنوی میں سے ہر ایک حجت ہے۔اور وہ طریقہ ہے جس پر سالک جہاں تک ممکن ہوسکے گامزن رہتا ہے۔یہ دونوں چیزیں آپس میں متفق ہیں؛ اوران کا آپس میں اختلاف وتضاد صرف اس صورت ہوسکتا ہے جب ان دو میں سے کوئی ایک فاسد ہو۔یہی قول دوسروں کی نسبت حق کے زیادہ قریب ہے۔

جب جزئیات کے ہر ایک مسئلہ پر نص کا ہونا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اجتہاد کا ہونا ضروری ہے تاکہ شرعی احکام کو اس کے ساتھ ملایا جائے۔مثال کے طور پر شارع کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر انسان کو جا کر بتائے کہ اس کا قبلہ کس طرف بنتا ہے۔اور حاکم ہر گواہ کی عدالت کے متعلق نہیں بتا سکتا۔اس کی مثالیں اور بھی ہیں۔

اگر ان کا دعوی ہو کہ امام جزئیات میں معصوم ہے تو یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ اور حقیقت کا انکار ہے۔اس کا دعوی کسی ایک نے بھی نہیں کیا۔اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کو بھی نائب مقرر کیا تھا جن سے خیانت و عاجزی ظاہر ہوئی تھی۔آپ نے دو آمیوں کی گواہی کی بنیاد پر ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا۔

پھر وہ گواہ کہنے لگے: ہم سے غلطی ہوگئی۔

تو آپ نے فرمایا: اگر مجھے یہ پتہ چل جاتا کہ تم دونوں نے جان بوجھ کر اس کے خلاف ایسا کیا ہے' تو میں تمہارے ہاتھ کاٹ دیتا۔یہی معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔آپ نے فرمایا:

''تم اپنا جھگڑا میرے پاس لاتے ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی دلیل کو دوسرے کی نسبت عمدہ طریقے سے بیان کرنے والا ہو اور میں اس کے لیے فیصلہ کردوں اس بات پر جو میں نے اس سے سنی پھر میں جس کے لیے اس کے بھائی کا حق دلا دوں تو اسے نہ لے کیونکہ میں اس کے لیے جہنم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔'' [1]

اہل خیر کے کچھ لوگوں نے اہل شر بنو ابیرق کے لوگوں پر دعوی کیا کہ انہوں نے ہمارے غلہ اوراسلحہ کی چوری کی ہے۔ یہ لوگ آئے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی برأت کا اظہار کیا؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سچا خیال کیا؛ مگر فوراً ہی یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا o وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا o وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا﴾ [النساء ۱۰۵۔۱۰۷]

[1] صحیح مسلم: ج ۲ : ح ۱۹۸۱ ـ البخاري 3/180؛ کتاب الشهادات، باب من أقام البينة بعد اليمين۔ 9/25 کتاب ترك الحيل، باب حدثنا محمد بن كثير، سنن أبي داود 3/410 کتاب الأقضية، باب في قضاء القاضي إذا أخطأ، المسند ط۔ الحلبي 3/320 ؛ والحديث في سنن الترمذي والنسائي وابن ماجه والموطأ ومواضع أخرى في المسند۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''یقیناً ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والے، مہربانی کرنے والے ہیں۔ اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کرو جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں، یقیناً دغا باز گنہگار اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا۔'' ❶

جملہ طور پر امور کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

کلیہ عامہ جزئیہ خاصہ

جزئیات خاصہ میں سے وہ جزئیہ بھی ہے جس میں کسی دوسرے کے شریک ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر کسی خاص میت کی میراث؛ اور کسی خاص گواہی کی دینداری اور شرعی عدالت؛ فلاں بیوی کے اخراجات۔ اس شوہر سے طلاق کا واقع ہونا۔ فسادی انسان پر حد کا قیام وغیرہ۔

ان امور میں کسی نبی یا ولی یا کسی امام کے لیے ہرگز یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر انسان کے متعلق حکم بیان کیا جائے۔ اس لیے کہ بنی آدم کے ہر ایک انسان اور اس کے جزئی مسائل کی معرفت حاصل کرنے سے ہر ایک عاجز ہے۔ کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر فرد کے ساتھ پیش آنے والے احکام کی معرفت حاصل کر سکے۔ بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ انسان کلیات کا علم حاصل کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں جامع کلمات دیکر مبعوث کیا گیا ہوں۔'' ❷

امام تمام رعیت پر؛ عام قضایا وکلیات پر انحصار کیے حکم جاری نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی قاعدہ کلیہ کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ کسی کو نواب مقرر کیا جائے؛ یا کسی کو ولی عہد بنایا جائے۔ پھر اعیان کو ان ہی کلیات کی روشنی میں دیکھا جائے گا۔ کسی خاص کو کیسے عام کے تحت میں داخل کیا جاتا ہے۔ اس میں نظر و اجتہاد ضروری ہوتے ہیں؛ جس میں کبھی مجتہد سے اصابت رائے ہوتی ہے' اور کبھی وہ غلطی بھی کر جاتا ہے۔

اگر ان میں ہر ایک کے لیے عصمت کی شرط رکھی جائے؛ تو نواب کو پھر ان اعیان میں بھی عصمت کی شرط رکھنی پڑے گی۔ جبکہ اس شرط کے منتفی ہونے پر تمام عقلاء کا اتفاق ہے۔

اگر کلیات پر اکتفاء کیا جائے؛ تو نبی کریم ﷺ کے لیے ممکن ہے کہ آپ کلیات کے متعلق حکم جاری فرمائیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ وہ تفصیلی شریعت لے کر آئے ہیں۔ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں میں سے کون سی حلال ہیں اور کون سی حرام ہیں۔ کسی انسان کی قریبی رشتہ دار عورتیں اس پر حرام ہیں سوائے چچا زاد؛ پھوپھی زاد؛ ماموں زاد؛ خالہ زاد لڑکیوں

❶ جامع ترمذی: ج ۲: ح ۹۸۵۔ عمدة التفسير 3/ 264۔

❷ البخاری ٤/ ٥٤۔ كتاب الجهاد والسير، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: نصرت بالرعب، مسلم 1/371؛ كتاب المساجد ومواضع الصلاة، أول الكتاب، سنن النسائي 6/3؛ كتاب الجهاد، أول الكتاب، المسند ط۔ المعارف 14/20

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کے۔ان کا ذکر قرآن مجید کی سورت احزاب میں آیا ہے۔

ایسے ہی پینے کی چیزوں میں سے ہر وہ چیز حرام ہے جس کے پینے سے نشہ آتا ہو۔جس سے نشہ نہ آتا ہو؛ وہ حلال ہے۔اللہ تعالیٰ نے محرمات کو ان آیات میں بیان کیا ہے؛ ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾۔[الأعراف ۳۳]

''فرمادیجیے کہ بیشک میرے رب نے حرام کیا ہے ان تمام اعلانیہ اور پوشیدہ فحش باتوں کو؛ اور گناہ کی بات کو؛ ناحق کسی پر ظلم کرنے کو؛ اور یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات نہ لگا دو جس کو تم جانتے نہیں۔''

پس یہاں پر جو کچھ بھی حرام ذکر کیا گیا ہے' وہ مطلق طور پر حرام ذکر کیا گیا ہے؛ یہ کسی حال میں بھی حلال نہیں ہوسکتا۔جیسا کہ خنزیر کا گوشت' یا خون' مردار کا حکم ہے۔

تمام واجبات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے:

﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾

[الاعراف ۲۹]

''فرمادیجئے: میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کا اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خاص اللہ ہی کے واسطے رکھو۔''

پس تمام تر واجبات حقوق اللہ اور حقوق العباد میں محصور ہیں۔

اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ صرف اس ایک اللہ کی بندگی کریں' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔اور بندوں کے حقوق اس کا عدل ہے۔جیسا کہ صحیح حدیث میں آتا ہے:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا۔آپ نے فرمایا:

''اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حق اس کے بندوں پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا:''اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو، اس کو عذاب نہ دے۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے دوسرے مواقع پر فحاشی؛ گناہ' اور حقوق العباد کی اقسام بیان کی ہیں۔پس وراثت کے احکام کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔اور بتایا ہے کہ کون وراثت کا مستحق ہے اور کون اس کا مستحق نہیں ہے۔اور وارث کی وراثت کی

[1] رواه البخاري ۸/ ۱۰۵۔ مسلم ۱/ ۵۸۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حیثیت کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ کون سے نکاح جائز ہیں اور کون سے نکاح ناجائز ہیں ۔

اگر نصوص کلیہ اس کی تمام انواع کو شامل ہیں' تو رسول اللہ ﷺ امام کی بہ نسبت اس کے بیان کے زیادہ حق دار ہیں' اور اگر ایسا کرنا ممکن نہیں تو امام رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر بے بس ہیں ۔ معین محرمات پر نصوص کے ہونے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ نہ ہی رسول اللہ ﷺ کے لیے ایسا ممکن تھا ؛ اور نہ ہی امام کے لیے۔ بلکہ ان میں اجتہاد کیا جانا ہی لازمی تھا۔ اور مجتہد صحیح فیصلہ بھی کرتا ہے اور کبھی اس سے غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب حاکم کسی چیز میں اجتہاد کرے' اور حق کو پا لے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ اور جب اجتہاد کرے اور حق کو نہ پا سکے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔''❶

رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کے موقع پر- جب ایک خاص معاملہ میں فیصلہ کرنے کا وقت تھا' تا کہ زیادہ مناسب فیصلہ کیا جائے- حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ ان کے لڑنے والوں کو قتل کر دیا جائے ؛ اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے ؛ تو [آپ نے] فرمایا: '' آپ نے سات آسمانوں کے اوپر اللہ کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔''❷

جب رسول اللہ ﷺ کسی سریہ یا لشکر کو روانہ فرماتے تو اس کے امیر کو نصیحت فرمایا کرتے تھے:

''جب تم کسی قلعہ والوں کو محاصرہ کر لو اور وہ قلعہ والے یہ چاہتے ہوں کہ تم انہیں اللہ کے حکم کے مطابق قلعہ سے نکالو تو تم اللہ کے حکم کے مطابق نہ نکالو بلکہ انہیں اپنے حکم کے مطابق نکالو کیونکہ تم اس بات کو نہیں جانتے کہ تمہاری رائے اور اجتہاد اللہ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں۔''❸

سو واضح ہوا کہ امام کے لیے کوئی ایسی عصمت نہیں ہے جو اس سے پہلے رسول کے لیے موجود نہ ہو۔ ولله الحمد و المنه۔ واقعات اس کے موافق ہیں۔

بیشک ہم دیکھتے ہیں جو کوئی بھی اتباع سنت اور اتباع صحابہ کے قریب تر ہوتا ہے؛ اس کی دین و دنیا کی مصلحتیں زیادہ کامل ہوتی ہیں۔ اور جو کوئی بھی کتاب وسنت سے دور ہوتا ہے؛ وہ مصلحت کے حصول سے بھی اتنا ہی دور ہوتا ہے۔

شیعہ لوگوں میں سے اس معصوم کی اتباع سے سب سے زیادہ دور ہیں جس کے معصوم ہونے میں کوئی شک نہیں؛ اور وہ معصوم ہیں جناب محمد رسول اللہ ﷺ ۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے دین حق اور ہدایت دیکر ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا بنا کر مبعوث فرمایا' جنہوں نے کتاب اللہ کے ذریعہ لوگوں کو کفر و گمراہی کے اندھیروں سے ہدایت اور صراط مستقیم کی طرف نکالا۔ حق اور باطل؛ ہدایت وگمراہی؛ ناکامی وکامیابی؛ نور وظلمت ؛ اہل شقاوت و اہل سعادت کے درمیان تفریق کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقسیم کرنے والا بنایا تھا؛ جنہوں نے اس کے بندوں کو نیک بخت

---

❶ البخاری ۹/ ۱۰۸۔ مسلم ۳/ ۱۳۴۲۔ ❷ البخاری ٤/ ٦٤۔ مسلم ۳/ ۱۳۸۳۔

❸ صحیح مسلم ۳/ ۱۳۵۶۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اور بد بخت دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ سعادت مند وہ ہیں جو آپ پر ایمان لائے۔ اور بد بخت وہ ہیں جنھوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کی اطاعت سے روگردانی کی۔

شیعہ جو امام معصوم کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، وہ حقیقی معصوم کی اتباع سے کوسوں دور ہیں۔ تو پھر یقینی طور پر آپ یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ یہ لوگ دینی اور دنیاوی ہر مصلحت کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے زیادہ محروم ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ دیکھیں گے کہ یہ لوگ دنیا کے ظالم ترین اور گمراہ ترین بادشاہوں کی سیاست کے زیر اثر زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ اور ان کے لیے خیر صرف ان لوگوں کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے جو ان میں سے نہیں ہوتے [یہ خود صرف شر کے پتلے ہیں]۔

اسی وجہ سے شیعہ اپنے بہت سارے احوال میں یہودیوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک مشابہت کا عنصر یہ بھی ہے کہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی ہے؛ [فرمان الٰہی ہے]:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾ [آل عمران ۱۱۲]

''ان کو ہر جگہ ذلت کی مار پڑی الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ یا لوگوں کی پناہ میں ہوں یہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے اور ان پر فقر و تنگ دستی مسلط کر دی گئی ہے۔''

یہ صرف اسی صورت میں زمین میں زندگی بسر کرتے ہیں کہ بعض ایسے حکمرانوں کی پناہ میں رہتے ہیں جو خود معصوم نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے یہ لازمی طور پر اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرنے کے لیے زبان سے ایسی باتوں کا اظہار کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں۔ جو کچھ کتاب و سنت لے کر آئے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ ہم پر پورے عالم میں، اور خود ہمارے اندر اپنی نشانیاں ظاہر کر رہا ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ [فصلت ۵۳]

''عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے۔''

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی نشانیاں دکھائی ہیں، ہم نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو حقیقت میں امام معصوم ہیں؛ کے سچے پیروکار مصلحتِ دینی اور دنیاوی کے حصول کے اعتبار سے بزعم خود اس امام کی طرف نسبت رکھنے والوں سے بہترین حال میں ہوتے ہیں۔ اگر ان کا خیال یہ ہو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے والے ہیں تو یہ جان لینا چاہیے کہ شیعہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور سنن سے جاہل اور لابلد ہوتے ہیں۔ پورے عالم پر نظر دوڑانے والا انسان اس بات کا ادراک کر سکتا ہے۔ اور اس بارے میں ہم سے ان ثقہ لوگوں نے بھی بیان کیا ہے جنہیں جہاں بھر کی خبریں ہوتی ہیں، اور وہ دنیا کے بسنے والوں کے احوال پر نظر رکھتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ: بلاد حجاز اور شام کے ساحلی علاقوں میں ایسے رافضی پائے جاتے ہیں جو اپنے آپ کو امام معصوم کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ ہم نے ان لوگوں کا حال دیکھا ہے جو شام کے ساحلی علاقوں پر رہا کرتے تھے؛ مثلاً جبل کسروان کے رہنے والے ۔اور ہم تک ان لوگوں کی خبریں پہنچتی رہتی ہیں ۔ ہم نے ان سے بڑھ کر دینی اور دنیاوی لحاظ سے بدحال فرقہ کوئی اور نہیں دیکھا۔اور یہ بھی دیکھا ہے کہ جن حکمرانوں کے زیر سایہ وہ زندگی گزار رہے ہوتے ہیں وہ علی الاطلاق ان سے کئی درجہ بہتر ہوتے ہیں ۔

جو لوگ کافر حکمرانوں کے زیر سایہ رہتے ہوں ' ان کی حالت ملحدین ' نصیریہ ' اور اسماعیلیہ وغیرہ سے بہتر ہوتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے الوہیت اور نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں ۔

ہر وہ گروہ جو اہل سنت بادشاہوں کے زیر سایہ رہا ہے؛ بھلے وہ بادشاہ دین و دنیا کے اعتبار سے ظالم ترین بادشاہ ہو' مگر اس کی رعیت کی حالت دوسرے لوگوں کی نسبت سے بہتر ہوتی ہے ۔اس لیے کہ جو بات اہل سنت کے مابین مشترک ہے' اور جس کی وجہ سے اہل سنت اہل رفض سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں' اور جن امور پر دین و دنیا کی مصلحتیں منحصر ہیں ' اس کی کئی وجوہات ہیں ۔

وہ معاملہ جو رافضیوں کے مابین مشترک ہے' اور اہل سنت اس میں روافض سے ممتاز ہیں' اس پر نہ ہی کسی شہر کی کوئی مصلحت منحصر اور نہ ہی گاؤں کی؛ اور کسی گاؤں یا شہر کے رہنے والوں کو آپ ایسا نہیں پائیں گے جن پر رافضیت غالب ہو؛ مگر وہ اپنی بقاء و قیام کے لیے دوسرے لوگوں کا سہارا لیکر چلتے ہیں خواہ یہ دوسرے لوگ اہل سنت مسلمان ہوں یا پھر کوئی کافر۔

صرف اکیلے رافضی اپنی بقاء کو ہرگز قائم نہیں رکھ سکتے ۔ جیسا کہ یہودی اکیلے اپنے معاملات نہیں نبھا سکتے ۔ بخلاف اہل سنت والجماعت کے ۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے بہت سارے شہر و ملک آباد ہیں جن کا نظام چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نہ ہی کسی کافر کا محتاج کیا ہے اور نہ ہی کسی رافضی کا۔

خلفائے ثلاثہ نے ملکوں کے ملک اور شہروں کے شہر فتح کیے؛ مشرق و مغرب میں اسلام کا جھنڈا لہرایا؛ ان کے ساتھ کوئی رافضی نہیں تھا۔ ان کے بعد بنو امیہ آئے ۔ باوجود اس کے کہ ان میں سے بہت سارے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منحرف ہو چکے تھے' اور ان میں سے بعض حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعنہ زنی کرتے تھے؛ مگر وہ مشرق و مغرب کے تمام اسلامی شہروں پر غالب آ گئے تھے ۔ بعد میں آنے والے زمانہ کی نسبت سے ان کے دور میں اسلام بہت ہی معزز و غالب تھا۔ بنو امیہ کا دور ختم ہونے کے بعد ایسا اتفاق و اتحاد پیدا نہ ہو سکا۔ جب بنو عباس کی حکومت قائم ہوئی' اس وقت عبد الرحمٰن بن ہشام الداخل بلاد مغرب کی طرف چلا گیا۔ جسے قریش کا شاہین کہا جاتا ہے ۔اس نے مغرب میں اپنا قبضہ جما لیا اور وہاں پر اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا۔ اپنے گردو نواح کے کفار کا قلعہ قمع کیا۔ دین و دنیا میں ان کی سیاست لوگوں میں بہت معروف رہی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ لوگ اہل عراق کے مذہب سے بہت دور تھے۔ چہ جائے کہ شیعہ کے اقوال کو قبول کرتے۔ اہل مغرب اہل مدینہ کے مذہب پر عمل کرتے تھے۔اہل عراق اور اہل شام امام اوزاعی کے مذہب پر تھے۔ یہ لوگ اہل حدیث کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے اور بہت سارے امور میں ان کی مدد کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ شیعہ کے مذہب سے سب سے دور رہتے تھے۔ ان میں بہت سارے لوگ ہاشمی اور حسینی بھی تھے۔ان میں سے اہل سنت والجماعت کے مذہب کے مطابق وہاں کے عمال اور امراء بھی متعین ہوئے۔

ان میں ایسے بھی لوگ تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں سکوت اختیار کرتے تھے۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں امت کا ایک خلیفہ پر اجماع نہیں ہوسکا۔ اور آپ کو گالی بھی نہیں دیتے تھے جیسے بعض شیعہ کرتے ہیں۔

بعض اہل مغرب علماء نے فتوحات پر بڑی بڑی کتابیں تحریر کی ہیں۔ جن میں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء راشدین ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کی فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی فتح کا ذکر نہیں ملتا ؛ حالانکہ وہ لوگ آپ سے محبت اور دوستی رکھتے تھے۔اس لیے کہ آپ کے زمانے میں کوئی نئی فتح نہیں ہوئی۔

تمام علماء اہل سنت والجماعت : امام مالک اور ان کے ساتھی؛ امام اوزاعی اور ان کے ساتھی؛ امام شافعی اور ان کے ساتھی ؛ امام احمد بن حنبل اور ان کے ساتھی ؛ امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی ؛ اور ان کے علاوہ دیگر علماء کرام رحمہم اللہ ؛ یہ تمام ان خلفاء سے محبت کرتے اور ان سے دوستی رکھتے تھے۔ اور ان کے خلفاء برحق ہونے کا ایمان رکھتے تھے۔ اور جو کوئی ان میں سے کسی ایک کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرتا تو اس پر رد کیا کرتے تھے۔ یہ تمام حضرات خوارج اور روافض کی طرح صحابہ میں سے کسی ایک کو' نہ ہی حضرت علی اور نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو برائی کے ساتھ یاد کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔

پھر خوارج اور روافض کے کچھ گروہ مغرب میں پہنچ گئے۔ جیسا کہ یہ لوگ پہلے سے مشرق میں اور بہت سارے اسلامی شہروں میں موجود تھے۔لیکن ان شہروں کی اساس ان لوگوں کے مذہب پر قائم نہیں ہوسکی۔ بلکہ اگر کسی وقت تھوڑے سے عرصہ کے لیے ان لوگوں کا غلبہ بھی ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکاروں کو کھڑا کیا ؛ جنہوں نے دین حق کا پھریرا کیا' اور باطل کو پیوند زمین کر کے چھوڑا۔

بنو عبید شیعیت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ یہ لوگ مغرب کے کچھ علاقوں پر غالب آگئے اور وہاں پر امام بارگاہیں قائم کیں۔ پھر وہاں سے مصر کی طرف آئے۔اور وہاں پر دوسو سال تک غالب رہے۔ ایسے ہی ایک سو سال تک حجاز اور شام پر غالب رہے۔ بساسیری فتنہ کے وقت بغداد پر غالب آگئے۔ان کے ساتھ زمین کے مشرق و مغرب سے دیگر ملحدین بھی مل گئے۔ اہل بدعت وضلال بھی جو کہ ان سے محبت کرتے تھے؛ ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دینے لگے۔ مگر اس کے باوجود یہ لوگ ہمیشہ اہل سنت والجماعت کے محتاج رہے۔ ان کی حرفہ گری کے حاجت مند رہے ؛ اور ان کے ساتھ تقیہ سے پیش آتے رہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

[رافضی اور تقیہ]:

رافضیوں کا رأس المال تقیہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے باطن کے خلاف ظاہر کیا جائے جیسے منافقین کرتے ہیں۔ مسلمان شروع میں انتہائی کمزور تعداد میں بہت کم تھے؛ مگر اس کے باوجود بھی وہ اپنا دین چھپاتے نہیں تھے۔ رافضیوں کا خیال ہے کہ وہ اس آیت پر عمل کرتے ہیں:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾ [آل عمران ۲۸]

''ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا اور اللہ تمھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔''

ان کا گمان ہے کہ یہی لوگ مؤمن ہیں۔ جب کہ باقی تمام اہل قبلہ کفار ہیں۔ حالانکہ ان کے ہاں جمہور کی تکفیر کے بارے میں دو قول پائے جاتے ہیں۔ مگر ہم نے دیکھا ہے کہ ان کے بڑے بڑے مفتی اور ائمہ اپنی کتابوں اور فتاوی میں جمہور مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ اور انہیں مرتد کہتے ہیں۔ اور ان کے علاقے مرتدین کے علاقے ہیں۔ ان کے ہاں کی مائع چیزوں کو نجس کہتے ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ جو کوئی ان کے مذہب کو چھوڑ کر جمہور کا مذہب قبول کرلے' اور پھر اس کے بعد وہ توبہ کرے' تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ ان کا عقیدہ ہے کہ پیدائشی مرتد اسلام کی طرف رجوع قبول نہیں کیا جائے گا۔

اسلام سے مرتد ہونے والے کے بارے میں بعض سلف کا ایک قول ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں: مرتد جو کہ کافر تھا؛ پھر وہ مسلمان ہوگیا؛ پھر وہ کفر کی طرف واپس لوٹ گیا۔ اس کا معاملہ اس انسان سے مختلف ہے جو مسلمان پیدا ہوا ہو۔ جب کہ شیعہ کا یہی عقیدہ پوری امت کے متعلق ہے۔ پوری امت کے لوگ شیعہ کے نزدیک کفار ہیں۔ پس جو کوئی اہل سنت کے مذہب پر چلا' شیعہ کے نزدیک مرتد ہوگیا۔ یہ آیت ان پر حجت ہے۔ اس آیت میں اولاً ان مؤمنین سے خطاب ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ان سے کہا جائے گا: [اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں]:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران ۲۸]

''ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بنائیں۔''

باتفاق علماء یہ آیت مدنی ہے اس لیے کہ پوری سورت آل عمران' سورت بقرہ' سورت نساء اور سورت مائدہ مدنی ہیں۔ یہ بات بھی سبھی جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں مدینہ میں اہل ایمان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اپنا ایمان چھپاتا ہو' اور کافروں کے لیے ظاہر کرتا ہو کہ وہ بھی ان ہی میں سے ہے۔ جیسا کہ رافضی جمہور سے کرتے ہیں۔ مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت بعض ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو کفار کے ساتھ محبت کا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اظہار کرتے تھے ؛ اس آیت میں انہیں اس محبت سے روکا گیا ہے۔رافضی جمہور مسلمانوں سے محبت نہیں کرتے ۔امام ضحاک رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں :آپ فرماتے ہیں: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے یہودی حلفاء تھے۔آپ نے عرض کیا: یارسول اللہ ! میرے ساتھ پانچ سو یہودی ہیں ۔ میرا خیال ہے کہ میں ان سے دشمنی کا اظہار کروں۔تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابو صالح روایت کرتے ہیں: عبد اللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی یہودیوں سے دوستی رکھتے تھے اور ان تک مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے تھے۔اور ان کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فتح حاصل ہونے کی امیدیں لگائے رکھتے تھے۔تو اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو ان منافقین جیسا برا کردار ادا کرنے سے منع کردیا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے : کچھ یہودی انصار کے ساتھ بظاہر محبت کا دعوی کرتے تھے تاکہ انہیں ان کے دین میں فتنہ کا شکار کرسکیں۔مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا ؛ کہ ان یہودیوں سے بچ کر رہو؛ مگر وہ باز نہ آئے ۔تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل بن سلیمان اور مقاتل بن حیان سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:''یہ آیت حاطب بن ابی بلتعہ جیسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ؛ جو کفار مکہ کیساتھ محبت کا اظہار کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا۔

رافضی لوگوں میں سب سے بڑھ کر اہل سنت والجماعت سے محبت کا اظہار کرتے ہیں؛ ان میں سے کوئی ایک بھی ان کے سامنے اپنے دین کا اظہار نہیں کرتا' بلکہ ان لوگوں نے صحابہ کرام کے فضائل اور ان کی مدح کے قصیدے یاد کر رکھے ہوتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی خود رافضی اپنی ہجو میں اشعار یاد کر رکھتے ہیں جن کے ذریعہ سے اہل سنت والجماعت کیساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔جیسا کہ مؤمنین اہل کتاب اور مشرکین کے لیے محبت کا اظہار کرتے تھے۔تو اس سے معلوم ہوا کہ رافضی اس آیت پر عمل کے لحاظ سے کوسوں دور ہیں ۔ رہا یہ فرمانا کہ:

﴿اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً﴾ [آل عمران۲۸]

''مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا۔'' [] شیعہ اور سنی تقیہ میں فرق

مجاہد کہتے ہیں: اس سے مراد ہے تصنع کرنا۔ یہاں ''تــقــٰــة'' سے مراد [تقیہ کرنا] نہیں کہ میں جھوٹ بولوں' اور اپنی زبان سے وہ بات کہوں' جو کہ میرے دل میں نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ مجھے وہ کچھ کرنا چاہیے جس پر مجھے قدرت حاصل ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مـن رأى منكم منكراً فليغيّره بيده؛ فإن لم يستطع فبلسانه؛ فإن لم يستطع فبقلبه ؛ وذلك أضعف الإيمان۔)) [مسلم۱۸٦]

''جو کوئی تم میں سے برائی کی بات دیکھے اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے اپنی زبان سے منع کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے دل میں برا جانے، اور یہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ایمان کا کم ترین درجہ ہے۔''

پس جب کوئی مؤمن کفار و فجار کے درمیان رہ رہا ہو؛اور اس کے لیے اپنی عاجزی کی وجہ سے ہاتھ سے جہاد کرنا ممکن نہ ہو؛ لیکن اس کے لیے زبان سے منع کرنا یا دل میں برا جاننا ممکن ہوتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس نے [ڈر کر] جھوٹ نہیں بولنا؛ اور زبان سے اس چیز کا اظہار نہیں کرنا جو اس کے دل میں نہ ہو۔ خواہ وہ اپنا دین ظاہر کرے یا چھپائے رکھے۔ مگر کسی بھی صورت میں ان کے دین پر موافقت نہ کرے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ آل فرعون کے اس مؤمن -یا فرعون کی بیوی- کی طرح ہو؛ یہ لوگ فرعون کے پورے دین پر اس کے ساتھ موافق نہیں تھے۔ اور نہ ہی جھوٹ بولتے تھے؛ اور نہ ہی اپنی زبان سے ایسی بات کہتے تھے جو ان کے دل میں نہ ہو۔ بلکہ وہ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔

اپنے دین کو چھپانا ایک اور چیز ہے؛ جبکہ باطل دین کا اظہار کرنا ایک علیحدہ چیز ہے۔ ایسا کرنے کو اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی جائز نہیں ٹھہرایا؛ سوائے اس صورت کے انسان کو کلمہ ء کفر کہنے پر مجبور کیا جائے۔ اس صورت میں اس کے لیے بامر مجبوری زبان سے کلمہ کفر بولنے کی اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافق اور مکرہ [مجبور] کے مابین فرق کھول کر بیان کیا ہے۔

رافضیوں کا حال تو منافقین کے حال جیسا ہے۔ ان کا حال اس مجبور جیسا نہیں جسے کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے؛ اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ یہ اکراہ بھی تمام جمہور بنی آدم کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان کافروں کے پنجے میں قید ہو؛ یا کسی جگہ بلاد کفر میں اکیلا ہو۔ [ہاں] اگر اسے کوئی کلمہ کفر کہنے پر مجبور نہ کرے؛ اور نہ ہی وہ اپنی زبان پر ایسا کلمہ لائے؛ اور نہ ہی اپنی زبان سے ایسی بات کہے جو اس کے دل میں نہ ہو۔ تو کبھی یہ ضرورت پیش آسکتی ہے کہ کفار کے ساتھ نرمی سے پیش آئے؛ تاکہ وہ اسے اپنا گمان کریں؛ مگر اس کے ساتھ زبان سے خلاف دل کوئی بات نہ کہے؛ بلکہ اپنے دل میں ایمان کو چھپائے رکھے۔ جھوٹ بولنے اور بات چھپانے میں جو فرق ہے وہ صاف واضح ہے۔ چھپانا اس کو کہتے ہیں کہ انسان کے دل میں کوئی چیز ہو؛ مگر وہ اس کے ظاہر کرنے میں اللہ کے ہاں معذور ہو۔ جیسے کہ آل فرعون کے مؤمن کا حال تھا۔

اس کے برعکس جو انسان کفریہ کلمات کہے؛ اس کا عذر صرف مجبور ہونے کی صورت میں قبول کیا جائے گا۔ منافق جو جھوٹ بولتا ہے اس کا عذر کسی بھی حال میں قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس کے [چہرہ کے] اثرات سے جھوٹ کا پتہ چل جاتا ہے۔ پھر جو مؤمن اپنا ایمان چھپاتا ہے وہ کفار کے مابین بود و باش رکھنے والا ہوتا ہے جہاں کے لوگ اس کے دین و ایمان کو نہیں جانتے۔ اس کے ساتھ ہی وہاں کے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کا اکرام کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس انسان کے ایمان کا تقاضا ہے کہ لوگوں کے ساتھ سچائی اور امانت کا اور خیر خواہی کا معاملہ کرے۔ اور ان کی بھلائی کا خواہاں رہے۔ اگرچہ وہ ان کے دین پر ان سے موافقت نہ رکھتا ہو۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کفار مصر کے درمیان معاملات چلا رہے تھے۔ اور جیسے آل فرعون کا مؤمن اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا۔ اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تعظیم کرتا تھا؛ اور کہتا تھا:

﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ ﴾ [غافر ۲۸]

''کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔''

رافضی کسی کے ساتھ بغیر نفاق استعمال کیے بود و باش نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ اس کے دل میں جو دین ہے وہ انتہائی درجہ کا فاسد دین ہے۔ جو اسے جھوٹ بولنے اور خیانت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ لوگوں سے دھوکہ بازی پر ابھارتا ہے۔ اور ان کے ساتھ برائی کا سبق دیتا ہے۔ یہ لوگ کسی کی دوستی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اور کوئی بھی شر کا کام ایسا نہیں جس کے کرنے پر قدرت رکھتے ہوں' مگر اسے کر گزرتے ہیں۔ جو لوگ انہیں نہیں بھی جانتے ان کے ہاں بھی یہ لوگ عتاب کا نشان رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ نہ بھی جانتے ہوں کہ یہ رافضی ہے؛ تب بھی اس کے چہرے پر نفاق کی علامات اور بول چال میں کجی سے معلوم ہو جائے گا [کہ یہ کون ہے]۔ اس لیے آپ دیکھیں گے کہ رافضی کمزور ترین لوگوں کے ساتھ اور ان کے ساتھ بھی منافقت کرے گا جن کیساتھ اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ اس لیے کہ رافضی کے دل میں منافقت ہے جس نے اسے کمزور کر دیا ہے۔

مؤمنین ایمان کی عزت اور غلبہ میں ہوتے ہیں۔ عزت اللہ اور اس کے رسول کے لیے اور مؤمنین کے لیے ہے۔ پھر یہ لوگ دعوی کرتے ہیں کہ صرف ہم ہی مؤمن ہیں۔ جب کہ مسلمانوں کے تمام گروہوں میں سب سے بڑھ کر ذلت و رسوائی روافض میں پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴾ [غافر ۵۱]

''یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانی دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔''

رافضی اس نصرت سے اہل اسلام کے تمام گروہوں میں سب سے زیادہ حق سے دور ہیں؛ اور ذلت و رسوائی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کے گروہوں میں نفاق سے قریب تر اور ایمان سے بعید تر گروہ رافضیوں کا ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ حقیقت میں وہ منافق جن میں ایمان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا؛ وہ ملحدین ہیں؛ جو کہ رافضیوں کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ اور رافضی سب سے بڑھ کر ان کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روحیں جند مجند ہیں؛ جن کا آپس میں تعارف ہوا وہ مالوف ہوں گی۔ اور جو اوپری رہیں وہ اختلاف میں رہیں۔''[1]

---

[1] فِي البخارِيِ 4/133؛ كتـاب الأنبيـاءِ، باب: الأرواح جنود مجندة، مسلِم 4/2031:كتـاب البرِ والصِلةِ والآدابِ، باب الأرواح جـنود مجندة، سننِ أبِي داود 4/359؛ كتـاب الأدبِ، باب من يؤمر أن يجالِس، المسندِ ط۔ المعارِفِ 15/77 ط۔ الحلبِي 2/527۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لوگوں کو ان کے دوستوں سے پہچانو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ رافضہ اور منافقین کی روحوں کے مابین خالص اتحاد اور یگانگت پائی جاتی ہے اور ان کے مابین مشترکہ اقدار اور مشابہات موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رافضیوں میں بنیادی طور پر منافقت پائی جاتی ہے۔ منافقت کی کئی ایک اقسام ہیں۔ جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے۔ اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے تو سمجھ لو کہ اس میں منافق کی ایک خصلت پیدا ہوگئی جب تک کہ اس کو چھوڑ نہ دے: جب بات کرے تو جھوٹ بولے؛ جب عہد کرے تو توڑ ڈالے؛ جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرے اور جب جھگڑا کرے تو آپے سے باہر ہو جائے۔'' [صحیح مسلم: ح ۲۱۲]

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''منافق کی تین علامتیں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔'' [صحیح مسلم: ح: ۲۱۳]

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی زیادہ ہیں: ''اور اگرچہ وہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔'' اہل قبلہ میں سے یہ تین نشانیاں جس گروہ میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہیں' وہ رافضہ کا گروہ ہے۔

قرآن اس بات پر گواہی دیتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی ایک مواقع پر منافقین کے غدر و خیانت اور جھوٹ کے اوصاف بیان کیے ہیں۔ یہ اوصاف رافضیوں سے بڑھ کر کسی دوسرے گروہ میں نہیں پائے جاتے۔ اور نہ ہی صحابہ کرام کی راہ پر چلنے والے اہل سنت والجماعت سے کوئی فرقہ اتنا دور ہے جتنا دور یہ لوگ ہیں۔ اہل سنت والجماعت شعب ایمان کے زیادہ مستحق اور نفاق سے بہت زیادہ دور ہیں۔ جب کہ رافضی ایمان کے شعبوں سے بہت زیادہ دور اور نفاق کے شعبوں کے بہت زیادہ قریب ہیں۔ سارے گروہوں کا یہی حال جو سنت سے جتنا زیادہ قریب ہوگا وہ ایمان کے اتنا زیادہ قریب ہوگا اور جو بدعت کے جتنا زیادہ قریب ہوگا وہ ایمان سے اتنا دور اور نفاق کے اتنا ہی قریب ہوگا۔

ان تمام باتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ رافضی اس امام معصوم کی اتباع سے بہت زیادہ دور ہیں جس کے معصوم ہونے میں کوئی شک ہی نہیں؛ وہ امام ہیں خاتم المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سنت کے برخلاف رافضی جن ائمہ کے معصوم ہونے کا دعوی کرتے ہیں حقیقت میں یہ ایک منافق زندیق کی پیدا کردہ بدعت ہے۔ جیسا کہ اہل علم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

[رافضیت کا بانی کون؟]:

متعدد علماء نے ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے تشیّع کی بنا ڈالی اور بنا برنص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ قرار دیا وہ ایک زندیق تھا اور دین میں بگاڑ پیدا کرنے کے لیے اس نے ایسا کیا تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہتا تھا جو پولس نے نصاریٰ کے ساتھ کیا تھا مگر اسے اپنے مقصد میں وہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی جو پولس کو ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کہ نصاریٰ عقل اور دین کے اعتبار سے ضعیف تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے اور آپ کے پیروایسے نہ تھے جو صحیح معنی میں دین عیسوی سے باخبر ہوں اور اس پر عمل پیرا بھی ہوں۔ جب پولس نے حضرت مسیح کے بارے میں غلوّ کا عقیدہ ایجاد کیا تو بہت سے عیسائی اس کی پیروی کرنے لگے، انہوں نے مسیح کی شان میں غلو کو بہت اچھا سمجھا؛ یہی نہیں بلکہ بہت سے سلاطین اس کے ہم نوا بن گئے۔ نصاریٰ کی ایک جماعت نے جب ان کی تردید کا بیڑا اٹھایا تو پولس کے ہم نوا سلاطین نے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا، بعض نصاریٰ نے بادشاہوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا اور عبادت گاہوں میں عزلت گزیں ہو گئے۔

وللہ الحمد کہ امت مسلمہ کا معاملہ نصاریٰ سے یکسر مختلف ہے۔ حدیث نبوی کے مطابق مسلمانوں کی ایک جماعت حق و صداقت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑے گی۔ [1] بنا بریں کوئی ملحد و بے دین اپنے غلو کی بنا پر یا حق پر غلبہ پا کر اس میں بگاڑ نہیں پیدا کر سکتا۔ البتہ جو شخص اس کی پیروی کرے گا وہ یقیناً گمراہ ٹھہرے گا۔

علاوہ ازیں امام معصوم کے نائب جن کے متعلق رافضیوں کا دعوی ہے کہ وہ جزئیات میں معصوم نہیں ہو سکتے؛ اگر بات ایسے ہی ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ: اگر جزئیات میں عصمت کا وقوع تسلیم نہیں کرتے؛ اس کے باوصف اکثر بلکہ تمام امور کا فیصلہ وہ ہی کرتے ہیں۔ اب کلیات میں معصوم ہونے کا مسئلہ باقی رہا۔ تو اس ضمن میں واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کلیات کی اسی طرح تصریح کر سکتا ہے کہ اس کی موجودگی میں کلیات کی معرفت حاصل کرنے میں امام یا کسی دوسرے کی کوئی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ نص نبوی کو نص امام سے اکمل بنا دے۔ تو پھر اس صورت میں کلیات و جزئیات دونوں میں عصمت امام کی چنداں ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

تیرھویں وجہ:......ہم شیعہ سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی رائے میں عصمت امام سے کیا مراد ہے؟

کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ امام اداء عبادات یا ترک معاصی میں مختار ہے؟ کیونکہ شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ اس کے اختیار کا خالق نہیں ہے۔ یا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کا خالق ہے یا یہ معنی کہ وہ معصیت کی قدرت کو سلب کر سکتا ہے۔

اگر تم کہو گے کہ: ہماری مراد پہلی بات ہے: [تو یہ غلط ہے] حالانکہ شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ فاعل کے اختیار کا خالق نہیں ہے۔ اس سے یہ لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ معصوم کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔

اگر تم کہو کہ ہماری مراد دوسری بات ہے؛ تو شیعہ کا تقدیر کے بارے میں اصولی نظریہ باطل ٹھہرتا ہے۔

اگر تم کہو کہ: اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ معصیت سلب کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ تو گویا کہ تمہارے ہاں معصوم گناہ کا کام کرنے سے ہی عاجز ہے۔ جیسا کہ کوئی اندھا قرآن کی ورق گردانی سے اور کوئی اپاہج انسان چلنے پھرنے سے عاجز و قاصر ہوتا ہے۔

---

[1] البخاری، باب(۲۸) (ح:۳٦٤٠)مسلم، باب قولہ ﷺ "لا تزال طائفة من امتی......" (ح: ۱۹۲۰)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو کوئی کسی چیز سے عاجز ہوتا ہے' اسے تو نہ ہی اس بات کا حکم دیا جاتا ہے اور نہ ہی اس چیز سے منع کیا جاتا ہے۔ اور اگر اسے کسی چیز سے منع کیا جائے یا حکم دیا جائے تو پھر بھی اس کو اس اطاعت پر کوئی ثواب نہیں ملے گا [اس لیے کہ وہ اطاعت پر مجبور ہے؛ کیونکہ اس سے گناہ کی صلاحیت ہی سلب کر لی گئی ہے]۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ تمہارے ہاں امام معصیت ترک کرنے پر کسی ثواب کا مستحق نہیں ٹھہرتا اور نہ ہی اطاعت کے کام بجالانے پر اسے کوئی اجر ملے گا یہی تمہارے مذہب میں انتہائی بڑا تناقض پایا جاتا ہے۔

تو پھر اس وقت کوئی بھی مسلمان اس امام معصوم سے بہتر ہوگا جو کہ گناہ کرے اور پھر توبہ کرے۔ اس لیے کہ توبہ کرنے سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ بلکہ ہر گناہ کو نیکی سے بدل دیا جاتا ہے' اور اس کی سابقہ نیکیوں میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ تو پھر اس صورت میں مکلفین کا ثواب اس امام معصوم سے بہتر ہوگا۔ یہ بھی ان کے عقیدہ میں انتہائی تناقض ہے۔

[دوسرے مقدمہ پر رد/ حضرت علی کے علاوہ معصومین]:

اگر یہ مان لیا جائے کہ: ایک معصوم کا ہونا ضروری ہے: تو پھر شیعہ کا یہ قول کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں۔''

[یہ صحیح نہیں] بلکہ بالاتفاق ممنوع ہے۔ اس لیے کہ بہت سے عابد و زاہد؛ صوفیہ اور عساکر اور عوام شیعہ کی طرح اپنے مشائخ کو معصوم قرار دیتے ہیں۔ ان کا دعوی بھی بالکل ویسے ہی ہے جیسے اثنا عشریہ رافضیہ کا دعوی۔ بسا اوقات اس کے لیے اصطلاح استعمال کرتے ہیں کہ ''شیخ گناہوں سے محفوظ ہوتا ہے۔''

اپنے مشائخ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنے کے باوجود ان کا عقیدہ ہے کہ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان کے شیوخ سے افضل ہیں۔ خلفائے راشدین تو بالاولیٰ افضل ہوں گے۔ بہت سارے لوگوں میں اپنے شیوخ کے متعلق بالکل ایسے ہی غلو پایا جاتا ہے جیسے اثناعشری رافضیوں میں ان کے ائمہ کے بارے میں غلو پایا جاتا ہے۔

فرقہ اسماعیلیہ والے اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں، ان کے امام بارہ ائمہ سے الگ ہیں۔

بنوامیہ کے اکثر یا بہت سارے متبعین کہا کرتے تھے کہ خلفاء پر حساب و کتاب یا عذاب نہیں ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ان سے ان امور میں کوئی مؤاخذہ نہیں کریں گے جن میں وہ امام کی اطاعت کر رہے ہیں۔ بلکہ ان پر ہر بات میں امام کی اطاعت واجب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس بارے میں ان کا کلام بڑا معروف ہے۔

یزید بن عبدالملک نے کوشش کی تھی کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیرت پر گامزن ہو؛ مگر اس کے پاس ان کے مشائخ کی ایک جماعت پیش ہوئی؛ اور انہوں نے اس کے سامنے اللہ وحدہ لاشریک کی قسم اٹھائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو حاکم بنا دیتا ہے تو پھر اس کی نیکیاں قبول کرتا ہے اور برائیوں کو معاف کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بڑے مشائخ کے کلام میں ولی امر کی مطلق اطاعت کے متعلق بہت زیادہ تاکید پائی جاتی ہے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ جو کوئی حاکم کی اطاعت کرتا ہے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ضرب المثل بیان کی جاتی تھی کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اگر اطاعت ہو تو اہل شام کی سی اطاعت ہو۔''

یہ لوگ بھی یہی کہتے ہیں: ان کا امام و حاکم انہیں اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی شیعہ نہیں ہے۔ بلکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہیں آپ پر سبُّ وشتم کرتے ہیں۔

جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ امام جس چیز کا بھی حکم دیتا ہے اصل میں وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے حکم میں واجب الاطاعت ہے؛ اور اللہ تعالیٰ اس اطاعت پر ثواب دیگا۔ اور ترک اطاعت پر سزا دے گا۔ اسے اپنے امام کے علاوہ کسی معصوم کی ضرورت نہیں۔

اس وقت ان کا جواب دو طرح سے دیا جائے گا:

پہلا جواب:...... ان سے کہا جائے گا کہ: ان میں سے کسی بھی گروہ سے جب کہا جائے گا کہ امام معصوم کا ہونا ضروری ہے؛ تو وہ کہہ سکتا ہے میرے لیے اس امام کی عصمت ہی کافی ہے جس کا میں پیرو ہوں۔ مجھے بارہ ائمہ کے معصوم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نہ ہی علی اور نہ ہی کسی دوسرے کی کوئی ضرورت ہے۔ اور دوسرا کہے گا: میرے شیخ یا امیر کی عصمت ہی میرے لیے کافی ہے؛ وہی میرا امام و پیشوا ہے۔ تیسرا کہے گا: میرا امام اموی ہے؛ اسماعیلی ہے۔ اور بہت سارے لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ بادشاہوں کی اطاعت کرنے میں ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ خواہ وہ کوئی بھی بادشاہ ہو۔ اس کی دلیل میں وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: ۵۹)

''اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرتے رہو۔''

اگر شیعہ کہیں کہ ان لوگوں کی مخالفت کچھ اہمیت نہیں رکھتی؛ تو یہ بات ناقابل قبول ہے۔ یہ لوگ تو رافضہ اور اسماعیلیہ سے بہر کیف بہتر ہیں۔ اس لیے کہ وہ جس امام کے پیرو ہیں وہ موجود ہے۔ بخلاف ازیں روافض جس امام کی پیروی کے مدعی ہیں وہ امام منتظر معدوم ہے جس کی اطاعت قطعی طور پر بے سود ہے۔

اس کے ساتھ ہی رافضیوں کا یہ دعویٰ بھی باطل ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کیا گیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے معصوم ہونے کا دعویٰ کرتا ہو؟

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: اگر واقعی ان میں کوئی ایسا نہیں تھا جو معصوم ہونے کا دعویٰ کرتا ہو تو تمہارا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معصوم ہونے کا دعویٰ باطل ٹھہرا۔ اور اگر ان میں کوئی ایسا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معصوم ہونے کا دعویٰ کرتا ہو تو پھر خلفاء ثلاثہ کی عصمت کا دعویٰ کرنے والوں کے موجود ہونے میں کوئی بات رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ بلکہ ان لوگوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیے عصمت کا دعوی کیا جانا زیادہ اولی ہے۔ اس لیے کہ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو باقی صحابہ پر ترجیح اور فضیلت دیا کرتے تھے۔ بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔ جیسا کہ آپ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ پس اس وقت حضرات شیخین کی عصمت کا دعوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت کے دعوی کی نسبت زیادہ اولی ہوگا۔

اگر یہ کہا جائے کہ: ایسا دعوی صحابہ کرام سے نقل نہیں کیا گیا؟

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: ''اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تابعین اور اصحاب علم میں سے کوئی بھی عصمتِ علی کا مدعی نہیں ہے۔ اور ہم بھی ان میں سے کسی ایک فریق کے بھی معصوم ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ لیکن ہم کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت کا دعوی کرتے ہوئے کسی ایک کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ باقی خلفاء ثلاثہ کی عصمت کی نفی کرے۔ کسی کے لیے بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اس فرق کا دعوی کر سکے۔ اور نہ ہی کسی ایک سے ایسا کوئی دعوی نقل کیا گیا ہے۔ پس یہ بات زمانہ نہیں جانتا کہ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ یا بارہ اماموں میں سے کسی دوسرے امام کے معصوم ہونے کا دعوی کیا ہو۔ پس شیعہ کا یہ دعوی باطل ٹھہرا کہ خلفاء ثلاثہ تو معصوم نہیں تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ [البتہ جاہل امامیہ اس دعویٰ میں اسی طرح منفرد ہیں جس طرح گمراہ خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دینے میں اور نواصب آپ کو فاسق تصور کرنے میں]۔

چودھویں وجہ:......ہم شیعہ سے کہتے ہیں کہ اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں:

۱۔ یا تو ہر زمانے میں امام معصوم کا وجود ضروری ہے۔

۲۔ امام معصوم کا وجود ضروری نہیں۔

بصورت ثانی شیعہ کا قول باطل ٹھہرا۔ اور اگر امام معصوم کا وجود ضروری ہے تو ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ وہ معصوم علی رضی اللہ عنہ ہیں اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم معصوم نہیں ہیں۔ بخلاف ازیں اگر یہ نظریہ درست ہے تو معصوم صرف حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم ہوں گے، اس لیے کہ اہل سنت ان کو بالاتفاق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دیتے ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما معصوم ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اگر یہ حضرات معصوم نہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بالاولیٰ معصوم نہیں ہو سکتے۔ اگر عصمت ممکن ہے تو پھر ان حضرات کے زیادہ قریب ہے۔ اور اگر ممکن نہیں تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی کافی دور ہے۔ اہل سنت والجماعت میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو چھوڑ کر صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معصوم مانتا ہو۔ وہ اصحاب ثلاثہ سے صرف اسی صورت میں عصمت کی نفی کر سکتے ہیں جب یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منفی ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ان تین خلفاء کے معصوم ہونے کی نفی کی جائے؛ اہل سنت والجماعت اس کو نہیں مانتے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ مسلمان موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے پہلو بہ پہلو تسلیم کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت موسی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت کو مانتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہو۔ بلکہ مسلمانوں کا اس شخص کے کافر ہونے پر اتفاق ہے جو بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت کو مانتا ہو اور بعض کی نبوت کا انکار کرتا ہو۔ اور جو کوئی ان دونبیوں کی نبوت کو مانے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرے' وہ اس سے بڑا کافر ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مانتا ہو مگر عیسیٰ یا موسی علیہما السلام میں سے کسی ایک کی نبوت کا انکار کرتا ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ان دونوں سابقہ انبیاء پر ایمان لانے کو مستلزم ہے؛ تو پھر ایسے ہی ان دونوں انبیاء علیہما السلام پر ایمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایمان لانے کو مستلزم ہے۔ یہی معاملہ نفی عصمت اور ثبوت ایمان و تقوی اور ولایت الٰہی کا ہے۔ اہل سنت والجماعت اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان و تقوی اور ولایت کو اصحاب ثلاثہ کے ایمان و تقوی اور ولایت سے مقرون و متصل مانتے ہیں۔ اصحاب ثلاثہ سے جب عصمت کی نفی کی جائے گی تو اس کے پہلو بہ پہلو عصمت علی کو بھی رد کر دیا جائے گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے ہاں ان کے مابین اس طرح کا فرق باطل ہے۔

شیعہ کا یہ قول کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت اجماع سے ثابت ہے، مگر اصحاب ثلاثہ کی عصمت اجماعاً ثابت نہیں۔''

[جواب]: یہ قول یہود کے اس قول سے بڑی حد تک ملتا جلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اجماع سے ثابت ہے جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اجماع سے ثابت نہیں۔ یا نصاریٰ کے اس قول کی مانند کہ محمد و موسیٰ علیہ السلام اجماع کی رو سے الہ نہیں مگر عیسیٰ الہ ہیں۔''

جب کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الہ و معبود یا رب ہونے کی بھی اسی طرح نفی کرتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جناب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی الوہیت کی نفی کرتے ہیں۔ ایسا ہرگز ممکن نہیں ہے کہ موسی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تو الوہیت کی نفی کریں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اس کو ثابت مانیں۔ اگر نصرانی کہے کہ: ہمارا اتفاق ہے کہ یہ دونوں انبیاء [حضرت موسی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم] الہ نہیں ہیں۔ اور اب ہمارا اختلاف صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق باقی رہ گیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے لیے ضروری ہے کہ وہ بشر کی صورت میں ظاہر ہو؛ تو اب یہ مقام حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ کسی کے لیے باقی نہیں رہا۔ یہ بالکل رافضی کی تقریر کی طرح ہے جو کہتا ہے: امام معصوم کا ہونا ضروری ہے' اور اپنے لیے اس مقام کا دعوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور نے نہیں کیا۔

ہم بداہۃً اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ حضرت عیسیٰ میں الوہیت کی ایسی کوئی خصوصیت موجود نہیں جو محمد و موسیٰ علیہ السلام میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح ہمیں قطعیت کے ساتھ اس مسلمہ صداقت کا علم حاصل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی جس سے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ محروم ہوں۔ اور جو کوئی ان میں تفریق ڈالنا چاہیے ہم اسے روکیں گے۔ ہم کہیں گے کہ: ہم ہر دو طرح سے ان حضرات میں برابری چاہتے ہیں۔ اگر نفی ہے تو نفی میں اور اگر اثبات ہے تو اثبات میں۔

اگر کہا جائے کہ: تم تو تینوں خلفاء سے عصمت کی نفی کے قائل ہو تو؟

ہم کہیں گے: ہم ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی معصوم نہیں مانتے۔ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عصمت کی نفی کرنا خلفاء ثلاثہ سے عصمت کی نفی کرنے کی نسبت زیادہ اولیٰ ہے۔ اور اگر عصمت ممکن ہے تو پھر یہ حضرات اس کے زیادہ حق دار تھے۔ پس اس صورت میں یہ ممکن نہیں ہے کہ ہمارے عقیدہ سے ہمارے خلاف دلیل پیش کی جائے۔

مزید برآں ہم خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے عصمت کی نفی کرتے ہیں۔ چونکہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی امام معصوم پیدا نہیں کیا۔ اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ کوئی امام معصوم اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بعد میں آنے والوں کی نسبت یہ لوگ عصمت کے زیادہ حق دار ہیں۔ ہمارا عصمت کی نفی کرنا اسی بنیاد پر ہے۔

اس دلیل کی بنیاد پر ہمارا تیسرا جواب یہ بھی ہے کہ: ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ انھیں یہ بات کیوں کر معلوم ہوئی کہ علی معصوم تھے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ معصوم نہ تھے؟

اگر شیعہ کہیں کہ ہمیں اجماع سے اس بات کا علم حاصل ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی بھی معصوم نہ تھا؟ اگر وہ کہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت اجماع سے ثابت ہے جب کہ دوسروں کی عصمت اجماع سے ثابت نہیں جیسا کہ وہ اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ: اگر اجماع دین میں حجت نہیں ہے تو شیعہ کا دعویٰ غلط ٹھہرا۔ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت کے اثبات میں اجماع حجت ہے جو کہ اصل ہے؛ تو آپ کی عصمت سے جو چیز مقصود ہے یعنی شریعت کے حفظ و نقل کے بارے میں بھی اجماع حجت ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ شیعہ اجماع کو حجت قرار نہیں دیتے مگر اپنے نظریات کے اثبات میں اجماع سے احتجاج کرتے ہیں۔ تو پھر ان کو کیسے معلوم ہوگیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی معصوم ہیں دوسرا کوئی معصوم نہیں؟

[حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت اور دعوی تواتر]:

اگر شیعہ کہیں کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معصوم ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر متواتر سے ثابت ہے۔''

[**تو جواب** یہ ہے کہ]: یہ دعویٰ تو اسی طرح ہے جیسے ان کا یہ دعویٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت نص سے ثابت ہے۔ تو اس صورت میں ان کے ہاں کوئی دوسری مستند دلیل نہ ہوگی۔

چوتھا جواب: مزید براں شیعہ کے نزدیک اجماع اس صورت میں حجت ہے جب اس میں معصوم کا قول ثابت ہو۔ اگر معصوم کی معرفت اجماع پر موقوف ہو تو اس سے دور لازم آئے گا۔ اس لیے کہ اس امام کا معصوم ہونا اس کے اپنے قول پر منحصر ہے۔ اور اس کے قول کا حجت ہونا اسی صورت میں پہچانا جاتا ہے جب یہ بات معلوم ہو کہ وہ معصوم ہے۔ لہٰذا دونوں میں سے کوئی بات بھی ثابت نہ ہوگی۔ تو اس سے امام کے معصوم ہونے کی ان کی حجت کا بطلان ثابت ہوگیا۔

اس سے یہ بھی اچھی طرح واضح ہوگیا کہ رافضیوں کے ہاں اس اصول میں کوئی مستند علمی دلیل سرے سے ہی موجود نہیں کہ اجماع حجت نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کے ہاں امت کا اجماع اس وقت تک ممکن نہیں ہوسکتا جب تک اس میں امام معصوم شامل نہ ہو۔ بیشک حجت ان کے ہاں صرف واحد امام معصوم کا قول ہے۔ سو اس صورت میں انہیں ایک مستقل شخص کے علم

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کی ضرورت ہوگی؛ تاکہ پتہ چل سکے کہ اس کا قول حجت ہے۔ پس جب وہ اجماع سے حجت پیش کریں تو اس سے شیعہ کے ہاں حجت اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک اس میں امام معصوم کا قول شامل نہ ہو۔ ان کے اس قول کا خلاصہ کلام یہ ہوگا کہ: 'فلاں شخص اس لیے معصوم ہے کہ اس نے کہا میں معصوم ہوں [اور میرے سوا کوئی بھی معصوم نہیں ہے۔'']

جب ان سے پوچھا جائے کہ: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہی امام معصوم ہے؛ اس کے علاوہ کوئی اور معصوم نہیں ہے؟

تو اس کے جواب میں کہتے ہیں: کیونکہ اس نے کہا میں معصوم ہوں اور میرے سوا کوئی بھی معصوم نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص یہ بات کہہ سکتا ہے؛ مگر اس کی بات تو حجت نہیں ہوسکتی۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کہے ''میری ہر بات سچی ہے۔'' اگر اس کی سچائی اسی بات پر موقوف ہے تو اس کی صداقت معلوم نہ ہوگی۔

[حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نص امامت؟]:

ان کی یہ دلیل بھی ان کے ملحدین بھائیوں اسماعیلیہ کی دلیل کی جنس میں سے ہے۔

اسماعیلیہ کا دعویٰ بھی اسی طرح ہے وہ کہتے ہیں کہ امام معصوم ہوتا ہے اور اس پر امامت کا نشان لگا ہوتا ہے۔ اسماعیلیہ کہتے ہیں حصول علم کا ذریعہ سمع و عقل ہے اور اس کی صحت نشان زدہ امام معصوم اور اس کی تعلیمات سے حاصل ہوتی ہے۔

گویا کہ انہوں نے اپنا یہ فاسد اصول اپنے رافضی بھائیوں سے اخذ کیا ہے۔ جب روافض یہ دعوی کرتے ہیں کہ ایک ایسے امام معصوم کا ہونا ضروری ہے جو شریعت کی حفاظت کرے اور اس کے ساتھ وہ نبوت کا بھی اقرار کرتے ہیں؛ تو اسماعیلیہ نے ان سے بھی زیادہ بڑا دعوی کردیا کہ: تمام سمعی اور عقلی علوم میں ایک امام معصوم کا ہونا انتہائی سخت ضروری ہے۔

جب یہ باطن کے ملاحدہ؛ ظاہر مین شرائع اور نبوت کا اقرار کرتے ہیں؛ اور ان کا ایسی باطنی تاویلات کا دعوی کرتے تھے جو ان چیزوں کے خلاف ہوتیں جن کی لوگوں میں معرفت ہوتی۔ اور وہ عبادات کے ساقط ہونے؛ اور خواص واصلین کے لیے محرمات کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ دعوت کے میدان میں ان لوگوں کے طبقات ہیں جن کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔

بیشک یہاں پر یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ دونوں گروہ رسول کے علاوہ کسی دوسرے کے امام معصوم کی ضرورت کا دعوی کرتے ہیں۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ اثنی عشریہ بارہ معصوم مانتے ہیں؛ جنہیں شریعت کی حفاظت اور تبلیغ کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ اور وہ [اسماعیلیہ] تو ملحد کفار ہیں۔

اجمالی طور پر امامیہ باطن میں اسلام کے درست ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی ملحد ہو تو وہ دوسری بات ہے۔ بیشک بہت سارے شیعہ مشائخ باطن میں اس عقیدہ پر نہیں ہیں؛ یا تو وہ فلسفی ملحد ہیں یا پھر ان کا کوئی دوسرا عقیدہ ہے۔

بہت سارے لوگ یہ بھی کہتے ہیں: اس کتاب کا مصنف [یعنی ابن مطہر حلی] باطن میں شیعہ کے عقیدہ پر نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلکہ وہ اپنی ضرورت کے لیے اس مذہب کا اظہار کر رہا ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی دنیاوی مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ یہ بات کئی ان لوگوں نے بھی کہی ہے جو اس کتاب [منہاج الکرامہ] کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور اس کتاب کے مصنف سے بڑی محبت کرتے ہیں۔

لگتا ہے کہ یہ مصنف اور اس کے امثال اس کے دوسرے ہم مذہب اپنے اسلاف متکلمین اور فلاسفہ کے اقوال کے درمیان حیران اور متردد ہیں۔ ان کی کتابوں میں ان کے مباحث اس حیرت اور سرگردانی اور اضطراب پر دلالت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کا مصنف [ابن مطہر] ملاحدہ کی تعظیم بجا لاتا ہے؛ جیسے طوسی؛ ابن سینا؛ اور ان کے امثال و ہمنوا۔ اور ساتھ ہی امامیہ مشائخ کی تعظیم بھی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے امامیہ اس کی مذمت کرتے ہیں اور اسے برا بھلا کہتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں: یہ امامیہ کے مذہب پر نہیں۔

ہر دین والوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ ان کے فضلاء کو آپ دیکھیں گے کہ وہ غالب طور پر دین حق اسلام کو قبول کر چکے ہیں یا پھر وہ ملحد بن گئے ہیں۔ جیسے بہت سارے عیسائی علماء کا حال ہے۔ وہ باطن میں زندیق اور ملحد ہیں؛ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو باطن میں دین اسلام کی طرف مائل ہیں۔ اس لیے کہ ان پر نصرانیت کی خرابی اور فساد ظاہر ہو چکے ہیں۔

بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ امام معصوم کی ضرورت ثابت شدہ ہے؛ تو اب مسئلہ اس کو متعین کرنے کا ہے۔ جب کسی اسماعیلی سے اپنے معصوم کو متعین کرنے کا مطالبہ کیا جائے؛ اور اس معین و مخصوص امام کے معصوم ہونے کی دلیل پوچھی جائے تو وہ سرے سے کوئی دلیل پیش نہیں کر سکیں گے اور ثابت ہو جائے گا کہ ان کے قول میں تناقض پایا جاتا ہے۔

یہی حال رافضی کا بھی ہے۔ اس نے اصلح کی رعایت کے وجوب پر کلام قدریہ سے لیا ہے۔ اور اس پر امام معصوم کی ضرورت کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ تمام فاسد اقوال ہیں لیکن جب ان سے معصوم کو متعین کرنے کا مطالبہ کیا جائے؛ تو وہ صرف باتوں کے علاوہ سرے سے کوئی دلیل پیش نہیں کر سکیں گے؛ صرف ایسے لوگوں کی باتیں جن کا کلام انہی کے ہاں معتبر ہے کہ میں معصوم ہوں۔

اگر یہ کہا جائے کہ عقل سے ثابت ہوتا ہے کہ امام معصوم کا ہونا بہت ضروری ہے۔ پس جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہہ دیا کہ میں معصوم ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ معصوم ہی ہوں۔ کیونکہ ایسا دعوی آپ کے علاوہ کسی دوسرے نے نہیں کیا۔

تو ان سے کہا جائے گا: اگر معصوم کے وجود کو ثابت مان بھی لیا جائے تو صرف کسی انسان کا یہ دعوی کر لینا کہ میں معصوم ہوں؛ کافی نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس بات کا امکان ہے کہ کوئی دوسرا معصوم بھی موجود ہو۔ اگرچہ ہمیں اس کے دعوی کا علم نہ بھی ہو سکا ہو۔ اور اگرچہ اس کا دعوی ظاہر بھی نہ ہوا ہو۔ بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ ان کے اصولوں کے مطابق وہ دعوائے عصمت سے خاموش رہا ہو؛ اس کا اظہار نہ کیا ہو۔ جیسا کہ منتظر کے لیے جائز ہے کہ وہ ظالموں کے خوف اپنے آپ کو چھپا کر رکھے۔

پس اس تقدیر کی بنا پر یہ بات ممتنع نہیں ہو سکتی کہ زمین میں ان بارہ کے علاوہ کوئی دیگر معصوم بھی موجود ہو۔ اگرچہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس نے اس کا اظہار نہ کیا ہو اور ہم اسے نہ جانتے ہوں۔ جیسا کہ انہوں نے منتظر کے بارے میں بھی دعوی کر رکھا ہے۔ پس ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل باقی نہیں رہتی؛ نہ ہی اجماع اور نہ ہی دعوی۔

اگر بالفرض حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی ایسا دعوی ثابت ہو جائے کہ آپ نے کہا ہو کہ ''میں معصوم ہوں۔'' ہم اس قول کو قبول کرنے کے لیے تیار بھی ہیں لیکن حاشا وکلا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوئی ایسی بات کہی ہو۔

پانچواں جواب: اگر عصمت کے بارے میں صرف امام کا یہ دعوی حجت ہے کہ وہ کہے: میں معصوم ہوں۔ تو ہم اس مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول پر بھی راضی ہیں کہ ''میں معصوم ہوں۔'' لیکن یہ کسی کے لیے ممکن نہیں ہے کہ آپ سے صحیح سند کے ساتھ اس قول کو نقل کر سکے۔ بخلاف ازیں ہم کہتے ہیں: متواتر اسناد کے ساتھ آپ سے اس کے خلاف منقول ہے۔ آپ اپنے آپ سے عصمت کی نفی کیا کرتے تھے۔

چھٹا جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے قاضیوں کو بتاکید حکم دیا تھا کہ ان کی رائے کے برخلاف فیصلہ صادر کریں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اپنے آپ کو معصوم نہیں سمجھتے تھے۔ بہ نقل صحیح ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میری اور عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اس بات پر متفق ہوگئی تھی کہ صاحب اولاد لونڈیوں کو فروخت نہ کیا جائے۔ اب میں ان کے فروخت کرنے کے حق میں ہوں۔''

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاضی عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ نے کہا:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کی متفقہ رائے ہمیں آپ کی انفرادی رائے سے عزیز تر ہے۔''❶

قاضی شریح رحمہ اللہ اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ نہیں لیا کرتے تھے اور نہ ہی آپ سے رجوع کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس ضمن میں ان کے موید تھے۔ آپ ان کے فیصلوں کو برقرار رکھتے اور فرمایا کرتے: ''ایسے ہی فیصلے کرو جیسے کہ تم فیصلے کیا کرتے تھے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کے مطابق فتوی دیتے اور فیصلہ صادر کیا کرتے تھے، پھر اپنے اجتہاد ہی سے اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کیا کرتے تھے؛ جیسا کہ آپ جیسے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں آپ سے منقول اقوال باسانید صحیحہ ثابت ہیں۔

پھر نصوص کے مخالف آپ کے اتنے اقوال پائے جاتے ہیں کہ اتنے اقوال حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے نصوص کے خلاف نصوص نہیں ملتے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں ایک خاص کتاب جمع کی ہے جس میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اقوال میں اختلاف کو جمع کیا گیا ہے۔ جب اہل عراق آپ سے مناظرہ کرتے تھے تو کہتے تھے: ''علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے یوں فرمایا۔''

ان دونوں حضرات کے قول سے دلیل لیتے۔ تو پھر امام شافعی نے ایک کتاب میں ان کے وہ اقوال جمع کر دیئے جو

❶ مصنف عبد الرزاق، (۱۳۲۲۴)، کتاب الام للامام الشافعی (۷/ ۱۵۷)، سنن کبریٰ، بیھقی (۱۰/ ۳۴۸)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان لوگوں نے چھوڑ دیئے تھے۔اس کے بعد محمد بن نصر المروزی نے کتاب ''رفع الیدین'' میں اس سے کئی گنا زیادہ متروکہ اقوال جمع کردیئے۔اس کی وجہ یہ ہوئی کو انہوں نے امام محمد بن نصر کے خلاف نماز میں رفع یدین کے مسئلہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے دلیل اختیار کی تھی۔

یہ کوفہ کے ان علماء کرام کے ساتھ کلام وگفتگو ہے جو شرعی دلائل سے استدلال کیا کرتے تھے جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے محمد بن الحسن رحمہ اللہ علیہ اور ان کے امثال؛ اس لیے کہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے اکثر مناظرے محمد بن الحسن اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔آپ نے نہ ہی ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور نہ ہی کبھی ان سے مناظرہ کیا۔اور نہ ہی ان سے کوئی حدیث سنی۔ بلکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ کا انتقال امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے عراق میں داخل ہونے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔اس لیے کہ امام ابو یوسف کا انتقال ۱۸۳ہجری میں ہوگیا تھا؛ جب کہ امام شافعی ۱۸۵ہجری میں عراق تشریف لائے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی کتابوں میں امام ابو یوسف کے اقوال امام محمد رحمہ اللہ کی سند کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

جب کہ روافض کی تہی دامنی کا یہ عالم ہے کہ امام علی رضی اللہ عنہ کے معصوم ہونے اور دوسروں سے عصمت کی نفی پر اپنے حق میں اپنے ہی اقوال سے استدلال کرتے ہیں۔یعنی جہالت کو جہالت سے ثابت کرتے ہیں۔

میں نے ان کے مشائخ کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ جب ان کے مابین کسی مسئلہ میں دو اقوال پر اختلاف ہوجاتا ہے؛ ایک قول کا قائل معلوم ہو اور دوسرے کے قائل کو کوئی پتہ نہ ہو؛ تو ان کے ہاں وہ قول حق اور درست ہوگا جس کے کہنے والے کا کوئی پتہ نہ ہو؛[اس کی وجہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں]: جب کسی قول کا قائل معلوم نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ امام معصوم کا قول ہے۔کیا یہ بات انتہائی بڑی جہالت کے سوا بھی کچھ ہوسکتی ہے؟ انہیں یہ کیسے پتہ چل گیا کہ وہ دوسرا قول جس کا کوئی کہنے والا معلوم نہیں؛ وہ امام معصوم کا قول ہے؟

بالفرض اگر امام معصوم کے وجود کو مان بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ اس نے یہ کہا ہے۔جیسا کہ اس کوئی اور دوسرا کہنے والا بھی موجود نہیں ہے۔اور اگر ایسے ہی ہے تو پھر وہ قول امام کا کیوں نہیں ہوسکتا جس کا کہنے والا معلوم ہے؛ اور کسی دوسرے کے بارے میں علم ہے کہ فلاں آدمی نے یہ بات کہی ہے۔جیسا کہ دیگر بھی بہت سارے اقوال ایسے ہیں جن میں دوسرے لوگ بھی ان کی موافقت کرتے ہیں۔جب کہ دوسرے قول کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کس نے کہا؛ اور کہنے والے کو پتہ نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؛ ممکن ہے کہ یہ شیاطین جن وانس میں سے کسی ایک نے کہا ہو؟

پس رافضی کسی قول کے قائل اور اس کی صحت کا علم نہ ہونے کو اس قول کی صحت شمار کرتے ہیں۔جیسا کہ ان کا یہ قول ہے کہ: کسی دوسرے کے معصوم نہ ہونے کا علم ہونا ان کے امام کے معصوم ہونے کی دلیل ہے۔اور پھر یہ کہ جس بات کے کہنے والے کا کوئی پتہ نہ ہو تو اس کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ امام معصوم کا فرمان ہے۔جو لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی معبوث کردہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتوں کے نور سے اعراض کرے گا ان کا یہی حال ہوگا۔وہ ایسی بدعات کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گہری کھائیوں میں جا گرے گا جس کے اندھیرے ایک دوسرے کے اوپر [یعنی بڑھ کر] ہوں گے۔[اعاذنا اللّٰہ من شرھم؛ آمین]۔

فصل:......[امام کا تقرر کیسے ہوگا؟]

[اشکال]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''دوسری وجہ: یہ واجب ہے کہ خلیفہ و امام کا تقرر نص کی بنا پر ہو، اس لیے کہ ہم طریق انتخاب کا بطلان ثابت کر چکے ہیں۔ وجہ بطلان یہ ہے کہ بعض لوگ جو امام کو منتخب کرتے ہیں، وہ دوسرے لوگوں سے افضل نہیں ہیں جو کسی اور امام کا انتخاب عمل میں لاتے ہیں، ورنہ تنازع بپا ہو جائے گا۔ پس اس طرح امام کا انتخاب بہت بڑے فساد کا ذریعہ بنے گا۔ جب کہ ادنی سے درجہ کے فساد کو ختم کرنے کے لیے ہم نے امام کے متعین ہونے کو واجب کہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے ائمہ و خلفاء بالاتفاق منصوص علیہ نہ تھے، لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی بھی امام برحق نہ ہوگا۔''

[جواب]: [اس رافضی مصنف کے مقدمات کے کئی ایک جواب ہیں]:

[پہلا جواب]: ہم ان دونوں مقدمات کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن دوسرے مقدمہ میں پہلے مقدمہ کی نسبت اختلاف زیادہ واضح ہے۔ علمائے سلف و خلف محدثین و فقہاء اور اہل کلام رحمہم اللہ کی کئی جماعتوں کے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت نص سے ثابت ہے۔ ایک قلیل جماعت کے نزدیک حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی منصوص علیہ امام تھے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منصوص علیہ امام ہونے پر اجماع کیسے رہا؟ اور یہ کیسے ثابت ہوگیا کہ آپ کے علاوہ کوئی بھی منصوص علیہ امام نہ تھا؟ یہ ایک یقینی اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

[دوسرا جواب]: اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کے منصوص علیہ ہونے کی نفی پر کوئی اجماع نہیں ہے۔ یہ رافضی مصنف اگرچہ اپنی جنس کے لوگوں میں سے افضل اور چنیدہ قسم کے لوگوں میں شمار ہوتا ہے؛ لیکن یہ پورے کا پورا طائفہ ہی جاہل لوگوں پر مشتمل ہے۔ ورنہ جس کو لوگوں کے عقائد و نظریات کی معرفت حاصل ہو؛ اس انسان سے اس قسم کے دعوی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

[تیسرا جواب]: اس موقع پر ہم ایک تیسرا جواب بھی دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ دو ہی صورتیں ممکن ہیں:

(۱) خلیفہ کے تقرر میں نص معتبر ہے۔

(۲) خلیفہ کے تقرر میں نص معتبر نہیں ہے۔

بصورت اوّل ہم کہیں گے کہ پھر دوسرا مقدمہ نا قابل اعتبار ٹھہرا اور نص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں ثابت ہے [نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں]۔ بصورت ثانی اگر نص معتبر نہیں تو شیعہ کا پہلا دعوی باطل ٹھہرا۔

[چوتھا جواب]: ہم کہتے ہیں کہ: شیعہ کے نزدیک امام معصوم کا قول حجت ہے اور اجماع حجت نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہ ہوگا کہ اثبات نص کے لیے امام معصوم کا قول ضروری ہوگا اور اس طرح نص ثابت ہوگی نہ امام کی معصومیت؛ انجام کار حقیقت میں یہ ہے کہ اس طرح نہ ہی نص ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی عصمت۔ بخلاف ازیں اس کی صورت منطقی اعتبار سے یوں ہوگی کہ جو انسان دعوی کرے گا کہ:

''میں امام معصوم ہوں اور میری امامت نصوص سے ثابت ہے؛ میں خود ہی معصومیت کی دلیل ہوں۔''

یہ دعوی کرنے والے کا قول حجت ہوگا؛ اگرچہ اس قول کا کہنے والا معلوم نہ ہو۔ یہ جہالت کی انتہاء ہے۔ یہ دلیل بھی اپنے سے پہلی دلیل کی مانند ہے۔

[پانچواں جواب]: ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ امام کا معصوم اور منصوص علیہ ہونا واجب ہے؟ آیا اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ بصراحت فرمائیں کہ فلاں شخص میرے بعد امام و خلیفہ ہوگا؛ اس کی بات سنو اور اطاعت کرو؟ تو صرف اس حکم کی بنا پر امامت ثابت ہو جائے گی؟ یا یہ کہ اس کی امامت اس وقت تک درست نہ ہوگی جب تک اس کی بیعت خلافت نہ کی جائے؟

پہلی صورت میں نص کا ہونا ضروری نہیں؛ اس صورت میں نص کے وجوب کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ شیعہ کا فرقہ زیدیہ اہل سنت کی طرح ایسی نص کا انکار کرتا ہے۔ زیدیہ ان شیعہ میں سے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی بہتان یا تہمت نہیں لگاتے۔

[حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت]:

[اشکال]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امام معصوم نہ ہونے کی صورت میں تنازع اور جھگڑا پیدا ہوگا۔''

[جواب]: ان سے کہا جائے گا کہ: وہ نصوص جو استحقاق امامت پر دلالت کرتی ہیں؛ ان کی دلالت نظر اور استدلال سے معلوم ہو جاتی ہے۔ اور ان سے احکام میں مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ پس تمام حکام پر ایسی نص جلی نہیں ہوتی جس کے سمجھنے میں عام و خاص کا فہم برابر کام کرتا ہو۔ جب ہر زمانے میں امور کلیہ کی معرفت واجب ہے؛ تو یہ اس نص کی جگہ کفایت کر جاتے ہیں۔ پس اسے اگر ایک قضیہ جزئیہ یعنی امام کی تعین و تقرر میں کفایت سمجھا جائے تو یہ زیادہ اولی اور مناسب ہے۔ سو بلاشک وشبہ ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کلیات پر انبیائے کرام علیہم السلام کی جانب سے نص کا ہونا ممکن ہے؛ بخلاف جزئیات کے۔

مزید برآں جب اس مسئلہ میں واضح دلائل موجود ہیں کہ اس جماعت کے کچھ افراد دوسروں سے زیادہ امر خلافت کے حق دار ہیں تو یہ دلائل بطور خاص کسی کو خلیفہ متعین کرنے سے کفایت کر جاتے ہیں۔

[جواب]: ہم کہتے ہیں: ''جن نصوص سے نظر و استدلال کی بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور امامت ثابت ہوتی ہے، ان سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ تمام احکام پر ایسی نص جلی نہیں ہوتی کہ اسے ہر خاص و عام برابر سمجھ لے۔ جب ان امور کلیہ کی معرفت ہر زمانے میں واجب تھی؛ تو ان امور میں اتنی ہی نص کافی سمجھی جاتی ہے۔ تو پھر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک جزوئی معاملہ یعنی امام کے نصب وتعین کے لیے یہ نص بدرجہ اولی کافی ووافی ہے۔ہم اس سے پہلے بیان کرچکے ہیں کہ کلیات پرتو انبیاء کرام علیہم السلام سے نص ثابت ہوسکتی ہے مگر ہر ہر جزئیہ پر ایسی نصوص کا ثابت ہونا ناممکن ہے۔

جب اس جماعت کے کچھ لوگوں کی افضلیت کے دلائل صاف ظاہر تھے ؛ اور یہ دلائل بھی موجود تھے کہ وہ دوسرے لوگوں سے خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔تو پھران دلائل کی موجودگی خلیفہ کا نام لیکر متعین کرنے سے بے نیاز کرتی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور خلافت کے مستحق ہونے کے دلائل انتہائی صاف واضح اور ظاہر ہیں۔ان میں کسی صحابی نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔جن انصار نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا تھا وہ اس بات کے ہرگز منکر نہیں تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے افضل ترین ہستی ہیں۔ان کا اختلاف صرف یہ تھا کہ ایک خلیفہ مہاجرین میں سے ہونا چاہیے اور ایک خلیفہ انصار میں سے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ان لوگوں کو ھوائے نفس نے دلالت نصوص کے فہم سے روکے رکھا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: جب ان لوگوں نے ھوائے نفس کی وجہ سے ان نصوص کی نافرمانی کی ؛ اوران سے منہ موڑلیا جیسا کہ تم لوگوں کا ان کے متعلق دعوی ہے ؛ تو خواہ کوئی بھی صورت حال ہو؛ اگر وہ حق بات کو پانے کا ارادہ کرتے تو مقصود کسی طرح سے بھی حاصل ہو جاتا۔اور عناد کے ساتھ کوئی بھی چیز کسی بھی طرح کام نہیں دیتی۔

[چھٹا جواب]:ان سے کہا جائے گا کہ:احکام پر نص دو طرح کی ہوتی ہے:

۱۔نص کلی: جو عام ہو؛اوراس کے تمام اعیان کو شامل ہو۔

۲۔نص جزئی: جو جزئیات کو شامل ہو۔

جب آپ کہتے ہیں کہ امام کے لیے نص کا موجود ہونا ضروری ہے۔اگر تمہاری مراد نص کلی اور عام ہے؛ یعنی امام کے لیے کیا شروط ہیں ؛ اس پر واجب کیا ہے؛ اور امام کے لیے کیا واجب ہے۔جیسے کہ حکام ؛ مفتیان ؛ شہود ؛ نماز پڑھانے والے ائمہ ؛ مؤذنین اور جہاد کے لیے امراء کے لیے شروط ہیں ؛ اوران کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے کیا شروط ہیں جو مسلمانوں کے معاملات میں ان کی بات مانیں گے اوران کے نقش قدم پر چلیں گے ؛ تو الحمد للہ یہ نصوص ثابت ہیں۔جیسا کہ باقی تمام احکام کی نصوص ثابت ہیں۔

اگر آپ یہ کہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ: والی یا خلیفہ بننے والے افراد کا متعین کیا جانا ضروری ہے۔''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ احکام کی جزئیات پر نص کا ہونا واجب نہیں۔ بلکہ ایسا کیا جانا ممکن ہی نہیں۔

منصب امامت بھی من جملہ احکام میں سے ایک حکم ہے۔اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ قیامت تک آنے والے مسلمان حکمرانوں کو نصوص کے ذریعہ متعین کیا جانا نہ ہی ایسا ہوا ہے اور نہ ہی ایسا ہونا ممکن ہے۔کسی متعین امام کی طرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے کسی دوسرے کو امام متعین کرنے کی نص صرف اس متعین شخص تک محدود ہوگی تمام معینین کو شامل نہیں ہوگی۔ ❀

اس صورت میں ان سے کہا جائے گا کہ: امام کا منصوص علیہ ہونا ممکن ہے۔ اور یہ نص ان کو بھی تفویض ہوسکتی ہے جو اس کے بعد خلیفہ یا نائب مقرر ہوگا۔ اور یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ [یہ پہلا حاکم] اپنے بعد اپنا نائب مقرر کرے۔ یا کسی کو اپنا وزیر مقرر کرے۔ اس صورت میں نص اپنے مقصد میں زیادہ بلیغ ہوگی۔

مزید برآں یہ کہ وہ متعین منصوص علیہ امام کیا اپنے بعد کسی کو متعین کرنے میں بھی معصوم ہے یا اس میں معصوم نہیں؟ اگر اس میں معصوم ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس کے تمام نائبین بھی معصوم ہوں ۔ یہ تمام باتیں ضرورت کے تحت باطل ہیں ۔ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ ممکن ہے کہ امام اپنے بعد کسی غیر معصوم کو اپنا نائب مقرر کردے۔ جب غیر معصوم نائب مقرر ہوگئے تو پھر امام معصوم کے وجود سے باقی تمام زمانے کے لوگوں کو کچھ بھی فائدہ حاصل نہ ہوا۔

اگر [شیعہ کی طرف سے] یہ کہا جائے کہ امام اپنی زندگی کے بعد نائب مقرر کرنے میں معصوم ہے؛ جب کہ اپنی زندگی میں ایسا کرنا ضروری نہیں ۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: ضرورت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ امام اور اس کا نائب دونوں معصوم ہوں۔ اور جو آدمی امام کے پاس حاضر اور موجود ہو اس کے بارے میں مستقبل میں آنے والے کی نسبت زیادہ علم ہوتا ہے۔ تو پھر آنے والا کیسے معصوم ہوسکتا ہے جب کہ جو حاضر اور موجود ہے وہ معصوم نہیں ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ: نص کا ہونا ممکن ہے؛ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے نص کے ذریعہ نائب مقرر کیا تھا۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: نبی کریم ﷺ کا اپنے بعد [کسی متعین کو] خلیفہ مقرر کرنا ایسے ہی ہے جیسے اپنی زندگی میں کسی کو اپنا نائب مقرر کرنا۔ لیکن ہم ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی معصوم ہونے کی شرط نہیں لگاتے۔

[ساتواں جواب]: ان سے کہا جائے گا کہ: تم شیعہ کے نزدیک نص کا وجود قطع نزاع کے لیے ضروری ہے، تاکہ اس سے کوئی ایسا بڑا فساد پیدا نہ ہو۔ جس فساد کو ختم کرنے کے لیے آپ نے امام کے متعین ہونے کو واجب کہا ہے۔

مگر یہاں تو معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین یکے بعد دیگرے منصب خلافت پر فائز ہوئے مگر کوئی فساد و نزاع نہ ہوا۔ فتنہ و فساد کا آغاز اس امام کے وقت میں شروع ہوا جو بقول شیعہ امام منصوص و معصوم تھے۔ آپ کے خلیفہ قرار پائے جانے کے بعد تو فتنہ بازی اوج کمال پر پہنچ گئی۔ تو جس کم درجہ کے فساد کو ختم کرنے کے لیے تم نے امام کو متعین کرنا واجب قرار دیا تھا؛ گویا کہ امام معصوم سے جو مقصود تھا وہ حاصل نہ ہوا بلکہ جس چیز کے لیے تم نے نصب امام کو وسیلہ بنایا تھا اس مقصود کا الٹ حاصل ہوا۔ اور تمہارے اس وسیلہ کے بغیر یہ مقصود [پہلے تین خلفاء کے دور

❀ [وضاحت: مطلب یہ ہے کہ جب کوئی حاکم اپنے بعد کسی دوسرے کو اپنا نائب یا حاکم مقرر کردے؛ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قیامت تک تمام آنے والے حکمرانوں کو متعین کرسکتا ہے۔ بلکہ یہ حکم صرف اس متعین فرد تک محدود ہوگا جسے اس پہلے حاکم نے اپنی جگہ کے لیے منتخب کیا ہے۔ (دراوی)]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں] حاصل ہوگیا۔ پس جو وسیلہ تم نے اپنے دعووں میں ذکر کیا تھا وہ سب باطل ٹھہرا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ پر وہ چیزیں واجب کر دیں جو کہ اس پر واجب نہیں تھیں۔ اور ایسی چیزوں کی خبریں دینے لگے جن کا کوئی وجود واقع ہی نہیں ہوا تھا۔ پس ان کے اس جھوٹ اور جہالت کی وجہ سے ان کے اقوال میں تناقض کا لازم آنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

[تعین امام کا طریقہ]:

[آٹھواں جواب]: ہم کہتے ہیں کہ: کسی امام کے بارے میں وجود نص سے فساد کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ نص کے متعدد طرق ہیں:

۱۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی شخص کی خلافت کے بارے میں پیش گوئی فرمائیں اور اس کی تعریف کریں۔ امت کو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر یہ شخص مسند امارت پر فائز ہوا تو لوگوں کے حق میں مفید ثابت ہوگا۔ بلاشبہ اس سے نزاع اٹھ جاتا ہے۔ اگرچہ آپ یہ نہ بھی فرمائیں کہ فلاں شخص کو امام مقرر کرلو۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق آپ ﷺ نے ایسی پیش گوئی فرمائی تھی۔

۲۔ نص کا دوسرا طریق یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ایسے امور کی پیش گوئی فرمائیں جو کسی شخص کی خلافت و امارت کی عمدگی کی دلیل ہوں جیسے آپ نے فارس[1] و روم کے فتح ہونے کی بشارت دی تھی۔[2] جو خلافت صدیقی و فاروقی میں پوری ہوئی ہیں۔

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے بعد میں آنے والے کو کسی شخص کے پاس جانے کا حکم دیں، یہ حکم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شخص خلیفہ ہوگا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ واقعہ پیش آ چکا ہے۔

۴۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ آپ خلافت کے بارے میں ایک عہد نامہ لکھنا چاہتے ہوں اور جب اس کی تکمیل نہ ہو سکے تو فرمائیں: ''اللہ تعالیٰ اور مومنین فلاں کے سوا کسی کو خلیفہ تسلیم نہیں کر سکتے۔''[3]

تو اس طرح کا واقعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہی پیش آیا تھا۔

۵۔ پانچواں طریقہ: نبی کریم ﷺ اپنے بعد کسی شخص کی پیروی کا حکم صادر کریں اور وہ منصب خلافت پر فائز بھی ہو جائے۔

۶۔ چھٹا طریقہ یہ ہے کہ آپ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنت کی پیروی کا حکم دیں اور ان کی مدت خلافت کی تعیین

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل المدینة۔ باب من رغب عن المدینة، (حدیث: ۱۸۷۵)، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ترغیب الناس فی المدینة (حدیث: ۱۳۸۸)

[2] مسند احمد (۵/ ۲۸۸)

[3] صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنه (ح: ۲۳۸۷)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کر دیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدت کے اندر اندر جو لوگ منصب امامت پر فائز ہوں گے وہ خلیفہ راشد اور ہدایت یافتہ ہوں گے۔

۷۔ ساتواں طریقہ یہ ہے کہ آپ کسی شخص کو چند باتوں کے ساتھ مختص کر دیں جو اس بات کی مقتضی ہوں کہ یہ سب پر فائق ہے، یہ صفت صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ میں موجود تھی۔

[نواں جواب]: کسی متعین پر ترک نص رسول کے لیے موزوں تر ہے۔ اس لیے کہ اگر نص معصوم کے حق میں ہوتو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص معصوم نہیں۔ اور اگر غیر معصوم کے حق میں ہو تو اس کی ہر بات کے واجب الاطاعت ہونے میں بعض اوقات نص سے احتجاج کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس بات کا امکان باقی نہیں رہتا کہ آپ سے مراجعت کر کے اس امام و خلیفہ کی بات کو مسترد کر دیا جائے یا اسے معزول کیا جائے۔ اس لیے منصوص علیہ خلیفہ کا نہ ہونا اس کے ہونے سے بہتر تھا۔ یہ اس کے برعکس ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں نائب یا والی مقرر کریں۔ اس لیے کہ جس شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں تعینات کریں؛ اگر اس سے کوئی گناہ ہو جائے یا غلطی ہو جائے تو ممکن ہے کہ آپ اسے غلطی پر متنبہ اور اسے اس منصب سے معزول بھی کر سکتے تھے۔ جب کہ موت کے بعد ایسا کرنا ممکن نہیں۔ اور امت کے لیے بھی اس امام یا نائب کو معزول کرنا ممکن نہیں رہے گا؛ اس لیے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کیا ہے۔ پس کسی متعین شخص پر نص کا نہ ہونا مسلمانوں کے لیے زیادہ بہتر اور مصلحت پر مبنی تھا۔ اور ایسے ہی ہوا۔ اگر رسول اپنے بعد کسی کو بصراحت اس بات کے لیے مقرر فرمائیں کہ ہم اس سے دین اخذ کریں؛ جیسے رافضی کہتے ہیں؛ تو اللہ کی حجت باطل ٹھہرے گی اور رسول کے سوا دوسرا کوئی شخص اس کا اہل بھی نہیں ہوسکتا کیوں کہ معصوم صرف رسول ہی ہوتا ہے دوسرا کوئی شخص معصوم نہیں ہوتا۔

جو شخص ان باتوں پر اور دوسرے امور پر غور کرے گا اسے علم ہو جائے گا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اختیار کیا تھا وہ زیادہ کامل واکمل امور تھے۔

[جزئیات کی تنصیص ممکن نہیں]:

[دسواں جواب]: جزئیات کی تنصیص ممکن نہیں اور کلیات قبل ازیں منصوص ہیں۔ اگر رسول کسی مخصوص آدمی کو اس منصب پر مقرر کر دیتے اور کلیات کی تنصیص میں اس کی اطاعت کا حکم صادر کرتے تو یہ باطل ہوتا۔ اور اگر جزئیات میں اس کی اطاعت کا حکم دیتے؛ خواہ وہ جزئیات کلیات کے موافق ہوں یا مخالف تو یہ بھی باطل ہوتا۔ اور اگر جزئیات میں اس کی اطاعت اس صورت میں ضروری ٹھہرائی جائے جب وہ کلیات سے ہم آہنگ ہوں؛ تو ہر والی ایسا حکم صادر کرتا ہے۔

اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم تصریحاً بھی کسی متعین شخص کو اس منصب پر مقرر کر دیتے؛ تو جو اس کے بعد جو امام یا خلیفہ بنتا؛ اس کے ساتھ کوئی نص نہ ہوتی۔ تو کوئی بھی خیال کرنے والا یہ خیال کرتا کہ اس کی اطاعت امام سابق کی طرح نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ پہلے امام کی اطاعت نص کی روشنی میں واجب تھی جب کہ دوسرے امام کی امامت کسی نص قطعی سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ثابت نہیں ہوئی۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہر امام اپنے بعد والے امام کا ذکر تصریحاً کرتا ہے تو یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب دوسرا امام معصوم ہو۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی شخص معصوم نہیں۔ بنا بریں قول بالنص عصمت امام کے عقیدہ کی فرع ہے۔ اس قول کا فاسد ترین قول ہونا صاف ظاہر ہے۔

اسی طرح اس سے مراد یہ ہوسکتی ہے کہ روافض جس نص کے دعوے دار ہیں کہ حاکم وامیر کی ہر بات واجب الاطاعت ہوا کرتی ہے اور اختلاف کے وقت اسے کتاب وسنت کے معیار پر رکھ کر پرکھنے کی ضرورت نہیں، یہ بھی فاسد ہے۔

اگر ہم ارشاد باری کے مطابق اختلاف کے وقت اپنے قول کو کتاب وسنت پر پرکھ کر دیکھیں تو نص کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ اس لیے کہ دین محفوظ ہے۔ اور دین ان حکام یا ولاۃ کے بغیر بھی محفوظ رہے گا۔

خلاصہ کلام! کسی متعین شخص پر نص کے ہونے سے: اگر یہ مراد ہے کہ اس منصوص علیہ کی اس طرح اطاعت کی جائے جیسے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ان کے ہر حکم و نہی میں اور مباح میں کی جاتی ہے؛ اور کسی ایک کو اس سے اختلاف کرنے کا حق حاصل نہیں؛ جس کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اختلاف کرے؛ اور اس کے احکام کو ہر صورت میں نافذ کیا جائے؛ اور امت اس کے ساتھ اس طرح رہے جیسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی؛ تو ایسا رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لیے نہیں ہوسکتا: اور نہ ہی کسی دوسرے کے لیے ایسا ممکن ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی ایک پر بھی وحی نہیں آتی جیسا کہ آپ ﷺ پر وحی آیا کرتی تھی۔ اور آپ کے بعد کسی کو ہر ایک چیز کا علم ایسے حاصل نہیں ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھا۔ تو اس کی اطاعت کی کوئی راہ باقی نہ رہی؛ نہ ہی اپنی جہت سے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

اگر اس نص سے مراد یہ لی جائے کہ آپ ﷺ امت کے لیے بیان فرما دیں کہ یہ انسان تمہارا والی بننے میں دوسروں کی نسبت زیادہ حق دار ہے۔ اور اس کی ولایت و امامت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔ اور تمہارے لیے تمہاری دنیا اور دین دونوں اعتبار سے زیادہ بہتر اور مصلحت پر مبنی ہے۔ یا اس طرح کا کوئی دیگر کلام ارشاد فرما دیں جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ خلافت نبوت میں فلاں شخص دوسروں کی نسبت زیادہ حق دار ہے۔ تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح کی بہت ساری نصوص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

اگر اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں اس امام کی اتباع کرنے کا حکم دیا تھا جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کریں۔ اور اس بارے میں امت سے کوئی عہد بھی لیا تھا۔ جب اس کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ امت ایسا ہی کرے گی تو پھر اس عہد کا ترک کرنا ہی بہتر تھا۔ اور اگر آپ کو اندیشہ ہو کہ امت آپ کے حکم کے بغیر ایسا نہیں کرے گی؛ تو پھر حکم دینا زیادہ اولیٰ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خوف محسوس ہوا کہ آپ کے بعد امت میں اختلاف پیدا ہو جائے گا تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے عہد لے لیا[انہیں اپنا ولی عہد مقرر کردیا]۔اور جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ امت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلے گی تو پھر آپ نے اس بارے میں کوئی حکم جاری نہ فرمایا۔

صحیحین میں ہے آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک عہد نامہ لکھ دوں۔''

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ اور مسلمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو خلیفہ تسلیم نہیں کریں گے۔''[1]

آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو خلیفہ نہیں بنائے گا۔اور اہل ایمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔ایسے ہی ساری صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم ہو گیا تھا۔بیشک علم ہو جانے کے بعد حکم کا ترک کرنا افضل تھا۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔اس لیے کہ امت آپ ﷺ کی طرف سے لازم کیے بغیر اگر اپنی مرضی سے ہی آپ کو منتخب کرلے گی تو یہ بہت اچھا ہوگا؛ اور اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس پر راضی ہیں ؛ اس لیے کہ آپ سب امت میں سے افضل انسان تھے۔آپ کا علم و دینداری اس کی واضح دلیل ہیں۔

اس لیے کہ اگر امت پر اس امر کو لازم کردیا جاتا تو یہ بھی کہا جاسکتا تھا کہ امت کو حق ماننے پر مجبور کیا گیا۔امت آپ کو منتخب نہیں کرنا چاہتی تھی؛ جیسا کہ بنی اسرائیل میں ہوا کرتا تھا۔تو کوئی بدگمانی کرنے والا یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ ابھی تک ان لوگوں میں جاہلیت کا عنصر یعنی نسب کی وجہ سے مقدم کرنے کی روش باقی ہے۔اور امت صرف ان لوگوں کو منتخب کرنا چاہتی تھی جو بنو عبد مناف سے تعلق رکھتے ہوں۔جیسا کہ ابوسفیان اور دوسرے لوگوں کی رائے تھی۔اگر مہاجرین وانصار پر اس امر کو لازم کردیا جاتا ؛ تو کوئی بھی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ یہ بالکل ابوسفیان اور اس کے امثال کے فعل کی جنس سے ہے۔لوگ اولاً و آخراً نبی کریم ﷺ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اختصاص؛ اور آپ کے ساتھ ظاہری و باطنی موافقت کو اچھی طرح سے جانتے تھے۔

کوئی کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا تھا: یہ لوگ باطن میں اس کو ناپسند کرتے تھے کہ ان پر کوئی ایسے حکم چلائے جیسے انہیں رسول اللہ ﷺ حکم دیا کرتے تھے۔لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ان پر اس کو لازم کردیا تو پھر وہ اس کو ماننے کے لیے مجبور ہو گئے۔[تو اس صورت میں] اگرچہ اور کچھ بھی نہ ہوتا تو پھر بھی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت گزاری پر ان کی مدح وتعریف کی جاتی۔تو پھر جب انہوں نے بغیر اس کے کہ ان پر لازم کیا جائے ؛ اپنی مرضی اور اختیار سے ایسے آدمی کو خلیفہ چن لیا جس پر اللہ اور اس کا رسول راضی ہوں؛ یہ بات اللہ کے ہاں ان کی بہت بڑی قدر ومنزلت اور اعلی درجات اور بہت بڑے ثواب کی دلیل ہے۔جس چیز کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اہل ایمان کے لیے اختیار کرلیا تھا؛ وہ ان[عوام اور خلیفہ] کے حق میں سب سے بہتر اور افضل تھا۔

---

[1] صحیح مسلم(حدیث:۲۳۸۷) واللفظ لہ۔ صحیح بخاری۔ ك (حدیث:۵٦٦٦) سبق تخریجه۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ذرا غور تو کیجیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر سریہ مقرر فرمایا۔ اور پھر ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ مگر اس کے باوجود وہ [اللہ اور اس کے رسول اور] ان امراء کی اطاعت پر کاربند رہے۔ پس اگر امت پر لازم کر دیا جاتا کہ ان میں سے کسی ایک کو امیر مقرر کیا جائے۔ تو کوئی یہ بھی گمان کرسکتا تھا کہ ایسی بات ان کے دلوں میں بھی تھی۔ پھر اس سے ان لوگوں کے ہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کوئی اس طرح کی خاص منزلت باقی نہ رہتی کہ اس میں کوئی بھی انسان بات نہ کرسکتا۔

جب لوگ خود آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت پر متفق ہوگئے اور مہاجرین و انصار میں سے کسی ایک نے بھی یہ دعوی نہ کیا کہ میں صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر خلیفہ بننے کا حق دار ہوں۔ اس لیے کہ انصار نے شروع میں جو اختلاف کیا تھا؛ وہ اختلاف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں تھا۔ بلکہ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ ایک امیر قریش میں سے ہو؛ اور ایک امیر انصار میں سے۔

یہ اختلاف تمام قریش کے ساتھ عام تھا۔ جب ان کے سامنے دلیل کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ امارت و خلافت قریش کا حق ہے؛ تو انہوں نے اس اختلاف کو ختم کردیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کہا تھا: ''ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ یا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو۔''

> تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' بلکہ آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم میں سب سے بہتر ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی سب سے زیادہ آپ کو چاہتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر میری گردن ماردی جائے' تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی؛ اور یہ میرے نزدیک اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ مجھے اس قوم پر امیر بنادیا جائے جس میں ابو بکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔''[1]

اور آپ [حضرت عمر رضی اللہ عنہ] نے سب لوگوں کی موجودگی میں ارشاد فرمایا تھا:

> '' آپ ہمارے سردار ہیں' اور ہم سب سے بہتر ہیں۔ اور ہم سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہیں۔''[2] یہ بات صحیح احادیث سے ثابت شدہ ہے۔

پھر اس کے بعد لوگوں نے بغیر کسی لالچ کے؛ بغیر کسی خوف کے؛ اور بغیر کسی رشوت کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ ان لوگوں نے آپ کی بیعت کی جنہوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی۔ اور جن لوگوں نے عقبہ کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی۔ اور جنہوں نے ہجرت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی۔ اور ان لوگوں نے بھی بیعت کی جنہوں نے ہجرت کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کرتے ہوئے بیعت کی تھی۔ جیسے طلقاء مکہ؛ اور دوسرے حضرات۔

ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر امر خلافت کا حق دار ہوں۔ اور نہ ہی آپ کی بیعت کرتے ہوئے کسی نے یہ کہا کہ: ''فلاں آدمی آپ سے زیادہ اس امر کا حق دار تھا۔''

---

[1] بخاری، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لو کنت متخذا خلیلا" (ح:٣٦٦٨)۔ [2] البخاری ٥ / ٧۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیشک بعد میں جن لوگوں نے یہ بات کہی کہ: آل بیت رسول اللہ ﷺ اس کے زیادہ حق دار تھے؛ ان میں جاہلیت کے عربی اور فارسی فرق کا اثر باقی تھا۔لیکن اتنا فرق ہے کہ جاہلیت میں عرب رؤوساء کے اہل بیت کو مقدم سمجھا جاتا تھا اور اہل فارس میں بادشاہ کے اہل بیت کو مقدم سمجھا جاتا تھا۔

بعض لوگوں سے اس قسم کی باتیں نقل کی گئی ہیں؛ جیسے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ وغیرہ۔اس رائے کا اظہار کرنے والے کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی غرض نہ تھی۔ بلکہ اس کی رائے کی روشنی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت خلافت کے زیادہ حق دار تھے۔اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی ترجیح دیتے تھے۔تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ جانتے تھے کہ اسلام میں تقوی اور ایمان داری کو نسب پر ترجیح حاصل ہے۔تو آپ کا خیال یہ تھا کہ اس سے جاہلیت اور اسلام کے حکم کے مابین یگانگت قائم ہو جائے گی۔

مگر جو لوگ صرف اور صرف اسلام کے مطابق چلنا چاہتے تھے' اور اسلام کے علاوہ کسی حکم پر راضی نہیں تھے؛ یعنی ایمان اور تقوی کو ہی مقدم کرنا جانتے تھے؛ ان میں سے دو افراد نے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اختلاف نہیں کیا۔ نہ اس قول کے قائلین نے اختلاف کیا اور نہ ہی کسی دوسرے نے کہ ان لوگوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر مضبوط ایمان اور تقوی والا کوئی انسان ان میں موجود ہو۔تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے اختیار سے اور اطاعت گزاری کے ساتھ ان لوگوں نے باقی امت پر مقدم کیا۔ پس لوگوں کو آپ کو خلافت کے لیے مقدم کرنا آپ کے کمال ایمان وتقوی اور لوگوں کی آپ کی اطاعت گزاری کی دلیل ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نبی کو تقوی کی بنیاد پر تقدیم کے پیغام کے ساتھ مبعوث کیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے جو چیز [یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت] اپنے نبی اور اس کی امت کے لیے اختیار کی تھی ؛ وہ ان سب کے حق میں افضل و بہتر تھی۔پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تمام تر تعریف ہے کہ اس نے اس امت کو ہدایت بخشی اور ہمیں ان کے اطاعت گزاروں میں سے بنایا۔

فصل:......امام معصوم کا تصور اور فہم کتاب وسنت

[اشکال]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:'' تیسری بات یہ ہے کہ: امام کا حافظ شرع ہونا ضروری ہے،اس لیے کہ وحی ختم ہوچکی ہے اور کتاب وسنت میں ان جزئیات کی تفصیل نہیں ہے جو قیامت تک پیش آنے والے ہیں۔لہٰذا ایک منصوص من اللہ امام کا وجود ناگزیر ہے، جو خطاء اور کجی سے معصوم بھی ہو، تاکہ شرعی احکام میں عمداً یا سہواً کمی بیشی نہ کر دے۔ یہ ظاہر ہے کہ بالاجماع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرا کوئی شخص ان صفات کا حامل نہ تھا۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: اس کا جواب کئی طرح سے دیا گیا ہے:

پہلی وجہ:......ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ امام کا حافظ شریعت ہونا ضروری ہے۔ بخلاف ازیں امت کا حافظ شرع ہونا ضروری ہے۔یہ مقصد جس طرح ایک سے حاصل ہوتا ہے اجتماعی طور پر بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ بلکہ اہل تواتر کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شریعت کو نقل کرنا ایک شخص کے نقل کرنے سے بہتر ہے۔ جب اگر ہر گروہ میں سے ایک جماعت کے روایت نقل کرنے سے حجت قائم ہو جاتی ہے؛ تو اس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

تمام بنی آدم کے ہاں اہل تواتر کے نقل کرنے میں اتنی بڑی عصمت پائی جاتی ہے کہ ایسی عصمت انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کہیں بھی نہیں پائی جاتی۔ اگر حضرت ابو بکر و عمر و عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں اگر کہا جائے کہ یہ معصوم ہیں' تو جو کچھ باقی مہاجرین و انصار کی جماعت نے نقل کیا وہ ان کی نقل سے زیادہ بلیغ ہے۔

مزید برآں کہ [جب نقل کرنے والا ایک ہو تو] بہت سارے لوگ ناقل کی عصمت پر تنقید کرتے ہیں؛ تو اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ تو پھر اس صورت میں کیا کہا جا سکے گا جب کسی راوی کو امت کے بہت سارے لوگ کافر کہتے ہوں؟

جب بہت سارے خبر دینے والے لوگ کسی چیز کے بارے میں خبر دے رہے ہوں تو اسے مقصودِ تواتر حاصل ہو جاتا ہے اگرچہ ان کی عدالت کے بارے میں علم نہ بھی ہو۔

دوسری وجہ:...... ان سے پوچھا جائے گا کہ: کیا تمہاری مراد یہ ہے کہ امام کو شریعت کا محافظ ہونا چاہیے؛ اگرچہ وہ معصوم نہ بھی ہو؟ یا شریعت کا محافظ صرف وہی ہو سکتا ہے جو معصوم بھی ہو؟ اگر اس کے جواب میں وہ کہیں کہ معصوم ہونا شرط ہے؛ تو یہ پہلی وجہ ہے؛ اس کا جواب کئی بار گزر چکا ہے۔ اور اگر کہیں کہ صرف شریعت کی حفاظت شرط ہے تو پھر ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کتاب و سنت کے سب سے بڑے محافظ تھے؛ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بڑے عالم تھے۔ بلکہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما آپ سے بڑھ کر عالم دین [اور محافظِ شریعت] تھے۔ لہٰذا شیعہ کا اجماع کا دعوی باطل ٹھہرا۔

تیسری وجہ:...... ان سے پوچھا جائے گا کہ: کیا آپ محافظ شریعت اور معصوم ہونے سے یہ مراد لیتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ معصوم تھے، لہٰذا شرع کی صحت معلوم کرنے کے لیے کسی مسئلہ کا آپ سے منقول ہونا ضروری ہے۔ تو پھر کیا کسی چیز کا صحیح ہونا آپ سے منقول ہوئے بغیر بھی معلوم ہو سکتا ہے؟ اگر شیعہ جواب میں کہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے؛ تو پھر ہمیں نہ ہی کسی محافظ شریعت کی ضرورت ہے؛ اور نہ ہی کسی معصوم کی۔ اس لیے کہ جب اس کے بغیر بھی شریعت کے ایک حصہ کی حفاظت ممکن ہے۔ تو کسی دوسرے حصہ کی حفاظت کے لیے کوئی بھی دوسرا یہ خدمت سرانجام دے سکتا ہے۔ یہاں تک پوری شریعت کی حفاظت بغیر معصوم کے ممکن ہے۔

اگر شیعہ کہیں کہ: ایسا نہیں بلکہ کسی بھی چیز کی صحت کی معرفت کے لیے اس کا محافظ شرع امام معصوم سے معلوم ہونا ضروری ہے۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: تو پھر اس صورت میں امام معصوم سے منقول ہوئے بغیر اہل ارض پر حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ لازم آیا کہ اہل زمین پر حجت قائم کرنے کے لیے آپ سے نقل کا ہونا ضروری ہے۔ اور نقل کی صحت اس وقت تک معلوم نہیں ہوتی جب تک آپ کا معصوم ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معصوم ہونے کا علم ہمیں اس بات سے حاصل ہوا کہ دوسرا کوئی شخص بالا جماع معصوم نہیں۔ اگر معصومین کا اجماع ہو تو شریعت کی حفاظت اس سے ممکن ہے اور اگر وہ معصومین کا اجماع نہیں ہے تو ہمیں اس کا غلطی سے پاک ہونا بھی معلوم نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چوتھی وجہ:...... جو لوگ محمد ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں؛ ان کے ہاں آپ کی نبوت کس چیز سے ثابت ہوتی ہے؟ اگراس کے جواب میں کہیں کہ:''امام کے نبی کریم ﷺ کے معجزات بیان کرنے سے۔''

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ:'' جو نبی کریم ﷺ کی نبوت کو نہ مانتا ہو؛ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کو بھی نہیں مانے گا۔ بلکہ ان کی امامت پر بطریق اولی قدح کریگا۔ بلکہ وہ نبوت اور امامت دونوں میں قدح کرے گا۔

اگر وہ کہیں کہ: پوری امت نبی کریم ﷺ کے جو معجزات تواتر کیساتھ نقل کرتی چلی آئی ہے؛ جیسے قرآن وغیرہ سے: [ان کے ہاں نبوت محمدی ثابت ہوگی]۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ:'' جب امت کے تواتر کے ساتھ نقل کرنے سے حجت اور اصلِ نبوت ثابت ہوتی ہے؛ تو پھر اس سے شریعت کے فروعی مسائل کیسے ثابت نہیں ہو سکتے؟

پانچویں وجہ:...... ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ کیا امام ہر فرد و بشر تک شرعی احکام کو بتواتر پہنچا سکتا ہے؟ یا یہ کہ شرعی احکام ایک معصوم سے دوسرے معصوم تک منتقل ہوتے رہتے ہیں؟

اگر امام کے لیے ایسا کرنا ممکن ہے تو رسول ﷺ کے لیے بطریق اولیٰ ممکن ہے۔ اندریں صورت نقل امام کی حاجت نہ ہوگی۔ اور اگر شیعہ کہیں کہ امام ایسا نہیں کر سکتا؛ تو اس سے یہ لازم آیا کہ دین اسلام کا نقل کرنے والا اقارب رسول میں سے ایک شخص فرد واحد ہوتا ہے۔ جس کے بارے میں منکر رسالت قدح کرتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ اقارب جو چاہتے ہیں رسول کے بارے میں کہتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کا دین یہود و نصاری کے دین سے بھی برا ہو جائے گا جو علم دین کی روایت و نقل کو صرف اپنے علماء کے ساتھ خاص مانتے ہیں۔

چھٹی وجہ:...... انہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے؛ اس سے قدر نبوت میں نقص واقع ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ جس کے بارے میں معصوم اور محافظ شریعت ہونے کا دعوی کیا جا رہا ہے؛ وہ نبی کریم ﷺ کے اقارب میں سے ہے۔ اس سے نبوت پر بہت بڑی تہمت لگتی ہے۔ اعتراض کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ:'' اس سے یہ لازم آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حکومت و سلطنت کے حریص اور طلبگار تھے؛ انہوں نے اپنے اقارب کے لیے عہد لیا؛ اور اب آپ کے بعد ان کے اقارب امور سلطنت کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ اور کسی دوسرے سے کوئی دین کی بات معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں یہ معاملہ انبیاء کے حکم کے بجائے بادشاہوں کے حکم کے مشابہ لگتا ہے۔

ساتویں وجہ:...... ہم کہتے ہیں کہ بلاشبہ دین کے تحفظ اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے معصومین کی ضرورت ہے۔ آخر اس میں کیا قباحت ہے کہ صحابہ کرام ہی وہ معصوم ہوں جنہوں نے قرآن و حدیث کی حفاظت کی؛ جن سے دین کا مقصد پورا ہوا اور جنھوں نے دین کو کائنات ارضی کے گوشہ گوشہ تک پہنچایا۔ اور اس میں کیا برائی ہے کہ ہر گروہ کو تحفظِ دین اور اس کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں اسی قدر عصمت حاصل ہو جس حد تک وہ اس کا حامل ہے۔ یہ بات معلوم شدہ ہے کہ دین کی تبلیغ اور حفاظت میں عصمت کا مقصد اس کے نقل [روایت] کرنے والوں سے حاصل ہو جاتا ہے اگر چہ وہ امام

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

نہ بھی ہوں۔

آٹھویں وجہ:......ان سے پوچھا جائے گا کہ: ایسے جائز کیوں نہیں ہے کہ دین کی حفاظت اور تبلیغ کے لیے ہر گروہ کے اس کے تحمل شریعت کے مطابق معصوم قرار دیا جائے۔ مثلاً قراء حفظ قرآن اور اس کی تبلیغ میں معصوم ہیں۔ اسی طرح محدثین احادیث صحیحہ کے حفظ و ابلاغ میں معصوم ہیں۔ اور فقہاء فہم کلام اور استدلال اور احتجاج میں معصوم ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک معدوم امام سے بے نیاز کر دیا ہے۔

نویں وجہ:......اگر شریعت کے حفظ و ابلاغ کا کام ایک معصوم ہی انجام دے سکتا ہے جو دوسرے معصوم سے اخذ کر رہا ہو تو یہ کیا بات ہے کہ چار سو ساٹھ سال کے طویل عرصہ میں کسی نے امام منتظر سے ایک مسئلہ بھی نہیں سیکھا؟ اب سوال یہ ہے کہ پھر شیعہ نے قرآن کریم اور دین کا علم کہاں سے حاصل کیا؟ اور کیا یہ ممکن نہیں کہ جو قرآن وہ پڑھ رہے ہیں وہ اس قرآن سے الگ ہو جو نازل ہوا تھا؟ بلکہ اس میں کلام اللہ کا ایک حرف بھی نہ ہو [جیسا کہ بعض شیعہ کا عقیدہ ہے]۔

☆ ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ تمھیں نبی کریم ﷺ اور [حضرت علی رضی اللہ عنہ] کے حالات اور احکام سے کیوں کر آگاہی ہوئی۔ جب کہ بذات خود تم نے کسی معصوم سے اس ضمن میں کچھ نہیں سنا۔ اس لیے کہ وہ امام یا تو مفقود ہے یا پھر معدوم ہے۔

اگر شیعہ کہیں کہ: ہمارے نزدیک ائمہ معصوم سے اس کی نقل تواتر کی حد تک معروف ہے۔

تو ہم کہیں گے کہ جب تمہارے ائمہ کا تواتر تحفظ شرع کا موجب ہے تو پوری امت کا تواتر اس کی نسبت اولیٰ واحریٰ ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے نہ کہ ایک شخص کی نقل کو دوسرے سے معتبر تسلیم کیا جائے۔

شیعہ کہتے ہیں: ان کے پاس قبل از امام منتظر سے قبل کے لوگوں سے منقول جو موروثی علم موجود ہے؛ اس نے انہیں بے نیاز کر دیا ہے کہ امام منتظر سے کوئی نئی چیز حاصل کریں۔ [اگر واقعی ایسے ہی ہے] تو پھر جو کچھ امت کے پاس نبی کریم ﷺ سے منقول علم موجود ہے [اور جس کی صحت بھی ثابت ہے] یہ علم آپ کو دوسرے لوگوں سے علوم اخذ کرنے سے بے نیاز کیوں نہیں کر دیتا؟ جب یہ لوگ یہ دعوی کر سکتے ہیں کہ بارہ اماموں میں سے کوئی ایک بھی جو روایت نقل کرتا ہے؛ وہ ان کے ہاں ثابت ہوتی ہے تو پھر جو روایات باقی امت نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہے؛ وہ ثابت کیوں نہیں ہو سکتی؟

یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ مجموعی طور پر امت رافضیوں سے کئی گنا زیادہ اور بڑھ کر ہے۔ اور وہ رافضہ کی نسبت دین کی حفاظت اور اس کی تبلیغ میں بڑے حریص بھی ہیں۔ اور رافضیوں کی نسبت اقوال کی حفاظت اور ان کے نقل کرنے پر زیادہ قدرت بھی رکھتے ہیں۔ یہ بات کسی بھی ادنی معرفت رکھنے والے انسان پر بھی مخفی نہیں۔

دسویں وجہ:......شیعہ مصنف سے کہا جائے گا کہ تمہارا یہ قول کہ ''وحی منقطع ہو جانے کی وجہ سے نصوص تفاصیل احکام سے قاصر ہیں۔'' اس سے تم کیا مراد لیتے ہو؟ کیا تمہاری مراد کسی خاص جزئیہ کے بیان میں قصور یا کمی ہے؟ یا پھر تمہاری

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مراد کلی قصور جو تمام جزئیات کو شامل ہے؟

اگر تم کہو گے کہ میری مراد پہلی ہے۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ہر امام کا کلام اسی منزلت پر ہوتا ہے۔ ہر امیر کا طریق کار یہی ہوتا ہے۔ امیر جب عوام الناس سے مخاطب ہوتا ہے تو عوامی طرز تخاطب اختیار کرتا ہے۔ جو کہ افراد اور افعال کو شامل ہوتا ہے؛ اور اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ فاعل کے ہر فعل کو ہر وقت میں معین کر دے۔ پس اس کے لیے صرف خطاب عام اور کلی کا ہونا ہی ممکن ہے۔ جہاں تک خطاب عام کلی کا تعلق ہے اور خطاب عام کلی رسول کے لیے بھی ممکن ہے۔

اگر روافض کہیں کہ نصوص رسول اللہ ﷺ قواعد کلیہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ ممنوع ہے۔ اور اگر نصوص رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تمہارا نظریہ مان لیا جائے؛ حالانکہ رسول اللہ ﷺ تو سب سے کامل و اکمل ہیں۔ تو پھر یہ بھی یہ مان لینا پڑے گا کہ امام کی نصوص کامل و کلی نہیں ہو سکتیں۔ پس اس صورت میں شیعہ کو خطاب امام میں دو میں سے ایک چیز کی ضرورت ہوگی:

۱۔ عموم الفاظ کا ثبوت۔ ۲۔ یا پھر عموم معانی کا ثبوت۔

ان میں سے جو بات بھی امام کے لیے ثابت کی جائے گی؛ وہ خطابِ رسول اللہ ﷺ کے لیے خود بخود ثابت ہوگی۔ اندریں صورت ہمیں بیان احکام کے لیے کسی امام کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔

گیارھویں وجہ:......اس سے کہا جائے گا کہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ [ابراهيم ۴]

''ہم نے ہر نبی کو اس کی قومی زبان میں ہی بھیجا ہے تا کہ ان کے سامنے وضاحت سے بیان کرے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [النساء ۱۶۵]

''تا کہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ [النور ۵۴]

''رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔''

ان کے علاوہ بھی اس طرح کی کئی آیات ہیں۔

تو ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں: کیا مخلوق پر رسول کے اس بیان کے بعد حجت قائم ہوگئی ہے یا نہیں؟ اگر حجت قائم نہیں ہوئی تو پھر یہ آیات اور ان کے معانی باطل ٹھہرے۔ اور اگر حجت قائم ہوگئی ہے تو پھر اس کے بعد کسی دوسرے متعین شخص کی حاجت باقی نہ رہی جو لوگوں کے لیے مزید کوئی چیز بیان کرے۔ چہ جائے کہ وہ تبلیغ دین کا محافظ بھی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

نے انسان کے کلام میں اپنے رسول ﷺ کی حدیث روایت اور بیان کرنے کی وجہ سے جو قوت نافعہ رکھی وہ کافی وشافی ہے۔ خصوصاً جب کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، بنا بریں کلام پاک تبدیل و تغییر سے مامون و مصئون ہے۔

خلاصہ کلام! شیعہ کا یہ دعوی کا دین اسلام کی حفاظت اور اس کا فہم صرف ایک معین شخص کے ذریعہ ہی ممکن ہے؛ یہ اصول دین میں بہت بڑا فساد اور بگاڑ ہے۔ اس قول کے لوازم کو جانتے ہوئے صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جو پکا زندیق اور ملحد ہو۔ جس کا مقصد دین اسلام کی بنیادوں پر وار کرنا ہو۔ اور اس قول کو لوگوں میں صرف جاہل اور گمراہ انسان ہی پھیلا سکتا ہے[جو کہ نام نہاد محبت آل بیت کے نعرہ کا شکار ہو کر ان کے دامِ فریب میں پھنس جائے]۔

بارھویں وجہ:......ان سے کہا جائے گا: پھر یہ بات ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ اکثر مسلمانوں کو قرآن و حدیث کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وساطت کے بغیر حاصل ہوا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب بلاد و امصار کو فتح کیا تو وہاں ایسے معلم صحابہ بھیجے، جنھوں نے لوگوں کو دینی و فقہی مسائل کی تعلیم دی۔ پھر ان لوگوں کی بدولت باقی مسلمانوں نے علم دین سیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے علم دین کو اسی حد تک پہنچایا جیسے حضرت عبد اللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے پہنچایا۔ یہ بات سب کو معلوم ہے۔ اگر ہم شیعہ کا دعوی مان لیں کہ دین صرف حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے ہی پہنچ سکتا ہے تو[تمام بلاد و امصار کے] عوام الناس کا دین باطل ٹھہرے گا۔[کیونکہ ان تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایات نہیں پہنچی؛] یا بہت کم روایات پہنچی ہیں جن سے دین کا مقصد حال نہیں ہوسکتا۔ اور یہ روایات بھی متواتر نہیں ہیں۔ اور ہمارے زمانے میں کوئی معصوم بھی نہیں ہے جس کی طرف رجوع کرنا ممکن ہو۔

لا حول و لا قوة إلا بالله ؛ ما شاء الله ! روافض کی جہالت اور حماقت کے کیا کہنے؟

فصل:......امام معصوم کا تعین قدرت الٰہی کی دلیل

[اشکال]: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''چوتھی بات: اللہ تعالیٰ نصب امام کی قدرت سے بہرہ ور ہے اور اس میں کچھ خرابی بھی نہیں۔ بلکہ دنیا کی ضرورت اس کی داعی ہے، اور امام نصب کرنا واجب ہے۔ جب بالاجماع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور میں یہ اوصاف موجود ہی نہیں تو صرف وہی خلیفہ برحق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا اس قدرت سے بہرہ ور ہونا صاف ظاہر ہے؛ اور دنیا کی ضرورت وحاجت کا ہونا بھی ظاہر ہے؛ اس لیے کہ ہم عالم میں اختلاف کے واقع ہونے کو پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس سے خرابی کی نفی بھی ظاہر ہے؛ اس لیے کہ خرابی تو امام کے نہ ہونے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ جب کہ امام کو نصب کرنے کا وجوب اس لیے ہے کہ جب قدرت بھی ثابت ہوگئی؛ اور دنیا کی ضرورت بھی ثابت ہوگئی؛ اور خرابی کی نفی بھی ہوگئی تو اب امام کو متعین کرنا ہی واجب ہوگیا۔'' [اشکال ختم ہوا]۔

[جواب]: یہ محض تکرار ہے ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں؛ اور اس کا جواب دیا جا چکا ہے۔ اس لیے کہ اس کا پہلا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ ہی باطل ہے؛ اور اس کے استدلال کی خرابی بھی صاف ظاہر ہے۔اس لیے کہ اس کے بیان کی بنیاد اجماع سے حجت پکڑنے پر ہے۔[ہم بیان کر چکے ہیں کہ] اجماع اگر معصوم ہے تو عصمت علی رضی اللہ عنہ کی حاجت نہیں۔ اور اگر اجماع معصوم نہیں تو عصمت علی رضی اللہ عنہ پر اس سے استدلال کرنا باطل ہے۔ ہر دو صورتوں میں شیعہ کی دلیل باطل ٹھہرتی ہے۔

بڑی عجیب بات تو یہ ہے کہ رافضی جن چیزوں سے اپنے اصول دین ثابت کرتے ہیں' انہیں وہ اجماع اور نصوص کا نام دیتے ہیں۔حالانکہ پوری امت میں نصوص اور اجماع کی معرفت اور ان سے طریقہ استدلال سے رافضیوں سے بڑھ کر جاہل کوئی دوسرا نہیں ۔ بخلاف اہل سنت و الجماعت ؛ اس لیے کہ سنت نصوص کو متضمن ہے ؛ اور جماعت اجماع کو متضمن ہے؛ پس اہل سنت والجماعت نصوص اور اجماع کے پیروکار ہیں۔

اب ہم رافضی کے اس بیان کے فاسد ہونے پر بات کرتے ہیں؛اس بیان کے خراب و فاسد ہونے کی کئی وجوہات ہیں:

پہلی وجہ:......ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ امام نصب کرنے کی کسی حاجت کی وجہ موجود ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ امت کی عصمت انہیں امام کی عصمت سے بے نیاز کردیتی ہے۔علماء کرام نے اس امت کی عصمت کی حکمتوں میں یہ ذکر کیا ہے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں:''اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم سے پہلی امتوں میں جب لوگ دین میں کوئی تبدیلی کردیتے تو اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرماتے؛ تاکہ وہ ان کے لیے حق بات کو واضح کردیں۔ چونکہ اس امت کے بعد کوئی نبی نہیں ہے؛اس وجہ سے ان کی عصمت نبوت کے قائم مقام ہے۔کسی کے لیے بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ دین میں سے کوئی چیز بدل دے۔ جب بھی کوئی ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کسی ایسے انسان کو کھڑا کردیں گے جو اس میں تبدیل کردہ غلطی کو واضح کردے گا۔ پس ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ پوری امت گمراہی پر جمع ہوجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم کو قائم کرتی رہے گی جو ان کو رسوا کرنا چاہے گا یا مخالفت کرے گا تو ان کا کچھ بھی نقصان نہ کرسکے گا اور وہ لوگوں پر غالب رہیں گے؛ حتی کہ قیامت قائم ہو جائے۔''❶

اور سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے نبی کی زبان پر اس بات سے بچالیا ہے کہ تم گمراہی پر جمع ہوجاؤ۔''❷

ان کے علاوہ بھی کئی ایک دلائل ہیں جن کی روشنی اجماع کا درست ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دوسری وجہ:......اگر شیعہ یہ کہیں کہ حاجت سے ہماری مراد یہ ہے کہ معصوم کے موجود ہونے کی صورت میں امت کی

---

❶ صحیح مسلم : ح٤٥٨

❷ أبو داؤد٤/ ١٢٩؛كتاب الفتن والملاحم باب ذكر الفتن ودلائلها ، وذكر الألباني الحديث في ضعيف الجامع الصغير وزيادته 2/67وقال: ضعيف۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حالت اکمل ہوگی ؛تو بلاشبہ معصوم نائبین کی موجودگی میں بھی ان کی حالت تمام وکمال سے بہرہ ور ہوگی اور اگر وہ بذات خود معصوم ہوں تو یہ اور بھی بہتر ہے،اور ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ چیز جسے لوگ مانتے ہوں[یا اپنے حق میں بہتر خیال کرتے ہوں] اللہ تعالیٰ بھی وہی کرے؛ اور اللہ تعالیٰ پر ایسا کرنا واجب بھی نہیں ہے۔[اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے خوب واقف ہے]۔

اگر شیعہ کہیں کہ ہماری مراد یہ ہے کہ''جب معصوم نہ ہوگا تو لوگ جہنم میں جائیں گے اور دنیا میں زندہ نہ رہ سکیں گے یا یہ کہ سخت مصیبتیں آئیں گی۔''

ہم کہتے ہیں کہ بفرض محال اگر یہ درست ہے؛ تو تم نے یوں کیوں نہ کہا کہ مصائب و آلام کا ازالہ ضروری ہے؟ ظاہر ہے کہ دنیا میں بیماریاں اور ہموم وغموم موجود ہیں۔اس کے علاوہ گھر بار اور مال میں مصائب؛ گرانی اور حوادث و آلام بھی پائے جاتے ہیں۔پھلوں [اور فصلوں] کو مصیبت کا پہنچنا بھی موجود ہے۔امام مظلوم کے ظہور پذیر ہونے کی صورت میں اسے جو ضرر لاحق ہوتا وہ ان مصائب سے زیادہ نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ بھی نہیں کیا۔

تیسری وجہ:......شیعہ کا کہنا ہے کہ:''قدرت اور داعی کے ثبوت ؛ اور صارف کی نفی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر امام کو نصب کرنا واجب ہوگیا۔

اس سے پوچھا جائے کہ:اس نے یہ کیوں نہیں کہا کہ: داعی ثابت ہے' اور صارف کی نفی ہے؟

شیعہ کا قول:''عالم[دنیا] کی ضرورت امام نصب کیے جانے کی داعی ہے؟''

اس سے کہا جائے گا کہ:''داعی تو وہ ہوتا جو کسی فاعل کا داعی ہو۔تو تم نے یہ کیوں کہا کہ صرف ضرورت اللہ تعالیٰ کے لیے امام نصب کرنے کی داعی ہے۔''؟

ایسے ہی شیعہ نے''انتفاء صارف'' کا کہا ہے۔اس نے صرف اس کے داعی میں خرابی کے نہ ہونے کو انتفاء صارف [اور نصب امام کی ضرورت] کے طور پر ذکر کیا ہے۔یہ کیوں نہیں کہا کہ اس میں سرے سے کوئی خرابی ہے ہی نہیں۔اس پر مزید یہ کہ بشری حوائج وضروریات کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔مثلاً انسان کو صحت وقوت مال وسرور اور لاتعداد امور کی ضرورت ہے۔

چوتھی وجہ:......شیعہ کا کہنا ہے کہ:''بیشک اللہ تعالیٰ امام معصوم کے نصب کرنے پر قادر ہے۔''

کیا اس سے اس کی مراد ایسا معصوم ہے جو کہ نیکی کے کام بھی اپنے اختیار سے کرتا ہے اور برائی کے کام بھی ؛ اور اللہ تعالیٰ اس کے اختیار کو پیدا کرتا ہے؛ جیسا کہ شیعہ کا عقیدہ ہے؟ یا پھر تمہاری مراد یہ ہے کہ امام معصوم اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اختیار کے بغیر ہی اطاعت گزاری کے کام کرتا ہے؟

اگر شیعہ کہیں کہ ہماری مراد پہلی ہے تو ان کے اصولوں کے مطابق یہ باطل ہے۔شیعہ کے اصول کو پیش نظر رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ اس تفسیر کے مطابق معصوم مأمون کو پیدا کرنے پر قادر نہیں؛ جیسا کہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ مومن و کافر کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔اس لیے کہ شیعہ کے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ زندہ اور مختار کے فعل پر قدرت نہیں رکھتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور نہ ہی برائی کو چھوڑ کر محض نیکی کا ارادہ پیدا کرتا ہے۔

اگر شیعہ کہیں کہ ہماری مراد دوسرا نکتہ ہے۔تو پھر اس معصوم کو نیکی کا کام کرنے پر اور برائی کے ترک کرنے پر کوئی ثواب نہیں ملے گا۔تو اس صورت میں وہ تمام لوگ جو نیکی کا کام کرنے پر اور برائی کے ترک کرنے پر اجر وثواب سے نوازے جائیں گے وہ اس امام معصوم کی نسبت بہتر ٹھہرے۔[کہ اسے عمل کے باوجود اجر نہیں مل رہا؛ لیکن لوگ عمل کر کے اجر کمارہے ہیں]۔

تو پھر وہ امام معصوم اہل ثواب لوگوں سے افضل کیونکر ہوسکتا ہے جس کے پاس کوئی ثواب ہی نہ ہو۔؟

[اب سوال یہ ہے کہ وہ معصوم کو پیدا کرنے پر کس طرح قادر ہے؟ یہ بات پہلے گزر چکی ہے] اس سے شیعہ مذہب کا تناقض بھی کھل کر سامنے آیا۔ایک طرف ان کا یہ دعویٰ ہے کہ معصوم کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔دوسری جانب ان کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اختیار سے کسی کو اس طرح معصوم نہیں بنا سکتا کہ اسے طاعات وعبادات کا اجر دیا جائے اور معاصی کی سزادی جائے۔ [1]

پانچویں وجہ:......شیعہ سے پوچھا جائے گا:تمہارا یہ قول مجمل ہے کہ:''اللہ تعالیٰ امام معصوم کے نصب کرنے پر قادر ہے۔''

بیشک یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ:''اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس جسم کو کالا اور سفید؛ متحرک اور ساکن؛ زندہ اور مردہ بنادے؛ یہ صحیح ہے۔اس کا معنی یہ ہوگا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سفید بنادے؛ وہ چاہے تو کالا بنادے۔وہ چاہے تو اسے زندگی دے دے اور چاہے تو اسے ماردے لیکن اس سے مراد یہ نہیں ہوسکتی کہ ایک ہی حالت میں کالا اور سفید بنا دے؛ اس لیے کی دوالٹ چیزوں کا جمع ہونے بذات خود ممنوع ہے۔جو کوئی چیز نہ ہو؛ اسے آپ چیز نہیں کہہ سکتے۔اس پر لوگوں کا اتفاق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل نہیں:

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ [البقرة ۲۸۴]

''اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔''

بات جب ایسے ہی ہے؛ تو پھر تمہارا یہ عقیدہ کہ:''اللہ تعالیٰ امام معصوم کے نصب کرنے پر قادر ہے'' اگر اس سے تمہاری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ امام مقرر کرے' اور نیکی کے کام بجالانے اور برائی ترک کرنے کا الہام کرے؛ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے؛ جیسا کہ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ امام کی طرح تمام

---

[1] ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ کیا معصوم تحصیل مصالح اور ازالہ مفاسد پر قادر ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ آیا معصوم عاجز ہونے کی صورت میں بھی معصوم رہے گا؟ ہم یہ بات تسلیم نہیں کر سکتے کہ بصورت عجز بھی وہ معصوم ہی رہے گا، کیوں کہ عاجز سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا، بلکہ قدرت کا ہونا اس میں شرط ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ تحصیل مصالح پر قادر ہے تو یہ بات اس سے ظاہر نہیں ہوئی، لہٰذا یا وہ معصوم نہیں بلکہ عاصی ہوگا اور یا عاجز ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بشریت کو معصوم بنادے اور بشریت میں سے ہر ایک آدمی کو نبی بنادے۔اور اس طرح کے دیگر امور بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں ۔

اگر اس سے تمہاری مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ وہ حکمت حاصل ہوتی ہے جو اس کے وجود کے منافی ہے؛ یعنی اس حکمت کا وجود اس کے عدم کے ساتھ ہوتا ہے۔تو اس میں دوالٹ چیزوں کا اجتماع [اکٹھا ہونا] لازم آتا ہے۔آپ نے یہ کہاں سے سیکھا ہے کہ:''حکمت کی تمام اقسام اس کے وجود کے منافی ہیں۔''

اگر لوگوں کے لیے امام نہ ہو؛ اور اطاعت گزاروں کے لیے اتنے بڑے اجر کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو؛ تو پھر اس صورت میں اطاعت کی معرفت اور اس پر عمل لوگوں پر بہت شاق گزرتا۔اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہوتا۔اور یہ ثواب امام معصوم کے وجود کی صورت میں فوت ہوجاتا ہے۔

ایسے ہی لوگوں کا شریعت کی حفاظت کرنا؛ دین کی سمجھ اور سوجھ بوجھ حاصل کرنا؛ اور دین کی معرفت کے لیے ان کا اجتہاد کرنا امام معصوم کے وجود کی صورت میں ختم ہوجاتا اور یہ حکمتیں اور مصلحتیں بھی ختم ہوجاتیں۔

ایسے ہی امام معصوم کے وجود کو تسلیم کرنے کی صورت میں غیر نبی کو نبی کے برابر قرار دیا جاتا ہے ۔ یہ نبی کریم ﷺ کے اقارب وخواص پر سب سے بڑا شبہ ہوسکتا ہے۔اس لیے کہ جب یہ واجب ہے کہ امام کے ہر ایک قول پر ایمان لایا جائے؛ جس طرح کہ نبی کریم ﷺ کے ہر ایک فرمان پر ایمان لانا واجب ہے؛ تو پھر اس میں نبوت کی کوئی خصوصیت باقی نہ رہی۔اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ اس نے جو کچھ بھی ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو دیا ہے؛ ہم اس پر ایمان رکھیں۔اگر کوئی اور انسان بھی معصوم ہونے میں ان انبیاء کرام علیہم السلام کے برابر ہو تو پھر اس کے بھی ہر ایک قول پر ایمان لانا واجب ہوجائے؛ اس طرح نبی اور غیر نبی کے درمیان فرق ختم ہوجائے گا۔

چھٹی وجہ :......شیعہ سے پوچھا جائے کہ: وہ معصوم جس کی ضرورت کا داعیہ موجود ہے؛ کیا وہ امام مصلحتوں کے حصول اور مفاسد کے ختم کرنے پر قادر ہے؟ یا پھر وہ ان امور کو بجالانے سے عاجز ہے؟اس کا عاجز ہونا ممنوع ہے۔اس لیے کہ عاجز سے نہ تو کوئی مصلحت حاصل ہوسکتی ہے اور نہ ہی کسی فساد کا ازالہ ہوسکتا ہے ۔ بلکہ قادر ہونا اس کے لیے شرط ہے۔اس لیے کہ معصوم ہونے کا فائدہ یہی ہے کہ اصلاح کا پہلو اور عنصر موجود ہو۔لیکن قادر ہونے کے بغیر داعی کا ہونا حصول مطلوب کو واجب نہیں کرتا۔

اگر جواب میں یہ کہا جائے کہ:''امام معصوم اس پر قادر ہے۔''

تو اس سے کہا جائے گا کہ: یہ بات نہیں پائی جاتی۔اگر یہ بارہ امام اس امر [فساد کے خاتمہ؛ اور اصلاح] پر قادر تھے: اور انہوں نے پھر بھی ایسا نہیں کیا؛ تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ نافرمان اور گنہگار تھے۔اور اگر اس پر قدرت نہیں رکھتے تھے تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ عاجز تھے۔ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات قطعی طور پر لازم ہے۔یا پھر دونوں ہی باتیں لازم ہیں کہ ائمہ نہ ہی معصوم ہیں ؛ اور نہ ہی قدرت رکھتے ہیں' بلکہ عاجز بھی ہیں ۔ معاملہ جب ایسے ہی ہے تو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

ضرورت کے تحت اس امام معصوم کے وجود پر استدلال کا منفی ہونا جانتے ہیں ؛ اس لیے کہ ضروریات کا استدلال سے تعارض نہیں ہوسکتا۔

ساتویں وجہ:...... یہ مسئلہ ہر زمانے کی طرح اس زمانے میں بھی ایسے ہی باقی ہے۔ اس زمانے میں بھی کسی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ جان سکے کہ امام معصوم نے کیا کہا ہے [اور کس چیز کا حکم دیا؛ یا منع کیا ہے]۔ چہ جائے کہ اس امام سے کوئی فائدہ حاصل ہو؛ یا اس سے کسی خرابی کا خاتمہ ہوا ہو۔ پس اس وجہ سے جو کچھ رافضی مصنف نے ذکر کیا ہے وہ سب باطل ہے۔

آٹھویں وجہ:...... بیشک اللہ سبحانہ وتعالیٰ امام معصوم کے نصب کرنے پر قادر ہے۔ مگر ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ اس امام کے نصب کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ یہ جو عموم کی نفی کی گئی ہے اس کے لیے دلیل کا ہونا ضروری ہے؛ اس کے لیے خرابی کے علم کا نہ ہونا کافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ کسی چیز کا علم نہ ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ چیز ہی معدوم ہے۔ اس میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ غیر نبی کی اطاعت اور تصدیق کو نبی کی اطاعت اور اس کی تصدیق کے مساوی کیا جارہا ہے۔ جو کوئی دوسرا نبی کے ساتھ ہر بات کی اطاعت میں اور ہر چیز کی تصدیق میں اور ان سے ہر غلطی کی نفی میں برابر کا شریک ہو؛ تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ نبی کے وہ کون سے انفرادی خصائص باقی رہ گئے جن کی وجہ سے وہ نبی ہوگئے؟ اور یہ نبی نہ ہوسکا؟

اگر یہ کہا جائے کہ: نزول وحی کی خصوصیت باقی رہتی ہے۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: اگر یہ [اصلاح کا] مقصود نزول وحی سے حاصل ہوگیا تھا؛ تو الحمد للہ اس تھکاوٹ اور سختی سے نجات مل گئی جو انبیائے کرام علیہم السلام برداشت کرتے ہیں' اور وہ اس مقصود میں شریک ہوگیا۔

مزید برآں عصمت حق تعالیٰ کی طرف سے اسے الہام کرنے سے حاصل ہوتی ہے؛ اسی کو وحی کہتے ہیں۔

نیز یہ کہ یہ امام یا تو انہی چیزوں کی خبر دے گا جن کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے؛ اور وہی حکم دے گا جو نبی نے دیا ہے۔ اور اسی چیز سے منع کرے گا جس سے نبی نے منع کیا ہے۔ یا ان سے کچھ زیادہ احکام جاری کرے گا۔

پہلی صورت میں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس میں کوئی فائدہ ہے۔ اس لیے کہ یہ باتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے اور آپ کے حکم دینے سے معلوم ہوگئی ہیں۔ اور آپ ان احکام کے بتانے میں معصوم ہیں [یہی نبوت ہے] اور آپ خود نبی ہیں؛ کسی دوسرے کی طرف سے کوئی پیغام نہیں پہنچاتے رہے۔

اگر شیعہ یہ کہیں کہ: امام معصوم کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کو محفوظ رکھنا ہے۔

تو اس سے پوچھا جائے گا: کیا وہ شریعت کو اپنی ذات کے لیے محفوظ کرے گا یا اہل ایمان کے لیے؟ اگر وہ شریعت کو اپنی ذات کے لیے محفوظ کرے گا تو پھر لوگوں کو ایسی شریعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر مقصد یہ ہے کہ وہ شریعت کو لوگوں کے لیے محفوظ کرے گا [تو پھر سوال یہ ہے کہ] وہ شریعت لوگوں تک کیسے پہنچے گی؟ کیا وہ خبر متواتر سے لوگوں تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہنچے گی یا پھر خبر واحد سے؟ اور جو لوگ امام معصوم سے غائب ہیں ان تک شریعت کیسے پہنچے گی؟ کیا واسطوں کے بغیر کسی رسول کے ذریعہ سے ان تک پہنچے گی؟

خلاصہ کلام! رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امام معصوم کے وجود میں کوئی مصلحت نہیں ہے۔ ہر مصلحت اس امام کے بغیر بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ اس امام معصوم کا عقیدہ و نظریہ رکھنے میں اتنی بڑی خرابی ہے جو کہ اس کے نہ ہونے سے ہی ختم ہوسکتی ہے۔ پس اس بنا پر شیعہ کا یہ کہنا کہ: ''حاجت امام کی داعیہ ہے۔'' ایک باطل اور بے اصل قول ہے۔

اور ایسے ہی یہ کہنا کہ: ''امام کے نہ ہونے میں خرابی ہے'' یہ بھی بے بنیاد اور ممنوع نظریہ و عقیدہ ہے۔

بلکہ حقیقت میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ خرابی تو امام کے ساتھ موجود ہے۔ اور اس کے ساتھ کوئی منفعت نہیں ہے۔

جب اس امام کا صرف اعتقاد رکھنے سے اتنی بڑی خرابی پیدا ہوئی ہے تو پھر اگر امام صاحب خود موجود ہوتا تو کیا حال ہوتا؟

[عصمت امام کی ایک اور اندھی بہری دلیل]:

[اشکال]: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''پانچویں وجہ: امام کا اپنی رعیت سے افضل ہونا ضروری ہے، یہ ایک بدیہی بات ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فاضل دوراں و یکتائے زمان تھے، لہٰذا وہی امام ہوں گے اس لیے کہ فاضل کی موجودگی میں مفضول کا تقدم عقلاً و شرعاً قبیح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَمَنۡ یَّهۡدِیۡۤ اِلَی الۡحَقِّ اَحَقُّ اَنۡ یُّتَّبَعَ اَمَّنۡ لَّا یَهِدِّیۡۤ اِلَّاۤ اَنۡ یُّهۡدٰی ۚ فَمَا لَکُمۡ ۟ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ﴾

[یونس ۳۵]

''پھر آیا جو شخص حق کا راستہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بغیر بتائے خود ہی راستہ نہ سوجھے پس تم کو کیا ہوگیا ہے کہ تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔'' [انتہی کلام الرافضی]

[جواب]: اس کے جواب میں کئی نکات ہیں:

پہلی بات: مصنف کا قائم کردہ دوسرا مقدمہ ممنوع ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں سب سے افضل تھے۔[1] بلکہ نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس امت کے افضل ترین لوگ تھے۔ جیسا کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں سے بھی ثابت ہے۔ اس کا تفصیلی جواب آگے آئیگا۔ [اور پہلے بھی گزر چکا ہے]۔

دوسری بات: ہمارے اصحاب اور دوسرے لوگوں میں سے جمہور سب کا یہی کہنا ہے کہ امکان موجود ہونے کی صورت میں افضل انسان کو والی بنانا واجب ہے۔ لیکن اس رافضی مصنف نے اپنے اس مقدمہ پر کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ اس میں بہت سارے علمائے کرام رحمہم اللہ کے مابین اختلاف بھی ہے۔ جب کہ مذکورہ بالا آیت میں اس رافضی کے

---

[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا: ''اس امت میں نبی ﷺ کے بعد سب سے افضل ابوبکر اور پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔''
سنن ابن ماجة، باب فضائل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (ح: ۱۰۶)، مسند احمد (۱/ ۱۰۶)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حق میں کوئی دلیل نہیں ہے۔اس لیے کہ اس آیت میں بیان ہے کہ جو کوئی خود حق کی طرف راستہ بتانے والا ہو یا پھر جسے بتائے بغیر راستہ کا پتہ ہی نہ چلتا ہو۔اور مفضول پر راستہ پانا اس وقت تک واجب نہیں ہے جب تک فاضل اسے راستہ نہ دیکھا دے۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت سارے لوگ فاضل سے تعلیم حاصل کیے بغیر بہت کچھ سیکھ جاتے ہیں۔اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مفضول فاضل سے زیادہ علم والا ہو۔اور ایسا بھی ہوسکتا ہے افضل انسان کی موت آجائے‘اور یہ جو زندہ موجود ہے اس نے افضل سے کچھ بھی تعلیم حاصل نہ کی ہو۔

پس مطلق طور پر حق کی طرف ہدایت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔اور جو راہ بتائے بغیر ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتا وہ ساری مخلوق ہے۔مخلوق کو جب تک اللہ تعالیٰ ہدایت سے نہ نوازیں اس وقت تک ہدایت نہیں پاسکتے۔اور اس آیت سے مقصود یہ بتانا ہے کہ مخلوق کی نسبت اللہ تعالیٰ عبادت کا زیادہ حق دار ہے؛ جیسا کہ اس آیت کے سیاق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى﴾ [یونس ۳۵]

’’آپ فرما دیجیے: تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ حق کا راستہ بتاتا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے تو پھر آیا جو شخص حق کا راستہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بغیر بتائے خود ہی راستہ نہ سوجھے۔‘‘

ان آیات کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان سے شروع کی تھی:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ [یونس ۳۱]

’’آپ فرما دیجیے: وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے۔‘‘

اور یہ بیان آگے تک جاری رہا؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ﴾۔[یونس ۳۵]

’’فرما دیجیے: تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ حق کا راستہ بتاتا ہے؟‘‘

مزید یہ کہ اکثر علماء کے نزدیک افضل کو حاکم تعینات کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب مفضول کو والی بنانے میں کوئی راجح مصلحت نہ پائی جاتی ہو؛ اور افضل کی ولایت میں کوئی خرابی نہ ہو۔ان مباحث پر وہ لوگ گفت وشنید کرتے ہیں جن کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں۔شیعہ کا فرقہ زیدیہ؛ بعض معتزلہ؛ اور متوقفہ یہی نظریہ رکھتے ہیں۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

جب کہ اہل سنت والجماعت اس مقدمہ کے امتناع کے محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک تمام امت کے لوگوں میں سب سے افضل ہیں۔ یہاں پر ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم رافضیوں کے لیے واضح کر دیں کہ اگر یہ حق کہنا چاہیں تو اس پر کسی صحیح دلیل سے استدلال کرنا ان کے بس کا کام نہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنی ذات کے لیے بہت سارے علم کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ اس وجہ سے حق بیان کرنے سے عاجز آگئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے لیے یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ خوارج کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایمان ثابت کر سکیں۔ اور نہ ہی مروانیہ فرقہ اور آپ سے جنگ کرنے والوں کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت ثابت کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ جن دلائل سے رافضی استدلال کرے گا اسی جنس کے دلائل ان کے پاس بھی موجود ہیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ ان کی جہالت اور خواہش پرستی؛ اور لاعلمی کی وجہ سے ان کے باطل اقوال پر کتنا فساد اور تناقض لازم آتا ہے۔

❀❀❀❀